سیرتِ نبوی پر معرکۃ الآرا کتاب

زاد المعاد

اوّل : آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ و شمائل، عادات و خصائل، اسوہ و سنت، معمولات اور اصولِ زندگی، مجاہدات و غزوات، معاملات اور طرزِ زندگی، خادموں سے برتاؤ، دشمنوں سے سلوک، گھر والوں سے معاشرت پر مشتمل ہے۔

دوم : یہ حصہ مشتمل ہے رحمتِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات و مجاہدات، معاملات دینی و دنیوی میں آپؐ کے اسوۂ مبارک اور سنّتِ طیبہ، نیز حالات و سوانح اور معمولات نبویؐ کی روشنی میں بہت ہی اہم نکات و نوادر مسائل فقہیہ پر

۱/۲

علامہ حافظ ابنِ قیمؒ

نفیس اکیڈمی - کراچی

زاد المعاد

علامہ حافظ ابن قیّم

سیرت النبیؐ پر دنیا کی سب سے زیادہ مستند اور عظیم الشان کتاب

زاد المعاد

فی

ھدی خیر العباد

اوّل - دوم

اوّل : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ و شمائل، عادات و خصائل، اسوہ و سنت، معمولات اور اصولِ زندگی، مجاہدات و غزوات، معاملات اور طرزِ زندگی، خادموں سے برتاؤ، دشمنوں سے سلوک، گھر والوں سے معاشرت پر مشتمل ہے۔

دوم : یہ حصّہ مشتمل ہے رحمتِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و مجاہدات، معاملات دینی و دنیوی میں آپؐ کے اسوۂ مبارک اور سنتِ طیبہ، نیز حالات و سوانح اور معمولاتِ نبویؐ کی روشنی میں بہت ہی اہم نکات و نوادر مسائلِ فقہیہ پر

مُصنّفہ: علّامہ حافظ ابی عبد اللہ محمّد ابنِ قیّم

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

زادُ المَعادُ

نام کتاب :	ــــــــــ	زادالمعاد (اوّل، دوم)
مصنفہ :	ــــــــــ	علّامہ حافظ ابنِ قیّم
مترجم :	ــــــــــ	رئیس احمد جعفری
ناشر :	ــــــــــ	نفیس اکیڈمی۔ کراچی
طبع :	ــــــــــ	۱۹۹۰ء
ایڈیشن :	ــــــــــ	آفسٹ
ضخامت :	ــــــــــ	۹۸۰ صفحات

ٹیلیفون : ۲۱۳۳۰۳

احمد برادرز پرنٹرز۔ ناظم آباد۔ کراچی

آفتاب رسالتؐ

چوھدری محمد اقبال سلیم گاھندری

علاّمہ ابن قیم کی زادالمعاد اہل علم، اہل دل اور اہل نظر اصحاب کے حلقوں میں ہمیشہ اُسے محبوب اور پسندیدہ رہی ہے، یہ کتاب درحقیقت اپنے فن اور موضوع کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور کمال یہ ہے کہ صرف ایک علاّمہ دھر کے غور و فکر کا نتیجہ۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اور اس موضوع سے متعلّقہ مباحث پر دنیا کی کسی زبان میں اس سے زیادہ ہمہ پہلو کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔

یہ اُردو زبان کی بدقسمتی تھی کہ ایسی نادر اور جامع الفوائد کتاب سے اس کا دامن خالی تھا یہ کتاب اب پہلی مرتبہ پوری شان دلاویزی کے ساتھ اُردو زبان میں منتقل ہو کر منظر عام پر آرہی ہے۔ مجھ نامۂ سیاہ کو اپنے عزم و ہمّت پر حیرت بھی ہے اور فخر بھی کہ ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود ہر طرح کے وسائل سے محرومی کے باوجود، ذاتی الجھنوں اور پریشانیوں کے باوجود اتنی طویل ضخیم اور مفصّل کتاب کی طبع و اشاعت کا سروسامان میں نے بہم پہنچا لیا۔ یہ صرف خُدا کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو جس طرح نوازے۔

میں بازارِ ادب میں ایک عرصہ سے موجود ہوں، میں نے کیا چھاپا؟ ناول اور افسانے بھی، ادب اور لٹریچر بھی تاریخ اور داستان بھی، تحقیق اور تنقید بھی، سوانح اور سفرنامے بھی۔ لیکن اپنے مطبوعات میں اس کتاب سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ یہ میرے لئے زادالمعاد، یعنی توشۂ

آخرت ثابت ہوگی۔

اس کتاب کی طبع و اشاعت میں کئی مرحلوں سے مجھے گزرنا پڑا سب سے بڑا مسئلہ مترجم کا انتخاب تھا۔ کافی غور و فکر کے بعد میری نظر انتخاب مولانا سیّد رئیس احمد جعفری پر جا کر رک گئی۔ اور مجھے مسرت ہے کہ انہوں نے میری استدعا قبول فرمالی ان کے قلم سے کئی کتابوں کے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ سیرت امام احمد بن حنبل، آثار امام شافعی، آثار امام محمد و امام ابو یوسف سیرت امام ابن تیمیہ، سیرت امام ابو حنیفہ اور تاریخ خوارج وغیرہ۔

جعفری صاحب کے ترجمہ کا اپنا ایک خاص انداز ہے اور یہ انداز ملک کے ایک بڑے طبقہ کے دلوں کو بھا گیا ہے، ان کی عبارت رواں، سلیس اور شگفتہ ہوتی ہے وہ علمی مباحث کو آسان اور عام فہم اور دل نشین انداز میں بیان کرتے ہیں۔ وہ چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فاضل علاّمہ سیّد سلیمان ندوی، شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ اعظمی، شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی اور مولانا محمد شبلی صاحب فقہیہ کے شاگرد رشید ہیں وسعت مطالعہ کا جوہر انہوں نے خود پیدا کیا ہے اور وسعت نظر کا اساتذہ کے فیض صحبت کا نتیجہ ہے اور ان دونوں چیزوں نے ان کے اندر تحقیق کا ملکہ پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ دینی اسلامی اور علمی مباحث سے متعلق کتابوں کے تراجم میں حسب ضرورت جہاں وہ حواشی لکھتے ہیں وہ اختصار کے باوجود ایک مستقل حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں حسب ضرورت انہوں نے حواشی لکھے ہیں۔ لیکن نہایت مناسب مواقع پر، اور نہایت موزوں انداز میں۔

مجھے امید ہے میرا پیش کیا ہوا یہ توشۂ آخرت آپ قبول کریں گے۔

بارگاہِ رسالتؐ میں نذرِ عقیدت

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صفات و خصوصیات میں یکتا تھے، اسی طرح آپؐ کی یہ خصوصیت بھی یگانہ ہے کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی پر دنیا کی ہر زبان میں بالعموم، اور عربی و اُردو میں بالخصوص جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، صحت و استناد اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہیں، اُن کا عشر عشیر بھی، کسی اور نبی پر کسی زبان میں نہیں لکھا گیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم

بے شک زاد المعاد، ایک طویل اور ضخیم کتاب ہے لیکن حیرت ہے کہ دوسری بہت سی طویل و ضخیم کتابیں اُردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں، مگر اب تک کسی ناشر نے اس اہم ترین کتاب کے ترجمہ کی طرف توجہ مبذول نہیں کی، جو سیرۃ نبوی کے ماخذ اور مواد کا بہترین سرمایہ ہے، مصنّف، زاد المعاد کا یہ قول تو قولِ فیصل ہے، نہ اس کے نکالے ہوئے نتائج و مسائل بلا استثناء ہر فقیہی مسلک کے مسلّمہ ہیں لیکن، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے موضوع پر یہ کتاب بلاشبہ حیرت انگیز ہے، اگر زاد المعاد نہ ہو، تو سیرۃ نبوّی پر کوئی مستند اور مکمل کتاب نہیں لکھی جا سکتی۔

ایسی مایۂ ناز کتاب کا چند صدیوں کے اس طویل عرصہ میں اُردو زبان میں منتقل نہ ہونا حد درجہ حیرت انگیز ہے، شاید اس میں مصلحت یہ تھی کہ یہ سعادت مجھ نامہ سیاہ کے حصّہ میں آئے اور روزِ قیامت یہ تحفہ میں بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کر سکوں۔

یہ کام سرمایہ طلب بھی تھا اور غور طلب بھی، اس گرانی اور کساد بازاری کے زمانے میں تقریباً دو ہزار صفحات کی بڑے سائز پر کتاب کا چھاپنا مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لئے آسان نہ تھا، دوسرا کام مترجم کا انتخاب تھا، سرمایہ کا بندوبست ہوا تو میں نے اس طرف

توجہ مبذول کی، میری نگاہِ انتخاب سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی پر جاکر اٹک گئی، جعفری صاحب کی یہ خصوصیّت ہے جیسا کہ معارف اعظم گڑھ نے ان کی ایک مترجمہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا، وہ ترجمہ کرتے وقت مکھی پر مکھی نہیں مارتے، نہ قارئین کتاب کے مبلغ علم، رسائی فہم، اور ضبط وادراک مسائل کی اہلیت کو نظرانداز کرتے ہیں میں تو کہتا ہوں ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ گویا مصنّف نے خود اردو میں کتاب لکھی ہے، وہ اس کی روح، اس کے خیالات، اس کے انداز، اس کی روش کو جذب کر لیتے ہیں اپنے قلم میں، دوسری خصوصیّت یہ ہے کہ یہ پرانے زمانہ کی گراں بہا اور گراں مایہ کتابیں اس ڈھنگ پر لکھی گئی ہیں جو کہ ان کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی کئی کئی صفحوں کا ایک ایک پیراگراف، کئی کئی جزء کا ایک ایک باب، کئی کئی صفحوں کی ایک ایک تفصیل، موجودہ زمانہ کا قاری اس طرح کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ جعفری صاحب اپنے ترجمہ میں پیراگرافنگ کرتے ہیں، اور ابواب وفصول کو اس طرح پیش کرتے ہیں قاری بیک نظر باب کی روح کو سمجھ لے اور دلچسپی لینے لگے، چنانچہ میں نے یہ کارِ اہم ان کے سپرد کیا، اور الحمدللہ کہ انھوں نے حسبِ دل خواہ اسے انجام دیا۔

اس دُنیا میں کم ہیں جو پارسائی کا دعویٰ کر سکیں اور مجھ جیسا گنہ گار، جب اپنے نامۂ اعمال پر نظر ڈالتا ہے تو عرقِ خجالت سے آب آب ہو جاتا ہے، لیکن اپنی سعی کے بارے میں مجھے اُمید ہے کہ بارگاہِ رسالت میں مقبول ہوگی، اور یہ خاطی وعاصی رحمت و شفاعت سے نوازا جا سکے گا کہ شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی الطالحون لی (بُرے میرے لیئے ہیں) فرما چکے ہیں، بقول مولانا محمد علی

کیونکر نہ فدا ایسے نبیؐ پر ہوں جو فرمائے!
اچھے تو سبھی کے ہیں، بُرے میرے لئے ہیں

فہرستِ مضامین

حصہ اول

عنوانات	صفحہ نمبر

فہرست مضامین (حصّہ دوم)

نقد و نظر

یہ زاد المعاد کا پہلا حصّہ ہے !

یہ کتاب اپنی معنویت، افادیت اور اہمیّت کے اعتبار سے واقعی زاد المعاد یعنی توشۂ آخرت ہے۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، ہر مسلمان کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے، دلیل منزل ہے شمع راہ ہے۔ یہی راستہ ایسا ہے۔ جس پر چل کر انسان ہدایت و سعادت فلاح و نجاح اور کامرانی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے اس کے علاوہ جتنے راستہ ہیں وہ گمراہی کے ہیں وہ جنت کی طرف نہیں جاتے جہنم کی طرف اپنے رہرو کو لے جاتے ہیں، اقبال نے سچ ہی تو کہا ہے۔

بہ مصطفےٰؐ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اسلام کی تعلیمات صاف اور سادہ ہیں نہ ان میں کسی طرح کی پیچیدگی ہے نہ اغلاق ہر شخص سمجھ سکتا ہے، ہر شخص برت سکتا ہے ہر شخص ان پر عامل ہو سکتا ہے۔

اور اسلام کی ان تعلیمات و ہدایات کا مکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی تھی۔ لہٰذا جب تک کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے نہ ہو اس وقت تک نہ ہم اسلام کو سمجھ سکتے ہیں نہ صحیح طور پر اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

اور اس اسوہ حسنہ کے ہم اس وقت تک رمز شناس نہیں ہو سکتے جب تک آپ کی

سیرت طیبہ کے تمام پہلو ہمارے سامنے نہ ہوں اور آپ کی سیرت طیبہ کے تمام پہلو اگر نظر آ سکتے ہیں تو احادیث میں حدیث ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جو آپ کے قول و فعل دونوں پر حاوی ہے۔

منافقوں اور کج دماغوں کی ایک جماعت ہمیشہ سے اس کام میں مصروف رہی ہے کہ احادیث کی اہمیت، عظمت کا انکار کیا جائے، انہیں قانون کا ماخذ مانا جائے۔ ان تمام کج کاویوں کا مقصد یہ ہے کہ سیرت رسولؐ صحیح آب و رنگ کے ساتھ سامنے نہ آ سکے، اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد منزل بہت آسان ہو جاتی ہے۔ جب احادیث کی حیثیت مجروح ہو گئی اور آپ کی شخصیت کا اصل معیار نظر سے اوجھل ہو گیا تو پھر من مانی کہنے اور کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں باقی رہ جاتی جس طرح چاہیئے قرآن کی تفسیر کیجیئے۔ جس طرح جی چاہے آپؐ کے اقوال و افعال کو دین کا ماخذ ماننے سے انکار کرنے کے بعد احکام اسلامی اور تعلیمات اسلامی کو اپنے ذہن و فکر کے سانچے میں ڈھال لیجئے یہی کیفیت دیکھ کر تو اکبر نے کہا تھا۔

حکومت کی تم خیر یارو منائو
گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑائو
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسّر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پائو

انکار حدیث کے بعد قرآن کی تشریح و تعبیر میں پوری آزادی حاصل ہو جاتی ہے نہ ایراد کا ڈر نہ اعتراض کا اندیشہ شاید یہی فکر و نظر کا بحران تھا جسے دیکھ کر اقبال کہہ اٹھا تھا۔

احکام ترے حق میں ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند

اور واقعی منکرین حدیث نے نت نئی تاویلیں کر کے قرآن کو معاذ اللہ پازند ہی بنا دیا ہے۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ اردو خواں ناظرین کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کی جائے جس کی بنیاد و اساس حدیث پر ہو اور جو رسول اللہ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ

کے بیان پر مشتمل ہوتا کہ اس فتنہ کا قلع قمع ہو سکے جو انکار حدیث کی صورت میں پاکستان کے اندر روز بروز جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر علاّمہ ابن قیم کی زاد المعاد (توشۂ آخرت) سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس میں پوری صحت استناد کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کا تفصیلی، تحقیقی اور روقت نظر کے ساتھ ذکر موجود ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے یگانہ اور منفرد ہے اس موضوع پر اس سے اچھی اور اچھوتی کتاب کسی زبان میں بھی نہیں مل سکتی یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے یہ کتاب مجامع علمی اور حلقہ علماء میں دائر و سائر چلی آ رہی ہے۔

اس کتاب کے چار حصّے ہیں، ان چاروں کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں، ہر حصّہ کے ساتھ اس کے مندرجات اور خصوصیات پر بھی بہ طور مقدّمہ ایک سرسری نظر ڈال لی ہے۔

اس پہلے حصّہ میں جو مواد مؤلف علام نے پیش کیا ہے وہ زیادہ تر عبادات سے متعلّق ہے اور اس سلسلہ میں جو بحثیں کی ہیں، جو علمی نکتے پیدا کئے ہیں جس انداز سے اختلافی مسائل اور مباحث پر نقد و تبصرہ کیا ہے، جس طرح اسناد اور رواۃ پر جرح و تعدیل کی ہے۔ اور پھر پورے طور پر صورت مسئلہ کو منقح کرنے کے بعد جس طرح اصل مسئلہ کا لب، لباب پیش کیا ہے وہ کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا تھا جو ایک طرف تفسیر کا عالم یگانہ ہو۔ دوسری طرف حدیث نبوی پر اس کی وسیع اور گہری نظر ہو تیسری طرف فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کا رمز شناس ہو اور ساتھ ہی ساتھ بہترین متکلم بھی ہو۔ علوم متعلقہ میں مہارت ہو، جملہ علوم اسلامیہ اس کی نظر میں ہوں، صرف و نحو کی باریکیاں بھی اس کی گرفت سے باہر نہ ہوں اور بلا شبہ یہ کام ایسے ہی شخص۔ ابن قیمؒ۔ نے کیا ہے۔

اس سے پہلے حصّہ میں بعض ان آیات کی نہایت دل کش جامع و مانع اور ماقل و دل تفسیر ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی سے تعلق رکھتی ہیں۔

پھر مکّہ مکرّمہ کے فضائل بتائے ہیں اور اس کے خواص کی طرف اشارہ کیا ہے لیلۃ القدر اور شب معراج کے اسرار بھی بتائے ہیں۔ حج اکبر کا ذکر بھی ہے۔ بعثت رسل کی ضرورت پر

روشنی ڈالنے کے بعد آپؐ کا نسب تاریخی اور تنقیدی تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے ضمناً یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل تھے، نہ کہ حضرت اسحاق پھر اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ آپؐ کی تربیت کس طرح ہوئی؟ والدین کے انتقال کا بھی ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلے جو آیت آپ پر نازل ہوئی اسے پیش کیا ہے اور اس سلسلہ بعض اہم نکتے بیان کیئے ہیں۔

اسماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شرح معانی ابن قیمؒ نے کی ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہے یہ فصل اپنی ندرت، اہمیت اور انداز بیان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔

دونوں ہجرتوں کا بیان بھی ہے نیز آپ کی اولاد، اعمام، عمات اور ازواج کے احوال پر بھی تحقیقی نظر ڈالی ہے۔ آپ کے خدام اور کتاب (کاتب) کا تذکرہ بھی ضروری بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

آپ کے مکاتیب، فرامین اور قاصدوں کا ذکر بھی ہے جن لوگوں کو آپ نے خدمت اذان سونپی اور جنھیں امارت کے منصب پر فائز کیا ان کا ذکر جمیل بھی کتاب میں ضروری تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ کے سلاح جنگ اور اثاثہ پر بھی نام بہ نام روشنی ڈالی ہے۔ آپ کے ملبوسات سواریوں اور جو کپڑے زیب تن فرماتے تھے ان کی نوعیت پر بحث کی ہے یہ بتایا ہے کہ آپ کے آداب طعام کیا تھے؟ آپ نے کتنے نکاح کیئے؟ اہل خانہ کے ساتھ آپ کا سلوک اور برتاؤ کیا تھا؟ آپ کس طرح سوتے تھے؟ کیونکر جاگتے تھے؟ آپ کے آداب رکوب کیا تھے؟ خرید و فروخت کا اصول اور طریقہ کیا تھا؟ روزمرہ کی زندگی کا منہاج اور اسلوب کیا تھا؟ آپ چلتے کس طرح تھے؟ بیٹھنے کس طرح تھے؟ ٹیک کس طرح لگاتے تھے۔ قضائے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے؟ آپ بات کس طرح کرتے تھے؟ سکوت کا رنگ کیا تھا؟ آپ ہنستے کس طرح تھے اور گریہ کے وقت آپ کا کیا حال ہوتا تھا؟ آپؐ خطبہ دینے کا انداز کیا تھا؟

یہ ساری باتیں اس پہلے حصہ میں کہیں اجمال کے ساتھ کہیں تفصیل کے ساتھ لیکن پوری شان تحقیق کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کے بعد عبادات کا بیان شروع ہوتا ہے اور اس

سلسلہ میں بہت سی چیزوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً آپ کے وضو کرنے کا طریقہ کیا تھا ؟ وضو کے وقت آپ کیا پڑھتے تھے۔ مسح۔ تیمم۔ انداز صلاۃ۔ نیت نماز کی تفصیل بھی موجود ہے زیادہ تر آپ کن سورتوں کی اور کن موقعوں پر تلاوت کرتے تھے؟ اور اس کا رمز کیا تھا؟ یہ تفصیل بھی اس حصّہ میں آپ کو ملے گی۔ نسک و عبادت سے متعلق ضروری فقہی مسائل بھی پوری مجتہدانہ شان کے ساتھ موجود ہیں۔

خصائص یوم جمعہ، تلاوت قرآن کے آداب، سفر کی صورت میں رخصت اور سہولت نماز عیدین نماز کسوف۔ نماز خوف، جمع بین الصلاتین۔ جنائز اور متعلّقہ مباحث و مسائل نیز رفع یدین۔ سجدہ سہو۔ سجدہ شکر۔ قنوت نوازل۔ زیارت قبور۔ تعمیر قبور۔ قبور انبیا نماز خوف زکوٰۃ صدقہ۔ فطرہ۔ روزہ فوائد صوم تطوع وغیرہ مسائل بھی ملتے ہیں۔

یوم عاشورا کے روزے پر جو بحث کی ہے وہ قابل دید ہے حج اور عمرہ کے سلسلہ میں نفیس مباحث موجود ہیں۔ خاص طور پر قرآن یا تمتع کے ذیل میں جو بحث کی ہے وہ بہت ہی معرکہ آراء ہے۔

غرض اس کے پہلے حصّہ میں اتنا مواد موجود ہے کہ اگر ابن قیم نے صرف یہی پہلا حصّہ لکھا ہوتا تو شمع نبوّت کے پروانوں کے لئے وہ کفالت کرتا تھا! یہ حصّہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف ہے جو ہر اعتبار سے مکمّل اور جامع و مانع!

رئیس احمد جعفری (ندوی)
۸۹۔ ٹیگور پارک لاہور

علّامہ ابنِ قیّم

اس کتاب کے مؤلف کی حیات گرامی کے چند پہلو

منقول من کتاب جلاء العینین للسید نعمان الالوسی البغدادی

علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر بن ایوب سعد زرعی، دمشقی، یگانہ روزگار فقیہ اور مسلک حنبلیؒ پر عامل تھے۔ بلند پایہ مفسر قرآن تھے۔ علم نحو کے امام اور فن کلام کے استاد تھے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے متکلم تھے یہ ابن قیم جوزیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

"الشذرات" میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"علامہ ابن قیم کو اگر مجتہد کہا جائے تو درست ہوگا۔ بلکہ مجتہد مطلق تھے۔"

ابن رجب کہتے ہیں۔

ہمارے شیخ (ابن قیم) ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ کے دامن علم سے وابستہ ہوگئے اور ان سے تحصیل علم کرنے لگے جملہ علوم دینیہ و اسلامیہ انہی سے حاصل کئے فن تفسیر میں اپنا جواب آپ تھے، اصول دین کے رمز آشنا تھے۔ حدیث اور فقہ و معانی حدیث پر نہایت گہری نظر رکھتے تھے وقائق استنباط میں یکتا تھے فن فقہ اور اصول عربیہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ تصوّف کے بھی لذّت آشنا تھے اپنے بعض عقائد کی پاداش میں سجن و زنداں کے آلام بھی برداشت کئے، بیہ (کعبہ کے سوا) قبر رسولؐ کی زیارت کے لئے بھی سفر کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

حد درجہ عبادت گزار تھے تہجد پابندی سے پڑھتے تھے۔ نماز اتنے استغراق وانہماک سے پڑھتے تھے کہ کھو جاتے میری نظر سے کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جو ان کی طرح عبادت گزار ہو۔ قرآن حدیث اور حقائق ایمان کا علم تو گویا ان ہی کے لئے تھا۔ وہ معصوم نہ تھے لیکن ان جیسی ہستی کوئی اور میری نظر سے نہیں گزری کئی مرتبہ امتحان وایذا کے سخت ترین مرحلوں سے گزرے مگر پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔ آخری مرتبہ اپنے شیخ، شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قلعہ میں قید کئے گئے لیکن ان سے الگ رکھے گئے۔ رہائی شیخ (ابن تیمیہ) کی وفات کے بعد ہوئی۔

قید وبند کا یہ وقت ابن قیمؒ نے قرآن کی تلاوت اور اس پر تفکر و تدبر میں بسر کیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے خیر کثیر کے دروازے کھول دیے۔ ان کی تصانیف علوم و معارف کا گنجینہ ہیں کئی مرتبہ حج کیا، مکہ میں مقیم بھی رہے اہل مکہ ان کی کثرت طواف وعبادت پر سخت حیرت کرتے تھے ایک خلق کثیر نے ان سے علم اور انتفاع حاصل کیا۔ ان کے شیخ کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔

قاضی برہان الدین زرعی فرماتے ہیں۔

اس آسمان کے نیچے کوئی بھی ان سے زیادہ وسیع العلم نہ تھا۔

ان کی تصانیف میں تہذیب سنن ابی داؤد وایضاح مشکلات اور سفر ہجرتین۔ اور مراحل السائرین اور الکلم الطیب اور زاد المسافرین اور زاد المعاد (چار جلد) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑی بلند پایہ کتاب ہے۔ نیز ان کی کتابوں میں نقد المنقول اور کتاب اعلام الموقعین من رب العالمین (۳ جلد) کتاب بدائع الفوائد، الصواعق المرسلہ علی الجھمیہ والمعطلہ، حادی الارواح الی بلاد الافراح، نزہتہ المشاقین، کتاب الداء والدواء کتاب مفتاح دار السعادۃ بھی ہیں۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے، نیز کتاب الطرق الحکمیہ وکتاب عدۃ الصابرین وکتاب اغاثۃ اللهفان کتاب الروح، کتاب الصراط المستقیم اور الفتح القدسی اور التحفتہ المکیہ اور الفتاویٰ وغیرہ بھی ہیں۔

ابن قیمؒ کی وفات ۱۳/رجب ۷۵۱ھ میں ہوئی۔ باب صغیر کے مقبرے میں دفن کئے گئے کئی جگہوں پر ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

موت سے پہلے خواب میں اپنے استاد تقی الدین کو دیکھا اور ان سے ان کے درجہ کا حال پوچھا۔ انہوں نے بعض اکابر سے بھی اسے بلند بتایا۔ پھر کہا تم بہت جلد ہم سے آملو گے۔

علامہ حافظ ابنِ قیّم

امام ابنِ تیمیہؒ کے تلمیذِ رشید کی داستان حیات

یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم امام ابن تیمیہؒ کے تمام شاگردوں کا ذکر کریں۔ لیکن یہ بھی مشکل ہے کہ ہم امام ابن قیمؒ کو نظر انداز کر دیں، کیونکہ امام صاحب کے بعد وہی ان کے جانشین اور ترکۂ علم کے وارث ہوئے، تحریر و تالیف کے لحاظ سے بھی اور مجادلہ و مناظرہ کے اعتبار سے بھی وہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ اپنے استاذ ابنِ تیمیہؒ سے عمر میں تیسؔ سال چھوٹے تھے۔ ابن تیمیہؒ ان کے لئے بہ منزلۂ والد مشفق کے تھے۔ اپنے استاذ ابن تیمیہؒ کی طرح ابن قیم بھی ایسے گھر میں پیدا ہوئے جو علم و فضل کا مرکز تھا۔ ان کے والد المدرستہ الجوزیہ کے قیّم (مدیر و مہتمم) تھے، اسی مناسبت سے ان کا نام ابن قیمؒ الجوزیہ پڑ گیا، جو بعد میں صرف ابنِ قیمؒ رہ گیا۔ اپنے استاذ کی طرح ان کی نشو و نما بھی حنبلی ماحول میں ہوئی۔

ابن قیمؒ صحیح معنی میں علم ابن تیمیہؒ کے حامل تھے، اپنے استاذ کے علم کو بڑھانے پھیلانے اور اس کی توسیع و اشاعت میں انہوں نے غیر معمولی حصہ لیا۔ اسی کی طرف انہوں نے دعوت دی۔ اسی کی جانب سے دفاع کیا اور اسی کی تائید کے لئے تحقیق و تنقیح کی پوری کوشش کی۔ جس چیز کی نشر و دعوت پر انہوں نے بہت زیادہ توجہ کی وہ فقہ ابن تیمیہؒ تھی۔ مسئلہ طلاق پر انہوں نے ابن تیمیہؒ کے افکار و آراء کی خوب خوب پشت پناہی کی ہے اور ان کے فتاویٰ اور اصول بڑی عرق ریزی سے جمع کئے ہیں۔ ابن قیمؒ

نے اپنی دو کتابوں - اعلام الموقعین" اور" زاد المعاد" وغیرہ میں فقہ ابن تیمیہؒ کا ترکۂ زرخیز کثرت کے ساتھ جمع کر دیا ہے - لیکن استاذ سے اس شیفتگی اور عقیدت کے باوجود حریتِ فکر ورائے سے بھی بہرہ ور ہیں - انہیں متعدد علوم میں دستگاہ کامل حاصل تھی - ان کے دوست اور رفیق درس حافظ ابن کثیر (صاحب البدایہ والنہایہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں

ابن قیمؒ نے حدیث کی سماعت کی اور زندگی کا بڑا حصّہ علمی مشغلہ میں بسر کیا - انہیں متعدد علوم میں کمال حاصل تھا - خاص طور پر علم تفسیر اور حدیث وغیرہ میں غیر معمولی دستگاہ کے حامل تھے۔"

ابن تیمیہ کے حلقۂ درس میں

۷۱۲ھ میں امام ابن تیمیہ مصر سے واپس آئے تو ابن قیم ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے - اس سے پہلے تک ان میں پختگی نہیں آئی تھی - لیکن اب انہوں نے امام صاحب کا دامن پکڑا، ان سے فقہ حاصل کی، ان کا منہاج اختیار کیا اور انہی کے ہو رہے، ابن کثیر کہتے ہیں -

"۷۱۲ھ میں جب شیخ تقی الدین مصر سے واپس آئے تو ابن قیم ان سے وابستہ ہو گئے اور ان کی وفات تک انہی کے دامن سے وابستہ رہے، علمی ذوق اور شغل تو پہلے سے رکھتے تھے - اب امام ابن تیمیہؒ سے علم بے نہایت حاصل کر لیا - دن رات طلب علم کی دھن تھی لہٰذا متعدد علوم و فنون میں یگانہ روزگار بن گئے - ساتھ ہی کثرتِ عبادت اور ابتہال کی صفت سے بھی متصف تھے۔"

خصائص گوناگوں

ابن قیمؒ گوناگوں خصائص کے حامل تھے، نرم مزاج، قوی الخلق، اپنے استاذ سے انہوں نے علم اخلاص اور ایمان کی دولت حاصل کی - لیکن مزاج کی تیزی نہیں - ابن کثیر اپنے اس رفیق درس اور دوست کے بارے میں کہتے ہیں -

" ابن قیم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے - محبّت سب سے، حسد کسی سے بھی نہیں، نہ کسی کے درپے آزار ہوئے، نہ کسی کی عیب چینی

کی، نہ کسی پر شک میں اکثر ان کے ساتھ رہا ہوں، وہ مجھ سے بہت محبّت کا برتاؤ کرتے تھے، مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے زمانہ میں کوئی شخص ان سے زیادہ عبادت گزار رہا ہو، ان کی نماز بڑی طویل ہوتی تھی، رکوع اور سجود بھی خاصے لمبے ہوتے تھے، بہت سے دوست اور ساتھی اس پر کبھی کبھی انہیں ملامت بھی کرتے تھے لیکن انہوں نے کوئی جواب دیا نہ اس معمول کو ترک کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ"

تصوّف سے مناسبت

ابن قیمؒ کو تصوف میں بھی بڑا درک تھا، چنانچہ اس موضوع پر انہوں نے ایک یگانہ اور نادر روزگار کتاب لکھی ہے، جس کا نام مدارج السالکین الیٰ منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین ہے۔ اس کتاب میں علم حقیقت اور علم شریعت کے اسرار و حکم بیان کئے ہیں۔ یہ ایسی کتاب ہے، جس میں فکرِ حکیم، خلق قویم اور تدیّن و مسلکِ سلف کا صحیح فلسفہ سب کچھ موجود ہے۔

ابن قیم نے بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جو ایک طرف تو استاذ (ابن تیمیہؒ) کے علم کا خلاصہ ہے، دوسری طرف استاذ کی تحقیقات کے نتائج و ثمرات اور تنویعات و توجیہات ہیں۔ ابن قیمؒ نے جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

اعلام الموقعین، الوابل الصیّب فی الکلم الطیب، مدارج السالکین، زاد المعاد، اغاثۃ اللھفان، حاوی الارواح، بدائع الفوائد، مفتاح دار السعادۃ، الطرق الحکمیہ، عدۃ الصابرین الداء والدواء (الجواب) الکافی اجتماع الجیوش الاسلامیہ، الصراط المستقیم الفتح القدسی۔ التحفۃ المکیّہ، زاد المسافرین۔

سلف کا نور اور سابقین کی حکمت

حافظ ابن قیمؒ کی تحریریں اپنے شیخ ابن تیمیہؒ کی اکثر تصانیف کی طرح جدلی طرز کی نہیں تھیں۔ بلکہ ان میں نرم خوئی اور سکونِ خاطر کی جھلک موجود ہے۔ اگرچہ فکر کی گہرائی، استدلال کی قوت اور جوش بیان پورے طور پر نمایاں ہے، نیز ابن قیمؒ کی تصانیف، حسن ترتیب، خوبی بتویب، نظم افکار اور روانی عبارت کی آئینہ دار ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا

وہ دل جمعی کے عالم میں لکھا، اس امر کی واضح ترمثال میں ان کی تین کتابوں کو پیش کیا جا سکتا ہے، یعنی مدارج السالکین، عدۃ الصابرین اور مفتاح دار المسعادۃ ان کتابوں میں فلسفہ کی گہرائی بھی ہے اور جمال فنی بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیم کی تصانیف میں سلف کا نور اور سابقین کی حکمت موجود ہے۔ صحابہ وتابعین کے اقوال سے استشہاد وہ بھی بہت زیادہ کرتے ہیں۔ لیکن اپنے استاذ سے کم۔ اگرچہ یہ سارا فیض استاذ ہی کے چشمۂ صافی کا ہے۔

زاد المعاد کا اسلوب و انداز

امام ابن قیمؒ کے طرزِ نگارش پر ایک نظر

زاد المعاد ایک طویل و ضخیم کتاب ہے اسے اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ گرامی آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور اعمال شب و روز کی انسائیکلو پیڈیا قرار دیا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ سرورِ کائناتؐ کی رفتار و گفتار، سیرت و صورت، خصائل و شمائل، عادات، اخلاق، اوصاف اور صفات سے متعلق کوئی جزئی سے جزئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو ضبطِ تحریر میں نہ آگئی ہو، اس پر نقد و جرح نہ کی گئی ہو، اسے جانچا اور پرکھا نہ گیا ہو، اس کے رواۃ و اسناد پر تحقیقی نظر نہ ڈالی گئی ہو، اس کے مفہوم و معنی پر سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو

ظاہر ہے جو کتاب اس اہتمام سے لکھی جائے گی وہ مختصر نہیں ہو سکتی، اسے طویل اور ضخیم ہونا ہی چاہیئے۔ اور اتنی طویل و ضخیم کتاب میں سہو فکر و نظر بھی بالکل طبعی اور قدرتی ہے لیکن من حیث المجموع یہ کتاب یکتا اور بے ہمتا ہے۔ اس پایہ کی کتاب عربی زبان میں نہ اس سے پہلے لکھی گئی نہ بعد میں اور شاید آئندہ بھی نہیں لکھی جا سکے گی۔

علاّمہ ابن قیمؒ نے یہ کتاب درحقیقت ان لوگوں کے لئے لکھی ہے جو سیرت رسالت مآبؐ کا تحقیقی اور تاریخی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں قرآن کی تفسیر بھی ہے اور حدیث کی تشریح بھی۔ راویانِ حدیث پر جرح بھی ہے اور فقہ کے مسائل بھی۔ غزواتِ نبویؐ کی تاریخ بھی ہے اور مکّی و مدنی زندگی کی مستند تفصیل بھی۔ ضمناً اور بھی بہت سے متعلّق اور غیر متعلّق مباحث آگئے ہیں۔

علامہ ابنِ قیمؒ، امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ انہیں اپنے استاذ پر فخر ہے، ناز ہے وہ استاذ کی ہر بات کی تائید کرتے ہیں، بعض مختلف فیہ مسائل کا تذکرہ کرنے کے بعد کہیں کہیں ایسا بھی کیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کا قول یا مسلک بیان کر دیا ہے اور اسے حرفِ آخر اور قولِ فیصل قرار دے کر گفتگو ختم کر دی ہے، استاذ کی ذات گرامی سے سعادت مند شاگرد کا یہ والہانہ ربط و تعلق بڑی دلچسپ اور سبق آموز چیز ہے۔ لیکن تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ بات ذرا کھٹکتی بھی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک، متعدد مسائل میں جمہور علماء و ائمۂ اسلام سے مختلف ہے، ایسے مواقع پر ابن قیمؒ نے استاذ کا ساتھ دیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر وہ اپنے اور اپنے استاذ کے مطابق فکر کے اسباب و محرکات اور بواعث و علل کو بھی ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتے تو صورتِ مسئلہ اور زیادہ واضح اور منقح ہوجاتی۔

علامہ ابن قیمؒ کا طرزِ تحریر اور اسلوب نگارش، سادہ، عام فہم اور دلکش ہے، لیکن جہاں کہیں صرفی اور نحوی بحثیں کرتے ہیں، یا معانی و بیان کے دقیق اور بلیغ ہوگیا ہے، جس کا ایک عام آدمی کے لئے سمجھنا آسان نہیں ہے، لیکن ایسے مواقع زیادہ نہیں ہیں یا اگر ہیں تو زیادہ طویل نہیں ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں علامہ ابن قیمؒ کی شخصیت مجمع البحرین ہے۔ وہ علوم عقلی و نقلی میں یکساں کمال رکھتے ہیں اور اپنے مدعا کو بغیر کسی جھجک کے پورے زور شور کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور کوئی شبہ نہیں ان کے دلائل میں زور بھی ہے۔ وزن بھی اور قوت بھی۔ لیکن اپنے نقطہ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے لئے وہ سخت اور درشت الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں، گو یہ چیز اس زمانہ میں جو ابن قیم کا عہد تھا عام تھی۔ اور بحث و مناظرہ میں متحارب فریقین ایک دوسرے کے فکر و نظر کے ساتھ مصالحت برتنے کے قائل نہ تھے اس لئے یہ چیز حیرت انگیز تو نہیں لیکن ابن قیمؒ کی علمی، تحقیقی اور ذہنی عظمت کی سطح سے مسطح نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کی طرح علامہ ابن قیمؒ کا اُصول، مسلک، عقیدہ اور ایمان بھی وہی تھا۔ جس کی ترجمانی اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

وہ کٹر حامی سنّت ہیں، بدعت کے سخت مخالف، جو چیز سنّت رسولؐ کے مطابق نظر آتی ہے اسے دل وجان سے قبول کر لیتے ہیں جو چیز سُنّت رسولؐ کے خلاف نظر آتی ہے اسے بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالنے میں اپنا سارا زور اور پوری قوت و توانائی صرف کر دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں نہ کسی کے ساتھ رعایت کرتے ہیں، نہ مصالحت، نہ رواداری۔ چنانچہ دوسرے ائمہ فقہ جو ان کے مسلک سے اتفاق نہیں رکھتے جب ان کا مسلک زیر بحث آتا ہے تو علامہ ابن قیم ان کے خلاف بے دھڑک وہ تمام باتیں کہہ دیتے ہیں جو ان کی نوکِ قلم پر آجاتی ہیں۔

ایک چیز جو خاص طور پر اس کتاب کے مطالعہ سے نظر کے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ علامہ ابن قیم کا دل حبِّ رسولؐ کے نشہ سے سرشار تھا، لیکن ان کا حبِّ رسولؐ حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ وہ کسی صورت اور کسی حیثیت میں بھی حبِّ رسولؐ کو جذبۂ توحید سے متصادم نہیں ہونے دیتے۔ ان کی توحید اتنی سخت، بے لچک اور غیر مفاہمت پسند ہے کہ مخالفوں نے اس چیز کی آڑ لے کر انہیں اور ان کے استاذ والاشان امام ابن تیمیہؒ کو ہدف مطاعن اور ہدفِ ستم بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی گئیں، ان پر نا واجب اور ناروا پابندیاں عائد کی گئیں، انہیں نظر بند کیا گیا، جلاوطنی کے مصائب برداشت کرنے پڑے، سجن و زنداں کی عقوبتوں کا سامنا کرنا پڑا صعوبتوں لیکن ان کے عزم و استقامت میں فرق نہیں آیا اس لئے نہیں آیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے۔ وہ ان کے اعتقاد جازم کا نتیجہ تھا اور عقیدہ کی ٹکر کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں سہ سکتی۔

اگر امام ابن تیمیہ اور علامہ ابنِ قیم مفاہمت پسند ہوتے، اصولی اور بنیادی معاملات میں مداہنت کی کارفرمائی گوارا کر سکتے، عقیدے کو مصالح اور حالات

پر قربان کر سکتے تو یقیناً انہیں دنیا میں اس سے کہیں زیادہ وقار، دبدبہ اور شکوہ و جلال حاصل ہوتا جو ان کے معاصرین کرام کو حاصل تھا، لیکن انہوں نے یہ راہ نہیں اختیار کی وہ راستہ اختیار کیا، جو روح فرسا اذیتوں، آزمائشوں اور تکلیفوں کا راستہ تھا۔ اس راستے پر چلنے سے جان، جان آفرین کو سونپ دی مگر اس سے رد گرداں ہونا گوارا نہ کیا۔

کوئی شبہ نہیں بعض اجل علماء امام ابن تیمیہ اور علامہ ابنِ قیم کی انتہا پسندی کے شاکی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس انتہا پسندی کے باعث ان کی زبان اور قلم سے ایسی باتیں نکل گئیں جنہیں زیادہ سے زیادہ فراخی حوصلہ کے باوجود سہو فکر و نظر قرار دیئے بغیر چارہ نہیں اور کوئی شبہ نہیں اس قول میں وزن بھی ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں صداقت بھی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور میرا خیال ہے ان کا بدترین مخالف بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے افکار و خیالات اور عقائد کی بنیاد جس چیز پر استوار کی تھی وہ تھا حبِّ رسولؐ کا جذبہ، اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو وہ اتنی عظیم اور ناقابلِ فراموش قربانیاں نہیں دے سکتے تھے جو انہوں نے دیں۔

قرآن کی تفسیر میں یا حدیث کی شرح میں یا اجتہادی مسائل میں، رسولؐ کے سوا کسی کا قول بھی قولِ آخر نہیں ہو سکتا۔ اس پر بحث و گفتگو اور نقد و جرح کی پوری گنجائش ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ ابن قیم اور اس مکتب فکر کے دوسرے اکابر کے افکار و آراء شرح و تفسیر اور مجتہدات کا جہاں تک تعلق ہے انہیں بھی بہر صورت اور بہر نوع حرفِ آخر نہیں قرار دیا جا سکتا ان میں بحث و گفتگو اور نقد و جرح کی گنجائش ہے اور ان حضرات کے زمانہ سے اب تک یہ سلسلہ جاری بھی ہے اور جب تک تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا جاری رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی یہ حضرات جمہور کی ڈگر سے ہٹے ہیں انہوں نے اپنے ساتھ ناانصافی کی ہے، نہ اپنے مخالفوں اور حریفوں کے ساتھ نہ اپنے معتقدین کے ساتھ، نہ اپنے قارئین کے ساتھ، انہوں نے بلاشبہ بڑے زور شور سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور اس کو مرجح اور اولیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن دوسروں کے افکار و خیالات، دلائل اور معتقدات، اسلوب فکر اور منہاج نظر کو بھی پیش کرنے میں نہ

صرف بخل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ناانصافی بھی نہیں کی ہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والا گو ان حضرات کے عمق مطالعہ، گہرائی فکر اور وسعتِ معلومات کا قائل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے سامنے دوسرا نقطۂ نظر بھی پوری وضاحت کے ساتھ آجاتا ہے اور اس روشنی میں وہ خود بھی اپنی بصیرت اور فہم کے مطابق ایک رائے قائم کر سکتا ہے اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ رائے وہی ہو جسے مرجح اولیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یہ چیز عام مناظرانہ انداز سے بالکل ہٹی ہوئی ہے مناظر کا مقصد ایک اور صرف ایک ہوتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو حریف کو زک دی جائے، اسے شکست سے آشنا کیا جائے، اس کے دلائل کو بودا ثابت کیا جائے، اس کے ادلہ اور افکار و خیالات کو مزعومات محض ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا جائے۔ لیکن ایک حق پسند، ایک طالب حق یہ طریقہ نہیں اختیار کرتا۔ اس میں اتنا حوصلہ ہوتا ہے کہ اپنی کہے اور دوسرے کی سنے، خلوص صداقت اور دیانت فکر کو صرف اپنی متاع نہ قرار دے، دوسروں کو بھی اس کا مستحق سمجھے دوسروں کو بھی یہ حق دے کہ وہ آزادی کے ساتھ سوچیں، غور کریں، مطالعہ کریں، دلائل کا موازنہ کریں اور اس کے بعد ایک رائے قائم کریں اور وہ رائے صرف تقلید جامد پر مبنی نہ ہو، بلکہ آزادی فکر و نظر پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہو۔

علمی اور دینی مسائل میں جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ صورت مسئلہ پورے طور پر منقح کر دی جائے، دلائل میں کسی طرح کا جھول نہ ہو، ہر نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی جائے، اسناد، روایات اور رواۃ کے بارے میں پوری تحقیق اور تفتیش کی جائے اور کسی کے ساتھ نہ رعایت کی جائے نہ کسی کو ہدف انتقام بنایا جائے۔ وہاں اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ اپنے مفہوم اور مقصد کو ایسی عبارت، ایسے الفاظ اور ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ وہ عام فہم ہو، اس کے سمجھنے اور تہ تک پہنچنے میں کسی طرح کی دشواری نہ پیش آئے اور بلاشبہ زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے

(سید) رئیس احمد جعفری (ندوی)

زادالمعاد

فی

ھدی خیر العباد

آغازِ سخن

میرے مولیٰ اس بندۂ ناچیز کی مشکل آسان کر دے! اے خدائے کریم اس بندہ مجبور کی اعانت کر اور ہمارے سیدنا محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرما! سب ستائش اللہ کے لئے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ انجام خیر ان کے لئے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور ہلاکت ان کے لئے ہے جو ظالم ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں (تو ہی) اگلوں اور پچھلوں کا معبود ہے، زمینوں اور آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے کہ اس کی اطاعت کے بغیر نہ کوئی کامرانی ہے نہ کامگاری، اس کے جلال کے سامنے عاجزی کے بغیر عزّت نہیں۔ اور اس کی احتیاج رحمت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے نورِ (ہدایت) کے بغیر کہیں راہ یابی نہیں۔ زندگی اس کی رضا میں ہے اور نعمت اس کے قرب میں ہے قلب کی صلاح و فلاح صرف اس کا ہو رہنے میں ہے اور اس کی صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس کی اطاعت کرے تو شکر گزار رہو اور اگر غلطی کر بیٹھے تو توبہ و استغفار کرے۔

اور جب اُسے بلایا جائے تو (فوراً) جواب دے اور جب نیک عمل کرے تو ثواب کی اُمید رکھے۔ اور سب تعریفیں اُس باری تعالیٰ کے لئے ہیں کہ تمام موجودات و مخلوقات جس کے پروردگار ہونے کی شاہد ہے اور تمام مصنوعات نے اس کی الہیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بس وہی ایک اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی صنعتیں کیسی حیرت آفرین اور اس کی نشانیاں کیسی تحیر خیز ہیں اس نے عجیب عجیب صنعتیں اور حیرت انگیز چیزیں پیدا فرمائیں ہم اس کی مخلوقات کے شمار اور اس کی رضا کے مطابق اس کے عرش اور اس کے کلمات کی روشنائی کی حد تک اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اس یکتا خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، جس طرح اس کی ربوبیت میں کوئی اس کا وزیر نہیں اسی طرح الہیت

میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کی ذات، صفات اور افعال میں کوئی اس کا شبیہہ نہیں وہ سب ہی سے بڑا ہے۔ وہ حمد کثیر کا سزاوار ہے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ ہی کی پاکیزگی بیان کی جاتی ہے اور وہ ذات پاک ہے کہ آسمان اور اس کے ستارے، زمین اور اس کے ساکنین سمندر اور اس کی مچھلیاں غرض ستارے ہوں یا پہاڑ درخت ہوں یا چوپائے۔ سنگریزے ہوں یا ریت کے ذرّے بلکہ ہر رطب دیابس اور ہر زندہ و مردہ اس کی پاکیزگی میں رطب اللسان ہے۔ یہ ہفت آسمان، یہ زمین اور زمین و آسمان کی مخلوقات۔ غرض ہر ایک کی زبان پر صرف اسی کی حمد و تسبیح ہے۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں، جو اس کی ثنا و صفت میں سرگرم نہ ہو گو تمہارے کان ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ یقیناً وہ حلیم ہے بخشنے والا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اس ذات یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی ایک کلمہ ہے جس کے باعث زمین و آسمان قائم ہیں اور ایسی حقیقت کا ظہور ہے جو تمام مخلوقات کا سبب وجود ہے۔ اسی کو لے کر اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السّلام مبعوث ہوئے اور صحائف آسمانی نازل ہوئے اور شرائع مرتب ہوئے اور اسی کے ردّ و قبول کے لئے میزان نصب کی گئی اور صحیفے لکھے گئے اور جنّت و دوزخ کا بازار لگا اور اسی ردّ و قبول کے باعث لوگ مسلمان اور کافر، صالح اور بدکار دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ بس یہی منشاء خلق و امر اور ثواب و عقاب ہے۔ یہی وہ حق ہے جس کی خاطر مخلوقات پیدا کی گئی اور اس کے اقرار اور اس کے ادائے حقوق ہی پر سوال و حساب ہوگا۔ اور اسی بنیاد پر قبلہ قائم کیا گیا اور اسی پر ملّت کی اساس ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کی سربلندی کے لئے جہاد کی تلواریں میان سے باہر نکلیں۔ یہ جمیع عباد پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہی کلمۂ اسلام اور مفتاح دار السّلام ہے اور اسی کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پرسش ہوگی۔

اور بندہ دو سوالوں کا جواب جب تک نہ دے لے اس وقت تک اس کے پاؤں سے زمین سے جنبش نہ کر سکیں گے۔

- ایک سوال یہ کہ تم کسے پوجتے تھے؟
- دوسرا سوال یہ کہ انبیاء کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا؟

- پہلے سوال کا جواب ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
- اور دوسرے کا جواب معرفت، اقرار، انقیاد اور طاعت کے ساتھ یہ ہے کہ بلاشبہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔

یعنی بلاشبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے ہیں، رسول ہیں، امین وحی الٰہی ہیں۔ اس کی مخلوق میں سب سے بہترین اس کے بندوں کے درمیان سفیر ہیں۔ وہ دین قویم اور راہ مستقیم کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمت اللعالمین اور امام المتقین اور تمام مخلوقات کے سامنے ایک حجّت بنا کر بھیجا اور انبیاء علیہم السّلام کے انقطاع کے بعد وہ مبعوث ہوئے۔ آپؐ نے پائیدار راہ کی ہدایت فرمائی اور طریقہ ہائے زندگی کی وضاحت فرمائی۔ اللہ نے بندوں پر ان کی اطاعت، مدد، احترام اور الفت لازم فرما دی۔ اور ان کے اداے حقوق کی تلقین فرمائی اور جنّت کے لئے کئی راستوں کا آڑ بنا دیا، ان میں سے کوئی راستہ بھی نہیں کھل سکتا جب تک وہ آپؐ کا راستہ نہ ہو، خدا نے آپؐ کا شرح صدر فرمایا اور آپؐ کے ذکر کو سربلندی عطا فرمائی، آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا اور جس نے آپؐ کی مخالفت کی اس پر ذلّت اور رسوائی مسلط کر دی۔

مسند میں حضرت ابومنیب جوشی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر مبعوث کیا گیا۔ تاکہ صرف خدائے یکتا کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ میں لکھ دیا۔ اور جس نے میری مخالفت کی اس پر ذلّت اور رسوائی مسلّط کر دی گئی اور جو جس قوم سے مشابہت رکھے گا وہ اسی کا ایک فرد سمجھا جائے گا۔

چند آیتوں کی تفسیر

پس جب کہ رسوائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخالفین کے لئے مقدّر ہو چکی تو اب عزّت اور سربلندی و رفعت صرف آپؐ کے اطاعت گزاروں اور فرمانبرداروں کے لئے ہی ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ یعنی نہ سست ہو اور نہ غم زدہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے، بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔

اور (دوسری جگہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وللّٰہ العزۃ ولرسولہٖ وللمومنین یعنی عزّت اللہ اس کے رسول اور صرف مسلمان کے لیے ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلا تھنوا وتدعوا الی السّلم وانتم الاعلون واللہ معکم۔ یعنی سست نہ ہو اور اسلام کی طرف دعوت دیتے رہو، اور تم ہی سربلند رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: یاایھا النّبیّ حسبک اللہ ومن اتّبعک من المومنین۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تیرے اور تیری پیروی کرنے والے مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔ صرف اللہ آپؐ کی مدد کے لئے کافی ہے اور آپؐ کے متبعین کے لئے بھی کافی ہے کہ وہ اس کے علاوہ اور کسی کے محتاج نہ ہوں گے۔

یہاں دو مقدرات ہیں۔ ایک واو (جو حرف عطف ہے) تو اب مَنْ کو معطوف اور کَ کو معطوف علیہ کہا جائے گا۔ (یاد رکھئے) کہ (علماءِ نحو) کے ہاں یہ بھی مختار ہے کہ حرفِ جار

دوبارہ لائے بغیر ضمیر مجرور پر عطف کو جائز سمجھا جائے اور (عربی زبان میں) اس کے شواہد بکثرت ملتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ واو کو بہ معنی مَعَ لیا جائے اور منصوب حالت پر سمجھتے ہوئے اسی کا عطف حَسْبُ پر کر دیا جائے کیونکہ حسبك کے معنی (كافيك) (تیری مدد کو کافی ہے) ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ ہی تیری (مدد) کو کافی ہے اور جو تیرے فرمانبردار ہیں۔ ان کے لئے بھی وہی کافی ہے۔

جیساکہ عرب کہتے ہیں حسبك وزيدا درهم یعنی تیرے اور زید کے لئے ایک درہم کافی ہے۔" جیساکہ ایک شاعر نے بھی کہا ہے ؎

اذا كانت الهيجاء وانشقت العصا

فحسبك والضحاك سيف مهند

یعنی جب میدان کارزار گرم ہو اور لاٹھی ٹوٹ جائے تو تیرے اور ضحاک کے لئے ہندی تلوار کافی ہے۔

اور یہ آخری تقدیر زیادہ دُرست معلوم ہوتی ہے۔

یہاں پر ایک تیسری تقدیر بھی بیان کی جاتی ہے کہ مَنْ کو مبتدا مرفوع مان لیا جائے اور اس کا عطف اللہ پر کیا جائے تو پھر اس کے معنی ہوں گے کہ تیرا اللہ اور تیرے ماننے والے (صحابہؓ) تیری (نصرت کے لئے) کافی ہیں۔

اگرچہ بعض لوگوں نے ایک آخری یعنی چوتھا مطلب بھی لیا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے آیت کا مطلب اس طرح لینا بالکل ہی نامناسب ہے، کیونکہ کافی وافی ہونا تو اللہ جل شانہٗ ہی کی صفت خاص ہے جیسے اس پر توکّل کرنا، اس سے ڈرنا، اس کی عبادت کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان يريدوا ان يخدعوك فانّ حسبك الله هو الذى ايّدك بنصره و بالمؤمنين۔

یعنی اگر وہ چاہیں کہ تجھے دغا دیں تو تجھے کافی ہے اللہ۔ وہی ہے جس نے تیری اور

مسلمانوں کی اپنی نصرت سے تائید کی۔ تو یہاں پر حسب وَاَیَّدَ (تائید) میں امتیاز بتا دیا اور کافی (حسب) کو اپنی صفت خاص کی حیثیت میں ذکر فرمایا اور اپنی مدد کے وعدے یعنی "تائید" کو اپنی اور بندوں کی صفتِ عامہ فرمایا (نیز) اللہ تعالیٰ نے اپنے متوکل اور موحد بندوں کی تعریف فرمائی کہ انھوں (بندوں) نے اللہ واحد کو ہی کافی سمجھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ایسے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرمایا۔

"الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل"

یعنی جن سے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے تمہارے مقابلے کے لئے سروسامان جمع کیا ہے سو ان سے ڈر گئے۔ پھر ان کا ارمان بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ کیا خوب کارساز ہے۔

توحید خالص بغیر شرک کے

انہوں نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہمیں تو اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ جب انہوں نے اس طرح اقرار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف اسی (توکل علی اللہ) کی وجہ سے فرمائی! تو جب خدا کے ہاں توحید اس قدر اہم ہے) تو پھر وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیونکر کہہ سکتا تھا کہ اللہ اور تیرے پیروکار تیری (مدد) کے لئے کافی ہیں۔ حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں۔ یعنی صحابہ کرامؓ نے کافی ہونے کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو یکتا تسلیم کر رکھا ہے اور اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے رسول کو اس صفت میں شریک سمجھا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کافی (مددگار) ہونے کی حیثیت اختیار کر کے خود ہی اللہ تعالیٰ کے شریک بن بیٹھتے۔ یہ تو بالکل ہی انہونی اور قطعاً غلط تر بات ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولو انھم رضوا ما اتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون۔

"یعنی (اور اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جائیں جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے

اور کہیں۔ اللہ کافی ہے ہم کو۔ عنقریب اللہ انہیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی۔ یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔"

ذرا غور تو کیجئے کہ عطا کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت قرار دیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

وما اتاکم الرسول فخذوہ

"یعنی جو تمہیں رسول دے اسے لے لو" اور حسب (کافی ہونا) اپنے لئے ہی مخصوص رکھا اور یوں نہیں فرمایا: حسبنا اللہ ورسولہ

یعنی ہمیں اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔

بلکہ کافی ہونا اپنا ہی حق جتایا، جیسے کہ مذکورہ آیت میں ہے۔

انا الی اللہ راغبون۔

"یعنی یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں"

اور یہاں پر ساتھ ہی یہ نہیں فرمایا کہ" اور اس کے رسول کی طرف بھی" بلکہ رغبت کو محض اپنی ذات کے لیے مختص فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب

"یعنی پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا"

تو رغبت، توکل، انابت اور حَسْبُ (کافی ہونا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ (بالکل اسی طرح جیسے کہ عبادت، تقویٰ اور سجدہ محض اللہ تعالیٰ کو روا ہے اور نذر و حلف بھی اللہ جل شانہ، کے لئے مخصوص ہے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

الیس اللہ بکاف عبدہٗ۔

"یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں؟

حَسْبُ بھی کافی ہونا ہی ہوتا ہے تو جب اللہ نے آگاہ فرمایا کہ دیکھو وہ (اللہ) تنہا ہی اپنے بندوں کی (مدد) کے لئے کافی ہے تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کافی ہونے کے لئے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کو بھی شریک بنالے۔ اس لغو تاویل کو غلط ثابت کرنے

کے لئے ہمارے پاس اتنے دلائل ہیں جن کی تفصیل غیر ضروری ہے اس جگہ مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرنے سے ہدایت اصلت اصلت نفس اور کامرانی عطا ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کی طرف سے عزّت، کفایت اور مدد بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہی کے ذریعہ مل سکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں جہاں کی سعادت آپ کی اطاعت میں اور دونوں جہان کی شقاوت آپؐ کی نافرمانی میں رکھ دی۔ اسی لئے آپؐ کے ماننے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں ہدایت، امن، کامرانی، عزّت، کفایت مدد، کارسازی، تائید اور آسودگی زندگی کی ضمانت ہے اور آپ کے مخالفین کے لئے دُنیا و آخرت میں ذلّت، رسوائی، گمراہی، شقاوت اور بدبختی اٹل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھاکر فرمادیا:۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی جان، بچّوں، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ رکھے۔

اور اللہ نے بھی قسم کھاکر فرمادیا۔

”جو آدمی اختلافات و تنازعات کی صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ سمجھے وہ مومن نہیں پھر ان کے فیصلہ پر قلبی رضامندی بھی ضروری ہے۔ جیسا بھی وہ فیصلہ فرمادیں، یہاں تک کہ اُن کے فیصلہ کے خلاف اوّل میں ذرا سی بھی تنگی تک محسوس نہ ہو بلکہ دل و جان سے تسلیم کرلے اور ان کی قیادت کو کلیۃً مان لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہٗ امرا ان یکون لھم الخیرۃ۔

(یعنی اور کسی مومن مرد، کسی مومن عورت کو حق نہیں کہ جس وقت اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردے تو انہیں کوئی اختیار باقی رہا ہو)

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کے سامنے ”اختیار“ بھی سلب کر دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پہنچنے کے بعد ایک مومن (تسلیم کے سوا) قطعاً کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بلکہ جب آپؐ نے حکم صادر فرمادیا تو سمجھئے کہ اب یہ حکم ایک امر لازم ہے!

رسولؐ کے سوا کوئی مطاع نہیں

البتہ آپؐ کے علاوہ دوسروں کے اقوال میں اختیار ضرور حاصل ہوگا۔ کیونکہ ان کا معاملہ غیر واضح ہے جیسے آپ کے علاوہ قرآن وحدیث جاننے والے کے اہل علم وسُنّت! پس ان شرائط کے ماتحت غیر رسول کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ یعنی آپؐ کے سوا کسی کا اتبّاع "واجب" نہیں ہوگا۔ اب اگر کسی نے غیر رسول کا قول ترک کر دیا تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہگار نہ سمجھا جائے گا۔

ویسے بھی یہ بات قابلِ غور ہے کہ تمام لوگوں پر غیر رسول کی اطاعت کس طرح لازم اور اس کی مخالفت حرام قرار دی جاسکتی ہے؟ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا قول پہنچ جانے کے بعد ہر دوسرے قول کو مسترد کر دے، کیونکہ آپؐ کے حکم کے بعد کسی کا حکم قابل قبول نہیں۔ نہ آپؐ کے قول کے بعد کوئی قول قابلِ تسلیم ہے، نہ آپؐ کے مسلک کے علاوہ کوئی مسلک لائق اختیار ہے۔

غیر رسول کا اتباع اُسی وقت لازم ہوتا ہے جب وہ ایسی بات کا حکم دے جس کا رسولؐ نے حکم دیا ہو۔ اور جس سے رسولؐ نے منع کیا ہو اس سے روکے، اس طرح اس کی حیثیت محض ایک مبلّغ اور خبر رساں کی ہوگی قطعاً اُسے کوئی بنیادی یا اساسی حیثیت حاصل نہ ہوگی لیکن جس نے اپنی سمجھ اور تاویلات سے اُصول وضع کئے اور اساسی قواعد مرتب کئے تو اُمّت پر ان کا اتبّاع کرنا اور اس کے قول کو قولِ فیصل قرار دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ارشادات کے مطابق اور ہم آہنگ نہ ہو، جسے لے کر آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ ایسے اقوال واحکام وحی وتعلیماتِ الٰہی سے متوافق ہونے کی صورت ہی میں قبول کئے جا سکتے ہیں، ورنہ بے تامل ان کا رد واطراح لازم آئے گا اور انہیں کسی صورت میں بھی مورد قبول نہیں قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ہر دو صورتوں میں سے کوئی صورت بھی واضح نہ ہو، تو پھر توقف سے کام لینا پڑے گا۔ اور قول حسن یہی ہے کہ اس قول موقوف کے مطابق فتویٰ دینا اور نہ دینا دونوں جائز ہیں۔

ایک آیۂ کریمہ کی تفسیر

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا تنہا خالق اور مختار کل ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:۔

وربك يخلق مايشاء ويختار -

"یعنی اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے۔"

اس جگہ متکلمین کا بیان کردہ ارادہ و اختیار مراد نہیں کہ وہ" فاعل مختار ہے" اور اللہ اگرچہ (فاعل مختار) ہے۔ لیکن یہاں اختیار سے ایسا مطلب مراد نہیں کہ یہ اختیار تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان " یخلق ماشاء " میں داخل ہے کیونکہ وہ اختیار ہی سے تو پیدا فرماتا ہے اور اس کے فرمان" مایشاء" میں مستور ہے، کیونکہ مشیت ہی تو اختیار ہے۔

حقیقتاً یہاں اختیار سے مراد اجتبا د اصطفا یعنی چن لینا اور پسند کر لینا، یعنی اختیار بعد خلق ہے اور اختیار عام سے مراد اختیار قبل الخلق ہے۔ پس اس امر کے پیشِ نظر یہ صفت عام ہے اور وہ خاص اور جو صورت متاخر ہے وہ مخلوق میں اختیار سے متعلق ہے اور جو پہلی صورت ہے اس سے مراد خلق کرنے یعنی پیدا کرنے کا اختیار ہے اور ہر دو اقوال میں صحیح تر قول، قول تبارکؔ وتعالیٰ " یختار " پر وقف تام ہے۔

اور یہ ارشاد کہ:

ماكان لهم الخيرة -

"یعنی انہیں کوئی اختیار نہیں۔"

یہ نفی ہے کہ دراصل اس اختیار کی نفی مخلوق کے لئے ہے۔ کیونکہ اختیار صرف خدائے یکتا کی صفت ہے پس جس طرح وہ خالق ہونے کی حیثیت میں منفرد ہے اسی طرح مختار (اختیار کرنے والا) ہونے کی حیثیت میں منفرد اور یکتا ہے۔ لہٰذا کسی کی مجال نہیں کہ وہ "خلق" کر سکے یا "اختیار" کر سکے۔ خلق اور اختیار تو تمام تر خدا کا کام ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے مواقع اختیار کو بہت اچھی طرح جانتا ہے اور اپنے محل رضا سے آشنا ہے۔ اور مختار ہونے کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ اُسے اور دوسروں کو مشترکہ طور پر حاصل نہیں ہیں ان میں کوئی بھی کسی طرح بھی اس کا شریک نہیں۔

اور وہ لوگ جنہیں تحقیق سے کوئی مس نہیں، اس آیۃ کریمہ کی اس طرح شرح کرتے ہیں کہ ما كان لهم الخيرة میں "ما" موصولہ ہے اور یہ (جملہ) مفعول ہے اور رہا لفظ "یَخْتَار" تو اس

سے مراد یہ ہے، "وہ لوگ جنہیں اختیار حاصل ہے وہی اختیار کا حق استعمال کرتے ہیں"۔
یہ بات متعدد وجوہ سے باطل ہے۔
منجملہ ان کے ایک یہ کہ کوئی ایسا مقام نہیں کہ جہاں مرجع محذوف سمجھا جائے نیز اسی طرح جب ہم معنی اور موصولہ حرف جار سے مجرور بنایا جائے تب ہی مجرور محذوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

یاکل مما تاکلون منه ویشرب مما تشربون۔
"یعنی وہ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم پیتے ہو
اور ایسی ہی دیگر امثال۔

اور نحوی طور پر بھی یہ کہنا غلط ہے۔" جاء نی الذی مررت به و رأیت الذی رغبت وغیرہ دوسرے اگر یہ مطلب لیا بھی جائے تو الخیرۃ کو منصوب ماننا پڑے گا اور صلہ کا فعل ایسی ضمیر سے متصف ہوگا۔ جو موصول کی طرف راجع رہی ہے تو اب گویا کہ کلام یوں ہوا۔ ویختار ما کان لهم الخیرۃ۔ یعنی اور وہ اُن کو اختیار کرتا ہے کہ جنہیں اختیار حاصل ہے یعنی جو عین اختیار تھا وہ انہیں کو حاصل تھا اور یہ قرأت تو کسی سے بھی مذکور نہیں علاوہ ازیں اس مطلب کو اگر مانا جائے تو کئی مزید اشکالات بھی لاحق ہو جاتے ہیں۔

ایک تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفّار کے متعلق ان کے مفوضہ اختیارات اور ارادوں کے جبر کی حکایت کرتا ہے اور اس صفت اختیار میں اپنی، نفرادیت بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وقالوا لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم أهم یقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیاة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا ورحمة ربك خیر مما یجمعون۔

یعنی اور انہوں نے کہا کیوں نہیں نازل کیا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی اور آدمی پر کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنے والے ہیں۔ ہم نے دُنیا کی زندگی میں

ان کی معاش تقسیم کر رکھی ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے درجوں کے لحاظ سے۔ تاکہ بعض بعض سے کام لے۔ اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں"۔

توگویا اللہ سبحانہ، نے ان کی اختیاری حیثیت کا انکار فرمایا۔ اور واضح کر دیا کہ یہ صفت انہیں حاصل نہیں بلکہ یہ صفت تو اس کی ہے جس نے ان کی معاش یعنی رزق اور عمر تقسیم کر رکھی ہے اور اسی طرح وہی ذات پاک ہے جس نے قابل انتخاب افراد اور مناسب و غیر مناسب لوگوں سے آگاہی رکھتے ہوئے اہل ثروت لوگوں پر اپنا فضل تقسیم کر رکھا ہے اور وہی ہے جس نے کچھ لوگوں پر دوسروں کے مراتب بلند کر دیئے ہیں اور انہیں ان کی معاش اور درجاتِ فضل و کرم بانٹ رکھے ہیں توگویا تقسیم کرنے والا صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

اور اسی طرح یہ آیت ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے خالق اور مختار ہونے میں اپنی انفرادیت واضح کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہی مواقع انتخاب کی صحیح آگاہی ہو سکتی ہے۔ جیساکہ اس نے کفّار کی آمد اور ان کے اعتراضات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

قالوا لن نؤمن حتّٰی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ، اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

یعنی "انہوں نے کہا ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی اُس کی مثل نہ دیا جائے جیساکہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں (نازل فرمائے گا) اور صرف خدا ہی انتخاب عزّت اور رسالت و نبوّت سے متصف ہو سکنے کی اہل ذات کو جانتا ہے نہ کہ دوسرے لوگ!

ایک تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشرکین کے اختیار و اقتراح سے پیدا ہونے والے شرک سے پاک بتایا۔ اس لئے یوں فرمایا:

ماکان لھم الخیرۃ۔

یعنی "انہیں کوئی اختیار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ جو مشرک کہتے ہیں۔ ان کے شرک کا مقتضاء یہ نہ تھا کہ غیر اللہ کو خالق ثابت کیا جائے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس

وجہ سے) اپنی پاکیزگی بیان فرمائی۔ پس غور کرنا چاہیے کہ یہ ایک نہایت ہی لطیف نکتہ ہے ایک (تفسیر) یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ حج کی آیت میں بیان کردہ ایک مثال کے مشابہ ہے کہ فرمایا:۔

ان الذین یدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ۔ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ، ان اللہ لقوی عزیز۔

یعنی "بے شک وہ جو پکارتے ہیں اللہ کے ماسوا تو وہ ہرگز نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی اور اگرچہ اس کے لئے سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ مانگنے والا اور جس سے مانگا گیا دونوں کمزور ہیں۔ انہوں نے نہیں مدد کی اللہ کی جیسا کہ حق ہے قدر کرنے کا، بے شک اللہ قوی اور غالب ہے"

پھر فرمایا کہ:۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ومن الناس ان اللہ سمیع بصیر یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم والی اللہ ترجع الامور۔

یعنی "اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اور انسانوں سے رسولوں کا انتخاب فرماتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے جانتا ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف پلٹنے والے ہیں"

ایسی ایک مثال سورۂ قصص میں بھی ملتی ہے:۔

وربک یعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون۔

یعنی "اور تیرا رب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں"

نیز ایک مثال سورۃ انعام میں ہے کہ:۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

یعنی "اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں نازل فرمائے"

تو ان تمام مقامات میں حق تعالیٰ نے صراحت سے فرمادیا کہ اُسے جائے انتخاب کی تخصیص کا علم بھی ہے اور سببِ تخصیص کا علم بھی، کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ فلاں فرد دوسرے سے زیادہ موزوں ہے اور کیوں موزوں ہے؟ تو ان مذکورہ آیات پر جب آپ غور کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ یہاں یہی مطلب واضح طور پر نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد ذکر فرمارہا ہے:۔

ویوم ینادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین فعمیت علیھم الانباء یومئذ فھم لا یتساءلون فلمّا من تاب و امن وعمل صالحا فعسیٰ ان یکون من المفلحین وربك یخلق مایشاء ویختار۔

یعنی: "اور جس دن وہ ان کو آواز دے گا۔ پس کہے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ پس ان پر خبط کر دی جائیں گی اس دن پر خبریں۔ پس وہ نہیں پوچھے جائیں گے۔ پس جس نے توبہ کی اور مان لیا اور اچھے کام کئے تو یقیناً وہ نجات پانے والوں میں سے ہوگا۔ اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے

پس جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا ان سب کو پیدا کیا تو ان میں سے جو جھکا یعنی جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے اُسے خدا نے چن لیا۔ اس طرح وہ (نیک افراد) اس کے بندوں میں سے منتخب اور اُس کی مخلوق میں سے چنیدہ تھے اور یہ اختیار (انتخاب) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم کی دلیل ہے اور یہ (انتخاب) اسی کا ہے جو اس کا اہل ہو۔ نہ کہ ان مشرکین کا انتخاب اور اختیار۔ پس اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس سے بلند ہے، کہ جس کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ (سبحان اللہ وتعالیٰ عمّا یشرکون)

اختیار و تخصیص شانِ ربوبیت ہے

جب آپ صفتِ "خالقیت" پر غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ اختیار و تخصیص وال ہے خدائے بزرگ و برتر کی ربوبیت وحدانیت، کمالِ حکمت، علم اور قدرت کاملہ پر، اور بلاشبہ وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اپنی قوتِ خلق سے پیدا فرماتا ہے۔ اپنے اختیار سے انتخاب کرتا ہے اور اپنی قوتِ تدبیر سے چارہ سازی

کرتا ہے۔ پس اس اختیار و تدبیر، اور تخصیص کا اثر اس سارے عالم میں اس کی ربوبیت کے عظیم ترین آیات اور اکبرِ شواہد وحدانیت اور صفاتِ کمال اور صدق رسل میں مشہور اور نمایاں ہے، اس کی جلوہ گری ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔

اب ہم تھوڑی سی وضاحت بھی اپنے مطلب اور مدعا کی کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ ایک روایت اس امر پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے اور سب سے اُونچے (آسمان) کا انتخاب فرمالیا تو اُسے اپنے مقرب ملائکہ عظام کا مستقر قرار دیا اور اسے اپنی کرسی اور عرش کا تقرب عطا فرمایا۔

اور اپنی پسند کے مطابق مخلوق کو وہاں بسایا تو اس (آسمان) کو دوسرے تمام آسمانوں پر ایک خاص شرف اور فضیلت حاصل ہے اور یہ نہ ہو تو بھی اسے اللہ تبارک و تعالیٰ سے قرب کی مزّیت و فضیلت تو حاصل ہی ہے، باوجودیکہ اس کا مادہ وہی ہے جو دوسرے آسمانوں کا ہے۔ لیکن اس (آسمان) کا شرف و تخصیص حق شانہٗ کی کمال حکمت اور قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ بلا شبہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) انتخاب فرماتا ہے۔

اور اسی طرح جنّتِ فردوس کو باقی تمام جنتوں پر فوقیت اور تخصیص عطا کی۔ اور (جنت الفردوس) کی چھت اپنے فرش سے بنائی۔ اور بعض احادیث میں آتا ہے کہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس جنّت میں اپنے دستِ مبارک سے (باغات) لگائے اور اپنی مخلوق میں سے چیدہ چیدہ لوگوں کو منتخب فرمایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص خاص ملائکہ جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو باقی فرشتوں میں سے منتخب فرمایا، (یہاں تک) کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں فرمایا کرتے تھے۔

اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشہادۃ انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیہ یختلفون۔ اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنك انك تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

یعنی "اے اللہ، اے رب جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السّلام زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے، غیب و شہود کے عالم تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ ان کے اختلاف میں جو حق ہے اس کی مجھے اپنے اذن سے ہدایت فرما۔ بے شک تو ہی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تو آنحضرتؐ نے ان تینوں فرشتوں کا اللہ تعالیٰ سے قرب خصوصی اور انتخاب کے باعث ذکر کیا۔ آسمانوں پر اور بھی بہت سے فرشتے ہیں۔ لیکن ان تینوں کے سوا اور کسی کا نام نہیں لیا، کیونکہ جبرائیل علیہ السّلام صاحب وحی ہیں کہ جس سے قلوب و ارواح کی زندگی قائم ہے اور میکائیل علیہ السّلام اس قطر کے نگران ہیں کہ جس میں زمین، جاندار اور نباتات نمو پاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسرافیل جس کے سپرد صور پھونکنا ہے کہ جب وہ صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے اذن سے مردوں کو زندہ کر دے گا۔ اور مردے قبروں سے نکل آئیں گے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا، جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور پھر رسولوں کو چنا اور اختیار کیا کہ ان کی تعداد امام احمد اور ابن حبان نے اپنی کتاب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے تین سو تیرہ بیان کی ہے:

اور ان (انبیاء اور رسل) میں سے پانچ کو منتخب فرمایا، جن کا تذکرہ سورۃ احزاب اور شوریٰ میں بالفاظ ذیل آتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔

یعنی: اور جب ہم نے انبیاء سے وعدہ لیا اور تجھ سے بھی اور نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے بھی۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔

یعنی: مشروع کیا دین کو جس کی نوح کو وصیت کی اور جس کی ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کی وصیّت کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کی طرف کہ دین قائم رکھیں اور اس میں متفرق نہ ہوں۔

پھر ان میں سے اللہ تعالیٰ نے دو اولو (ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوست بنایا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے اولادِ اسماعیل علیہ السّلام کا انتخاب فرمایا۔ پھر ان میں بنی خزیمہ کے قبیلہ بنی کنانہ کو چنا، پھر کنانہ سے قریش اور قریش سے بنو ہاشم کو اور آخر بنو ہاشم میں سے سارے انسانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتخاب فرمایا اور اس طرح تمام جہانوں میں سے ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتخاب کیا اور ان میں سابقون الاوّلون یعنی سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں کو پھر اہل بدر اور بیعتِ رضوان والوں کا انتخاب کیا اور ان کے لئے سب سے مکمّل دین اور سب سے اعلیٰ شریعت اور سب سے پاکیزہ، طیب اور نفیس اخلاق کا انتخاب فرمایا اور آپؐ کے لئے تمام اُمّتوں سے بہتر اُمّت کا انتخاب کیا۔ جیسے کہ مسند امام احمد وغیرہ میں ہے کہ بہز بن حکیم بن معاویہ بن جندہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ستر اُمّتوں کے برابر ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔ علی بن مدینی اور امام احمد نے فرمایا کہ بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے جو روایت کرتے ہیں یہ صحیح ہے اور انتخاب خداوندی کا اثر ان کے اعمال و اخلاق، توحید (حتیٰ کہ) ان کے مقامات جنّت میں بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک بلند و بالا مقام پر فائز ہیں۔

اور ترمذی شریف میں بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس جماعتیں ہوں گی، ان میں سے اسّی (۸۰) اُمّت محمّدی کی اور چالیس دوسری تمام اُمتوں کی ہوں گی۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے

ابو سعید خدریؓ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بعث النار کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ:

جس ذات بے ہمتا کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس کی قسم، میں چاہتا ہوں کہ تم جنّت

کا حصّہ ہی بن جاؤ اور مزید کچھ نہ فرمایا۔

اس قول نبوّی سے مراد یا تو یہ ہے کہ یہ زیادہ صحیح بات ہے اور یا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آرزو تھی کہ ان کی اُمّت اہل جنّت کا حصّہ بن جائے، لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک سو بیس صفوں میں سے اسّی صفیں آپ کی اُمّت کی ہوں گی۔ پس اب دونوں روایات میں کسی طرح کا تناقض باقی نہ رہا۔

اُمّت مسلمہ کی فضیلت کا سبب

اور اس اُمّت کی فضیلت و انتخاب کا سبب یہ ہے کہ اسے وہ علم اور حلم عطا کیا گیا جو دوسری اُمّتوں کو نہیں ملا اور مسند بزار و دیگر کتب حدیث میں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی بن مریم علیہ السّلام سے فرمایا کہ میں تیرے بعد ایک اُمّت پیدا کروں گا کہ اگر اس اُمّت کے لوگوں کو دل پسند چیز ملے گی تو حمد و شکر کریں گے اور اگر تکلیف پہنچی، تو ایسے صبر و تحمل سے کام لیں گے کہ کوئی حلم اور علم نہیں پھر عیسٰی علیہ السّلام نے عرض کیا، یا اللہ کیا کوئی حلم اور علم نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اسے اپنے علم اور حلم کا حصّہ عطا کروں گا!

مکّہ مکرّمہ کے فضائل اور خصوصیات

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے اماکن اور بلاد کا انتخاب ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مکّہ مکرّمہ کو سب سے اچھّا اور برتر شہر قرار دیا کیونکہ یہی وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اپنے بندوں کے لئے مناسک (حج) ادا کرنے کا مرکز قرار دیا اور دور و نزدیک علاقوں اور دشوار گزار خطوں سے یہاں آنا ہر بندہ مومن پر لازم فرما دیا، سو اب وہ خشوع و خضوع اور انکسار کے ساتھ یوں حاضر ہوتے ہیں کہ ان کے سر ننگے ہوتے ہیں، وہ اہل دنیا کے لباس فاخرہ سے محروم ہو کر آتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو "حرم" قرار دیا جائے امن بنایا، نہ یہاں خون ریزی کی اجازت ہے اور نہ درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ شکار کیا جا سکتا ہے، نہ یہاں کے سبزہ و گیاہ کو چھیڑا اور اکھاڑا جا سکتا ہے اور نہ یہاں کی گری پڑی اشیاء کی تملیک ہو سکتی ہے۔ یہاں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں کا کفّارہ ادا کریں، جو لغزشیں، خطائیں اور فرد گزاشتیں ہو چکی ہیں ان کی تلافی کریں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا جو اس گھر میں حاضر ہوا اور نہ فساد میں مبتلا ہوا، نہ فسق سے آلودہ ہوا، تو اس کی مثال (معصومیت میں) اس بچّہ کے مانند ہے جسے اس کی ماں نے ابھی ابھی جنا ہو، اور خدائے بزرگ و برتر کی رحمت و شفقت کا یہ عالم ہے کہ وہ خود اس گھر کی زیارت کرنے والے کے لئے جنت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں چنانچہ سنن میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حج اور عمرہ کے فرائض ادا کرو

کیونکہ یہ دونوں افلاس اور گناہوں کو اس طرح زائل کرتے ہیں کہ جیسے بھٹی لوہے پر میل کاٹ دیتی ہے۔ چنانچہ حج مبرور کا اجر جنت سے کم نہیں۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرہ اپنے پہلے عمرہ تک کی مدت (کے گناہوں) کا کفارہ ہے اور حج مبرور (مقبول) کی جزا صرف جنّت ہے۔"

پس اگر بلد امین خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک خیر بلاد نہ ہوتا اور تمام شہروں سے زیادہ مکرم نہ ہوتا تو خدا اُس کی وادیوں کو اپنے بندوں کے لئے جائے عبادت (حج) قرار نہ دیتا کہ جس کی طرف جانا بندوں کے لئے فرض مؤکدہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ اسی حرمت، اشرف اور احترام کے باعث ہے۔

خدا نے قرآن کریم میں دو جگہ اس (شہر) کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ فرمایا:۔

وھذا البلد الامین۔

اور اس بلد امین کی قسم۔

اور فرمایا: لا اقسم بھٰذَ البَلَدِ یعنی قسم ہے اس شہر کی۔

اور کرہ ارض پر اس جگہ کے سوا کوئی ایسا خطّہ نہیں کہ جس کی طرف بشرط استطاعت سفر کرنا اور جس گھر کا طواف کرنا فرض ہو۔ اور زمین پر حجر اَسْوَد اور رکن یمانی کے سوا کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جسے چومنا یا مس کرنا جائز ہو۔ اور جس (کے لمس یا چومنے) سے گناہ دھلتے ہوں۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مسجد حرام میں ایک دفعہ نماز پڑھنا ثواب میں (باقی عام مساجد) میں ایک لاکھ مرتبہ نماز پڑھنے کے برابر ہے۔ نسائی اور مسند میں صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اِس مسجد (نبوّی) میں ایک بار نماز پڑھ لینا، سوا مسجدِ حرام کے، تمام مساجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور مسجدِ حرام میں پڑھی ہوئی ایک نماز میری اس مسجد (نبوّی) سے سوگنا (اجر) والی ہے۔ اس حدیث کو ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

اور یہ تو ایک واضح امر ہے کہ مسجد حرام کا خطّہ کرۂ ارض پر علی الاطلاق سب سے زیادہ محترم ہے۔ اسی لئے اس طرف شدِ رحال (عزم سفر) فرض ہے اور ما بقی کی طرف مستحب و

واجب اور مسند (امام احمد) ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عدی) بن حمراء سے روایت ہے کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب کہ وہ مکہ کے قریب مقام جنزدرہ میں تشریف فرما تھے اور فرمارہے تھے کہ:

"اے مکہ خدا کی قسم تو اللہ کی سرزمین پر خیر ارض ہے اور اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ مقام ہے، اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا تو میں ہرگز یہاں سے قدم باہر نہ نکالتا" اس روایت کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیر ارض اور قبلہ واحد

مکہ مکرمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے تمام اہلِ زمین کا قبلہ قرار دیا۔ سطح ارض پر اس کے سوا کوئی قبلہ نہیں۔ نیز اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سارے کرۂ ارض پر یہ ایک ایسا قطعۂ ارض ہے جس کی طرف قضائے حاجت کے وقت بیٹھ کرنا یا منہ کرنا حرام ہے۔ اور اس مسئلہ میں صحیح ترین مسلک یہ ہے کہ یہ پابندی ہر جگہ ہے خواہ وہ میدان ہو یا بیابان۔ اس کی تائید میں اس سے زیادہ دلائل میرے پاس ہیں، جن کا کسی دوسرے موقع پر میں نے ذکر کیا ہے اور ان دلائل کی مقاومت میں کوئی دوسری بات نہیں کہی جا سکتی، نہ میدان اور بیابان کی مقدار کی تعیین کے سلسلے میں کوئی اختلاف و تناقض ہے، لیکن دونوں نقطہ ہائے نظر کی تائید یا مخالفت میں بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔

اور اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مسجد حرام خدا کی اس سرزمین پر پہلی مسجد ہے جیسا کہ صحیحین (بخاری مسلم) میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس پہلی مسجد کے متعلق دریافت کیا جو کرۂ ارض پر تعمیر کی گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ "مسجد حرام ہے"۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سی مسجد ہے؟ ارشاد ہوا، "وہ مسجد اقصیٰ ہے"! میں نے عرض کیا "دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا"؟ فرمایا "چالیس سال کا"

بعض لوگ صحیح طور پر اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھتے وہ اشکال میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تھے۔ جنہوں نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی اور ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار برس کی مدت حائل ہے۔ لیکن تامل کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ

معترض کا اعتراض نافہمی پر مبنی ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے صرف مسجد اقصٰی کی مرمت کرائی تھی تعمیر نہیں کی تھی ورنہ مسجد اقصٰی کی تعمیر درحقیقت پہلے پہل حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السّلام کے ہاتھوں انجام پائی تھی اور یہ واقعہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے بناء کعبہ ڈالنے کے بعد کا ہے اور یہ مدّت چالیس سال کی ہے۔

اور مکّہ مکرّمہ کی افضلیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے "اُمّ القریٰ" یعنی بستیوں کی ماں فرمایا۔ تو گویا باقی دوسرے تمام شہر اس کے تابع اور فروع ہوئے اور تمام بستیوں کی اصل مکّہ مکرّمہ قرار پایا۔ پس لازم آیا کہ دوسری تمام بستیوں میں کوئی بھی اس کے شرف واحترام میں اس کی عدیل وتمثیل نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ اُمّ القرآن (یعنی قرآن کی ماں) ہے۔ لہٰذا تمام صحف سماوی میں اس کے مساوی اور کوئی سورۃ نہ ہوئی۔

اور مکّہ مکرّمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس شہر میں ان لوگوں کے سوا جو یہاں کے مستقل باشندے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو احرام باندھے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں، اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی شہر اس کا ہم پایہ اور ہم مرتبہ نہیں اور یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو بتایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے مرفوعًا روایت ہے۔ جسے حجّت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کہ مکّہ مکرّمہ میں کوئی بھی، عام اس سے کہ وہاں کا باشندہ ہو یا نہ ہو، بغیر احرام باندھے داخل نہیں ہو سکتا۔ ابو احمد بن عدی نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ اور بعض دوسرے راوی ایسے ہیں جو ضعیف راویوں سے بھی روایت کر ڈالتے ہیں اور فقہا کے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔

ایک قول کی رو سے نفی ثابت ہے، دوسرے کے لحاظ سے اثبات ہوتا ہے اور تیسرے کے پیشِ نظر ان لوگوں کے مابین فرق کیا جائے گا، جو مواقیت (حدّ احرام) کے اندر داخل ہوں یا ابھی حد میقات سے باہر ہوں۔ جو لوگ ابھی باہر ہیں وہ احرام کے بغیر میقات سے نہیں گزر سکتے اور جو داخل میقات ہیں اُن کے بارے میں وہی حکم ہو گا۔ جو اہل مکّہ کے بارے میں ہے یعنی دونوں مساوی الحیثیت ہیں۔ یہ آخری قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

اور پہلے دونوں اقوال امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے ہیں۔

اور مکّہ مکرّمہ کی ایک خصوصیّت یہ بھی ہے کہ جہاں پر صرف ارادۂ معصیت پر بھی خدا کے ہاں مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ عملی طور پر اس معصیت کا مداوا نہ ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ومن یُرِدْ فیہ بالحاد بظلم نُذقہُ من عذاب الیم۔

"یعنی اور جو شخص اس میں ظلم والحاد کا ارادہ کرتا ہے ہم اسے المناک عذاب چکھائیں گے

پس مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ با (بالحادٍ) سے ارادۂ معصیت کو قابلِ عتاب قرار دیا۔ کیونکہ جب یقینی طور پر قصدِ فعل ہو تو ارددت بکذا (میں نے یہ ارادہ کیا) نہیں کہا کرتے بلکہ اس وقت ہممت بکذا (میں نے اس کام کا عزم کر لیا) کہا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ معصیت پر وعید کی، کہ جو یہاں ظلم کرنے (حد سے تجاوز کرنے) کا ارادہ کرے گا اسے بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے الم انگیز سزا ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مکّہ میں مقادیر پر سَیّات کیفیت کے اعتبار سے نہ کہ کمیت کے اعتبار سے۔ مضاعف ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ برائی کا بدلہ برائی ہے اور اگر برائی بڑی ہوگی تو اس کی سزا بھی اسی تناسب سے ہوگی اور اگر برائی کم ہوگی تو اس کے بدلے میں جو سزا ملے گی وہ بھی ویسی ہوگی۔ پس اللہ کے حرم اور اللہ کے شہر اور فرش الٰہی پر جو برائی کی جائے گی۔ وہ ان تمام برائیوں سے بڑی متصور ہوگی جس کا ارتکاب کرۂ ارض کے کسی اور گوشہ میں کیا گیا ہو اور اس کی مثال یوں ہے کہ جس خطا اور معصیت کا ارتکاب بادشاہ کے محل میں کی جائے وہ اس خطا اور معصیت سے زیادہ سنگین متصور ہوتی ہے، جو محل شاہی سے دور دراز کسی مقام پر کی گئی ہو۔ بہرحال تضعیف سیّات کے بارے میں یہ نزاع ہے، اصل حقیقت کا علم صرف خدا ہی کو ہے کہ وہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔

اور مکّہ کی اس افضلیت اور خصوصیّت کا راز اس بات سے بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ دل خود بخود اس کی طرف کھنچتے ہیں، طبیعت بے ساختہ اس جانب راغب ہوتی ہے۔ یہ انجذاب، یہ کشش، یہ انعطاف، یہ لگاؤ، یہ محبّت جو اس بلد امین کے لئے پیدا ہوتی ہے جو مقناطیس کے آہن میں ہوتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے شاعر نے :۔

محاسنہ ھیولی کل حسن ومقناطیس افئدۃ الرجال

یعنی اس (شہر) کے محاسن ہر خوبی و رعنائی کا پیکر ہیں اور بلا شبہ یہ (شہر) دلوں کے لئے مقناطیسی کشش رکھتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حق شانہٗ نے اس شہر کے متعلق فرمایا۔

انّہٗ مثابۃ للنّاس۔

یعنی بے شک وہ لوگوں کے اجتماع کی جگہ ہے۔ یعنی، لوگ ہر گوشہ اور چپہ سے مسلسل اس کی زیارت کے لئے آیا کریں گے۔ اور سیر نہ ہوں گے بلکہ جتنی مرتبہ زیارت کریں گے۔ اتنا ہی اشتیاق میں اضافہ ہوگا۔

لا یرجع الطرف عنہا حین ینظرہا

حتی یعود الیہا الطرف عشتاقا

یعنی آنکھ اُسے دیکھ کر ابھی پلٹتی بھی نہیں کہ پھر شوقِ (زیارت) سے اسی طرف لوٹ آتی ہے۔ پس نہ جانے کتنے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے لئے شہید ہو گئے، کتنوں کی کھال کھنچی اور کتنے گھائل ہوئے اور کتنوں نے اس کی محبّت میں اپنی جان و مال قربان کر دیا اور کتنوں نے اپنے اہل و عیال، وطن اور جگر گوشوں کی مفارقت رضائے محبوب کی خاطر سہی حالانکہ اُن کے سامنے گوناگوں خوف، لالچ، تکالیف اور مصائب حائل تھے، لیکن زائر حرم ان اذیتوں میں لذّت اور ان تکلیفوں میں راحت محسوس کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دل میں بھڑکنے والا جذبۂ شوق ہر طرح کی بہتر سے بہتر نعمتوں، آسائشوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے۔

ولیس محبا من یعد شقاءہ

عذابا اذا ما کان یرضی حبیبہ

یعنی اسے دعوائے محبت کب رہتا ہے، جو مرضی (مصائب) کے مقابلہ میں دکھ کو مصیبت خیال کرے۔

اور یہ سب درحقیقت سرّ الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے، وطھّر بیتی۔ یعنی: اور میرے گھر کو صاف ستھرا کر دو۔ تو گویا اس خاص اضافت کا سبب اس گھر کا اجلال و اکرام ہے اور وہ بھی محبت کا تقاضا ہی تو ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے بندے اور رسول

کی اضافت اپنی جانب فرمائی، اور اسی طرح صاحب ایمان بندوں کی طرف اضافت جتا کر انہیں بھی وقار، محبّت اور عزّت سے نوازا اور جب کبھی خدائے برتر کسی کی نسبت اپنی جانب کرے گا۔ تو یہ مزیّت اور اختصاص جو اسے حاصل ہوگا، یہ غیر اللہ کا اختصاص ہوگا کہ اجتباء و اصطفا یعنی انتخاب و اختیار صرف اسی کو ہے، اور پھر اس اضافت سے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے تفصیل و تخصیص اور جلالت مزید حاصل ہوگی، جو اضافت و نسبت سے قبل کی تفصیل و تخصیص اور جلالت سے بالا ہوگی، اور یہ نکتہ اس کوتاہ بیں کی فہم سے ماوراء ہے جو اعیان و افعال اور ازمان و اماکن کو یکساں سمجھتا ہو اور گمان کرتا ہو کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضلیت و مزیّت حاصل نہیں اور یہ جو کچھ ہے ترجیح بلا مرجح ہے، لیکن اس گمان فاسد کے خلاف چالیس سے زیادہ دلائل میرے پاس موجود ہیں جنہیں میں نے دوسری جگہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس جگہ اس فاسد نظریے کے ابطال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر اسے مان لیا جائے تو انبیاء علیہم السّلام اور اعداء انبیاء (کفار و مشرکین) کی حیثیت ایک ہوجائے گی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تفصیل صرف صفات و مزایا کے باعث ہی اختصاص ذوات کی طرف راجع نہیں ہوجاتی جو دوسروں کو حاصل نہ ہوں۔ اور اسی طرح ایک خطۂ ارض محض بالذات دوسرے خطے پر فوقیت و مزیت نہیں رکھتا بلکہ یہ فوقیت و مزیت جو حاصل ہوتی ہے یہ مبنی ہوتی ہے ان اعمال صالحہ پر جو وہاں واقع ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح کعبہ مکرمہ، مسجد حرام، منیٰ میدانِ عرفات اور مشاعر کو زمین کے دوسرے خطوں پر بالذات فضلیت و مزیت نہیں حاصل ہے۔ بلکہ ان کی افضیلت کچھ خارجی اوصاف کے باعث ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس قول کو آیت میں فرمایا ہے:۔ فاذا جاءتھم کی آیت کے بعد:

لن نّومن حتّٰی یوتیٰ مثل ماا وتی رسل اللہ

یعنی: "ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک کہ ہمیں اُس کی مثل نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ
یعنی : اللہ زیادہ جانتا ہے کہ وہ رسالت کو کہاں نازل فرمائے
یعنی ہر فرد تحمّل رسالت کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اس اہلیت وصلاحیت کے لئے کچھ خصوصیتیں درکار ہیں کہ ان کے بغیر یہ بات سج نہیں سکتی اور ان خصوصیتوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، وہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون ان خصوصیات کا جامع ہے ورنہ بہ نظر ظاہر سب آدمی برابر ہی ہیں - اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس خیال کا ردّ نہ فرماتا۔
اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ :
وکذٰلک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھٰؤلاء منّ اللہ علیھم من بیننا الیس اللہ باعلم بالشّاکرین۔
یعنی : اور ایسے ہی ہم نے بعضوں کو بعضوں سے آزمایا تاکہ وہ کہیں کہ کیا یہی ہیں کہ جن پر اللہ نے احسان کیا ہے ہم میں سے۔ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو خوب نہیں جانتا۔
یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس کی نعمتوں پر شکر گزار ہوتے ہیں اور انہی پر اپنا فضل خاص کرتا ہے، وہ احسان ناشکروں پر نہیں (بلکہ) شکر گزاروں پر کرتا ہے۔

اشخاص واماکن کی ایک دوسرے پر فضیلت

پس ہر محل اللہ تعالیٰ کے شکر و احسانات اور شرف کا اہل نہیں ہوتا۔ پس ذوات کو از قبیل اعیان واماکن واشخاص اللہ نے مختار اور منتخب فرمایا۔ وہ ایسے صفات اور امور سے متصف ہیں جو ان کے عہد میں کسی اور میں نہیں پائے جاتے چنانچہ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے انہیں انتخاب فرمالیا۔
اور حق سبحانہٗ نے ان کو اپنے اختیار (انتخاب) سے افضلیت وخصوصیت عطا فرمائی پس یہ ہے اس کا خلق اور یہ ہے اس کا اختیار۔
وربك یخلق مایشاء ویختار
یعنی : اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور انتخاب فرماتا ہے۔

اور اس سے بڑھ کر مہمل اور باطل بات کیا ہو سکتی ہے کہ مکان بیت الحرام تمام دیگر خطوں کے مشابہ ہے اور حجر اسود کا ٹکڑا کرۂ ارضی کے دوسرے پتھروں کی طرح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مساوی ہے دوسرے انسانوں کے۔ درحقیقت تفضیل کا معاملہ ان امور سے متعلّق ہے جو خارج از ذات اور وابستہ صفات مخصوصہ ہیں۔ اور یہ اقادیل وامثال متکلمین کی ان یاوہ گویوں میں سے ہیں جو انہوں نے شریعت پر روا رکھی ہیں اور اس کی جانب منسوب کر دی ہیں، حالانکہ وہ قطعاً ان ہفوات و مہملات سے بری ہے۔ اور ان (متکلمین) کے پاس بعض عام امور میں مساوات کے سوا کوئی دلیل نہیں اور (اس عمومی مساوات) سے حقیقی مساوات بہرحال حاصل نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ مختلفات کا اشتراک امورِ عام میں، اختلاف صفات کے باوجود نہ مستبعد ہے نہ ناممکن[1]۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کبھی مشک اور پیشاب میں مساوات نہیں قائم کی۔ اسی طرح نہ پانی اور آگ میں برابری رکھی۔ پس مقامات مقدسہ اور عام مقامات، بزرگ ہستیاں اور عام لوگ، یکساں اور مساوی نہیں، ان کے مابین تو مشک اور بول، آگ اور پانی سے بھی کہیں زیادہ واضح اور نمایاں فرق مراتب موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام اور فرعون کی شخصیتوں میں بھی اسی طرح کا فرق موجود ہے، یوں ہی کعبہ کا جو احترام ہے، وہ محل سلطانی کے احترام و اجلال سے قطعاً جدا اور متفاوت ہے، پس دو ایسے خطے کس طرح شرف و فضل میں یکساں ہو سکتے ہیں جب کہ ایک خطہ کی تفضیل ذکر و عبادت اور دعا کے لئے مخصوص ہونے کے باعث ہے۔ اور دوسرے کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ اس مردود و مرذول مسلک کو زیادہ تفصیل سے رد کرنے کا ہمارا ارادہ نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ انصاف دوست، دانا، اور صحیح قوتِ فیصلہ رکھنے والے اصحاب کے سامنے معاملے کی اصل تصویر پیش کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے اس کے سوا کسی کی پروا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ جب کبھی بھی کسی کو تخصیص اور شرف عطا کرتا ہے تو اس کے

---

[1] مثلاً رسول وغیرہ رسول میں شکل و صورت، کھانا، پینا، سونا اٹھنا بیٹھنا مشترک عادات ہیں۔

تخصص اور شرف کا کچھ اقتضا ہوتا ہے۔ بلاشبہ ترجیح و تخصیص کا عطا کرنے والا خدا ہی ہے، وہی پیدا کرتا ہے، پھر اختیار کرتا ہے۔

وربّك يخلق ما يشاء ويختار۔

یعنی: ”اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کر لیتا ہے۔

ایّام و شہور کی ایک دوسرے پر فضیلت

اور یہیں سے بعض دنوں اور مہینوں کی دوسرے دنوں اور مہینوں پر فضیلت ثابت ہوجاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر دن یوم النحر (قربانی کا دن) ہے۔ یعنی حج اکبر کا دن احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک سب سے افضل دن ”یوم النحر“ ہے۔ پھر یوم النفر، ایک قول ہے۔ کہ عرفات کا دن اس سے افضل ہے اور اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ ان کا قول ہے کہ حج اکبر کا دن اور اس دن کا روزہ دو سال (کے گناہوں) کا کفارہ ہوتا ہے لیکن یوم عرفہ سے زیادہ خدا کسی دن بھی گناہ گاروں کو بندِ جہنم سے آزاد نہیں فرماتا، یہی دن ہے جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ بندوں سے قریب آجاتا ہے۔ پھر وقوف کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ کیونکہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے اور اس کی مقاومت کوئی چیز نہیں کر سکتی۔

اور صحیح یہ ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر (قربانی کا دن) ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الاكبر۔

اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہیں یوم النحر کو اذن ملا نہ کہ یوم عرفات کو۔ اور سنن ابو داؤد میں بالکل صحیح اسناد سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم حج اکبر ہی یوم النحر ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یوم عرفہ یوم النحر (قربانی) سے مقدم ہے۔ کیونکہ یہ دن (یوم عرفات) وقوف، عاجزی، توبہ اور گریہ وزاری کا ہے۔ پھر یوم النحر کا دن ہے جو قربانی اور زیارت کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طواف کو طوافِ زیارت (کعبہ) کہا جاتا ہے۔

کیونکہ لوگ یومِ عرفات کو جب گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ تو یوم النحر کو انہیں بیت اللہ میں حاضر ہونے اور زیارت کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے اس دن قربانی کرنا، سر کا منڈوانا اور رمی کرنا اور حج کے اعمال کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لیکن یومِ عرفات کے اعمال جیسے "طہارت اور غسل" یہ اس سے قبل ہوتے ہیں۔

اور ذی الحجہ کے دس دن دوسرے ایّام سے افضل ہیں۔ کیونکہ یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقی تمام دنوں سے زیادہ محترم ہیں اور صحیح بخاری میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دس دنوں کے اندر کئے ہوئے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی تمام دنوں میں کئے گئے تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہیں۔

صحابہؓ نے عرض کیا " اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں"؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں جہاد بھی ان سے زیادہ (محبوب) نہیں، ہاں! اگر کوئی انسان اپنی جان و مال لے کر نکلے اور کچھ بھی واپس نہ لائے[1]

اور یہ وہ دس دن ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قسم کھائی ہے۔

والفجر ولیالٍ عشر۔

یعنی: قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی: اور اسی لئے ان میں تکبیر و تہلیل (لَا إِلٰہَ إِلَّا اللہ) اور حمد کی کثرت کرنا مستحب ہے، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان راتوں میں کثرت سے تکبیر و تہلیل اور حمدِ الٰہی کیا کرو۔

اور باقی ایّام کے ساتھ ان ایّام کی نسبت ایسے ہی ہے کہ جیسے مقاماتِ حج کی نسبت خطہ ہائے ارض سے ہے۔

اور اسی طرح ماہِ رمضان کی افضیلت تمام دوسرے مہینوں پر ہے اور آخری عشرہ کی افضیلت باقی راتوں پر اور لیلۃ القدر کی ایک ہزار ماہ پر ہے۔ تو اب اگر یہ خیال ہو کہ کونسی دس راتیں سے زیادہ افضل ہیں۔ ذی الحج کی دس راتیں یا رمضان کی دس راتیں اور دو راتوں یعنی لیلۃ القدر اور معراج

---

[1] یعنی صرف ایسا شخص زیادہ ضرور محبوب ہے (رئیس احمد جعفری)

کی رات میں سے کونسی افضل ہے۔ تو میں کہوں گا کہ پہلے سوال کا جہاں تک تعلق ہے تو اس باب میں زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ رمضان کی آخری دس راتیں ذی الحج کی دس راتوں سے افضل ہیں اور ذی الحج کے دس دن رمضان کے دس دنوں سے افضل ہیں اور اس تفضیل سے تمام اشکال وضع ہو جاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رمضان کی دس راتیں اس لئے افضل ہیں کہ لیلۃ القدر انہی میں ہوتی ہے۔ اور ذی الحج کے دس دن اس لئے افضل کیونکہ انہی ایّام میں یوم النحر (قربانی کا دن) یوم عرفات اور یوم ترویہ آتا ہے۔

شبِ معراج اور شبِ قدر کے مابین تفاضل کا مسئلہ

رہا دوسرا سوال تو حضرت شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ معراج کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ لیلۃ القدر زیادہ افضل ہے تو دونوں میں سے کونسا راستی پر ہے ؟

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے جواب دیا، جو یہ کہتا ہے کہ معراج کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے تو اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی، لہٰذا لیلۃ القدر کی نسبت افضل ہے کہ اس رات کو (ہر سال) قیام کرنا اور دعا مانگنا لیلۃ القدر سے زیادہ ثواب ہے تو یہ بات غلط ہے۔ کسی مسلمان نے ایسا فتویٰ نہیں دیا اور یہ واضح طور پر فاسد خیال ہے، اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ عبادت و دعا اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ وہ معین طور پر معلوم بھی ہو لیکن شب معراج کے بارے میں اس کے مہینے عشر اور عین پر کوئی دلیل موجود نہیں، بلکہ اقوال مختلف ہیں اس کے علاوہ شرعی طور پر شب معراج کی عبادت مسلمانوں کے لئے خاص نہیں کی گئی ہے، اس کے برعکس لیلۃ القدر کا معاملہ دوسرا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر کو ایمان اور احتساب کے ساتھ عبادت میں سرگرم رہے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیے گئے اور صحیحین میں ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ رات ایک ہزار ماہ سے افضل ہے، کیونکہ اسی میں قرآن مجید نازل فرمایا گیا۔

اور اگر اس کی مراد اس مخصوص رات سے ہو کہ جس رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

معراج ہوئی اور وہ (علوم و خزانے) حاصل ہوئے جو اور راتوں میں نہ ملے - بغیر اس بات کے کہ اس رات کو قیام یا عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے تو اس رات کی بزرگی اپنی جگہ پر مسلّم ہے -

اور یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب کسی مخصوص جگہ یا کسی مخصوص وقت میں کوئی نعمت عطا فرمائی تو اس جگہ یا وقت کو جمیع امکنہ یا ازمنہ سے زیادہ احترام حاصل ہو گیا، یہ بات تو اُس وقت صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے - جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات کو جو انعام ہوا وہ لیلۃ القدر کی رات کو قرآن پاک کے نازل فرمانے کے انعام سے اور ان دوسری نعمتوں سے جو آپؐ کو عطا فرمائی گئیں زیادہ ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ ان معاملات پر اس وقت گفتگو کی جا سکتی ہے - جب نعمتوں کی مقدار (کا یقینی) اور اشیاء کی اصلیتوں کا صحیح علم ہو - اور یہ علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور علم کے بغیر ان مباحث میں حصّہ لینا کسی کے لئے بھی روا نہیں -

متقدمین میں سے کسی کے متعلق منقول نہیں کہ اس نے معراج کی رات کو باقی راتوں خصوصًا لیلۃ القدر پر افضل قرار دیا ہو اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام معراج کی رات کسی امر (عبادت وغیرہ) کے ساتھ ساتھ مخصوص کرتے تھے - بلکہ وہ تو (اس انداز سے) اس کا تذکرہ ہی نہیں کرتے - اور یہ بات بھی معلوم نہیں کہ وہ رات (متعین طور پر) کونسی تھی؟ اگرچہ معراج کی رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائلِ مبارکہ میں ایک عظیم الشان حیثیت رکھتی ہے - لیکن اس کے باوجود شرعًا اس رات یا اس جگہ (جہاں سے معراج ہوئی تھی) کوئی عبادت ضروری قرار نہیں دی گئی، بلکہ غار حرا جس میں ابتداء وحی نازل ہوئی اور بعثت سے پہلے جہاں سے آپؐ تشریف لے جایا کرتے تھے - بعثت کے بعد مکّہ میں رہتے ہوئے بھی آپؐ نے یا کسی صحابی نے اس (غار) میں عبادتِ مخصوصہ کا قصد نہیں کیا اور نہ نزول وحی کے دن نزول وحی کے باعث آپؐ نے یا صحابہ کرام نے کسی عبادت کی تخصیص کی اور نہ جس جگہ اور جس وقت وحی کی ابتداء ہوئی، کوئی عبادت مخصوص کی گئی -

اور جن لوگوں نے مقامات اور اوقاتِ مخصوصہ کو ایسے واقعات کی بنا پر عبادات کے لئے

مخصوص کیا ہے وہ اہلِ کتاب ہیں ۔جنہوں نے مسیح علیہ السّلام کے حالات (پڑھ) کر مواسم عبادات مقرر کر لئے ۔ جیسے یوم میلاد اور یوم تعمید وغیرہ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک مخصوص جگہ جا کر (تبرکاً) نماز پڑھتے ہیں انہوں نے معلوم کیا یہ کیا بات ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ جگہ وہ ہے جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی تو انہوں نے فرمایا :

کیا تم چاہتے ہو کہ انبیاء علیہم السّلام کے آثار کو عبادت گاہیں بنالو ؟ تم سے پہلے کے لوگ انہی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ۔ اگر تم یہاں ہو اور نماز کا وقت آجاتا ہے تو بے شک نماز پڑھ لو ورنہ اپنی راہ چلتے رہو ۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لیلۃ القدر سے زیادہ افضل ہے اور لیلۃ القدر اُمّت کے حق میں معراج کی رات سے زیادہ افضل ہے ۔لہٰذا اُمّت کے حق میں ہونے کے سبب اس کے لئے بہتر ہے ۔ اور معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے کے باعث ان کے لئے زیادہ افضل ہے ۔

یوم جمعہ اور یوم عرفہ میں تفاضل کا سوال

اور اگر کہا جائے ، جمعہ اور عرفہ میں سے کونسا دن افضل ہے ؟ تو ابن حبان نے اپنی کتاب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سورج جمعہ کے دن سے زیادہ افضل دن پر طلوع نہیں ہوا اور ایسی ہی تمیم بن اوس کی روایت بھی ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے ۔ بعض علمائے کرام اس حدیث کی دلیل سے جمعہ کے دن کو عرفہ کے دن پر افضلیت دیتے ہیں اور قاضی ابویعلی نے احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ جمعہ کی رات قدر کی رات سے افضل ہے اور صحیح یہ ہے کہ جمعہ کا دن ہفتے کے تمام دنوں سے افضل ہے اور عرفہ و نحر (قربانی) کا دن تمام سال کے دنوں سے افضل ہے اور اسی طرح قدر کی رات اور جمعہ کی رات کا حکم ہے اور اسی وجہ سے یوم جمعہ کو عرفات میں وقوف کرنا تمام دنوں سے کئی طرح افضل ہے ایک تو یہ کہ دو ایسے دن جو تمام ایّام میں افضل ہیں ۔جمع ہو گئے ، دوسرے یہ وہ دن ہے کہ اُس دن

قبولیتِ دعا کی ایک خاص یقینی گھڑی ہے اور اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد کی ہے اور وقوف کرنے والے جب وہاں دعا اور عاجزی کرتے ہوئے کھڑے ہوں تو وہ ساعت بھی مستجاب ہے ۔ نیز یہ کہ اسی دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تو اس سے بھی موافقت ہوگئی ۔ علاوہ ازیں اسی دن اطرافِ ارضی سے مخلوقات خطبہ اور جمعہ کے لئے جمع ہوتی ہے اور یوم عرفہ کو اہلِ عرفات کا یہ اجتماع عرفہ کے مطابق ہوتا ہے تو مساجد میں مسلمانوں کے اجتماع اور عاجزی میں توقف سے وہ مراتب حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے مواقع پر حاصل نہیں ہوتے ۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اہلِ عرفہ کو یومِ جمعہ کی عید اور عرفہ کی عید بھی حاصل ہو جاتی ہے ۔ اسی واسطے عرفات والوں کو روزہ رکھنا مکروہ ہے اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرفات کو روزہ سے منع فرمایا ۔ اس کی سند میں شبہ ہے ، کیونکہ مہدی بن حرب جوزی غیر معروف ہے اور اس روایت کا مدار اس پر ہے ۔ لیکن ام فضل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے یوم عرفات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں شک کیا بعض نے کہا کہ آپؐ کا روزہ ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں آپؐ کا روزہ نہیں ہے ۔ پھر ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا ۔ آں حضرتؐ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے تو آپؐ نے نوش فرمایا ۔

اور میدانِ عرفات میں یومِ عرفہ کو افطار کے استحباب کی حکمت میں لوگوں کا اختلاف ہے ۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ " تاکہ دعا میں (بدنی) قوت حاصل ہو سکے " یہ حربی وغیرہ کا قول ہے ۔ ان کے علاوہ اور حضرات سے بھی منقول ہے ۔ جن میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ عرفہ کا دن اہل عرفہ کے لیے عید ہے ۔ اس لئے انہیں روزہ رکھنا مناسب نہیں اور فرمایا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو سنن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا :-

اے اہل اسلام یوم عرفات یوم قربانی اور ایام منیٰ ہمارے لئے عید ہیں ۔

ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) کا قول ہے کہ یوم عرفات اہل عرفات کے حق میں ان کے اجتماع

کے باعث عید ہے۔ بخلاف باقی لوگوں کے کہ وہ یوم النحر کو جمع ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وہی سے عید ہوتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ یوم عرفہ اگر جمعہ کے دن ہو تو دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں۔ نیز یہ کہ اس دن کا توافق اس دن سے ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے دین حق مکمل کیا اور نعمت کی تکمیل فرمائی، جیسا کہ صحیح بخاری میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا۔

"اے امیر المومنین آپ اپنی کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہیں۔ اگر ہماری قوم یہود پر یہ آیت اترتی اور میں اس میں اس دن کو جانتا بھی ہوتا جس دن نازل ہوئی تھی تو ہم اس دن کو یوم عید قرار دے دیتے۔"

آپ نے پوچھا "کونسی آیت"؟

اس نے عرض کیا کہ یہ آیت جس میں فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

یعنی: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کے دین پر ہی راضی ہوا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اُس دن کو جانتا ہوں کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی اور جس جگہ یہ نازل ہوئی۔ یہ آیت جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عرفات کے میدان میں نازل ہوئی اور ہم عرفہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

علاوہ بریں یہ کہ یہ دن قیامت کے دن کے جم غفیر اور اجتماعِ عظیم سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے بہتر دن کہ جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدمؑ کو پیدا کیا گیا اسی دن جنّت میں داخل کیا گیا اور اُسی دن اس سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت آئے گی اور اسی دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ اس وقت کوئی بندہ اگر کوئی چیز مانگ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے ضرور وہی چیز عطا فرماتا ہے۔

اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے ایک یوم اجتماع قرار دیا کہ جس میں وہ اکٹھے

ہوتے ہیں۔ اور اس دن آغاز و انجام جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن اسی اُمّت کے لئے یوم اجتماع قرار دیا۔ کیونکہ یہ دن مبداء اور معاد کا دن ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں "سورہ سجدہ" اور "ھل اتی علی الانسان" پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں سورتیں اس دن کے جب آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے تھے تمام کان وما یکون پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں مبداء و معاد، دخول جنّت و نار کا ذکر ہے تو گویا اس دن اُمّت مسلمہ اس کان وما یکون کا ذکر کرتی ہے۔ تو اس طرح انسان دنیا کے سب سے بڑے مواقف اور دنیا کے سب سے بڑے موقف کی یاد تازہ کرتا ہے اور یہ عرفہ کا دن ہے کہ ایک عظیم اجتماع پروردگار کریم کے سامنے اس دن اس طرح کھڑا ہوگا جب تک کہ اہلِ جنّت اپنے منازل میں نہ پہنچ جائیں اور اہل جہنم اپنے منازل میں!

ایک بات تو یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مسلمان باقی ایام کی نسبت کثرت سے عبادت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر فاسق لوگ بھی جمعہ کے دن اور جمعرات کا احترام کرتے ہیں اور وہ بھی سمجھتے ہیں کہ جو اس روز اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا جلد ہی سزاوار ہوجاتا ہے، اُسے مہلت بھی نہیں ملتی اور یہ عقیدہ اُن کے ہاں راسخ ہے اور تجربات سے انہوں نے سمجھا ہے اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ (یہ دن) اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعظمت اور محترم ہے۔ اور اللہ نے باقی ایام میں سے اِسے اختیار فرمایا ہے۔ یقیناً اس کا تطابق غیر جمعہ پر باعثِ شرف ہے۔

ایک سبب یہ بھی ہے کہ جمعہ کا دن جنّت کے یومِ زیارت سے مشابہت رکھتا ہے اور یہ وہ دن ہے کہ اہل جنت ایک وادی وسیع میں اکٹھے ہوں گے اور موتیوں، سونے، نوبرجد، یاقوت اور مشک کے ٹیلوں پر سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی زیارت کریں گے اور وہ ان کو اپنی تجلی سے نوازے گا۔ یہ لوگ اس دن خدا کو آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اور اعمال حسنہ کا اجر فوراً پالیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مسجد کی طرف جانے میں سب سے زیادہ تیز رو ہوں گے اور جو امام کے زیادہ قریب ہوگا وہ اللہ سے زیادہ قریب ہوگا۔ اس لئے اہلِ جنّت یوم زیارت کے مشتاق ہوں گے اور وہ یہی دن ہوگا جب وہ کرامت و بزرگی حاصل کریں گے اور یہ جمعہ

کا دن ہوگا اور اگر اس دن (جمعہ) کا توافق یوم عرفہ سے ہو جائے تو پھر اسے جو فضل، مزیت اور اختصاص حاصل ہوگا وہ سب سے بالا ہوگا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عرفہ کی رات کو وقوف کرنے والوں کے قریب ہو جاتا ہے پھر اپنے ان بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے اور کہتا ہے:

(میرے یہ بندے) کیا چاہتے ہیں؟ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا"

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے باعث انہیں وہ ساعت بھی نصیب ہو جاتی ہے کہ جس میں سائل کا کوئی معقول سوال رد نہیں ہوتا۔ پس وہ دعا کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اللہ ان کے قریب ہو جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قرب دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو قبولیت دعا کا قرب اور دوسرا اہلِ عرفات اور ملائکہ کے سامنے خدا کے اظہار فخر کا قرب۔ پس اہلِ ایمان ان امور سعادت کو محسوس کرتے ہیں اور اپنے رب کے فضل وکرم سے ان کی قوت ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ از حد فرحت وانبساط محسوس کرتے ہیں اور امیدوار رحمت ہو کر خوشی مناتے ہیں۔

ان اسباب کے باعث جمعہ کا وقوفِ (عرفات) باقی ایّام پر فضیلت رکھتا ہے۔

لیکن یہ جو زبان زد عوام ہے کہ یہ (جمعہ کا وقوفِ عرفات) بہتّر حجوں کے برابر ہے بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

خدا کے نزدیک

ہر طیّب چیز پسندیدہ اور مرغوب ہے

مقصد گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہر جنس میں سب سے پاکیزہ چیز کا انتخاب فرمایا ہے اور اپنے لئے اُسے مخصوص فرمالیا اور اختیار کرلیا، چونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، لہٰذا پاکیزہ چیز ہی کو پسند فرماتا ہے اس طرح پاکیزہ قسم کا قول وفعل اور صدقہ قبول کرتا ہے تو یوں سمجھئے کہ "ہر طیب" اللہ تعالیٰ ہی کا انتخاب کردہ ہے۔ باقی رہا پیدا فرمانا، تو یہ صفت دونوں کے لئے عام ہے۔ اور یہیں سے بندے کی سعادت اور شقاوت کا فرق معلوم ہو جاتا ہے، کیونکہ طیّب کی مناسبت طیّب ہی سے ہو سکتی ہے۔ پس طیّب، طیّب کے سوا کسی اور چیز کو پسند نہیں کرسکتا، نہ اُس کے علاوہ کسی اور چیز کو وہ گوارہ کرسکتا ہے نہ اُس کی طرف مائل ہو سکتا ہے، نہ کسی اور چیز سے اُسے سکون مل سکتا ہے، نہ اُس کا میلانِ قلب کسی اور طرف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو کلام بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتا ہے اس کا بھی طیب اور پاکیزہ ہونا ضروری ہے وہ فحش مقال اور تفحش لسان، نیز جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان طرازی، غلط گوئی بلکہ ہر بے ہودہ کلام سے سخت متنفر ہوتا ہے۔ اور یہی حال اعمال کا ہے۔ وہ اچھے اعمال سے مانوس ہوتا ہے اور یہ اعمال صالحہ صرف وہ ہیں کہ جس پر منشرع اور سلیم طباع مطمئن ہیں اور جن کے تقدس کی گواہی، صحیح اذہان نے دی ہے۔ تو اس طرح ان اعمال کے درست ہونے پر شریعت عقل اور فطرت سب کا اتفاق ہو چکا ہے۔ مثلاً ایک ہی اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کا شریک کسی کو نہ مانا جائے۔ اپنی خواہشات کو اُسی کے تابع کرایا جائے اور پوری جدوجہد کے ساتھ اس کی محبت حاصل کی جائے اس کی مخلوقات سے بقدرِ استطاعت احسان کیا جائے اور دوسروں سے وہی سلوک کرے، جس سلوک کا اپنے لئے ان سے متوقع ہو، ان سے وہی معاملت روا رکھے۔ جو ان سے اپنے

لئے چاہتا ہو۔ دعوت بھی اس انداز سے دے اور تبلیغ بھی ایسے ہی اسلوب سے کرے جو اپنے لئے محبوب رکھتا ہو۔ دوسروں کے بارے میں بھی ایسا ہی فیصلہ کرے، جیسا اپنے لیے چاہتا ہو۔ دوسروں کی پہنچائی ہوئی اذیتیں گوارا کرلے، لیکن خود کسی کو ایذا نہ پہنچائے، ان کی عزت کی حفاظت کرے، اور ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کرے، اگر ان کی نیکی معلوم ہو تو تحسین کرے، لیکن برائی پر پردہ ڈالے اور ان کی معذرتیں قبول کرے جب تک کہ شرع شریف اور اللہ تعالیٰ کے امرونہی کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔

اسی طرح اخلاق بھی انتہائی پاکیزہ اور اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ مثلاً بردباری، وقار، سکونِ خاطر، جذبۂ رحمت، صبر، وفاشعاری، اعتدال، نرم مزاجی، صداقت، فراخ دلی، نیز بغض وحسد، غریب و دروغ سے اجتناب، نیز انکسار اہل ایمان کے ساتھ تواضع، ان کی عزت (کا جذبہ) اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سخت غیراللہ کے سامنے عجز و فروتنی کے اظہار سے احتراز، پاکدامنی، شجاعت، سخاوت، مروت، اور شریعت وفطرت اور عقل سے پوری پوری ہم آہنگی۔

اسی طرح پاکیزہ، خورد ونوش کا اہتمام و انصرام جو حلال اور خوش گوار ہو اور جسم و روح کا بہتر تغذیہ کرے (اور جس سے) جذبہ بندگی بھی سلامت رہے۔

اسی طرح نکاح میں بھی پاکیزگی ملحوظ رہے، ماحول بھی بہتر اور طیب مہیا رہے۔ احباب اور ہمنشینوں کا انتخاب اسی اصول پر ہو۔

اسی طرح، جسم، اخلاق وعمل اور بات چیت لباس اور خورد ونوش، گھر بار، اٹھنا بیٹھنا، سب طیب اور پاکیزہ ہونا چاہیئے، ایسے ہی لوگوں کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب موت کے وقت ملائکہ آتے ہیں تو کہتے ہیں۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

یعنی "تم پر سلامتی ہو، جو اعمال صالحہ تم کرتے رہے ان کی برکت سے جنت میں داخل ہو جاؤ" اور (قیامت کے دن) جنت کے فرشتے کہیں گے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ

یعنی: "تم پر سلامتی ہو، خوش رہو، بس اب تم جنت میں ہمیشگی کی زندگی بسر کرو"۔

آیت مذکورہ کی فا (فادخلوھا) سبب کا معنی رکھتی ہے۔ یعنی تم پاکیزہ خاطر ہونے کی وجہ سے داخل ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطّیّبات للطّیّبین والطّیّبون للطّیّبات

یعنی: خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے، پلید مرد پلید عورتوں کے لئے اور پاک مردوں کے لئے پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر یہ بتایا گیا ہے، خبیثوں کی باتیں بھی خبیث اور پاکیزہ لوگوں کی باتیں بھی پاک ہوتی ہیں اور یہ بھی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ پاک بیبیاں پاک مردوں کی خاطر اور ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں۔ اس آیت کا مطلب عمومی حیثیت رکھتا ہے، یعنی پاکیزہ لوگوں کا کلام اور اعمال اور بیبیاں سب پاکیزہ اور خبیث لوگوں کا کلام اعمال اور عورتیں سب خبیث ہوتے ہیں - اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام پاک سیرت لوگوں کو جنت میں جمع فرما دیا اور تمام بدکردار لوگوں کو دوزخ میں اکٹھا کر دیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے تین "دار" قرار دیے - پاک لوگوں کی خاطر علیحدہ کہ جو ناپاک لوگوں پر حرام ہے اور اس میں ہر طیب چیز فراہم کر دی اس کا نام جنت ہے۔ اور خبیث لوگوں کے لیے علیحدہ گھر بنایا- اس میں صرف ناپاک لوگ ہی داخل ہوں گے اور یہ دوزخ ہے۔ تیسرا گھر دنیا ہے جس میں پاک و ناپاک مخلوط ہے۔ اسی امتزاج و اختلاط کے باعث یہاں مصائب و آلام آتے ہیں اور یہ سب حکمت خداوندی کا نتیجہ ہے تو جب قیامت برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کر دے گا۔ چنانچہ پاک لوگوں اور ان کے اہل و عیال کو علیحدہ گھر عطا ہوگا۔ جہاں دوسرا نہیں جائے گا اور ناپاک لوگوں کو علیحدہ جگہ ملے گی جہاں ان کے سوا دوسرا نہ ہوگا اب اس وقت دو ہی گھر باقی رہ جائیں گے ایک جنت جو پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ اور دوسرے دوزخ جو خبیث لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے اور اللہ دونوں جماعتوں سے اعمال کے مطابق ثواب و عقاب کا معاملہ کرے گا نو ان کے پاس ہی افعال و اقوال اور اخلاق کو انعامات و لذات میں بدل دے گا اور فرحت و سرور کے مکمل اسباب مرحمت کرے گا۔ (نیز)

ناپاک لوگوں کے اپنے افعال واقوال اور اخلاق، آلام ومصائب میں بدل دیں گے۔ اس طرح حق تعالیٰ اُن کی سزا وعذاب کے کامل اسباب پیدا کر دے گا (اس کی) حکمت عظیم ہے اور اس کی عظمت بلند و بالا ہے، تاکہ اُس کے بندے اس کی کمال ربوبیت وحکمت اور کمال علم وعدل ورحمت کا نظارہ کر سکیں اور حق تعالیٰ شانہٗ کے دشمن کو بھی یقین ہو جائے کہ وہ خود ہی بہتان طراز اور جھوٹے تھے، نہ کہ انبیائے صادقین علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لا یبعث اللہ من یموت بلیٰ وعدا علیہ حقا ولکن اکثر الناس لا یعلمون لیبین لھم الذی یختلفون فیہ ولیعلم الذین کفروا انھم کانوا کاذبین۔

یعنی: اور انہوں نے اللہ کے ساتھ سخت قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو مر جاتے ہیں پھر سے نہیں اُٹھائے گا۔ یوں انہوں نے اپنے آپ پر وعید کی ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ چیز بیان کرے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور جان لے کہ جو لوگ کافر ہوئے وہ بے شک جھوٹے تھے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعادت وشقاوت کو نشانِ فرق قرار دیا، لہٰذا پاک طینت اور سعید روح پاکیزگی ہی کے مناسب ہے اور پاکیزہ ہی اعمال کرتی ہے اور ان کے اقوال وافعال بھی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ناپاک طینت اور شقی روحیں خباثت ہی کا ارتکاب کرتی ہیں، انہیں خباثت ہی سے انس ہوتا ہے اور ان سے خبیث قسم کے اعمال ہی سرزد ہوتے ہیں۔ اس طرح ناپاک خصلت کی زبان وجوارح خباثت ہی کے مظہر ہوتے ہیں اور نیک سرشت انسان کی زبان وجوارح منبع حسنات ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ایک انسان میں دونوں قسم کی عادتیں ہوتی ہیں۔ پھر جب اور جس کا غلبہ ہوا اُسی قبیل سے بن گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس سے بھلائی کا ارادہ کرے تو موت سے پہلے ہی اُسے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن اُسے پاک ہی اٹھاتا ہے اور اُسے پاک کرنے کی خاطر دوزخ میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی (دنیا میں) کبھی تو صحیح توبہ اور نیکیوں کی توفیق دے کر بندے کے گناہوں کو مٹایا جاتا ہے اور کبھی مصائب میں مبتلا کر کے اس کی (بد

اعمالیوں) کا کفارہ کر دیا جاتا ہے۔ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح پیش ہوتا ہے
کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے تطہیر مذکورہ (کی توفیق)
روک لی جاتی ہے۔ پس وہ قیامت کے دن نیکیوں اور بدیوں کو لئے ہوئے پیش ہوتے
ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ کوئی آدمی اُس کے جوار (رحمت) میں (گناہوں کی)
نجاست لے کر نہ آئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس بُرے آدمی کو دوزخ میں ڈالتا ہے۔ تاکہ اُسے
طہارت، صفائی اور تنزیہ حاصل ہو جائے اور جب اس کا ایمان کھوٹ سے صاف ہو جائے
گا تو پھر بے شک اُس کے جوارِ رحمت اور اس کے بندوں کے مقام طیّبہ میں ٹھہرنے کے
قابل ہو جائے گا۔

اور اس قسم کے لوگوں کا وقوفِ جہنم ان کی نافرمانیوں کی کثرت و قلت پر منحصر ہوگا۔
اس طرح کہ جس کے گناہ جلدی دھل جائیں گے وہ جلدی دوزخ سے نکل آئے گا اور دیر
سے پاک ہونے والا دیر سے نکل سکے گا بے شک انہیں پوری جزا ملے گی اور تیرا پروردگار
اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا (جزاء وفاقاً وما ربك بظلام للعبيد) اور جب حالت
یہ ہو کہ مشرک جیسے نجس عین کو آگ پاک نہ کر سکی بلکہ اس کو نکال (کر دیکھا گیا) تو ناپاک
کا ناپاک رہا۔ جیسے ایک کتا ہے کہ اگرچہ وہ سمندر میں بھی نہا کر باہر آئے (تو بھی وہ ناپاک
ہی رہتا ہے) پس یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے اور جب
پاکیزہ صفت مومن نجاستوں سے منزہ ہوگا تو آگ اُس پر حرام ہو گی، کیونکہ اس میں کوئی خرابی
نہیں کہ جسے زائل کرنے کے لئے آگ کی ضرورت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اس
کی حکمتیں عقل و دانش سے بالاتر ہیں۔ بندوں کی فطرت سلیمہ اور عقل نے بھی گواہی دے
دی کہ وہ ہی احکم الحاکمین ہے، سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

بعثتِ رُسل کی ضرورت

اس بحث سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور ان پر نازل شدہ وحی کی تصدیق کا کس قدر محتاج ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاعات اور اطاعت کا ضروری طور پر کس درجہ پابند ہے، کیونکہ دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پرست میں پنہاں ہے اور اُن کے بغیر پاک و ناپاک کی مفصل معلومات محال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی انہیں حضرات کے مبارک ہاتھوں سے ملتی ہے۔

اس طرح اعمال صالحہ اقوال حسنہ اور اخلاق عالیہ انہیں کا تحفۂ باسعادت اور وحی ہے۔ ان کی حیثیت ایک کسوٹی کی ہے کہ ان کے اقوال و افعال اور افعال پر تمام اقوال، افعال اور اخلاق پرکھے جاتے ہیں اور ان ہی کے اتباع سے ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ تو ان حضرات کی احتیاج حقیقت میں جسم کے لئے روح آنکھ کے لئے نور اور روح کے لیئے جان سے بھی شدید تر ہے۔ احتیاج چاہے کتنی لازمی بلکہ فرض بھی ہو۔ لیکن تمام انسانوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی احتیاج و ضرورت سب سے زیادہ ہے ذرا اندازہ تو کرو کہ اگر تمہیں شریعت اور وحی کا پیغام صرف ایک لمحہ بھر کے لئے نہ پہنچے تو تمہارا قلب (روح دینی) فوراً بگڑ جائے گا اور تم ایسے ہو گے جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر (گرم) توے پر ڈال دیا جائے تو ایک مومن بندے کی حالت دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی کے انقطاع پر ایسی بلکہ اس سے بھی زیادہ پریشان کن بن جاتی ہے اور صرف قلبِ بیدار

کو ہی اس کا احساس ہوتا ہے اور مردہ دل کے لئے تو احساس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب دونوں جہاں کے اندر بندے کی سعادت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ہی سے وابستہ ہے تو ہر وہ آدمی جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور نجات و سعادت کا متمنّی ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ آپ کے نحفہ مبارکہ (وحی) سیرت اور شانِ رسالت کا گہرا مطالعہ کرے۔ یہی چیز اُسے جہالت سے نکال کر آپؐ کے اتباع، شیعہ اور جماعت میں داخل کر دے گی۔

اور کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو بالکل ہی محروم ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو تھوڑی پر اکتفا کر رہے ہیں اور بعض خوب خوب سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اور فضل وکرم اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضل عظیم ہے۔

دشواری راہ

جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ و شریعت مطہرہ کو خوب سمجھنا چاہتا ہو اُس کے لئے تو یہ مباحث بہت کم ہیں۔ علمی کم مائیگی اور پریشان حالی کے باوجود چند الفاظ لکھے ہیں، جن سے نہ تو ابواب علم کھل سکتے ہیں اور نہ طالبان (علم و فن) کا اس طرف میلان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ (یہ سب کام) حضر کی بجائے سفر میں کرنا پڑا ہے، قلب سوگوار، حالات پریشان، علمی مواد اور کتابیں مفقود۔ غرض کوئی ایسا معقول ذریعہ نہیں جس سے معلومات میں اضافہ ہو سکتا۔ اس طرح وہ علوم جو مفید اور سعادت مندی کی ضمانت بھی ہوں، عنقا اور ناپید ہو چکے ہیں۔ اہل (علم) پر وحشت چھا چکی ہے اور جہلاء کے غلبہ کے باعث علماء کی زبانیں گنگ ہو چکی ہیں۔ بد دیانت اور بدعتی عناصر کی کثرت کے باعث علم کا شیرازہ درھم برھم ہو چکا ہے۔ اس لئے صبر کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور بس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حامی و ناصر نہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

خاندان ، والدین اور دیگر مباحث

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان کرۂ ارض پر سب سے بہتر خاندان تھا۔ ان کے خاندانی شرف کی گواہی دشمن تک دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے شاہِ روم کے دربار میں اس حقیقت کی گواہی دی کہ ان کی قوم تمام اقوام سے محترم، ان کے قبیلہ تمام قبائل سے زیادہ باوقار اور ان کے آباؤ اجداد تمام لوگوں سے زیادہ ذی شرف ہیں۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب) اس طرح چلتا ہے محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف، بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب، بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد، بن عدنان اور یہ حضرت اسماعیل الذبیح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ صحابہؓ کرام، تابعین اور جمہور علمائے کرام کی یہی تحقیق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ غلط ہے اور اس کے بیس سے زیادہ دلائل بھی ہیں۔ اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمتہ علیہ سے سنا، فرمایا کرتے تھے "یہ قول (ثانی) اہل کتاب کی اسرائیلیات کا ایک حصہ ہے۔ جو ان کی کتاب کے ہی خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ باوجود نہ چاہنے کے اپنے بیٹے کو اور ایک روایت کے مطابق اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اب اہل کتاب اور مسلمان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی

نرینہ اولاد میں سے تھے۔ جن لوگوں نے قول ثانی کی تائید کی ہے۔ انہیں توارات کی اس عبارت سے مغالطہ ہوا کہ "اے اسحٰق اپنے بیٹے کو ذبح کر" حالانکہ تورات کی یہ تحریر یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے اور یہ تورات کی دوسری آیت کے خلاف بھی ہے۔

"کہ اپنے نرینہ اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کر"

یہودی بنی اسماعیل سے ان کے خاندانی شرف کی بنا پر حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ شرف (نبوت) عربوں کی بجائے اپنی طرف لے جائیں، حالانکہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے یہ شرف صرف اہل ہی کو عطا فرمانا چاہا، دوسرے یہ کیسے ممکن ہے کہ اسحٰق علیہ السلام ذبیح ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ اسحٰق علیہ السلام کی والدہ کو یعقوب بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری دینے کے لیے فرشتے حاضر ہوئے اور خدائے قدوس کا فرمان سنایا:

لا تخف انّا ارسلنا الی قوم لوط وامرأته قائمة فضحکت فبشّرناها باسحٰق ومن ورّاء اسحٰق یعقوب۔

یعنی: ڈرو نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں تو وہ ہنس دیں، سو ہم نے انہیں اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔

پس یہ ناممکن ہے کہ پہلے بیٹے کی خوشخبری دے اور پھر ذبح کر دینے کا حکم دے دے اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ضرور دی گئی اور یہ خوشخبری اسحاق علیہ السلام پر صادق آتی ہے یہ تو الفاظ کا ظاہری مطلب تھا اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر بات اسی طرح ہوتی جیسا تم نے کہا ہے تو یعقوبؑ کو اسحٰقؑ پر معطوف سمجھ کر مجرور ہونا چاہیئے تھا اور پھر عبارت یوں ہوتی ومن ورّاء اسحٰق یعقوب یعنی یعقوب اسحاق کے بعد ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالتِ رفعی یعقوب کو بشارت بننے سے نہیں روک سکتی، کیونکہ بشارت ایک کلامِ خاص ہے اور وہ خبر مقدم کے طور پر مذکور ہے اور اللہ تعالےٰ کا یہ کلام ومن ورّاء اسحٰق یعقوب: جملہ نحوی قواعد کے مطابق ہے۔ تو یہ شہادت بلکہ جملہ خبریہ ہونے کی وجہ سے ایک حقیقی بشارت کا درجہ

رکھتی ہے اور اگر یہ مذکورہ کلام طریقہ ادائیگی کے مطابق منصوب ہوتا تو پھر اس کا مطلب یہ تھا کہ وقلنا لہا من وّراء اسحٰق یعقوب یعنی ہم نے اُس عورت کو اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی اور جب کہنے والا یہ کہتا ہے کہ:۔

بشرت فلانا بقدوم اخیہ وثقلہ فی اثرہ۔

یعنی میں نے فلاں کو اس کے بھائی اور ساتھ ہی اُس کا سامان آنے کی خوشخبری دی۔

تو دونوں باتوں کی بشارت پائی جاتی ہے اور ذی شعور آدمی کے لئے یہ قاعدہ نحو قطعاً مخفی نہیں۔ اور حالتِ جر میں ایک اور بھی سقم ہے۔ جیسے تم کہو، مررت بزید ومن بعدہٖ عمرو یعنی میں پہلے زید کے پاس سے اور پھر عمر کے پاس سے گزرا۔ اس میں عاطف خود حرف جر کا قائم مقام ہے تو اس کے اور مجرور کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ جار و مجرور ہوا کرتا ہے۔ سورہ الصافات میں ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ذبیح بیٹے کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

فلمّا أسلما وتلّہٗ للجبین ونادینٰہ ان یا ابراھیم قد صدّقت الرؤیا انّا کذٰلک نجزی المحسنین ان ھٰذا لھو البلٰؤا المبین وفدینٰہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاٰخرین سلامٌ علیٰ ابراھیم کذٰلک نجزی المحسنین انّہ من عبادنا المؤمنین

یعنی: (پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اُسے ماتھے کے بل اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو بیشک یہی ہے) بلاء مبین، اور اس کے بدلے ہم نے ایک بڑا جانور ذبح کر دیا، اور باقی رکھا ہم نے اسے بعد کی مخلوق میں سلام ہو ابراہیم پر، ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے۔

پھر فرمایا: وبشرناہ باسحٰق نبیّا من الصّالحین۔

یعنی، اور ہم نے اس کو اسحٰق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہوں گے:۔

تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے اوامر پر صبر کرنے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُسے خوشخبری دی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ جس

جس چیز کی خوشخبری دی جائے وہ پہلے موجود نہیں ہوا کرتی بلکہ بعد میں ہوا کرتی بلکہ بعد میں ہوتی ہے۔ جیساکہ قرآن پاک میں بنایا گیا اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بشارتِ ثانیہ سے مراد نبوت ہے۔ یعنی والد نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کا مظاہرہ کیا اور بیٹے نے بھی حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس اطاعت پر انعام نبوت عطا فرمایا: تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ بشارت کا اطلاق مجموعہ ذاتِ نبی وجود نبی اور نبوّت پر ہے اور اسی وجہ سے لفظِ نَبِیاً منصوب ہے، یعنی نبی بھی ہوگا۔ اس طرح بشارت کا اطلاق ذات نبوت سے جو اصل ہے۔ علیحدہ کر کے صفت نبوت پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبیّا مّن الصّالحین کا حصہ جملے کا زاید حصہ ہے اور بشارت کا اطلاق صرف اتنے ہی حصہ پر کرنا قواعد نحوی کے اعتبار سے یکسر غلط ہے۔ جب اطلاق بشارت نبوت پر ہو گا۔ تو ذاتِ نبوت پر بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذبیح علیہ السلام مکّہ میں تھے۔ اسی واسطے یوم النحر کو قربانیاں بھی وہیں کی جاتی ہیں جیساکہ صفا مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمار وغیرہ تاکہ اسماعیل اور ام اسماعیل کی شان کا مظاہرہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔

ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مکّہ میں اسحاق اور ام اسحاق نہیں بلکہ اسماعیل اور ام اسماعیل رہتی تھیں۔ اس لیے ذبح کی جگہ اور اوقات بھی بیت اللہ شریف کے قرب و جوار میں تھے کہ جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام نے مل کر تعمیر فرمائے تھے اور مکّہ میں ذبح کرنا تکمیل حج کے لیے شرط ہے جیساکہ ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں رواج تھا اور اگر یہ شام میں رہتے ہوئے (اور یہ واقعہ ذبح وہیں پیش آتا)، جیسے کہ اہلِ کتاب کا خیال ہے تو قربانیاں وغیرہ مکہ کی بجائے شام میں ہوا کرتیں، نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت ذبیح علیہ السلام کو صابر بتایا ہے اور فی الواقعہ اُن سے زیادہ کوئی بھی صابر نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر اپنے آپ کو ذبح تک کے لئے پیش کر دیا۔ حالانکہ جب اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ آیا تو انہیں جاننے والا بتایا

جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

ھل اتاك حدیث ضیف ابراھیم المکرمین اذ دخلوا علیه فقالوا سلاما قال سلام قوم منکرون اور آخر فرمایا کہ قالوا لا تخف وبشروہ بغلام علیم

یعنی کیا تمہیں ابراہیم کے معزز مہمان کی بات پہنچی جب وہ اس کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا ۔ اس نے سلام کا جواب دیا (اور) کہا یہ اجنبی قوم ہے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ واقعہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

لا تخف وبشروہ بغلام علیم ۔

یعنی : انہوں نے کہا ڈرو نہیں اور اس کو ایک علیم (باخبر) لڑکے کی خوشخبری دو ۔

اور یہ خوش خبری اسحاق علیہ السلام کے متعلق ہے ، کیونکہ یہ صاحبزادے ان کی بیوی کے بطن سے تھے اور اسماعیل علیہ السلام تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تولد ہوئے ، اور دوسرے ان دونوں (ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی جو امّ اسحاقؑ ہیں) بڑھاپے اور عالمِ یاس میں بشارت دی گئی تھی ۔ بخلاف اسماعیل علیہ السلام کے کہ ان کا تولد اس سے قبل ہو چکا تھا ۔ نیز حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ اولادِ نرینہ کی محبت عطا فرمائی ہے اور ابراہیم نے جب اپنے پروردگار سے بیٹے کا سوال کیا اور اللہ جل شانہٗ نے دعا کو شرف قبولیت بخشا اور بیٹا عطا فرمایا تو ان کے قلب میں انتہائی شدت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص تعلق پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل ہی بنا لیا ۔ اور مقام خلیل یہ ہے کہ قلب میں محبوب کے متعلق ایک ایسی منفرد محبت پیدا ہو جائے کہ جس کے بعد (حب قلبی) میں کسی دوسرے کا خیال (شرک) تک نہ رہے ، تو جب بچے کی محبت خلیل علیہ السلام کے قلب میں آنے لگی تو غیرتِ خلّت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ۔ پھر جب وہ اس اقدام پر بھی آمادہ ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بیٹے سے کہیں زیادہ تھی تو خلیل علیہ السلام کی خلّت (محبتِ خداوندی) شرک کے تمام شائبوں سے بھی نکھر کر سامنے آ گئی ۔ تو اب ذبح کی بھی ضرورت نہ تھی ، بلکہ (یہ مقصد) تو فقط عزم اور آمادگی سے ہی حاصل ہو گیا ۔ اس لیے حکمِ خداوندی

بھی منسوخ ہو گیا اور ذبیح علیہ السلام کا فدیہ (جنت کا ایک مینڈھا) دے دیا گیا۔ خلیل علیہ السلام نے بھی اطاعت کر دکھائی۔ اور پروردگار کا مقصود (امتحان) بھی پورا ہو گیا۔

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ یہ امتحان و ابتلاء تو پہلے بچے پر ہی تھا اور پہلے کی بجائے (اس شدت کا ابتلاء) دوسرے بچے پر نا ممکن تھا، بلکہ جو تقاضے ذبح یعنی خلوصِ خُلتِ خداوند قدوس تھی وہ دوسرے بچہ کے ذریعہ ہرگز اصولاً نہیں ہو سکتی تھی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کے متعلق ایک طبعی سی غیرت تھی کیونکہ یہ باندی تھیں۔ تو جب ان کے ہاں لڑکا تولد ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کی فرطِ محبت دیکھی تو حضرت سارہ کو سخت طیش آیا۔ آخر اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو اس سے دور لے جاؤ اور مکّہ کی زمین میں بسا دو۔ تاکہ حضرت سارہ کا غصّہ ٹھنڈا پڑ جائے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و نظر التفات کی ایک قسم تھی تو آپ خود ہی غور کیجئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد پھر (حضرت سارہ) کے بیٹے (اسحاق) کو ذبح کرنے اور ہاجرہ (ایک باندی) کے بیٹے کو چھوڑ دینے کا حکم دے بلکہ اُس کی حکمت دیکھیے کہ اس باندی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو اب حضرت سارہ کا دل بھی (حضرت اسماعیل) کی حالت پر تڑپ اُٹھا اور ان کا غصّہ بھی رحمت میں بدل گیا۔ آخر ان کے سامنے بھی اس بچے اور اس کی ماں کی برکات کھل کر آ گئیں۔ اور دکھایا کہ اللہ اس جیسی ماں اور حلیم بچے کو ضائع نہیں کرتا اور اپنے بندوں پر آشکارا کر دیا کہ دُکھ کے بعد سکھ اور یاس کے بعد کامرانی آیا کرتی ہے۔

چنانچہ اس بچے اور اُس کی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے تنہائی مسافرت اور... غریب الدیار ہونے کے باوجود، جس صبر و سکون کے ساتھ اپنے آپ کو ذبح کے لئے پیش کر دیا (اس عدیم النظیر قربانی پر) ان کے قدموں پر علامت کو بھی بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ ہدایت اور مسلمانوں کے لیے قیامت تک ان کے نشان پا کو جائے عبادت اور مناسک حج مقرر کر دیا۔ فروتنی، انکساری اور ضعف کے بعد اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق میں سے جس پر احسان کرنا چاہتا ہے وہاں اپنی اس سنتِ عجیبہ کو تازہ کر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- ونرید ان نمنّ علی الّذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمّۃ ونجعلھم الوارثین وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یّشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

یعنی: اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور رہیں اور اُن کے امام بنا دیں۔ اور ان کو وارث بنا دیں اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ پاک بہت بڑے فضل والا ہے۔

سیرت واخلاق اور وحی

اب ہم پھر اپنے مطلب کی طرف آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واخلاق اور وحی (تحفہ مبارکہ) بیان کرتے ہیں۔ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مکہ میں ہوئی اور ان کا سنہ پیدائش عام الفیل ہے اور یہ واقعہ (اصحابِ فیل کا) بہت اوائل کا ہے یہ اہلِ کتاب عیسائی تھے اور ان کا دین اہلِ مکّہ سے بہتر بھی تھا کیونکہ اس زمانے میں اہلِ مکّہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ پھر بھی اللہ نے انہیں اہلِ کتاب پر فوقیت عطا فرمائی اس میں کسی بشر کا کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ایک پیش خیمہ اور معجزہ تھا۔

والدین کا انتقال اور واقعات مابعد

آپؐ کے والد ماجد کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکمِ مادر میں تھے کہ ان کی وفات ہوگئی اور بعض آپؐ کے تولدِ مسعود کے بعد بتاتے ہیں لیکن پہلا قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق آپؐ کے والد ماجد آپ کی پیدائش کے سات ماہ بعد فوت ہو گئے اور آپؐ کی والدہ ماجدہ کے متعلق اتفاق ہے کہ وہ مدینہ سے واپسی پر مقام ابواء میں فوت ہوئیں۔ اُس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ابھی سات برس کی نہ تھی پھر آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو اُس وقت آپؐ کی عمر بعض روایتوں کے مطابق آٹھ برس بعض کے مطابق چھ یا دس برس تک بتائی گئی۔ آپؐ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں چلے گئے اور اس چچا نے عرصہ تک آپ کی خدمت کی۔ جب آپؐ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ چچا کے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے گئے۔ بعض روایتوں میں نو برس کی عمر

میں سفر بتایا گیا ہے اس سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک عیسائی راہب بحیرا سے ہوئی اس نے آپ کے چچا کو مشورہ دیا کہ آپ انہیں شام نہ لے جائیں کیونکہ یہود سے (قتل کا) خطرہ تھا۔ تو آپ کے چچا نے اپنے غلام کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس مدینہ بھیج دیا۔ ترمذی میں روایت آتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال رض کو بھیجا گیا، لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے کیونکہ بلال رض تو اس وقت وہاں تھے ہی نہیں یا اگر تھے بھی تو بہر حال نہ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے پاس تھے نہ حضرت ابوبکر رض کے پاس۔ بزاز نے بھی اس حدیث کا اپنی مسند میں ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ کے ساتھ ابو طالب نے بلال کو بھیجا بلکہ "ایک آدمی" لکھا ہے۔

سفرِ شام اور خدیجہ بنت خویلد سے شادی اور سلسلۂ وحی

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو آپ تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے۔ بصرہ تک آپ نے سفر فرمایا، پھر واپس ہوئے اور واپسی کے بعد خدیجہ بنت خویلد سے نکاح فرمایا۔ بعض روایتوں میں آپ کی اس وقت کی عمر تیس برس اور بعض میں اکیس برس بیان کی گئی ہے۔ ام المومنین رض کی چالیس برس کی تھی اور آپ کی پہلی بیوی تھیں، جن سے نکاح فرمایا۔ اور ان کی وفات تک آپ نے کوئی اور نکاح نہیں فرمایا اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پروردگار کی طرف سے سلام کہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں تنہائی اور اپنی عبادت کا جذبہ القاء فرمایا، چنانچہ غارِ حرا میں مسلسل راتوں کو عبادت کرتے تھے۔ آپ کے دل میں اپنی قوم کے دین اور بتوں سے نفرت پیدا ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کو ان (قبیح افعال) سے بعثت سے قبل ہی) سخت تنفر ہو چکا تھا۔ تو جب آپ کی عمر مبارک چالیس برس کی ہوگئی تو آپ پر انوار نبوت ضو فشاں ہوئے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا اور مخلوق کی طرف مبعوث کیا اور اپنے فضل و کرم سے نوازا۔ اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان امینِ وحی قرار دیا۔

آپ کی بعثت بالاتفاق دوشنبہ کو ہوئی، لیکن مہینے میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول

یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی اور عام الفیل کے اکتالیسواں سال آپؐ کو مبعوث فرمایا گیا۔ بعض حضرات نے رمضان شریف کا مہینہ بتایا ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کے الفاظ میں یہ ہے :۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔

یعنی :۔ رمضان کا مہینہ کہ جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔

اور ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہی مہینہ تھا کہ جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی گئی اور قرآن مجید نازل کیا گیا۔ علمائے کرام کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے جن میں یحییٰ الصرصری بھی ہیں۔ جو اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں :۔

واقت علیہ اربعون فأشرقت
شمس النبوۃ منہ فی رمضان

یعنی اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو آپؐ کو رمضان کے مہینہ میں نورِ نبوت سے سرفراز کیا گیا ؎

اور پہلے قول کے ماننے والے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید تو رمضان شریف میں قدر کی رات کو بیت العزۃ (پہلے آسمان) پر ایک ہی دفعہ سارا نازل فرما دیا گیا۔ پھر تئیس برسوں میں حسب واقعات نازل ہوتا رہا۔ اور ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید کو رمضان شریف کی عظمت و شوکت جتانے کے لیے اس ماہ میں نازل کیا گیا۔ چنانچہ اس ماہ کے روزے فرض ہوئے۔ بعض نے وحی کی ابتداء رجب کے مہینہ میں بھی روایت کی ہے۔

درجات وحی

نیز حق تعالیٰ شانہٗ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے تمام مکمل درجات عطا فرمائے۔ ایک طریقۂ وحی رویائے صادقہ تھے یہ طریقہ زیادہ تر آغاز میں تھا۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح صادق کی طرح بالکل سچا نکلتا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فرشتہ آپ کے دل میں القاء کر دیتا۔ اور فرشتۂ وحی آپ کو نظر نہ آتا تھا۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے میرے دل میں القاء کیا کہ کوئی جاندار تب تک قطعاً نہ مرے گا۔ جب

تک اُس کا رزق مکمل نہیں ہو جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اچھے انداز سے طلب رزق کرو۔ اور رزق پہنچنے میں دیر ہو جانے پر اللہ کی نافرمانی کر کے اُسے تلاش نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو نعمت ہے وہ صرف اس کی اطاعت پر ہی عطا ہوتی ہے تیسرا یہ طریقہ تھا کہ فرشتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی صورت میں حاضر ہوتا اور آپ سے مخاطب ہوتا تا آنکہ آپؐ وحی کو یاد کر لیتے ۔اس صورت میں کبھی کبھی صحابہ کرام بھی اس فرشتے کی زیارت کر لیتے۔ چوتھی صورت یہ تھی کہ وہ گھنٹی کی آواز کی صورت میں حاضر ہوتا۔ وحی کا یہ طریقہ آپ پر بہت سخت ہوتا اور فرشتہ بھی غلط ملط ہو جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کی جبین مبارک سخت سردی کے دن بھی پسینہ سے تر بتر ہو جاتی۔ اور اگر آپ سواری پر ہوتے، تو سواری بوجھ کے باعث زمین کے ساتھ لگ جاتی۔ اور ایک مرتبہ وحی آئی اور آپؐ کی ران مبارک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی تو انہیں اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ جیسے ان کی ران ٹوٹنے لگی ہے۔ وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ آپؐ فرشتے کو اُسی صورت میں دیکھتے کہ جس میں اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس طرح جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا وحی کی جاتی۔ اور یہ طریقہ دو مرتبہ پیش آیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں ذکر فرمایا۔ چھٹی صورت وہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے خود وحی فرمائی، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ ساتویں صورت یہ تھی کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بغیر فرشتے کے واسطہ سے کلام فرمایا۔ ایسے آپ سے بھی بلا واسطہ کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو نص قرآن سے اس قسم کا کلام ثابت ہے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث الاسراء (معراج کی رات) سے ثابت ہے۔ بعضوں نے آٹھویں صورتِ وحی بھی بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی حجاب کے (دیکھ کر) کلام فرمانا، اور یہ ان حضرات کا مسلک ہے کہ جن کے خیال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی حجاب کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت کی۔ اور یہ مسئلہ سلف اور خلف ہر جگہ مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ جمہور صحابہ کرام مع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے قائل ہیں۔ جیسا کہ عثمان بن سعید الدارمی نے صحابہ کرام کا

اس مسئلہ میں اجماع بتایا ہے۔

آں حضرت کا مختون ہونا: اس مسئلہ میں تین مختلف اقوال ہیں:۔
ایک یہ کہ آں حضرت مختون تولّد ہوئے تھے، لیکن اس باب میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے، وہ صحیح نہیں۔ ابوالفرج جوزی نے اُسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔

اور یہ بات آپ کے خواص میں سے بھی نہیں سمجھی جاسکتی۔ کیوں کہ کئی انسان مادرزاد مختون ہوتے ہیں۔

میمونی کا قول ہے :۔

"میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ ایک مسئلہ بتائیے، ایک ختنہ کرنے والا نے ختنہ کیا۔ لیکن کاٹا نہیں تو اب؟

انہوں نے کہا کہ اس نے نصف حشفے تک (کاٹ لیا) ہے۔ پھر تو دوبارہ ختنہ نہ کرے کیونکہ اب حشفہ موٹا ہو جائے گا اور جب یہ مطلب حاصل ہو جائے تو دوبارہ ختنہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر نصف حشفہ سے کم رہا تو پھر اعادۂ ختنہ ضروری ہے۔

میں نے کہا کہ اعادہ کرنے سے سخت تکلیف ہوگی، تو وہ کہنے لگے، میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں۔

پھر میں نے کہا، یہاں ایک آدمی ہے۔ اُس کے ہاں مختون لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اسے بات پر وہ بے حد ملول ہوا، تو میں نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے تجھے تکلیف سے بچالیا تو کس بات کا غم کرتا ہے؟

اور مجھے ابو عبداللہ، محمد بن عثمان خلیلی بیت المقدس کے محدث نے واقعہ بتایا کہ ان کے ہاں بھی ایسا ہی ایک مختون لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کے گھر والوں نے ختنہ نہیں کیا۔

اور لوگوں میں مشہور ہے کہ جو اس طرح ختنہ شدہ پیدا ہوا ہو، اُسے چاند ختنہ کردیتا ہے لیکن یہ سب خرافات ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے

بکریاں چراتے ہوئے جب فرشتے نے شق صدر کیا تو اُس وقت ختنہ کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کو آپ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں روز ختنہ کے لیے بٹھایا اور ایک دعوت عام کی۔ نیز آپؐ کا نام محمدؐ رکھا۔ یہ روایت ابوعمرو بن عبدالبر کی ہے۔ مسند کی یہ روایت غریب ہے۔

ہمیں روایت پہنچی، احمد بن محمد بن احمد سے انہیں محمد بن عیسیٰ سے انہیں یحیی بن ایوب علاف سے انہیں محمد بن ابی السری عسقلانی سے انہیں ولید بن مسلم سے انہیں شعیب پھر عطا خراسانی پھر عکرمہ سے انہیں ابن عباس سے کہ عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتویں روز ختنہ کیا اور ایک دعوت کی اور محمدؐ نام رکھا۔

یحییٰ بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو تلاش کیا لیکن کسی محدث کے پاس نہیں ملی صرف ابن ابی سری کے ہاں سے یہ روایت ملی۔ اور یہ مسئلہ علمائے خاص کے درمیان باعث اختلاف ہے۔ ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے اور لکھا ہے کہ آپؐ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے روایات بھی تحریر کی ہیں۔ لیکن ان کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔ یہ صاحب کمال الدین بن طلحہ ہیں۔ چنانچہ کمال الدین بن عدیم نے ان پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے ——————— کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عربوں کے معمول کے مطابق ختنہ کیا گیا اور عربوں کے ہاں ختنہ کرنا ایک عمومی رواج کے علاوہ نشان شرف بھی سمجھا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں

ان میں سے ایک ابولہب کی باندی ثویبہ تھیں، جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند دن دودھ پلایا۔ حضرت ثوبیہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رضاعت میں ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاشد مخزومی کو بھی اپنے بیٹے مسروح کے علاوہ دودھ پلایا۔ اور ان کے علاوہ اس نے آپؐ کے چچا حمزہؓ بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا (محدثین نے ثوبیہ کے اسلام لانے میں اختلاف کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ ساتھ آپ کو دودھ پلایا۔ ان کی اولاد میں انیسہ اور جذامہ جو شیما کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ دو بچے اور بھی ہیں۔ حضرت حلیمہ حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعۃ سعدی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والدین کے اسلام میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ آں حضرتؐ کے علاوہ حضرت حلیمہ نے آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اور یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت رکھتا تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر یہ مسلمان ہو گئے اور دل و جان سے اسلام کو قبول کر لیا۔

نیز حضرت حمزہ بنی سعد بن بکر کے ہاں شیر خوار مہمان تھے تو ان کی ماں نے آپؐ کو بھی دودھ پلا دیا۔ اور حضرت حمزہ اُس وقت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ لہٰذا حمزہؓ آپؐ کے دو طرح سے رضاعی بھائی بھی ہوئے، ایک ثوبیہؓ اور دوسرے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے۔

کس کس کی آغوش میں آپؐ رہے :-

پہلے آپ اپنی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب بن عبدالمناف بن زہرہ بن کلاب کی گود میں پرورش پاتے رہے - نیز حضرت ثوبیہؓ اور حلیمہؓ اور ان کی بیٹی شیما جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں اور یہی وہ خاتون ہیں جو بنی ہوازن کے وفد میں تشریف لائی تھیں تو آپ نے ان کے حق کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا تھا۔

ان کے علاوہ حضرت ام ایمن کے گود میں بھی آپ کھیلتے رہے اور یہ آں حضرتؐ کو والدین کی طرف سے ملی تھیں۔ یہ باندی تھیں - ان کے خاوند زید بن حارثہ تھے اور اسامہ بن زید انہی کے لڑکے تھے اور یہی وہ خاتون ہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کے پاس تشریف لائے، تو یہ رو رہی تھیں، انھوں نے فرمایا:

کہ اے ام ایمن کیوں روتی ہو؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے رسولؐ کے لئے یہاں سے کہیں بہتر نعمتیں ہیں۔

فرمانے لگیں میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے رسولؐ کے لئے یہاں کی نسبت بہت عمدہ انعامات ہیں لیکن میں تو اس وجہ سے روتی ہوں کہ آسمان سے جو خبر آیا کرتی تھی وہ اب منقطع ہو چکی ہے ۔

اس پر ان دونوں حضرات کا بھی جی بھر آیا اور یہ بھی رونے لگے ۔

بعثت اور ابتدائے وحی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس برس کی عمر میں مبعوث فرمایا اور یہ کمالِ عقل کا وقت ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ انبیاء علیہم اسی عمر میں مبعوث ہوا کرتے ہیں اور وہ جو مسیح علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ جب انہیں آسمان پر اٹھایا گیا تو ان کی عمر تینتیس ۳۳ برس کی تھی، تو اس کے متعلق کوئی متصل سند کی حدیث نہیں ملتی کہ جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو صبح صادق کی طرح سچا نکلتا۔ کہتے ہیں کہ یہ حالت چھ ماہ تک رہی اور نبوت کی کُل

مدّت تیئیس ۲۳ برس تھی اور رویائے صادقہ بھی نبوّت کے چھیالیس اجزا میں سے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوّت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ آپؐ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے کہ فرشتہ حاضرِ خدمت ہوا۔ اس زمانہ میں آپ یہاں خلوت گزیں رہنے لگے تھے سب سے پہلی آیت جو آپؐ پر نازل ہوئی وہ یہ تھی:

اقرأ باسم ربّك الّذی خلق۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جمہور علمائے کرام سے یہی مسلک منقول ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے یا ایّھا المدّ ثر۔ نازل ہوئی لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کئی لحاظ سے زیادہ درست ہے۔ من جملہ ان وجوہ کے۔

ایک تو یہ کہ آیت ما انا بقاریٔ صراحتاً بتا رہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل بالکل امّی تھے۔ دوسرے ترتیب بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ پہلے پڑھنے اور بعد میں انذار (ڈرانے) کا فریضہ ادا کیا جائے، کیونکہ جب آپؐ نے دل میں یوں پڑھا:

انذر ما قرأہ۔

یعنی جو پڑھا ہے وہ لوگوں کو بتا کر ڈرائیے۔

تو ظاہر بات ہے کہ پڑھنا پہلے اور ڈرانا بعد میں ہو سکتا ہے۔

تیسرے اس آیت کے متعلق حضرت جابرؓ کا جو قول ہے وہ ان کا ذاتی ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے براہِ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

چوتھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی وضاحت ہو رہی ہے کہ یا ایّھا المدّثر کے نزول سے قبل بھی فرشتہ حاضر ہوا تھا کیونکہ حضرت جابر کی روایت کے الفاظ اس طرح مرقوم ہیں۔

"پس میں نے سر اٹھایا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا موجود دیکھا۔ آخر میں اپنے گھر لوٹ آیا اور میں نے کہا کہ مجھ پر کمبل ڈال دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔"

تو اللہ تعالیٰ نے سورہ مُدَّثِّر نازل فرمائی اور یہ روایات تو واضح ہی ہے کہ جو فرشتہ حرا میں حاضر ہوا۔ اس کے ذریعہ اقرأ باسمِ ربّک الّذی خلق ہی نازل کی گئی تو حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی یا ایّھا المدّثّر کا نزول بعد میں بھی ثابت ہوتا ہے۔ حجّت اور دلیل روایت ہو گی نہ کہ کسی کی ذاتی رائے۔

مراتب دعوت اور اس کا طریق کار

پہلی حیثیت: نبوّت۔

دوسری حیثیت: اپنے اقرباء کو تبلیغ۔

تیسری حیثیت: اپنی قوم کو دعوت۔

چوتھی حیثیت اُس قوم کو دعوت کہ جس کے پاس پہلے بھی انبیاء علیہم السّلام تشریف لائے اور یہ لوگ اکثر عرب ہی تھے۔

پانچویں حیثیت قیامت تک تمام جن و انس کے لئے اس دعوت کا توسع، جس جس تک یہ دعوت پہنچ سکے۔ اس کے بعد آپؐ تین برس پوشیدہ طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ پھر آپ کو علانیہ تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا۔

فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین۔

یعنی: جس کا حکم دیا گیا اُسے علانیہ بیان کر اور مشرکوں سے اعراض کر۔

پس آنحضرتؐ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی، لیکن آپ کی قوم نے معاندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ آپ پر اور مسلمانوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ آخر کار دو مرتبہ ہجرت کی بھی اجازت دی گئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مُبارکہ

آپ کے اسمائے مبارکہ محض ستائش بیان کرنے کے لئے صفاتی "اعلام" نہیں بلکہ اسمائے مشتقہ ہیں جو مکمل طور پر صفاتِ مدح و کمال کے ترجمان ہیں۔

ان میں سے ایک اسم محمدؐ ہے، اور یہ اسم مبارک زیادہ مشہور ہے اور تورات میں صراحت کے ساتھ یہ نام مذکور ہے۔ ہم نے جلاء الافہام میں خیر البشر، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کرتے ہوئے مفصل یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اس مضمون سے متعلق یہ ایک منفرد کتاب ہے

کہ جس میں اس سلسلہ سے متعلق کثیر معلومات دیے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کے متعلق احادیث بھی بیان کی ہیں۔ نیز ان کے حسنِ صحت اور علل سے بحث کی ہے۔ مزید برآں معلول روایات کی علل پر خوب تبصرہ کیا ہے۔ پھر درود اسرار و فضائل اور فوائد و حکم بیان کئے ہیں۔ پھر اس کے مواقع اور محل نیز وجوب کی مقدار، علمائے کرام کے اختلافی پہلوؤں، علل ترجیح، تحریف محرفین اور طریقہ ہائے تبلیغ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

الحاصل اہلِ کتاب کے علماء کا بھی یہی نظریہ ہے کہ تورات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ ہی مذکور ہے۔

آپ کا ایک نام احمدؐ ہے۔ یہ وہ نام مبارک ہے جو مسیح علیہ السّلام نے بتایا تھا اور اس (نام) میں ایک راز ہے جسے ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے۔

نیز آپ کے اسمائے مبارک متوکّل ماحی، حاشر، عاقب، مقفی، بنی التوبہ، بنی الرحمۃ بنی الملحمۃ، فاتح اور امین بھی مذکور ہیں۔

ان اسماء کے علاوہ شاہد، مبشر، بشیر، نذیر، قاسم، ضحوک، قتال، عبداللہ، سراج المنیر سید ولد آدم۔ صاحب لواء الحمد، صاحبِ مقام المحمود وغیرہ بھی تحریر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اسمائے حسنہ ہیں۔ اور جب بھی کسی مخصوص تعریفی کلمہ سے آپ کو یاد کیا جائے گا۔ وہ دراصل آپ کا اسم مبارک ہی تو ہوگا۔ لیکن آپؐ کے مخصوص اور مشترک صفاتی ناموں میں امتیاز قائم رکھنا نیز مشتق اور اغلب صفات کے ترجمان ناموں میں فرق ضروری ہے اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اسمائے مبارکہ کا خود تذکرہ کیا اور فرمایا۔

"میں محمد ہوں۔ احمد ہوں، ماحی (مٹانے والا) ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر مٹا دے گا۔ اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ میرے قدموں میں لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ عاقب (آخری) ہوں کہ جس کے بعد کوئی اور بنی نہ ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ دو قسم کے ہیں۔ بعض صرف آپؐ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں کوئی دوسرا پیغمبر شریک نہیں ہے۔ جیسے محمد، احمد، عاقب، حاشر،

مقفی، نبی الملحمہ اور بعض ایسے اسمائے مبارکہ ہیں کہ جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں، لیکن آپ کا ان اسمائے مبارکہ سے کامل اور خاص قسم کا تعلق ہے، جیسے رسول اللہ نبی اللہ، عبداللہ، شاہد، مبشر، نذیر، نبی الرحمۃ، نبی التوبہ۔ اور اگر جمیع اوصافِ حمیدہ کو اسماء قرار دیا جائے تو آپ کے اسمائے مبارکہ دو صد سے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً صادق، مصدوق رؤف، رحیم، وغیرہ ہم۔

اور اسی سلسلہ میں کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ یہ قول ابو خطاب بن وحیہ کا ہے۔ اس کا مطلب بھی مع اوصاف کے ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی شرح

محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ حمد کا مفعول ہے

چونکہ آپؐ ان گنت خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ اس لئے آپ کا نام محمد (بہت تعریف کیا گیا) رکھا گیا۔ اسی لئے یہ نام محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ محمود ثلاثی مجرد کا صیغہ ہے اور محمد مضاعف کا صیغہ ہے۔ جس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی آپؐ کی تعریف تمام انسانوں سے زیادہ کی جاتی ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے تورات میں آپ کا یہی اسم مبارک ذکر کیا گیا اور آپ کی امّت اور شریعت کی اس قدر تعریف کی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے اُمتی ہونے کی خواہش ظاہر کی اور اس مطلب کے متعلّق ہم نے وہیں دلائل دیے ہیں اور ابو القاسم سہیل جس نے اس مبحث کو از حد خلط ملط کر دیا ہے۔ ہم نے براہین سے اُسے غلط ثابت کیا ہے۔

اور امر واقعہ یہ ہے کہ تورات میں آپ کا نام احمد مرقوم ہے جو لفظ حمد سے مشتق ہے اور افعل التفضیل کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی (وزن) میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت فاعل کا معنی لیتی ہے یعنی آپؐ نے خدا کی دوسروں سے زیادہ حمد کی۔ اس طرف اس کا مطلب ہوگا۔ "اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا"۔ انہوں نے اسی مسلک کو ترجیح دی ہے کیونکہ افعل التفضیل کا صیغہ مفعول پر واقع فعل سے نہیں بلکہ فاعل

کے فاعل سے مشتق ہوتا ہے۔ مزید دلیل دیتے ہوئے انہوں نے بتایا ہے کہ مفعول پر فعل واقع ہونے کے اعتبار سے یہ جملہ نہیں بولا جاتا۔

ما أضرب زیداً۔ زید اضرب من عمرو اور نہ یہ کلام منقول ہے ما اشربہ للماء ما اکلہ للخبز وغیرہ۔ کیونکہ افعل التفضیل اور فعلِ تعجب دونوں صیغے فعل لازم سے بنتے ہیں۔ اس لئے فعل لازم کا عین کلمہ مفتوح مکسور اور مضموم ہر طرح سے آتا ہے۔

اور یہ جو فعل پر ہمزہ کا اضافہ کرتے ہیں تو اس لئے تاکہ ہمزہ کا اضافہ کرکے اُسے مفعول کی طرف فعل متعدی بنایا جائے۔ اب ہمزہ تعدیہ کا شمار ہوگا جیسے ما اظرف زیداً ما اکرم عمراً ان دونوں کا اصل طرف اور کرم ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے بتایا ہے کہ اصل میں متعجب تو فاعل ہے۔ تو اب امر لازم یہی ہے کہ فعل بھی متعدی نہ ہو، باقی رہی یہ مثال ما اضرب زیداً لعمرو ان کا عین کلمہ مفتوح اور مضموم ہی مذکور ہے انہیں (بعد میں) فعل متعدی بنایا گیا اور اس کی دلیل یہ دی گئی کہ عمرو سے قبل لام کا اضافہ کرکے مذکورہ فعل کو متعدی بنایا گیا۔ اس کی مثال جیسے کہ ما اضرب زیداً لعمرو (اس جملہ میں عمرو سے قبل لام تعدیہ کے لئے ذکر کیا گیا) اور اگر یہ صیغہ ویسے ہی متعدی ہوتا تو (لام ذکر کئے بغیر) یوں جملہ ہوتا ما أضرب زیداً عمراً کیونکہ یہ فعل ایک اسم کی طرف تو ویسے ہے اور دوسرے کی طرف ہمزہ کے اضافہ سے فعل متعدی بن جاتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک اسم کی طرف تو ہمزہ سے اور دوسرے اسم کی طرف لام کے اضافہ سے فعل کو متعدی بنانا پڑا۔ اسی وجہ سے انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ دونوں (افعل التفضیل اور فعل تعجب) مفعول پر واقع فعل سے نہیں بلکہ فاعل کے فعل سے مشتق ہیں۔

دوسرے حضرات نے اس بحث میں ان سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں صیغے مفعول پر واقع اور فاعل کے ہر دو فعل سے مشتق ہو سکتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے:

ما اولعہ بکذا۔

یعنی وہ اس بات کا کتنا حریص ہے؟

اب یہ مفعول پر واقع فعل سے مشتق فعلِ متعدی ہے۔ اسی طرح ما اعجبۂ بکذا ما احبہ

الی جیسے جملوں میں تعجب اور محبّت جیسا فعل متعدی مفعول پر واقع ہو رہا ہے۔ اس کی مزید مثالیں ما ابغضہ الی وغیرہ ہیں اور امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک علمی نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ جب تم ما بغضی لہ کہتے ہو تو اگر اس وقت تم خود ہی (فاعل) یعنی بغض رکھنے والے، محبت کرنے والے، عداوت رکھنے والے ہو تو پھر گویا تم فاعل کے فعل پر تعجب کر رہے ہو اور جب تم ما ابغضنی الیہ۔ ما امقتنی الیہ اور ما حبنی الیہ کہتے ہو اور تمہارے ساتھ بغض، عداوت یا محبّت کی جا رہی ہو تو گویا کہ تم مفعول پر واقع فعل پر تعجب کر رہے ہو تو جو فعل لام سے متعدّی ہو گا وہ فاعل کے فعل سے اور جو الی سے متعدی ہو گا وہ مفعول پر واقع فعل سے (مشتق) ہو گا۔

دوسرے نحوی حضرات نے یہ علت بیان نہیں کی۔ حقیقتاً تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ باقی جو علّت بتائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ لام معنوی طور پر فاعل (کی تملیک بتانے) کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے سوال ہو لمن ھذا (یہ کس کا ہے؟) تو جواب ہو گا۔ لزید (زید کا ہے) تو زید اور من سے قبل لام کا اضافہ کر دیا گیا اور یا الی کا ذکر ہو گا۔ جیسے کہ الی من یصل ھذا الکتاب؟ (یہ کتاب کس کو ملے گی؟) تو یہ مفعول (کی طرف اشارہ) کے لئے استعمال کیا گیا۔ تو اس کا جواب الی عبد اللہ ہو گا۔ (عبداللہ کو ملے گی) اور اس کا اصل سبب یہ ہے کہ لام ملک، اختصاص اور استحقاق کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور مالک و مستحق بننے والے فاعل کے لئے ذکر کیا جاتا ہے اور الی انتہائے مقصود ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور انتہائے مقصود تقاضائے فعل پر منحصر ہے۔ اس لئے الی مفعول کے لیے زیادہ موزوں ہے لیکن وہی تقاضائے فعل کی انتہا ہوتی ہے اور آں حضرت کے متعلّق کلب بن زہیر کا یہ شعر:

فلھو اخوف عندی اذ اکلمہ

وقیل انک محبوس ومقتول،

یعنی: "جب میں ان سے مخاطب ہوتا ہوں تو وہ سب سے زیادہ پر رعب نظر آتے ہیں اور مجھ سے کہا جاتا ہے کہ تم یا تو قید ہو جاؤ گے یا قتل کر دیے جاؤ گے۔"

تو یہاں اخوف خیف سے مشتق ہے جس کے معنی پر رعب ہیں۔ اس کا مطلب خود ڈرنا نہیں۔ ایسے ہی ما اجن زید اً من جنّ۔

یعنی جن زید کو کتنا ڈرانے والا ہے؟

یہاں بھی مذکورہ ترکیب ہی ہے اور یہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔ البتہ بصرہ والے کہا کرتے ہیں کہ یہ مندرجہ بالا امثلہ شاذ اقوال ہیں۔ اس لئے قواعد پہ کوئی حرف نہیں آتا۔ ایسی امثلہ کے متعلق قواعد کی بجائے سماع پر اکتفاء کرنا مناسب ہے لیکن کوفی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مذکورہ قسم کی مثالیں چونکہ عربی زبان میں بکثرت مستعمل ہیں اس لئے انہیں شاذ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ شاذ کلام تو عام زبان کے خلاف اور بہت کم مستعمل ہوتی ہے اور یہ کلام قواعد کے مخالف نہیں۔ اور کوفی حضرات مزید کہتے ہیں کہ فعل کو لازم فرض کر کے فعل کی طرف منسوب کرنا محض زیادتی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

باقی رہا وہ جو فعل پر ہمزہ بڑھا کر اُسے متعدی کرنا پڑتا ہے۔ تو امر واقعہ اس طرح نہیں جیسا کہ آپ نے (غلط) تحقیق کی ہے۔ نیز ہمزہ تعدیہ کی علامت بھی نہیں بلکہ وہ تو صرف تعجب اور افعل التفضیل کے معنی دے رہا ہے جیسے کہ فاعل میں الف مفعول میں م اور واو افتعال وغیرہ میں تا مخصوص علامات ہیں۔ ثلاثی مجرد کے افعال پر یہ اضافات، علامات مخصوصہ ہیں۔ اسی طرح ہمزہ کا اضافہ بھی علامت تعدیہ نہیں بلکہ اضافہ مذکورہ بالا ہے۔

باقی جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جو فعل ہمزہ لگانے سے متعدی ہو سکتا ہے وہ صرف جر لگانے یا مضاعف بنانے سے بھی متعدی ہو سکتا ہے مثلاً جلست بہ۔ اجلستہٗ قمت بہ۔ اقمتہٗ وغیرہ (میں اس کے پاس بیٹھا میں نے اسے بیٹھایا میں اس کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُسے کھڑا کیا) چونکہ ان امثلہ میں کوئی دوسرا حرف ہمزہ کے قائم مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے واضح ہے کہ یہاں ہمزہ محض علامتِ تعدیہ نہیں۔ دوسرے یہاں تعدیہ کی اصل علامت "با" بھی مذکور ہے۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ ایک فعل میں تعدیہ کی دو علامات جمع نہیں ہو سکتیں۔

یہ مقولہ مشہور ہے۔ ما اُعطاہ للدّراھم۔ ما اکساہ للثیاب یہ دونوں جملے

اعطیٰ اور اکسا متعدی افعال سے ہیں تو اس اعطیٰ کو عطو قرار دے کر اس پر ہمزۂ تعدیہ کا اضافہ کرنا قطعاً درست نہیں، بلکہ ان کا ہمزہ تو علامتِ تعجب و تفضیل ہے۔ جب اس کا ہمزہ حذف کر دیا گیا تو اب یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تعدیہ کا ہمزہ تھا۔ رہی یہ مثال ما اخربہٗ لزیدٍ۔ یہاں زید سے قبل کا لام فعل لازم کے باعث اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے ضعف کو دور کرنے کے لئے "لام" کا اضافہ کیا گیا۔

اب ہم پھر اپنے مطلب یعنی اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہیں۔

دونوں اقوال میں سے جو بھی مراد لیا جائے اپنے رب کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا یا دوسرا قول کہ سب لوگوں سے زیادہ تعریف کا مستحق بہرصورت گویا معنوی طور پر بھی آپ کا نام محمدؐ ہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ محمدؐ کا لفظ حمد کے کثیر خصائل کی حامل ہستی پر بولا جائے گا اور احمد کا مطلب دوسروں سے زیادہ حمد کا سزاوار ہوتا ہے۔ پس محمد کثرت و کمیتِ (حمد) اور احمد صفت و کیفیتِ (حمد) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

الحاصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے زیادہ حمد کے سزاوار اور دوسروں سے زیادہ افضلیت کے حامل ہیں۔ آج تک معاشرہ انسان نے آں حضرتؐ سے زیادہ کسی کی حمد نہیں کی۔ یہ دونوں آپؐ کے نام ہیں۔ مدح اور معنی کے لحاظ سے یہ دونوں نام سب سے زیادہ بلیغ اور کامل ہیں اور اگر اس کا مفہوم "فاعل" کا لیا جائے تو پھر آپؐ کا نام حماد ہوگا۔ کیونکہ آپ نے تمام مخلوق سے زیادہ اپنے پروردگار کی حمد فرمائی۔ اس لئے کثرتِ حمد باری تعالیٰ کی وجہ سے آپؐ کو احمد کہا جائے تو آپ کا نام حمّاد زیادہ موزوں ہے جس طرح آپ کی اُمّت کا بھی یہی نام مذکور ہے۔

دوسرے یہ دونوں نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصافِ حمیدہ کے مظہر ہیں اس وجہ سے آپ محمدؐ اور احمدؐ دونوں اسمائے مبارکہ کے مستحق ہیں۔ زمین و آسمان اور دنیا و آخرت کی تمام مخلوق آپ کے خصائل حمیدہ کے باعث آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ یہ اوصاف و خصائل اتنے ہیں کہ ان کی تعداد حساب و شمار سے باہر ہے کتاب الصّلوٰۃ والسّلام میں ہم نے اس مبحث پر مکمل طور پر بحث کی ہے اور اس جگہ پریشانی خاطر اور

سفر کے باعث ہم نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

المتوکل: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام متوکل بھی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مذکور ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

میں نے تورات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا حلیہ مبارک پڑھا کہ:

"محمد اللہ کا رسول میرا بندہ، میرا پیامبر ہے۔ میں نے اس کا نام متوکل رکھا۔ نہ وہ بداخلاق ہے، نہ درشت مزاج، نہ کوچہ و بازار میں شور کرنے والا ہے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دے گا۔ بلکہ عفو اور درگزر سے کام لے گا اور میں اسے ہرگز موت سے ہم آغوش نہ کروں گا۔ جب تک اس کے ذریعہ ایک ملّت بیضا نہ پیدا کر دوں۔ جو یہ کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کے سب لوگوں سے زیادہ اہل ہیں کیونکہ آپ نے اقامتِ دین کی خاطر اللہ تعالیٰ پر اس شدت سے اعتماد کیا کہ اس اعتماد میں قطعاً شرک نہیں کیا۔

رہا ماحی، حاشر، مقفی اور عاقب تو ان اسمائے مبارکہ کی جبیر بن مطعم کی روایت میں وضاحت کی گئی ہے۔

ماحی سے مراد یہ ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کفر مٹایا۔ اور تمام مخلوق سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کفر و عصیان کو نابود کیا۔ کیونکہ جب آپ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت ساری زمین پر چند اہل کتاب کے سوا سب کافر آباد تھے۔ مثلاً بت پرست مغضوب یہودی، گمراہ نصرانی، دہریے جو نہ پروردگار اور نہ معاد کے قائل ہیں۔ ستارہ پرست آگ کے پجاری، فلسفی جو نہ انبیاء کے دین کو سمجھتے ہیں اور نہ ان پر ایمان رکھتے ہیں — اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کفّار کو مٹایا۔ حتیٰ کہ اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا اور اسلام کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہونی شروع ہوگئی اور آپ کی دعوت چار دانگِ عالم میں پھیل گئی۔

حاشر، حشر کا مطلب جمع کرنا ہوتا ہے۔ گویا آپ حشر کے قریب ہی مبعوث ہوئے

عاقب، جو تمام انبیاء علیہم السّلام کے آخر میں تشریف لائے۔ چنانچہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، کیونکہ عاقب آخر ہی میں ہوتا ہے جس طرح (مضمون یا خط) کے آخر میں خاتم (مہر) لگائی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو مطلقاً عاقب الانبیاء قرار دیا گیا۔

مقفی بھی اسی طرح ہے جو اپنے بزرگانِ سلف کے نقشِ قدم پر چلتا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے ذریعہ (دنیا والوں کو) انبیاء سابقین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشتا ہے۔ اور آپؐ ہی ان میں سے آخری اور خاتم النبیین ہیں۔

رہا نبی التوبہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دنیا پر توبہ کا دروازہ کھولا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس طرح (رحمت سے) توبہ قبول فرمائی کہ آپ سے قبل کسی کو اس قدر شرف حاصل نہ ہوا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سب لوگوں سے زیادہ توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں سو سو بار۔

رَبِّ اغْفِرْ لِی وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔

یعنی: میرے پروردگار مجھے بخش دے، میری توبہ قبول فرما بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا ہے۔

اور فرمایا کرتے تھے اے لوگو! اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کرو۔ کیونکہ میں بھی دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ پس آپ کی امت کی توبہ تمام سابقہ امم سے زیادہ کامل، زیادہ سہل اور بسرعت مقبول ہے۔ حالانکہ پہلی امتوں کی قبولیت توبہ سب سے مشکل امر تھا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کو اس پاداش میں کہ وہ گئو سالہ پرستی کرتے تھے۔ اپنے آپ کو قتل کرنا پڑا۔ لیکن اس اُمّت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ ان کی ندامت کو بھی توبہ قرار دے دیا۔

نبی الملحمۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمّت نے پچھلی تمام اُمتوں سے بڑھ چڑھ کر جہاد کیا ہے۔ چنانچہ اس اُمّت اور کفّار کے درمیان جس قدر عظیم معرکے ہوئے اس سے قبل کسی اُمّت کو ایسے ہولناک حالات سے دوچار نہیں ہونا پڑا کیونکہ یہی ایک ایسی امّت ہے، جس نے ہر زمانہ میں دُنیا کے چپہ چپہ پر دینِ خدا کے دشمنوں

سے جہاد اور مقابلہ کیا ورنہ ماضی کی کسی قوم کو یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی۔

نبی الرحمۃ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اس لیے آپ نے تمام اہلِ دنیا پر عام اس سے کہ وہ مسلم ہوں کافر سب پر رحم فرمایا، اہلِ اسلام آپؐ کی رحمت سے خوب خوب بہرہ ور ہوئے۔ لیکن کفار اور ان میں سے اہلِ کتاب خاص طور پر ہمیشہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ جود و سخا میں اطمینان سے زندگی گزارتے رہے۔ ہاں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ شروع کر دی۔ انہوں نے خود ہی جہنّم کو خوش آمدید کہا اور انہیں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے جو دراصل ان کو شدید تر عذاب کی طرف لے جا رہی تھی۔

فاتح: کھولنے والا، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دوبارہ ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔ اندھوں کو بصارت، بہروں کو شنوائی عطا فرمائی اور زنگ آلود دل صیقل کر دیے کفار کے علاقے فتح ہوئے، جنت کے دروازے کھلے، نئے نئے علوم اور اعمالِ حسنہ کی بنیاد رکھی گئی۔ غرض دل و دماغ۔ بصارت و شنوائی بلکہ دنیا و آخرت تک فتح ہو گئی۔

امین (امانت دار) حقیقتاً عالمِ رنگ و بو میں صرف نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس نام کے اہل ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی وحی اور شریعت کے امین ہیں۔ زمینوں اور آسمانوں کی ہر ہر مخلوق کے امین ہیں۔ بلکہ نبوّت سے قبل بھی آپ امین کے مبارک نام سے مشہور تھے

ضحوک۔ قتال۔ یہ دونوں نام آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا ذکر نہیں کئے جاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مسلمانوں کے سامنے (ضحوک) (ہنس مکھ) ہیں۔ نفرت، حقارت، غصہّ اور بدمزاجی کا نام تک نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے قتال (قتل کرنے والے) کی حیثیت بھی رکھتے تھے اور ظالموں کو سزا دینے میں) کسی کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کرتے۔

بشیر (خوشخبری دینے والا) یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا اُسے آپ جنت کی خوشخبری دینے والے ہیں۔

نذیر : (ڈرانے والا) جو آپ کی نافرمانی کرے گا اُسے عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہیں۔
نیز قرآن پاک میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ سے بھی خطاب فرمایا ہے جیسے :

لمّا قام عبد اللہ یدعوہ۔

اسی طرح

تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ

یعنی پاک ہے وہ ذات کہ جس نے (عبداللہ) اللہ کے بندے پر قرآن نازل کیا۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ

وان کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علیٰ عبدنا

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام سراج المنیر (روشن چراغ) رکھا اور سورج کو سراج دھاج (جلانے والا چراغ) قرار دیا۔ منیر جلائے بغیر روشنی دیتا ہے اور دہاج کی روشنی میں حرارت اور جلانا بھی شامل ہوتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

اولاد، ازواج اور خاندان کا بیان

پہلی اور دوسری ہجرت کا بیان

جب مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور کفّار کو ان سے خطرہ لاحق ہوُا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین مصائب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ناچار آپؐ نے صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم نہیں کرتا۔ پس بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ بھی تھے اور یہ صحابہ پہلے مہاجر تھے۔ جنہوں نے ہجرت کا آغاز کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ یہ حضرت حبشہ میں بڑے سکون سے زندگی گزارتے رہے پھر انہیں اطلاع ملی کہ قریش مسلمان ہو چکے ہیں، گو یہ خبر غلط تھی مگر یقین کر کے مکّہ واپس آ گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ قریش تو مسلمانوں کے پہلے سے زیادہ دشمن ہیں اس لئے کچھ لوگ واپس چلے گئے اور کچھ مکّہ ہی میں ٹھہر گئے۔ اب یہ حضرات پہلے سے بھی زیادہ قریش کے نشانہ ستم بنے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ اس بار تراسی ۸۳ مردوں اور اٹھارہ ۱۸ عورتوں نے ہجرت کی، ان میں عماد بھی تھے (لیکن راوی کو شک ہے) یہ حضرات شاہ نجاشی کے پاس بڑے اطمینان سے ٹھہرے۔ جب قریش کو اطلاع ملی تو انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیرؓ مخزومی کے ساتھ جماعت حبشہ بھیجی تاکہ

نجاشی کو ورغلا سکیں۔ لیکن ان کی ساری چالاکی کام نہ آئی۔

اس کے بعد قریش کی ایذارسانیاں بڑھ گئیں، جس کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کو شعب ابی طالب میں تین برس اور ایک قول کے مطابق دو برس تک کے لئے محصور رہنا پڑا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے تو آپ کی عمر اڑتالیس برس اور ایک روایت کے مطابق انچاس برس کی تھی۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد آپ کے چچا ابو طالب ستاسی برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اسی نظربندی کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو کفار سے زیادہ ایذائیں پہنچیں۔ اس کے فوراً ہی بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ (ان کی وفات کے بعد) کفار کی ایذا دہی میں اور اضافہ ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات تبلیغ دین کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ آپؐ چند دن وہاں تشریف فرما رہے۔ لیکن وہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے کے بجائے آپ کو ایذائیں دینے پر اتر آئے۔ شہر سے نکال دیا۔ آپ پر پل پڑے اور اس قدر پتھر برسائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں لہو لہان ہو گئے۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ تشریف لے آئے۔ راستے میں ایک عیسائی حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور آپ کی تصدیق کی۔ نیز واپسی پر جب آپؐ وادی نخلہ میں پہنچے تو جنات کی ایک جماعت آپؐ کو ساتھ لے گئی اور آپ سے قرآن مجید سن کر اسلام لے آئی۔ نیز پہاڑوں پر متعین فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ چاہیں تو یہ پہاڑ اہلِ طائف پر ڈال کر انہیں کچل دوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہیں"!

"مجھے اُمید ہے اللہ تعالیٰ ان کے صلب سے ایسے لوگ ضرور پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریںگے اور اس کے ساتھ قطعاً کسی کو شریک نہ کریں گے۔ راستہ میں ہی آپ نے وہ مشہور دُعا کی جو حدیث میں مذکور ہے۔

اللّٰھم الیك اشکو ضعف قوّتی وقلة حیلتی۔

یعنی: اے میرے اللہ میں اپنی توانائی کی قلت اور اسباب کی کمی کے بارے

میں تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کے گھر کے قریب سے مکّہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد ہی آپ کو جسم و روح کے ساتھ مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ پھر آپ ایسے ہی جسم و روح کے ساتھ ہی آسمانوں سے ہوتے ہوئے اللہ جل شانہ، کے دربارِ اعلیٰ میں حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور نمازیں فرض کی گئیں۔

معراج اور اس کی نوعیت و کیفیت

صحیح روایت کے مطابق آپ کو ایک ہی بار معراج جسمانی ہوئی۔

بعض کا خیال ہے کہ حالتِ خواب میں معراج ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ یوں کہنا چاہئے کہ آپ کو معراج کرائی گئی، لیکن بیداری اور حالتِ خواب کے تعین میں خاموش رہنا چاہیے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بیت المقدّس تک بیداری میں اور آسمانوں پر حالت خواب میں تشریف لے گئے۔

بعض حضرات دوبارہ معراج کے قائل ہیں ایک بار بیداری اور ایک بار حالت خواب میں ایک قول تین بار کا بھی ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی۔ رہی وہ بات جو شریک کی روایت میں مذکور ہے کہ معراج وحی سے قبل ہوئی، یہ غلط ہے اور یہ ان کے ضعف حافظہ کا نتیجہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وحی سے قبل حالتِ خواب میں اور وحی کے بعد حالتِ بیداری میں معراج ہوئی، بعض کا خیال ہے یہاں "وحی" مقید ہے، مطلق نہیں کہ جو بعثت کی ابتداء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معراج کی حقیقت بتانے سے قبل اچانک یہ واقعہ پیش آیا۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدّت تک مکہ میں مقیم رہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ ہر میلے اور تہوار میں تشریف لے جاکر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے کہ جو بھی تبلیغ دین میں مدد دے گا۔ اس کے لئے پروردگار کے ہاں جنّت کی بشارت ہے۔ لیکن کسی قبیلہ نے دعوت پر کان نہ دھرا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے یہ شرف انصار (مدینہ) کی قسمت میں لکھا تھا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو

سربلندی و عزت بخشنے، اپنا وعدہ پورا کرنے، اپنے نبی کی مدد کرنے، اپنا کلمہ بلند کرنے اور اعدائے اسلام سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا تو انصار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا، کیونکہ یہ شرف انہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ چھ اور ایک روایت کے مطابق آٹھ آدمی حج کے موسم میں یہ مقام عقبہ حلق کے ارادے سے بیٹھے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔

ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا اور وہاں سے جب مدینہ آئے تو اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی آواز کچھ اس طرح پھیلی کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل نہ ہو رہا ہو!

مدینہ میں پہلی مسجد جہاں قرآن مجید کی علانیہ تلاوت کی گئی، مسجد بنی زریق تھی۔ اس کے بعد اگلے سال مدینہ سے بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے، جن میں سے پانچ وہ تھے جو اس سے قبل بھی حاضری سے مشرف ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے مقام عقبہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور مدینہ واپس ہوئے۔ اس سے اگلے سال مدینہ سے تہتّر مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں اور یہ آخری جماعت تھی جو مدینہ سے حاضر خدمت ہوئی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی، جس بات سے آپ منع فرمائیں گے وہ اپنی عورتوں، اولاد اور اپنے آپ کو باز رکھیں گے۔

ہجرت کی اجازت

آخر آپؐ اور آپ کے صحابہؓ بھی ہجرت فرما کر ان کے ہاں سے تشریف لے گئے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ نقیبوں یعنی (مبلغوں) کا انتخاب فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ ایک جماعت خفیہ طور پر روانہ ہوئی۔ بعض کے نزدیک ابو سلمۃ بن عبدالاشد مخزومی اور بعض کے خیال میں مصعب بن عمیر سب سے پہلے اس سفر پر نکلے اور مدینہ میں انصار کے ہاں اقامت پذیر ہوئے۔

انصار نے ان کی خوب خدمت تواضع کی اور مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی۔ اور آپ ربیع الاوّل اور ایک روایت کے مطابق صفر کے مہینہ میں منگل کے دن مکّہ سے روانہ ہوئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ترپن ۵۳ سال تھی اور آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق اور ان کے غلام عامر بن فہیر تھے۔ عبداللہ بن اریقط لیثی راہ نمائی کر رہے تھے، پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تشریف لے گئے اور تین دن وہیں قیام فرمایا۔ پھر ساحل کے ساتھ ساتھ مدینہ منورّہ روانہ ہوئے آپ ربیع الاوّل کی بارھویں رات کو منگل کے دن مدینہ پہنچے۔

مسجد قبا کی تعمیر

بعض نے لکھا ہے کہ آپ مدینہ سے باہر وادی قباء میں بنی عمرو بن عوف اور ایک روایت کے مطابق کلثوم بن ہزم کے ہاں مہمان ہوئے ایک روایت سعد بن خیثمہ کی بھی ملتی ہے۔ آنحضرتؐ ان کے ہاں چودہ دن ٹھہرے رہے اور مسجد قباء تعمیر فرمائی۔ پھر آپ جمعہ کی صبح کو یہاں سے چلے۔ بنی سالم کے علاقہ میں نماز جمعہ کا وقت ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سو کے قریب آدمی تھے۔ یہ سب جمع ہو گئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ ناقہ پر سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ لوگ ناقہ کی مہار پکڑتے اور درخواست کرتے کہ آپ ہمارے ہاں تشریف رکھیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ مامور من اللہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود ہی جہاں اللہ کو منظور ہوگا بیٹھ جائے گی) چنانچہ اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی۔ جہاں آج کل مسجد نبوی ہے اور یہ زمین بنی بخار کے دو لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔

آپ یہاں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مل کر اس خالی زمین پر کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں سے مسجد تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مسجد کے ساتھ ہی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجرے تعمیر کئے۔ سب سے پہلا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔ پھر سات ماہ بعد حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان سے منتقل ہو گئے۔ جب ان صحابہ کو، جو حبشہ میں مقیم تھے۔ آپ کی ہجرت مدینہ خبر ملی تو ان میں سے تینتیس ۳۳ آدمی واپس

آ گئے ، جن میں سے سات راستہ میں مکّہ کے کفار نے گرفتار کر لیے اور باقی بخیریت مدینہ منورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے اس کے بعد باقی صحابہ فتح خیبر کے سال ۷ھ کو کشتی کے ذریعہ واپس ہوئے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ مسعود

سب سے پہلا بچہ القاسم تھا ، اسی نام پر آپؐ نے اپنی کنیت "ابوالقاسم" رکھی ۔ لیکن بچپن ہی میں ان کا انتقال ہو گیا ، لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ اُن کی اتنی عمر ہوئی کہ انھوں نے سواری بھی فرمائی اور سفر بھی کیا ۔

قاسم کے بعد زینبؓ پیدا ہوئیں ۔ ایک قول کے مطابق حضرت زینب کی عمر قاسم سے زیادہ تھی ۔

بعد ازاں حضرت رقیہ ، حضرت اُمّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں ۔ ان کی عمروں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رقیہؓ باقی تینوں سے بڑی تھیں اور اُمّ کلثومؓ چھوٹی تھیں ۔ پھر حضرت عبداللہ پیدا ہوئے اس میں اختلاف ہے کہ ان کی ولادت بعثت سے بعد یا قبل ہوئی ؟ صحیح یہ ہے کہ ان کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی ۔ ان کے لقب میں بھی اختلاف ہے ، آیا طیب اور طاہر دونوں لقب ان ہی کے ہیں ؟ محتاط روایت کے مطابق یہ دونوں القاب حضرت عبداللہ علیہ السلام ہی کے ہیں ، واللہ اعلم ۔

یہ تمام اولاد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی ۔ دوسری ازواج مطہرات سے اولاد نہیں ہوئی ۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ۸ھ میں ابراہیم پیدا ہوئے ۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ نے ولادت کی خوشخبری پہنچائی یہ سن کر آپؐ نے انہیں ایک غلام عنایت فرمایا ۔ لیکن ابھی ان کا دودھ نہیں چھٹا تھا کہ وفات پاگئے

آیا آپ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے یا نہیں ؟ اس باب میں دو قول مروی ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کی تمام اولاد آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی البتہ حضرت فاطمہؓ نے آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد رحلت فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و استقلال پر انہیں

تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت بخشی، انہیں خواتین عالم کا سرتاج بنا کر بلند درجات عطا فرمائے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی تمام اولاد میں زیادہ افضل ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جہانوں کی خواتین سے افضل ہیں۔ بعض ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو افضل سمجھتے ہیں، بعض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضیلت کے قائل ہیں۔ اور بعض کا خیال یہ ہے کہ اس معاملہ میں سکوت بہتر ہے۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بزرگ رشتے دار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام (چچاؤں) میں ایک اسد اللہ، اسد رسول اللہ سیّد الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب ہیں۔ نیز حضرت عباسؓ، علاوہ ازیں ابو طالب جن کا اصل نام عبد المناف تھا اور ابو لہب، جس کا نام عبد العزیٰ تھا اور زبیر اور عبد الکعبہ اور مقوم اور ضرار اور قثم اور مغیرہ، جس کا لقب حجل تھا اور عیداق، جس کا اصل نام مصعب اور ایک قول کے مطابق نوفل ہے۔ بعض نے نوفل کے ساتھ "العموام" کا اضافہ کیا ہے۔

ان میں سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اسلام سے مشرف ہوئے آپ کی پھپھیوں میں ایک صفیہؓ والدہ حضرت زبیر بن عوام تھیں۔ نیز عاتکہ، برۃ، أروی، امیمہ، ام حکیم بھی تھیں۔ ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں۔ حضرت عاتکہ اور حضرت اروی کے اسلام میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے حضرت اروی کے قبولِ اسلام کو صحیح مانا ہے۔

حارث آپ کے بڑے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ چھوٹے چچا تھے۔ اور پھر ان کی اولاد کرہ ارضی پر پھیل گئی۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں ان کی مردم شماری ہوئی تو ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ چکی تھی[1]۔ اسی طرح ابو طالب حارث، ابولہب سب کی اولاد میں کافی اضافہ ہوا۔ بعض روایتوں میں حارث اور مقوم ایک آدمی کے دو نام ہیں۔ بعض لوگوں نے عیداق اور حجل کو ایک ہی انسان قرار دیا ہے۔

---

[1] تاریخی و تحقیقی اعتبار سے یہ تعداد حد درجہ مبالغہ آمیز ہے، (رئیس احمد جعفری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد قرشیہ اسدیہ تھیں جن سے بعثت سے قبل ہی آپ کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔ ان کی وفات تک آپؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہوئی۔ آپ کی یہی وہ اہلیہ تھیں۔ جنہوں نے آپؐ کے ساتھ مصائب برداشت کئے، تبلیغ کے سلسلہ میں تعاون کیا اور کسی قسم کی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کو حضرت جبریل علیہ السّلام کے ذریعہ سلام بھیجا۔ اور یہ اعزاز ہے جو خدیجہؓ کے سوا کسی کو بارگار الٰہی سے عطا نہیں ہوا[1]۔ ہجرت سے تین برس قبل ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت سودہ! پھر آپ نے کچھ عرصہ کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ قرشیہ سے نکاح کیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی

حضرت عائشہ: ان کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام عبداللہ حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ اور انہیں کے متعلق عرش سے اللہ تعالیٰ نے برأت کی آیات نازل فرمائیں۔ اور نکاح سے قبل ہی ریشم کے ایک ٹکڑے پر ان کی تصویر نازل کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ شوال میں جب ان سے نکاح ہوا تو اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی[2]۔ ہجرت کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تو اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی[3]۔ ان کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا نہ ان کے علاوہ کسی کے بستر پر وحی نازل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ان ہی سے محبت رکھتے تھے۔ آسمان سے ان کی برأت نازل ہوئی۔ جس نے ان پر تہمت لگائی وہ سب کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے[4]

---

[1] اس طرح کی ایک روایت حضرت عائشہ کے بارے میں بھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2-3] حضرت عائشہ کی عمر نکاح و رخصتی کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے (رئیس احمد جعفری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عالم اور فقیہہ بلکہ اُمّت مسلمہ کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ ماہر فقہ (مسائل دینی) اور عالم تھیں۔ چنانچہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی طرف (حل مشکلات کے لئے) رجوع کیا کرتے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ دیر کے لئے مقاطعہ بھی کیا تھا، لیکن یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

حضرت حفصہؓ :- پھر آپ نے حفصہؓ بنت عمر بن خطاب سے نکاح کیا۔ ابو داؤد میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دی، لیکن پھر رجوع فرمالیا۔

حضرت زینب بن خزیمہ :- ان کے بعد بنی ہلال بن عامر کی ایک خاتون حضرت زینب بنت خزیمہ بن حارث قیسیہ سے نکاح فرمایا۔ آپ کے ہاں منتقل ہونے کے دو ماہ بعد ان کی وفات ہوگئی۔

حضرت امّ سلمہ : پھر آپ نے ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ قرشیہ سے نکاح کیا۔ ابی امیہ کا اصل نام حذیفہ بن مغیرہ تھا۔ حضرت ام سلمہ نے سب سے آخر میں وفات پائی۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت صفیہ کی وفات سب سے آخر میں ہوئی۔ ان کے ولی نکاح میں اختلاف ہے طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کے ولیٔ نکاح سلمۃ بن ابی سلمہ تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن ابی سلمہ کے نکاح میں ولی بن کر ان کا امامہ بنت حمزہ سے نکاح کیا۔ تو فرمایا :" اے سلمۃ یہ اُس بات کا بدلہ ہوگیا" آپ نے یہ اُس لئے فرمایا تھا کیونکہ ام المومنین حضرت ام سلمۃؓ کے نکاح میں ان کے سب گھر والوں میں سے صرف سلمۃ بن ابی سلمۃ ہی ولی نکاح ہوئے تھے۔ طبقات ابن سعد نے حضرت سلمۃؓ کے تذکرہ میں یہ واقعات ذکر کئے ہیں۔ واقدی نے ام سلمۃ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مجمع بن یعقوب سے اور انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمۃؓ سے منگنی کی پھر ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کا لڑکا عمر بن ابی سلمۃ بہت چھوٹا تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں لکھا ہے کہ ہمیں عفان سے انہیں حماد بن ابی سلمۃ سے

(باقی حاشیہ) یہ صحیح نہیں کیونکہ تہمت لگانے والوں میں سے شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت بھی تھے جن پر حد قذف بھی جاری ہوئی مگر انہیں کوئی کافر نہیں مانتا (رئیس احمد جعفری)

انہیں ثابت سے روایت پہنچی اور انہوں نے فرمایا! کہ جب انہوں نے ابو سلمۃ کی عدّت پوری کرلی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام نکاح بھیجا۔ امّ سلمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ اور عرض کیا کہ میں ایک پریشان حال اور مصیبت زدہ عورت ہوں اور میرا کوئی ولی موجود نہیں، نیز یہ روایت بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عمر سے کہا کہ اُٹھ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھ تو اس نے آپؐ کا نکاح پڑھا۔ لیکن یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے۔ کہ ان دنوں عمر بن ابی سلمہ کی عمر نو برس تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمۃؓ سے ۴ھ شوال کے مہینہ میں نکاح کیا اور اس وقت ان کی عمر تین برس کی تھی۔ اور اتنی چھوٹی عمر کا بچّہ ولی نکاح نہیں ہوا کرتا۔ ابن سعد اور دوسرے مورخین نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ روایت سنائی گئی تو فرمانے لگے کہ کون کہتا ہے کہ وہ (عمر بن ابی سلمہ) اُس وقت چھوٹے تھے؟ ابو الفرج بن جوزی نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول عمر بن ابی سلمہ کی اصل عمر معلوم ہوجانے سے قبل کا ہے۔ ابن سعد وغیرہ مؤرخین کی ایک جماعت نے بھی ان کی عمر ذکر کی ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی نکاح عمر بن خطابؓ تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ روایت میں ام سلمۃؓ کے قُمْ یَا عُمَرُ (اٹھو اے عمر) کے الفاظ مذکور ہیں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ عمر بن ابی سلمۃ کے نسب میں لفظ "کعب" مشترک آجانے سے غلط فہمی ہوگئی ہے۔ کیونکہ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ، بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن رواح بن عدی بن کعب اور ام سلمۃ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرۃ بن کعب دونوں روایتوں میں سلسلہ نسب کعب پر ختم ہوتا ہے، تو جب ام سلمۃؓ نے کہا قُمْ یَا عُمَرُ (اے عمر اٹھو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھاؤ)، تو اس روایت کو دیکھ کر بعض محدثین کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے عمر کو بن ابی سلمۃ سمجھ لیا۔ اور اس معنوی اشتباہ کی بنا پر محدثین نے اس طرح ذکر کردیا" تو امّ سلمہؓ نے اپنے بیٹے سے کہا"۔ حالانکہ اس فریضہ کی ادائیگی ان کی صغر سنی کے باعث محال تھی۔ اسی طرح یہ بھی فقہاء کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف اس قول کو منسوب کر دیا کہ" اے لڑکے اُٹھ اور اپنی والدہ کا نکاح پڑھا"
ابوفرج بن جوزی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہم نے یہ روایت کہیں نہیں پڑھی اور فرمایا
کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ازراہِ
مذاق فرمایا ہوگا۔ ورنہ اُس وقت تو عمر بن ابی سلمۃ کی عمر صرف تین سال تھی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ۴ھ میں نکاح کیا اور جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت عمر بن ابی سلمہؓ
کی عمر نو سال تھی۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولی نکاح کے بھی محتاج نہ تھے۔ ابن عقیلؒ نے بتایا
ہے کہ امام احمدؒ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ولی کی
شرط نہ تھی اور یہ خصوصیاتِ نبویہ میں سے ہے۔

زینب بنتِ جحش

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان اسد بن خزیمہ کی
ایک عورت زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ
کی چچی امیمہ کی لڑکی تھیں اور انہیں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

فلمّا قضیٰ زید منھا وطرًا زوّجناکھا۔

یعنی: جب زید کی اس سے مطلب برآری ہو گئی، تو ہم نے اس کا آپ سے
نکاح کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت زینبؓ امہات المومنین کے سامنے فخر یہ فرمایا کرتی تھیں کہ
تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا لیکن میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر
سے فرمایا۔ اور یہ ان کا خصوصی شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کا ولی نکاح تھا، جس نے
رفعت فلک پر سے ان کا نکاح کر دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد خلافت
کے ابتدائی ایام میں ان کی وفات ہوئی پہلے ان کا حضرت زید بن حارثہ سے نکاح ہوا تھا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو متبنّی بنا لیا تھا۔ جب انہوں نے طلاق دے دی تو
اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آپؐ سے فرما دیا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اپنے
متبنّی کی بیوی سے نکاح کر سکنے کی سہولت ہو جائے۔

حضرت جویریہ بنت حارث: نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت

حارث بن ابی ضرار مصطلقیہ سے بھی نکاح فرمایا۔ یہ بنی مصطلق کے قیدیوں میں آئی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کی رقم ادا کرنے کے لئے مدد کی درخواست کرنے حاضر ہوئی تھیں ۔ آپ نے ان کی کتابت کی رقم ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ اور حبالۂ عقد میں لے لیا۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ:۔ پھر آپ نے اُمّ حبیبہ سے نکاح کیا جن کا اصل نام رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب قرشیہ امویہ ہے ۔ ایک روایت میں ان کا نام ہند بھی مذکور ہے۔ ہجرت کے دوران میں جب یہ حبشہ میں تھیں تب ان کا نکاح آپؐ سے ہوا تھا۔ شاہ نجاشی نے چار سو دینار ان کا حق مہر خود ادا کیا تھا۔ وہاں سے مدینہ آئیں یہ اپنے بھائی معاویہ کے عہد حکومت میں فوت ہوئیں۔ اہل سیر اور مورخین کے نزدیک یہ روایت متواتر و مشہور ہے ان کے خیال میں ان کے نکاح کی یہی صورت ہے ، جس طرح حضرت خدیجہؓ کی مکے میں حضرت حفصہؓ کی مدینہ میں اور حضرت صفیہؓ کی خیبر کے بعد تھی۔ رہی حضرت عکرمہؓ کی روایت کہ ابوسفیانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ میں آپ سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہوں ، جو آپ نے قبول فرمائیں ۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ ”میرے پاس عرب کی سب سے حسین عورت ام حبیبہؓ ہے میں آپ سے اس کا نکاح کر دیتا ہوں“ یہ روایت قطعاً غلط ہے ۔ ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ یقیناً یقیناً اس روایت میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور عکرمہ بن عمار متہم بالکذب ہے ۔ کیونکہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں ۔ ان سے اولاد بھی ہوئی اور انہیں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن بعد میں ان کا خاوند عیسائی ہو گیا ۔ اور حضرت ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے ذریعہ ان کے لئے پیغام نکاح بھیجا ، تو اس نے ان کا نکاح کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں چار سو دینار رقم مہر دی ۔ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے ایک مرتبہ ابو سفیانؓ ان کے ہاں آئے ، تو ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لپیٹ دیا۔ تاکہ اس پر ابو سفیانؓ نہ بیٹھ سکیں اور اس میں کوئی اختلاف

نہیں کہ ابو سفیانؓ اور معاویہؓ ۸ھ کو فتح مکہ کے موقع پر ساتھ ساتھ اسلام لائے۔ نیز روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں کفار سے جنگ کروں جس طرح کہ پہلے مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا ہوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

اور یہ یقین نہیں کہ آپؐ نے ابو سفیانؓ کو ضرور یہی حکم دیا تھا۔ اس روایت پر کافی جرح بھی کی گئی ہے۔ اور اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ نیز بعض سے منقول ہے: "صحیح روایت یہ ہے کہ آپ نے ان سے فتح مکہ کے بعد نکاح کیا"۔ لیکن محض مورخین کے کہنے پر یہ روایت غلط قرار نہیں دی جاسکتی۔ اور جو فن تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو وہ سمجھتا ہے کہ (تنقید) کا یہ انداز قطعاً غلط ہے۔ ایک جماعت اس خیال کی ہے کہ ابو سفیانؓ نے آپ سے دوبارہ نکاح کی درخواست کی تھی۔ تاکہ اسے قلبی فرحت حاصل ہو۔ کیونکہ آپؐ نے اس سے اجازت لئے بغیر نکاح کیا تھا۔ لیکن یہ روایت بھی لغو ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کا غلط گمان نہیں کیا جاسکتا اور ابو سفیانؓ جیسے عقل مند سے بھی یہ حرکت بعید از قیاس ہے۔ امام بیہقیؒ اور امام منذریؒ نے فرمایا ہے، ہوسکتا ہے کہ ابو سفیانؓ نے مدینہ کے اس سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ہو، جب کہ اسے ام حبیبہؓ کے شوہر کی حبشہ میں وفات کی اطلاع ملی ہو۔ تو جب محدثین کو "قتل کفار اور اپنے بیٹے کو کاتب وحی بنانے" کی روایت ملی تو انہیں خیال ہوا کہ شاید یہ دونوں درخواستیں فتح مکہ کے بعد کی گئیں۔ اس لئے راوی نے تینوں باتوں کو ایک ہی حدیث میں جمع کر دیا۔ اس روایت میں اس قدر شدید اشکالات ہیں کہ جو خارج از بحث ہیں۔ محدثین کے ایک گروہ نے اس حدیث کی ایک اور طریقہ سے بھی وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ (ابو سفیانؓ نے درخواست کی) میں اس سے قبل اگرچہ ام حبیبہؓ سے آپ کے نکاح پر راضی نہ تھا، لیکن اب راضی ہوں۔ بلکہ درخواست کرتا ہوں تاکہ ان سے نکاح فرمائیں اس قسم کی وضاحت کتابوں اور اوراق تاریخ میں نہیں ملتی اور اکابر سے مروی ہے اس قسم کی روایات کو درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سینوں کے خزینے نہیں بلکہ غلط مرویات ہیں۔

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ جب ابوسفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ابلاء میں افواہ سنی کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو مدینہ حاضر ہوا اور یہ سمجھتے ہوئے درخواست کی کہ آپ نے باقیوں کے ساتھ ساتھ انہیں بھی طلاق دے دی۔ حالانکہ یہ بھی مذکورہ روایت کی طرح غلط ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حدیث تو ٹھیک ہے لیکن کسی راوی سے ام حبیبہؓ کے نام لینے میں التباس ہو گیا ہے بلکہ ابوسفیانؓ نے ان کی بہن رملہ سے نکاح کی درخواست کی اور یہ تو کسی سے بھی مخفی نہیں کہ دو بہنوں کو بیک وقت زوجیت میں رکھنا حرام ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ان کی بیٹی کی نظروں سے اوجھل ہو۔ حالانکہ وہ ابوسفیان سے بھی زیادہ عالم تھیں اور یہ روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کیا آپ میری بہن اور ابوسفیان کی بیٹی کو چاہتے ہیں؟ اور آپ نے جواب دیا، تمہاری مراد کیا ہے؟ تو عرض کیا، کیا آپ اُس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیا تم بھی چاہتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں آپ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتی۔ البتہ میں چاہتی ہوں کہ اس نیکی میں میری ہمشیرہ بھی شریک ہو جائے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں۔"

اصل واقعہ یہ تھا اور یہی ابوسفیان کی درخواست ہو سکتی تھی، مگر راوی نے غلط فہمی سے امّ حبیبہ کا نام روایت کر دیا۔ ایک روایت میں ان کی کنیت بھی امّ حبیبہ آتی ہے۔ اگر یہ الفاظ حدیث میں نہ بھی ہوں تو بھی یہ جواب زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

نیز "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیانؓ کی ہر درخواست قبول کی" یہ مذکورہ الفاظ بھی راوی سے اُسے سہواً روایت ہوئے۔ کیونکہ آپ نے بعض درخواستیں ہی قبول فرمائیں راوی کے یہ الفاظ کہ آپؐ نے اُسے جو مانگا دیا" ان کا یہ مطلب ہے کہ جو مناسب تھا دیا یا راوی نے مخاطب کے ذہن کے مطابق ہی بات کہہ دی کہ جو درخواست تھی قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔

حضرت صفیہ:۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برادران موسیٰ اولاد ہارون بن عمران اور بنی نصیر (یہود) کے سردار حی بن اخطب کی لڑکی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ

خاتون (ازراہ قومیت) نبی کی بیٹی تھیں اور نبی ہی کی زوجہ بنیں۔ اور یہ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ حسین تھیں، یہ باندی بنائی گئیں آپؐ نے انہیں آزاد کرایا۔ اور یہ عتق (رقم آزادی) ہی مہر قرار پائی۔

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل امت کے لئے سنّت قرار دیا گیا کہ ایک آدمی اپنی لونڈی کو آزاد کرے۔ اور بعد میں نکاح کرنا چاہے تو آزاد کرنے (عتق) ہی کو مہر سمجھ لے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ”میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا اور اس کا عتق ہی مہر قرار دیا“ یا یوں کہے کہ ”میں نے اپنی لونڈی کے عتق کو مہر نکاح سمجھا“ تو عتق اور نکاح دونوں درست ہو گئے اور اب یہ لونڈی تجدید نکاح اور ولی کے بغیر ہی اس کی زوجہ بن جائے گی۔ اکثر محدثین کا یہی مسلک ہے، لیکن بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ طریقہ (نکاح) آپؐ ہی کے ساتھ مختص تھا۔ اور یہ آپؐ کے خصوصیات میں سے ہے جو امت کے لئے نہیں۔ تینوں آئمہ کا یہی مسلک ہے، لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے کیونکہ مسٔلہ کی اصل نوعیت عدم اختصاص کی ہے۔ جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کردہ ام المؤمنینؓ سے نکاح کا حکم دیا، تو فرمایا:

خالصة لك من دون المؤمنين

یعنی: ”صرف تمہارے لئے دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں“

اور یہ نہیں فرمایا کہ عتق (آزاد کرنے) کی وجہ سے! اور نہ آپ نے اس میں اُمّت کی سہولت کا ذکر فرمایا، بلکہ اُمّت کی سہولت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے متبنیٰ کی مطلقہ زوجہ سے نکاح کی اجازت دی تاکہ اُمّت پر اپنے متبنیٰ کی منکوحہ سے نکاح کی آسانی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب آپؐ نے کوئی نکاح کیا تو اُس میں اُمّت کو بھی سہولت ہوئی۔ ہاں اگر اللہ اور اس کے رسول کا کوئی واضح حکم نص قطعی سے آپؐ کی تخصیص کر دے تو پھر اس کی عمومیت ختم ہو جائے گی۔ اس کی مزید تفصیلات اس کو حجت قرار دینا اور اُس سے قیاساً مسائل کا انبساط کسی دوسرے مقام پر واضح کیے جائیں گے۔

حضرت میمونہ: آپؐ نے میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ سے نکاح کیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی تھیں۔ سب سے آخر میں آپ نے مکّہ میں عمرہ ادا کرنے اور احرام اُتار دینے کے بعد ان سے نکاح کیا۔ ابنِ عباسؓ کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ آپؐ نے احرام اتارنے سے قبل ہی نکاح کیا، لیکن یہ قول (اگر صحیح ہے) تو راویؓ کی فہمی ہوئی ہے کیونکہ ابو رافعؓ جو اس نکاح کا اصل سبب تھے۔ وہ اس واقعہ سے زیادہ آگاہ ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ آپ نے احرام اتارنے کے بعد نکاح کیا اور حضرت ابو رافعؓ نے فرمایا کہ میں ان دونوں میں پیغام رساں تھا۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی اور وہ موقع پر موجود بھی نہ تھے بلکہ غیر حاضر تھے۔ اور ابو رافعؓ بالغ تھے اور انہی کے ہاتھوں یہ کام مکمل ہوا۔ اور وہ دوسروں کی نسبت اس واقعہ سے زیادہ باخبر تھے اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابو رافع کے قول ہی کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

حضرت میمونہؓ نے حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں وفات پائی اور مقامِ سرف میں دفن ہوئیں۔

حضرت ریحانہ: ایک روایت کے مطابق حضرت ریحانہؓ بنت زید نضر یہ بھی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ موخر الذکر قرظی خاتون تھیں جو بنی قریظہ کے فیصلہ کے دن گرفتار ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں آئیں۔ آپ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ لیکن پھر ایک طلاق دے دی اور طلاق دینے کے بعد رجوع فرما لیا۔ محدثین کا ایک گروہ ان کو آپؐ کی باندی بتاتا ہے کہ یہ حضورؐ کی آزاد اور موطوءہ تھیں" چنانچہ اس وجہ سے ان کو ازواجِ مطہرات سے نہیں بلکہ جاریہ سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ وہ خواتین ہیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ لیکن کچھ ایسی خواتین بھی کتب میں مذکور ہیں کہ جن کو آپؐ نے پیغام نکاح بھیجا یا انہوں نے خود کو زوجیت کے لئے پیش کیا۔ لیکن آپ نے انکار فرما دیا اور نکاح نہ ہو سکا۔ ان کی تعداد چار یا پانچ ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد تیس ہے۔ لیکن اہل سیر حضرات کی تحقیق کے مطابق یہ مؤخر الذکر روایت غلط ہے۔

نیز یہ قول بھی مشہور ہے کہ آپ نے جونیہ کو پیغامِ نکاح دیا۔ اس کے ہاں آپ تشریف گئے اور پیغام دیا، لیکن اس نے معذرت چاہی۔ آپ نے معذرت قبول فرمائی۔ اسی طرح کلبیہ اور اُس عورت کا واقعہ ہے کہ جس کے جسم پر آپ نے سفیدی دیکھی۔ نیز جس نے اپنے آپ کو زوجیت کے لئے خود پیش کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ساتھ قرآن کی چند سورتیں سکھانے کے مہر پر نکاح کر دیا۔ یہ واقعات ہیں۔ باقی اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی نو ازواج مطہرات زندہ تھیں، جن میں سے آٹھ کی باری بھی مقرر تھی اور ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت ام سلمۃؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت سودۃؓ، حضرت جویریہؓ۔ سیدہؓ نے ۶۲ھ بہ عہد یزید حضرت سلمۃؓ نے وفات پائی۔ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جاریہ

ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار جاریہ تھیں۔

حضرت ماریہؓ: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

حضرت ریحانہؓ، حضرت جمیلہ: یہ بھی جاریہ تھیں جو گرفتار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں آئی تھیں۔

ایک اور جاریہ ان کے علاوہ حضرت زینب بنت جحش نے بھی ایک لونڈی سے پیشِ خدمت کی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام

ان میں سے ایک حضرت زید بن حارثہ بن شراجیل تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کو آپ نے آزاد کرایا اور ام ایمنؓ سے نکاح بھی کر دیا، جن سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت اسلم، ابو رافعؓ ثوبان، ابو کبشہ سلیم، بنقران جس

کا نام صالح ہے۔ رباح نوبی، یسار نوبی جو جنگ حنین میں قتل ہوئے مدعم، کرکرۃ نوبی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخت سفر کے محافظ تھے۔ اور غزوہ خیبر میں انہوں نے آپ ؐ کے ناقہ کی مہار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ بخاریؒ کی روایت کے مطابق نوبی ایسا غلام جس نے ایک غزوہ کے موقع پر چادر چھپائی تھی۔ جب یہ قتل ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چادر اس پر آگ بن کر جل رہی ہے، لیکن موطا میں روایت ہے کہ جس نے چادر چرائی تھی۔ اس کا نام مدعم ہے، اور یہ دونوں غزوہ خیبر میں مارے گئے تھے۔

ان کے علاوہ آپ ؐ کے غلام انجشہ، حاوی۔

سفینہ بن فروخ :۔ جس کا اصل نام مہران ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفینہ (جہاز) کا خطاب دے رکھا تھا۔ کیونکہ یہ آپ کا سامانِ سفر اٹھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "تو جہاز ہے"۔ ابوحاتمؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا، لیکن دوسرے حضرات کا قول ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے انہیں آزاد کیا تھا۔

ان کے علاوہ انیسہ جن کی کنیت ابومشروح تھی۔

افلح، عبیدۃ، طہمان اور ایک روایت میں ان کا نام کیسان بھی آتا ہے۔ نیز ذکوان، مہران اور مروان بھی آپ کے غلام تھے۔

بعض اقوال میں طہمان کے نام سے متعلق اختلاف بھی آتا ہے ان کے علاوہ حنین، سندر، فضالہ یمینی، مابورخصی، واقد، ابوواقد، قسام، ابوعسیب اور ابومویہبہ بھی آپ کے غلام تھے اور باندیوں میں سے سلمٰی، ام رافع، میمونہ بنت سعد، خضیرۃ، رضوی، رلینحہ ام ضمیر، میمونتہ بنت ابوعسیب، ماریہ اور ریحانہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

ان میں :۔ حضرت انسؓ بن مالک تھے، جن کے سپرد آپ ؐ کے عام امور تھے۔

لہ ان کا شمار بھی درحقیقت ازواج مطہرات ہی میں ہے (رئیس احمد جعفری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ : جن کے پاس آپ کی نعلین مبارک اور مسواک رہتی تھی۔
عقبہ بن عامر جہنی جو سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے رہتے۔
اور اسلع بن شریک جو آپ کے رفیقِ سفر رہتے تھے۔
حضرت بلالؓ بن رباح موذن تھے۔ ان کے علاوہ حضرت سعدؓ یہ دونوں پہلے حضرت ابوبکر کے غلام تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوذر غفاریؓ، ایمن بن عبید اور ان کی والدہ حضرت ام ایمنؓ جو آپ کی باندی تھیں۔ یہ سب آپ کے خدام میں شامل تھے۔
حضرت ایمنؓ بن عبید اور ان کی والدہ ام ایمن کے ذمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو وطہارت کی خدمت تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی

ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:
ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عامرؓ بن فہیرہؓ۔ عمروؓ بن عاصؓ۔ ابی بن کعبؓ، عبداللہؓ بن ارقم، ثابتؓ بن قیس بن شماس بن شماس حنظلہؓ بن ربیع اسدی۔ مغیرہؓ بن شعبہ، عبداللہؓ بن رواحہ، خالد بن ولید، خالد بن سعید ابن العاص۔
روایت ہے کہ آپؐ کے پہلے کاتب معاویہؓ بن ابوسفیان اور زیدؓ بن ثابت تھے۔ اور اکثر یہی دونوں حضرات اس فریضہ کو سرانجام دینے کے لئے مخصوص تھے۔

آں حضرت کے مکاتیب وخطوط

ایک مکتوب صدقات کے متعلق تھا۔ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تھا اور حضرت ابوبکرؓ ہی نے حضرت انسؓ بن مالک کے لئے لکھا۔ جب انہیں بحرین بھیجا گیا تھا۔ اس مکتوب پر جمہور مسلمانوں کا عمل بھی ہے۔
ایک مکتوب آنحضرتؐ نے اہلِ یمن کو ارسال فرمایا۔ یہ وہ مکتوب ہے کہ جس کے متعلق ابوبکر بن عمرو بن حزم نے اپنے والد سے اور انہوں نے دادا سے روایت کی ہے اور اسے امام حاکمؒ نے اپنی صحیح مسند میں اور امام نسائیؒ وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے، ابوداؤدؒ وغیرہ نے مرسل روایت ذکر کی ہے یہ ایک طویل مکتوب ہے جس میں فقہ کے مختلف مسائل، زکوٰۃ دیت اور احکام سے متعلق مذکور تھے۔ نیز کبائر طلاق، عتق، ایک پارچہ میں احکامِ نماز اور اسے

لپیٹنا اور مس قرآن پاک وغیرہ تفصیل سے ذکر فرمائے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واقعہ تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکتوب تحریر فرمایا اسی سے بعد کے فقہاء نے دیات کی مقداریں متعین کی ہیں۔

نیز آپ نے بنی زہیر کی جانب ایک مکتوب بھیجا۔

اس کے علاوہ ایک مکتوب حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس تھا، جس میں زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل درج تھے۔

سلاطین وملوک کی طرف آپؐ کے نامے

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے اور ان کے ہاں اپنے نامہ بر ارسال فرمائے۔ اس طرح آپ نے شاہِ روم کو ایک مکتوب ارسال فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ جب تک خط پر مہر نہ ہو اس وقت تک یہ لوگ خطوط نہیں پڑھا کرتے تو آپ نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس پر تین سطریں کندہ کروائیں۔ محمد ایک سطر، رسول ایک سطر اور اللہ ایک سطر تھی۔ مکتوبات کے آخر میں یہی مہر لگایا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ کو ایک ہی دن چھ آدمیوں کو نامہ بھیجا۔

سب سے پہلے عمرو بن امیہ ضمیری کو شاہ نجاشی کی طرف روانہ کیا۔ ان کا اصل نام اصحمۃ بن ابجر مذکور ہے۔ عربی زبان میں اصحمۃ کے معنی "عطیہ" ہوتے ہیں۔

شاہِ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب شریف کی خوب تکریم کی، اسلام قبول کیا اور کلمہ حق کی شہادت دی اور وہ (شاہِ نجاشی) انجیل کا سب سے زیادہ عالم تھا۔ جس دن شاہ نجاشی فوت ہوا اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی محدثین کی ایک جماعت نے جن میں واقدی بھی شامل ہیں یہی روایت کی ہے۔

لیکن واقعات اس طرح نہ تھے، کیونکہ شاہِ نجاشی، جس کی آپؐ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی، یہ وہ نہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خط ارسال فرمایا تھا۔ مکتوب الیہ تو دراصل دوسرا تھا، جس کے اسلام کا کچھ علم نہیں۔ یہ دراصل پہلا شاہ نجاشی تھا۔ جو حالتِ اسلام

میں فوت ہوا۔

مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خطوط لکھے اور یہ وہ نجاشی نہ تھا جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھا۔ ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ جس نجاشی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا اُس کے نام یہ خط لے کر عمرو بن امیہ تعمیری گئے تھے۔ یہ نجاشی مسلمان نہیں ہؤا۔ پہلا قول ابن سعد وغیرہ کا ہے اور دوسرا قول ابن حزم کا ہے۔

نیز آپؐ نے دحیہ بن خلیفہ کلبی کو قیصر شاہ روم کی طرف بھیجا۔ اس کا اصل نام ہرقل تھا۔ اس نے اسلام لانے کا عزم کر لیا۔ لیکن پھر اس کا ارادہ فسخ ہو گیا۔ ایک قول کے مطابق اسلام قبول بھی کیا لیکن یہ قول غلط ہے۔ ابو حاتم اور ابن حبان نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو میرا یہ مکتوب قیصر کو پہنچا دے وہ جنت کا سزاوار ہوگا"

ایک آدمی نے عرض کیا "خواہ وہ (اسلام) قبول نہ بھی کرے؟"

آپ نے فرمایا "ہاں، اگر وہ قبول نہ بھی کرے"

وہ قیصر سے ملا، جب وہ بیت المقدس جا رہا تھا اس نے مکتوب فرش پر پھینک دیا اور ایک طرف چھپ گیا۔ قیصر نے آواز دی کہ "جو یہ خط لایا ہے اسے امان ہے" اس آدمی نے کہا "میں لایا ہوں" قیصر نے کہا کہ جب میں واپس آؤں تو ملنا۔ چنانچہ قیصر کی واپسی پر آپ کا نامہ بر اُسے ملا۔ قیصر نے محل کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ آخر دروازے بند کر لیئے گئے۔ پھر ایک منادی سے کہا کہ آواز دے دو کہ قیصر نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا اور عیسائیت چھوڑ دی۔ اس آواز کے بعد اس کی مسلح فوج دربار میں گھس آئی، تو قیصر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ بر سے کہا:

"تم دیکھ چکے ہو کہ مجھے اپنی حکومت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے"

پھر اُس نے منادی سے کہا کہ اعلان کر دو کہ قیصر تم لوگوں کے دین پر راضی ہے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ میں اسلام لے آیا، اور آپ کی خدمت میں دیناروں کی

تحیلی بھیجی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا، وہ مسلمان نہیں، بلکہ عیسائی ہے اور دیناروں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

ان کے علاوہ عبداللہ بن حذافہ سہمی کو کسریٰ کی طرف بھیجا۔ اس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

"اے اللہ! اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے"۔

پھر اللہ نے اس کے ملک اور اس کی قوم کو پارہ پارہ کر دیا۔

آپؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کا نام جریج بن مینا شاہ اسکندریہ تھا۔ یہ قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "بہت خوب، اور اب وقت آپہنچا ہے، اس نے اسلام قبول نہیں کیا، ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لونڈی ماریہؓ اور اس کی دو بہنوں سیرین اور قیسریٰ کو بھیجا۔ آپ نے سیرین حضرت حسانؓ بن ثابت کو عطا فرما دی۔

نیز اُس نے ایک اور لونڈی، ایک ہزار مثقال سونا، بیس قبطی جوڑے، ایک سفید خچر جو دلدل کے نام سے مشہور ہے۔ ایک سفید گدھا جیسے عفیر کہا جاتا تھا۔ ایک خصی غلام جس کا نام مابور تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ غلام ماریہ کے چچا کا لڑکا تھا۔ ایک گھوڑا جو لزاز کے نام سے مشہور تھا۔ ایک شیشہ کا پیالہ اور شہد یہ چیزیں خدمتِ اقدس میں روانہ کیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس بدبخت نے اپنی حکومت پر بخل کیا۔ حالانکہ اس کی سلطنتِ (دینا) کو بقا نہیں ہے"

نیز شجاع بن وہب اسدی کو بلقاء کے حکمران حارث بن ابی شمر غسّانی کی جانب روانہ فرمایا۔

اسحٰق واقدی نے فرمایا کہ اس میں کئی اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ جبلہ بن ابہم کی طرف بھیجا۔ ایک روایت کے مطابق دونوں کی طرف اور ایک روایت کے مطابق اسے وحیہ بن خلیفہ کے ساتھ ہرقل کی طرف بھیجا۔

آپ نے سلیط بن عمرو کو ہوذہ بن علی حنفی کی طرف ایمامہ میں بھیجا اس نے نامہ بر کی خوب

تکریم کی۔

ایک قول کے مطابق آپ نے ہوذہ اور ثمامہ بن آثال حنفی کی طرف نامہ بر بھیجا ہوذہ نے تو اسلام قبول نہیں کیا البتہ ثمامہ اسلام لے آیا۔

غرض یہ چھ حکمران تھے۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نے انہیں نامے لکھے۔

اور ۸ھ ذی قعدہ کے مہینہ میں عمرو بن عاص کو شاہ عمان کے دونوں لڑکوں جیفر اور عبداللہ کے پاس بھیجا گیا۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی اور عمرو بن عاص وہیں صدقہ کی رقم جمع کرنے ٹھہر گئے۔ یہ صحابی وہیں تھے کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ملی۔

نیز آپ نے جعرانہ سے واپسی سے قبل ہی علاء بن حضرمی کو منذر بن ساوی عبدی شاہ بحرین کے پاس بھیجا۔

ایک روایت کے مطابق فتح مکہ سے قبل ہی خط لکھا۔ پھر یہ مسلمان ہو گیا۔ اور تصدیق کی۔

آپؐ نے مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو یمن میں حرث ابن عبد کلال حمیری کی طرف بھیجا۔ اس نے جواب دیا میں غور کروں گا۔

نیز غزوہ تبوک سے واپسی پر ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبل کو بھی یمن کی طرف بھیجا ایک روایت کے مطابق ۱۰ھ میں ان حضرات کو اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا تو وہاں کے اکثر لوگ بے لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد علی بن ابی طالب کو وہاں بھیجا اور مکہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ملاقات فرمائی۔

ان کے علاوہ آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو ذی کلاع حمیری اور ذی عمر کی طرف روانہ فرمایا۔ انہیں اسلام کی دعوت دی گئی اور یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ جریرؓ ابھی وہیں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

آپؐ نے عمر بن امیہ کو مسیلمہ کذاب کے پاس ایک خط دے کر روانہ فرمایا۔ نیز

سائب رضؓ بن عوام بمراورزبیرؓ کے ہاتھ بھی اسے خط بھیجا۔ لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا۔

حزوہ بن عمرو جذامی کے پاس بھی اسلام کے لئے دعوت نامہ بھیجا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی طرف دعوت نامہ نہیں بھیجا۔ فروہ معان میں قیصر کی طرف سے گورنر تھا، یہ مسلمان ہوگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام لانے کا عریضہ ارسال کیا اور مسعود بن سعد کے ہاتھ ایک سفید خچر کا ہدیہ پیش کیا، جو فضہ کے نام سے مشہور ہے۔ نیز ایک "ضرب" نام کا گھوڑا اور ایک گدھا جس کا نام یعفور تھا پیشِ خدمت کیا۔ محدثین کے ایک گروہ کی یہی تحقیق ہے۔ عفیر اور یعفور دونوں کا ایک ہی مطلب ہے صرف فرق اتنا ہے کہ عفیر یعفور کی تصغیر ہے، مزید برآں کچھ پارچہ جات۔ ایک سنہری کڑھی ہوئی قبا بھی ارسالِ خدمت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایا قبول فرمائے اور حضرت مسعود بن سعد کو بارہ اوقیہ مرحمت فرمایا۔

ان کے علاوہ آپؐ نے عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کو ایک نامہ دے کر قبیلہ حمیر کے سرداران حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال کی طرف ارسال فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن

آنحضرتؐ کے چار مؤذن تھے۔ دو مدینہ منورہ میں ایک بلالؓ بن رباح، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سب سے پہلے اذان دی۔ دوسرے نابینا صحابی حضرت عمرو بن ام مکتوم قرشی عامری تھے تیسرے مسجد قباء میں حضرت سعدؓ قرظ جو حضرت عمارؓ بن یاسر کے غلام تھے۔ چوتھے مکہ میں ابو محذورہؓ مؤذن مقرر تھے، جن کا اصل نام اوس بن مغیرہ جمحی تھا۔ ابو محذورہؓ اذان میں رجعت فرمایا کرتے اور اقامت کو دو دو بار کہتے۔ اور حضرت بلالؓ اذان میں رجعت نہ فرمایا کرتے اور اقامت کے الفاظ ایک ایک بار پڑھا کرتے۔ چنانچہ اہل مکہ اور امام شافعیؒ نے ابو محذورہؓ کی اذان اور حضرت بلالؓ کی اقامت اختیار کرلی اور حضرت ابو حنیفہ اہلِ عراق نے حضرت بلالؓ کی اذان اور ابو محذورہؓ کی اقامت اختیار کرلی۔ امام احمدؒ و دیگر اہل ظاہر محدثینؒ و اہلِ مدینہ نے حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت دونوں اختیار کرلیں۔ اور امام مالکؒ نے دو مقامات پر اعادہ تکبیر کی اور الفاظ اقامت کو دو دو بار پڑھنے کی مخالفت کی۔ وہ اُن کی تکرار نہیں کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حکام

ایک باذان بن ساسان تھے جو بہرام کے لڑکے

تھے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی موت کے بعد ان کو تمام اہلِ یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔ یہ یمن کے پہلے حاکم تھے۔ جو عہد اسلام میں متعین کئے گئے اور شاہان عجم میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ باذان کی وفات کے بعد آپ نے ان کے لڑکے شہر بن باذان کو صنعاً کا حاکم مقرر فرمایا۔ شہر بن باذان کو بعد میں قتل کر دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سعید بن العاص کو صنعاء بھیجا اور مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو کندہ اور صوف کا حاکم بنا دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور کوئی نئی فوج روانہ نہ ہوئی۔

بعد ازاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قبائل کے خلاف فوج روانہ فرمائی اور زیادؓ بن امیہ انصاری کو حضر موت کا، حضرت ابو موسیٰ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل کا حضرت معاذؓ بن جبل کو جند کا۔ حضرت ابو سفیانؓ کو نجران کا۔ نیز ان کے بیٹے یزید کو تیماء کا حاکم مقرر کر دیا۔ علاوہ ازیں عتاب بن اسید کو مکہ کا اور موسم حج میں امور اہلِ اسلام کا ناظم مقرر فرمایا نیز حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یمن میں خمس اکٹھا کرنے پر مامور کیا اور عہد قضا پر متعین کر دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص کو عمان اور اس کے گرد و نواح کا حاکم مقرر کیا، صدقات وصول کرنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ ہر قبیلہ اور ہر خاندان ہی میں سے آدمی مقرر کیا جا سکتا تھا۔ جو ان سے صدقات کی رقوم وصول اور جمع کر سکے۔ اسی باعث صدقات جمع کرنے کے لئے کثیر تعداد میں لوگ رکھے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو ۹ھ میں حج کی اقامت پر مامور فرمایا

پھر بعد میں حضرت علیؓ کو روانہ کیا گیا تاکہ لوگوں کو سورۃ براۃ پڑھ کر سنائیں (احکام حج بتائیں)، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات حضرت ابو بکرؓ کی مدینہ کی غیر حاضری میں نازل ہوئی تھیں۔ دوسرا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اہلِ عرب اہلِ خانہ کے سوا اغیار کی بات پر مکمل اعتماد نہ کرتے تھے۔ چنانچہ علی کو بھیجا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کو حضرت ابو بکرؓ کا معاون اور مساعد بنا کر روانہ فرمایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا۔ کہ تم امیر ہو یا مامور تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں، رافضی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو معزول کر کے حضرت علیؓ کو امیر بنا دیا گیا۔ یہ محض اس فرقہ کی بہتان تراشی اور اختراع ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ ذی الحج یا ذی قعدہ کے مہینہ میں پیش آیا۔

دونوں اقوال میں اختلاف محض نسیان کے سبب سے ہوا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ صحابہؓ

غزوہ بدر میں مقام عریش پر جب نبی صلی اللہ علیہ نے آرام فرمایا۔ تو سعدؓ بن معاذ آپ کے پہرے دار مقرر ہوئے۔

غزوہ احد میں محمد بن مسلمہ آپ کے نگران تھے۔

غزوہ خندق میں حضرت زبیرؓ بن عوام کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ نیز حضرت عباد بن بشر بھی آپ کے حارس تھے۔

ان کے علاوہ کئی دوسرے صحابہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ بننے کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی۔

واللہ یعصمک من النّاس۔

یعنی: "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا"

آپ نے لوگوں کو یہ حکم سنایا اور تمام پہرہ چوکی ہٹا دیا۔

بعض صحابہؓ کی دوسری ذمہ داریاں

ان حضرات کے اسمائے گرامی جو مجرموں اور دشمنوں کو سزائے قصاص دیتے تھے یہ ہیں:۔

علیؓ بن طالب، زبیر بن عوام، مقدادؓ بن عمرو، محمدؓ بن مسلمہ، عاصمؓ بن ثابت ابن ابی فلیح، ضحاکؓ بن سفیان کلابی، حضرت قیسؓ بن سعد عبادۃ انصاری بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں میں شامل تھے۔ یوم حدیبیہ کے موقع پر مغیرہ بن شعبہ آپ کے پس پشت تلوار لئے کھڑے تھے

آپ کے ذاتی امور کے منتظم

حضرت بلالؓ کو اخراجاتِ خانہ کا انتظام سپرد کر رکھا تھا۔ معیقیبؓ کے پاس مہر ہوتی تھی۔ مسواک اور نعلین مبارک حضرت ابن مسعودؓ کے پاس رہتی تھیں۔ نیز رباح اسودؓ آپ کی لونڈی انیسہؓ، انسؓ بن مالک اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے ذمّہ بھی کچھ انتظامات تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب اور شاعر

حضرت کعبؓ بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حسانؓ بن ثابت آنحضرت کے

شعراء تھے، جو اسلام کی طرف سے دفاع کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالک کفار کے مقابلہ میں بہت سخت تھے۔ انہیں کفر و شرک پر عار دلاتے تھے۔ آپ کے خطیب ثابت بن قیس بن شماس تھے۔

حالت سفر میں آنحضرتؐ کے حدی خوان

ان حضرات کے نام یہ ہیں:۔ عبداللہ بن رواحہؓ، آنجشہؓ، عامر بن اکوع ان کے چچا سلمۃ بن اکوع۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نہایت خوش آواز حدی خوان تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی خوش آواز پر) فرمایا:۔

اے انجشہؓ ذرا آہستہ، آبگینے نہ توڑ دینا!

یعنی، کمزور عورتوں کا خیال رکھو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، وفود اور سرایا

آپ کے تمام غزوات، وفود اور فوجی مہمات، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد صرف دس سال کی مدت میں ہی ہوئیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد ستائیس۲۷ ہے۔ پچیس۲۵ اور انتیس۲۹ کی روایات بھی ملتی ہیں۔ اس سے کم و بیش تعداد بھی بتائی جاتی ہے۔

نو غزوات میں آپ نے شرکت فرمائی، غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ بنو قریظہ غزوہ بنو مصطلق، غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے غزوہ بنی نضیر، غزوہ غابہ اور خیبر کے قریب، وادی قریٰ کے جہاد میں شرکت فرمائی۔ رہے آپ کے وفود اور چھوٹے چھوٹے حملے تو وہ ساٹھ کے قریب ہیں۔ لیکن بڑے بڑے غزوات سات ہی ہوئے غزوہ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، تبوک اور فتح مکہ انہیں غزوات کے متعلق آیات قرآن مجید نازل ہوئیں۔

سورۂ انفعال کی آیات، غزوہ بدر کے متعلق، سورہ آل عمران کی آخری آیات غزوہ احد کے متعلق نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وإذ غدوت من أهلك تبوّئ المومنين مقاعد للقتال الخ

اور غزوہ خندق و بنو قریظہ اور خیبر کے متعلق سورۃ احزاب کی ابتدائی آیات نازل فرمائی گئیں۔ نیز سورہ حشر میں غزوہ بنی نضیر کے متعلق فرمایا گیا۔ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے متعلق سورۂ فتح میں آیات اُتریں اور ان آیات میں فتح (مکہ) کی خوشخبری دی گئی۔ اور سورہ نصرؔ میں توصراحتاً فتح کا ذکر فرما دیا۔ نیز غزوہ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے۔ غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں ملائکہ نے بھی جنگ میں شرکت کی۔ غزوہ خندق میں فرشتوں کا نزول ہوا، جنہیں دیکھ کر کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور بری طرح شکست کھا کر بھاگے اور اس غزوہ میں کافروں کے منہ پر فرشتوں نے پتھر مارے۔ آخر ذلیل ہو کر انہیں بھاگنا پڑا

غزوہ بدر اور حنین میں بڑی شاندار فتح حاصل ہوئی۔ غزوہ طائف میں آپ نے منجنیق بھی استعمال کیا۔ غزوہ احزاب میں حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر خندق کھود کر دفاع فرمایا۔

آپؐ کے سلاح جنگ اور سامان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو تلواریں تھیں ایک کا نام ماثور تھا، جو آپ کو والدین کی طرف سے وراثتاً ملی تھی۔ دوسری عضب تیسری ذوالفقار اور دفا کو مکسور اور ق کو منصوب پڑھا جائے گا) جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور کسی وقت بھی الگ نہ کرتے تھے۔ اس تلوار کا دستہ اور دیگر تمام لوازمات چاندی کے تھے۔

ان کے علاوہ آپ کے پاس قلعی، بتار، حنف، دسوب، مخذم، قضیب نام کی تلواریں بھی تھیں۔ موخر الذکر کی نعل سیف چاندی کی تھی۔ ان کے علاوہ اس کا حلقہ بھی چاندی کا تھا۔ ذوالفقار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ بدر میں ملی جسے آپؐ نے رویا میں ملاحظہ فرمایا تھا جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کی اس تلوار پر نقرئی اور طلائی کام تھا۔

آنحضرتؐ کے سلاحِ جنگ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثاثہ

ذاتِ نبویؐ کے املاک کی ضروری تفصیلات

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سات زرہیں تھیں۔

ایک ذات الفضول جسے آپ نے ابو شحمؓ یہودی کے پاس اپنے اہل وعیال کے لیے صاع جو لے کر رہن رکھا تھا۔ یہ قرض ایک سال کے لیے لیا گیا تھا اور یہ زرہ لوہے کی تھی۔ اس کے علاوہ ذات الوشاح، ذات الاحواشی، سعدیہ، فضّہ، بتر اور خرنق نام کی زرہیں بھی تھیں۔

نیز آپ کے پاس چھ کمانیں تھیں، جن کے نام زوراء، روحاء، صفرا، بیضا، کتوم تھے۔ موخرالذکر غزوہ احد میں ٹوٹ گئی۔ چنانچہ قتادہؓ بن نعمان اور شدادؓ کو مرحمت ہوئی۔

آپؐ کے پاس تیروں کی ایک تھیلی تھی جس کا نام کافور تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک ہمیانی تھی اور اس پر تین حلقے سونے کے اور چاندی کے تار کے تھے۔ اس کے اردگرد بھی چاندی جڑی ہوئی تھی۔ یہ بعض حضرات کی تحقیق ہے، لیکن شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کمر میں ہمیانی باندھی ہو۔

نیز آپ کے پاس زلوق نام کی ایک ڈھال تھی اور فتق ڈھال بھی تھی۔ ایک ڈھال آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے پیش کی گئی، اس پر تصویر تھی۔ آپؐ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے وہ تصویر مٹا دی۔

آپ کے پاس پانچ نیزے تھے۔ ایک کا نام مثوی اور دوسرے کا نام منثنی تھا۔ نیز آپ کے پاس ایک حربہ تھا جس کا نام نبعہ تھا۔ ایک اور بہت بڑا بیضاء نام کا حربہ بھی تھا۔ ایک چھوٹا سا عکاز کی شکل کا تھا۔ جسے عنزہ کہا جاتا تھا اور عید کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے آگے آگے لے کر اسے چلتے تھے اور نماز میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا اور نماز کے لئے اُسے سُترہ (آڑ) بنالیا جاتا تھا۔ گاہے گاہے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اُسے لے کر باہر تشریف لے جایا کرتے۔

آپ کے پاس ایک خود نما لوہے کی گوپی) جسے موشح کہتے تھے۔ اس پر تانبا لگا ہوا تھا۔ ایک اور سبوغ۔ یا ذوالمسبوغ" نام کا خود بھی تھا۔

آپ کے تین جبّے جنہیں آپ جہاد کے موقع پر زیب تن فرمایا کرتے۔ ان میں سے ایک سبز ریشم کا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت عروہؓ بن زبیر کے پاس ایک ریشمی جبّہ تھا جس کے اندر سبز ریشم لگا ہوا تھا اور وہ اسے جہاد میں پہنا کرتے۔ امام احمدؒ کے نزدیک ان روایتوں کی بنا پر جہاد میں ریشم پہننا جائز ہے۔

آپ کے پاس عقاب نام کا ایک سیاہ پرچم تھا۔ سنن ابوداؤد میں ایک صحابیؓ سے مروی ہے، کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا پرچم دیکھا، جس کا رنگ زرد تھا ویسے اکثر اوقات جھنڈے کا رنگ سیاہ ہوتا۔

نیز آپ کے پاس کن نام کا ایک خیمہ تھا۔

اور ایک گز یا اس سے قدرے طویل ایک عصا تھا، اُسے لے کر آپؐ چلتے تھے اور اس کے سہارے سواری پر بیٹھتے تھے اور اُسے اپنے اونٹ پر لٹکا دیا کرتے۔

آپ کے پاس عرجون نام کا ایک مخصرہ (تکیہ لگانے کے لئے ڈنڈا سا) نیز ایک ممشوق نام کا عصا بھی تھا۔ اور یہی وہ عصا ہے جو خلفائے راشدین کے پاس رہا۔

آپ کے پاس ایک پیالہ تھا، جس کا نام ریان تھا۔ اس کا نام مغیا بھی مذکور ہے۔ ایک اور پیالہ تھا جس کے ساتھ سونے کی زنجیر لٹکی ہوئی تھی۔ نیز ایک شیشے کا پیالہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی چارپائی کے نیچے رات کو پیشاب کرنے کے لیے ایک

لکڑی کا پیالہ رکھا رہتا۔

آپ کے پاس صادر نام کا ایک مشکیزہ تھا۔ آپ کے پاس ایک پتھر کا برتن بھی تھا کہ جس سے آپ وضو فرماتے، نیز ایک کپڑا دھونے کا برتن آپ کے پاس سقہ نام کا ایک بڑا پیالہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ ہاتھ دھونے کا ایک برتن تیل کی شیشی ایک تھیلہ سا جس میں آئینہ اور کنگھی پڑی رہتی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی کنگھی ساگوان کی بنی ہوئی تھی۔ ایک سرمہ دانی تھی کہ جب آپؐ رات کو سوتے تو ہر آنکھ میں اثمد کی تین سلائیاں ڈالتے (اثمد سرمہ کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔

نیز آپؐ کے تھیلے میں دو قینچیاں اور مسواک رہتی۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا، جس کے چار کنڈے تھے اور چار آدمی اُسے اُٹھاتے تھے۔ ایک صاع ایک مُد (یہ پیمائش کے پیمانے ہیں) اور ایک چادر بھی تھی۔ آپ کی چارپائی کے پائے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ اور سعد بن زرارہ نے ہدیہ کے طور پر پیش کیے تھے۔ ان کے علاوہ آپؐ کا لیتر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ یہ کل سامانِ رسالت تھا جو مختلف احادیث میں مروی ہے۔ امام طبرانی نے اپنی معجم طبرانی میں آپ کے برتنوں کے متعلق معجم میں ایک جامع حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک تلوار تھی جس کا دستہ نقرئی تھا اور اس کے ارد گرد چاندی مڑھی ہوئی تھی یہ ذوالفقار کے نام سے مشہور تھی۔

آپ کے پاس سداد نام کی ایک کمان بھی تھی۔ آپ کے پاس ایک ترکش تھا جسے جمع کہا جاتا تھا اور آپ کے پاس ایک زرہ تھی، جس پر تانبے کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اُسے ذات الفصول کہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس تبعاء نام کا ایک حربہ، دقن نام کی ایک لاٹھی موجز کی ایک سفید ڈھال، سکب نام کا مٹیالہ گھوڑا، داج نام کی ایک کاٹھی، دلدل نام کا ایک سفید خچر، قصواء نام کی ایک اونٹنی، یعفور نام کا ایک حمار، کرد نام کی ایک چٹائی، قمر نام کی ایک بکری صادر نام کا ایک پیالہ اور جامع نام کی ایک تلینچی تھی۔

علاوہ ازیں آپ کے پاس ایک آئینہ اور ایک ڈنڈا تھا جس کا نام موت تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جانور

ایک سکب گھوڑا تھا، یہ پہلا گھوڑا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔ جس اعرابی کے پاس یہ گھوڑا تھا اس سے آپؐ نے دس اوقیہ میں اسے خریدا تھا۔ یہ گھوڑا سفید پیشانی کھلتے ہوئے بدن کا سیاہ آنکھیں، اس کا رنگ بھی سیاہی مائل تھا۔ دوسرا مرتجز نام کا گھوڑا تھا، جو سفید تھا، جس کے بارے میں خزیمہؓ بن ثابت نے گواہی دی تھی۔

ان کے علاوہ لحیف، لزاز، ظرب، سبحہ اور ورد نام کے گھوڑے بھی تھے، ان کی تعداد سات تھی، جس پر سب راویوں کا اتفاق ہے اور امام ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن جماعۃ، شافعی المسلک نے ان کے نام ایک ہی شعر میں جمع کر دیے ہیں۔

لخیل سکب لحیف سبحہ ظرب
لزاز مرتجز ورد لھا اسرار

یہ ان کے صاحبزادے امام عزالدین عبدالعزیز ابو عمرو نے مجھے بتایا۔

ایک روایت کے مطابق آپؐ کے پاس ان کے علاوہ پندرہ گھوڑے تھے لیکن اس روایت میں اختلاف ہے۔ آنحضرتؐ کی کاٹھی کے اطراف کھجور کی چھال سے بھرے تھے۔ نیز آپؐ کا ایک خچر دلدل تھا۔ شاہ مقوقس نے اسے ہدیۃً پیش کیا تھا۔ ایک اور فضہ نام کا خچر جسے فروۃ جذامی نے پیشِ خدمت کیا تھا، نیز ایک اور سفید خچر جسے حاکم ایلہ نے بھیجا تھا اور ایک دومۃ الجندل کے حاکم کی جانب سے ہدیۃً بھیجا گیا تھا۔

ایک قول کے مطابق شاہ نجاشی نے بھی ایک خچر ارسالِ خدمت کیا تھا، جس پر آپ سواری فرماتے۔ ان کے علاوہ ایک عفیر نام کا سفید حمار تھا۔ جسے قبطی حکمران مقوقس نے بھیجا تھا۔ ایک حمار فروہ جذامی نے بھی بھیجا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں ایک حمار پیش کیا اور آپؐ نے سواری فرمائی، آپ کے پاس ایک بہت عمدہ اونٹ تھا جس کا نام قصوی تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی پر آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ نیز عضباء، جدعاء نام کے اونٹ بھی

تھے۔ ان کے کان، ناک تو درست تھے اور کوئی عیب نہ تھا، لیکن یہ یوں ہی اس نام سے مشہور تھے۔ ایک قول کے مطابق اس کا کان کٹا ہوا تھا، اس لیے اُسے عضباء کہتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ جدعاء اور عضباء دو مختلف وجود یا ایک ہی کے دو نام ہیں۔ عضبا اتنی تیز رفتار تھی کہ کسی اونٹنی کو آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی۔ ایک بار ایک اعرابی آیا تو اس کی اونٹنی مقابلہ میں آگے نکل گئی۔ مسلمانوں کو اس بات سے سخت رنج پہنچا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ دنیا کی ہر فانی چیز اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھتی جب تک مائل بہ زوال نہ ہولے۔

غزوہ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو مالِ غنیمت میں سے ابوجہل کا اونٹ ملا۔ اس کی ناک میں چاندی کی لگام تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ حدیبیہ کے موقع پر پیش کیا گیا۔ تاکہ مشرکین اسے دیکھ دیکھ کر جلیں۔ آپ کے پاس پینتالیس جوان اونٹنیاں تھیں۔ آپ کے پاس ایک اور اونٹنی تھی، جسے سعد بن عبادۃ نے بنی عقیل کے قبیلہ والوں سے لے کر ارسال خدمت کیا تھا۔ آپ کے پاس ایک سو بکریاں تھیں۔ آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ اس میں اضافہ ہو چنانچہ کوئی پیدا ہوتا تو آپ ایک جوان بکری ذبح فرما لیتے۔ نیز آپ کے پاس سات (پہاڑی قسم کی) بکریاں تھیں، جنہیں حضرت ام ایمن چرایا کرتی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا لباس

آپ کے پاس ایک عمامہ تھا، جس کا نام سحاب تھا۔ حضرت علیؓ نے بھی اُسے باندھا۔ آپ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی رکھا کرتے۔ نیز آپ کی عادت مبارک عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی پہننے کی بھی تھی۔ نیز جب آپ عمامہ باندھتے تو اس کے پلو دونوں کاندھوں پر ڈال دیتے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمروؓ بن حریث سے روایت ہے۔

فرمایا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو منبر پر تشریف فرما دیکھا۔ آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا اور اس کے دونوں سرے دونوں کاندھوں پر لٹکا دیے تھے۔ نیز مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سیاہ عمامہ زیبِ سر تھا۔ لیکن اس روایت میں پلو کے (لٹکانے کا) ذکر نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پلو کو ہمیشہ نہیں لٹکایا کرتے تھے۔

ایک یہ روایت بھی ہے کہ آپؐ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے جسم مبارک

بہر جنگ کا لباس تھا اور آپ کے سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھا۔ گویا آپؐ نے ہر موقع پر حسب موقع لباس زیب تن فرمایا۔

اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ (اللہ تعالیٰ آپ کو مزید روحانی تقدیس عطا فرمائے) پلو لٹکانے کے متعلق ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منوّرہ میں خواب دیکھا کہ آپ نے رب العزّت کی زیارت کی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس بات کے متعلق جھگڑ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے علم نہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا تو جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان تھا سب کا علم مجھے حاصل ہوگیا"۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔ امام بخاریؒ سے دریافت کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا، یہ روایت صحیح ہے۔ پوچھا گیا کہ بہ الفاظ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دونوں کاندھوں پر پلو لٹکا لیتے تھے۔ (کیا یہ بھی درست ہے) انہوں نے فرمایا: صرف جاہل لوگوں کی زبانیں اور دل اس کا انکار کرسکتے ہیں۔ اور میں تو آپؐ کے سوا اور کسی کے متعلق پلو لٹکانے کی بات ثابت کرنا بھی فضول سمجھتا ہوں۔

نیز آپ نے قمیص بھی پہنی،، قمیص آپ کو نہایت ہی پسند تھی اور اس کی آستینیں پہونچوں تک تھیں۔ نیز آپ نے جبہ اور فروج جو کہ قباء کی طرح ہوتا ہے، زیب تن فرمایا۔ آپؐ نے قباء بھی پہنا، حالتِ سفر میں آپ کا جبہ تنگ آستین کا تھا۔ آپ نے تہ بند اور چادر بھی استعمال فرمائی واقدی بیان کرتے ہیں کہ آپ کی چادر کا طول چھ ذراع اور عرض تین ذراع اور ایک بالشت تھا۔ آپ کا تہ بند عمانی سوت کا تھا۔ جس کا طول چار ذراع ایک بالشت اور عرض دو ذراع ایک بالشت تھا آپ نے سُرخ (حلّہ) لباس بھی زیب تن فرمایا۔

حلّہ (لباس) دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ حلّہ بالکل ہی سُرخ تھا اُسے غلط فہمی ہوئی بلکہ سُرخ جوڑے سے مراد دو لمبی چادریں تھیں، جن پر عام یمنی چادروں کی طرح سُرخ اور سیاہ لکیریں تھیں۔ چونکہ ان میں سُرخ لکیریں ہوتی ہیں اس لیے وہ سُرخ چادروں کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں، کیونکہ بالکل سُرخ لباس تو اسلام میں بڑی شدّت سے ممنوع ہے، جیساکہ

صحیح بخاری میں روایت آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے گدھوں کی سرخ کاٹھیوں سے منع فرمایا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے بدن پر زعفرانی رنگ سے رنگی ہوئی ایک چادر دیکھی آپ نے فرمایا کہ یہ کیسی چادر ہے، جو تم نے اوڑھ رکھی ہے؟ میں نے آپ کی ناراضی محسوس کرلی میں واپس گھر آیا، تو تنور گرم ہو رہا تھا میں نے چادر تنور میں ڈال دی۔ پھر دوسرے دن حاضر خدمت ہُوا۔ آپ نے دریافت فرمایا، عبداللہ تم نے اُس چادر کا کیا کیا؟ میں نے تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم نے اُسے گھر میں کسی عورت کو کیوں نہ پہنا دیا؟ کیونکہ عورتوں کے لیے اس رنگ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

صحیح مسلم میں انہی صحابیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ پر دو معصفر (کسم میں رنگی ہوئی) چادریں دیکھیں، تو آپ نے فرمایا، کہ انہیں مت پہنو یہ کفار کا لباس ہے اور صحیح مسلم میں ایک روایت حضرت علیؓ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے لباس کو کسم کا رنگ دینے سے منع فرمایا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ کسم کے رنگ سے کپڑا سُرخ رنگ کا ہو جاتا ہے اور حدیث کی ایک کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ صحابہؓ کسی سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ تھے تو آپؐ نے اُن کے سامان میں چادریں دیکھیں، جن پر سُرخ دھاریاں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری سواریوں پر یہ سرخی نہ دیکھوں! چنانچہ ہم فوراً تیزی سے اُٹھے حتیٰ کہ ہمارے بعض اونٹ بدک گئے اور ہم نے تمام سُرخ کپڑے اتار لیے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ سُرخ لباس اور سیاہ مرف (اون) رنگ کے لباس کا پہننا بحث طلب امور میں۔ اس کی کراہت تو بہت ہی شدید ہے اس لیے کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپؐ نے گہرا سُرخ لباس پہنا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً اس سے محفوظ رکھا۔ البتہ سُرخ جوڑے کے لفظ پر شبہ ہو سکتا ہے۔

نیز آپ نے نشان زدہ سیاہ کپڑا بھی پہنا اور سادہ کپڑا بھی زیب تن فرمایا۔ سیاہ لباس اور سبز ریشم کی آستینوں والا بڑا لبادہ بھی پہننا۔ امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ اپنی اپنی اسناد سے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ شاہِ روم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی

خدمت میں سندس کا ایک قیمتی جبہ بھیجا، آپ نے پہنا۔ گویا مجھے اب بھی آپؐ کے دونوں ہاتھ باہر نکلے نظر آرہے ہیں۔ اصمعی فرماتے ہیں کہ وہ جبّہ بڑا سالبادہ تھا، جس کی آستینیں لمبی تھیں۔ خطابیؒ فرماتے ہیں، ہوسکتا ہے اس جبّہ پر کچھ ریشم (سندس) لگا ہو۔ ورنہ عام طور پر جبّہ ریشم کا نہیں بنا کرتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک پاجامہ بھی خریدا

ظاہر ہے اِسے آپؐ نے پہننے ہی کے لیے خریدا ہوگا

ایک روایت میں آپ کا پاجامہ پہننا بھی مذکورہ ہے اور صحابہؓ تو آپ کی اجازت سے پاجامے پہنا ہی کرتے تھے۔ نیز آپ نے موزے پہنے۔ پاپوش مبارک جو آپ پہنتے تھے اس کا نام "تاسومہ" تھا۔ آپؐ نے انگشتری بھی پہنی، لیکن اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آپؐ نے دائیں ہاتھ میں پہنی یا بائیں ہاتھ میں۔ یہ تمام روایتیں سند کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

نیز آپ نے خود پہنا جس کا نام "خردہ" تھا اور آپ نے زرد یہ نام کی زرہ بھی زیب تن فرمائی، اور غزوۂ احد میں تو معلوم ہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دو زرہیں پہنیں۔

صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا جبہ مبارک ہے اور آپ نے ایک خسروانی بہترین جبّہ نکال کر دکھایا، جس پر ریشم کا کام تھا اور اس کے کناروں پر بھی ریشم لگا ہُوا تھا۔ انہوں نے بتایا یہ جبّہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تھا، جب وہ انتقال فرما گئیں تو میں نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اِسے پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر اس کا پانی مریضوں کو دیا کرتے تو انہیں صحت ہو جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی دو سبز چادریں ہیں۔ ایک سیاہ کمبل، ایک سُرخ سلا ہوا کمبل اور ایک بالوں کا کمبل تھا۔ آپ کی قمیض سوتی تھی، اس کی لمبائی بھی کم تھی۔ اور اس کی آستینیں بھی چھوٹی تھیں۔ البتہ لمبی اور چوڑی آستینوں والی قمیص نہ آپؐ نے اور نہ صحابہؓ نے کبھی پہنیں۔ یہ سنّت کے خلاف ہیں اور ان کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ یہ متکبرین کا لباس ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم قمیص اور حبرۃ (چادر) کو بہت پسند فرماتے۔ حبرۃ چادر کی ایک قسم ہے۔ جس میں سُرخ دھاریاں

ہوتی ہیں۔ آپ کو سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا اور آپؐ نے فرمایا:

یہ سب سے بہتر کپڑا ہے، یہی پہنا کرو اور اسی سے مُردوں کو کفن دیا کرو۔

حضرت عائشہ عنہا سے ایک صحیح روایت مروی ہے کہ انہوں نے ایک پرانا کمبل اور موٹے سوف کی ایک چادر نکالی اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ان دونوں کپڑوں میں فوت ہوئے۔ آپ نے سونے کی انگوٹھی پہنی۔ پھر اُسے پھینک دیا اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی تبوائی اور اس سے منع نہیں کیا۔

رہی ابو داؤد کی روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بعض باتوں سے منع فرمایا تو اس میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے حاکم وقت کے سوا باقی سب لوگوں کو انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

میں اس روایت کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

نیز آپ کی انگوٹھی کا نگینہ اندر کی طرف رہتا تھا۔ امام ترمذیؒ حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔ امام ترمذیؒ نے اسے صحیح قرار دیا اور ابو داؤد نے اسے منکر قرار دیا۔ باقی طیلسان (سبز چادر جو عجمیوں کا لباس ہے) کے متعلق کچھ منقول نہیں کہ آپ نے پہنایا نہیں اور نہ صحابہؓ سے متعلق کچھ منقول ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں حضرت نواسؓ بن سمعان کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اصفہان کے ستّر ہزار یہودیوں کے ساتھ خروج کرے گا جو یہ سبز چادریں پہنے ہوں گے۔ حضرت انسؓ نے ایک جماعت دیکھی جن کے بدن پر سبز چادریں (طیلسان) تھیں۔ تو انہوں نے فرمایا یہ لوگ یہودیوں سے کس قدر مشابہہ ہیں۔ چنانچہ سلف کی ایک جماعت ان کا استعمال مکروہ سمجھتی تھی۔ کیونکہ ابوداؤد اور حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

جس نے جس قوم کا چلن اختیار کیا وہ اسی میں شمار ہوگا۔

اور ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

جو ہمارے سوا کسی دوسری قوم کا چلن اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

باقی حدیث ہجرت میں جو یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ابو بکرؓ کے پاس سر اور منہ ڈھانپے ہوئے تشریف لائے تو یہ کام آپ نے حالات و مصالح کے ماتحت کیا تاکہ کفار کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں۔ یہ عادت نہ تھی بلکہ ایک وقتی ضرورت کی بناء پر کیا گیا۔
نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ اکثر سر اور منہ ڈھانپ لیا کرتے تو اس کے متعلق اصل بات کا تو اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ گرمی یا کسی دوسری ضرورت کے باعث ایسا کر لیتے ہوں، لیکن یہ اقدام تضع یعنی تطلیس (عادتاً سر اور منہ ڈھانکنا) کے ماتحت نہ تھا۔

سوادات اور کتان کا لباس

اکثر اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ سوتی سے لباس زیبِ تن فرماتے۔ گاہے گاہے صوف اور کتان کا لباس بھی پہن لیتے۔

شیخ ابو اسحاق اصفہانی صحیح سند سے حضرت جابر بن ایوب سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت صلت بن راشد حضرت محمد بن سیرینؒ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے بدن پر صوف (سیاہ) کا جبّہ، صوف کا تہ بند اور صوف کا عمامہ تھا۔ امام محمد بن سیرینؒ نے کو سخت کوفت محسوس ہوئی۔ فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ بعض لوگ اُون پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسٰی بن مریم علیہ السّلام نے بھی تو یہ لباس پہنا تھا، حالانکہ مجھ سے اس شخص نے روایت کی، جسے میں کذب سے متہم نہیں کرتا کہ آپؐ نے کتان، صوف اور کپاس ہر طرح کا لباس پہنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت زیادہ قابل اطاعت ہے۔ امام ابن سیرینؒ کی مراد یہ تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سیاہ لباس مستقل طور پر استعمال کرنا دوسرے ملبوسات سے افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہی لباس پہنتے ہیں اور دوسرے لباسوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس طرح وہ صرف ایک ہی لباس اختیار کر لیتے ہیں اور ایسے ایسے رسومات اور مخصوص وضع قطع اختراع کر لیتے ہیں، جس کا ترک کرنا موجبِ معصیت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک ہی لباس کو لازم کر دینا اور اسی کو درست سمجھنا یہ ہے گناہ اور سب سے بہتر طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم

کا ہے، جو مسنون ہے، جس کا آپؐ نے حکم فرمایا، ترغیب دی اور خود اس پر مسلسل گامزن رہے۔ آپؐ کا طریقہ (سنّت) لباس یہ ہے کہ کپاس کا ہو تو صوف یا کتان کا ہو تو کوئی سا اور جو بھی لباس میسّر آئے پہن لیا جائے، آپؐ نے یمنی چادریں، سبز چادریں، جبّہ، قبار قمیص، پاجامے، تہ بند، چادر (سادہ) موزہ، جوتا ہر چیز استعمال فرمائی۔ نیز آپؐ نے کبھی عمامہ کا پلو پیچھے کی طرف لٹکا دیا اور کبھی نہیں لٹکایا اور گردن کے نیچے تک عمامہ کے بل لپیٹ لیا کرتے اور جب نیا کپڑا پہنتے تو پہلے اس کا نام لیتے اور پھر دعا پڑھا کرتے۔

اللھم انت کسوتنی ھذا (القمیص او الرداء او العمامة) مما لک خیرہ وخیر ما صنع له واعوذبک من شرہ وشر ما صنع له۔

یعنی: اے اللہ تو نے مجھے یہ (قمیص، چادر یا عمامہ) پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے بنی ہے اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور اس کے شر سے اور جس کے لیے بنی ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور جب آپ قمیص پہنتے تو دائیں طرف سے شروع فرماتے۔ اس طرح آپؐ نے سیاہ بالوں کا کمبل بھی اوڑھا۔ صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم باہر تشریف لے گئے اور آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کا کمبل تھا۔

اور صحیحین (مسلم و بخاری) میں حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کونسا لباس زیادہ پسند تھا۔ انہوں نے فرمایا، حِبرہ اور حِبرہ یمنی چادروں میں سے ایک قسم کی چادر ہے کیونکہ اس چادر کا زیادہ تر سوت یمن کا ہوتا تھا۔ اور یہ علاقہ قریب بھی تھا، بعض دفعہ شام اور مصر کا بنا ہوا لباس بھی پہن لیتے، جیسے قباطی چادر جو کتان سے بنائی جاتی تھی اور قبطی لوگ اس کا سوت کاتتے تھے۔

سنن نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ کے لیے صوف کی چادر بنائی تو آپ نے اوڑھ لی۔ جب آپ کو پسینہ آیا تو آپ نے صوف کی بو محسوس فرمائی۔

چنانچہ آپ نے اُسے اتار دیا، کیونکہ آپ خوشبو کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ سنن

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسم مبارک پر بہترین لباس بھی دیکھے ہیں۔ سنن نسائی میں حضرت ابورمثہ رضؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو خطبہ ارشاد فرماتے دیکھا۔ تو آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔ سبز چادر میں سرخ جوڑے کی طرح سبز دھاریاں تھیں جو شخص حلۃ الحمرا سے مراد گہرا سرخ جوڑا سمجھتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ یہاں بھی گہرا سبز رنگ کہے۔ حالانکہ محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

آپ ؐ کا تکیہ چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس طرح کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال کر رکھا ہے اُسے حرام کرتے اور اُس کے استعمال سے روکنے کو زہد، پرہیزگاری اور تقویٰ کی ضمانت قرار دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ صرف اچھے اچھے لباسوں اور بہترین کھانوں ہی میں منہمک ہیں اور موٹا کپڑا اور گھٹیا کھانا تکبّر اور رعونت کے باعث استعمال نہیں کرتے۔ یہ دونوں گروہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف کی عادت تھی کہ وہ بہترین لباس و طعام یا بالکل ہی گھٹیا زندگی اختیار کر کے کسی طور پر بھی متعین صورت میں شہرت حاصل نہ کرنا چاہتے تھے اور سنن میں حضرت ابن عمر رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے شہرت کی خاطر لباس پہنا اللہ تعالیٰ اِسے قیامت کے دن ذلّت کا لباس پہنائے گا۔ پھر دوزخ میں اسی کے شعلوں میں جلے گا کیونکہ اس نے تکبّر اور غرور کیا۔ لہٰذا اللہ نے اُسے ذلیل کیا، جیسے اس شخص کو سزا دے گا جو ازراہ غرور و تکبّر۔ تہ بند یا کپڑے کو لٹکاتا ہوا چلتا ہے۔ وہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا، قیامت تک دھنسا ہی رہے گا اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جو تکبّر سے ازار گھسیٹے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر نہیں ڈالے گا۔ نیز سنن میں ان ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اسبال (تکبّر سے کپڑا لمبا کرنا یا لٹکانا) تہ بند، قمیض اور پگڑی سب میں ہوتا ہے، جس نے بھی ان میں سے کسی کو تکبّر کی وجہ سے گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی

نہ اُٹھائے گا۔ اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے وہی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ تہ بند کے متعلق فرمایا وہی قمیص کے متعلق بھی فرمایا، اسی طرح معمولی لباس کسی وقت قابلِ مذمت اور کسی وقت قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ اگر شہرت کے لیئے ہو تو قابلِ مذمت۔ لیکن عاجزی اور مسکنت مقصود ہو تو قابلِ تعریف جیسے کہ دکھاوے اور تکبّر کے لیئے بڑھیا لباس مذموم ہے۔ لیکن اگر اس سے اللہ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو تو قابلِ ستائش ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبّر ہوگا، وہ جنّت میں نہ جائے گا اور جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ میرے کپڑے اچھے ہوں اور میرا جوتا اچھا ہو، تو کیا یہ بھی کبر میں شامل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا نہیں! اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو ہی پسند فرماتا ہے۔ کبر سے مراد حق سے سرکشی اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے۔

آں حضرت کی غذا اور ماکولات

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کھانے پینے میں بھی ایک مستقل سنت ہے۔ موجود کو رد نہ کرتے اور جو چیز موجود نہ ہوتی اس کا تکلف نہ کرتے، جو حلال اور پاک کھانا میسر آتا اُسے کھا لیتے۔ ہاں اگر عزّتِ نفس مجروح ہوتی تو حلال ہوتے ہوئے بھی اُسے چھوڑ دیتے۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ جی چاہا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عادت نہ ہونے کی وجہ سے گوہ نہ کھائی۔ لیکن امت پر حرام نہیں فرمائی، بلکہ آپ کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اور آپ دیکھتے رہے۔ آپ نے حلوئی اور شہد تناول فرمایا۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو پسند تھیں۔ نیز آپ نے اونٹوں، بھیڑوں، مرغیوں، سرخاب جنگلی گدھے، اور خرگوش کا گوشت تناول فرمایا۔ نیز سمندری جانور کا گوشت (مچھلی) کھایا۔ اس کے علاوہ آپ نے بکری کا گوشت بھی استعمال فرمایا، اور تر اور خشک کھجور بھی تناول فرمائی۔

خالص دودھ، پانی ملا دودھ، ستو، اور شہد کو پانی میں ملا کر بھی نوش فرمایا، کھجور کا میٹھا پانی بھی پیا، نیز آپ نے خزیرہ بھی کھایا۔ جو دودھ اور آٹے سے بنتا ہے۔ تر کھجور کے ساتھ ککڑی کھائی، نیز پنیر کھایا، روٹی کے ساتھ خشک کھجور کھائی۔ سرکہ کے ساتھ بھی روٹی کھائی، ثرید بھی

کھایا جو روٹی کو گوشت میں بھگو دینے سے بنتا ہے ۔ اہالہ سے بھی روٹی کھائی ۔ اہالہ چربی کو کہتے ہیں بھنی ہوئی کلیجی اور گوشت کے ٹکڑے بھی کھائے ۔ پکا ہوا کدو تو آپ کو بہت ہی محبوب تھا ۔ ثرید گھی میں ملاکر پنیر، روٹی زیتون اور تر کھجور کے ساتھ خربوزہ اور خشک کھجور مکھن کے ساتھ بھی تناول فرمائی ۔

آپؐ خوشبو کا ہدیہ ردّ نہ فرماتے اور نہ اس لئے مجبور کرتے ۔ بلکہ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جو میسّر آیا کھا لیا ۔ اگر کھانے کو نہ ملتا تو صبر کرتے ، یہاں تک کہ آپؐ بھوک کی شدّت کے باعث پیٹ پر پتھر باندھے ۔ تین تین ماہ گزر جاتے اور آپؐ کے گھر میں کھانا پکانے کے لیے آگ نہ جلتی سفر میں اکثر اوقات آپ زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرماتے اور یہی آپ کا دستر خوان ہوتا ۔ آپ تین انگلیوں سے کھاتے اور فارغ ہونے کے بعد انہیں صاف کر لیتے ۔ یہ کھانا کھانے کا سب سے بہترین طریقہ ہے ، کیونکہ متکبّر آدمی ایک انگلی سے کھاتا ہے اور حریص اور لالچی آدمی پانچوں انگلیوں سے کھاتا ہے ۔ اور ہتھیلی سے منہ میں لقمہ دھکیلتا ہے ۔

آپ سہارا لگا کر نہیں کھاتے تھے ۔ آپ تین طرح سے تکیہ لگاتے ۔ کبھی ایک طرف سہارا لگا کر بیٹھنے ، کبھی پلتھی مار کر اور کبھی ایک ہاتھ سے سہارا لگاتے اور دوسرے سے کھاتے ۔

آپ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں حمد کرتے ۔ یعنی آخر میں آپ یہ دعا پڑھتے :

الحمد للّٰہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا ۔

کبھی آپ یوں حمد فرماتے : ۔

الحمد للّٰہ الذی یطعم ولا یطعم من علینا فھدانا واطعمنا واسقانا وکل بلاء حسن أبلانا الحمد للّٰہ الذی اطعم من الطعام وسقی من الشراب وکسی من العری وھدی من الضلالۃ وبصر من العمی وفضّل علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلا الحمد للّٰہ رب العالمین ۔

یعنی : سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا ہم پر اُس نے احسان کیا کہ ہمیں ہدایت دی ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا اور اچھی آزمائش میں ہی ڈالا ۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ، جس نے ہمیں پلایا اور کھلایا ۔ تن پے

ڈھانکتے کو لباس دیا اور گمراہی میں ہدایت دی۔ دیدۂ کور کو بصارت دی اور اپنی کثیر مخلوق پر شرف عطا فرمایا۔ سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اور کبھی کبھی یوں پڑھا کرتے: الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوغہ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اس نے کھلایا اور پلایا اور اسے خالص کر دیا۔"

اور جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو اپنی انگلیاں صاف کر لیتے۔ آپ کے ہاں رومال نہ تھے کہ جن سے ہاتھ پونچھے جائیں۔ اور نہ یوں عادت مبارک تھی کہ جب بھی کھانا کھائیں تو ضرور ہی ہاتھ دھوئیں۔ اکثر اوقات بیٹھ کر پیتے بلکہ کھڑے ہو کر پینے پر زجر فرمایا ایک مرتبہ کھڑے ہو کر نوش فرمایا، لیکن مجبوری کے باعث اور اس واقعہ کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ آپ زمزم کے چشمہ پر تشریف لائے لوگ پانی پی رہے تھے۔ آپ نے ڈول لیا اور کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ اس سلسلہ میں صحیح صورت مسئلہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پینا ناجائز ہے۔ اس موقع پر آپ مجبور تھے کہ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ اس بحث سے تمام احادیث میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

اور آپ جب کچھ پلاتے تو پہلے دائیں طرف سے شروع فرماتے۔ خواہ بائیں طرف کوئی بزرگ ہی کیوں نہ کھڑا ہوتا۔

ازدواجی معاملات اور معمولاتِ حیات

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور اسوۂ حسنہ

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔
مجھے تمہاری دنیا کی دو چیزیں پسند ہیں، ایک عورت اور دوسری خوشبو۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ اور جن راویوں نے "تین چیزیں پسند ہیں" کی روایت کی ہے۔ انہیں غلط فہمی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نہیں فرمائیں، کیونکہ نماز کی طرف اگر تیسری کی نسبت کی جائے تو یہ تو دنیا کی چیز نہیں ہے۔ عورتیں اور خوشبو آپ کو محبوب تھیں[1]۔ آپ ایک ہی رات میں تمام ازدواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ آپ میں تیس[3] مردوں کے برابر قوت تھی[2] اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے

---

[1] آپؐ کو عورت اس لیے محبوب تھی کہ اس وقت انسانیت، معاشرے اور قوم کا مظلوم ترین طبقہ یہی تھا۔ چنانچہ اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے، جس نے حقوق میں اور فرائض میں، تعزیر اور عقوبت میں اور اجر و رحمت میں، ترکہ اور وراثت میں، حریت عقد و نکاح میں، حریت طلاق میں، حریت فکر و رائے میں، حریت انتخاب میں، مرد و زن کے حقوق کے درمیان کوئی تفرقہ روا نہیں رکھا، عورت کی مستقل حیثیت تسلیم کی اور اسے مستقل حقوق دیے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس طرح کی روایتیں قطعًا ناقابلِ اعتماد ہیں، یہ واعظوں کی اختراعات ہیں۔ ابنِ قیم بہترین محدّث ہونے کے باوجود اس جگہ ایک نکتہ جو اصولِ حدیث کا ایک بڑا اہم نکتہ ہے فراموش کر گئے، یعنی کسی (باقی حاشیہ صہ پر)

میں جتنا کچھ آپ کے لئے مباح کیا تھا، اُمت کے لئے نہیں کیا تھا۔ آپ ازواج مطہرات کے حقوق میں پوری مساوات اور عدل ملحوظ رکھتے، کسی طرح کا فرق نہ کرتے، رہی محبت سو آپ فرمایا کرتے یا اللہ جس کا مجھے اختیار ہے اس کی تقسیم تو میں نے مساوی طور پر کر دی لیکن جو بات میرے بس میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ کیجیو۔[1] غیر اختیاری چیز" محبت اور مباشرت تھی[1] اور ان امور میں مساوات لازمی بھی نہیں۔ کیونکہ یہ اختیاری چیزیں نہیں۔

کیا آپ پر مساوات برتنا واجب تھا یا آپ کے اوقات بغیر کسی تقسیم کے تھے؟ اس میں فقہاء مختلف الرائے ہیں۔ اس اُمت میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: شادی کرو۔ کیونکہ اس اُمت کی زیادہ تعداد عورتوں پر مشتمل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق بھی دی لیکن پھر رجوع فرمالیا۔ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے ایلاء بھی کیا۔[2] لیکن آپ نے ظہار کبھی نہیں کیا اور جس[3] نے آپ کے ظہار کا ذکر کیا اس نے بالکل ہی غلط کہا۔ یہاں (ظہار بتانے والے) کی غلطی کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

(باقی حاشیہ) حدیث کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ صحاح ستہ میں آئی ہے، یا اس کے راوی غیر مجروح، عدول اور ثقہ ہیں، یا سند میں کسی طرح کا اختلال نہیں۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ روایت" درایت" کے معیار پر بھی پوری اترتی ہو۔ جس نبی کا کردار یہ ہو کہ ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ سال کی خاتون سے شادی کر لے، جس کی ایک کے سوا تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ ہوں۔ جس نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی ہو اور ازواج مطہرات سے کہہ دیا ہو کہ اگر اس طرح رہ سکتی ہو تو رہو، ورنہ پوری عزت کے ساتھ حق مہر دے کر میں رخصت کر دیتا ہوں، جو رات میں اتنی عبادت کرتا ہو کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا پھر اور لوگ جب یہ کہیں کہ آپ کو اتنی عبادت کی کیا ضرورت ہے جبکہ آپ معصوم ہیں اور وہ جواب دیتے کہ "کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"؟ اس کے بارے میں اس طرح کی روایتیں قطعاً ناقابلِ قبول ہیں اس لئے کہ درایت انہیں تسلیم نہیں کرتی۔ (رئیس احمد جعفری)

[1] آپ کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت تھی اور بلاشبہ محبت اختیاری چیز نہیں، لیکن اس میں بھی ایک اہم رمز ہے۔ اللہ نے آپ کے دل میں حضرت عائشہ کی محبت اس لئے زیادہ پیدا کی کہ آپ کا یہ اسوہ بھی تعدد ازواج پر عمل کرنے والے لوگوں کے سامنے آجائے گو ایک بیوی سے انتہائی محبت ہونے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خود آپؐ کو اس سے بری قرار دیا۔ آپؐ کے ازدواجی تعلقات حسنِ معاشرت اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی لڑکیوں کو حضرت عائشہؓ کے پاس کھیلنے کے لئے بلایا کرتے تھے اور جائز امور میں آپؐ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ اور جب عائشہ پانی پیتیں تو ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہیں لب مبارک لگا لیتے، جہاں سے انہوں نے پیا ہوتا اور جب وہ ہڈی پر سے گوشت کھاتیں تو آپ وہ ہڈی جس پر گوشت ہوتا لے کر وہاں منہ لگا لیتے، جہاں سے حضرت عائشہؓ نے کھایا ہوتا اور آپ ان کے زانو سے ٹیک بھی لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی کرتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ ایام سے ہوتیں مگر آپؐ ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ بہ حالت صوم تقبیل کرتے۔ یہ سب آپ کا اپنی ازواجِ مطہرات سے حسنِ اخلاق اور لطف و کرم کا نتیجہ تھا کہ آپ ان کے ساتھ کھیل بھی لیتے انہیں حبشی لڑکوں کا کھیل بھی دکھا دیتے جب وہ مسجد میں کھیل رہے ہوتے، ام المومنین آپؐ کے کندھوں کی اوٹ سے یہ منظر دیکھتیں۔ دو مرتبہ آپ ان سے دوڑ میں آگے بڑھ گئے۔ ایک مرتبہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہوئے باہر تشریف لائے۔

جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کے نام کا قرعہ نکل آتا وہی ساتھ جاتیں پھر کسی کے لئے کوئی عذر نہ رہ جاتا جمہور کا یہی مسلک ہے۔

آپ فرمایا کرتے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرتا ہو اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں۔ کبھی کبھی آپ نے تمام ازواج مطہرات کی موجودگی میں بھی کسی ایک کی طرف (از راہِ التفات)

(بقیہ حاشیہ) کے باوجود دوسری بیویوں کے حقوق میں کس طرح کامل مساوات قائم رکھی جا سکتی ہے ورنہ اگر آپؐ کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت نہ ہوتی تو امت ایک بہت بڑے اسوہ سے محروم رہ جاتی (رئیس احمد جعفری)

۲؎ یہ مصنف کی اپج ہے، نہ حدیث ہے، نہ اثر۔ (رئیس احمد جعفری)

۳؎ یہ فقہ کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے بیوی سے علیحدگی رکھی جائے لیکن طلاق نہ دی جائے۔ (رئیس احمد جعفری)

ہاتھ بڑھا دیا۔ جب آپ نماز عصر پڑھ لیتے تو تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے۔ ان کے حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہوتی تو وہاں تشریف لے آتے، جہاں باری ہوتی اور شب وہیں بسر کرتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپؐ باری کی اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ اور ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا کہ آپؐ سب ازواج مطہرات کے ہاں تشریف نہ لے گئے ہوں، آپ ہر ایک کے پاس بیٹھتے اور آخر کار جس کی باری ہوتی اس کے ہاں تشریف لے جاتے اور رات گزارتے۔ نو ازواج مطہرات میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی۔

صحیح مسلم میں حضرت عطاءؒ کا قول منقول ہے کہ جن کی باری نہ تھی ان کا نام صفیہؓ بنت حی ہے۔ حالانکہ یہ حضرت عطاءؒ کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ صاحبہ حضرت سودہؓ ہیں۔ حضرت سودہ نے سہولت سن کے سبب رضا کارانہ اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی چنانچہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس ان کے اور حضرت سودہؓ کے حصّہ کے دو دو دن گزارتے۔

ایک اور روایت بھی ہے اور اصل واقعہ کا علم خدا ہی کو ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے۔

حضرت صفیہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کرا دو تو اپنی باری تمہیں بخش دوں گی۔ انہوں نے کہا اچھی بات، چنانچہ حضرت صفیہؓ کے باری کے دن حضرت عائشہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا، عائشہؓ تم کیسے آگئیں؟ واپس جاؤ، یہ تو صفیہؓ کی باری ہے[1]۔

انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور سارا واقعہ عرض کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ سے خوش ہو گئے۔ اس وقت سے انہوں نے اپنی

---

[1] آپ کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا کہ ناراضگی کی حالت میں بھی آپ ازواج کے مابین عدل کا کس درجہ خیال رکھتے تھے؟ اور اس حالت میں بھی حضرت عائشہ کو ان کا دن دینے پر رضامند نہ ہوئے۔
(رئیس احمد جعفری)

باری انہیں بخش رکھی تھی۔ یہ باری مخصوص تھی[1]۔ اگر تقسیم اس طرح نہ کی جائے تو پھر باری سات ازواج ہی پر شمار کی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، بلکہ باری آٹھ بیویوں کی مقرر تھی۔

اگر کسی ایسے آدمی کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آجائے، جس کی دو سے زیادہ بیویاں ہوں اور ایک بیوی اپنی باری دوسرے کو بخش دے تو کیا یہ جائز ہے؟ کہ خاوند اس بیوی کے پاس شب موہوبہ اور اصلیہ دونوں گزار سکے؟ اگرچہ شروع میں ان دونوں کی راتیں مسلسل نہ آرہی ہوں، یا وہ اسی رات اس کے پاس رہے جس میں بخشش کرنے والی کے پاس رہا کرتا تھا؟

امام احمد اور دوسرے حضرات کے اس باب میں مختلف قول ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری اور پہلے ہر حصہ میں ازواج مطہرات کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ کبھی غسل فرما کر سوتے اور کبھی وضو کر کے سو جاتے۔ ابو اسحاق سبیعی نے ______ اسود سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات پانی کو چھوئے بغیر ہی سو جاتے"، ائمہ حدیث کے نزدیک یہ غلط روایت ہے اور ہم نے تہذیب سنن ابو داؤد میں اس روایت پر کافی تبصرہ کیا ہے، اور اس کے اشکالات اور علل کو واضح کر دیا ہے۔ نیز آپ ایک ہی غسل سے ازواج مطہرات سے قربت فرما لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی الگ الگ غسل بھی فرمایا۔

اور جب آپ سفر میں ہوتے تو واپسی پر رات کو گھر تشریف نہ لاتے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔

خواب اور بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ

کبھی آپ بستر پر ہوتے کبھی چمڑے پر، کبھی چٹائی بلکہ زمین پر بھی سو جاتے، کبھی چارپائی پر اور کبھی سیاہ کمبل پر آرام فرماتے۔ عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ فرماتے

---

[1] یعنی یہ پیش کش مستقل نہ تھی، ایک دفعہ کی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے دیکھا کہ آپ نے ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا۔ اور آپ کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے پاس ایک بالوں کا کمبل تھا۔ جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا۔ ایک دفعہ چار تہیں کر کے بچھا دیا گیا تو آپؐ نے روک دیا تھا۔ الغرض آپ بستر پر بھی سوئے اور لحاف بھی اوڑھا اور اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تم میں سے عائشہؓ کے سوا کوئی اور ایسا نہیں کہ جبریل اس کے بستر پر آئے ہوں۔

آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اور جب آپ سونے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے تو پڑھتے۔ باسمك اللّٰھم احیا واموات یعنی اے اللہ تیرے ہی نام پر میں جیتا اور مرتا ہوں" نیز آپ دونوں ہاتھ اکٹھے کر کے ان میں قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس پڑھ کر پھونک مارتے، پھر آپ انہیں اپنے جسم مبارک پر جہاں تک ممکن ہوتا پھیر لیتے۔ آپ سر چہرہ اور سامنے کے حصہ سے ابتداء فرماتے۔ آپ یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔ آپؐ دائیں پہلو پر سوتے دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے، پھر دعا فرماتے:۔

اللّٰھم قنی عذابك یوم تبعث عبادك:۔

یعنی: اے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچالے جس دن اپنے بندوں کو اٹھائے گا

جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد اللہ الذی اطعمنا وسقانا وکفانا واٰوانا فکم من لاکافی لہٗ ولا مووی (مسلم) یعنی" سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا ہمارے لئے کافی ہوا ہمیں پناہ دی۔ کیونکہ کتنے ہی ایسے ہیں جنہیں کفایت کرنے والا کوئی نہیں اور نہ پناہ دینے والا ہے"

نیز لکھا ہے کہ جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:۔ اللّٰھم رب السموات والارض ورب العرش العظیم، فالق الحب والنوی منزل التوراة والانجیل والقرآن اعوذ بك من شر کل ذی شر انت آخذ بناصیتہ انت الاول فلیس قبلك شیٔ، وانت الاخر فلیس بعدك شیٔ وانت الظاھر فلیس فوقك شیٔ وانت الباطن فلیس

دونك شيئ اقض عني الدين واغنني من الفقر۔

یعنی "اے اللہ، اے آسمانوں اور زمینوں کے رب اور عرش عظیم کے پروردگار، دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے تورات، انجیل اور قرآن نازل کرنے والے میں ہر ثمر والی چیز کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ تو ہی اسے قابو میں رکھنے والا ہے تو ہی اوّل ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کچھ نہیں اور تو ہی ظاہر ہے۔ تیرے اوپر کچھ نہیں تو ہی باطن ہے، تیرے ماورا کچھ نہیں۔ میرا قرض ادا فرمادے اور مجھے فقر سے غنی کر دے۔"

اور رات کو جب کسی وقت آنکھ کھلتی تو یہ دعا پڑھتے:

لا اله الا انت سبحانك اللهم استغفرك لذنبي واسألك رحمتك اللهم زدني علما ولا تزغ قلبي بعد اذ هديتني وهب من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

یعنی: (اے اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے۔ اے اللہ، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوالی ہوں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کر دے اور ہدایت کے بعد میرے دل کو کھوٹا نہ کر دینا، مجھے اپنی رحمت سے نواز۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔"

اور جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے:

الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور۔

یعنی: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کے پاس (دوبارہ) جمع ہو کر حاضر ہونا ہے۔"

پھر آپ مسواک فرماتے اور بسا اوقات سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات ان فی خلق السموات والارض الخ سے شروع کر کے تلاوت فرماتے اور یہ دعا پڑھتے:

اللهم لك الحمد انت نور السموات والارض ومن فيهن ولك الحمد انت قيم السموات والارض ومن فيهن ولك اعلم انت الحق ووعدك ولقاءك حق والجنة حق والنار حق والنبيون حق ومحمد حق والساعة حق اللهم لك اسلمت ربك

آمنت وعلیک توکلت والیک انبت و بک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الٰھی لا الٰہ الا انت"

یعنی: "اے اللہ تیری ہی تعریف ہے، تو ہی آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا نور ہے اور تیری ہی تعریف ہے تو ہی آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے اور تیری ہی تعریف ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے جنّت حق ہے دوزخ حق ہے، تمام انبیاء حق ہیں۔ محمد حق ہیں، قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ تجھ پر ایمان لایا تجھ پر بھروسہ کیا۔ تیری طرف ہی جھکا۔ تیری مدد ہی سے جھگڑا، تیری طرف ہی بلایا پس مجھے بخش دے جو میں نے پہلے (گناہ) کئے اور بعد میں کئے، جو میں نے چھپ کر کئے اور جو میں نے علانیہ کئے۔ تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

اور آپ رات کو پہلے پہر سو جاتے اور آخر پہر بیدار ہو جاتے۔ کبھی کبھی آپ مصالح مسلمین کے لیے ابتداء شب میں جاگتے رہتے۔ آپ کی آنکھیں سوتیں مگر دل بیدار رہتا اور جب آپ سوتے تو جب تک خود نہ جاگ اُٹھتے جگایا نہ جاتا اور جب آپ آغاز شب میں کسی جگہ اترتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے اور جب صبح کے قریب قیام فرماتے تو بازو کا سہارا لے کر سر مبارک ہتھیلی پر رکھ دیتے (امام ترمذیؒ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ابو حاتم نے صحیح میں لکھا ہے کہ آپ رات کو کسی منزل پر اُترتے تو دائیں پہلو پر آرام فرماتے اور جب صبح سے قبل اُترتے تو بازو اونچا کر لیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلط فہمی ہے البتہ امام ترمذی کی روایت درست ہے۔ ابو حاتم نے لکھا ہے کہ تعریس اکڑوں بیٹھنا) صبح سے قبل ہوتی تھی۔ آپ کی نیند سب سے زیادہ معتدل ہوتی تھی اور یہی سب سے بہتر نیند ہے اور اطباء کا قول ہے کہ نیند کا بہترین وقت تہائی رات ہے اور دن آٹھ گھڑیوں میں منقسم ہے

سواری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیّبہ

آپ نے گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے پر بھی سواری فرمائی۔ کبھی گھوڑے پر کاٹھی ڈال کر سواری کرتے، کبھی ننگی پیٹھ پر بھی سواری فرما لیتے۔ کبھی کبھی اسے دوڑایا بھی

کرتے تھے۔ زیادہ تر تنہا سوار ہوتے تھے۔ گاہے گاہے اُونٹ کے پیچھے بھی کسی کو سوار کر لیتے۔ کبھی خود پیچھے بیٹھتے اور دوسرے آدمی کو آگے بٹھا لیتے۔ ایک بار تین آدمیوں نے بھی سواری کی۔ مردوں کو بعض اوقات اپنی ازواج مطہرات کو بھی۔

آپؐ کے مراکب کا بڑا حصّہ اُونٹ اور گھوڑے پر مشتمل تھا، رہے خچر تو معروف روایت یہ ہے کہ آپ کے پاس صرف ایک خچر تھا۔ کسی بادشاہ نے بطور ہدیہ نذر کیا تھا۔ ارض عرب میں خچروں کا چلن نہ تھا۔ لیکن جب آپ کو خچر ہدیہ پیش کیا گیا تو گھوڑے اور گدھی کے ملاپ کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو نادان ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بکریاں

آپؐ کے پاس ایک سو بکریاں تھیں، آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ بکریوں کی تعداد سو سے بڑھ جائے، جب کوئی بڑھ جاتی تو اس کی جگہ کسی دوسری (بکری) کو ذبح کر دیتے۔

نیز آپ کے پاس لونڈیاں اور غلام بھی تھے آپ کے آزاد کردہ غلام لونڈیوں سے زیادہ تھے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں ابو امامہ وغیرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا جس آدمی نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو یہ اسے جہنم سے نجات دلانے کا سبب ہوگا۔ اس کا ہر عضو اس کے بدلہ میں آزاد ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیح روایت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا زیادہ باعث اجر ہے اور ایک غلام دو لونڈیوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر آزاد کردہ مرد غلام ہیں۔ یہ ان پانچ مقامات میں سے ایک ہے جہاں عورت کو نصف مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا مقام عقیقہ کرنے کا ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک عورت کا عقیقہ ایک بکری اور مرد دو بکریوں سے ہوتا ہے اور اس مسلک کی تائید کئی صحیح اور حسن احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ تیسرا مقام گواہی دینے کے سلسلہ میں ہے، جہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار ہوتی ہے۔ چوتھا میراث اور پانچواں دیت میں ہے[1]۔

---

[1] ابن قیم نے یہ بات جس پیرایہ میں بیان فرمائی ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خرید و فروخت

منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد خریداری میں اضافہ اور فروخت میں کمی واقع ہوئی۔ اس طرح ہجرت کے بعد بھی آپ سے صرف چند معاملات میں فروخت منقول ہے اور اکثر یہ فروخت خریدنے والے کے لئے زیادہ سودمند ہوا کرتی تھی، جیسے پیالے اور پالان کی فروخت۔ ایک مدبر غلام یعقوب کی فروخت نیز ایک غلام کی دو غلاموں کے عوض فروخت۔ رہی آپ کی خریداری تو یہ آپ نے کثرت سے فرمائی۔ دوسرے آپ نے اجرت پر کام کیا بھی ہے۔ آپ نے اُجرت پر کام کرنے کے مقابلہ میں اُجرت دے کر زیادہ کام لیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) عورت کے مابین نصف کا فرق ہے۔

لیکن بات یوں نہیں ہے، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں تک حقوق کا تعلق ہے۔ دونوں میں کامل مساوات ہے۔ قرآن نے اکثر مقامات پر "مومنین" اور "مومنات" کو ایک ساتھ مخاطب کر کے اجر و عقاب ثواب و عتاب اور جنت و جہنم کی بشارت یا وعید دی ہے، بنیادی حقوق میں مرد اور عورت بالکل یکساں ہیں، جس طرح مرد آزاد ہے کہ جس سے چاہے شادی کرے اسی طرح یہ حق عورت کو بھی ہے، جس طرح مرد تجارت لین دین آزادانہ طور پر کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے جس طرح مرد اپنی جائداد اور املاک کا مستقل مالک ہے اسی طرح عورت بھی ہے جس طرح مرد اپنے مستقل نام سے اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے مستقل نام سے اپنی انفرادیت قائم رکھتی ہے وہ شادی سے پہلے "مس" بن کر باپ کا، اور شادی کے بعد "مسز" بن کر شوہر کا ضمیمہ بن کر اپنی انفرادیت سے محروم نہیں ہوتی۔ چوری، زنا اور دوسرے جرائم کی سزا جو مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے۔ اعمال صالحہ کا اجر و انعام مرد کے لئے ہے عورت کے لیے بھی ہے۔

لیکن خلقی کمزوری یا توانائی کی بناء پر مرد اور عورت میں فرق مراتب ضرور ہے، لیکن یہ فرق مراتب بھی یک طرفہ نہیں ہے، اگر کسی معاملہ میں مرد کو عورت پر تفوّق حاصل ہے تو کسی معاملہ میں عورت مرد

منقول ہے کہ آپ نے نبوّت سے قبل بکریاں چرانے کے لئے اجرت پر کام کیا ہے۔ نیز حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر شام کا سفر بھی اسی نوعیت کا تھا اور جب تجارت مضاربت کی صورت میں ہو تو مضارب، امین، اجیر وکیل اور شریک (چار حیثیتیں رکھتا ہے)

جب مال پر قبضہ ہو تو امین شمار ہو گا۔

جب مال میں تصرف کرے گا تو وکیل ہو گا۔

جب خود بھی کام کرے گا تو اجیر کہلائے گا۔

اور جب اس تجارت میں نفع ہو گا تو اس میں شریک بھی ہو گا۔

امام حاکمؒ نے اپنی صحیح حاکم میں حضرت ربیع بن بدر سے انہوں نے ابو زبیرؓ اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے مالِ تجارت کے سلسلہ میں جرش (شام) کی طرف دو مرتبہ اُجرت پر سفر کیا اور بتایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ نیز نہایہ میں ہے کہ جرش یمن، جو شام میں ایک شہر کا نام ہے، میں کہتا ہوں یہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ ربیع بن بدر ثقہ روای نہیں ہے۔ اسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی دار قطنی اور ازدی نے اسے متروک لکھا ہے۔ حاکم کا خیال یہ ہے کہ ربیع بن بدر دراصل طلحہ بن عبید اللہ کا غلام ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارت میں شرکت بھی کی ہے، جب یہ شریک آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے فرمایا:۔

"کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟"

(بقیہ حاشیہ) پر تفوق رکھتی ہے، مثلاً پاکدامن عورت پر بدچلنی کا اتہام لگانے کی سزا اسّی کوڑے ہے، لیکن پاکدامن مرد پر بدچلنی کی تہمت پر یہ سزا نہیں ہے۔

رہے وہ پانچ مقامات جن کا علامہ ابن قیم نے حوالہ دیا ہے کہ "عورت نصف مرد کے برابر ہے" تو ان کی توجیہہ یہ ہے:۔

(۱) ایک غلام دو باندیوں کے برابر کارکردگی کی بنا پر مانا گیا ہے۔

(۲) عقیقہ کا یہ فرق اس لئے ہے کہ گو اولاد ہونے کی حیثیت سے لڑکا اور لڑکی برابر ہیں، لیکن لڑکے

اس نے عرض کیا، آپ میرے شریک تھے اور آپ بہترین شریک تھے۔ آپ نے نہ کبھی دھوکا دیا اور نہ جھگڑا کیا۔ قدار ی کا صیغہ مدارأة ہے۔ اس کے معنی ہیں "وہ حق بات کا مقابلہ کرنا"۔ اگر اس کے آخر سے ہمزا اڑا دیا جائے تو فقط مدارا ة رہ جاتا ہے تو اس کے معنی ہوں گے "اچھے طریقہ سے مدافعت کرنا"

نیز آپ نے وکیل بنایا، خود وکالت فرمائی۔ زیادہ تر آپ نے وکیل بنایا، آپ نے ہدیہ دیا۔ ہدیہ قبول بھی کیا، اس کا بدلہ بھی دیا۔ اسی طرح بخشش فرمائی اور قبول بھی فرمایا۔ سلمۃ بن اکوع بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں ایک لونڈی آئی۔ سلمۃ نے عرض کیا کہ اسے مجھے عنایت فرمائیے۔ چنانچہ آپ نے اُسے عطا فرما دی تو اس نے اس کے بدلے میں مکہ میں محبوس مسلمان قیدیوں کو رہا کرالیا۔

رہن اور بغیر رہن ہر طرح قرض بھی لیا، نقد اور ادھار خرید کی۔ نیز اچھے اعمال، جو جنت کی ضمانت ہیں ان پر لوگوں سے اپنے رب کے ہاں ضمانت بھی دی۔ فوت شدہ مسلمانوں کے قرض ادا کرنے کی ضمانت بھی دی، نیز آپ پر جو بھی قرض تھے۔ آپ نے سب ادا کر دیے تو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حکم آپ کے بعد ہر امام اور امیر کے لئے ہے۔ اس طرح مسلمانوں کا بادشاہ مسلمانوں کے قرضوں کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو ان کا قرض بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔ اگر مسلمان کی موت واقع ہو جائے تو اس کے قرض کی ادائیگی کا بیت المال ذمہ دار ہوتا ہے۔ نیز اسی طرح اگر ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو تو بیت المال (خزانہ) ہی ان پر خرچ کرے گا۔

(بقیہ حاشیہ) سے چونکہ خاندان کا نام چلتا ہے لہٰذا اس کی خوشی زیادہ ہوتی ہے۔

(۳) شہادت میں مرد اور عورت کا فرق نزاکت، احساس، جذباتیت اور رقّت، قلب کی بناء پر ہے۔

(۴) میراث میں لڑکی کو لڑکے سے کم حصّہ اس لئے ملتا ہے کہ لڑکا مہر دیتا ہے اور بیوی کے جملہ مصارف کا کفیل ہوتا ہے لہٰذا اس کا خرچ لڑکی کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) یہی صورت دیت کی بھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ زمین تھی۔ اُسے آپؐ نے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ آپؐ نے سفارش کی بھی فرمائی۔ بریرۃ نے آپ کی سفارش "مراجعت" کے سلسلہ میں نہ مانی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ناراضی فرمائی، نہ عتاب فرمایا۔[۱] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، شمع راہ اور اسوہ حسنہ ہے۔ اسّی سے زیادہ مواقع پر آپ نے حلف اٹھایا۔ تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو حلف اُٹھانے کا حکم دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ویستنبونك احق ھو قل ای و ربی انہ لحق؛ یعنی: اور تجھ سے معلوم کرتے ہیں کیا یہ سچ ہے؟ کہہ دے ہاں پروردگار کی قسم یہ سچ ہے۔

اور فرمایا:۔ وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعۃ قل بلیٰ و ربی لتاتینکم۔ یعنی: اور ان لوگوں نے جو منکر ہیں کہا ہم پر قیامت نہ آئے گی۔ کہہ دو ہاں پروردگار کی قسم البتہ آئے گی

اور فرمایا:۔ زعم الذین کفروا ان لن تبعثوا قل بلیٰ و ربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم وذالك علی اللہ یسیر؛ یعنی: "دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز وہ مرکر دوبارہ نہیں اٹھیں گے، تو کہہ دے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی، تم کو بے شک اٹھنا ہے، پھر

---

[۱] بریرہ کا واقعہ یہ ہے کہ شوہر سے طلاق لے لی، لیکن فرطِ محبّت کے باعث شوہر نے طلاق واپس لینا چاہی۔ یعنی رجعت کرنا چاہی مگر بریرہ نے تجدید نکاح سے انکار کر دیا، اب شوہر فریادکناں دربار رسالت میں حاضر ہوا، آپؐ کو ترس آیا اور بریرہ سے سفارش فرمائی، بریرہ نے کہا:

"یا رسول اللہ یہ آپؐ کا حکم ہے یا مشورہ"؟

"آپؐ نے فرمایا: مشورہ"!

"بریرہ نے کہا آپؐ کا مشورہ مجھے منظور نہیں"!

آپؐ نے اس پر جبر نہیں کیا خاموش ہو گئے، کیونکہ اسلام میں شادی رضامندی طرفین کا نام ہے اور اگر یہ نہ ہو تو حاکم یا امیر کسی فریق پر جبر نہیں کر سکتا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے ۱۴ سو برس پہلے اسلام نے عورت کو وہ آزادی اور حرّیت عطا فرمائی تھی۔ جو آج بھی اُسے حاصل نہیں ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

تم کو جتنانا ہے، جو تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

قاضی اسماعیل بن اسحاق اکثر ابو بکر محمد بن داود ظاہری سے مباحثہ کیا کرتے تھے اور انہیں فقیہ نہیں مانتے تھے۔ ایک دن یہ صاحب اور ان کے ایک مخالف مقدمہ لے کر آئے تو ابو بکر سے حلف کے لئے کہا گیا یہ حلف کے لئے تیار ہو گئے۔ قاضی اسماعیل نے فرمایا: کیا "اے ابو بکر تم جیسا شخص بھی حلف لے گا"؟ انہوں نے جواب دیا اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنی کتاب میں تین مواقع پر قسم کھانے کا حکم دیا ہے، انہوں نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو ابو بکر نے یہ آیات پڑھ دیں۔ قاضی اسماعیل نے ان کی خوب تعریف فرمائی اور اس دن سے انہیں فقیہ کے نام سے یاد کرنے لگے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حلف میں استثناء کر دیتے، کبھی کفارہ ادا فرماتے اور کبھی اسے نبھاتے۔ استثناء کا مطلب حلف کو روکنا ہے۔ کفارہ کا مطلب قسم کھا کر اس کا عوض ادا کرنا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے "تحلۃ الایمان" قرار دیا۔

آپؐ مذاق بھی فرمایا کرتے، البتہ مذاق میں حق بات ہی کہتے۔ آپ توریہ بھی کرتے لیکن توریہ میں بھی حق بات کہتے، مثلاً کسی سمت کا ارادہ کرتے تو کسی دوسرے سے دریافت فرماتے۔ اس کا راستہ اور پانی کیسا ہے؟ اس کے میدان کیسے ہیں؟ وغیرہ۔ آپ مشورہ کرتے اور مشورہ دیتے بھی تھے۔ آپ مریض کی تیمار داری کرتے، جنازہ میں شریک ہوتے، دعوت قبول فرماتے۔ بیوہ، مسکین اور کمزور لوگوں کی ضروریات کے سلسلہ میں ان کے ساتھ رہتے آپ نے شعر سنا، اس پر انعام بخشا، لیکن اس میں جو آپ کی حمد بیان کی گئی۔ وہ بہت ہی کم تھی پس پر آپ نے انعام دیا۔ آپ کے علاوہ باقی لوگوں کی تعریف اکثر جھوٹ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوڑ کے مقابلہ میں آگے بڑھ گئے۔ آپؐ نے کشتی بھی لڑی آپؐ نے اپنے ہاتھ سے جوتے کی مرمت بھی کی، کپڑوں میں پیوند لگایا، ڈول میں ٹانکا لگایا، بکری کا دودھ دوہا، کپڑے سئے۔ اپنی اور اپنے اہل کی خدمت کی، مسجد کی تعمیر کے موقع پر اینٹیں اٹھائیں۔ کبھی آپ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے اور کبھی سیر ہو کر تناول فرمایا،

آپ مہمان بنے اور میزبان بھی بنے۔ نیز آپ نے سر کے درمیان اور پاؤں کی پشت پر سنگھیاں لگوائیں۔ اور آپ نے گدی اور گردن پر بھی سنگھیاں لگوائیں، آپ نے علاج کرایا، داغ دیا، لیکن داغ لگوایا نہیں۔ دم کیا، لیکن آپ کو دم نہیں کیا گیا اور مریض کو مضرت رساں باتوں سے پرہیز کا حکم دیا۔

طب کے اصول یہی تین ہوتے ہیں۔ پرہیز حفظِ صحت اور مضر مادہ سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی اُمّت کے لئے اپنی کتاب میں یہ تینوں چیزیں جمع کر دیں نقصان سے بچنے کے لئے مریض کو پانی کے استعمال سے پرہیز بتایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفرٍ او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النّساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیّبًا۔ یعنی: اور اگر تم مریض ہو، یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے واپس آئے، یا تم عورتوں کو مس کرو، تم پانی نہ پاؤ تو پاک صاف مٹی سے تیمم کرو۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے مریض کو بخار کی حالت میں تیمّم کی اجازت دی، جس طرح پانی نہ ہونے کی صورت میں بھی اجازت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حفظِ صحت کی خاطر فرمایا:

فمن کان منکم مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدّۃ من ایّام اخر۔ یعنی: پس تم میں سے جو کوئی مریض ہو، یا سفر پر ہو تو بعد کے دنوں میں روزے رکھ لے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مسافر کو رمضان المبارک میں اپنی صحت کے تحفظ کی خاطر افطار کی اجازت دی تاکہ روزہ اور سفر کی تکلیفیں اس پر غالب نہ آجائیں۔ اور اس کی صحت اور قوت پر برا اثر نہ پڑے۔ اور محرم کو استفراغ کے لئے سر منڈانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فرمایا:

فمن کان منکم مریضًا او بہ اذی من رأسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک:۔

یعنی جو تم میں سے مریض ہو یا سر میں تکلیف ہو تو روزوں یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے

یہاں مریض کو اجازت بخشی کہ جس کے سر میں کچھ تکلیف ہو اور اس نے احرام بھی باندھ رکھا ہو تو وہ سر منڈا کر گندے مواد اور خراب بخارات سے کچھ نجات حاصل کر لے، جن سے جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسے کہ کعب بن عجزہ کو تکلیف ہو گئی تھی یا کوئی اور تکلیف (پھوڑے وغیرہ) ہو جائے اور طب کے بھی یہی تین قواعد و اصول ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان میں سے ایک ایک بات کا ذکر فرما دیا تاکہ اس کے بندوں کو صحت کی حفاظت اور فاسد مادوں سے نجات پانے کے لئے ایک راستہ بلکہ نعمت مل جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نوازش اور رحمت و کرم کرنا چاہتا ہے اور وہی مہربان رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات و معمولات

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم معاملات میں سب سے بہتر اور برتر تھے

جب آپ کسی سے قرض لیتے تو بہت عمدگی سے ادا فرماتے جب آپ کسی آدمی سے قرض لیتے تو ادا کرتے اور یہ دعا دیتے :

بارک اللہ فی اھلک ومالک انما جزاء السلف الحمد والاداء : یعنی : اللہ تعالیٰ تیرے گھر اور مال میں برکت دے۔ قرض کی جزاء حمد اور ادائیگی ہے ''

آپ نے ایک آدمی سے چالیس صاع قرض لیے۔ بعد میں انصاری خود محتاج ہو گیا اور آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا، ابھی تک ہمارے پاس کچھ نہیں آیا، اس صحابی نے کچھ عرض کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، اچھی بات کرنا، کیونکہ میں سب سے بہتر ادا کرنے والا ہوں پھر آپ نے اُسے چالیس پہلے اور چالیس مزید یعنی اسّی صاع عطا فرمائے۔ یہ روایت بزاز کی ہے

آپ نے ایک اونٹ ادھار خریدا، اس کے بعد وہ بیچنے والا آیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سختی کے ساتھ تقاضا کرنے لگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسے پکڑنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، کیونکہ حق دار کو کہنے کا حق حاصل ہے۔

ایک بار کوئی چیز خریدی۔ آپ کے پاس کوئی قیمت نہ تھی، آپ نے اس میں نفع حاصل کیا۔ آپ نے اسے بیچنے کے بعد اس کا نفع بنی مطلب کی بیواؤں پر تقسیم فرما دیا اور فرمایا کہ آئندہ میں اسی وقت کوئی چیز خریدوں گا۔ جب میرے پاس قیمت ہو گی۔ اس روایت کو ابوداؤد

نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت ایک مدّت معینہ کی خریداری والی روایت کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا مطلب اور ہے اور اس سے کچھ اور مراد ہے۔

ایک بار ایک قرض خواہ نے سختی کے ساتھ قرض کا تقاضا کیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اسے پکڑنا چاہا، آپ نے فرمایا: اے عمر ٹھہرو، میں اس بات کا زیادہ محتاج تھا کہ مجھے قرض ادا کرنے کی تاکید کرتے اور وہ اس بات کا زیادہ محتاج تھا کہ اُسے صبر کی تلقین کرتے۔

ایک یہودی سے آپ نے مدّتِ مقررہ تک کے وعدہ پر کوئی چیز خریدی وہ وعدہ سے قبل ہی آگیا اور قیمت مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی مدّت پوری نہیں ہوئی، اس نے کہا اے نبی مطلب تم لوگ ٹال مٹول ہی کیا کرتے ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑنا چاہا، آپ نے ان کو روک دیا۔ اور اس کی درشت باتوں کے مقابلہ میں آپ کا حلم بڑھتا ہی گیا۔ آخر یہودی کہنے لگا میں آپ کی نبوّت کی تمام علامات دیکھ چکا تھا۔ ایک باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ وہ نبی ہر جاہلانہ بات کے مقابلہ میں حلیم اور بردبار ہوگا۔ چنانچہ میں نے یہی معلوم کرنا چاہا تھا، وہ یہودی مسلمان ہوگیا۔

تنہا اور صحابہ کرام کے ساتھ چلنے کی سُنّت طیّبہ

جب آپ چلتے توخم کھا کر چلتے اور آپ سب لوگوں سے تیز، زیادہ اچھے انداز میں اور زیادہ سکون سے چلتے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ گویا کہ آپ کے چہرہ مبارک پر سورج چمک رہا ہے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ کی خاطر لپٹی جارہی ہے اور ہم پوری کوشش کرتے لیکن آپ کو نہ پاسکتے۔

علیؓ بن طالب نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے توخم کھا کر چلتے گویا بلندی سے اتر رہے ہیں اور بتایا کہ جب چلتے تو یہ "تقلع" سے چلتے۔ تقلع بلند زمین کو کہتے ہیں۔ بخلاف اونچی جگہ سے اترنے کے اور یہ رفتار وقار اور ہمّت وشجاعت کی علامت ہوتی ہے۔ یہ رفتار تمام رفتاروں سے زیادہ مناسب جسم کے لئے زیادہ آرام دہ اور تھکا دینے والی چال سے بعید ہوتی ہے۔ کیونکہ چلنے والا یا ڈگ بھر بھر کے چلے گا، جیسے احمق اُونٹ چلتا ہے یہ چال بھی مذموم ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کم عقل آدمی ہے، خصوصاً اگر چلتے چلتے دائیں بائیں بھی

دیکھتا جائے اور یا پھر آرام سے چلے گا۔ یہی خدائے رحمٰن کے بندوں کی چال ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا :۔ یعنی "خدائے رحمٰن کے بندے جو زمین پر سکون سے چلتے ہیں"۔

متقدمین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ جو تکبّر کئے بغیر سکون اور وقار سے چلتے ہیں اور اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہی پر وقار چال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھی۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ اونچی جگہ سے اتر رہے ہیں اور زمین گویا آپ کے لئے لپٹی جارہی ہے، یہاں تک کہ ایک پیدل چلنے والا پوری کوشش کرتا پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ پہنچ سکتا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چال متکبرانہ اور تکلیف دہ نہ تھی۔ بلکہ از حد معتدل تھی۔ چال کی دس قسمیں ہوتی ہیں۔ تین قسموں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ چوتھی دوڑنا، پانچویں رمل یعنی جو دوڑنے سے قدرے تیز ہوتی ہے اسے خبب بھی کہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کرتے وقت تین چکر تیز دوڑ ہے کہ جس سے چلنے والا نہ تھکتا ہے اور نہ یہ چال تکلیف دہ ہوتی ہے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع میں بعض چلنے والے لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے میں تکلیف کی شکایت پیش کی۔ آپ نے فرمایا ذرا تیز دوڑ سے مدد لو، ساتویں قسم خوزنی کہلاتی ہے۔ یہ (عورتوں کی طرح) جھک جھک کر چلنے کا نام ہے۔ اس میں انکسار نہیں بلکہ زنانہ پن پایا جاتا ہے۔ آٹھویں قسم قہقری ہوتی ہے۔ یہ دوڑ سے قدرے کم ہوتی ہے۔ نویں جمزی ہے۔ اس میں چلنے والا کود کود کر چلتا ہے۔ دسویں متکبرانہ چال، یہ متکبرین اور غرور کرنے والوں کی چال ہے۔ اور یہ وہ چال ہے کہ اس کی بناء پر ایک (بہت بڑے متکبّر کو) جب اس نے فخر و غرور کا مظاہرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اُسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا اور تمام چالوں سے زیادہ معتدل چال سکون کی ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کے ساتھ آپ اس طرح ہوتے کہ صحابہؓ آپ کے آگے آگے چلتے ——— اور آپ پیچھے رہتے

اور فرماتے کہ میری پشت فرشتوں کے چلنے کے لئے (خالی) چھوڑ دو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام کو اپنے آگے آگے لے کر چلتے تھے۔ کبھی آپ ننگے پاؤں اور کبھی جوتا پہن کر چل لیتے۔ صحابہؓ تنہا اور مجمعًا ہر طرح چلتے۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ میں شریک ہوئے، آپؐ کی انگشت مبارک کٹ گئی۔ اس سے خون بہنے لگا تو آپ نے فرمایا: ھل انت الا اصبع دمیت، یعنی "تو ایک انگلی تھی، جو خون آلود ہو گئی۔ اور فی سبیل اللہ لقیت: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تجھے تکلیف پہنچی" کمزور صحابہؓ کو نرمی سے چلاتے اور ان کو سواری پر ساتھ بٹھا لیتے اور ان کے لئے دعا فرماتے اس روایت کو ابو داود نے ذکر کیا ہے۔

آپ کی نشست اور سہارا لگانے کا طریقہ

آپ زمین چٹائی اور بستر پر (ہر جگہ) بیٹھ جایا کرتے قیلہ بنت مخزمہ نے بتایا کہ ایک بار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اکڑوں تشریف فرما تھے جب میں نے آپؐ کو اس طرح عاجزی سے بیٹھے دیکھا تو ڈر کر کانپ گئی۔ جب عدی بن حاتم حاضر ہوا تو آپ اسے گھر لے گئے تو ایک لونڈی نے آپؐ کی خدمت میں بچھونا پیش کیا، جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔ آپ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا اور زمین پر بیٹھ گئے۔ عدی بتاتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں، بعض اوقات آپ چت لیٹ جایا کرتے تھے، اگا ہے گاہے آپ ایک پاؤں دوسرے پر رکھ دیتے اور لیٹ جاتے۔ کبھی آپ تکیہ سے ٹیک لگا لیتے۔ کبھی دائیں پہلو اور کبھی بائیں پہلو پر بھی ٹیک لگا لیا کرتے۔ جب آپ باہر تشریف لے جانے کی ضرورت محسوس فرماتے تو کمزوری کی وجہ سے کسی صحابی کا سہارا لے لیتے۔

قضائے حاجت کا طریقہ

جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم اعوذ بك من الخبث والخبائث، یعنی، اے اللہ میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ خبائث کا مطلب شیطان مردود کی نجاست اور خباثت ہوتی ہے اور جب آپ وہاں سے فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے تو

پڑھتے غفرانک یعنی "تیری بخشش چاہتا ہوں"۔ کبھی آپ پانی سے استنجا فرماتے اور کبھی پتھر (مٹی) سے، کبھی دونوں کو استعمال فرماتے۔ اور جب آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے اور کبھی آپ کسی چیز سے پردہ فرمالیتے، کبھی کھجور کی ٹہنیوں اور کبھی میدان کے کسی درخت کی اوٹ فرمالیتے۔ اسی طرح جب آپ سخت زمین پر پیشاب کرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین کو ایک لکڑی لے کر اس سے کریدتے۔ یہاں تک کہ وہ نرم ہو جاتی، پھر پیشاب فرماتے اور آپ ہمیشہ پیشاب کرنے کے لئے نرم زمین ہی تلاش فرماتے، جو بالکل پوپلی قسم کی نرم زمین ہوتی اور عام طور پر آپ بیٹھ کر پیشاب فرماتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جو یہ کہے کہ آپ کھڑے ہو کر بھی پیشاب کر لیتے تھے۔ اس کی تصدیق نہ کرنا بلکہ وہ تو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر بھی پیشاب کیا۔ محدثین اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ آپ نے یہ اس وجہ سے کیا کہ آپ کو درد کی شکایت تھی۔ یعنی شرعی عذر کے باعث ایسا کیا) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ شفاء چاہنے کے لیے ایسا کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عربوں کے ہاں پیٹھ کے درد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا علاج ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ آپ نے یہ کام پیشاب سے بچنے اور دور رہنے کے لئے کیا۔ کیونکہ یہ فعل آپ سے اس وقت صادر ہوا جب کہ آپ ایک کوڑے کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ مزبلہ نام کی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے یہ جگہ اونچی تھی کہ اگر یہاں بیٹھ کر پیشاب کیا جاتا تو لوٹ کر اوپر آتا۔ آپؐ نے اسے سترہ بنایا۔ اس طرح آپؐ اس کے اور دیوار کے درمیان ہو گئے۔ اب کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عمرؓ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ یہ عبدالکریم بن ابو مخارق سے مرفوع روایت ہے اور یہ راوی محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ مسند بزاز وغیرہ

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین زیادتی کی باتیں ہیں کہ آدمی کھڑا ہو کر پیشاب کرے یا نماز سے فارغ ہونے سے قبل ہی پیشانی کو صاف کرے یا سجدہ کی جگہ پر پھونک مارے۔ ترمذیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ بزارؒ نے کہا ہے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ سعید بن عبید اللہ کے علاوہ اور کسی راوی نے حضرت عبداللہ بن بریدۃ سے اسے روایت کیا ہے اور انہوں نے کسی قسم کی جرح بھی نہیں کی۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ یہ راوی بصری ہے اور مشہور ثقہ راوی ہے۔ جب آپ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو قرآن پاک کی تلاوت فرمالیتے۔ آپ استنجا (پانی یا ڈھیلے سے) بائیں ہاتھ سے کرتے۔ اس سلسلے میں ایسا کوئی فعل نہ کرتے جو وہمی لوگوں کی عادت ہے۔ مثلاً ذکر کو کھینچنا، کھانسنا، کودنا رسی کو پکڑنا، سیڑھی پر چڑھنا، احلیل کے آخر میں روئی ٹھونسنا، پانی ڈالنا اور بار بار ادھر اُدھر گھومنا، یہ تمام باتیں صرف وہمی لوگوں کی ایجاد ہیں۔

ابوجعفر عقیل کہتے ہیں کہ جب آپ پیشاب کر رہے ہوتے اور کوئی آدمی سلام کرتا تو آپ جواب نہ دیتے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ اور بزارؒ کی مسند میں مذکور ہے کہ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر بعد میں فرمایا۔ میں نے اس خیال سے جواب دیا کہ تم کہو گے کہ میں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ آئندہ اگر مجھے اس حالت میں دیکھو، تو سلام مت کرو، کیونکہ میں سلام کا جواب نہ دوں گا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ بعض کا خیال ہے کہ مسلم کی روایت زیادہ درست ہے۔ کیونکہ وہ روایت ضحاک بن عثمان عن نافع عن ابن عمر سے مروی ہے اور بزار کی روایت ابو بکر سے جو کہ عبداللہ بن عمر کی اولاد میں سے ایک شخص تھے۔ انہوں نے نافعؓ سے روایت کی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ صاحب ابو بکر بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر ہیں۔ امام وغیرہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن ضحاک کی روایت زیادہ افضل ہے اور جب آپ پانی سے استنجا فرماتے تو اس کے بعد زمین پر ہاتھ رگڑتے اور جب آپ رفع حاجت کے لئے بیٹھتے تو جب تک زمین کے بالکل قریب نہ ہو جاتے، تب تک کپڑا نہ اٹھاتے۔

چند اور امور میں آپ کی سُنّت جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے، دینے اور لینے کے موقع پر دائیں طرف سے شروع کرنا اچھا سمجھتے تھے۔ آپ کھانا کھانے، پانی پینے اور پاک کرتے وقت دایاں ہاتھ استعمال فرماتے اور دوسری باتوں کے لئے بایاں ہاتھ استعمال فرماتے۔ مثلاً خراب چیزوں کو ہٹانے اور صاف کرنے کے لئے بھی بایاں ہاتھ استعمال فرماتے تھے۔

سر منڈانے میں آپؐ کی سُنّت یہ تھی، یا تو سارا سر منڈاتے یا سارا رہنے دیتے اور ایسا نہ کرتے کہ کچھ حصہ منڈا دیں اور کچھ حصہ رہنے دیں۔ حلق راس (سر منڈانا) آپ سے صرف قربانی کے موقع پر منقول ہے آپ مسواک کو پسند فرماتے، روزے اور افطار ہر حالت میں مسواک کرتے۔ نیند سے بیدار ہوتے وقت وضو کے وقت نماز: ہ گھر میں تشریف لے جاتے وقت مسواک کرتے۔ آپ اراک کی مسواک کرتے۔ آپ کثرت سے خوشبو لگاتے اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے۔ روایت ہے کہ آپ نورہ[1] بھی استعمال فرماتے۔ ابتداء میں آپ بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دیتے۔ بعد میں آپ نے مانگ نکالنی شروع کر دی۔ اس طرح آپ نے بالوں کے دو حصے کر دیے۔

اور سدل کا مطلب پیچھے کی طرف بغیر مانگ نکالے لٹکا دینا ہے۔ اس صورت میں دو حصے نہ کرتے۔ آپ حمام میں کبھی نہیں گئے۔ غالباً آپ نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں اور حمام والی روایت صحیح نہیں۔ آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ آپ ہر رات سوتے وقت اس میں سے ہر آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے۔

خضاب کے متعلق صحابہؓ کا اختلاف ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے خضاب نہیں لگایا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ خضاب کیا۔ حماد بن سلمہ نے حمید سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب لگاتے ہوئے دیکھا حماد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل نے مجھے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو

---

[1] چونے اور ہڑتال کا مرکب۔

حضرت انسؓ کی موجودگی میں خضاب لگا دیکھا۔ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوشبو استعمال فرماتے تھے کہ آپ کے بال سرخ ہو گئے۔ دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ (سرخ) خضاب لگا ہے، حالانکہ آپ خضاب نہ لگاتے۔ ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا جی، ہاں: آپ گواہ رہیئے، پھر آپؐ نے فرمایا: نہ تو اس کے لئے باعثِ اذیت ہو نہ وہ مجھے دکھ دے اور فرمایا میں نے بڑھاپے کو سرخ دیکھا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں یہ روایت زیادہ معتبر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے نہیں تھے حماد بن سلمہ سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر بڑھاپے کے نشانات تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مانگ کے قریب چند بالوں کے سوا بڑھاپے کی سفیدی نہ تھی۔ جب آپ تیل لگاتے تو اس وقت وہ نظر آجاتے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر اور ڈاڑھی میں کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور آپؐ اکثر سر پر کپڑا رکھا کرتے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے تیل کا کپڑا ہے۔ آپ کنگھی کرنا پسند کرتے، کبھی آپ خود ہی کنگھی کرتے اور کبھی حضرت عائشہؓ کرتیں۔ آپ کے بال نہ زیادہ تھے نہ کم۔ آپ کے بال کانوں کی لَو تک آجاتے، جب بڑھ جاتے تو آپ ان کی چار لٹیں بنا لیتے۔

حضرت ام ہانیؓ بتاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ہمارے یہاں تشریف لائے اور آپ کی چار لٹیں تھیں یہ روایت صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو رد نہ فرماتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس کو ریحان دیا جائے وہ رد نہ کرے، کیونکہ خوشبو مختصر اور ہلکی ہوتی ہے یہ الفاظ روایت میں ہیں بعض حضرات روایت کرتے ہیں کہ جسے خوشبو پیش کی جائے وہ اُسے رد نہ کرے اس کا مطلب پہلی سے مختلف ہے، کیونکہ ریحان لینا زیادہ احسان مندی کی بات نہیں۔ اکثر لوگ ریحان ایک دوسرے کو دیتے ہی رہتے ہیں۔ بخلاف مشک عنبر اور دوسری بیش قیمت خوشبویات کے کہ انہیں عام طور پر دینے کا رواج نہیں، لیکن عروہ بن ثابت کی روایت جو حضرت ثمامہ سے ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم خوشبو رد نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً حدیث ہے کہ وہ تین باتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ تکیہ، تیل اور دودھ کو آپؐ رد نہیں فرماتے تھے، یہ معلول روایت ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی تعلیلات کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کی تعلیل مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کیا بتایا تھا۔ ہاں عبداللہ بن مسلم بن جندب کی اپنے والد سے اور ان کی ابن عمرؓ سے روایت نیز ابو عثمان کے مراسیل سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو ریحان دیا جائے تو اسے رد نہ کرے، کیونکہ یہ جنت سے نکلا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خوشبو دانی تھی، جس سے آپ خوشبو لگایا کرتے اور سب سے زیادہ آپ کو مشک کی خوشبو پسند تھی اور "فاغیہ" خوشبو آپ کو بہت ہی بھلی لگتی، کہتے ہیں کہ یہ حناء کی خوشبو ہوتی ہے۔

مونچھیں ترشوانے کا بیان

ابو عمر بن عبدالبر نے بتایا کہ حسن بن صالح نے سماک سے اور انہوں نے عکرمہؓ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مونچھیں تراشتے تھے اور لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی مونچھیں تراشا کرتے تھے۔ محدثین کی ایک جماعت اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف سمجھتی ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت زید بن ارقمؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں[1] ترمذی اسے صحیح روایت قرار دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔ اور مجوسیوں کے طریقے اختیار نہ کرو۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت مذکور ہے کہ "مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں تراشو صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ چالیس دن رات نہ گزرنے پائیں کہ تم مونچھیں کٹواؤ اور ناخن کٹواو۔

---

[1] یہ حدیث صحیح نہیں ہے (رئیس احمد جعفری)

اسلاف کے مابین مونچھیں کٹوانے اور منڈوانے میں اختلاف رہا ہے کہ کونسا طریقہ بہتر ہے ؟ امام مالک موطا میں لکھتے ہیں کہ اتنی مونچھیں کاٹی جائیں کہ لب کے کنارے ظاہر ہو جائیں یعنی جلد نظر آجائے۔ ابن عبدالحکیم مالک سے روایت کرتے ہیں کہ مونچھیں "اعفاء" کی جائیں اور ڈاڑھی لٹکائی جائے اور اعفاء بالکل جلد سے مونڈنے کا نام نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ مونچھیں مناسب طریقہ سے بنائے ابن قاسم نے ان سے روایت کیا ہے کہ میرے نزدیک مونچھوں کا جڑ سے منڈوا دینا ایک قسم کا مثلہ ہے۔ مالکؒ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعفاء الشارب کا مطلب احاطہ کرنا ہے اور امام مالکؒ اوپر سے بال لینے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ مونچھوں کا بالکل جڑ سے مونڈ دینا بدعت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے مرتکب کو جسمانی سزا دینی چاہیئے اور امام مالک مزید بتاتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب کوئی دکھ پہنچتا تو پھونکنے لگتے، پاؤں چادر میں لمبے کر دیتے اور مونچھوں کو بٹتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے کہ مونچھوں میں اعفاء (مونڈنا) سنّت ہے امام طحاوی بتاتے ہیں کہ ہمیں امام شافعیؒ سے اس کے متعلق کوئی قول نہیں پہنچا اور ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ زفرؒ، اور امام محمدؒ کا مسلک سر اور مونچھوں کے متعلق یہ ہے کہ مونڈ دینا کتروانے سے بہتر ابن خویز منداد مالکی، امام شافعیؒ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان کا مسلک بھی ابو حنیفہؒ کے مطابق تھا۔ ابو عمرؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اثرمؒ نے امام احمدؒ کے متعلق کہا ہے کہ میں نے امام احمد کو دیکھا کہ وہ خوب جڑ سے مونچھوں کو منڈوا دیتے تھے۔ میں نے سنا کہ وہ اس بات کو سُنّت قرار دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ خوب مونڈ دینا چاہیئے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھیں مونڈ دو۔ امام حنبلؒ بتاتے ہیں کہ ابو عبداللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کا کیا خیال ہے ؟ انسان کچھ مونچھیں کٹوا دے یا بالکل منڈوا دے یا کوئی اور طریقہ اختیار کرے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ بالکل منڈوا دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر کتروا دیا تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ ابو محمد نے مغنی میں لکھا ہے کہ اس بات کا اختیار ہے چاہے تو بالکل منڈوا دے اور چاہے تو صاف کتروا دے۔ طحاویؒ بتاتے ہیں کہ مغیرہؓ بن شعبہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے مسواک پر بال رکھ کر اپنی مونچھوں کو کاٹ دیا اور اس طرح بالکل "مونڈنا"

نہیں ہو سکتا اور حضرت عائشہؓ و حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے دلیل پیش کی ہے۔ جنہوں نے آپ کا "اعفاء" (بالکل مونڈ دینا) نہیں دیکھا۔ اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ دس باتیں فطرت کی ہیں ان میں قص الشارب (مونچھوں کو کترانا) روایت کیا ہے اور وہ روایت جو متفق علیہ ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ فطرت کی پانچ باتیں ہیں، ان میں سے مونچھوں کو کتروانا بھی ہے اور مطعون نے اُس حدیث سے دلیل پیش کی ہے کہ جس میں مونڈ دینے کا حکم ذکر ہے اور وہ روایت بھی صحیح ہے۔ نیز حضرت عباس کی روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مونچھوں کو مونڈ دیتے تھے۔ امام طحاوی بتاتے ہیں کہ اس سے اچھی طرح مونڈ دینا مراد ہے اور حقیقتاً یہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے۔ مزید برآں ابوسعید، ابواسید، رافع بن خدیج سہل بن سعد، عبداللہ بن عمر، جابر اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب حضرات مونچھیں منڈوایا کرتے تھے۔ ابراہیم بن محمد بن حاطب بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اس طرح مونچھیں منڈواتے تھے کہ جیسے بال ہی اکھیڑ دیئے ہوں۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ان کی جلد کی سفیدی نظر آتی تھی۔ طحاوی بتلاتے ہیں کہ تمام حضرات کے خیال میں کترنا سنت ہے۔ ہاں حلق (مونڈ دینا) سر پر قیاس کرتے ہوئے زیادہ افضل ہے۔ ایسے ہی مونچھوں کا مونڈ دینا افضل ہے۔

گفتگو، خاموشی، ہنسنے اور رونے میں آپ کی سنّتِ طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ فصیح، شیریں بیان اور گفتگو میں حلاوت اور تسلسل لیئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ کا کلام دلوں میں کھب جاتا اور روح کو گرما دیتا۔ دشمن بھی آپؐ کے ان صفات حمیدہ کے معترف تھے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو واضح اور جُدا جُدا الفاظ بولتے، کلام کو آپ دہراتے، اتنا تیز نہ بولتے کہ سامعین یاد نہ رکھ سکتے۔ اور جملوں میں اتنا سکوت نہ ہوتا کہ وہ گراں گزرتا۔ بلکہ آپ کا انداز کلام ہر لحاظ سے بہتر اور مکمل تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح مسلسل تیز گفتگو نہ فرماتے، بلکہ آپ جُدا جُدا اور واضح گفتگو کرتے کہ پاس بیٹھنے والا اُسے یاد کر لیتا۔ اکثر اوقات آپ ایک بات کو تین تین بار دہراتے

تاکہ خوب یاد ہوجائے اور جب آپ سلام کرتے تو تین بار سلام فرماتے۔ اکثر اوقات آپ خاموش رہتے۔ ضرورت کے بغیر کلام نہ فرماتے۔ آپ کلام کا آغاز اور انجام جبڑوں کے دہانے سے کرتے (یعنی توجہ سے بات فرماتے) آپ جامع کلام فرماتے بات نہ زیادہ طویل ہوتی اور نہ بے معنی حد تک مختصر ہوتی اور ضرورت کے بغیر آپ کلام نہ فرماتے۔ صرف اس معاملہ میں کلام فرماتے۔ جہاں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو چہرے سے ظاہر ہوجاتا۔ آپؐ لغو کلام اور بے ہودہ گو نہ تھے اور نہ تیز کلام تھے اور آپؐ کا ہنسنا اکثر تبسم کی حد تک رہتا بلکہ آپؐ محض تبسم ہی فرماتے۔ آپؐ کے ہنسنے کی آخری حد یہ تھی کہ فقط ڈاڑھیں نظر آجاتیں۔ کسی ہنسی کی بات پر آپ مسکرا دیتے۔ یعنی کوئی قابلِ تعجب بات ہو جاتی، جس کا وقوع نادر اور عجیب سمجھتے۔

ہنسی کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے ایک تو گزر چکا۔ دوسرا خوشی کے باعث ہنسنا، یعنی کوئی ایسی بات یا واقعہ جو گدگدی پیدا کر دے۔ تیسرا غصّے کے وقت ہنسنا یعنی زہر خند اور یہ اکثر غصّہ میں ہوجاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ غصّہ کرنے والا انسان، غصّہ کا سبب دیکھ کر تعجّب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مثلاً دشمن میرے قبضہ میں آچکا ہے اور اب میں اس پر قابض اور با اختیار ہوں، کبھی غصّہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے ہنستا ہے، تاکہ غصّہ سے توجہ ہٹ جائے اور اس کے نتائج ختم ہوجائیں۔

ہنسنے کی طرح آپ کا رونا بھی ایسا ہی تھا کہ اس میں چیخنا چلانا اور آواز نہ تھی۔ جس طرح ہنسنے کے وقت قہقہہ نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح گریہ کے موقع پر اتنا ضرور ہوتا کہ آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں اور آنسو بہ جاتے اور سینہ سے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی۔ کبھی تو میت پر رحمت کے باعث رو پڑتے۔ کبھی اُمّت پر نرمی اور خطرات کے باعث، کبھی اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اور کبھی قرآن مجید سنتے سنتے رو پڑتے۔ یہ آخری رونا محبّت و اشتیاق اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے خوف سے ہوتا، جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السّلام فوت ہوئے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور نرم دلی کے باعث رو دیے اور فرمایا۔

آنکھ روتی ہے، دل غم کھاتا ہے۔ البتہ ہم وہی کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اے ابراہیم تمہارے لئے ہمیں غم ضرور ہے۔

نیز جب آپ نے ایک نوہی کو حالتِ نزع میں دیکھا تو رو پڑے اور جب حضرت ابن مسعودؓ نے آپ کے سامنے سورۃ النساء کی تلاوت کی اور اس مقام پر پہنچے، جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فکیف اذا جئنا من کلّ امّۃ بشھید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیدا

یعنی: پھر کیا حال ہوگا جب ہم بلائیں گے ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلادیں گے تجھ کو اُن لوگوں پر احوال بتانے والا۔

جب عثمان بن مظعون فوت ہوئے تو بھی آپؐ رو دیے پھر جب سورج گرہن ہوا اور آپ نے نماز کسوف پڑھی تو آپ نماز میں رونے لگے اور کہا: اے (میرے) پروردگار کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہ کیا تھا کہ جب تک میں ان میں ہوں تو ان کو عذاب نہ دے گا اور وہ بخشش چاہتے رہیں گے اور ہم بخشش چاہتے ہیں" اور جب آپ اپنی ایک بیٹی کی قبر پر تشریف فرما ہوئے تو رو پڑے اور کبھی آپ رات کی نماز (تہجد) میں روتے تھے۔

رونے کی کئی اقسام ہیں، ایک تو رحم کرتے ہوئے رونا اور نرم دلی سے رونا دوسرا ڈر اور خوف سے رونا، تیسرے محبّت اور اشتیاق میں رونا، چوتھے خوشی و انبساط کا رونا۔ پانچواں تکالیف اور ناقابلِ برداشت مصائب پر رونا، چھٹا غم کا رونا۔ اس موخر اور خوف کے رونے میں فرق یہ ہے کہ غم کا رونا وہ ہوتا ہے، جو کسی گم شدہ محبوب چیز یا گزشتہ مصائب پر ہو اور خوف کا رونا آئندہ متوقع خطرات کے سبب سے ہوتا ہے۔ خوشی و انبساط اور غم کے رونے میں یہ فرق ہے کہ خوشی کا رونا ٹھنڈا ہوتا ہے اور دل بھی مسرور ہوتا ہے اور غم کا رونا گرم ہوتا ہے اور دل بھی غمگین ہوتا ہے۔ اس لئے خوشی کے موقع پر کہا جاتا ہے آنکھوں کی ٹھنڈک، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور غم کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ آنکھوں کی حرارت اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں گرم کرے۔ ساتواں ضعف و ناتوانی کا رونا، آٹھواں منافقت سے رونا۔ اس میں آنکھ روتی ہے اور دل پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے ظاہری طور پر تو یہ آدمی بڑا نرم

دل نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں بڑا سنگدل ہوتا ہے۔ نواں مستعار طور پر رونا اور مزدوری پر یعنی اجرت پر رونا، جیسے رونے والیاں اُجرت لے کر روتی ہیں۔ بقول حضرت عمرؓ بن خطاب یہ عورتیں آنسوؤں کی تجارت کرتی ہیں! اور مردوں کے دکھ پر روتی ہیں۔ دسواں حمایت کرنے کے لئے رونا کہ جب لوگوں کو کسی مصیبت میں روتا دیکھے تو بھی رو پڑے۔ اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔ صرف انہیں روتے دیکھا تو یہ بھی رونے لگا اور جس رونے میں محض آنسو ہوں اور آواز نہ نکلے وہ بند رونا ہوتا ہے اور جس رونے میں آواز بھی ہو تو اُسے بکائے ممدود (آواز والا رونا) کہتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

بکت عینی وحق لھا بکاھا وما یغنی البکاء ولا العویل

یعنی ”میری آنکھ رو پڑی اور اُسے رونے کا حق بھی تو ہے۔ رونے اور چیخنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔“

اور جو محض تکلّف کر کے رویا جائے اسے ”تباکی“ (مصنوعی رونا) کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قابل تعریف اور دوسرا قابل مذمت ہوتا ہے، دکھاوے اور ریاکاری کے لئے نہیں بلکہ نرم دلی اور خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے رونے کی کوشش قابلِ تعریف ہے۔ اور لوگوں کو دکھانے کے لئے رونا قابل مذمت ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بدر کے قیدیوں کے متعلق روتے دیکھا تو دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آگیا تو رو پڑوں گا، ورنہ مصنوعی طور پر رونے کی حالت ضرور کر لوں گا اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بُرا نہیں کہا۔ سلف صالحین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے روؤ، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو۔

خطباتِ نبویؐ

آں حضرتؐ کا انداز و اسلوب خطابت

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے زمین پر، منبر پر اور اونٹ بلکہ اونٹنی پر بھی خطبہ دیا ہے جب آپ خطبہ فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جائیں۔ آواز بلند ہو جاتی اور جلال بڑھ جاتا، جیسے کہ کوئی کسی لشکر سے ڈرا رہا ہو کہ صبح یا شام کو آتے ہی والا ہے اور فرماتے تھے کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا اور شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ذرا سے فرق سے دکھاتے اور فرماتے کہ اس کے بعد سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور بہترین تحفہ (سنت) محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت ہے۔ سب سے بدترین کام بدعت دین میں نئی ایجادات ہیں اور ہر نئی ایجاد (بدعت) گمراہی ہے۔

آپ جو بھی خطبہ دیتے اللہ تعالیٰ کی تعریف سے اُس کا آغاز فرماتے۔ رہا اکثر فقہاء کا یہ کہنا کہ آپ بارش کی دعا کا خطبہ استغفار سے اور عید کا خطبہ تکبیر سے شروع کرتے تو اُن کے پاس اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی سنت نہیں، حالانکہ آپ کی سنت اس سے جدا بات کی متقاضی ہے۔ یعنی تمام خطبات کے آغاز میں الحمد اللہ (اللہ کی تعریف) کہنا ثابت ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کو ترجیح دی۔ نیز آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ مراسیل عطاء وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب منبر پر تشریف لاتے تو چہرۂ انور لوگوں کی طرف کر لیتے پھر السلام علیکم فرماتے۔ امام شعبیؒ بتاتے ہیں کہ ابو بکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپ استغفار پر خطبہ ختم فرماتے۔ آپ زیادہ تر قرآن مجید سے ہی خطبہ دیتے۔

صحیح مسلم میں ام ہشام بنت حارثہ سے روایت ہے کہ میں نے ق والقرآن المجید نبی

صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے سن سن کر یاد کرلی تھی کیونکہ آپ ہر جمعہ مبارک کو منبر پر اسے پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ لوگوں کو خطاب فرماتے: ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب تشریف لاتے تو پڑھتے:

الحمد للہ نستعینہٗ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھد اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد عبدہٗ ورسولہ ارسلہٗ بالحق بشیرًا ونذیرا بین السلمۃ من یطع اللہ ورسولہٗ فقد رشد ومن یعصھما فانہٗ لا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئًا۔

یعنی "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ ہم اُسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش چاہتے ہیں اپنے آپ کی شرارتوں سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اُسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کرے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان کو قیامت کے قریب ہی حق پر خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو بے شک وہ ہدایت پاگیا اور جو دونوں کی نافرمانی کرے۔ تو وہ صرف اپنا نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا"

ابوداؤد نے یونس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن شہابؒ سے جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے منبر پر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی الفاظ بتائے، ہاں انہوں نے اتنا زیادہ بتایا، کہ آپ فرماتے:

"ومن یعصھما فقد غوی" یعنی: کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا تو وہ گمراہ ہو گیا"

ابن شہاب بتاتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جب خطبہ دیتے تو فرمایا کرتے: جو آنے والا ہے وہ قریب ہے اور جو آرہا ہے وہ دور نہیں۔ کسی کی جلدبازی پر اللہ تعالیٰ جلدی نہیں کرتا وہ لوگوں سے ڈرتا نہیں، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا

ہے) نہ کہ جو لوگ چاہتے ہیں ایک بات اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور لوگ کوئی دوسری بات چاہتے ہیں تو ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اگرچہ لوگ ناپسند کریں، جسے اللہ قریب کرے اُسے کوئی دور نہیں کر سکتا اور جسے اللہ دور کرے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

آپؐ کے خطبے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اس کے انعامات و اوصافِ کمال و اسلام کے اصول کی وضاحت، جنت و دوزخ اور قیامت کے ذکر، اللہ سے ڈرنے کا حکم، اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کے مواقع بیان کرنے پر مشتمل ہوتے تھے اور آپ خطبہ دیتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

"اے لوگو! میں جس بات کا حکم کروں تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھتے یا تم ہرگز وہ نہ کروگے۔ ہاں سیدھے ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ۔

اور جب خطاب کی ضرورت و مصلحت ہوتی آپ اُسی وقت خطاب فرمایا کرتے اور آپ جب بھی خطبہ دیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے اور دونوں شہادتیں دیتے (یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اور آپ اپنا نام "اسم علم" کے طور پر ذکر فرماتے۔

نیز آپ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس خطبہ میں شہادتین (دونوں شہادتیں مذکورہ نہ ہوں تو وہ خطبہ گویا کہ ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے اور آپ جب حجرہ سے باہر تشریف لاتے تو آپ کو کوئی اضطراب نہ ہوتا اور آج کل کے خطیبوں کا جیسے فیشن ہے مثلاً بڑے بڑے رومال سر پر باندھنا اور پشت اور گردن پر لٹکا لینا آپ ایسا نہ کرتے۔

آپ کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں، جب آپ اس پر تشریف رکھتے اور لوگوں کی طرف چہرۂ انور کر لیتے تو مؤذن کہتا اور آپ اذان سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نہ بعد میں کچھ بات کرتے۔ پھر جب آپ خطبہ پڑھتے تو مؤذن یا کوئی اور آدمی کوئی بات نہ کرتا۔ جب آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ عصائے مبارک لے لیتے اور آپ منبر پر کھڑے کھڑے اس کا سہارا سا لگا لیتے۔

ابوداؤد نے ابن شہابؒ سے اس طرح روایت کیا ہے اور تینوں خلفاء بعد میں اس طرح

خطبہ دیتے رہے ہیں اور کبھی آپ کمان پر سہارا لگا لیتے، یہ معلوم نہیں کہ آپ نے تلوار پر بھی ٹیک لگائی ہے یا نہیں۔ بعض جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ منبر پر بیٹھ کر تلوار ہاتھ میں لے لیتے اور یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ دین تلوار سے قائم کیا گیا۔ یہ واضح قسم کی جہالت ہے اور اس کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ حدیث میں صاف آتا ہے کہ آپ عصا اور کمان پر ٹیک لگاتے اور دوسری بات یہ ہے کہ دین تو وحی کے ذریعہ قائم ہوا، ہاں تلوار مشرکین اور گمراہ لوگوں کو مٹانے والی ہے اور مدینہ منوّرہ تو صرف قرآن پاک ہی سے فتح ہو چکا تھا، یہاں تو تلوار کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوئی تھی۔ آپ کو جب خطبہ کے دوران میں کام پڑ جاتا تو اُسے پورا کر دیتے اور پھر واپس آکر خطبہ دیتے۔ ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ سرخ قمیص پہنے تشریف لائے، آپ نے خطبہ بند کر دیا۔ منبر سے اتر آئے اور ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا، پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ پھر اس کے بعد فرمایا!

اللہ تعالیٰ نے ٹھیک فرمایا کہ:

انّما اموالکم واولادکم فتنۃ؛ یعنی: تمہارے لیے اموال و اولاد آزمائش ہیں میں نے ان دونوں کو قمیصوں میں لڑھکتے آتے دیکھا تو میں برداشت نہ کر سکا اور خطبہ ختم کیا اور ان کو اٹھا لیا۔

اور سلیک غطفانی حاضر ہوا۔ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اے سلیک اٹھ، دو رکعت نماز پڑھ۔ اور مختصر طور پر ادا کر۔ پھر آپ نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا: اور آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور انہیں مختصر رکھے۔ کبھی آپ مختصر خطبہ ارشاد فرماتے اور کبھی حسبِ ضرورت طویل کر دیتے اور آپ کا ہنگامی خطبہ مرتب خطبہ سے زیادہ طویل ہوتا اور آپ عیدوں کے موقع پر عورتوں کو علیحدہ خطاب فرماتے اور انہیں صدقہ کی ترغیب دیتے۔

العبادات

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ طہارت

وُضو، مسح، تیمُّم

کئی نمازیں ایک ہی وضو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نماز میں اکثر نیا وضو فرماتے اور کبھی کبھی کئی نمازیں ایک ہی وضو میں پڑھ لیتے، کبھی آپ ایک مد پانی سے وضو فرماتے مد کا وزن دمشق کے چار اوقیہ سے لے کر دو تین اوقیہ تک ہوتا[1]۔ وضو میں آپ پانی اچھی طرح استعمال فرماتے۔ لیکن پھر بھی امت کو پانی کے استعمال میں اسراف سے پرہیز کی تلقین فرماتے آپؐ نے فرمایا کہ میری اُمّت میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو وضو میں اسراف کریں گے۔ نیز فرمایا کہ وضو کے وقت بھی ایک شیطان ہوتا ہے جس کو ولہان کہتے ہیں، اس لیے وضو کے وقت وسوسوں سے بچو۔

ایک مرتبہ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے۔

آپ نے فرمایا، پانی میں اسراف نہ کرنا۔

انہوں نے عرض کیا، کیا پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: "ہاں اگرچہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ ہوں"

اور آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایک بار دو دو بار اور تین تین بار عضو کو دھویا بعض روایات میں ایسا ہے کہ آپؐ نے ایک ہی وضو میں کسی عضو کو دو بار اور کسی کو تین بار دھویا کبھی آپ ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور کبھی دو یا تین چلوؤں سے بھی ایسا فرما لیتے۔ کبھی کلی کرتے اور ناک میں پانی لینے کا کام ایک ہی چلو سے کرتے، آدھے چلو سے کلی کرتے، باقی

---

[1] تقریباً ایک سیر وزن۔

آدھے سے ناک میں پانی ڈالتے، باقی دو یا تین چلوؤں کی صورت میں الگ الگ یہ کام کرتے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک چلو سے آپ نے یہ دونوں کام کیے۔ یہ حدیث عبداللہ بن زید کی ہے۔ کسی صحیح حدیث میں مضمضہ (کلّی کرنا) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) کے مابین فعل وارد نہیں ہے۔ لیکن طلحہ بن معرف نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے جد سے جو روایت کی اس سے فعل ثابت ہے لیکن آخری راوی کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔

آں حضرتؐ کا طریقہ مسح

آپ ناک میں سیدھے ہاتھ سے پانی ڈالتے اور جھٹکتے بائیں ہاتھ سے، مسح پورے سر کا کرتے، کبھی آگے پیچھے ہاتھ لگا لیتے، مسح کے ساتھ ساتھ کانوں کا بھی اندر باہر مسح کر لیتے، اس کے لیے الگ سے پانی نہ لیتے۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ احادیث عثمان سے ثابت ہے کہ آپ سر کا مسح ایک مرتبہ کرتے۔ جب صرف پیشانی کا مسح کرتے تو عمامہ پر ہاتھ پھیر کر اس کی تکمیل کر لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ سر کا مسح کرتے، کبھی عمامہ پر مسح کر لیتے، کبھی پیشانی اور عمامہ پر کر لیتے لیکن صرف پیشانی پر مسح کر لینا ثابت نہیں۔

اگر موزے[1] نہ پہنے ہوتے، یا پاتابے[2] استعمال میں نہ ہوتے تو پورے پاؤں کا مسح کرتے، لیکن اگر پہنے ہوتے تو صرف موزوں کا مسح کر لیتے، گردن کا مسح آپ سے ثابت نہیں۔

وضو کے وقت آپ فرماتے۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين۔

سنن نسائی میں مروی ہے کہ وضو کے بعد آپ فرمایا کرتے:

سبحانك وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

---

[1] چرمی موزے [2] سوتی موزے۔

وضو کے بعد آپ ڈاڑھی کا خلال کرتے، لیکن کبھی کبھی، ہمیشہ نہیں۔ لیکن اس بارے میں ائمہ حدیث مختلف الرائے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ احمد اور ابوزرعہ کے نزدیک تخلیل لحیہ (ڈاڑھی میں انگلیوں سے خلال کرنا) ازروئے حدیث ثابت نہیں۔ اسی طرح آپ انگلیوں میں بھی خلال کرتے، لیکن پابندی سے نہیں، کہنی اور ٹخنے سے اوپر پانی ڈالنا ثابت نہیں۔ وضو کے بعد اعضاء کا خشک کرنا بھی مختلف فیہ ہے۔ کبھی خود وضو کر لیتے، کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیتا، جیسا کہ صحیحین میں مغیرہ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ سفر میں آپ کو وضو کرایا، باقی رہا وضو کے وقت انگشتری کو ادھر ادھر گھمانا تو یہ حدیث ضعیف ہے، اسے معمّر نے اپنے والد سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ جیسا کہ دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔

مسح سفر اور حضر میں یکساں جائز ہے

سفر اور حضر، ہر حالت میں آپ نے مسح کیا ہے اور وفات تک یہ سلسلہ جاری رکھا، مسح کی مدّت مقیم کے لیے، ایک شب و روز مسافر کے لیے، تین شب و روز مقرر فرمائی ہے، جو صحیح اور حسن احادیث سے ثابت ہے، آپ چرمی موزوں پر بھی مسح کرتے، جرابوں (اونی، سوتی) پر بھی، اور جوتوں پر بھی، اگر موزے نہ پہنے ہوتے پاؤں دھو لیتے، پہنے ہوتے تو مسح کر لیتے، مسح کرنے کے لیے موزے کبھی نہیں پہنے اور یہی بہتر طریقہ ہے۔

تیمم آپ کس طرح کرتے تھے؟

آپ کا دستور تھا کہ دو ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرے اور ہتھیلیوں کا تیمّم کر لیتے، یہی روایت صحیح ہے۔ دو مرتبہ ہاتھ مارنا یا کہنیوں تک تیمّم کرنا ثابت نہیں ہے۔ امام احمد کا ارشاد ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ تیمم کہنیوں تک کرنا چاہیے، وہ یہ اضافہ اپنی طرف سے کرتا ہے۔ تیمم ہر اُس زمین پر کر لیتے جس پر نماز جائز ہے خواہ وہ مٹی ہو یا ریت یا لونا۔ آپ فرماتے:

"میری امت کا آدمی جہاں کہیں نماز کا وقت پائے تو اس کے پاس اس کی مسجد اور سامانِ طہارت موجود ہے"

وضو کی طرح تیمم سے بھی کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں

ہر نماز کے لیے جدا گانہ تیمم نہ فرماتے نہ آپ نے کبھی اس کا حکم دیا، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائم مقام فرمایا ہے اور یہی بات قرین صواب بھی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

نماز اور ارکان و آداب نماز

تکبیر، قرأت، سکتہ، رکوع، قیام، سجدہ، تشہد

سنّت اور بدعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے اس سے پہلے کچھ نہ کہتے۔ حتیٰ کہ زبان سے نیت بھی نہ کرتے، نہ یہ فرماتے کہ میں چار رکعت نماز کی نیت کعبہ کی طرف رخ کر کے امام یا مقتدی بن کر کرتا ہوں۔ نہ ادا اور قضا کا لفظ استعمال فرماتے، نہ وقت کا نام لیتے یہ ساری باتیں بدعت ہیں۔ اس سلسلے میں آپ سے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔ نہ احادیث صحیحہ سے نہ ضعیف حدیثوں سے، نہ مسند سے، نہ مرسل سے، نہ کسی صحابی سے۔ تابعین میں سے بھی کسی نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا ہے، نہ ائمہ اربعہ نے۔

بعض مورخین نے امام شافعی کے قول سے دھوکا کھایا ہے کہ نماز روزہ کی طرح نہیں ہے کوئی شخص نماز نہیں پڑھ سکتا۔ جب تک ذکر نہ کرے۔ ذکر سے مراد نمازی کا زبان سے نیت کرنا ہے۔ حالانکہ امام شافعی کا مقصد ذکر سے صرف تکبیر ہے۔ بھلا امام شافعی ایک ایسے فعل کو کس طرح لازمی قرار دے سکتے تھے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے یا آپ کے خلفاء و اصحاب نے کسی ایک نماز میں بھی روا نہ رکھا ہو؟ اگر ہمیں ایک حرف بھی ان سے مل جاتا تو ہم سر تسلیم خم کر دیتے کیونکہ نبی کی سنت اور صحابہ کے عمل سے زیادہ کوئی چیز بھی بہتر اور برتر نہیں ہے۔

تکبیر کے لیے آپ دونوں ہاتھ قبلہ رُخ ہو کر کاندھوں یا کانوں تک اس سے

طرح اٹھا لیا کرتے تھے کہ انگلیاں پھیلی ہوئی ہوتیں۔
نماز کا آغاز کبھی آپ اس دعا سے کرتے:

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔
یعنی: "اے اللہ میرے اور میری لغزشوں کے مابین اتنی ہی دوری کر دے جتنی مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔

کبھی فرماتے: اللھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد۔ اللھم نقنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔

"یعنی: اے اللہ میری لغزشوں سے مجھے پانی، اولے اور ٹھنڈ سے دھو ڈال۔
اے اللہ مجھے خطاؤں اور گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے، جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے"۔

کبھی فرماتے: وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔

یعنی: "میں صرف اس اللہ کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں، جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور بلا شبہ میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت اللہ کے لیے ہے، جو ساری جہانوں کا پالنے والا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرمانبردار ہوں"۔

کبھی دس مرتبہ اللہ اکبر فرماتے پھر دس مرتبہ تسبیح کرتے پھر دس مرتبہ حمد کرتے پھر دس مرتبہ تہلیل کرتے، پھر دس مرتبہ استغفار کرتے، پھر دس مرتبہ فرماتے اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی۔

یعنی: "اے اللہ میری مغفرت کر مجھے سیدھا راستہ دکھا، مجھے رزق دے"۔
اس کے بعد دس مرتبہ فرماتے۔ اللھم اعوذبک من ضیق مقام یوم القیامۃ۔

یعنی اے اللہ قیامت کے دن میں ضیق مقام سے تیری پناہ مانگتا ہوں"، یہ تمام باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہیں۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نماز کا آغاز ان الفاظ سے کرتے تھے۔

سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا الٰه غیرك۔

یعنی: اے اللہ تو ہر پاکی اور حمد کا سزاوار ہے، تیرا نام اونچا، تیرا مرتبہ بڑا، تیرے سوا کوئی نہیں، جس کی پرستش کی جائے"۔

اسی طرح کی حدیث حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے مصلّے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اسی دعا کے ساتھ نماز کا آغاز کرتے تھے، تاکہ لوگ اچھی طرح جان لیں امام احمد کا قول ہے کہ میں حضرت عمر کے مسلک کا پابند ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص نماز کا آغاز دوسرے مذکورہ روایات کے مطابق کرے تو وہ بھی درست ہے۔ مذکورہ دعا کے بعد حضرت عمر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھتے، کبھی زور سے، کبھی چپکے سے، لیکن زیادہ تر زور سے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دن رات کی پانچوں نمازوں میں زور سے نہ پڑھتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ بات خلفاء راشدین، جمہور صحابہ اور اہل مدینہ سے پوشیدہ نہ تھی۔

تلاوت فاتحہ کے بعد آپ آمین کہتے۔ اگر فاتحہ با آواز بلند پڑھتے تو آمین بھی آواز سے کہتے۔ اور اگر فاتحہ آہستہ سے پڑھتے تو آمین بھی چپکے سے کہتے، آپ کی قرأت اس طرح ہوتی کہ ہر آیت پر وقف کرتے اور آخری حرف کو کھینچ کر پڑھتے۔

فجر کی نماز زیادہ طویل ہوتی تھی۔

پہلی رکعت میں دو سکتے فرماتے تھے۔ ایک سکتہ پہلی تکبیر کے بعد دوسرا سورۂ فاتحہ ختم کر کے پھر کوئی سورت شروع کر دیتے، جو کبھی طویل ہوتی کبھی مختصر۔ لیکن نماز میں زیادہ تر ایسی سورتیں پڑھتے جو نہ طویل ہوں نہ مختصر۔ البتہ سفر اور معذوری کی حالت میں چھوٹی سورتیں پڑھتے۔ آپ نماز فجر میں ستر سے سو تک آیتیں پڑھتے۔ یہی نماز زیادہ طویل ہوتی تھی۔ جمعہ کے دن اکثر سورہ سجدہ، تنزیل اور ھل اتیٰ پڑھتے۔ یہ آخری دونوں سورتیں یعنی سورہ سجدہ اور ھل اتیٰ ایک ایک رکعت میں پوری پوری پڑھتے۔ آج کل کے بعض لوگوں کی طرح کچھ حصّہ نہ پڑھتے اور نہ دو رکعتوں میں پوری سورۃ پڑھتے۔ یہ خلافِ سنت ہے اور اکثر جاہلوں

کا خیال ہے کہ یوم جمعہ کی فضیلت سورہ سجدہ کی وجہ سے ہے یہ جہل عظیم ہے۔ اسی وجہ سے بعض آئمہ اسے مکروہ سمجھتے تھے کہ سورہ سجدہ اس نماز میں اس خیال کے ماتحت پڑھی جائے۔

رسول اللہ علیہ وسلم اس لیے ان سورتوں کو پڑھتے تھے کہ ان میں مبدا و معاد، خلق آدم، دخول جنت و جہنم کا ذکر ہے۔ اس لیے بڑے بڑے مجمعوں مثلاً عید اور جمعہ کے دن تذکیرات کے لیے ان سورتوں کا پڑھنا ہر طرح مناسب تھا۔ کبھی کبھی ایسے موقعوں پر آپ سورۃ "ق" ، اقتربت، سبح اور غاشیہ بھی پڑھتے تھے۔

ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں

ظہر کی نماز میں آپ کبھی کبھی طویل قرأت کرتے ابو سعید کہتے ہیں کہ نماز ظہر کی اقامت سن کر اس اثنا میں اگر کوئی چاہتا تو بہ آسانی بقیع تک جاکر وہاں قضائے حاجت سے فارغ ہوکر گھر آتا، وضو کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی رکعت میں پا لیتا، کبھی آپ ظہر کی نماز میں بہ قدر "الم تنزیل"، یا "سبح اسم ربك الاعلیٰ" یا "واللیل اذا یغشیٰ" یا "والسماء ذات البروج" یا "والسماء والطارق"۔ کے قرأت کرتے۔

البتہ عصر کی نماز بہ قدر ظہر کے نصف ہوتی، اگر اسے طول دیتے تو، ورنہ پھر ظہر کی مختصر نماز کے برابر ہوتی۔

مغرب میں آج کل کے لوگوں کے برخلاف کبھی سورۃ اعراف جیسی طویل سورۃ پڑھتے کبھی سورۃ طور، کبھی سورۃ مرسلات، بلکہ معوذتین تک۔

عشاء میں "والتین والزیتون" پڑھتے، ایک مرتبہ جب معاذ بھی شریک تھے: "والشمس وضحٰها" پڑھی عام طور پر "سبح اسم ربك الاعلیٰ" اور "واللیل اذا یغشی" پڑھا کرتے۔

حضرت معاذ پر آپؐ کا عتاب

اس سلسلہ میں ایک مرتبہ آپؐ معاذ پر خفا ہوئے، انہوں نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں گئے اور وہاں کے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی اور سورہ "بقر" (جیسی طویل ترین) سورت شروع کردی، آپ کو جب

خبر پہنچی تو فرمایا؟

افتان انت یا معاذ ؟ یعنی "اے معاذ کیا تو فتنہ گر ہے؟"[1]

جمعہ کی نماز میں آپ سورۂ جمعہ و منافقین پوری پڑھتے، علاوہ ازیں سورۂ "سبح" و غاشیہ" بھی۔

عیدین میں بھی سورہ "ق" اور "اقتربت" پوری کی پوری پڑھتے۔ کبھی سورۂ "سبح" و غاشیہ"

یہ تھا آپ کا وہ معمول جس پر دنیا سے رخصت ہوتے وقت تک عامل رہے۔

خلفائے راشدین بھی آپؐ کی اس سنت پر پابندی سے عمل کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ فجر میں سورہ بقرا اور حضرت عمر سورہ یوسف" اور نحل" اور ہود اور بنی اسرائیل جیسی (طویل) سورتیں عام طور پر پڑھا کرتے۔ اگر نماز فجر کی تطویل آپ نے منسوخ کردی ہوتی تو خلفائے راشدین سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی اور اگر رہ بھی جاتی تو دوسرے صحابہ فوراً ٹوکتے اور بتا دیتے۔

باقی رہی وہ حدیث جو مسلم نے اپنی "صحیح" میں جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں "ق" پڑھا کرتے تھے اور بعد میں چھوٹی سورتیں پڑھنے لگے تھے تو یہاں "بعد" سے مراد بعد فجر ہے۔ یعنی آپؐ فجر کی نماز تو طویل پڑھتے تھے۔ اور بعد کی نمازیں مختصر۔

---

[1] اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرورِ کائناتؐ کو اس بات کا کتنا خیال رہتا تھا کہ دین کے معاملات میں لوگوں کو زحمت سے بچا سکیں؟ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کی سہولت کا خیال رکھے، کیونکہ ان مقتدیوں میں مریض، بوڑھے، کمزور، حاجت مند سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

(رئیس احمد جعفری)

سورت معیّن کرکے نماز میں نہ پڑھنی چاہئیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جمعہ اور عیدین کے سوا دوسری تمام نمازوں میں سورت معین کر کے نہیں پڑھا کرتے تھے ۔ چنانچہ ابوداؤد نے عمرو بن شعیب کی روایت درج کی ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

"فرض نمازوں میں چھوٹی بڑی سورتوں میں سے کوئی ایسی سورت نہیں ہے جو میں نے آپ سے (کبھی نہ کبھی) نہ سنی ہو، !"

آپ کا معمول یہ تھا کہ جو سورت پڑھتے پوری پڑھتے، کبھی کوئی سورت دو رکعتوں میں پوری کرتے، کبھی کسی سورت کا ابتدائی حصّہ پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے، لیکن یہ نہ ہوتا کسی سورت کے بیچ سے یا آخر سے قرأت کریں ۔

ایک رکعت میں دو سورتیں بھی آپ پڑھ لیتے تھے لیکن نفل نمازوں میں، فرض میں نہیں ۔

پہلی رکعت دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی

معمولاً آپ کی پہلی رکعت دوسری سے بڑی ہوا کرتی تھی۔ قرأت ختم کرنے کے بعد ذرا دم لیتے، تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے ۔

رکوع اس طرح کرتے کہ دونوں ہاتھوں کے پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے جیسے انہیں پکڑے ہوئے ہیں ۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں سے جُدا رکھتے، پشت مبارک بالکل سیدھی رہتی، سر مبارک نہ بہت زیادہ اٹھا ہوا ہوتا نہ جھکا ہوا، بلکہ پشت کی سیدھ میں رہتا ۔

سبحان ربی العظیم، یعنی "میرا پروردگار پاک ہے اور باعظمت ہے" پڑھتے کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے:

سبحانك اللّٰھم وبحمدك اللّٰھم اغفرلی یعنی: اے اللہ تو پاک ہے، تیری ہی ہم حمد وثنا کرتے ہیں ۔ اے اللہ میری مغفرت فرما ۔

آپ کا رکوع اتنا دراز ہوتا کہ آدمی بآسانی دس مرتبہ سبحانك ربّی العظیم

سکے۔ یہی کیفیت سجدہ کی بھی ہوتی۔

اہلِ سنن نے حضرت انسؓ کی روایت درج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی کے پیچھے آپ کی نماز سے اتنی ملتی جلتی نماز نہیں پڑھی جتنی اس نوجوان کی (مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں) :

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے رکوع و سجود کا اندازہ کیا، تو اندازہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے!

بعدازاں آپؐ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہتے ہوئے سر اٹھاتے۔ اور رفع یدین کی روایت کم و بیش تئیس صحابہ نے کی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اس کے خلاف آپؐ سے کچھ ثابت نہیں ہے، اور اس دنیا سے رخصت ہونے وقت تک آپ کا یہی معمول رہا۔[1]

رکوع سے فراغت کے بعد آپؐ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے اور فراغت اَللّٰھُمَّ وَلَکَ الْحَمْدُ۔

اور کبھی ارشاد فرماتے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ، یعنی "رَبَّنَا" اور "وَلَکَ" کے درمیان واو کا استعمال نہ کرتے، پہلی صورت صحیح نہیں ہے، دوسری صحیح ہے، آپ کا یہ رکن (قیام) بھی بہ قدر رکوع و سجود دراز ہوتا قیام کے دوران میں آپؐ یہ دعا پڑھتے، جو آپؐ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

سمع اللّٰہ لمن حمدہ، اللّٰھم ربنا لک الحمد ملء السماوات وملء الارض وملء ما شئت

---

[1] حضرات اہل حدیث اور بعض دوسرے آئمہ کرام کا مسلک یہی ہے لیکن احناف کے ہاں "رفع یدین"، یعنی رکوع کے بعد دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کان تک لے جانا اگرچہ جائز ہے لیکن ضروری نہیں۔ اختلاف استحباب میں ہے، واقعہ میں نہیں۔ ابن قیمؒ اور دوسرے اکابر کا خیال ہے کہ آپؐ زندگی بھر اس پر عامل رہے لیکن ائمۂ احناف کے نزدیک یہ دعویٰ ثابت نہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

من شيئ بعد أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد وكلنا لك عبد، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کی حمد سن لی، جو اس نے بیان کی، اے خدا، تو سزاوار حمد ہے، آسمانوں کے برابر، زمین کے برابر اور اس چیز کے برابر، جو ارض وسما کی پہنائی کے بعد بھی تو پسند فرمائے۔ تیرے ہی لیے وہ تعریف وثنا ہے جو بندہ کر سکے اور ہم سب تیرے بندے ہیں، اے اللہ جسے تو دینا چاہے اس کا کوئی مانع نہیں اور جسے تو کچھ نہ دینا چاہے اسے کوئی دے نہیں سکتا، اور نہ کوئی صاحب ثروت اپنی ثروت کے باعث تیرے عذاب سے بچ سکتا ہے!

اس کے بعد آپ رفع یدین کیے بغیر سجدے سیدھے جاتے، بعض حفاظ...... ......حدیث کا خیال ہے کہ اس موقع پر بھی آپؐ رفع یدین کرتے تھے، مثلاً محمد بن حزم یہی کہتے ہیں، لیکن یہ ان کا وہم ہے، امر واقعہ یہ نہیں ہے۔

سجدے کا طریقہ اور اسلوب اور دعائیں

سجدے کے وقت پہلے آپ گھٹنے زمین پر رکھتے پھر ہاتھ، اس کے بعد ماتھا اور ناک۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے، وائل بن حجر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدے میں پہلے آپ گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ رکھتے اور جب سجدے سے اٹھنے لگتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔ اس کے خلاف کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

سجدے کی حالت میں آپؐ کا دستور یہ تھا اور ناک اچھی طرح زمین سے لگا دیتے ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھتے، پنجے کندھوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے۔

صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جب سجدے میں جاؤ تو ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ لو، اور کہنیاں اٹھالو۔"

آپؐ کا سجدہ معتدل تھا، پیٹھ سیدھی رہتی، دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ ہوتے۔ ہتھیلیوں اور انگلیوں کو پھیلا دیتے۔ انگلیاں نہ باہم پیوست

ہوتیں نہ جلا جدا ۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ رکوع میں جب جاتے تو یہ پڑھتے :

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی لیعنی میرا رب پاک ہے اور برتر ہے ۔

سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي لیعنی : اے ہمارے رب تو پاک ہے ، تو ہر حمد کا سزاوار ہے ، میری مغفرت فرما ۔

نیز آپ فرماتے :

اللهم اني اعوذ برضاك من سخطك وعجا ناتك من عقوبتك ۔ واعوذ بك منك لا احصي ثناءً عليك انت كما اثنيت على نفسك ۔

لیعنی " اے اللہ بلاشبہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غصّے سے تیری رضا کا واسطہ دے کر اور پناہ طلب کرتا ہوں تیرے عذاب سے ، تیرے عفو کا واسطہ دے کر ، تیری حمد کا شمار کرنا میرے بس سے باہر ہے ، بے شک تو ویسا ہی ہے جیسا اپنے بارے میں تو نے فرمایا ہے ۔

اللهم اغفرلي خطيئتي وجهلي واسرافي في امري وما انت اعلم به مني ، اللهم اغفرلي جدي ۔ وهزلي وخطائي وعمدي وكل ذالك عندي ۔ اللهم اغفرلي ماقدمت وما اخرت ۔ وما اسررت وما اعلنت انت الهي لا اله الا انت ۔

لیعنی : اے میرے پروردگار میری خطا کاری اور جہالت سے درگزر فرما ، میری زیادتی معاف کر ، میرا وہ گناہ بھی بخش دے ، جس کا میرے مقابلہ میں تجھے زیادہ علم ہے ۔ اے میرے پروردگار میری سعی و کوشش ، میری ہنسی دل لگی ، میری لغزش اور میرا ارادہ ہر برائی جو میرے اندر ہے اسے بخش دے اے میرے پروردگار ، میرے مقدم اور مؤخر گناہ بخش دے ، وہ گناہ بھی جو میں نے علانیہ کیا اور چھپا کر کیا ، تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں ۔"

دعائے سجدہ کے بارے میں آپ کا ارشاد تھا کہ خوب اچھی طرح گڑگڑا کر مانگا کرو ۔

قیام اور سجود میں افضلیت کا سوال

اس باب میں اختلاف ہے کہ قیام اور سجود میں فضیلت کسے حاصل ہے ؟

ایک جماعت کا خیال ہے کہ قیام کو متعدد وجوہ سے افضلیت حاصل ہے۔
۱۔ اس لیے کہ اس میں جو ذکر ہے وہ افضل الاذکار ہے اور یہ رکن بھی افضل الارکان ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "قوموا للہ قانتین"
۳۔ ارشاد نبوی ہے۔ "افضل الصلاۃ طول القنوت"
ایک دوسری جماعت ہے جو سجدے کو قیام سے افضل مانتی ہے۔
۱۔ اس جماعت کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔
"جب کوئی بندہ سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بڑھا دیتا ہے اور اس کی خطائیں گھٹا دیتا ہے۔
۲۔ ربیعہ بن کعب وسلمی نے جنت میں آپ کی مرافقت و مصاحبت کی استدعا کی، تو آپؐ نے فرمایا:۔
خوب سجدے کرو،"!
۳۔ آں حضرتؐ پر جو پہلی سورت نازل ہوئی، وہ "اقرأ" ہے، اس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا ہے۔ واسجد واقترب، یعنی: سجدہ کیجیے اور خدا کا قرب حاصل کیجیے:
۴۔ سجدہ کرنے والا اپنے رب کے سامنے سرفگندہ ہوکر حاضر ہوتا ہے اور ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔ اس طرح وہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے۔
۵۔ سجدہ رازِ عبودیت ہے اور عبودیت نام ہے تذلّل کا اور خضوع کا۔
ایک جماعت کا خیال ہے کہ رات میں طول قیام افضل ہے اور دن میں کثرت رکوع و سجود افضل ہے۔

تشہد کے لئے بیٹھنے کا طریقہ

جب آپ کا قیام طویل ہوتا تو رکوع و سجود بھی طویل ہوتے اور جب قیام مختصر فرماتے تو رکوع اور سجود بھی مختصر خواہ وہ نماز تہجد ہو یا فرض۔

تکبیر کہتے ہوئے آپ سجدے سے اُٹھتے، پھر بایاں پاؤں بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے۔ داہنا پاؤں کھڑا رکھتے، رانوں پر ہاتھ یوں رکھتے کہ کہنیاں رانوں پر ٹکی رہتیں نیچے گھٹنوں پر ہوتے۔

سجدے سے فارغ ہوکر جب تشہّد کے لیے بیٹھتے تو وہ انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور دائرہ سا بنا کر انگشت شہادت اٹھا کر اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے۔ وائل بن حجر نے اس طرح روایت کیا ہے۔ آپ قعدہ اتنی دیر کرتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی۔

ابوحاتم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ آپؐ اس موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے:

اللھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی یعنی، اُے میرے پروردگار میری مغفرت کر، مجھ پر رحم کر، میری مدد فرما: مجھے سیدھا راستہ دکھا، اور رزق عطا فرما۔

آپ تشہد میں کیا اور کس طرح پڑھتے؟

پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو جیسا کہ وائل اور ابوہریرہ کی روایت ہے کہ قدموں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا، زمین پر ہاتھ ٹیک کر نہ اٹھتے۔

جب آپؐ کھڑے ہوتے تو فوراً قرأت شروع کر دیتے اور اختتام صلوٰۃ کے وقت جس طرح ذرا سا سکوت فرماتے اس طرح پر ایسا نہ کرتے، جب التحیات کے لیے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھتے، پھر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے، اسے خم کرتے اور حرکت دیتے، چھنگلی اور اس کے بعد کی انگلی اور انگوٹھے سے دائرہ بنا لیتے۔ صرف انگشتِ شہادت باہر رہتی اس پر نظر جمی رہتی اسے آہستہ آہستہ جنبش دیتے اور دعا کرتے، بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی جگہ پر رہتیں، نشست بالکل ایسی ہی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد ہوا کرتی۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ جب دوسری رکعت میں آپ جلوس کرتے بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، لیکن جب آخری رکعت میں جلوس کرتے تو داہنا پاؤں پہلے کی طرح کھڑا کرتے اور بایاں پاؤں اس کے نیچے سے نکال لیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کر بیٹھ جاتے۔ پھر تشہد پڑھتے۔

التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات السلام علیک ایھا النبیؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

یعنی: ساری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے نبیؐ سلام ہو آپ پر اور اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں آپ پر، ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے، اور رسول ہیں۔

پہلے تشہد میں، کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے اپنے اوپر یا اپنی آل پر درود بھیجا ہو، نہ عذابِ قبر، عذابِ دوزخ، فتنۂ حیات و ممات اور فتنۂ مسیحِ دجال سے پناہ مانگی۔ البتہ تشہد اخیر میں ان باتوں کا فرمانا، حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

نماز کی دعا اور نماز کے بعد سلام

نماز کے دوران میں کون سے کام کئے جا سکتے ہیں۔؟

نماز میں دُعا مانگنے کے سات مقامات وہ مقامات جہاں آپ نماز میں دعا مانگتے سات تھے۔

۱۔ ابتدائے (نماز) میں تکبیر تحریمہ کے بعد

۲۔ وتر میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اور رکوع سے پہلے، اور صبح کی نماز میں رکوع سے قبل بصورت قنوتِ عارضہ کے بشرطیکہ یہ درست ہو کیونکہ روایت محل نظر ہے۔

۳۔ رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے کے بعد جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلّم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پڑھتے۔

سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لک الحمد ملء السموات وملء الارض وملء ما شئت من شئی بعد اللھم طھرنی بالثلج والبرد والماء البارد اللھم طھرنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الوسخ۔

یعنی: جس نے اللہ کی تعریف کی اس نے سن لی۔ اے اللہ، اے ہمارے پروردگار تو سزاوار حمد ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پہنائی کے مطابق اور اس کے بعد جس چیز کو تو چاہے اس کی پہنائی کے مطابق۔ اے اللہ مجھے برف، ٹھنڈ اور ٹھنڈے پانی سے پاک کر دے۔ اے اللہ مجھے گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح پاک فرما جیسے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔

۴- رکوع میں آپ پڑھا کرتے: سبحانك اللّٰھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی-
یعنی: "اے اللہ پاک ہے- ہمارے پروردگار تو سترا وار حمد ہے- اے اللہ مجھے بخش دے"
۵- سجدہ میں آپ دعا فرماتے اور اس موقع پر آپ اکثر دعا کیا کرتے-
۶- دو سجدوں کے درمیان-
۷- حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت فضالہ بن عبید کی روایت میں اسی کا حکم دیا گیا ہے- نیز آپ نے سجدہ میں دعا مانگنے کا بھی حکم دیا ہے- رہی وہ دعا جو نماز کے بعد سلام پھیر کر قبلہ رخ یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے کرتے ہیں- اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے کچھ ثابت نہیں- اور نہ صحیح یا حسن سند سے روایت ہے- نیز فجر اور عصر کی نماز کے بعد اس کی تخصیص نہ آپؐ نے خود کی اور نہ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے یہ تخصیص کی ہے اور نہ امت کو اس کا حکم فرمایا ہے- ان کے علاوہ جس نے بھی اسے جائز سمجھا سنت نہیں بلکہ محض استحسان سمجھا-

نماز کی دوسری عام دعائیں

نماز کے متعلق (دیگر) عام ادعیہ کا آپؐ نے اہتمام بھی کیا ہے اور حکم بھی فرمایا ہے- ان کا تعلق نمازی کے احوال سے ہوتا ہے- کیونکہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہے، جب تک وہ نماز میں رہتا ہے وہ اسی سے سرگوشی کر رہا ہے- اور جب سلام پھیر دیتا ہے تو یہ سرگوشی منقطع ہو جاتی ہے اور اس کا قرب و حضور سامنے سے ہٹ جاتا ہے- اس لیے قرب و سرگوشی کی حالت میں اور اس کی طرف توجہ کی صورت میں دعا کیسے ترک کر سکتا ہے! نیز جب وہ سلام پھیرتا ہے تو پھر دست سوال پھیلا دیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس حالت کا عکس نمازی کے لیے زیادہ بہتر ہے- یاد رکھیئے یہاں ایک لطیف نکتہ بھی ہے- وہ یہ کہ جب نمازی نماز سے فارغ ہوا اور اللہ کا ذکر کرے (لاالہ الا اللہ) تہلیل کرے- تسبیح پڑھے، حمد کرے اور نماز کے بعد شروع اذکار سے اس کی بزرگی بیان کرے تو پھر نمازی کو چاہیے کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود شریف

پڑھے اور (پھر) جو چاہے دعا کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اس دوسری عبادت کے بعد ہی دعا مانگے، نہ کہ فقط نماز کے بعد، کیونکہ جب اس نے اللہ کا ذکر کیا، حمد کی اور اس کی ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجا تو اس کام کے بعد اس کی دعا قبول ہو گی جیسا کہ حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی دعا کرے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دائیں طرف سلام پھیرتے اور (کہتے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسی طرح بائیں طرف بھی کرتے۔ اسے پندرہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عبداللہؓ بن مسعود، سعد بن ابیؓ وقاص، سہلؓ بن سعد صاعدی، وائلؓ بن حجرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حذیفہؓ بن یمان، عمارؓ بن یاسر، عبداللہؓ بن عمرؓ، جابرؓ بن سمرۃ، براءؓ بن عازب ابو مالکؓ اشعری، حسنؓ بن علی، اوسؓ بن اوس، ابو رمثہؓ، عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہم،

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ آپ سامنے کے رُخ پر ایک تسلیم سے سلام پھیرتے۔ لیکن یہ صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ اس بحث میں زیادہ صحیح روایت حضرت عائشہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ایک ہی تسلیم سے پھیرتے تھے، یعنی السلام علیکم فرماتے۔ آپؐ کی آواز اتنی بلند ہوتی کہ ہم جاگ جاتے یہ روایت معلول ہے۔ گو سنن میں ہے مگر یہ رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں ہے، جن لوگوں نے دو تسلیمات ذکر کیے، ہیں انہوں نے فرض و نفل میں جو مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کی روایت محض ایک سلام پر منحصر نہیں۔ بلکہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ ایک سلام کرتے اور اس سے ہمیں جگا دیتے۔ دوسری تسلیم کا ذکر نہیں کیا بلکہ خاموش رہیں اور ان کا سکوت اس راوی کی روایت پر مقدم نہیں ہو سکتا کہ جس نے روایت کو یاد کیا ضبط کیا، ان رواۃ کی تعداد بھی کثیر ہے اور ان کے روایات بھی زیادہ درست ہیں۔ ان کے اکثر روایات صحیح اور باقی حسن ہیں۔

ابو عمر بن بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عائشہ کی

روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایک سلام مروی ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی روایت ہے، لیکن ان کی روایت معلول ہے اور محدثین اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے حضرت سعدؓ کے روایات کا ذکر کیا ہے کہ آپ نماز بیں ایک ہی سلام کرتے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہم ہے اور غلط ہے بلکہ روایت یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرتے۔ اس کے بعد ابن مبارک کے طریق پر حضرت مصعب بن ثابت سے اور انہوں نے اسماعیل بن محمد بن سعد سے اور انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے اپنے والد سے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دائیں اور بائیں سلام پھیرتے ہوئے دیکھا۔ گویا کہ میں اب بھی آپ کے چہرے کا حصّہ دیکھ رہا ہوں۔ (اس پر) امام زہریؒ نے فرمایا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذخیرہ احادیث میں اسے نہیں پایا۔

اسماعیل بن محمدؒ نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ کی تمام احادیث آپ سُن چکے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "نہیں"۔ آپ نے فرمایا، تو کیا نصف سن لیں؟ انہوں نے جواب دیا "نہیں"، تو وہ کہنے لگے اِسے اس نصف میں سے سمجھ لیجیے، جو آپ نے نہیں سنی ہیں،"۔

رہی حضرت عائشہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے وہ روایت کہ آپ ایک ہی تسلیم سے سلام پھیرتے، تو اسے تنہا زہیر بن محمد نے ہشام بن عروۃ سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ پھر عمرو بن ابی سلمۃ وغیرہ نے روایت کیا۔ زہیر بن محمد تمام محدثین کے نزدیک ضعیف اور کثیر الخطاء ہیں، ان کی روایت سے حجت نہیں لائی جاتی۔ یحییٰ بن معین نے اس روایت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ عمرو بن ابی سلمۃ اور زہیر کی روایات ضعیف ہیں، جو حجت نہیں ہو سکتیں۔ نیز بتایا ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت صرف ایوب سختیانی کی سند سے مروی ہے۔ حالانکہ ان کے خیال میں ایوب نے حضرت انسؓ سے کچھ بھی نہیں سُنا۔ نیز کہا ہے۔

کہ حضرت حسنؓ سے مرسل روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ایک ہی تسلیم سے سلام پھیرا کرتے تھے۔ حالانکہ ایک تسلیم کے قائلین کے پاس عمل اہلِ مدینہ کے سوا کوئی حجت نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عمل انہیں اکابر سے متوارث طور پر پہنچا ہے۔ حالانکہ اس طرح کی بات کو دلیل بنانا صحیح نہیں، کیونکہ یہ مخفی نہیں ہے کہ یہ فعل ہر روز کئی مرتبہ صادر ہوتا رہا، لیکن اس کے باوجود تمام فقہا نے اس کی مخالفت کی ہے اور درست طریقہ ان ہی کا ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ثابت شدہ سنن اہل شہر کے عمل سے رد نہیں ہو سکتیں اور نہ ہٹائی جاسکتی ہیں۔ چاہے (اہل شہر) کوئی سے بھی ہوں۔ نیز حکام[۱] نے مدینہ وغیرہ میں نماز کے اندر چند جدید امور چلا دیے تھے، جن پر عمل جاری رہا اور ان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ اور اہلِ مدینہ کا جو عمل خلفائے راشدین کے عہد میں تھا وہ ہی قابل حجت ہے، لیکن وہ عمل جو خلفائے راشدین کے بعد یا زمانہ صحابہؓ کے ختم ہو جانے کے بعد کا ہے تو اس میں اور (اہلِ مدینہ) کے علاوہ دوسروں کے عمل میں کچھ فرق نہیں اور لوگوں کو سنّت پر عمل کا حکم دیا جاتا ہے نہ کہ اس عمل کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے بعد کا ہے۔

آں حضرت کی نماز میں دُعا

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نماز میں دعا مانگتے:

اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر واعوذبك من فتنة المسیح الدجال واعوذبك من فتنة المحیاء والممات اللھم انی اعوذبك من الماثم والمغرم۔

یعنی: اے اللہ میں عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مرگ و حیات کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں،،

---

[۱] بنو امیہ مراد ہیں۔

اور آپ نماز میں پڑھا کرتے: اللھم اغفر لی ذنبی و وسّع لی فی داری و بارك لی فیما رزقتنی۔

یعنی: اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے میرے گھر میں وسعت عطا فرما اور جو تو نے مجھے رزق دیا اس میں برکت دے۔"

نیز پڑھا کرتے تھے: اللھم انی اسئالك الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد وسئالك شکر نعمتك وحسن عبادتك واسئالك قلبا سلیما ولسانا صادقا واسئالك من خیر ما تعلم واعوذبك من شر ما تعلم واستغفرك لما تعلم۔

یعنی: اے اللہ میں امور میں ثابت قدمی، نیکی پر عزم کی استدعا کرتا ہوں اور تیری نعمت کا شکر کرنے، تیری اچھی عبادت کرنے کی (توفیق) چاہتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم، زبانِ صادق چاہتا ہوں اور تجھ سے ہر اس بھلائی کی درخواست کرتا ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو تو جانتا ہے اس سے تیری بخشش چاہتا ہوں۔

اور سجدہ میں آپ پڑھا کرتے: رب اعط نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا۔

یعنی: "اے میرے پروردگار مجھے پرہیز گاری عطا فرما اور پاک کر دے تو ہی بہتر ہے جو پاک کرے۔ تو ہی کارساز اور آقا ہے۔"

نیز رکوع، سجدہ، قعدہ اور اعتدال رکوع میں جو دعائیں پڑھتے ان کا کچھ ذکر ہو چکا ہے۔

دعا صرف اپنے لئے یا جماعت کیلئے

نماز میں آپ کی جس قدر منقول ادعیہ ہیں وہ مفرد صیغہ سے مذکور ہیں جیسے رب اغفر لی وارحمنی وھدنی۔

"یعنی: اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے۔"

اسی طرح تمام منقول ادعیہ کا معاملہ ہے، نماز کے افتتاح پر جو دعا ہے وہ بھی

اسی طرح (مفرد صیغہ سے ہے) اللھم اغسلنی من خطایای بالثلج والبرد والماء البارد اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔

امام احمد رحمۃ اللہ اور محدثین نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت نقل کی ہے کہ کوئی شخص اپنی جماعت کی اس طرح امامت نہ کرے کہ دعا میں اپنی ہی تخصیص کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کی۔

ابن خزیمہ رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح سے سند میں روایت کیا اور یہ حدیث اللھم باعد بینی وبین خطایای لکھ کر فرمایا کہ یہ روایت اس روایت کا رد کرتی ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی امامت اس طرح نہ کرے کہ دعا میں اپنی تخصیص کرے اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کی اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ سے سنا کہ وہ اس حدیث کے متعلق فرمایا کرتے۔ میرے نزدیک یہ حدیث اس دعا کے متعلق ہے کہ جب امام اپنے مقتدیوں کے لئے (اجتماعی) صورت میں دعا کر رہا ہو۔ جیسے دعائے قنوت وغیرہ۔

نماز کے دوران میں دوسروں کے آرام اور ضرورت کا خیال رکھا جا سکتا ہے

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نماز میں کھڑے ہوتے تو سر جھکا لیتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے اور تشہد میں آپ کی نگاہ انگلی کے اشارہ سے آگے نہ بڑھتی اور یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، نعمت، خوشی اور روح نماز میں کر رکھی تھی اور فرمایا کرتے تھے اے بلال رضی اللہ عنہ ہمیں نماز سے شاد کام کر، اور فرمایا کرتے: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اس کے باوجود نماز کی یہ کیفیات آپ کو مقتدیوں کے احوال سے غافل نہ ہوتے دیتیں، اگرچہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام اور قرب خصوصی حاصل تھا۔ آپ نماز شروع کرتے تو طویل کر دیتے پھر کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو اس خیال سے مختصر کر دیتے کہ کہیں ماں پر بار نہ گزرے۔ آپ نے ایک سوار بھیجا جو (فوج کا) پیش رو تھا۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور جس قبیلہ سے وہ سوار آ رہا تھا۔ اس کی طرف

التفات بھی کرنے لگے۔ چنانچہ سوار کے احوال سے بے خبر نہ رہے۔ اس طرح آپ فرض نماز ادا کر رہے تھے اور آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص بن ربیع کو کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ جب آپ رکوع و سجدہ کرتے تو اسے نیچے بٹھا دیتے۔ نیز آپ نماز میں ہوتے اور حسنؓ و حسینؓ آتے تو وہ آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے اور آپ طویل سجدہ کرتے اس خیال سے کہ وہ پشت سے گر نہ پڑیں۔ آپ نماز میں مشغول ہوتے، حضرت عائشہؓ اپنے کام سے آتیں اور (مسجد) کا دروازہ بند ہوتا تو آپ اس طرف تشریف لے جاتے اور دروازہ کھول دیتے۔ پھر نماز میں لوٹ آتے۔ نیز جو آپ کو سلام عرض کرتا، آپ اشارے سے اس کا جواب دیتے، حالانکہ آپ نماز میں ہوتے۔

حضرت جابر بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے ایک کام سے بھیجا۔ جب میں واپس حاضر ہوا تو آپ نماز میں تھے۔ میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے اشارہ (سے جواب دیا) اس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نماز میں اشارہ کر لیتے تھے۔ اسے امام احمدؒ نے نقل فرمایا۔ حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس سے گزرا، آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا آپ نے اشارہ سے جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ بتایا کہ آپ نے انگلی سے اشارہ کیا، یہ روایت سنن اور مسند میں مذکور ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم قباء کی طرف تشریف لے گئے وہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے (راوی نے بتایا کہ آپ کے پاس انصار حاضر ہوئے اور انہوں نے سلام عرض کیا، آپؐ نماز میں مشغول تھے۔ میں نے حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو تم نے کس طرح جواب دیتے دیکھا۔ جب لوگ حالت نماز میں ایسا سلام کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ یوں فرماتے اور (اس پر) جعفر بن عون نے ہاتھ کھولا اور اندر کا حصّہ نیچا کر دیا اور پشت ذرا اونچی کر دی۔ یہ سنن اور مسند میں منقول ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح بتایا اور الفاظ یہ ہیں "وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے" اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب میں حبشہ سے واپس آیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے میں نے سلام عرض کیا تو آپؐ نے سر سے اشارہ فرمایا۔ اس روایت کو بیہقی نے نقل کیا ہے۔ رہی وہ روایت جو ابوغطفان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا کہ جس سے مطلب سمجھا جا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ نماز کا اعادہ کرے۔ یہ روایت باطل ہے اور دارقطنیؒ نے اس کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ابن ابی داؤد کے نزدیک ابوغطفان ایک مجہول آدمی ہے اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نماز میں اشارہ کر لیا کرتے تھے۔

اس کو حضرت انس اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے (نیز) آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضؓ آپ کے اور قبلہ کے درمیان (لیٹی) ہوتیں۔ چنانچہ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ انہیں ہاتھ سے اشارہ فرما دیتے۔ وہ اپنی ٹانگیں سکیڑ لیتیں اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تو پھر پھیلا دیتیں۔ کبھی آپؐ منبر پر نماز پڑھتے اسی پر رکوع فرما لیتے اور جب سجدہ کا موقع آتا تو اترتے۔ اور زمین پر سجدہ کر لیتے۔ پھر اس پر چڑھ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ دیوار کے رُخ پر نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک چوپایہ آیا اور آپ کے سامنے سے گزرنے لگا۔ آپؐ اُسے ہٹانے لگے۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ دیوار سے لگا دیا، آپؐ نماز میں مصروف تھے کہ بنی عبدالمطلب کی دو لڑکیاں آئیں، جو آپس میں لڑ رہی تھیں۔ آپ نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور اُن کو ایک دوسرے سے چھڑایا، حالانکہ نماز میں تھے۔ امام احمدؒ نے یہ الفاظ مزید لکھے" تو ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے پکڑ لیے۔ آپ نے ان دونوں کو علیحدہ کیا اور (نماز) نہ توڑی۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک لڑکا گزرا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے (اشارۃً) ادھر فرمایا تو وہ واپس ہو گیا (نیز) آپ کے سامنے سے ایک لڑکی گذری تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے (اشارۃً) ادھر فرمایا تو وہ واپس

چلی گئی[1]

کبھی آپ نماز میں رو دیتے، کبھی کھنکھار لیتے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے وقت مقررہ پر مجھے حاضری کی اجازت دے رکھی تھی۔ میں حاضر ہو جایا کرتا۔ چنانچہ جب میں حاضر خدمت ہوتا تو اجازت دے دیتے۔ نسائیؒ اور احمدؒ نے اس کو نقل کیا اور امام احمد کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے دن رات میں حاضری کے دو مواقع حاصل تھے اور جب میں حاضر ہوتا اور آپؐ نماز پڑھ رہے ہوتے تو کھنکھار دیتے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے انہوں نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ اس طرح کہ وہ نماز میں کھنکھار لیا کرتے اور کھنکھارنے (تنخنح) کو باطل نماز نہ سمجھتے۔

(نیز) آپ نے کبھی ننگے پاؤں نماز پڑھی اور کبھی جوتے پہن کر نماز پڑھی۔ عبداللہؓ بن عمرو نے اس طرح روایت کیا ہے اور جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ تاکہ یہود کی مخالفت ہو جائے۔ کبھی آپ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور کبھی دو میں۔

---

[1] دورانِ نماز میں اس طرح کے کام عام طور پر احناف کے ہاں "عمل کثیر" کے ذیل میں آتے ہیں لہٰذا ناجائز ہیں۔ جس کی احادیث سے تصدیق ہوتی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] جوتے پہن کر نماز جائز ہے اگر شبہ ہو کہ صاف نہیں ہیں تو نماز شروع کرنے سے پہلے زمین پر رگڑ لیا جائے۔ (رئیس احمد جعفری)

دُعائے قنوت

ایک اہم اور معرکہ آرا اختلافی مسئلہ !

آپؐ نے دعائے قنوت ہمیشہ پڑھی یا کبھی کبھی ؟ قنوت آپؐ نے صبح کی نماز میں ایک ماہ تک رکوع کے بعد پڑھی ۔ پھر ترک کر دی اور ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنا آپ کی سُنّت سے ثابت نہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رکوع سے سیدھا کھڑے ہونے پر دعائے قنوت پڑھتے ہوں اور کہتے ہوں : اللھم اھدنی فیمن ھدیت وتولنی فیمن تولیت اور آواز بلند کرتے ہوں اور صحابہؓ آمین کہتے ہوں ۔ اور (یہ کام) ہمیشہ جاری رہا ہو ۔ یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے ۔ مگر اُمّت کو اس کا علم نہ ہوا ہو ، بلکہ اکثر اُمّت اور جمہور صحابہؓ سب ہی اسے بھول جائیں ۔ حتیٰ کہ بعض ان میں یہاں تک کر گزریں کہ یہ اختراع (محدث) ہے جیسا کہ سعید بن طارق الاشجعی بتاتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا ! آپ نے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور کوفہ میں پانچ برس (نماز پڑھی) تو کیا وہ سب صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے ؟ انھوں نے جواب دیا اے بیٹے ! یہ اختراع ہے ۔ اہل سنن اور احمدؒ نے اسے روایت کیا ۔ امام ترمذیؒ اسے صحیح حسن قرار دیتے ہیں ۔ دار قطنیؒ نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے ۔ انہوں نے فرمایا تین گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابن عباسؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت بدعت ہے ؛'

امام بیہقیؒ نے حجاز سے نقل کیا ہے ، انھوں نے بتایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ صبح

کی نماز پڑھی تو انھوں نے دعائے قنوت نہیں پڑھی۔ میں نے عرض کیا" میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے دعائے قنوت نہیں پڑھی؟ انہوں نے جواب دیا" مجھے یاد نہیں کہ کوئی صحابی ایسا کرتا ہو! اور یہ بات تو لازمی طور پر معلوم ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر صبح کو قنوت پڑھتے۔ اور دعا فرماتے اور صحابہؓ بھی اس پر آمین کہا کرتے تو اُمّت اسے اسی طرح نقل کرتی جیسے نماز میں بہ آواز بلند قرات، رکعات نماز کی تعداد اور اوقات نماز نقل کرتی آئی ہے۔

اور انصاف یہی ہے جیسا کہ ایک انصاف پسند عالم درست سمجھتا ہے کہ آپ نے جہر کیا سراً بھی پڑھا، قنوت پڑھا، ترک بھی کیا اور جہر سے زیادہ سراً پڑھا۔ قنوت سے زیادہ ترک قنوت معمول تھا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب میں ایک پر بددعا فرمائی اور ایک قوم کے متعلق بھی قنوت پڑھی۔ پھر جب وہ لوگ واپس آگئے اور قید سے رہا ہو گئے اور جن کے لئے بددعا کی تھی وہ مسلمان ہو گئے اور توبہ کرتے ہوئے حاضر خدمت ہو گئے تو آپؐ نے (قنوت پڑھنا) ترک کر دیا۔ تو گویا آپؐ کی دعائے قنوت ایک عارضی سبب سے تھی۔ جب وہ زائل ہو گیا تو آپؐ نے بند کر دی اور آپؐ نے اسے فجر سے مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ آپ صبح اور مغرب کی نماز میں بھی قنوت پڑھتے تھے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے اسے روایت کیا ہے۔ مسلم نے حضرت براءؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی ہر نماز کے بعد قنوت پڑھی۔ جب آپ آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس کے بعد بنی سلیم کے قبیلہ، رعل، ذکوان، عصیہ کے خلاف دعا فرماتے۔ اور جو آپ کے پیچھے ہوتے وہ آمین کہتے۔ ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ آفات میں خصوصاً قنوت پڑھنا اور ان کے دور ہو جانے پر چھوڑ دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور آپ نے اسے نماز فجر سے مخصوص نہیں کیا، بلکہ زیادہ تر آپ اسی نماز میں قنوت پڑھتے کیونکہ طوالت، رات کی نماز سے متصل ہونے، سحری کے قریب ہونے، وقتِ اجابت، نزولِ (رحمت) الٰہی کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مشہور نماز ہے، جس کی شہادت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے یا دن رات

کے فرشتے دیتے ہیں جیسا کہ مروی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول ان قرآن الفجر کان مشہودا کی تفسیر ہے۔

آپ قنوت میں کیا پڑھتے تھے؟

رہی ابن ابی قدیک کی روایت (جو) عبداللہ بن سعید طبری نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھ اونچے کرتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انه لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

یعنی: "اے اللہ مجھے ہدایت دے ان لوگوں میں کہ جنہیں تو نے ہدایت دی ہے اور مجھے عافیت دے ان لوگوں میں کہ جنہیں تو نے عافیت بخشی ہے اور میری کارسازی کر ان لوگوں میں کہ جن کی تو نے کارسازی کی ہے اور جو کچھ تو نے (مجھے) عطا کیا ہے اس میں برکت دے اور مجھے اس برائی سے بچا لے کہ جو تو نے مقدر کی۔ بے شک تو حکم کرتا ہے۔ اور تجھ پر حکم نہیں کیا جاتا۔ بے شک جو تیرا دوست ہوا وہ ذلیل نہ ہوا اور اے رب تو بابرکت اور بلند ہے۔"

اگر یہ حدیث صحیح یا حسن ہوتی تو کس قدر واضح طور پر قابلِ حجت تھی، لیکن عبداللہ کی روایت سے یہ دعا حجت نہیں۔ اگرچہ حاکم نے قنوت میں احمد بن عبداللہ مزنی کی روایت کو درست قرار دیا ہے۔

البتہ حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا، خدا کی قسم! میں تم سے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ قریب ہوں اور حضرت ابوہریرہؓ صبح کی نماز میں آخری رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ آپ مسلمانوں کے لئے دعا کرتے اور کفار پر لعنت بھیجتے اور یہ امر قطعی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا اور پھر ترک کر دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی خواہش

تھی کہ لوگوں کو بتا دیں کہ اس قسم کی قنوت سنّت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے اور یہ اہلِ کوفہ کے رد میں ہے کہ وہ صبح کی نماز میں آفات وغیر آفات کسی بھی حالت میں قنوت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ اور محدثین اسے آفات وغیرہ میں مستحب سمجھتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں سے یہی لوگ حدیث سے زیادہ واقف ہیں۔ اور (محدثین) کہتے ہیں کہ اس کا کرنا بھی سُنّت اور اس کا ترک کرنا بھی سنت ہے۔ اس کے باوجود جو اس پر دوام کرے اس کے (اس عمل) کا انکار نہیں کرتے اور اس کے ترک کو بدعت نہیں سمجھتے اور نہ تارکِ (قنوت) کو سنّت کا مخالف سمجھتے ہیں۔ بلکہ (ان کا خیال یہ ہے) کہ جس نے قنوت پڑھی اس نے اچھا کیا اور جس نے چھوڑی اس نے بھی اچھا کیا، لیکن اعتدال یہ ہے کہ دعا و ثنا کرے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو جمع کیا اور دعائے قنوت عبارت ہے۔ دعاء اور ثنا سے، اس لئے وہ اس مقام پر موزوں تر بھی ہے۔ لہٰذا جب امام کبھی مقدیوں کی آگاہی کے لئے جہر کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرؓ نے شروع میں مقتدیوں کو آگاہ کرنے کیلئے جہر سے پڑھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنّت ہے نیز آمین بالجہر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور یہ اختلاف مباح ہے۔ اس کے کرنے پر کسی کو موردِ الزام نہیں بنایا جا سکتا، اس طرح نماز میں رفع یدین یا ترکِ رفع ہے، یا تشہداتِ مختلفہ کا اختلاف۔ اذان اور اقامت کی اقسام۔ افراد تمتع اور حج قرآن میں قربانی کی انواع کا معاملہ ہے اور ہمارا مقصد تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا بیان کرنا ہے، جس پر وہ عمل پیرا تھے۔ کیونکہ آپ ہی اس کتاب میں مقاصد اور توجہات کا مرکز ہیں اور مدارِ تحقیق مطلب بھی آپ کی ذاتِ گرامی ہے۔

ہم نے اس کتاب میں جائز اور ناجائز پر بحث نہیں کی بلکہ ہمارا مقصود صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا بیان کرنا ہے جو وہ اپنے لئے انتخاب فرماتے تھے، کیونکہ آپ کامل اور افضل ہدایت ہیں۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ فجر میں آپ ہمیشہ قنوت نہیں پڑھتے تھے اور نہ جہراً (بسم اللہ) کا دوام تھا۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے علاوہ دوسری سمت مکروہ یا بدعت ہے۔

ابو جعفر رازی کی روایت پر جرح

رہی ابو جعفر رازی کی روایت جو حضرت ربیع بن انسؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ یہ روایت مسند اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے ابو جعفر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن مدینیؒ نے کہا ہے کہ وہ خلط ملط کرتا تھا۔ ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ اسے بکثرت وہم تھا۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ یہ بزرگان (دین) سے منکر (روایات) نقل کرنے میں منفرد ہے۔

قنوت، قیام، سکوت، مسلسل عبارت، دعا، تسبیح اور خشوع و خضوع (سب پر) بول جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولہٗ من فی السمٰوات والارض کل لہٗ قانتون۔

یعنی: اور جو بھی آسمانوں اور زمین پر ہے سب اللہ کا ہے۔ ہر ایک اسی کا فرمانبردار ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أمّن ھو قانت آناء اللّیل ساجدا وقائما یحذر الاٰخرۃ ویرجوا رحمۃ ربہ

یعنی: کیا وہ جو فرمانبردار ہے اور رات بھر سجدہ و قیام میں رہتا ہے۔ قیامت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

وصدّقت بکلمات ربّھا وکتبہ وکانت من القانتین۔

یعنی: اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر نماز وہ ہے کہ جس میں قنوت طویل ہو۔ اور زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: وقوموا للّٰہ قانتین۔ یعنی اور اللہ کے لئے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔

حضرت انس کی روایت پر نقد و نظر

حضرت انسؓ نے باقی نمازوں کے علاوہ

فجر میں قنوت کی تخصیص کی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ یہ کفار کے لئے بددعا تھی اور کمزور مومنین کے حق میں دعائے خیر نہ تھی، کیونکہ انس بتاتے ہیں کہ آپؐ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی اور پھر چھوڑ دی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جس دعا کی آپ نے مداومت اختیار کی وہ معروف قنوت (حمد وغیرہ) تھی۔ نیز ابوبکر وعمر، عثمان، علی، براء بن عازب، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، ابوموسیٰ اشعری اور انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی قنوت پڑھی۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

کیا قنوت صرف فجر کے ساتھ مخصوص ہے؟

ایک تو یہ کہ حضرت انسؓ نے بتایا ہے کہ آپ نے صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھی، جیسا کہ بخاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے تو اس میں فجر سے تخصیص قنوت نہیں ثابت۔ اس طرح حضرت براءؓ بن عازب نے نقل کیا ہے اور قنوت کے متعلق فجر کی تخصیص نہیں کی ہے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ مغرب کی قنوت منسوخ ہو چکی ہے تو تمہارے مقابلہ میں کوفہ کے مباحثہ کرنے والے کہیں گے کہ فجر کی قنوت بھی منسوخ ہو چکی ہے اور مغرب کی قنوت کے منسوخ ہونے پر تم جو حجت پیش کرو گے اُسے فجر کی قنوت کی تنسیخ پر حجت بنا کر پیش کر دیا جائے گا۔ اور اس کا تو ابد تک بھی امکان نہیں کہ تم فجر کی نماز میں قنوت کے حکم اور مغرب کی تنسیخ قنوت کے متعلق کوئی دلیل حاصل کر سکو۔ اگر یہ کہو کہ مغرب کی قنوت تو دراصل قنوت نازلہ تھی۔ قنوت راتبہ نہ تھی تو تمہارے جواب میں محدثین یہ کہیں گے "ہاں! یہی صورت قنوتِ فجر کی بھی ہے تو دونوں ایک جیسی ہوئیں پھر فرق کیا رہا؟ اور انہوں نے (کوفیوں) نے کہا ہے کہ قنوتِ فجر قنوت راتبہ نہ تھی۔ بلکہ قنوت نازلہ تھی۔ اور حضرت انس نے خود اس کی خبر دی (نیز) قنوتِ راتبہ کے معاملہ میں حضرت انسؓ ہی بنیاد ہیں اور انسؓ نے بتایا کہ یہ قنوت نازلہ تھی، پھر اسے چھوڑ دیا اور صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھی۔ آپ قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ پر بددُعا کر رہے تھے۔ پھر آپ نے چھوڑ دی۔ دوسرے شبابہ نے قیس بن ربیع اور انہوں

نے عاصم بن سلیمان سے روایت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے دریافت کیا کہ ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے۔ انہوں نے جواب دیا اس گروہ نے جھوٹ بولا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی۔ آپ مشرکین کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے خلاف بددعا کر رہے تھے۔ قیس بن ربیع کو اگرچہ یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن بعض نے اس کی توثیق کی ہے۔

ابوجعفر اور قیس کی توثیق اور تضعیف

اور (دوسری روایت) ابوجعفر رازی پر منحصر ہے۔ ابوجعفر اپنے اس قول میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے"۔ کیونکر حجت ہو سکتا ہے؟ حالانکہ (پہلا راوی) اس سے زیادہ ثقہ یا اس کے برابر ہے اور ابوجعفر کو ضعیف قرار دینے والوں کی تعداد قیس کو ضعیف سمجھنے والوں سے زیادہ ہے۔ اس بحث سے قیس کی یحییٰ سے روایت کا ضعف اور اس کا سبب معلوم ہوتا ہے۔

احمد بن سعید بن ابی مریم نے بتایا کہ میں نے یحییٰ سے اور انہوں نے قیس سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ضعیف ہے، اس کی روایت لکھی نہیں جاتی۔ وہ عبیدہ سے روایت کرتا ہے حالانکہ اس کے نزدیک وہ منصور سے روایت کرتا ہے (لیکن) اس قسم کی باتیں راوی کی روایت رد کرنے کا موجب نہیں بنتیں۔ کیونکہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ہے اور اور منصور کے بجائے عبیدہ کا ذکر وہم میں داخل ہے۔

ایک ماہ تک مسلسل قنوت

(تیسرے) حضرت انسؓ نے بتایا کہ وہ قنوت پڑھتے تھے۔ اور ابتدائے قنوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی جو انہوں نے رعل اور ذکوان کے خلاف پڑھی تھی۔ اس طرح صحیحین میں حضرت عبدالعزیز بن صہیب سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمیوں کو کسی کام سے بھیجا، جنہیں قراء کہتے تھے۔ تو ایک کنوئیں کے پاس بنی سلیم کے قبائل رعل اور ذکوان ان کے مقابلہ پر اتر آئے اس کنوئیں کو بیر معونہ

کہتے ہیں۔ ان صحابہ نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تمہارے پاس نہیں آئے۔ بلکہ ہم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام کے سلسلہ میں جارہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان (صحابہ) کو شہید کردیا۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ یہ قنوت کی ابتدا تھی اور ہم (بعد میں) قنوت نہ پڑھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نہیں ہے اور حضرت انسؓ کا یہ قول کہ یہ" ابتدائے قنوت تھی" اور پھر یہ فرمانا کہ آپ نے ایک ماہ تک قنوت پڑھی پھر چھوڑدی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے انہوں نے وہ قنوت ثابت کی، جو قنوت نازلہ تھی۔ اور آپؐ نے ایک ماہ تک پڑھا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے آپؐ نے عشاء کی نماز میں ایک ماہ قنوت پڑھی جیسے صحیحین میں یحییٰ بن ابی کثیر سے اور انہوں نے ابوسلمۃ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی اور آپ قنوت میں یہ دعا مانگتے :۔

اللھم انج الولید من ولید اللھم انج سلمه بن هشام اللھم انج عیاش بن ابی ربیعه اللھم انج المستضعفین من المومنین اللّٰھم اشدد وطائك علی مضر اللّٰھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف۔

یعنی "اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے اے اللہ سلمۃ بن ہشام کو نجات دے اے اللہ عیاش ابن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ مضر قبیلہ پر اپنی گرفت سخت کردے اور ان پر (عہد یوسف) کی قحط سالی ڈال دے"

حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں کہ وہ ایک دن صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہ کی آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ جو تم دیکھ رہے تھے وہ اسے پہنچ چکے۔ تو صبح کی نماز کا قنوت ایسے ہی تھا وہ نازلہ ہوتا یا کسی امر عارضی کے سبب سے ہوتا اس لیے حضرت انسؓ نے اسے ایک ماہ کے لئے بتایا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ان کے لئے صبح کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی یہ دونوں درست ہیں اور حضرت عکرمہؓ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء

اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ اسے ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت صحیح ہے (نیز) طبرانی نے اپنی معجم میں محمد بن انس سے روایت کیا، انہیں مطرف بن طریف نے انہیں ابی جہم نے بتایا اور انہیں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ملی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی نماز پڑھتے اس میں دعائے قنوت پڑھتے۔

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ مطرف سے صرف محمد بن انس نے روایت کیا ہے یہ اسناد اگرچہ قابل حجت نہیں، لیکن پھر بھی معنی کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ قنوت دعا کو کہتے ہیں اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز ایسی نہ پڑھی جس میں دعا نہ کی ہو جیسا کہ گزر چکا ہے اور ابو جعفر کی روایت اگر صحیح ہو تو حضرت انسؓ کا مطلب بھی اس سے یہی ہے کہ آپ ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ہمیں اس میں کوئی شک وشبہ بھی نہیں کہ صبح کی نماز میں آپ ہمیشہ دعا پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔

انسؓ اور عاصمؓ کی روایت میں موازنہ

(وجہ چہارم) یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے طرق سے احادیث مطلب کو واضح کرتے ہیں اور ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تصدیق کرتا ہے اور متناقض نہیں ہے اور صحیحین میں حضرت عاصم احول سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ میں نے انسؓ بن مالک سے صبح کی قنوت کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا" ہاں"۔ تو میں نے جواب دیا کہ " رکوع سے پہلے" پھر میں نے کہا کہ فلاں نے مجھے آپؓ کے متعلق اطلاع دی کہ آپ نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے (رکوع) کے بعد قنوت پڑھی۔ انہوں نے جواب دیا" اس نے جھوٹ بولا، بلکہ میں نے تو کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھی"۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ روایت معلول ہے عاصم نے اس میں تفرد کیا ہے۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے تمام روایت کرنے والوں نے اس کی مخالفت کی ہے، تو ان کا جواب یہ ہے کہ عاصم بالکل ثقہ ہے۔ ہاں اس نے صرف دو قنوتوں کے مقام پر اصحاب انسؓ کے خلاف کیا ہے۔ حافظ نے اسے وہم بتایا ہے۔ اور جواد اسے ساقط کرتے ہیں۔ اور امام احمدؒ سے اس کی تعلیل مروی ہے

چنانچہ اثرم نے بتایا کہ میں نے ابو عبداللہ یعنی احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ عاصم احول کے سوا حضرت انسؓ سے یہ روایت کس کی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے قبل قنوت پڑھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا جس نے یہ روایت کی ہو۔ پھر ابو عبداللہ نے بتایا کہ عاصم کی تمام رواۃ نے مخالفت کی ہے۔ ہشام نے قتادہ اور انہوں نے حضرت انسؓ سے اور تیمی نے ابو مجلز سے اور انہوں نے حضرت انسؓ اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ اور ایوب نے محمد سے روایت کیا کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا اور حنظلہ سروسی نے چار طرق سے حضرت انسؓ سے روایت کیا۔ رہا عاصم! تو میں نے اس سے معلوم کیا تو اس نے جواب دیا کہ انہوں نے جھوٹ کہا۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد (صرف) ایک ماہ تک قنوت پڑھی۔ دریافت کیا گیا کہ عاصم سے کس نے روایت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابو معاویہ وغیرہ نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا تمام روایات رکوع کے بعد والی نہیں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا بلکہ یہ تمام خفان بن ایماء بن رخصہ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔ میں نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا تو پھر وہ رکوع سے قبل قنوت کی رخصت کیوں دیتے ہیں۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں رکوع کے بعد (قنوت) ثابت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت ہے اور وتر میں رکوع کے بعد مختار ہے۔ اور جو رکوع سے قبل کرے تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا فعل اور ان کا اختلاف (موجود) ہے۔ رہی صبح کی نماز میں رکوع کے بعد۔ تو کہا جائے گا کہ اس صحیح حدیث کی تعلیل تعجب انگیز ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے اور اسے ائمہ ثقہ نے اثبات حفاظ اور ابو جعفر رازی، قیس بن ربیع، عمرو بن ایوب، عمرو بن عبید، دینار اور جابر جعفی جیسی روایت کا قابل استدلال ہونا روایت کیا ہے۔

روایات انسؓ میں کسی طرح کا تناقض نہیں

حضرت انسؓ کی تمام روایات صحیح ہیں اور ان میں تناقض نہیں ملتا اور رکوع سے قبل جو قنوت کا ذکر ہوا وہ (رکوع) کے بعد والے قنوت کے علاوہ ہے اور اس

کا وقت بھی اس سے الگ ہے۔ تو جو رکوع سے قبل ہے (اس کا مطلب) قرأۃ کے لئے طول قیام ہے، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر نماز طویل قنوت (قیام) والی ہوتی ہے اور جو قنوت رکوع کے بعد مذکور ہے وہ دعا کے لئے طویل قیام ہے۔ آپؐ نے ایک ماہ تک ایک قوم کے خلاف اور ایک قوم کی حمایت میں پڑھا۔ پھر آپؐ اس رکن کو دعا ثناء کے لئے طویل رکھتے گئے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ثابتؒ اور انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں اسی طرح نماز پڑھاتا رہا ہوں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے رہے ہیں۔ اور راوی نے بتایا کہ حضرت انسؓ ایک ایسا کام بھی کرتے تھے۔ جسے میں دیکھتا ہوں کہ تم نہیں کرتے۔ جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ حتّٰی کہ کہنے والا کہتا کہ شاید بھول گئے ہیں۔ پس یہ ہی وہ قنوت ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عامل رہے یہاں تک کہ دنیا سے رحلت فرما گئے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آپ اس طویل وقفہ میں خاموش نہ رہتے بلکہ اپنے پروردگار کی ثناء تمجید کرتے اور دعا مانگتے اور یہ دعا اس ماہ کی معرفت قنوت سے الگ تھی، کیونکہ وہ تو رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے خلاف بد دعا تھی اور جو مومنین مکّہ میں تھے ان کے حق میں دعائے (رحمت تھی)

رہی صبح کی نماز سے اس کی تخصیص تو یہ سائل کے سوال کے مطابق (حال) بات تھی کیونکہ اس نے قنوتِ فجر کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے اس سوال کا جواب دیا۔ نیز آپ باقی تمام نمازوں کے علاوہ صبح کی نماز (خصوصًا) طویل کرتے تھے۔ اور ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے اور جیسے کہ حضرت براءؓ بن عازب نے بتایا ہے کہ آپؐ کا رکوع، اعتدال، سجود اور قیام قریب قریب ہوتا۔ باقی تمام نمازوں کے علاوہ صبح کی نماز میں آپ کے طویل قیام کا خوب اظہار ہوتا۔ یہی آپ کی قنوت تھی اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے ہمیں اس میں نہ شک ہوا اور نہ ہو گا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے، یہاں تک کہ دنیا سے رحلت فرما گئے اور جب عام لوگوں اور اکثر فقہاء کی زبان میں یہی معروف دعا قنوت بن کر رہ گئی: اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ الخ

اور انہوں نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے یہاں تک کہ آپؐ دنیا سے رحلت فرما گئے اور اسی طرح خلفائے راشدین اور ان کے علاوہ صحابہؓ میں سے (ایک گروہ) نے دعائے قنوت کو اپنی اصطلاح کے مطابق قنوت (مخصوصہ پر عمل کیا۔ اور اس مخصوص دعا) کے سوا باقی (معانی) غیر معروف بن گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ ہر صبح کی (نماز) میں اس پر مداومت کرتے رہے اور یہی وہ مسئلہ ہے کہ جس میں جمہور علماء نے نزاع کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آپؐ کا راتب فعل (مسلسل) نہ تھا، بلکہ یہ ثابت ہی نہیں کہ آپ نے کیا بھی ہو۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ یہ روایت ہے کہ آپؐ نے حسنؓ بن علیؓ کو یہ دعا سکھائی۔ جیسے کہ مسند اور سنن اربعہ میں ہے۔

حضرت حسنؓ کی روایت

(حضرت حسنؓ) نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتر میں پڑھنے کے لئے کلمات سکھائے (وہ یہ ہیں)

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔ (حسن ترمذی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم قنوت کے متعلق اس سے زیادہ احسن (دعا) نہیں جانتے۔ امام بیہقیؒ نے اس پر یہ الفاظ زیادہ بتائے ہیں۔

ولا یذل من والیت ولا یعز من عادیت۔

یعنی "تیرا دوست ذلیل نہ ہوگا۔ تیرا دشمن عزت نہ پائے گا۔"

جس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کی قنوت سے مراد رکوع کے بعد تھی۔ تو وہ دعا و ثناء کے لیے قیام ہے۔ سلیمان بن حرب روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابو ہلال نے اور انہیں حضرت قتادہ کی مسجد کے سامنے حضرت حنظلہ نے بتایا، میں کہتا ہوں کہ وہ حمد و ثناء ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں اور قتادہؒ صبح کی نماز کے قنوت میں اختلاف کرنے لگے۔ قتادہ نے کہا کہ رکوع سے پہلے! میں نے کہا کہ رکوع کے بعد!

آخر میں ہم حضرت انسؓ بن مالک کے پاس آئے ہم نے ان کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی (اقتدا) میں فجر کی نماز میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے تکبیر کہی اور رکوع کیا اور سر اٹھایا، پھر سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی اور رکوع کیا، پھر سر اٹھایا، پھر کچھ دیر کھڑے ہوئے، پھر سجدہ میں چلے گئے۔

یہ روایت حضرت ثابتؓ کی روایت کے مطابق ہے اور وہ قنوت کے مسئلہ میں حضرت انسؓ کے مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق صاف بتا دیا کہ آنحضرتؐ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ قیام طویل تھا اور حضرت انسؓ کا مطلب بھی یہی تھا۔ چنانچہ تمام احادیث متفق ہوگئیں۔

رہیں صحابہؓ سے روایات، تو وہ دو طرح سے ہیں، ایک مصائب کے وقت کی قنوت جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قنوت، مسیلمہ کذاب سے صحابہؓ کی جنگ کے موقع پر اور اہلِ کتاب کے ساتھ جہاد کے وقت یا قنوت عمرؓ، یا حضرت علیؓ کی قنوت، معاویہؓ اور اہل شام سے جنگ کے وقت، دوسری قسم مطلق ہے، اس کا مطلب اس رکن میں تطویل دعا و ثنا ہے۔

سجدۂ سہو

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن مواقع پر سجدہ سہو کیا

سجدۂ سہو کی مصلحت اور حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں تم جیسا ایک آدمی ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ پس جب میں بھول جاؤں، مجھے یاد دلا دو۔

نماز میں آپ کا سہو دراصل ان کی امت پر اللہ تعالیٰ کا اتمام نعمت اور اکمال دین کا رہا ہوتا تھا کہ سہو میں جو طریقہ مشروع ہوا اس میں آپ کی اقتدا کریں۔ موطاء میں منقطع روایت کا یہی مطلب ہے کہ میں بھول جاتا ہوں، یا بھلا دیا جاتا ہوں۔ تاکہ وضاحت کروں[1]۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھول جاتے تو آپ کے سہو پر احکام شریعت مرتب ہوئے، جو قیامت تک آپ کی امت کے سہو پر جاری رہیں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت والی (نماز) میں دوسری رکعت کے بعد کھڑے ہوگئے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہیں کیا۔ یعنی بیٹھے نہیں جب آپ نے نماز ختم کرلی۔ تو سلام سے پہلے دو سجدہ کیے پھر سلام کیا۔ اس طرح اس سے ایک قاعدہ معلوم ہوگیا کہ جو آدمی ارکان کے ماسوا نماز کے باقی اجزاء میں سے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دے تو وہ سلام سے قبل سجدہ سہو کرے۔

اور بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آپ نے ایک رکن سہواً چھوڑ دیا اور دوسرا

---

[1] سجدۂ سہو کی تعلیم عملی آپؐ کی طرف سے ضروری تھی، تاکہ امت اس پر عمل کرسکے اور اسوۂ نبی کی روشنی میں تلافیٔ مافات کرسکے۔ (رئیس احمد جعفری)

رکن شروع کیا تو متروک حصہ کی طرف پلٹے، کیونکہ جب آپ دو رکعت کے بعد کھڑے ہوئے تو صحابہؓ نے سبحان اللہ کہا۔ آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ کھڑے ہو جاؤ۔

اس محل سہو میں آپ سے اختلاف مروی ہے۔ صحیحین میں عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے اور درمیان میں نہ بیٹھے۔ پھر جب آپ نے نماز مکمل کر لی تو دو سجدے کیے پھر اس کے بعد سلام پھیرا۔ ایک متفق علیہ روایت کے مطابق آپ نے سلام سے قبل بیٹھی ہوئی حالت میں ہر سجدہ پر تکبیر پڑھی اور مسند میں حضرت یزید بن ہارون سے اور انہوں نے سعودی سے اور انہوں نے زیاد بن علاقہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ جب آپ دو رکعت پڑھا چکے تو کھڑے ہو گئے اور نہ بیٹھے پیچھے والوں نے تسبیح[۱] کہی۔ تو انہوں نے ان کو اشارہ کیا کہ کھڑے ہو جاؤ چنانچہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر (دوبارہ) سلام پھیرا۔ اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسی طرح کیا تھا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا۔

امام بیہقیؒ نے عبدالرحمٰن بن شماسہ مہری کی روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے، حالانکہ آپ کو قعدہ کرنا چاہیے تھا۔ تو لوگ کہنے لگے سبحان اللہ، سبحان اللہ (حضرت عقبہؓ) نہ بیٹھے اور قیام میں ہی (نماز) پڑھتے چلے گئے۔ آخر نماز کے آخری حصہ میں پہنچے تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کئے اور جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں نے شروع میں تمہیں سبحان اللہ و سبحان اللہ کہتے سنا تاکہ میں بیٹھ جاؤں، لیکن سنت وہی ہے جو میں نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ کی روایت تین وجوہ سے اول ہے۔

ایک تو وہ روایت حضرت مغیرہؓ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ دوسرے وہ اس سے

---

[۱] نماز میں کلام ممنوع ہے۔ امام کی غلطی یا سہو و نسیان کی صورت میں مقتدی اسے صرف "سبحان اللہ" وغیرہ کہہ کر ٹوک سکتا ہے جو امام کو متنبہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

زیادہ صریح ہے، کیونکہ قول مغیرہؓ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع ہو سکتا ہے کہ اس کی نسبت حضرت مغیرہؓ کے جملہ فعل کی طرف منسوب ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے سلام سے قبل ایک سجدہ اور سلام کے بعد بھی ایک سجدہ کیا ہو۔ چنانچہ ابن بحینہؓ نے جو دیکھا اسے نقل کر دیا اور حضرت مغیرہؓ نے جو دیکھا اسے نقل کر دیا اس لیے دونوں باتیں جائز ہو ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ کا مطلب یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہو گئے اور مراجعت نہیں کی، پھر سجدہ سہو کیا۔

تیسرے مغیرہؓ شاید سلام سے قبل سجدہ کرنا بھول گئے اور اس کے بعد سجدہ کیا، یہ سہو کا معاملہ ہے اور یہ نا ممکن ہے کہ سجدہ سلام سے قبل سمجھا جائے۔

سجدہ سہو کی پانچ صورتیں

۱۔ ایک مرتبہ آپؐ نے عشاء یا ظہر، یا عصر کی نماز پڑھائی دو رکعتیں پڑھ کر کچھ کلام کیا، پھر نماز پوری کی، پھر سلام پھیرا، پھر (سہو کے) دو سجدے کیے، بہ آواز بلند سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہا، پھر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بہ آواز بلند اللہ اکبر کہا۔

۲۔ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر دو سجدے کیے، پھر تشہد پڑھا، پھر سلام پھیرا، ترمذیؒ کے نزدیک یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

۳۔ ایک مرتبہ آپؐ نے عصر کی تین رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ گھر میں داخل ہو گئے۔ لوگوں نے یاد دلایا تو آپؐ باہر آئے اور مزید ایک رکعت پڑھا کر دو سجدے (سہو کے) کیے۔

۴۔ ایک مرتبہ آپؐ نے نماز پڑھائی، لیکن ایک رکعت کم، پھر نماز پڑھا کر آپ واپس چلے تو حضرت طلحہؓ نے عرض کیا:

"آپؐ نے نماز میں ایک رکعت فراموش کر دی"!

یہ سن کر آپ واپس لوٹے، مسجد میں داخل ہوئے اور بلالؓ کو حکم دیا کہ اقامت کہیں، پھر آپؐ نے (دوبارہ) نماز پڑھائی، یہ روایت امام احمد نے ذکر کی ہے۔

۵۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ظہر کی چار کے بجائے پانچ رکعتیں پڑھ لیں۔ زیدؓ نے ٹوکا تو آپؐ نے پوچھا! کیا بات ہے؟

لوگوں نے عرض کیا" آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں"،
یہ سُن کر سلام کے بعد آپؐ نے دو سجدے کیے، اس کے بعد پھر سلام پھیرا۔
یہ ہیں وہ پانچ روایات جو سجدۂ سہو کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے متعلق مروی ہیں۔

سجدۂ سہو سلام سے پہلے یا بعد

آپؐ نے سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے بھی کیا اور سلام پھیرنے کے بعد بھی کیا، امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ آپؐ نے تمام سجدے سلام سے پہلے کیے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے جتنے سہو کے سجدے کیے وہ سلام پھیرنے کے بعد کیے، امام مالک کا ارشاد ہے کہ جب نماز میں سہو سے آپ نے کمی کی، یعنی کوئی رکعت کم پڑھی تو سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کیا اور جب زیادتی کی، یعنی کوئی رکعت زیادہ پڑھی تو سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا، اور اگر کسی نماز میں کمی اور زیادتی جمع ہو گئی تو سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا۔

اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے سجدہ سہو کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے یا بعد میں؟ انہوں نے جواب دیا۔ بعض مواقع پر سلام سے پہلے اور بعض مقامات پر سلام کے بعد، جیسا کہ رسول اللہ کے عمل سے ثابت ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ کے مطابق ذوالیدین کے واقعہ میں آپؐ نے سلام کے بعد سجدہ کیا اور حدیث عمران بن حصین کے مطابق سلام سے پہلے کیا۔

اثرم کہتے ہیں میں نے امام احمد سے پوچھا ان مواقع کے علاوہ کیا صورت اختیار کی جائے؟
امام احمد نے جواب دیا، باقی تمام سہو کے سجدے سلام سے پہلے کیے جائیں۔ کیونکہ یہ سجدہ سہو نماز کی کمی کو پورا کر دیتا ہے، بلکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بعد از سلام سجدہ مروی نہ ہوتا تو میں صرف قبل از سلام سجدہ سہو کا فتوٰی دیتا، کیونکہ نماز کی شان کا اقتضاء یہی ہے کہ سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے۔

داؤد کا قول ہے کہ ان مواقع کے سوا جو رسول اللہؐ سے ثابت ہیں سجدہ سہو جائز نہیں[1]

---

[1] یعنی نماز دوہرانی چاہیے۔ (رئیس احمد جعفری)

نماز میں آنکھیں بند رکھنا سنت رسولؐ نہیں ہے

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ تشہد کے اندر دعا پڑھتے ہوئے آپؐ ان کی طرف نگاہ سے اشارہ کرتے اور آپؐ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہ کرتی جیسا کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک پردہ سے یہ ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصاویر مسلسل میری نماز میں حائل ہو رہی ہیں اور اگر آپ نماز میں اپنی آنکھیں بند کرتے تو نماز میں یہ حائل نہ ہوتیں۔

اس حدیث کا استدلال محل نظر ہے، کیونکہ جو چیز آپ کی نماز میں حائل تھی وہ وہی تصاویر تھیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے یا محض دیکھنا ہی خارج تھا، یہ بھی احتمال ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی خوب وضاحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک چادر میں نماز پڑھی، جس میں نقوش تھے تو آپؐ نے ان نقوش کو دیکھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم کی چادر میرے پاس لے آؤ۔ کیونکہ شروع میں یہ میری نماز میں خارج ہوئی اور اس میں یہ بھی استدلال ہے کہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اس میں ان کی طرف التفات پیدا ہو گیا اور اس التفات کی وجہ سے آپ کی نماز میں) روکاوٹ ہو گئی اور شعب کی طرف التفات والی روایت سے یہ مراد نہیں کہ یہ سبب تھا کہ آپ نے ایک سوار کو پیش رو کے طور پر بھیجا بلکہ التفات امور لشکر کی ضرورت کے باعث تھا۔ اور اس سے نماز کسوف میں آپ کے ہاتھ بڑھانے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ تاکہ انگور کا خوشہ لے سکیں، جب کہ آپؐ نے جنّت دیکھی اور آپؐ کا دوزخ کو اور بلّی کے مالک کو اور صاحب محجن کو دیکھنا بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے) ایسے اس جانور سے مدافعت کی روایت کہ جس نے آپ کے سامنے سے گزرنا چاہا، ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو ہٹانا اور دو لڑکیوں کے درمیان آڑ بن جانا ایسے ہی جس نے سلام کیا اشارہ سے اس کے سلام کا جواب دینا حالانکہ آپؐ نماز میں تھے کیونکہ اسی کو اشارہ کر سکتے تھے، جس کو آپ دیکھ رہے ہوں۔

یہ احادیث ایسی ہیں کہ جن کے مجموعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نماز میں آنکھیں بند نہ کرتے تھے اور فقہاء کا اس کی کراہت میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے

اور فرمایا ہے کہ یہ یہودی کا فعل ہے۔ ایک جماعت نے اسے مباح قرار دیا ہے اور مکروہ نہیں سمجھا اور کہا ہے کہ یہ صورت گاہے گاہے خشوع کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ جو نماز کی روح سر اور اس کا مقصود ہے۔ زیادہ صائب بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے اگر آنکھیں کھولنا خشوع نماز میں مخل نہیں۔ تو یہ صورت افضل ہے اور اگر یہ طریقہ خشوع اور اس کے قلب میں آڑ بن جاتا ہے کیونکہ اس کے قبلہ رُخ حسن و جمال وغیرہ نظر آتا ہے، جس کے دل کو پریشانی سی لاحق ہوتی ہے تو اُس وقت آنکھیں بند کرنا قطعاً مکروہ نہ ہوگا اور اس حالت میں اسے مستحب کہا جائے گا اور یہ کراہت کے قول کی بجائے۔ اصول و مقاصدِ شرح کے زیادہ قریب ہوگا۔

اذکار واشغال

نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعائیں اور اوراد

فراغت صلوٰۃ کے بعد آپؐ کے معمولات

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ کیا کیا کرتے ؟

کس طرح بیٹھتے تھے ؟

کس سرعت سے جگہ چھوڑتے تھے ؟

بعد از نماز امت کے لیے کون کون سے اوراد و اذکار شروع فرماتے ؟

آپؐ کا عام معمول یہ تھا کہ جب سلام پھیرتے تو تین بار استغفار کرتے اور فرماتے اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام یعنی اے اللہ تو سلام ہے اور تجھ سے ہی سلامتی ہے اے بزرگی و عزت والے تو برکت والا ہے۔“

صرف اتنے کہنے کی حد تک قبلہ رُخ رہتے اور مقتدیوں کی طرف تیزی سے منتقل ہو جاتے اور اپنے دائیں بائیں کی جانب سے (رُخ انور) پھیر لیتے اور ابن مسعودؓ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کئی بار بائیں رُخ ہو جاتے دیکھا اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کثرت سے دائیں رُخ پر دیکھا۔

پہلی روایت صحیحین میں ہے اور دوسری روایت مسلمؒ میں ہے اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپؐ نماز میں دائیں بائیں سے اعراض کر لیتے ۔ پھر آپ اپنا چہرہ انور مقتدیوں کی طرف پھیر لیتے اور ان کی سمت کے علاوہ کوئی دوسری سمت متعین نہ کرتے اور جب آپ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو جائے نماز پر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا اور ہر فرض نماز کے بعد یہ الفاظ پڑھتے :

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہٗ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر، اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔

یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی مالکیت ہے۔ اور اسی کی حمد ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جو تو نے عطا کیا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور کسی عزت دار کی عزت تیرے سامنے نفع نہیں دیتی"

اور کہا کرتے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہٗ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔

یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی مالکیت ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ڈر ہے اور نہ قوت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی کی نعمتیں ہیں اور اسی کا فضل ہے اور اسی کی اچھی ثنا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ خالص اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں"

اور امام ابو داؤد نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیر لیتے۔ تو یہ دعا پڑھتے:

اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت الآخر لا الٰہ الا انت۔

یعنی: "اے اللہ مجھے بخش دے، جو گزر چکے اور بعد کے ہیں اور جو میں نے پوشیدہ کیے اور جو علانیہ کیے اور جو اسراف کیا اور تو مجھ سے بہتر جانتا ہے، تو ہی

اول ہے۔ تو ہی آخر ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔

یہ حضرت علی کی طویل روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جسے امام مسلمؒ نے آغازِ (نماز) میں روایت کیا ہے اور جو آپ رکوع اور سجود میں پڑھا کرتے تھے اور امام مسلمؒ کے اس میں دو الفاظ ہیں ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ان کو تشہد اور سلام کے درمیان پڑھا کرتے، یہ تو سائب خیال ہے۔ دوسرے آپ انہیں سلام کے بعد پڑھا کرتے اور ہو سکتا ہے کہ آپ انہیں دو مقامات پر پڑھتے ہوں۔

امام احمدؒ نے زید بن اَرقم سے نقل کیا انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے۔

اللھم ربنا ورب کل شیئ وملیکہ انا شھید انک الرب وحدک لا شریک لک اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شھید ان محمداً عبدک ورسولک اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ اللھم ربنا ورب کل شیئ اجعلنی مخلصاً لک واھلی فی کل ساعۃ من الدنیا والاخرۃ یا ذا الجلال والاکرام اسمع واستجب اللہ اکبر اللہ اکبر نور السموات والارض اللہ اکبر حسبی اللہ ونعم الوکیل اللہ اکبر الاکبر

یعنی "اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اور اس کے مالک میں گواہ ہوں کہ بیشک تو ہی رب ہے، تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہ ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب مجھے اپنا مخلص بنا لے...... اور میرے اہل کو بھی دنیا و آخرت کی ہر گھڑی میں۔ اے بزرگی اور عزت والے سن لے، قبول فرمالے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ مجھے اللہ ہی کافی ہے وہ بہتر کارساز ہے۔ اللہ سب سے بڑا سب سے بڑا ہے۔ (ابو داؤد)

افرادِ امت کے لیے مستحب ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ کہا کریں: سبحان اللہ ۳۳ بار

الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر (۳۳ بار) اور سو ان الفاظ کے ساتھ پورا کریں لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔

یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

دوسری روایت میں یوں ہے۔ اللہ اکبر ۳۴ بار اس طرح سو مکمل ہو جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں تسبیح ۲۵ بار اور اتنی ہی تحمید اور اتنی ہی تکبیر اور اتنی ہی لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر

ایک اور طریقہ پر آتا ہے، تسبیح دس بار اور تحمید دس بار اور تکبیر دس بار اور ایک اور طریقہ ۱۱ بار جیسے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرویات میں ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار یعنی گیارہ بار گیارہ بار اور گیارہ بار تسبیح۔ تحمید اور تکبیر کہیں۔ تو یہ کل ۳۳ بار بن گئی۔ اس طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعض راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ حدیث کے الفاظ تو یوں نہیں کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح و تحمید و تکبیر کہیں" اور اس کا مطلب یہ تھا کہ کلمات تسبیح و تحمید و تکبیر ہر ایک تینتیس تینتیس بار ہو گا۔ یعنی تسبیح و تحمید و تکبیر ہر ایک تینتیس بار کہو، کیونکہ موسیٰ راوی حدیث نے ابو صالح سے روایت کیا ہے۔ ابو صالح نے بھی تفسیر کی ہے کہا ہے کہ سبحان اللہ۔ الحمد للہ اللہ اکبر کہو اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس بار کہو، کیونکہ موسیٰ راوی حدیث نے ابو صالح سے روایت کیا ہے۔ ابو صالح نے بھی تفسیر کی ہے کہ کہا ہے کہ سبحان اللہ الحمد للہ۔ اللہ اکبر کہو اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس بار ہو جائے۔

رہی گیارہ کی تخصیص تو اذکار کے معاملہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بخلاف سو کے کہ اس کی کئی مثالیں مل جاتی ہیں (نیز) دس کی نظیر بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ سنن میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے صبح کی نماز کے بعد اپنے دونوں پہلو پر بیٹھے بیٹھے کوئی بات کرنے سے پہلے کہا لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک یحیی ویمیت وھو علی کل شیئٍ قدیر

یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اور اسی کی حمد ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے"۔
(یہ کلمات) دس بار کہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند کئے جائیں گے اور اس دن وہ ہر ناپسند چیز سے حفاظت میں ہوگا اور شیطان سے بچاؤ میں ہوگا اور اللہ کے ساتھ شرک کے سوا کوئی گناہ اِسے پکڑ نہ سکے گا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ کلمات اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو سکھائے۔ جب وہ ایک غلام کے لیے حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا:

سوتے وقت تم ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ اور جب تم صبح کی نماز پڑھ لو، تو کہو لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شيئ قدير دس بار اور نماز مغرب کے بعد دس بار۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جس نے صبح کے وقت یہ دعا پڑھی: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لهٗ له الملك ولهٗ الحمد وهو علی كل شيئ قدير دس بار، تو اس کے لیے اس سے دس گنا نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں مٹا دی جائیں گی اور ان کلمات کے باعث دس درجے بلند کیے جائیں گے اور اسے چار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور یہ کلمات شیطان سے اس کا بچاؤ کریں گے اور جس نے نماز مغرب کے بعد دس بار یہ کلمات کہے تو اسے صبح تک اس قسم کے فوائد ملیں گے۔

شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا قول گزر چکا، اللہ اکبر دس بار، الحمد للہ دس بار اور سبحان اللہ دس بار اور لا الٰہ الا اللہ دس بار اور استغفر اللہ دس بار اور کہتے: اللھم اغفر لی واھدنی وارزقنی دس بار اور یوم قیامت کی تنگی سے دس بار پناہ مانگتے اور اذکار و دعوات میں دس کا عدد کثرت سے ملتا ہے، لیکن گیارہ کا تذکرہ ابو ہریرہ کی روایت کے سوا کہیں

نہیں ملتا، جس کا ذکر ہو چکا ہے۔
صحیح ابو حاتم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نماز ختم کرتے وقت پڑھا کرتے تھے۔

اللھم اصلح لی دینی الذی جعلتہٗ عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی جعلت فیھا معاشی اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك من نقمتك واعوذبك منك لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد۔

یعنی: اے اللہ میرے دین کی اصلاح کر دے جس میں تو نے میری امور کی حفاظت رکھی اور میری دنیا کی اصلاح کر دے جس طرح تو نے میری معاش (زندگی) رکھ دی۔ اے اللہ میں تیری خفگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور تیرے انتقام سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری (سزا) سے تیری (رحمت) کی پناہ چاہتا ہوں اور جسے تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی عزت دار کی عزّت تیرے سامنے نفع نہیں دیتی"

مستدرک حاکم میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے سنا کہ آپ نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم اغفرلی خطایای وذنوبی کلھا اللھم ابعثنی واحینی وارزقنی، واھدنی لصالح اعمال والاخلاق انہٗ لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت۔

یعنی: "اے اللہ میرے تمام گناہ اور میری سب خطائیں بخش دے، اے اللہ مجھے اٹھا اور مجھے رزق دے اور مجھے نیک اعمال و اخلاق کی ہدایت دے کیونکہ نیک (اعمال و اخلاق) کی طرف تو ہی ہدایت دے سکتا ہے۔ برائیوں سے صرف تو ہی ہٹا سکتا ہے۔

صحیح ابن حبان میں حضرت حارث بن مسلم تمیمی سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے فرمایا: "جب تو صبح کی نماز پڑھ لے، تو بات کرنے سے پہلے یہ کلمات کہہ:

اللھم اجرنی من النار۔

یعنی: "اے اللہ مجھے آگ سے بچالے (سات بار، کیونکہ تو اگر اسی دن فوت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ آگ سے تیری نجات لکھ دے گا اور جب تو مغرب کی نماز پڑھ لے تو بات کرنے سے پہلے سات بار یہ کلمات کہہ لے۔

اللھم اجرنی من النّار۔

کیونکہ اگر تو اسی رات کو فوت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ آگ سے تیری نجات لکھ دے گا۔

امام نسائیؒ نے کبیر میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو اسے جنت میں جانے سے موت کے سوا کوئی چیز نہ روکے گی۔

محمد بن حمیر نے اس روایت میں تفرد کیا ہے (اور) محمد بن زیاد الہانی سے اور انہوں نے ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے۔ نسائیؒ نے حسین بن بشر اور انہوں نے محمد بن حمیر سے روایت کیا ہے۔ بعض لوگ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور حسین بن بشر بتاتے ہیں کہ امام نسائیؒ نے اس کے متعلق کہا کہ (لا باس بہ) اس میں کوئی حرج نہیں اور دوسرے مقام پر اسے ثقہ قرار دیا۔ البتہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں دونوں محمدوں کو قابل استدلال سمجھا ہے اور (محدثین) نے کہا ہے۔ کہ حدیث اس کی تحریر پر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے۔ اور ابوالفرج جوزی نے اپنی کتاب میں اسے موضوعات میں لکھا ہے اور محمد بن حمیر پر معلق بنایا ہے۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔ یعقوب ابن سفیان کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ اور بعض حفاظِ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور محمد کو ثقہ کہا ہے کہ وہ اس بات سے بلند ہے کہ اس کی کوئی موضوع روایت ہو اور صحیح حدیث یعنی بخاری شریف میں اس قسم کی روایت کا پایا جانا زیادہ قابلِ استدلال بات ہے۔ یحییٰ بن معین نے زیادہ شدت کے ساتھ اس کی توثیق کرتے ہیں اور معجم طبرانی میں حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن نے اپنے والد ماجد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ دوسری نماز تک اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں (حفاظت میں) ہے۔

بہ روایت حضرت ابوامامہؓ علی بنؓ ابی طالب، عبداللہ بن عمرؓ، مغیرہؓ بن شعبہؓ، جابرؓ بن عبداللہ اور انسؓ بن مالک سے مروی ہے اور ان تمام اسناد میں ضعف پایا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ روایت کی اصل ضرور ہے اور موضوع نہیں ہے اور مجھے اپنے شیخ ابوعباس بن تیمیہؒ قدس اللہ روحہ، سے پہنچی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسے کبھی بھی کسی نماز کے بعد ترک نہیں کیا۔

مسند و سنن میں حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔ ابوحاتم، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم نے بتایا کہ یہ مسلم کی شرط پر صحیح روایت ہے۔ ترمذیؒ میں معوذتین کا لفظ آتا ہے۔ معجم طبرانی اور مسند ابویعلی موصلی میں عمر بن جنہان سے بھی روایت ہے اور حضرت جابر سے مرفوعاً روایت میں کلام کیا گیا ہے۔

"جو آدمی حالت ایمان میں ان پر عامل رہا اور جنت کے دروازوں میں جس دروازے سے چاہے اندر چلا جائے اور سحر چشم حوریں اُس کی ساتھی ہوں گی، یہ وہ شخص ہو گا جس نے:

۱- اپنے قاتل کو معاف کر دیا ہو۔

۲- اور قرضہ چھپ کر کے چکا دیا ہو۔ اور

۳- ہر فرض نماز کے بعد دس بار قل ھو اللہ پڑھتا رہا ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول چاہے ان میں سے ایک ہی کام کیا ہو۔

آپ نے جواب دیا ہاں! چاہے ایک ہی کیا ہو۔

(نیز) آپؐ نے حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں۔

اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك۔

یعنی: اے اللہ مجھے اپنے ذکر کی اور شکر کی اور اچھی طرح عبادت کی توفیق اور مدد فرما!"

نماز کے بعد سلام سے قبل کا بھی احتمال ہے اور اس کے بعد کا بھی احتمال ہے اور ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) سلام سے قبل کو ترجیح دیتے تھے۔

سترہ

کون کون سی سُنتیں رسول اللہؐ سے ثابت ہیں؟

سترہ کس کس چیز کا بنایا جا سکتا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تو اپنے اور اس کے درمیان بکری کی گزرگاہ کا سا فاصلہ چھوڑ دیتے اور اس سے دور نہ رہتے بلکہ سترہ کے قریب ہونے کا حکم فرماتے اور جب آپ لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو اسے دائیں بائیں جانب کر لیتے اور سفر اور خشکی میں کوئی چیز گاڑ لیتے اور اس کی طرف رُخِ انور کر کے نماز پڑھتے اس طرح وہ سترہ کا کام دے جاتا۔ کبھی آپ سواری کو آڑ بنا لیتے، اس طرح اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور اسے درست اور اس کے آخر میں نماز ادا کرنے اور نمازی کو سترہ کا حکم دیتے۔ اگرچہ ایک تیر یا لاٹھی سے ہو لیکن اگر نہ ملے تو زمین پر ایک لکیر ہی کھینچ لے۔

ابوداؤدؒ نے بتایا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ لکیر ہلال کی طرح ارض پر کھینچی جائے گی اور عبداللہ نے بتایا کہ لکیر لمبی کھینچی جائے گی۔ رہی لاٹھی تو وہ سیدھی گاڑ دی جائے گی اور اگر سترہ نہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ عورت، گدھا اور سیاہ کتا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

صحیح، غیر صریح اور صریح غیر صحیح

اور یہ مسئلہ، ابوذرؓ، ابوہریرہؓ، ابن عباس اور عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت سے ثابت ہے کے معارض روایات دو قسم کے ہیں:

۱. صحیح غیر صریح۔

۲. اور صریح غیر صحیح۔ پس جب معارض کی یہ حالت ہو تو اس کی وجہ سے دا ہنیں (؟) ترک

نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اس حالت میں نماز پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے قبلہ کی جانب لیٹی ہوتیں۔ یہ صورت سامنے سے گزرنے والے کے مشابہ نہیں، کیونکہ نمازی کے سامنے سے گزرنا حرام ہے اور (نمازی) کے سامنے ٹھہرنا مکروہ نہیں۔ اسی طرح عورت کا سامنے سے گزرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، لیکن ٹھہرنے میں (کوئی مضائقہ نہیں)

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم حضر میں ہمیشہ دس رکعتوں کا اہتمام فرمایا کرتے اور وہ (رکعتیں) وہی ہیں جن کے متعلق حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دس رکعتیں محفوظ کیں۔ دو رکعتیں ظہر کے پہلے اور دو اس کے بعد اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ اپنے گھر میں (پڑھا کرتے) اور دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔ یہ وہ رکعتیں ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حضر میں کبھی ترک نہ فرماتے اور جب کبھی ظہر کے بعد دو رکعتیں فوت ہو جاتیں تو آپ انہیں عصر کے بعد ادا کر لیتے یہ عمل دائمی تھا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب کوئی کام کرتے تو اُسے مسلسل جاری رکھتے اور اوقاتِ نہی میں سنن روایت کا ادا کرنا آپ کے لیے اور آپ کی امّت کے لیے عام ہے۔ رہی ان دو (مذکورہ) سنتوں کی مکروہ اوقات میں ادائیگی - یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے[1]، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی خصوصیات کے تذکرہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔

کبھی کبھی آپ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے قبل چار رکعت کا ناغہ نہ کرتے اور صبح سے قبل دو رکعت (کا ناغہ نہ کرتے) اب اگر یہ کہا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جب گھر میں نماز پڑھتے تو چار رکعت ادا کرتے اور جب مسجد میں پڑھتے تو دو رکعت ادا فرماتے، یہ واضح ہے اور یا یوں کہا جائے گا کہ کبھی آپ اس طرح کرتے۔ اور کبھی اُسی طرح۔

---

[1] یہ چیز خصوصیات نبوت میں سے تھی۔ جب آپؐ نے ایک مرتبہ کسی وقت نماز پڑھ لی تو یہ آپ کا دائمی معمول بن جاتا تھا۔ (رئیس احمد جعفری)

اس طرح حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ ہر ایک نے جو کچھ دیکھا اسے روایت کر دیا اور دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی طعن نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ چار رکعتیں ظہر کی سنّت نہ تھیں بلکہ یہ ایک مستقل نماز تھی، جو زوال کے بعد آپ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم زوالِ شمس کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور فرمایا یہ ایک ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا ایک نیک عمل اوپر چڑھے۔

سنن میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب ظہر سے پہلے چار رکعت ادا نہ کر سکتے تو نماز کے بعد ادا کرتے اور ابن ماجہؒ نے بتایا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ظہر سے قبل چار رکعت فوت ہو جاتیں تو آپ عصر کے بعد انہیں ادا کر لیتے۔ اور ترمذی میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے قبل چار رکعت ادا کرتے اور (فرض) کے بعد بھی دو رکعت ادا کرتے۔ نیز ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے، جن میں طویل قیام کرتے اور ان میں رکوع اور سجود خوب اچھی طرح کرتے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت

اس طرح یہ وہ چار رکعت ہیں کہ جن کے متعلق حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کا خیال ہے کہ آپ انہیں ترک نہیں کرتے تھے۔ رہیں ظہر کی دو سنتیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ تمام نمازوں کی سنتیں دو دو رکعت ہوتی ہیں اور فجر کی نماز بھی دو رکعت ہے (حالانکہ) لوگ اس وقت کافی فارغ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کی سنتیں دو ہیں۔ دوسرے ظہر سے قبل کی چار رکعت زوال شمس اور نصف النہار (دوپہر) کی وجہ سے مستقل مذکور ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زوال کے بعد آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ قیام اللیل (رات کی عبادت) کے برابر درجہ رکھتی ہیں۔

اس کا راز یہ ہے کہ نصف النہار نصف اللیل کے مقابلہ میں ہے اور زوالِ شمس کے بعد آسمان کے دروازے کھلتے ہیں (اسی طرح) نصف رات کے بعد نزولِ الٰہی ہوتا ہے۔ تو یہ دونوں قرب اور رحمت کے اوقات ہیں۔ اس میں آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں حضرت ام حبیبہؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کہتے ہوئے سنا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعت (سنت) پڑھیں۔ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا گیا اور نسائی و ترمذیؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ ظہر سے قبل چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعت اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت اور صبح کی نماز سے قبل دو رکعت۔ نسائی نے عشاء کے بعد کی دو رکعتوں کی بجائے لکھا ہے کہ عصر سے قبل دو رکعت۔ امام ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے۔ ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس نے بارہ رکعت سنن کی پابندی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادیا، چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے اور دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد ۔ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے بتایا تھا کہ دو رکعت عصر سے پہلے اور دو رکعت مغرب کے بعد اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے بتایا تھا کہ دو رکعت عشاء کے بعد ممکن ہے کہ یہ تفسیر حدیث میں بعض راویوں کے اپنے کلام کا اندراج ہو اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ (الفاظ) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا مرفوع کلام ہی ہوں۔

رہیں عصر سے قبل چار رکعتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے عاصم بن حمزۃ کی طویل روایت کے سوا کوئی عمل ثابت نہیں، جو حضرت علی سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دن میں سولہ رکعتیں (سنتیں) پڑھا کرتے تھے۔ چار رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے جب سورج اس قدر بلند ہو جاتا جیسا کہ نماز ظہر کے لیے ہوتا ہے اور چار رکعت ظہر سے قبل اور دو رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے قبل۔ ایک لفظ یوں ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا جتنا کہ عصر کے وقت ہوتا ہے تو دو رکعت پڑھتے اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے اور ہر دو رکعتوں میں ملائکہ مقربین پر اور ان مومنین پر جو متبع ہیں۔ نیز مرسلین علیہم السلام پر سلام پڑھ کر فصل کرتے۔

امام ابن تیمیہؒ اس روایت کو غلط سمجھتے ہیں

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا کہ وہ اس روایت کا انکار کرتے تھے اور اس کی سخت تردید کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ موضوع ہے اور ابو اسحاق جوزجانی سے بھی اس کا انکار منقول ہے اور امام احمدؒ، ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ، حضرت ابن عمرؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی روایت منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو عصر سے قبل چار رکعت پڑھے۔ اس روایت میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ دوسروں نے اس کو معلول کہا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو ولید طیالسی سے محمد بن مسلم بن مثنی کی اپنے والد سے اور ان کی حضرت ابن عمرؓ سے اور ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس روایت کے متعلق دریافت کیا:

اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو عصر سے قبل چار رکعت پڑھے۔

تو انہوں نے جواب دیا "اسے رہنے دو"۔ میں نے عرض کیا کہ ابو داؤد نے اسے روایت کیا ہے تو ابو ولید کہنے لگے کہ حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دن رات میں دس رکعتوں (کی روایت) کو یاد کیا ہے"؛ تو اگر یہ بھی ہوتی تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے اور بتایا کہ یہ والد کہا کرتے تھے کہ میں نے بارہ رکعتیں یاد رکھیں ہیں اور یہ علت قطعاً نہیں، کیونکہ ابن عمرؓ نے وہی روایت کی، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فعل سے یاد رکھا نہ کہ وہ جو دوسروں نے نہ بتایا، اس لیے دونوں روایتوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

رہیں نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے منقول نہیں کہ آپ انہیں پڑھا کرتے تھے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا پابند کیا تھا اور آپ نگاہ رکھتے تھے کہ آیا یہ (سنتیں) پڑھتے ہیں؟ پھر بھی آپ نہ حکم کرتے اور نہ انہیں منع کرتے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: مغرب سے قبل پڑھو، اور تیسری روایت میں آپ نے فرمایا، جو چاہو! اس بات کے پیشِ نظر کہ کہیں لوگ اسے سنت نہ قرار دے لیں یا پابندی نہ کرتے

لگیں اور دو رکعتوں میں یہی صاحبِ رائے ہے کہ یہ مستحب اور مندوب ہیں۔

اور سنن رواتب کی طرح سنت نہیں اور وہ عام سنن اور نوافل اپنے گھر میں پڑھنے جن کا کوئی (خاص) سبب نہ ہوتا۔ خصوصاً مغرب کی سنتیں، کیونکہ ان سنتوں کے متعلق آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے انہیں ضرور مسجد میں پڑھا اور امام احمدؒ بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنّت (طریقہ) یہ ہے کہ انسان مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے یہی مروی ہے۔

سائب بن یزیدؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد میں لوگوں کو دیکھا کہ جب وہ مغرب سے فارغ ہوتے تو سب چلے جاتے حتیٰ کہ مسجد میں ایک آدمی بھی باقی نہ رہتا گویا کہ وہ مغرب کے بعد کچھ نہ پڑھتے۔ آخر وہ اپنے گھروں میں پہنچ جاتے۔ ان کی روایت ختم ہوئی۔

اگر کوئی مسجد میں دو رکعتیں پڑھے تو کیا جائز ہے اور اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟

تو (اس کے متعلق) ان کا قول مختلف ہے۔ ان کے لڑکے عبداللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا! کہ مجھے ایک آدمی کے متعلق خبر ملی، جس کا اُس نے نام لیا کہ اگر آدمی مغرب کے بعد مسجد میں دو سنت پڑھے تو ادا نہ ہوں گی وہ کہنے لگے اس آدمی نے جو کچھ کہا خوب کہا اور بہت خوب استنباط کیا!

نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتیں

ابو حفصؒ نے بتایا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھروں میں نماز (نفل) ادا کرنے کے حکم سے یہ توجیہہ کی ہے اور مزوریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے مسجد میں نمازِ مغرب کے بعد دو رکعتیں (سنت) پڑھیں وہ گناہ گار ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ابو ثور سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔" وہ گناہ گار ہے"، تو انہوں نے جواب دیا شاید وہ اس مطلب پر اس وجہ سے پہنچے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ یہ سنتیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔

ابو حفصؒ کہتے ہیں کہ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گھروں میں فرض ادا کر لیے اور مسجد ترک کی تو بھی جائز ہوگا، اسی طرح سنتوں کا معاملہ ہے۔

اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ توجیہ ٹھیک نہیں، بلکہ ان کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ سنتوں کے لیے کسی معین جگہ یا جماعت کی شرط نہیں ہے اس لئے انہیں گھر میں اور مسجد میں (ہر جگہ) پڑھنا جائز ہے۔

اور مغرب کی سنن میں دو یا تین سنت ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے اور مغرب (کے فرائض) کے درمیان کلام کر کے فصل نہ کرے اور حسن بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمدؒ کو دیکھا کہ جب انہوں نے مغرب کی نماز کے بعد سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے اور کوئی بات نہیں کی اور اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھی۔ ابوحفص بتاتے ہیں، اس کا سبب قول مکحول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد دو رکعت (سنت) کسی قسم کی بات کرنے سے قبل پڑھیں اس کی نماز علیین میں اٹھائی گئی اور (نیز) نوافل فرائض سے متصل ادا ہو جاتے ہیں۔

دوسری سنت یہ ہے کہ گھر میں (سنتوں) کو ادا کرے۔ امام نسائیؒ، ابوداؤد اور ترمذیؒ نے کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لائے، مغرب کی نماز پڑھی۔ آخر جب سب نے نماز پڑھ لی تو ان کو دیکھا کہ وہ نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ گھر کی نماز ہے۔ اسے ابن ماجہؒ نے رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ دو رکعتیں گھروں میں پڑھا کرو۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت علیہ یہ ہے کہ آپ نے تمام سنتیں اور نوافل گھر میں پڑھے جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دس رکعتیں یاد رکھی ہیں۔ ظہر سے قبل دو رکعتیں اس کے بعد۔ اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے قبل۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے پہلے چار رکعت میرے گھر میں پڑھا کرتے، پھر نکلتے تو لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر اندر تشریف لاتے، پھر دو رکعت پڑھتے۔ اور اس طرح فجر کی سنتوں کے متعلق آپ سے

منقول ہے کہ آپ انہیں اپنے گھر میں پڑھتے جیسا کہ حضرت حفصہ رضؓ سے منقول ہے اور صحیحین میں ہے کہ حضرت حفصہ رضؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد کی سنن اور اس سے پہلے کی نماز کے متعلق ان شاء اللہ جمعۃ المبارک کے مسنون طریقہ (ہدیہٗ فی الجمعۃ) میں بحث کی جائے گی۔

سنتیں گھر میں پڑھنی چاہئیں

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول کے مطابق ہے۔ اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ کیونکہ فرض کے علاوہ انسان کی سب سے بہتر نماز اپنے گھر میں ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیبہ یہ ہے کہ آپ سنن و نوافل گھر میں پڑھتے۔ ہاں اگر کوئی سبب ہو جاتا تو دوسری بات تھی، جیسے آپؐ کی سنت یہ ہے کہ آپ کے فرائض مسجد میں ادا ہوتے۔ ہاں کوئی سفر یا مرض یا اس کے علاوہ مسجد میں جانے سے روک دینے والی کوئی رکاوٹ پیش آ جاتی تو الگ بات تھی، فجر کی سنتوں کے متعلق آپ کی حفاظت اور تسلسل تمام نوافل سے زیادہ سخت تر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سفر و حضر میں انہیں اور وتروں کو ترک نہ کرتے اور سفر میں بھی آپ صبح کی سنت اور وتر پر باقی تمام سنن کی نسبت زیادہ تر سختی سے پابندی کرتے اور سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے منقول نہیں کہ آپ نے ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسری سنن راتبہ پڑھی ہوں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا وہ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے۔ یہ (آپ کی سنتِ طیبہ تھی)، اگرچہ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ آپ تربع نہ فرماتے، لیکن بہر حال انہوں (ان کے علاوہ) سنتیں نہیں پڑھیں۔

ہاں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق ثابت ہے کہ ان سے ظہر کی سنتوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا، اگر میں عبادت کر رہا ہوں گا تو انہیں (سنتوں کو) پورا کروں گا اور یہ حضرت ابن عمرؓ کے ورع (تقوٰی) کا معاملہ ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رباعیہ (چار رکعتوں والی) نماز میں سے بھی ایک حصّہ کی تخفیف فرما دی تو اگر ان سے پہلے یا بعد دو رکعتیں شروع ہوں گی تو انہیں پوری کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ فجر کی سنتوں اور وتروں میں کونسی (نماز) زیادہ ضروری ہے (اس کے متعلق) دو قول ہیں اور فقہاء کے اختلاف کے باعث وجوب وتر میں کسی سمت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی - یہی معاملہ فجر کی سنتوں کے وجوب کے متعلق ہے. میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا وہ فرماتے تھے، فجر کی سنن (دن بھر کے) کام کے آغاز کے قائم مقام ہیں اور وتر اس کا انجام ہے -یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی سنتوں اور وتروں میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے اور یہ سورتیں توحید اور اس کے علم و عمل، معرفت و ارادہ اور اعتقاد و قصد پر مشتمل ہیں -

سورۂ اخلاص کے خصائص

اس طرح کہ سورۃ اخلاص اعتقاد و معرفت کے لحاظ سے توحید کے متضمن ہے اور پروردگار کی ایسی توحید پر مشتمل ہے جو ہر طرح سے شرک کے منافی ہے اور ایسی صمدیت (پر مشتمل ہے) جو تمام صفاتِ کمال اسی طرف منسوب کرتی ہے، جس میں کسی طرح بھی کوئی نقص نہیں پایا جاتا اور اب و ابنیت (باپ یا لڑکا) کی نفی کرتی ہے. یہی وہ صفات ہیں کہ جو صمدیت اور توحید کے لوازم میں سے ہیں اور کفو کی نفی کرتی ہیں، تاکہ تشبیہہ، مماثلت اور نظیر کی نفی ہو جائے تو یہ سورۃ اس (مضمون) پر مشتمل ہے کہ ہر کمال اسی کیلئے ثابت ہے. ہر نقص سے وہ بری ہے - اس کے کمال میں تشبہ و مماثلت ناممکن ہے اور اس کا شریک مطلقاً کوئی نہیں ہے یہی وہ اصول ہیں جو توحید علمی و اعتقادی کا مجموعہ ہیں کہ جن پر اعتقاد رکھنے والا تمام گمراہ اور مشرک فرقوں سے ممتاز ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ سورۃ قرآن کے تیسرے حصّہ کے برابر درجہ رکھتی ہے کیونکہ قرآن میں یا خبر ہے یا انشاء اور انشاء میں تین باتیں ہوتی ہیں. (۱) امر (۲) نہی اور (۳) اباحت اور خبر کی دو قسمیں ہیں. خالق تعالیٰ کی اطلاع دینا، اس کے اسماء و صفات و احکام کی خبر دینا (نیز) اس کی مخلوق کی خبر دینا تو سورۂ اخلاص محض اس کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کی خبر پر مشتمل ہے - اس وجہ سے یہ سورۃ ثلث قرآن کے برابر ہے اور اس کا پڑھنے والا جب کہ اس کا اس پر ایمان بھی ہو - عملی طور پر شرک سے بری ہو جاتا ہے. جس طرح علمی سورہ کافرون شرک عملی و ارادی و مقصدی سے انسان کو الگ کر دیتی ہے اور علم جب کہ عمل سے پہلے اور اس کا قائد و امام و رہنما اور اس کا حاکم (بلکہ) اس کو اس کے مقامات پر اتارنے والا ہو-

تو گویا وہ سورہ (یعنی قل ھو اللہ احد) ثلثِ قرآن کے برابر ہو گئی۔

سورۂ کافرون کے خصائص

اور قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ ربع قرآن کے برابر ہوئی حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا اور بتایا کہ یہ صحیح السند ہے۔

اور جب شرک عملی وارادی اپنی خواہشات کی اتباع کے باعث لوگوں پر غالب ہو جائے اور اکثر لوگ باوجود اس کی مضرت و بطلان سے واقف ہونے کے اس کے مرتکب ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں ان کی ذاتی اغراض پائی جاتی ہیں تو پھر اس کو اکھاڑنا اور زائل کرنا شرک عملی کے زائل کرنے سے زیادہ مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بر شرک عملی، تو علم استدلال سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مؤخر صورت کی حالت میں انسان کے لیے ناممکن ہے۔ کہ وہ (خواہ مخواہ) ہی ایک خلاف واقعہ بات کو صحیح سمجھتا رہے۔ بخلاف شرک ارادی و مقصدی کے کہ محض غلبہ ہوئی اور اپنے آپ پر غلبہ، شہوت و غضب کے باعث اس کا مرتکب یہ کام کرتا ہے، حالانکہ اس کا علم اس کے بطلان و مضرت سے اسے آگاہ ہی بھی کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ "الکافرون" میں شرکِ عملی کو دور کرنے کے سلسلہ میں تاکید و تکرار کے ساتھ احکامات آئے ہیں۔ جو قل ہو اللہ احد میں نہیں ملتے۔

اب جب کہ قرآن کے دو حصّے ہیں کہ ایک حصّہ دنیا اس کے احکامات و متعلقات اور افعال مکلفین وغیرہ کے احوال واقعیہ پر مشتمل ہے اور دوسرے میں آخرت اور اس کے احوال واقعیہ پائے جاتے ہیں۔

اور سورۃ اذا زلزلت ابتدا سے انتہا تک اسی (دوسرے) پر مشتمل ہے۔ یعنی اس میں آخرت کے سوا کچھ نہیں بتایا گیا اور اس میں احوالِ دنیا اسکے مکینوں کے متعلق کوئی بات نہیں ملتی۔ تو یہ نصف قرآن کے برابر ہے۔

اس روایت کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے اور یہی باعث ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کو طواف کی دو رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے اور چونکہ یہ دو سورتیں اخلاص و توحید کی ہیں اس لیے آپ دن کے کام کا آغاز بھی انہیں سے کرتے اور اختتام بھی انہی پر فرماتے اور صبح میں بھی انہیں پڑھتے جو کہ توحید کا (ایک عظیم) شعار ہے۔

تہجد اور وتر

وتر کب؟ کس طرح؟ کس تعداد میں؟ اور کیونکر؟

سنّت فجر کے بعد استراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تو اُسے چاہیے کہ اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جائے۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث، حسن صحیح غریب ہے۔ اور ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ باطل ہے اور صحیح نہیں ہے۔ صحیح طور پر آپ سے یہ فعل تو ثابت ہے لیکن امر قطعاً مروی نہیں ہے۔

اور روایات امر میں عبدالواحد بن زیادہ منفرد ہے اور اس میں اس نے غلط بیانی کی ہے۔

رہے ابن حزمؒ اور ان کے متبعین تو وہ اس طرح لیٹنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور ابن حزمؒ بتاتے ہیں کہ اس روایت کی بناء پر جو آدمی اضطجاع (لیٹنا) نہ کرے اس کی نماز باطل ہے اس مسئلہ میں وہ دیگر ائمہ سے منفرد ہیں اور میں نے ان کے ایک شاگرد کی کتاب دیکھی کہ جس میں انہوں نے ایوب سے اور انہوں نے ابن سیرینؒ سے روایت کیا کہ ابو موسیٰؓ رافع بن خدیج اور انسؓ بن مالک صبح کی سنتوں کے بعد لیٹا کرتے تھے اور اس بات کا حکم بھی دیتے تھے اور معمر سے منقول ہے کہ انہوں نے ایوب سے اور انہوں نے

نافع سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمرؓ یہ فعل نہ کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بس سلام پھیر دینا ہی کافی ہے اور ابن جریج سے منقول ہے کہ مجھے اس نے اطلاع دی، جس کی میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سنّت کی وجہ سے نہ لیٹتے تھے، بلکہ آپ رات میں بہت محنت کرتے اس لیے آرام فرماتے۔

ابن ابی شیبہ سے ابو صدیق نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک جماعت کو کہ وہ فجر کی دو رکعت (سنن) کے بعد لیٹ گئے۔ ان کی طرف بھیجا اور انہیں اس بات سے روک دیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس طرح سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت (ابن عمرؓ) نے فرمایا۔ ان کی طرف جاؤ اور انہیں خبر کردو کہ یہ بدعت ہے اور ابو مجلز کہتے ہیں۔

"میں نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے ساتھ شیطان کھیل رہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے (مزید) فرمایا کیا بات ہے کہ ایک آدمی جب دو رکعتیں پڑھتا ہے تو حمار کی طرح لیٹ جاتا ہے۔ چنانچہ دو گروہوں نے اس اضطجاع میں غلو کیا ہے اور تیسرے گروہ نے اعتدال سے کام لیا ہے۔ اہلِ ظاہر کی ایک جماعت نے اس کو واجب قرار دیا ہے اور ابن حزم اور ان کے موافقین نے اس کے ترک کرنے پر نماز کو باطل قرار دیا ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے اسے مکروہ سمجھا اور اسے بدعت قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ وغیرہ نے اس میں اعتدال سے کام لیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ جو استراحت کی خاطر ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں اور جو سنت سمجھ کر کرے تو یہ مکروہ ہے۔

کیا سنّت فجر کے بعد استراحت مستحب ہے؟

ایک جماعت نے اسے مطلقاً مستحب قرار دیا ہے۔ خواہ اس سے استراحت مطلوب ہو یا نہ ہو یہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حجت لیتے ہیں اور جنہوں نے اسے مکروہ کہا ہے۔ انہوں نے صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کے آثار سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس شخص کو کنکر مارتے جو ایسا کرتا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فعل کیا بھی ہے۔ ان کے نزدیک صحیح مسئلہ یہ

ہے کہ اضطجاع وتر کے بعد اور فجر کی سنتوں سے قبل تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت میں صراحت سے ذکر ہے۔ رہی حضرت عائشہ کی روایت تو علی بن شہاب نے اس باب میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے اس سے روایت کیا کہ جب آپؐ فارغ ہو جاتے یعنی رات کی نماز سے (فارغ ہو جاتے) تو دائیں کروٹ لیٹ جاتے، حتیٰ کہ موذن حاضر ہوتا تو آپ دو ہلکی سی رکعتیں ادا فرماتے۔ یہ اس بات کی صراحت ہے۔ کہ لیٹنا فجر کی سنتوں سے پہلے ہوتا۔ دوسروں نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے "کہ جب موذن فجر کی اذان دے چکتا اور آپ سفیدۂ سحر دیکھ لیتے اور موذن حاضر ہوتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور دو خفیف سی رکعتیں ادا فرماتے۔ پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ انہوں نے بتایا کہ جب اصحاب ابن شہاب باہم مختلف ہیں تو قول وہی درست ہوگا جو ان کے اکثر کا ہے۔ کیونکہ وہی ان میں سے

یاد رکھنے والے اور بات کو محفوظ رکھ لینے والے تھے۔

دوسروں کا قول ہے کہ صحیح مسلک ان لوگوں کا ہے جو امام مالکؒ سے اختلاف کرتے ہیں اور ابوبکر خطیب نے کہا ہے کہ مالکؒ نے زہریؒ سے اور انہوں نے عروہؓ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رات کو گیارہ رکعت پڑھتے اور ایک رکعت ملا کر وتر ادا فرماتے، جب آپ فارغ ہو جاتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن حاضر ہوتا تو آپ دو خفیف سی رکعتیں ادا فرماتے اور عقیل، یونس، شعیب، ابن ذریب اور اوزاعیؒ وغیرہ نے امام مالکؒ سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے زہریؒ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی دو رکعتیں (سنت) ادا فرماتے۔ پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن حاضر ہوتا تو آپؐ کے ساتھ باہر تشریف لے آتے۔ چنانچہ مالکؒ نے بتایا ہے کہ اضطجاع فجر کی دو سنتوں سے پہلے ہوتا تھا۔ ایک اور جماعت کی روایت ہے کہ آپ نے دو رکعت کے بعد اضطجاع (استراحت) فرمایا اس لیے علماء نے فیصلہ فرما دیا کہ امام مالکؒ سے اس باب میں غلطی ہوئی اور دوسروں نے درست بتایا۔

آں حضرت کا معمول

اور ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے کہا کہ ابو صلت نے ابو کریب سے اور انہوں نے ابو سہیل سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا کہ آپ فجر کی دو (سنتوں) کے بعد لیٹ گئے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ وہ اسے رفع نہیں کرتے میں نے عرض کیا کہ اگر نہ لیٹے ہوں تو اس پر کوئی ہرج ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ یہ روایت حضرت عائشہؓ کی نہیں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔

اور جلال نے بتایا کہ ہمیں مزوری نے خبر دی ابو عبداللہ نے کہا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت وہ نہیں ہے میں نے کہا کہ اعمش سے ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالواحد تنہا ہی اس کے راوی ہیں اور ابراہیم بن حارث کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ سے فجر کی دو سنتوں کے بعد لیٹنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگے کہ میں یہ نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو ٹھیک ہے۔

اگر عبدالواحد بن زیاد کی روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی جو اس نے اعمش سے اور انہوں نے ابو صالح سے کی ہے تو ان کے نزدیک اس فعل کا مقام کم از کم مستحب تو ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح روایت کیا اور کبھی اس طرح روایت کیا۔ چنانچہ وہ کبھی اس طرح کر لیتے اور کبھی اس طرح کر لیتے، چنانچہ اس باب میں اختلاف نہیں بلکہ یہ مباحات میں سے ہے۔

آپ کے دائیں پہلو پر لیٹنے میں بھی ایک راز ہے، اور وہ یہ ہے کہ دل دائیں جانب معلق ہے پس جب آدمی بائیں کروٹ پر لیٹتا ہے تو اُس کو بھرپور نیند آجاتی ہے، کیونکہ آسائش و راحت میں ہوتا ہے اس وجہ سے نیند خوب آجاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ دائیں کروٹ پر ہوتا ہے تو وہ پریشان سا ہو جاتا ہے اور دل کے قلق اور اپنے مقام کی طلب و میلان کے باعث اُسے بھرپور نیند نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے بائیں کروٹ پر سونے کو پسند کیا ہے۔ تاکہ راحت مکمل ہو اور نیند خوب آئے اور صاحب شرع نے دائیں کروٹ پر سونے کو پسند کیا ہے۔ تاکہ خواب خرگوش میں مبتلا نہ ہو جائے۔ کہ رات کی نماز سے

بھی محروم رہے۔ چنانچہ دائیں کروٹ پر سونا دل کے لیے زیادہ مفید ہے۔ اور بائیں کروٹ سونا بدن کے لئے زیادہ مفید ہے۔

نماز تہجد اور آں حضرتؐ کے معمولات

سلف وخلف نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا نماز تہجدؔ آپ پر فرض تھی یا نہیں؟ دونوں گروہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے۔

ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک

"یعنی کچھ رات جاگنا رہ جو تیرے لیے مفید ہے"

ان کا خیال ہے کہ یہ (آیت) غیر واجب ہونے کی صراحت کرتی ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ اس سورۃ میں یاایہاالمزمل قم اللیل الا قلیلا۔ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے اور کوئی آیت اس کی ناسخ بھی نہیں رہی۔ (پہلی آیت میں) نافلۃ لک تو وہاں نافلۃ سے مُراد زیادہ" ہے اور مطلقاً زیادہ (عبادت) کرنا تطوعات (نوافل) پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

ووھبنا لہٗ اسحاق ویعقوب نافلۃ

یعنی ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے۔

لڑکا دینے کے مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے تہجدؔ میں نافلۃ کا مطلب اجر اور درجات میں زیادہ معنی رکھتا ہے۔ اس لیے آپ کو اس سے مختص (فرض) فرمایا، کیونکہ دوسروں کے لیے قیام لیل مباح ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیے ہیں آپ رفعت درجات اور زیادتی مراتب میں کوشش فرماتے ہیں۔ اور دوسری لغزشوں کے کفارہ کے طور پر عمل کرتے ہیں۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ (عبادت) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے نافلۃ کا درجہ رکھتی ہے۔ (چونکہ) آپ کے تمام گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیے گئے ہیں تو گویا ان کی اطاعت نافلۃ یعنی ثواب میں زیادتی کا سبب بنتی ہے اور دوسروں کے لیے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

ابن منذرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہمیں علی بن ابی عبیدہ نے بتایا اور انہیں حجاج

نے ابن جریج سے اور انہوں نے ابن کثیر سے اور انہوں نے مجاہد سے سماعت کی کہ فرائض کے علاوہ باقی نافلہ ہیں۔ کیونکہ (فرائض) گناہوں کا کفارہ نہیں بنتے اور زیادتی درجات کے لیے دوسرے لوگوں کے لیے نوافل نہیں ہیں بلکہ یہ خصوصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہے اور باقی تمام لوگ فرائض کے علاوہ گناہوں کے کفارہ کی خاطر نفلی عبادت کرتے ہیں۔ ہمیں محمد نے بتایا اور انہیں نصر نے اور انہیں عبداللہ نے اور انہیں عمرو نے اور ان کو سعید و قبیصہ نے انہیں سفیان نے، انہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے اور انہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہ اس آیتہ کریمہ کے بارے میں روایت یہ ہے کہ فتہجد بہ نافلۃ لک نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کسی کے لیے نافلہ (زیادتی درجات وغیرہ) نہیں بنتی اور ضحاک رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خصوصیت سے نافلہ ہے۔ سلیمان بن حبان نے ذکر کیا کہ ہمیں ابو غالب نے بہ سند امامہ بتایا کہ جب تو نے وضو کے اعضاء کو ان کے مقام پر رکھ دیا تو نجات یافتہ ہو کر اُٹھا، اب اگر تو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو یہ تیرے لیے فضیلت و اجر کا سبب ہے، اس پر ایک آدمی کہنے لگا:

اے ابو امامہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے تو یہ اس کے لیے نافلہ (زیادتی درجات) کا باعث ہو گی؟

جواب دیا، نہیں بلکہ نافلہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ہو گی۔ کسی اور کے لیے کیسے ہو سکتی ہے؟ جب کہ وہ گناہوں، خطاؤں میں ڈوبا ہوا ہے (ہاں) اس کے لیے فضیلت اور اجر کا سبب ضرور ہو گی۔

میں نے کہا کہ مقصود تو یہ ہے کہ آیت میں لفظ نافلہ سے مراد وہ نہیں جس کا فعل و ترک مباح ہو جیسے مستحب و مندوب بلکہ اس سے مراد زیادتی درجات ہے اور یہ صفت فرائض و مستحباب میں قدر مشترک ہے۔ اس طرح "نافلہ" کا قول امر وجوب فی التہجد کے منافی نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سفر و حضر میں قیام لیل (تہجد) ترک نہ فرماتے اور جب کبھی آپ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا یا تکلیف ہو جاتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے۔

کیا وتر کی قضاء کرنی چاہیے؟

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو اس دلیل کے متعلق فرماتے سنا کہ وتر اپنے محل سے قضا (فوت) ہو جانے کے بعد قضا نہیں ہوتی۔ اور یہ تحیۃ المسجد، نمازِ کسوف اور نمازِ استسقاء وغیرہ کی طرح ہے، کیونکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہو جیسے کہ دن کی آخری نماز مغرب ہوتی ہے اور جب رات ختم ہو جائے اور آدمی صبح کی نماز پڑھ لے تو وتر اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

ابو داؤدؒ اور ابن ماجہؒ، حضرت ابوسعید خدریؓ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا، اگر کوئی وتر سے پہلے سو جائے یا بھول جائے تو جب صبح ہو یا یاد آجائے تو پڑھ لینا چاہیے۔

لیکن اس روایت میں کئی علل ہیں، ایک تو یہ کہ یہ عبدالرحمٰن بن زید اسلم کی روایت ہے۔ اور وہ ضعیف ہے۔ دوسرے صحیح بات یہ ہے کہ ان کی اپنے والد سے اور ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح یعنی مرسل ہے تیسرے ابن ماجہؒ نے ابوسعیدؓ کی حدیث بیان کر کے محمد بن یحییٰ سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! صبح ہونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لو"

روایت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز گیارہ یا تیرہ رکعت ہوتی تھی جیسا کہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیونکہ ان دونوں سے یہ ثابت ہے۔ نیز صحیحین میں (حضرت عائشہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رمضان میں اور رمضان کے علاوہ بھی گیارہ سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ نیز صحیحین میں انہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور ان میں پانچ کے ساتھ وتر کر لیتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے حضرت عائشہ سے پہلی روایت صحیح ہے۔ اور گیارہ سے زائد دو رکعتیں (دراصل) یہ فجر کی سنتیں ہیں۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کو ملا کر تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے۔ اِسے

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رات کے وقت تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب فجر کی اذان سنتے تو دو خفیف رکعتیں پڑھتے۔ اور صحیحین میں قاسم بن محمد سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی تھیں کہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز دس رکعتیں ہوتیں اور ایک سجدہ (رکعت) سے وتر کرتے۔ پھر فجر کی دو رکعتیں پڑھتے تو یہ تیرہ رکعتیں بن گئیں۔ اس طرح یہ تفسیر واضح ہے۔

رہے حضرت ابن عباسؓ تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو حمزہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔ لیکن اس کی وضاحت اس طرح منقول ہے کہ یہ تعداد فجر کی دو رکعتیں (سنت) ملا کر بنتی ہے شعبیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ تیرہ رکعتیں، اس میں سے آٹھ (تہجّد کے نوافل) تین رکعتیں وتر اور دو رکعتیں فجر سے قبل کی سنتیں تھیں اور صحیحین میں کریب نے ان سے اپنی خالہ ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزارنے کے قصہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تیرہ رکعت نماز پڑھی۔ پھر سو گئے یہاں تک کہ آپ کے خراٹے کی آواز آنے لگی۔ آخر جب آپ کو محسوس ہوا کہ فجر ہو گئی تو آپ نے دو خفیف سی رکعتیں پڑھیں۔ ایک لفظ یہ ہے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر ایک (رکعت) ملا کر وتر پڑھے۔ پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن حاضر ہوا تو آپ اٹھے اور دو خفیف سی رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپؐ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے باہر تشریف لائے۔ اس طرح گیارہ رکعتوں پر (ائمہ) کا اتفاق ہو گیا اور آخری دو رکعتوں پر اختلاف رہا کہ آیا وہ فجر کی دو سنتیں تھیں یا ان کے علاوہ تھیں؟ اس طرح جب فرائض اور ان سنن راتبہ کو جمع کیا جائے۔ جن پر آپ مواظبت (دوام) کرتے تھے تو جو مجموعۂ رکعات بنتا ہے۔ یہ دن رات میں چالیس رکعتیں ہوتی ہیں۔

جن پر آپ مواظبت کیا کرتے تھے۔ سترّہ فرائض اور دس یا بارہ سنن راتبہ اور گیارہ یا تیرہ تہجدّ کی رکعتیں ہوتی۔ اس طرح مجموعہ چالیس کا ہو گیا۔ اور جو ان سے زائد ہو تو غیر راتب (یعنی) عارضی (ہنگامی) ہوں گی، جیسے کہ نماز فتح آٹھ رکعتیں اور جب آپ سفر سے مراجعت فرما ہوتے تو نماز چاشت اور زیارت کے وقت کی نماز اور تحیتہ المسجد وغیرہ پس انسان کو چاہیے کہ وہ موت تک اس ورد پر قائم رہے اس لیے کہ جو شخص دن رات میں چالیس بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کس قدر سریع الاجابت ہو گا اور دروازہ (کس قدر) جلد کھل جائے گا اور اللہ سے ہی مدد کا سوال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز شب، وتر اور ابتدائے تہجد کی نماز کا ذکر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب بھی عشاء کی نماز پڑھی اور اندر تشریف لائے تو چار یا چھ رکعتیں پڑھیں پھر آپ بستر پر تشریف لاتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب انہوں نے آپ کے پاس رات گزاری تو عشاء کی نماز پڑھی، پھر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سو گئے۔ ان دونوں کو ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور جب آپ بیدار ہوتے تو مسواک سے آغاز فرماتے پھر اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے اور بیدار ہونے وقت جو کچھ آپ پڑھتے اس کے متعلق گزر چکا ہے۔ پھر آپ وضو فرماتے اور دو خفیف سی رکعتیں ادا کرتے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب رات کو اُٹھتے تو دو خفیف سی رکعتوں سے ابتداء فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق آپ نے اسی بات کا حکم بھی دیا، فرمایا۔

جب تم میں سے کوئی رات کو اُٹھے تو اُسے چاہیے کہ دو خفیف رکعتوں سے ابتداء کرے (مسلم شریف)

اور جب رات آدھی گزر جاتی یا اس سے قبل یا اس کے بعد اُٹھتے اور اکثر اوقات آپ اس وقت اٹھتے جب آواز دینے والے یعنی مرغ کی آواز سنتے اور وہ اکثر نصف ثانی (رات کے آخری نصف حصّہ) میں آواز لگاتا اور کبھی تو آپ اپنا ورد منقطع کر دیتے اور کبھی مسلسل

جاری رکھتے اور یہی زیادہ نہ ہوتا کہ آپ منقطع فرماتے جیسا کہ ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس رات گزارنے کی روایت میں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جب بیدار ہوئے تو مسواک کی اور وضو کیا۔ اور فرمایا۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب

یعنی "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے نشان ہیں"

آپ نے یہ آیات پڑھیں۔ یہاں تک کہ سورہ ختم کی پھر کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام و رکوع و سجود طویل کیا۔ پھر فارغ ہو گئے اور سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹے کی آواز آنے لگی پھر آپ نے تین مرتبہ چھ رکعتوں میں اسی طرح کیا۔ ہر بار مسواک کرتے وضو فرماتے اور یہ آیات پڑھتے۔ پھر آپ نے تین وتر پڑھے، پھر موذن نے اذان دی اور آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور آپ دعا کر رہے تھے۔

اللھم فی قلبی نورًا وفی لسانی نورًا واجعل فی سمعی نورًا واجعل فی بصری نورًا واجعل من خلفی نورًا ومن امامی نورًا واجعل لی من فوقی نورًا ومن تحتی نورًا اللھم اعطنی نورًا۔

یعنی: "اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری زبان میں نور (ڈال دے) اور میرے کانوں میں نور ڈال دے اور میری آنکھوں میں نور ڈال دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے آگے نور (کر دے) اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور (کر دے) اور اے اللہ مجھے نور عطا فرما: (مسلم)

عائشہ کی روایت کو ابن عباس کی روایت پر ترجیح

اور حضرت ابن عباسؓ نے دو خفیف رکعتوں کے ساتھ افتتاح کا تذکرہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تذکرہ کیا ہے۔ اس لیے یا تو کبھی آپ اس طرح کرتے ہوں گے اور کبھی اُس طرح اور یا حضرت عائشہؓ نے وہ بات یاد رکھی جو حضرت ابن عباسؓ یاد نہ رکھ سکے اور یہی اظہر ہے کیونکہ وہی

(ام المومنین رضی اللہ عنہا) ہمیشہ مواظبت سے (آپ کو دیکھتیں) اور (اہتمام سے) آپ (کی سنّت طیبہ) پر ملاحظہ کرتیں۔ نیز آپ ہی تمام مخلوقات کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے قیام لیل سے آگاہ تھیں اور ابن عباسؓ نے تو محض اپنی خالہؓ کے ہاں ٹھہرنے سے رات کو مشاہدہ کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قیام لیل کے متعلق حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ میں اختلاف ہو تو حضرت عائشہؓ کا قول ہی (معتبر) تصوّر ہو گا۔

اور آپ کے قیام لیل اور وتر کئی انواع پر تھے۔ ایک تو یہ جو حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا۔

قسم ثانی جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا کہ آپ دو خفیف رکعتوں سے نماز کی ابتدا فرماتے پھر آپ اپنا ورد (نماز) گیارہ رکعتوں میں ختم کرتے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت کے ساتھ وتر کرتے۔

قسم سوم اسی طریقہ پر تیرہ رکعت تھیں۔

قسم چہارم یہ تھی کہ آپ آٹھ رکعتیں پڑھتے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔ پھر مسلسل پانچ رکعت پڑھتے۔ وتر کرتے اور صرف آخر میں (تشہد) کے لیے بیٹھتے۔

قسم پنجم، نو رکعت تھیں کہ جو آٹھ مسلسل پڑھتے اور صرف آٹھویں رکعت کے آخر میں بیٹھتے اور اللہ کا ذکر فرماتے، حمد کرتے اور دعا مانگتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے اور تشہّد پڑھتے اور سلام پھیر دیتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے۔

قسم ششم یہ تھی کہ نو مذکورہ کی طرح سات رکعتیں پڑھتے۔ پھر اس کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔

قسم ہفتم یہ تھی کہ آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے اور (آخر میں، تین وتر ادا کرتے جن میں فصل) نہ ہوتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ تین وتر پڑھتے اور ان کے درمیان فصل نہ فرماتے اور نسائیؒ نے انہیں سے روایت کیا کہ آپ وتر کی نماز میں دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے۔ یہ مشاہدہ پر مبنی

سنّت ہے۔

وتر کے متعلق بعض دوسرے روایات

ابوحاتم اور ابن حبانؒ ہر دو صاحبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا ہے، تین وتر نہ پڑھو بلکہ پانچ یا سات.... (رکعتوں) سے وتر کرو اور نماز مغرب سے تشابہ نہ کرو۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھہرو میں نے حضرت ابوعبداللہؒ سے دریافت کیا۔ وتر میں آپ کا مسلک تھا؟ کیا آپ دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے؟

انہوں نے جواب دیا ہاں!

میں نے پوچھا، کیوں؟

فرمایا دو رکعتوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث قوی اور کثرت سے ہیں۔ زہریؒ حضرت عروہؓ سے اور وہ عائشہؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا۔

اور حارث کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے وتر کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ دو رکعتوں پر سلام پھیرا جائے گا اور اگر سلام نہ پھیرے تو مجھے امید ہے کہ کوئی حرج نہیں ہوگا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے سلام پھیرنا ثابت ہے اور ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہؒ سے دریافت کیا ہے۔

وتر میں آپ کس روایت کی طرف مائل ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ میں سب کی طرف مائل ہوں، جس نے پانچ رکعت پڑھیں اور صرف آخری رکعت پر بیٹھا اور جس نے سات رکعتیں پڑھیں اور صرف ان کے آخری رکعت پر بیٹھا، دونوں صحیح ہیں، زرارہ کی حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت میں ہے کہ آپ نو سے وتر کرتے اور آٹھویں (رکعت) پر بیٹھا کرتے۔ انہوں نے بتایا لیکن زیادہ مضبوط اور قوی روایت ایک رکعت والی ہے۔ اسی لئے میں اس پر عامل ہوں

ہیں نے عرض کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "کہ تین رکعتیں"
انہوں نے جواب دیا ہاں! (ابن مسعودؓ نے حضرت سعدؓ پر ایک رکعت کی وجہ سے اعتراض کیا تھا تو انہوں نے بھی جواب میں کچھ کہا تھا۔

قسم ہشتم: جو نسائیؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رمضان میں نماز پڑھی تو رکوع کیا اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اس قدر (دیر تک) پڑھا جیسے کھڑے رہے پھر بیٹھ گئے آپؐ پڑھ رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ۔

یعنی! "اے پروردگار مجھے بخش دے اے پروردگار مجھے بخش دے"
جتنی دیر کھڑے رہے یہی پڑھتے رہے۔ ابھی چار رکعت ہی پڑھی تھیں کہ حضرت بلالؓ حاضر ہوئے اور صبح کی نماز کے لیے بلانے لگے۔

آپؐ نے شروع رات، درمیان میں اور آخر میں بھی وتر پڑھے ہیں اور بعض اوقات رات بھر کھڑے رہے اور ایک ہی آیت کی تلاوت صبح تک بار بار کرتے رہے اور وہ آیت یہ تھی۔

ان تعذبھم فانھم عبادتك۔

یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں"
آپ کی رات کی نماز تین طرح ہوتی تھی ایک کھڑے ہو کر اور زیادہ تر یہی طریقہ تھا۔ دوسرے بیٹھ کر نماز پڑھتے اور رکوع بھی بیٹھ کر کرتے۔ تیسرے یہ کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے اور جب قرأۃ میں سے تھوڑا سا باقی رہ جاتا تو کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہو کر رکوع فرماتے۔ یہ تینوں صورتیں صحیح طور پر آپ سے منقول ہیں۔

ابوداؤد راوی کی تعدیل

رہا کھڑے ہونے کے موقع پر آپ کا بیٹھ جانا تو سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن شفیقؓ

سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے فرمایا۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تربع (بیٹھنی مار کر) نماز پڑھتے دیکھا
امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ ابوداؤد کے سوا کسی نے اسے روایت
کیا ہے اور ابوداؤد ثقہ راوی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ روایت غلط ہے
اور اللہ ہی خوب جانتا ہے ۔

قنوت کا مسئلہ

نماز میں قنوت کے وقت، طریقے اور دعا کا بیان

آٹھ رکعتیں پڑھنے کے بعد وتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ وتر کے بعد کبھی بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور کبھی دوران نماز میں "تلاوت (قرآن) بیٹھ کر کرتے اور جب رکوع کرنا ہوتا تو کھڑے ہو جاتے اور جب رکوع کرتے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سلمہ رضؓ سے روایت ہے، انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو ام المومنین رضؓ نے فرمایا آپؐ تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اوّل آٹھ رکعتیں پڑھتے پھر وتر پڑھتے۔ پھر بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کرتے۔ چنانچہ جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کر لیتے پھر آپ اذان اور اقامت کے درمیان نماز صبح کی دو رکعت (سنن) پڑھتے۔

مسند میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے دو خفیف سی رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے بھی حضرت عائشہ اور ابو امامہ رضؓ وغیرہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی روایت کی ہے۔

مسند میں حضرت ابو امامہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر دو رکعت وتر پڑھا کرتے تھے جن میں آپ اذا زلزلت اور قل یا ایہا الکافرون پڑھا کرتے

تعارض روایت اور حل اشکال

دار قطنیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور اکثر لوگوں کو اس میں اشکال سا ہو گیا ہے اور انہوں نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول "رات کی آخری نماز وتر بناؤ" کا معارض سمجھا ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان دو رکعتوں کا انکار کیا ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نہ یہ (رکعتیں) پڑھنا چاہتا ہوں اور نہ کسی کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں اور بتایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کا انکار کیا ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ آپ نے یہ دو رکعتیں اس لیے پڑھیں تاکہ وتر کے بعد نماز کے جواز کا علم ہو جائے اور اگر یہ پڑھی گئی ہیں تو ان سے نفل نہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہ آپ کے اس فرمان پر محمول ہے" رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ" (یعنی) مستحب یہ ہے اور ان کے بعد دو رکعتیں محض مباح (جائز) ہیں۔ اور انسب یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ دونوں رکعتیں سنتوں کی قائم مقام ہیں اور وتر کی تکمیل کرتی ہیں کیونکہ وتر مستقل عبادت ہے۔ خصوصاً جب کہ اسے واجب مانا جائے۔ پس وتر کے بعد دو رکعتیں مغرب کی سنتوں کے قائم مقام ہیں کیونکہ نماز مغرب دن کا وتر ہے اور یہ دو رکعتیں اس کی تکمیل کرتی ہیں اسی طرح رات کے وتر کے بعد دو رکعتوں کا معاملہ ہے۔

وتر میں قنوت پڑھنا چاہیے یا نہیں

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی نہیں کہ آپ نے وتر میں قنوت پڑھا ہو یاں صرف ایک روایت ہے جو ابن ماجہؒ نے علی بن میمون سے اور انہوں نے محمد بن یزید سے اور انہوں نے سفیان سے اور انہوں نے زبید یامی سے اور انہوں نے سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی سے اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے اور امام احمدؒ نے اپنے بیٹے عبداللہ کی روایت کے مطابق رکوع کے بعد قنوت کو اختیار کیا ہے (نیز) جو کچھ قنوت کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے، وہی کچھ قنوت فجر سے متعلق بھی ہے۔ جب ایک رکوع سے سر اٹھا لیتے۔ آپ نے رکوع کے

بعد وتر کے قنوت کو اختیار کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے قنوت سے قبل یا بعد کچھ بھی منقول نہیں۔ اور جلال کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یحییٰ کحال نے بتایا کہ انہوں نے وتر میں قنوت کے بعد یا قبل اس سے متعلق ابو عبداللہ سے دریافت کیا کہ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ ایک سال سے دوسرے سال تک قنوت پڑھا کرتے تھے۔

وتر میں پڑھنے والے دعائیہ کلمات

امام احمدؒ اور اہل سنن حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کلمات سکھائے، جن کو میں وتر میں پڑھا کرتا ہوں۔

" اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شرما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انه لا یذل من والیت تبارك ربنا وتعالیت "

اور امام بیہقیؒ اور نسائیؒ نے یہ الفاظ بھی زائد لکھے ہیں۔

ولا یعز من عادیت۔

اور نسائیؒ نے ایک روایت پر مزید یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وصلی اللہ علی النبی۔

اور حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے سکھایا کہ جب میں سر اٹھالوں اور سجدہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے (تو یہ دعا پڑھوں) ابن حبانؒ نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا کہ وہ دعا پڑھتے تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی یہ روایت حسن ہے اسے ہم صرف اسی (یعنی) ابو حوراء سعدی کی سند سے جانتے ہیں اور اس کا نام ربیعہ بن شیبان ہے اور قنوت کے متعلق ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس سے زیادہ بہتر دعا نہیں جانتے۔

اور وتر میں دعائے قنوت حضرت عمر و بن مسعودؓ سے منقول ہے اور ان سے فجر کی نماز میں قنوت زیادہ صحت سے منقول ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے قنوت وتر کی روایت سے زیادہ فجر کی قنوت کی روایت زیادہ صحت کے ساتھ منقول ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت وتر کے بارے میں

ابوداؤد و ترمذیؒ اور نسائیؒ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وتر کے آخر میں پڑھا کرتے تھے۔

برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك۔

یعنی "اے اللہ میں تیری خفگی سے تیری رضا کی اور تیری سزا سے تیرے عفو کی پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری ثنا نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا فرمائی"۔

اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس سے قبل ہو یا بعد میں ہوا اور نسائی سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے اور بستر پر جاتے تو یہ مذکورہ دعا پڑھا کرتے اس روایت میں ہے۔ لا احصي ثناء عليك ولو حرصت۔

نبی صلی اللہ سے ثابت ہے کہ آپ نے یہ سجدہ میں کہا ہے، شاید آپ نے یہ نماز میں یا فارغ ہونے کے بعد پڑھا ہو۔ حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز اور وتر کے متعلق روایت کیا ہے پھر آپ نے وتر پڑھے۔ جب آپ نے نماز پڑھی تو میں نے سنا کہ آپ پڑھ رہے تھے:

اللهم اجعل في قلبي نورًا وفي بصري نورًا وفي سمعي نورًا وعن يميني نورًا وعن شمالي نورًا وفوقي نورًا وتحتي نورًا وامامي نورًا وخلفي نورًا واجعل لي يوم لقائك نورًا۔

یعنی: اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری آنکھوں میں نور ڈال دے اور میرے کانوں میں نور ڈال دے، اور میرے دائیں طرف نور کر دے

اور میرے بائیں جانب نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے سامنے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے اس دن نور کر دے جس دن تیری زیارت ہو۔

کریب اور سبع نے قنوت کے متعلق کہا ہے کہ میں اولادِ عباس میں ایک آدمی سے ملا تو اس نے مجھے بتایا: آپ یہ بھی فرماتے تھے۔

" لحمی ودمی وعصبی وشعری وبشری۔

یعنی: "میرے گوشت اور میرے خون اور میرے پٹھے اور میرے بالوں اور میری جلد (کو منور کر دے)

اور دو عادات ذکر کیں۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے اور وہ سجدہ میں پڑھا کرتے تھے" اور اس حدیث میں مسلم کی ایک روایت میں ہے "آپ نماز یعنی صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور آپ پڑھ رہے تھے" پھر یہ دعائے (مذکورہ) نقل کی اور ان کی ایک روایت میں ہے

وفی لسانی نورًا واجعل فی نفسی نورًا واعظم لی نورًا۔

یعنی: "اور میری زبان نور سے بھر دے اور مجھ میں نور پیدا کر دے اور میرے لیے نور زیادہ کر دے۔

ان کی ایک روایت میں ہے وجعلنی نورًا۔

یعنی: "اور مجھے نور بنا دے"

اور ابوداؤدؒ و نسائیؒ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وتر میں سبح اسم ربك الاعلی اور قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ پڑھا کرتے۔ جب سلام پھیرتے تو تین بار یہ دعا پڑھتے سبحان الملك القدوس تیسری مرتبہ آپ آواز کھینچ کر پڑھتے اور بلند کرلیتے۔ یہ نسائیؒ کے الفاظ ہیں۔ دارقطنیؒ نے مزید کہا ہے: رب الملائکۃ والروح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تلاوت قطع کرلیتے اور ہر آیت پر ٹھہر جاتے۔ اس طرح آپ پڑھتے الحمد للہ رب العلمین اور ٹھہر جاتے پھر الرحمن الرحیم اور وقف کرتے پھر مالك یوم الدین....

تلاوت قرآنِ کریم

کتاب اللہ کی تلاوت و قرأت کے آداب

امام زہری کی روایت زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت ایک ایک آیت (کے وقفہ) سے ہوتی تھی۔

اگرچہ (آیت) کا تعلق مابعد سے کیوں نہ ہو (پھر بھی) آیات کے آخر میں وقف کرنا افضل ہے اور بعض قراء کا یہ خیال ہے آیات کے آخر میں وقوف کے موقع پر اغراض و مقاصد (آیات) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت و طریقہ کا لحاظ رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ امام بیہقی اور دوسرے (محدثین) نے شعب الایمان میں لکھا ہے:

"آیت کے آخر میں وقف کو ترجیح ہے۔ اگرچہ آیت کا مابعد سے تعلق کیوں نہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ترتیل سے سورۃ پڑھا کرتے یہاں تک کہ وہ بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو (اور لگا ہے) ایک ہی آیت کو صبح تک بار بار پڑھتے رہتے اور لوگوں نے ترتیل اور کم پڑھنا یا جلدی اور زیادہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے کہ دونوں میں کونسی صورت افضل ہے۔ چنانچہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا خیال ہے کہ ترتیل و تدبر کے ساتھ کم پڑھنا جلدی اور کثرتِ تلاوت سے بہتر ہے اور اس مسلک کے حضرات نے استدلال کیا ہے کہ تلاوت کا مقصود تو فہم و تدبر و تفقہ ہے اور اسی پر عمل کرنا، اس کی تلاوت کرنا اور (اسے) یاد کرنا مطالب کا ذریعہ ہے جیسا کہ سلف نے فرمایا ہے کہ قرآن عمل کے لیے نازل کیا گیا اس لیے اس کی تلاوت کو عمل سمجھو۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ قرآن اس کے عالم بھی تھے اور جو اس میں (احکامات) ہیں ان پر عامل بھی تھے۔ اگرچہ

زبانی یاد نہ کیا ہو لیکن جس نے اُسے زبانی یاد کیا اور نہ اُسے سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا تو وہ اہلِ (قرآن) میں سے نہیں۔ اگرچہ وہ کھٹا کھٹ (زبانی) پڑھ سکتا ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ:۔

ایمان سب سے افضل عمل ہے اور فہم قرآن اور تدبر قرآن ہی ایمان کا ثمر نورس ہے۔

بغیر سمجھے ہوئے تلاوت قرآن کی مثال

رہا یہ کہ فہم و تدبّر کے بغیر صرف تلاوت کرنا تو اس کام کو تو نیک و بد اور مومن و منافق سب کر رہے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ نے فرمایا کہ منافق کی مثال جو قرآن پڑھ رہا ہو ایسی ہے کہ جیسے ریحان (پھول) کہ اس کی خوشبو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

اس باب میں لوگوں کے چار طبقات ہیں۔

۱۔ اہل قرآن و ایمان یہ سب سے افضل طبقہ ہے۔

۲۔ جو قرآن و ایمان سے محروم ہے۔

۳۔ جسے قرآن تو ملا لیکن ایمان نہ ملا۔

۴۔ جسے ایمان ملا لیکن قرآن نہ ملا۔

ان کا کہنا ہے کہ جسے ایمان بغیر قرآن کے ملا وہ اس سے افضل ہے۔ جسے قرآن ملا لیکن ایمان نہ ملا۔ ایسے ہی جسے تلاوت میں فہم و تدبر نصیب ہوا وہ اس سے افضل ہے جو بغیر تدبر کے کثرت اور تیزی سے تلاوت کرتا ہے۔ ان کا فرمان ہے کہ:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت ہے کیونکہ آپ ترتیل سے تلاوت فرماتے۔ یہاں تک کہ سورت طویل سے طویل ہو جاتی اور صبح تک ایک ایک آیت پر کھڑے رہتے۔

اصحاب شافعی کی روایت کے بارے میں

اور اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ کثرت تلاوت افضل ہے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ میں سے ایک حرف پڑھا تو اس کے لیے ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا

الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (روایت ترمذیؒ) اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ یُوں کہا جائے کہ ترتیل و تدبر سے تلاوت کرنا نہایت افضل اور بہتر ہے اور کثرتِ تلاوت کا ثواب مقدار میں زیادہ ہے۔ چنانچہ پہلے کی مثال یوں ہے کہ جیسے کسی نے ایک بڑی چیز کا صدقہ کیا یا کسی نے غلام آزاد کیا کہ جس کی قیمت بہت زیادہ تھی اور دوسرے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے بہت سے دراہم صدقہ کیے یا چند غلام آزاد کیے کہ جن کی (فرداً فرداً) قیمت کم تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔

تلاوت جسے کان سنیں اور دل محفوظ کرے

شعبہؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحمزہؓ نے بتایا کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میں جلدی پڑھنے کا عادی ہوں اور بسا اوقات میں ایک رات میں ایک یا دو قرآن ختم کرتا ہوں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں ایک سورۃ پڑھوں بجائے اس کے کہ جو تم کرتے ہو، اس لیے اگر تم ضرور یہ کرنا چاہتے ہو تو ایسی تلاوت کرو کہ جسے تمہارے کان سنیں اور دل محفوظ کرے۔

ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کے سامنے تلاوت کی ان کی آواز بہت اچھی تھی تو (ابن مسعودؓ) نے فرمایا، تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں ترتیل سے پڑھو، کیونکہ یہ قرآن مجید کی زینت ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کو شعر کی طرح نہ گاؤ اور نہ فضول نثر کی طرح پڑھو۔ اور عجائبِ (قرآن) پر وقف کرو۔ اس سے قلوب کو حرکت دو اور تمہارا مقصد محض سورۃ کے خاتمہ پر پہنچنا نہ بن جائے۔

قرآن سنو تو گوش ہوش سے

عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی، اے ایمان والو..... تم گوشِ ہوش سے سنو کیوں کہ یا تمہیں نیکی کا حکم ہوگا اور یا برائی سے منع کیا جائے گا اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا، میں سورہ ہود پڑھ رہا تھا وہ کہنے لگی، اے عبدالرحمٰن تو اس طرح سورہ ہود پڑھ رہا ہے؟ خدا کی قسم میں تو چھ ماہ سے لگی ہوں لیکن ابھی تک اس کی تلاوت سے فارغ نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رات کی نماز میں کبھی تو آہستہ سے تلاوت فرماتے اور کبھی جہر سے تلاوت فرماتے، کبھی طویل قیام فرماتے اور کبھی قیام میں تخفیف فرماتے[1] زیادہ تر آپ رات کے آخری حصّہ میں وتر پڑھتے اور کبھی کبھی پہلے یا درمیانی حصّہ میں وتر ادا کر لیتے اور سفر میں آپ شب و روز سواری پر نفل پڑھتے۔ جدھر آپ کا رُخ ہوتا اسی طرف پڑھتے[2]۔ آپ اشارہ سے رکوع و سجود کرتے اور رکوع سے سجدہ زیادہ جھک کر کرتے۔

امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ کرتے تو قبلہ رخ ہو جاتے اور نماز کے لیے تکبیر کہتے۔ پھر اپنی سواری کو آزاد چھوڑ دیتے اس کے بعد سواری کا جس طرف بھی رُخ ہوتا نماز پڑھتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ سے روایت کا اختلاف ہے۔ دونوں روایتوں کی بناء پر سوال یہ ہے کہ آیا جب وہ قادر ہو تو ایسا کرے یا نہ کرے؟

---

[1] دونوں طرح جائز ہے۔ حسب سہولت وضرورت آدمی جس طریقہ پر چاہے عمل کرے۔

(رئیس احمد جعفری)

[2] - اسے فقہی اصطلاح میں تحری کہتے ہیں، سواری کا رُخ کسی طرف بھی ہو قبلہ کے رُخ کی نیت کرے پھر نماز صحیح ہوگی۔ (رئیس احمد جعفری)

نماز سواری کی حالت میں

جب نماز کے اندر گھوم کر قبلہ رخ ہونا ممکن ہو، مثلاً وہ محمل میں یا کمرے میں یا اس جیسی کسی (جگہ) میں ہو تو اس کو قبلہ رُخ ضروری ہے کیونکہ اس کے لیے گھوم جانا ممکن ہے (بخلاف) سواری کے یا چار پائے کے کہ اس کے لئے ایسا کرنا نا ممکن ہے اور ابو طالب نے ان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔ محمل میں گھوم جانا بہت مشکل نہ ہونا ہے اس لیے جدھر رُخ ہو نماز پڑھ لے اور محمل میں سجدہ کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ ان کے لڑکے حضرت عبداللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر محمل ہو اور محمل میں سجدہ کرنا ممکن ہو تو سجدہ کرلے۔ میمونؒ ان سے روایت کرتے ہیں کہ جب محمل میں نماز پڑھے تو میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ سجدہ کرے کیونکہ (محمل میں کرنا) ممکن ہے اور فضل بن زیاد نے ان سے روایت کیا کہ اگر محمل میں سجدہ ہو سکتا ہو تو کرے اور جعفر بن محمد نے ان سے نقل کیا کہ جب محمل میں ہو تو بلند جگہ پر سجدہ کرلے اور لیسا اوقات آپ نے اونٹ پر تکیہ لگایا بلکہ آپ نے اشارے سے ہی پڑھتے رہے اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھک کر ادا کرتے رہے۔ اسے ابو داؤدؒ نے آپ سے نقل کیا ہے۔

نماز چاشت

نماز چاشت مسنون ہے یا مستحب یا مباح یا کچھ نہیں

آں حضرت صلعم کا عمل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے کبھی نہیں دیکھا''!

لیکن میں پڑھتی ہوں اور مواقق عجلی کی روایت میں منقول ہے کہ میں نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نماز چاشت پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا اور ابوبکرؓ؟ فرمایا: نہیں وہ بھی نہیں'' میں نے عرض کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم؟ فرمایا نہیں وہ بھی نہیں۔ ان کا کوئی بھائی (مساوی) نہیں۔

ابن ابی لیلی سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا ہو۔ سوائے ام ہانیؓ کے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں میں نے کوئی نماز اس سے ہلکی نہیں دیکھی۔ ہاں آپ صرف رکوع اور سجود مکمل کر رہے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن شفیق سے منقول ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا کہ نہیں! ہاں اگر آپ سفر سے تشریف لاتے (تو پڑھتے) میں نے عرض کی

کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سورتوں کے درمیان اقتران فرماتے تھے؟ فرمایا ہاں، مفصل میں ایسا کرتے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت کی چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا بڑھا دیتے۔

فتح مکہ کے دن آپ نے چاشت پڑھی

صحیحین میں حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلّم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعت نماز پڑھی اور یہ نمازِ چاشت تھی اور حاکمؒ نے مستدرک میں بتایا کہ ہمیں اصمؒ نے اور انہیں صغانیؒ نے اور انہیں ابن ابی مریمؒ نے اور انہیں بکر بن مضر نے اور انہیں عمر بن حرث نے بتایا اور انہوں نے بکر بن الشبح سے اور انہیں ضحاکؒ سے اور انہوں نے عبداللہؒ سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے بتایا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ایک سفر میں آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھتے دیکھا۔ جب آپ فارغ ہوگئے تو فرمایا: میں نے امید و خوف کی نماز پڑھی اور میں نے اپنے پروردگار سے تین چیزوں کا سوال کیا اس نے مجھے دو عطا فرمائیں اور ایک روک دی، میں نے عرض کیا کہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کیجیو، تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور میں نے سوال کیا کہ ان پر کوئی دشمن مسلط نہ ہو تو یہ بھی قبول فرما لیا اور میں نے سوال کیا کہ ان میں تفرقہ پیدا نہ ہو تو یہ قبول نہ ہوا۔

نماز چاشت میں آپ کیا پڑھتے تھے؟

حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے میں کہتا ہوں کہ ضحاکؒ بن عبداللہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ کون ہے؟ اور اس کی حالت (اعتماد) کیسی ہے؟ حاکمؒ نے اپنی کتاب فضل الضحیٰ میں لکھا ہے۔ کہ ہمیں ابو بکر فقیہ نے اور انہیں بشر بن یحییٰ نے انہیں محمد بن صالح دولابی نے انہیں خالد بن عبداللہ بن حصین نے بتایا اور انہیں ہلال بن صیاف سے اور انہیں زاذان سے اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت پہنچی کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی پھر پڑھا۔

اللھم اغفرلی وارحمنی وتب علیّ انك انت التواب الرحیم الغفور۔

یعنی "اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور میری توبہ قبول فرما، بیشک تو ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا بخشنے والا ہے"۔

یہاں تک کہ آپ نے ایک سو مرتبہ یہی دعا پڑھی۔

ہمیں ابوعباس اصم انہیں اسد بن عاصم نے انہیں حصین بن حفص نے بتایا انہیں سفیان سے انہیں عمر بن ذر سے اور انہیں حضرت مجاہدؓ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز چاشت دو رکعت اور چار رکعت اور چھ اور آٹھ پڑھی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ہمیں ابوسعید مولی بن ہاشم نے انہیں عثمان بن عبدالملک عمری نے انہیں عائشہ بنت سعد نے بتایا انہیں حضرت ام درۃ نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا وہ فرماتی تھیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو صرف چار رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا۔ نیز حاکم فرماتے ہیں ہمیں ابواحمد بکر بن محمد مروزی نے انہیں ابوقلابہ نے انہیں ابو ولید نے انہیں ابوعوانہ نے بتایا کہ انہیں حصین بن عبدالرحمٰن سے انہیں عمرو بن مرۃ سے انہیں عمارۃ بن عمیر سے انہیں ابن جبیر بن مطعم سے انہیں اپنے والد بزرگوار سے روایت پہنچی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا نیز حاکم فرماتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن محمد نے انہیں محمد بن عدی بن کامل نے انہیں وہب بن بقیہ واسطی نے انہیں خالد بن عبداللہ نے بتایا کہ انہیں محمد قیس سے انہیں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے چھ رکعت نماز پڑھی ۔ پھر حاکمؒ نے اسحٰق بن بشر محاملی سے روایت کی ہے کہ انہیں عیسیٰ بن موسیٰ نے بتایا کہ انہیں جابر سے ، انہیں عمر بن صبیح سے انہیں مقاتل بن حبان سے ، انہیں مسلم بن صبیح سے انہیں مسروق سے انہیں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہما سے روایت پہنچی ان دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت میں بارہ

رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور طویل روایت ذکر کی ہے حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابواحمد بکر بن محمد صراف نے بتایا کہ انہیں ابو قلابہ رقاشی نے انہیں ابو ولید نے انہیں شعبہ نے بتایا۔ انہیں ابو اسحاق سے انہیں عاصم بن حمزۃ سے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت پڑھتے تھے۔ یہی خیال ابوالولید کا ہے انہیں ابو عوانہ نے بتایا کہ انہیں حصین بن عبدالرحمٰن نے سے انہیں عمرو بن مرۃ سے انہیں عمارۃ عمیر عبدی سے انہیں ابن جبیر بن مطعم سے انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا۔

نماز چاشت کے بارے میں صحابہ کی شہادات

حاکمؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مردوں میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوذر غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، ابوہریرہؓ، بریدہؓ اسلمی، ابوالدرداءؓ، عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ عتبان بن مالکؓ، انسؓ بن مالک، عتبہ بن عبداللہ سلمی، نعیم بن ہمار غطفانی اور ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہم ہیں اور عورتوں میں سے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ، ام ہانی اور ام سلمہؓ رضی اللہ عنہم ہیں ان سب نے گواہی دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت کی نماز چھ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

ان روایات میں اسناد پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا (چنانچہ فعل کی روایت کو ترکِ (صلوٰۃ) پر ترجیح دی گئی، کیونکہ اثبات کرنے والی روایات میں معلومات کثرت سے ہیں جو نفی کرنے والے پر مخفی رہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ اکثریت کے پاس موجود نہ رہے اور قلیل جماعت کے پاس پایا جائے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ، انسؓ، جابرؓ، ام ہانیؓ اور علی بن ابیؓ طالب نے خبر دی ہے کہ آپ نے یہ (نماز چاشت) پڑھی ہے اور مندرجہ ذیل احادیث اس کی تائید کرتی ہیں، جن میں اس کی وصیت اور اس نماز کے تحفظ نیز اس پر عامل کی مدح و ثناء ملتی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ میرے خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے وصیت فرمائی کہ ہر ماہ تین دن

کے روزے رکھوں اور دو رکعت نماز چاشت (پڑھوں) اور سونے سے قبل وتر ادا کروں صحیح مسلم میں اسی طرح حضرت ابوالدرداءؓ سے منقول ہے اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً منقول ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

تم میں سے ہر آدمی پر صدقہ واجب ہے۔ چنانچہ ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر حمد صدقہ ہے، ہر تہلیل (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه) صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اور نماز چاشت کی دو رکعت ان سب کی طرف سے کافی ہیں۔

نماز چاشت کی برکت و فضیلت و اجر

اور مسند امام احمدؒ میں حضرت معاذ بن انس جہنی سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جائے نماز پر ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ نماز چاشت کی دو رکعتیں پڑھے اور صرف اچھی بات منہ سے نکالے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے گا چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

ترمذیؒ، سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے نمازِ چاشت کی حفاظت کی اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں اور مسند اور سنن میں نعیمؓ بن حماد سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے اولادِ آدم دن کے آغاز میں چار رکعتوں سے عاجز نہ آنا۔ میں (دن کے) آخر تک تجھے کافی ہوں گا اور ترمذیؒ نے حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوذرؓ سے اور جامع ترمذیؒ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:۔

"جس نے نماز چاشت کی بارہ رکعتیں ادا کیں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا ایک محل بنادے گا۔

مسجد قبا میں نماز چاشت

اور صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد قباء میں ایک جماعت کو نماز چاشت ادا کرتے دیکھا تو فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں کہ اس گھڑی کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز زیادہ افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ نماز اوّابین اس وقت ہے جب کہ حرارت تیز ہو جائے اور "ترمض الفصال" کا مطلب ہے کہ دن کی حرارت سخت تر ہو جائے۔ یہاں تک کہ جسم میں دوپہر کی گرمی محسوس ہونے لگے اور صحیح (روایت) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عتبان رضی اللہ عنہ بن مالک کے گھر میں دو رکعت نماز چاشت پڑھی اور مستدرک حاکم رحمہ اللہ میں خالد بن عبداللہ واسطی سے اور انہیں محمد بن عمر سے اور انہیں ابو سلمہ سے اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

نماز چاشت کی حفاظت صرف اوّاب (اللہ کی طرف رجوع کرنے والے) ہی کیا کرتے ہیں"

اور بتایا کہ مسلم بن حجاج کی طرح یہ سند بھی قابلِ استدلال ہے اور انہوں نے اپنے شیوخ سے اور انہیں محمد بن عمر سے انہیں ابو سلمہ سے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا اتنا زیادہ تاکیدی حکم نہیں فرمایا جتنا ایک نبی کو قرآن مجید اچھے انداز سے تلاوت کا حکم فرمایا اور بتایا کہ شاید کہنے والے نے کہا کہ یہ حماد بن سلمۃ اور عبدالعزیز بن محمد دراوری سے اور انہیں محمد بن عمر سے مرسل روایت پہنچی۔ چنانچہ خالد بن عبداللہ ثقہ راوی ہے اور ثقہ کی زائد (صفت) قبولیت (کا سبب) ہوتی ہے۔ پھر حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا، انہیں عبدان بن یزید نے انہیں محمد بن مغیرہ سکری نے، انہیں قاسم بن حکم عرنی نے، انہیں سلیمان بن داؤد یمامی نے انہیں یحیٰی بن ابی کثیر نے بتایا اور انہیں ابو سلمۃ سے اور انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا؟"

جنت میں ایک دروازہ ہے، جسے باب الضحیٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ جب قیامت قائم ہوگی۔ تو ندا دینے والا آواز دے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو نمازِ چاشت پڑھا کرتے تھے یہ تمہارا دروازہ ہے اللہ کی رحمت سے اس میں داخل ہو جاؤ۔"

جامع ترمذی میں ہے کہ ہمیں ابوکریب محمد بن علاء نے اور انہیں یونس بن بکیر نے بتایا اور انہیں محمد بن اسحاق سے روایت پہنچی کہ مجھے موسیٰ بن خلال نے بتایا کہ اسے اپنے چچا ثمامہ بن انس بن مالک سے انہیں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے نماز چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک گھر بنا دے گا۔

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت مسلسل پڑھا کرتے تھے؟

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور امام احمد اس مسئلہ میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو صحیح تر سمجھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ موسیٰ بن خلال دراصل موسیٰ بن عبداللہ بن مثنیٰ بن انس بن مالک ہی ہے۔ نیز ان کی جامع میں حضرت عطیہ عوفی سے روایت ہے۔ انہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح مسلسل) نمازِ چاشت پڑھا کرتے کہ ہم سمجھتے کہ آپ اب ترک نہ کریں گے اور پھر اس طرح ترک کر دیتے کہ ہم سمجھتے کہ اب نہ پڑھیں گے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بتایا ہے کہ ہمیں ابو یمان نے انہیں اسماعیل بن عیاش نے خبر دی، انہیں یحییٰ بن حارث زماری سے انہیں قاسم سے انہیں ابوامامہ سے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ:

جو فرض نماز ادا کرنے کے لیے چلا اور اس کا وضو ہے تو اس کے لیے اجر ہے جیسے احرام باندھ کر حج کے لیے چلنے والے کا اجر ہوتا ہے، یا عمرہ کرنے والے کا ہوتا ہے اس کا حج اور عمرہ مکمل ہو جائے ابن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ مجھے حاتم بن اسماعیل

نے بتایا انہیں حمید بن صخر سے انہیں مقبری سے انہیں اعرج سے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ملی۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا۔ چنانچہ کافی مال غنیمت حاصل ہوا اور یہ لوگ جلدی لوٹ آئے تو ایک آدمی کہنے لگا یارسول اللہ ہم نے کبھی اس سے جلدی لوٹنے والا لشکر نہیں دیکھا اور نہ اس لشکر سے زیادہ مال غنیمت لانے والا لشکر دیکھا) تو آپ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں ایک ایسے آدمی کی خبر نہ دوں؟ کہ جو سب سے جلدی لوٹ آئے اور سب سے زیادہ غنیمت لے کر آئے۔ ایک آدمی اپنے گھر میں وضو کرے اور بہترین وضو کرے پھر مسجد کی طرف رُخ کرے وہاں صبح کی نماز ادا کرے پھر اس کے بعد نمازِ چاشت ادا کرے تو یقیناً وہ جلد لوٹ آنے والا اور سب سے زیادہ غنیمت لانے والا ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی اس باب میں کئی روایات ہیں۔

نمازِ چاشت میں چار رکعتیں پڑھنا زیادہ صحیح ہے

حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کے ساتھ مصاحبت کی تو یہی تعداد یعنی چار رکعت کو پسند کرتے دیکھا، کہ وہ اس مسئلہ میں اخبار متواترہ صحیحہ کی بناء پر چار ہی رکعتیں پڑھا کرتے۔ میرا بھی یہی مسلک ہے اور اخبار ماثورہ اور مشائخ حدیث کی اقتدار میں اِسی کو دعوت دیتا ہوں۔

ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ چاشت اور اختلاف مناجات کے متعلق روایات مرفوعہ ملتی ہیں اور ان میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو اس کے ماننے والے کا دفاع کرتی ہو اور یہ معاملہ یوں ہے کہ جو منقول ہے کہ آپ نے نمازِ چاشت میں چار رکعتیں پڑھیں ہو سکتا ہے کہ (راوی) نے آپ کو اس طرح کرتے دیکھا ہو۔ دوسرے راوی نے آپ کو چھ رکعتوں کی ترغیب دیتے دیکھا ہو ایک اور نے دو رکعتیں پڑھنے کی ایک اور نے دس کی اور ایک اور نے بارہ رکعتوں کی ترغیب دیتے سنا تو ہر ایک نے جو سُنا اور جو دیکھا وہی روایت کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو سنا کہ وہ ابوذرؓ سے کہہ رہے تھے۔

"اے چچا مجھے وصیت کیجیے!"

انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جیسا کہ تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو آپ نے فرمایا جس نے نماز چاشت دو رکعت پڑھی وہ غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے چار رکعتیں پڑھیں وہ عابد لوگوں میں سے لکھا جائے گا اور جس نے چھ رکعتیں پڑھیں اور اس دن کوئی گناہ نہیں کیا اور جس نے آٹھ رکعتیں پڑھیں وہ قانتین میں سے لکھا جائے گا اور جس نے دس رکعتیں پڑھیں تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

نماز چاشت میں تعداد رکعات کے روایات

مجاہد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز چاشت میں دو رکعتیں پڑھیں پھر ایک پھر چار پھر ایک دن چھ پھر ایک دن آٹھ پڑھیں پھر چھوڑ دیا تو اس روایت نے ہمارے قول کی صحت کو ظاہر کر دیا کہ حسب سابق ہر قبر کی خبر سے احتمال یہ ہے کہ اس کی اطلاع اس کے اپنی ذاتی مشاہدے و معائنے پر مبنی ہو اور جب مسئلہ یوں ہو تو صحیح تر مسلک یہ ہے کہ پڑھنے والا جس تعداد میں چاہے پڑھ لے۔

سلف کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے۔ ہمیں ابن حمید نے انہیں جریر نے بتایا انہیں ابراہیم سے روایت پہنچی کہ ایک آدمی نے حضرت اسودؓ سے دریافت کیا کہ میں نمازِ چاشت کتنی رکعتیں پڑھوں؟ انہوں نے فرمایا جتنی چاہو۔

نماز چاشت نہ پڑھنے کے رواۃ اور روایات

اور دوسرا گروہ ترکِ چاشت کی روایات کی طرف گیا ہے اور صحت اسناد کے باعث اور ان پر عمل صحابہؓ کے باعث ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نہ وہ خود پڑھا کرتے اور نہ ابو بکرؓ و عمرؓ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں ان کا کوئی بھائی (مساوی) نہیں۔

وکیع بتاتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوریؒ نے بتایا انہیں عاصم بن کلیب سے انہیں

اپنے والد سے انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت پہنچی انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو صرف ایک ہی دن نمازِ چاشت پڑھتے دیکھا اور علی بن مدینی بتاتے ہیں کہ ہمیں معاذ نے انہیں شعبہ نے انہیں فضیل بن فضالہ نے بتایا انہیں عبدالرحمٰن بن ابوبکرہؓ سے روایت پہنچی کہ حضرت ابوبکرہؓ نے کچھ لوگوں کو نمازِ چاشت پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ وہ نماز پڑھ رہے ہو جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پڑھی اور نہ آپ کے عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھی۔

موطا میں حضرت مالکؒ سے ابن شہاب سے وہ عروۃ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بھی نمازِ چاشت نہیں پڑھی، حالانکہ میں پڑھتی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک کام چھوڑ دیتے تھے حالانکہ آپ عمل کرنا پسند کرتے تھے (اس کی وجہ یہ تھی) کہ آپ کا خطرہ کہ آپ اگر (مسلسل) عمل شروع کریں گے تو امت پر فرض ہو جائے گا۔

کیا نماز چاشت بدعت ہے؟

ابوالحسن علی بن بطال نے بتایا: سلف کی ایک جماعت نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اخذ کرتے ہوئے نماز چاشت کو تسلیم نہیں کیا۔ ایک جماعت نے کہا کہ یہ بدعت ہے شعبی نے قیس بن عبید سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی طرف سنّت میں اختلاف پایا جاتا تھا تو میں نے انہیں نماز چاشت پڑھتے نہیں دیکھا اور شعبہؒ نے سعد بن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت کیا کہ وہ نماز چاشت نہیں پڑھتے تھے۔

مجاہدؒ سے منقول ہے انہوں نے بتایا کہ میں اور حضرت عروۃؓ بن زبیر مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے پاس تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد میں نمازِ چاشت پڑھ رہے ہیں تو ہم نے ان سے (لوگوں) کی اس نماز کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ اور ایک بار فرمایا کہ یہ

یہ اچھی بدعت ہے۔
امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا:
مسلمانوں نے نمازِ چاشت سے زیادہ افضل بدعت ایجاد نہیں کی
اور حضرت انسؓ بن مالک سے نمازِ چاشت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں۔

کیا نمازِ چاشت مستحب ہے

نمبر۱ گروہ گاہے گاہے اس کو مستحب سمجھتا ہے اس لیے کسی کسی دن پڑھنی چاہیے۔ امام احمدؒ سے مروی دو روایتوں میں سے یہ ایک ہے اور امام طبریؒ نے اسے ایک جماعت سے روایت کیا ہے اور جریریؒ نے حضرت عبداللہ بن شفیق سے روایت کیا ہے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔
کیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا! نہیں، ہاں، اگر آپ سفر سے تشریف لاتے تو پڑھتے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوسعید کی روایت ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت پڑھتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ اب ترک نہ کریں گے اور (کبھی) آپ چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ اب نہ پڑھیں گے اور یہ گزر چکا ہے پھر بتایا کہ اسی طرح سلف میں جس نے اس پر عمل کیا اس نے ذکر کیا ہے۔
شعبہ نے حبیب بن شہید سے انہوں نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ اس کو یعنی نماز چاشت کو ایک دن پڑھتے اور دس دن ترک کر دیتے اور شعبہ نے حضرت عبداللہ بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ (ابن عمرؓ) نماز چاشت نہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مسجد قباء میں تشریف لاتے تو نماز پڑھتے اور آپ ہر ہفتہ کو تشریف لاتے اور حضرت سفیانؒ نے منصورؒ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ (بزرگانِ دین) دیگر فرض نمازوں کی طرح اس کی پابندی نہ کرتے۔ کبھی پڑھتے اور کبھی نمازِ چاشت چھوڑ دیتے۔

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ میں نماز چاشت چھوڑ دیتا ہوں حالانکہ میں چاہتا ہوں (کہ پڑھوں) اس ڈر سے کہ اسے اپنے آپ پر لازم نہ فرض کر لوں۔

مسروقؒ فرماتے ہیں ہم مسجد میں پڑھتے تھے چنانچہ ہم حضرت ابن مسعودؓ کے جانے کے بعد بھی ٹھہرے رہتے، پھر اُٹھتے اور نمازِ چاشت پڑھتے۔ آخر حضرت ابن مسعودؓ کو اس کی اطلاع ہو گئی تو انہوں نے فرمایا کہ تم اللہ کے بندوں پر وہ بوجھ کیوں ڈالتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے نہیں ڈالا اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو گھروں میں پڑھو۔

نمازِ چاشت مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنی چاہیئے

ابو مجلزؒ اپنے گھر میں نمازِ چاشت پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ یہی بہتر صورت ہے تاکہ کسی کو اس کی پابندی دیکھ کر وجوب یا سنتِ راتبہ ہونے کا شک نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں والدین بھی زندہ کر دیے جائیں تو بھی اس نماز کو ترک نہ کروں گی، کیونکہ وہ اسے اپنے گھر میں پڑھا کرتی تھیں جہاں لوگ انہیں نہ دیکھ سکتے۔

فتح مکّہ کے دن چاشت کی آٹھ رکعتیں

چوتھا گروہ اس طرف گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا اس پر ایک سبب سے عمل تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اس پر ایک خاص سبب سے عمل تھا۔ اور ان کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت کی آٹھ رکعتیں فتح مکّہ کی خوشی کے باعث تھیں اور فتح کے موقع پر سنّت یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں ادا کی جائیں اور احکامِ اہل اسلام اسے نمازِ فتح کا نام دیتے تھے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ جب خالد بن ولید نے حیرۃ فتح کیا تو نمازِ فتح آٹھ رکعت پڑھی، جن کے درمیان سلام نہ پھیرا پھر فارغ ہوئے۔

(محدثین) کا کہنا ہے کہ حضرت ام ہانی رضؓ کا قول یہ ہے کہ یہ نمازِ چاشت تھی۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ چاشت کا وقت تھا نہ کہ یہ صورت ہوئی کہ چاشت کی نماز کا نام دے دیا گیا۔

٭٭٭

عتبانؓ کے ہاں آپؐ نے نماز کیوں پڑھی ؟

(محدثین) فرماتے ہیں کہ عتبان بن مالکؓ کے ہاں آپ کی نماز ایک سبب سے تھی کیونکہ عتبانؓ نے عرض کیا تھا کہ میری نظر کمزور ہوچکی ہے میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان سیلاب آڑے آجاتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں تشریف لائیں اور میرے وہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد قرار دے لوں، آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم صبح کے وقت ان کے ہاں تشریف لے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت دن (کی حرارت) تیز ہوچکی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دی، پھر آپ نہیں بیٹھے بلکہ فرمایا اپنے گھر میں تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ میں نے اُس جگہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں میں چاہتا تھا کہ آپ نماز پڑھیں پھر آپ کھڑے ہوگئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، آپ نے نماز پڑھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا (متفق علیہ)

اس نماز کی یہ اصل اور واقعہ ہے اور بخاریؒ کے الفاظ اس میں یہ ہیں کہ حضرت عتبانؓ سے بعض راویوں نے اختصار سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے گھر میں نماز چاشت پڑھی اور وہ (صحابہؓ) آپ کی اقتداء میں کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے نماز پڑھی۔

سفر سے واپسی پر نماز چاشت

رہا حضرت عائشہؓ کا وہ قول کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم صف سفر سے واپسی پر نماز چاشت پڑھا کرتے تھے تو یہ واضح امر ہے کہ آپ کی یہ نماز ایک خاص سبب سے تھی کیونکہ آپ جب سفر کا آغاز فرماتے تو مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ یہ آپ کی سنّت طیبہ ہے اور حضرت عائشہؓ نے اس کی خبر دی ہے اور یہ جو آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی نماز چاشت

نہیں پڑھی تو جس کا انہوں نے اثبات فرمایا ہے تو وہ سفر سے واپسی فتح اور کسی قوم سے ملاقات وغیرہ جیسا کہ کوئی سبب ہے۔ جس طرح مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے لیے وہاں تشریف لانا۔ اِسی طرح جیسے یوسف بن یعقوب نے روایت کیا ہے انہیں محمد بن ابی بکر انہیں سلمہ بن رجاء انہیں شعشاء نے بتایا کہ میں نے ابن ابی اوفی کو اس دن دیکھا جس دن اسے ابو جہل کے سر کٹ جانے کی خوشخبری دی گئی کہ انہوں نے نمازِ چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں۔ اگرچہ واقعہ درست ہے تو یہ نماز شکر ہوگی، جو اتفاقاً چاشت کے وقت وقوع پذیر ہوئی۔ جسے شکرانہ فتح اور جسے مسترد کیا ہے وہ وہی نماز ہے جسے لوگوں نے بغیر کسی سبب کے قائم کر رکھا تھا اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ مکروہ یا خلافِ سنت ہے ہاں اتنی بات ہے کہ یہ آپ کی سنّتِ طیبہ نہیں۔ حالانکہ آپ نے اس کی وصیت فرمائی اور اسے مندوب قرار دے کر اس کی ترغیب دی آپ اُس کے بدل میں قیام اللیل کر لیتے تھے کیونکہ اس سے اس کا بدل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۔

یعنی اور وہی ذات ہے جس نے رات اور دن بنائے۔ پے در پے اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔

اور ابن عباسؓ، حسنؓ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے عوض و بدل بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہ کسی کا کوئی عمل کسی وقت فوت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ دوسرے وقت ادا کرے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ شب و روز میں اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اعمال کرو کیونکہ یہ (دن رات) لپیٹے جا رہے ہیں لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ہر دور نزدیک ہو رہا ہے ہر نئی چیز بوسیدہ ہو رہی ہے اور قیامت تک کا ہر امر موعود آ رہا ہے۔

بعض صحابہ نماز چاشت پڑھتے تھے بعض نہیں

شفیق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے رات کی نماز فوت کر دی۔ آپ نے فرمایا جو عمل تو نے رات کو فوت کر دیا اسے دن میں پورا کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

جعل اللّیل والنّھار خلفۃً لمن اراد ان یذّکّر او اراد شکورا۔

(محدث شفیق) فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا فعل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ ایک دن پڑھتے اور دس دن چھوڑ دیتے۔ اور حضرت ابن عمرؓ پڑھتے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ آپ مسجد قباء میں آتے تو پڑھتے اور آپ ہر سنیچر کو مسجد قباء میں تشریف لایا کرتے۔

اور سفیانؒ نے حضرت منصورؒ سے روایت کیا ہے کہ (صحابہؓ) فرض نمازوں کی طرح اس کی پابندی مکروہ سمجھتے تھے، کبھی پڑھتے، کبھی چھوڑ دیتے۔

(محدثین) نے فرمایا ہے کہ اس باب میں صحیح حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ انصار میں سے ایک فربہ آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوتِ طعام کی اور آپ کو اپنے گھر میں بلایا اور چٹائی کے ایک حصّہ پر آپ کی خاطر پانی چھڑکا۔ چنانچہ آپ نے اس پر دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس دن کے سوا کبھی نماز چاشت پڑھتے نہیں دیکھا (رواہ البخاری)

جو بھی احادیث نبویہؐ اور آثار صحابہؓ میں تدبر سے کام لے تو اُسے معلوم ہو گا کہ یہ سب اسی قول کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ (اور ہیں) ترغیب و تحریص کی روایات تو صحیح روایات حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو ذرؓ کی ہیں (لیکن) ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سنتِ راتبہ ہے، ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کی وصیت فرمائی۔ کیونکہ مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رات کی نماز کے عوض درسِ حدیث کو پسند

کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کو قیام لیل کے عوض نماز چاشت کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ وتر پڑھنے سے قبل نہ سونا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دیگر صحابہؓ کو اس بات کا حکم نہیں دیا۔

مرفوع، منقطع اور موضوع حدیثیں

اس سلسلہ میں عام احادیث کی اسناد محل نظر ہیں۔ بعض منقطع اور بعض موضوع ہیں جن سے استدلال جائز نہیں جیسے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت کہ جس نے نماز چاشت پر مواظبت (مداومت) کی اور کسی عذر کے بغیر اسے منقطع نہ کیا تو وہ اور میں نور کے سمندر میں نور کی ایک کشتی میں ہوں گے اسے زکریا بن دریدکندی نے حمید سے روایت بنا کر وضع کیا۔

رہی یعلی بن اشدق کی روایت (جو وہ) عبداللہ بن جراد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیان کرتے ہیں کہ:

تم میں سے جو نماز چاشت پڑھے تو اُسے چاہیے کہ عبادت گزاری کرتے ہوئے پڑھے کیونکہ ایک آدمی سنّت کو ایک زمانہ میں ادا کرتا ہے پھر اسے فراموش کر دیتا اور چھوڑ دیتا ہے تو ہم اس کی طرف ایسے (کھنچے) ہوتے ہیں جیسے اونٹنی اپنے بچے کی طرف (کھنچی) جاتی ہے جب کہ وہ گم ہو جائے!

احادیث مرفوعہ کا ایک مجموعہ

حاکمؒ پر تعجب ہے کہ ان جیسی روایات سے کس طرح استدلال کر ڈالتے ہیں کیونکہ وہ اس روایت کو اس کتاب میں تحریر کرتے ہیں، جس میں بین منفرد طور پر نماز چاشت کو ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ نسخہ یعنی یعلی بن اشدق کا نسخہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق موضوع روایات پر مشتمل ہے۔

ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ یعلی بن اشدق نے اپنے چچا عبداللہ بن جراد سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کثرت کے ساتھ منکر احادیث روایت کی ہیں۔ یہ اور اُن کے چچا دونوں غیر معروف (مجہول) راوی ہیں۔

مجھے ابو مسہر سے معلوم ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے یعلی بن اشدق سے کہا۔

تیرے چچا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

وہ کہنے لگا کہ اس نے سفیان، موطاء مالک اور کچھ (دیگر) فوائد سے استفادہ کیا۔
ابو حاتم بن حبّان کہتے ہیں کہ یعلی کی عبداللہ بن جراد سے ملاقات ہوئی۔ چنانچہ جب وہ بڑا ہو گیا تو اس سے مصاحبت کی چنانچہ انہوں نے حدیث سے ملتی جلتی باتیں اختراع کیں اور یہ انہیں روایت کرنے لگا حالانکہ یہ (ان کے متعلق) کچھ بھی نہ جانتا تھا اور یہی سبب ہے کہ ہمارے اصحاب کے مشائخ نے فرمایا۔

تو نے عبداللہ بن جراد سے کیا سُنا ہے۔

کہنے لگا یہ نسخہ، حالانکہ جامع سفیان سے کسی حال میں بھی روایت جائز نہیں اسی طرح عمر بن صبیح کی روایت جو انہیں مقاتل بن حبّان سے حضرت عائشہ رضؓ کی پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت میں بارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ طویل حدیث ہے جسے حاکمؒ نے نمازِ چاشت کے بیان میں ذکر کیا ہے حالانکہ یہ روایت موضوع ہے اور عمر بن صبیح متہم بالکذب ہے۔

ایک راوی پر علمائے اسماء الرجال کی جرح

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یحیٰ بن علی بن جبیر نے بتایا کہ میں نے عمر بن صبیح کو یہ کہتے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا خطبہ وضع کیا ہے۔ ابن عدیؒ نے اس کو منکر احادیث بتایا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقات کے نام پر روایات وضع کرتا تھا اور محض تعجّب کی بنا پر اس کی طرف سے کتبِ احادیث جائز ہو سکتی ہیں۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔ ازدیؒ اسے کذاب بتاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبدالعزیز بن ابان کی روایت جو امام ثوریؒ سے انہیں حجاج بن فرافضہ سے انہیں مکحول سے، انہیں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مرفوعاً پہنچی کہ جو نماز چاشت کی پابندی کرے۔ اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ چاہے وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں اور سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

نیز حاکمؒ نے بھی نقل کیا ہے اور عبد العزیز کے لیے۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ اور یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ کذاب ہے خبیث حدیثیں وضع کرتا ہے۔ امام بخاریؒ نسائیؒ اور دار قطنی اسے متروک الحدیث بتاتے ہیں۔

رہی صورت نہاس بن قہم کی روایت کی ہے جو اسے (بزعم خویش) شداد سے انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً پہنچی کہ جس نے نماز چاشت کی پابندی کی، اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے چاہے وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں اور نہاس کے متعلق یحییٰ فرماتے ہیں کچھ بھی نہیں ضعیف ہے۔ یہ حضرت عطاء سے اور حضرت ابن عباسؓ سے منکر روایات بیان کیا کرتا تھا۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشاہیر (ائمہ) سے منکرات روایت کرتا ہے اور ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں اور امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہے یحییٰ قطان نے ترک کر دیا ہے۔

ایک راوی کی جرح و تعدیل میں اختلاف

رہی حمید بن صخر کی روایت جو مقبری سے انہیں حضرت ابوہریرہ سے پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا (الحدیث) یہ گزر چکا ہے تو یہ جو حمید ہے نسائی اور یحییٰ بن معینؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسروں نے اسے ثقہ بتایا ہے اور اس کی بعض روایات کا انکار کیا ہے اور جب یہ منفرد ہو تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

نماز چاشت پڑھنے والے کے لیے بشارت

رہی محمد بن اسحاق کی روایت جو انہیں موسیٰ سے انہیں عبد اللہ بن مثنیٰ سے انہیں انس سے انہیں اپنے چچا ثمامہ سے انہیں انس سے مرفوعاً پہنچی، جس نے نماز چاشت پڑھی اللہ اس کے لیے جنّت میں سونے کا ایک گھر بنائے گا۔ یہ غریب روایات میں سے ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔ ہم اسے صرف اس سند سے جانتے ہیں۔ رہی نعیم بن ہمار کی روایت کہ:

"اے ابن آدم دن کے آغاز میں چار رکعتوں سے عاجز نہ رہ میں تجھے اس کے آخری حصّہ تک کافی رہوں گا۔ اسی طرح ابوالدرداؓ اور ابوذرؓ کی روایت کا معاملہ ہے۔ چنانچہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو کہتے سنا کہ ان چار رکعتوں سے میرے نزدیک فجر کی نماز اور اس کی سنتیں مراد ہیں۔[1]



[1] بہرحال یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ نماز چاشت اگرچہ فرض یا واجب نہیں لیکن اپنے پڑھنے والے کے لیے گوناگوں برکتیں اور نعمتیں رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیا کے ہاں خواہ وہ کسی سلسلہ سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ دوسرے اہم اور مسلسل اور غیر منقطع معمولات میں نماز چاشت بھی داخل ہے۔ گویا روحانی سربلندی کے حصول میں اس سے غیر معمولی مدد ملتی ہے (رئیس احمد جعفری)

سجدۂ شکر

مصیبت کے ٹلنے یا خوش خبری پر سر بسجود ہونا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سُنّت طیبہ تھی۔ جیسا کہ مسند میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی طرح کی مسرّت انگیز اطلاع ملتی تو سجدہ شکر میں گر پڑتے اور ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات کی خوش خبری دی گئی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ امام بیہقیؒ نے بخاری کی شرط سند کے اصول پر ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ ہمدان کے قبول اسلام کی اطلاع بھیجی تو آپ نے سجدۂ شکر کیا، پھر سر اٹھایا، اور فرمایا:

السلام علی ہمدان۔ السّلام علی ہمدان۔

مسند میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے پروردگار کی طرف سے بشارت ملی کہ جس نے آپؐ پر درود بھیجا میں اس پر رحم کروں گا۔ اور جس نے آپؐ پر سلام بھیجا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا سنن ابوداؤد میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اللہ سے دیر تک دعا کرتے رہے۔ پھر تین بار سجدہ کیا پھر فرمایا۔

میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا اور اپنی امت کی شفاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اُمّت کا تیسرا حصّہ دیا پھر میں نے سجدہ شکر کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے درخواست کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسرا ثلث بھی عطا فرمایا۔ میں

نے سجدۂ شکر کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا ثلث عطا فرمایا۔ میں اپنے پروردگار کے سامنے سجدۂ شکر میں گر گیا۔

چند تاریخی اور اہم مثالیں

اور کعبؓ بن مالک کو جب خوشخبری دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے تو انہوں نے سجدہ شکر کیا اور امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے خوارج کے مقتولوں میں ذوالثدیہ کو دیکھا تو سجدہ شکر ادا کیا اور سعید بن منصورؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب مسیلمہ کذاب کے قتل کی اطلاع ملی تو سجدہ شکر کیا۔

قرآن مجید کے سجدوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیّبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (تلاوت قرآن کے دوران) جب کسی سجدہ سے گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور بسا اوقات سجدہ میں یہ دعا پڑھتے۔

سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ۔

یعنی: میرے چہرہ نے اس ذات کو سجدہ کیا، جس نے اسے پیدا کیا ہے اور اس کی تصویر بنائی ہے اور اسے سماعت و بصارت اپنی قوت و قدرت سے عطا فرمائی۔"

کبھی کبھی آپؐ یہ دعا پڑھتے:

اللھم احطط عنی بھا وزرا واکتب لی بھا اجرا واجعلھا لی عندک ذخرا وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد۔

یعنی: اے اللہ اس سجدہ کی برکت سے میرا بوجھ ہٹا دے اور اسے میرے لیے اجر بنا دے اور اسے اپنے پاس میرا ذخیرہ کر لے اور میرا سجدہ اسی طرح قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا قبول کیا تھا۔"

اہل سنن نے ان دونوں کو ذکر کیا ہے اور یہ نقل نہیں کیا کہ آپؐ اس سجدہ سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے تھے اس لیے خرقی اور متقدمین نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ امام شافعیؒ سے منصوص ہے کہ اس میں کوئی تشہد اور سلام بھی نہیں۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مندرجہ ذیل سورتوں میں سجدہ کیا۔ الم تنزیل، ص، النجم، اذا السماء انشقت، اقرأ باسم ربك الذی خلق

اور ابوداؤدؒ نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کے پندرہ مقامات بتائے ہیں ان میں سے تین سورۃ مفصل ہیں۔ دو سجدے سورۃ حج میں ہیں۔ حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے اور مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ الاعراف، الرعد، النحل، بنی اسرائیل، مریم، الحج، سجدہ الفرقان، النمل، السجدہ، حوامیم (میں ہیں)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے بہ روایت صحیحہ ثابت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اقرأ باسم ربك الذی خلق اور اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا۔

جُمعہ اور خصائص جُمعہ

جمعہ ہر قوم کا افضل دن تھا مگر اس نے بعد میں چھوڑ دیا

مسلمانوں کا امتیاز خاص صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن اگلوں، پچھلوں اور سبقت کرنے والوں میں ہمارا ہی شمار ہوگا، بس فرق جو ہے وہ اتنا کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ پھر یہ (جمعہ کا دن) جو ان پر اللہ نے فرض کیا پھر انھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور لوگ اس میں ہمارے متبع ہیں (باقی) یہودی کل (ہفتہ) اور عیسائی پرسوں (اتوار) (پر بھٹک گئے)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ہم سے پہلے تھے اللہ نے انھیں جمعہ سے بھٹکا دیا۔ اب یہودیوں کا ہفتہ اور عیسائیوں کا اتوار رہ گیا۔ پھر اللہ ہمیں لایا، اور ہمیں جمعہ کی ہدایت دی، اسی طرح اس نے جمعہ ہفتہ اور اتوار بنا دیا (پے در پے) اسی طرح وہ قیامت کے دن ہمارے پیچھے رہ جائیں گے۔ ہم دنیا کے لحاظ سے بعد میں ہیں لیکن قیامت کے دن آگے آگے ہوں گے۔

سب سے افضل دن جمعہ کا ہے مسند و سنن میں اوس بن اوسؓ کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ تمہارا سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی دن اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی دن ان کی روح قبض کی

اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن (قیامت کی) کڑک ہوگی۔ پس اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

بعض حاضرین نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول جب آپ مٹی میں مل جائیں گے تو ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟

آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کھائے۔

اس حدیث کو حاکم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اسی دن جنت میں داخل کئے گئے۔ اسی دن وہاں سے انھیں نکالا گیا۔ اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

امام مالکؒ نے موطا میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن (انہیں زمین پر) اتارا گیا۔ اسی دن (ان کی) توبہ قبول کی گئی، اسی دن وہ فوت ہوئے، اسی دن قیامت قائم ہوگی، جن اور انسان کے سوا کوئی جاندار ایسا نہیں جو جمعہ کے دن قیامت کے ڈر سے خائف و ترساں نہ ہو، اور اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ جب کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو (اللہ) اسے ضرور ہی عطا فرمایا ہے۔

کعبؓ نے دریافت کیا، کہ کیا یہ ہر سال ہوتا ہے؟ تو میں نے جواب دیا، نہیں! بلکہ ہر جمعہ کو۔

پھر انہوں نے تورات[1] پڑھی، اور کہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں، پھر میں حضرت عبداللہ بن سلام سے ملا، تو میں نے ان

---

[1] بہت بڑے یہودی عالم تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے، اس اعتبار سے انھیں "کعب احبار" کہتے ہیں (رئیس احمد جعفری)

کے سامنے کعبؓ کے واقعہ کا تذکرہ کیا، انھوں نے جواب دیا، میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی گھڑی ہے ؟

میں نے عرض کیا، پھر مجھے بھی بتا دیجئے۔

انھوں نے فرمایا، یہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

میں نے عرض کیا، وہ کس طرح ؟ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ساعت میں کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے دعا کرے گا تو (اللہ) اس کی دعا ضرور قبول کرلے گا، اور یہ آخری گھڑی جو آپ نے بتائی ہے ایسی ہے جس میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔

حضرت ابن سلامؓ نے فرمایا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کسی جگہ بیٹھے اور نماز کا انتظار کر رہا ہو تو نماز پڑھنے تک گویا وہ نماز ہی میں مشغول رہا ؟

مسند امام شافعی رضی اللہ عنہ میں حضرت انسؓ بن مالک سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ایک سفید آئینہ لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جس میں ایک نقطہ تھا، آپ نے دریافت کیا، یہ کیا ہے ؟

انھوں نے جواب دیا، یہ جمعہ کا دن ہے۔ آپ اور آپ کی اُمّت کو اس سے شرفِ فضیلت عطا کیا گیا ہے، اور یہود و نصاریٰ اس میں آپ کے تابع ہیں، اور اس میں آپ کے لئے خیر ہے، اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ ایک مومن بندہ جب بھی اس میں کوئی اچھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے، اور وہ ہمارے لئے یوم المزید ہے۔

"یوم المزید" سے کیا مراد ہے ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، یوم المزید کیا ہے انھوں نے جواب دیا، آپ کے پروردگار نے فردوس میں ایک وادی بنائی ہے جس میں مشک کے تودے ہیں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ جتنے ملائکہ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے اور اس کے ارد گرد نور کے منبر ہوتے ہیں جن پر انبیا علیہ السلام کے بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں اور یہ منبر سونے کے بنے ہوئے، یاقوت و زبرجد سے کڑھے ہوئے منبروں سے گھرے ہوئے ہیں، ان پر شہداء اور صدیقین ہوتے ہیں۔ پس

یہ لوگ ان کے پیچھے ان ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمہارا پروردگار ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ کیئے گئے وعدوں کو پورا کر دیا اس لئے مجھ سے (مزید) مانگو، میں دوں گا، تو وہ عرض کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہم تیری رضا چاہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تم سے راضی ہو گیا اور جو تمہاری خواہش ہو، وہی ملے گا، اور میرے پاس تمہارے لئے یہ مزید (انعام) ہے تو وہ یوم جمعہ سے محبّت رکھتے ہیں کیونکہ اس دن ان کا پروردگار خیر عطا فرماتا ہے۔ اور یہ وہی دن ہے کہ جس دن میرا پروردگار عرش پر بیٹھا، اسی دن آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہو گی۔

اس حدیث کی سند

اس حدیث کو امام شافعیؒ نے ابراہیم بن محمد سے روایت کیا ہے انھوں نے موسیٰ بن عبیدہ سے انھوں نے ابوالازہر معاویہ بن اسحٰق بن طلحہ سے، انھوں نے عبداللہ بن عبید سے، انھوں نے عمیر بن انس سے، کہ ہمیں ابراہیم نے خبر دی، کہ مجھے ابوعمران ابراہیم بن جعد نے انہیں انس نے بتایا۔

اس سند پر جرح

امام شافعیؒ ان کے شیخ ابراہیم کے متعلق اچھی رائے رکھتے ہیں۔ لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ معتزلی جہمی قدری ہے۔ اور اس میں ہر عیب پایا جاتا ہے، اور مسند امام احمدؒ میں حضرت علی بن ابی طلحہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ کا کیوں یہ نام رکھا گیا؟ آپؐ نے جواب دیا کیونکہ اسی دن تمہارے باپ آدم کا خمیر تیار کیا گیا اسی میں صعقہ (کڑک) اور بعثہ (دوبارہ جی اُٹھنا) ہے اور اسی میں بطشتہ (پکڑ) ہے اور اس کے آخر میں تین ساعتیں ہیں۔ ان میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

حضرت حسن بن سفیان نسوی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ مجھے ابومروان ہشام بن خالدارزق نے انھیں حسن بن یحییٰ خشنی نے انھیں عمر بن عبداللہ مولی عفرۃ نے انھیں انسؓ بن مالک نے بتایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا، کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السّلام آئے، ان کے ہاتھ میں سفید آئینے کی طرح (کوئی چیز تھی) جس میں ایک سیاہ نقطہ تھا میں نے پوچھا، کہ اے جبریل، یہ کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، یہ جمعہ ہے، اور مجھے یہ دے کر آپ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے عید کا دن ہے۔

میں نے پوچھا، اے جبریل، اس میں ہمارے لئے کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، اس میں آپ کے لئے کثرت سے خیر و برکت ہے۔ آپ آخری (اُمّت) ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہیں۔ اس میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے کہ کوئی مسلمان حالتِ نماز میں اللہ تعالےٰ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔

میں نے کہا اے جبریل، یہ سیاہ نقطہ کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ گھڑی ہے جو جمعہ کے دن ہوتی ہے اور یہ تمام ایام کا سردار ہے اور ہم اپنے ہاں (فرشتوں کے ہاں) اسے یوم المزید (زیادہ انعامات کا دن) کہا کرتے ہیں

میں نے کہا اے جبریل، یہ یوم المزید کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، یہ اس طرح ہے کہ آپؐ کے پروردگار نے جنّت میں ایک وادی بنائی جس میں سفید مشک کی خوشبو پھیلا دی، چنانچہ جب آخری دنوں میں جمعہ کا دن آتا ہے تو پروردگار کریم اپنے عرش سے اُتر کر کرسی پر آجاتا ہے اور نور کے منبر کرسی کو گھیرے میں لے لیتے ہیں ان پر انبیاءؑ تشریف فرما ہو جاتے ہیں اور منبروں کو سونے کی کرسیاں گھیرے میں لے لیتی ہیں، ان پر صدیقین اور شہداء بیٹھ جاتے ہیں اور بالا خانوں کے مکین وہاں سے اتر کر مشک کے ٹیلوں پر بیٹھ جاتے اور مجلس میں اہالیانِ منبر و کرسی کی افضیلت نہیں دیکھتے اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے سامنے اپنے آپ کو منکشف فرماتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے سوال کرو۔

وہ سب کہتے ہیں، اے پروردگار ہم تیری رضا مانگتے ہیں، تو وہ اپنی رضا کی گواہی دیتا ہے پھر فرمایا ہے کہ مجھ سے مانگ لو۔ پھر وہ مانگتے ہیں۔

یہاں تک کہ ان میں ہر بندے کی آخری تمنا بھی پوری ہو جاتی ہے، اور بتایا، پھر وہ ان پر ایسے انعامات کرتا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کان نے سنے اور نہ کسی آدمی کے دل میں

گزرے۔ پھر جبار سبحانہٗ اپنی کرسی سے اٹھ کر اپنے عرش کی طرف تشریف لے جاتا ہے اور بالاخانے کے مکین اپنے بالاخانوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور یہ سفید موتیوں یا سُرخ یاقوت یا سبز زمرد کے بالاخانے ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی دراڑ یا بوسیدگی نہیں ہوتی، روشن ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں۔

فرمایا کہ درخت ہوتے ہیں، جن میں پھل لٹک رہے ہوتے ہیں ان میں ان کی بیبیاں ان کے خادم اور مکانات ہوتے ہیں۔

اور بتایا، کہ اہل جنت جمعہ کے روز جنت میں ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے ہیں جیسے اہل دنیا بارش کے متعلق دنیا میں ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے ہیں۔

حضرت جبرئیل بارگاہ نبوّت میں

ابن ابی العرینا نے اپنی کتاب صفۃ الجنۃ میں لکھا ہے کہ مجھے ازہر بن مروان رقاشی نے انھیں عبداللہ بن عراوہ شیبانی نے انہیں قاسم بن طیب نے بتایا انہیں اعمش بن ابی وائل سے انھیں حضرت حذیفہؓ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبریل علیہ السّلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک نہایت خوبصورت اور روشن شیشہ تھا۔ اور اس کے درمیان ایک سیاہ چمکدار نشان تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ چمک دار داغ جو میں دیکھ رہا ہوں یہ کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا یہ جمعہ ہے۔

میں نے پوچھا جمعہ کیا ہوتا ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ خدائے بزرگ و برتر کے ایام میں سے ایک دن ہے۔ اور ابھی میں آپ کے سامنے دنیا میں اس کے شرف و فضیلت کے متعلق عرض کرتا ہوں اور اس کے متعلق جو اہل جمعہ اس کی امید رکھتے ہیں، نیز آخرت میں اس کے نام کے بارہ میں بتاتا ہوں۔

دنیا میں اس کا شرف و فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن اپنی مخلوق کا معاملہ کیا ہے، اور رہا یہ کہ جو اس دن اہل دنیا اُمید رکھتے ہیں، تو وہ یہ ہے کہ اس دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان مرد یا عورت اللہ تعالےٰ سے بھلائی کی درخواست کرے تو

اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔

اور آخرت میں اس کا فضل و شرف یہ ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل جنّت کو جنت کی طرف اور اہل جہنم کو دوزخ کی طرف بھیجا، ان پر دن گذرنے لگے، اور یہ راتیں نہ وہ ان راتوں جیسی راتیں تھیں نہ ان دنوں جیسے دن پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی مقدار اور اس کی ساعتیں بتائیں۔

اس طرح جب جمعہ کا دن ہوا، جب جمعہ پڑھنے والے نمازِ جمعہ کے لیے جاتے ہیں تو اہل جنت کو ایک مناد (آواز دینے والا) آواز دیتا ہے۔

اے اہل جنت وادی مزید کی طرف چلو۔

اور وادی مزید کے طول و عرض کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، اس میں اتنے اُونچے مشک کے ٹیلے ہیں جن کے سر آسمان میں ہیں۔

انھوں نے بتایا پھر غلمان انبیاء نور کے منبروں پر نکلتے ہیں اور غلمان مومنین یاقوت کی کرسیوں پر نکلتے ہیں، چنانچہ جب ان کے لیے یہ رکھ دی جاتی ہیں اور لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر مثیرۃ نام کی ہوا چلاتا ہے جو اس مشک کو سب پر پھیلا دیتی ہے اور ان کے کپڑوں کی تہہ میں داخل کر دیتی ہے اور ان کے چہروں اور بالوں میں سے نکال دیتی ہے، معلوم ہونا چاہیے اگر دنیا کی کوئی عورت وہ مشک لگالے تو ساری زمین خوشبو سے بھر جائے۔

انھوں نے بتایا کہ پھر اللہ تبارک و تعالےٰ حاملینِ عرش سے کہتا ہے، اسے اپنی پشت پر رکھ لو، تو پہلی آواز یہ سنی جاتی ہے کہ:

اے وہ لوگو! جنھوں نے غائبانہ میری اطاعت کی اور مجھے دیکھا نہیں، اور میرے رسولوں کی تصدیق کی اور میرے احکام کی اتباع کی مجھ سے مانگ لو یہی یوم مزید ہے۔ پھر وہ سب ایک کلمہ پر متفق ہو جاتے ہیں، کہ ”ہم تجھ سے راضی ہوئے (اے پروردگار) تو ہم سے راضی ہو جا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف توجہ فرماتا ہے کہ اے اہلِ جنّت اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو تمہیں اپنے گھر میں نہ ٹھہراتا، اس لئے مجھ سے مانگ لو، کیونکہ یہ یوم المزید ہے

پھر وہ سب ایک ہی جواب پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیرے چہرہ انور کا (سوال کرتے ہیں) تاکہ ہم اس کی زیارت کر لیں، تو اللہ تعالیٰ ان حجابوں کو اتار دیتا ہے، اور ان کے سامنے منکشف ہو جاتا ہے تو وہ ذرا سی جھلک دیکھتے ہی غش کھا جاتے ہیں۔ جب ان کو غش آتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ نہ جلیں تو ضرور جل جاتے۔ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اب اپنے منازل میں واپس چلے جاؤ پھر وہ لوگ اپنے منازل میں واپس آجاتے ہیں، اس واقعہ کے باعث ان پر ضعف طاری ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی بیویوں کے پاس واپس پہنچتے ہیں تو اس نور کی وجہ سے وہ اپنی بیویوں سے اور ان کی بیویاں ان سے اوجھل ہو جاتی ہیں، پھر جب دوبارہ ان کو بصارت دی جاتی ہے، تو اپنی اپنی شکلوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی بیویاں کہتی ہیں کہ تم ہمارے یہاں سے اور شکل میں گئے تھے اور اب نئی شکل میں آئے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر تجلی فرمائی ہے اور ہم نے اس کا جلوہ دیکھا ہے۔

اور بتایا" چنانچہ وہ ہر ہفتہ میں جنت کی نعمتوں اور مشک (خوشبو) سے مستفید ہوتے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی مطلب ہے اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کا کہ:۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون:

یعنی پس کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک (نعمتیں) چھپا رکھی ہیں، اس وجہ سے کہ وہ عمل (صالح) کرتے تھے۔

قبل از ہجرت مدینہ کا پہلا جمعہ کس نے قائم کیا؟

ابن اسحاقؒ نے بتایا کہ مجھے محمد بن ابی امام بن سہل سے انہیں اپنے والد سے انہیں عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت پہنچی کہ انہوں نے کہا: جب میرے والد کی بینائی جاتی رہی تو (نماز جمعہ) کے لئے میں اپنے والد کی رہنمائی کرتا تھا جب میں ان کے ہمراہ جمعہ کے لئے نکلتا، اور وہ جمعہ کی اذان سنتے، تو ابو امامہ، سعد بن زرارہ کے لئے بخشش کی دعا کرتے۔ چنانچہ جب میں یہ سنتا رہا تو میں نے (دل میں) کہا۔ یہ بڑی نکمی

سی بات ہے کہ میں اس بارے میں کچھ دریافت نہ کروں۔

پھر میں حسبِ عادت ان کے ہمراہ (جمعہ کے لئے) نکلا، تو جب انھوں نے جمعہ کی اذان سنی تو حسب معمول اس کے لئے استغفار کیا۔ میں نے عرض کیا آپ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں آخر اس کا سبب ؟

انھوں نے فرمایا، اے میرے بیٹے، اسعد پہلا آدمی تھا، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ کے (علاقہ) بنی حمزۃ بن بیاختہ کے ویرانے میں جمعہ پڑھایا جو ایک بقیع (قبرستان) میں واقع تھا اور جسے بقیع خضمات کہتے تھے۔

میں نے پوچھا۔ آپ لوگ ان دنوں کتنے تھے ؟

انھوں نے فرمایا، کل چالیس آدمی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے بنی عمرو بن عوف کے ہاں قباء میں ٹھہرے، جیسا ابن اسحاق نے بتایا ہے کہ پیر۔ منگل بدھ اور جمعرات کو ان کی مسجد کی بنیاد رکھی، پھر وہاں سے جمعہ کے روز چل پڑے، اور بنی سالم بن عوف کے علاقہ میں نماز جمعہ کا وقت آیا تو آپ نے وادی کے اندر واقع مسجد میں نماز ادا فرمائی اور مدینہ میں پڑھا جانے والا یہ پہلا جمعہ تھا، اور یہ جمعہ آپ کی مسجد (نبوی) کی تاسیس سے قبل پڑھا گیا۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلا خطبہ دیا، جو مجھے ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے پہنچا، اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات روایت کریں، جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جس کا وہ اہل ہے پھر فرمایا:

امّا بعد اے لوگو، اپنے لیے (نیکی) آگے بھیجو، یاد رکھو خدا کی قسم جب تم پر اچانک موت آئے گی، پھر وہ اپنی بکریوں کو بلائے گا تو ان کا کوئی چرواہا نہ ہوگا۔ پھر اس سے اس کا پروردگار فرمائے گا۔ جس کا نہ کوئی ترجمان ہے اور نہ اس کے سامنے کوئی حاجب ہے۔ کیا تیرے پاس میرا رسول نہ آیا تھا ؟ جس نے تجھے تبلیغ کی ؟ اور کیا میں نے مال نہ دیا تھا اور تجھ پر اپنا فضل نہ کیا تھا ؟ تو پھر تو نے اپنے لئے آگے کیا بھیجا ؟ پھر وہ یقیناً دائیں بائیں دیکھے

گا۔ تو اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا، تو دوزخ کے سوا اسے کچھ نظر نہ آئے گا، تو جو بھی آگ سے اپنا چہرہ بچا سکے اگرچہ ایک کھجور دے کر بچا سکے تو اسے چاہیئے ایسا کرلے، جسے یہ بھی میسّر نہ ہو، تو اچھی بات ہی سہی کیونکہ وہ نیکی کی قائم مقام ہو گی۔ (جس کا اجر) دس سے سات سو گنا تک ہو گا، والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں پھر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا، تو فرمایا:

أن الحمد لله احمده واستعينه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ان احسن الحديث كتاب الله قد افلح من زينه الله في قلبه وادخله في الاسلام بعد الكفر فاختاره على ما سواه من احاديث الناس انه احسن الحديث وابلغه احبوا ما احب الله احبوا الله من كل قلوبكم ولا تملوا كلام الله وذكره ولا نفس عنه قلوبكم فانه قد سماه خيرته من الاعمال والصالح من الحديث ومن كل ما اوتي الناس الحلال والحرام فاعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا واتقوه حق تقاته واصدقوا الله صالح ما تقولون بافواهكم وتحابوا بروح الله بينكم ان الله يغضب ان ينكث عهده والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔

یعنی " سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اس کی تعریف کرتا ہوں۔ اور اس سے مدد چاہتا ہوں اور ہم اپنی جانوں کے شر سے اور اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے۔ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے۔

اللہ نے جس کے دل کو اس سے زینت بخشی اور کفر کے بعد اسے اسلام میں داخل کیا تو وہ یقیناً کامیاب رہا، اور دوسروں کی باتوں کے مقابلہ میں اسے منتخب کر لیا کیونکہ یہ

بہترین کلام ہے اور سب سے زیادہ بلیغ ہے، جس سے اللہ محبت رکھے تم بھی اس سے محبت کرو، اپنے دل کی ساری محبت اللہ کے لئے (وقف) کردو، اور اللہ کے کلام اور اس کے ذکر سے نہ اکتاؤ۔ اور تمہارے قلوب اس کے متعلق کھوٹے نہ ہوجائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین عمل اور صالح ترین کلام کا نام عطا کیا ہے۔ (اور اس میں) تمام حلال و حرام جو انسانوں کو بتائے گئے (موجود ہیں) پس اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ ذرا بھی شرک نہ کرو، اور اسی سے ڈرو جتنا، ڈرنے کا حق ہے اور جو بولی تم اپنے منہ سے نکالتے ہو، ان کے بہتر الفاظ سے اللہ کی تصدیق کرو۔ اور اللہ کی رحمت سے آپس میں محبت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے کہ اس کا وعدہ توڑا جائے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،"

یومِ جُمعہ

اور اس کی تشریف، تخصیص اور تعظیم

ایّام عید پر جُمعہ کی فضیلت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے شرف، اس کی عظمت، اور اس کی خصوصیت کو، ایام عید پر امتیاز دیتے تھے۔

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا جمعہ کا دن افضل ہے یا یوم عرفہ؟

اس سلسلہ میں دو قول، اور امام شافعی کے خیال میں دو سبب یہ ہیں:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جمعہ کے دن) فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے اور اکثر لوگ جو علوم سے آشنا نہیں ہوتے یہ سمجھتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ایک زاید سجدہ کی وجہ سے مخصوص ہے چنانچہ اسے سجدہ جمعہ کا نام دیا کرتے اور اگر کوئی اس نماز میں یہ سورتیں نہ پڑھے تو مستحب یہ ہے کہ وہ سورت پڑھے کہ جس میں سجدہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ کرامؒ نے جمعہ کے دن نمازِ فجر میں ان سورتوں کی مداومت کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ جہلاء کا مذکورہ وہم ختم ہو جائے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی صبح کو یہ سورتیں اس لئے تلاوت فرمایا کرتے کہ یہ سورتیں ایسے معاملات پر مشتمل ہیں، جو اس دن ہوئے یا ہوں گے کیونکہ ان میں خلق آدم، ذکر معلو اور حشر و نشر کا ذکر ہے۔ اور یہ سب امور یوم جمعہ کو ہوں گے، نیز اس دن (صبح کو) ان کی تلاوت اُمّت کے لئے گویا پیش آنے والے واقعات اور حالات کی یاددہانی ہے، ورنہ درحقیقت سجدہ، مقصود نہ تھا بلکہ یہ تو تبعاً آگیا (کیونکہ) نمازی کی تلاوت میں یہ تو بغیر قصد کے اتفاقاً

آگیا، تو یہ جمعہ کے خواص میں سے ایک خاصہ ہے۔

۲۔ دوسرا خاصہ یہ ہے کہ اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کی کثرت مستحب ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے سردار ہیں اور یوم جمعہ بھی تمام دنوں کا سردار ہے۔ اس لئے درود شریف کا اس دن سے ایک خصوصی تعلق بھی ہے جو باقی ایام سے نہیں ہو سکتا (مزید برآں) اس میں ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ اس اُمّت نے دنیا و آخرت میں جس قدر بھی بھلائی حاصل کی سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہے، بس اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی تمام خیر و برکات اس امت کو عطا فرمائیں۔ یہ بہت بڑا شرف ہے، جو اسے حاصل ہے اور یہ (شرف) جمعہ کے دن عطا ہوتا ہے، کیونکہ اسی دن جنت میں اس اُمّت کو اس کے محلات و منازل کی طرف بھیجا جائے گا۔ اور جب یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، تو یہ دن ان کے لئے یوم المزید ہوگا۔ یہ دنیا میں بھی ان کے لئے عید کا دن تھا۔ اور اسی دن اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات و خواہشات پوری فرمائے گا۔ اور کسی سائل کو رد نہ کرے گا۔ اور یہ تمام (انعامات) اس امت کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے انہیں کے صدقہ میں حاصل ہوئے تو ان کا شکر و حمد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قلیل سی ادائیگی یہ ہے کہ اس شب و روز میں آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔

فرائض اسلام میں اہم ترین فریضہ

۳۔ نمازِ جمعہ فرائض اسلام میں سب سے زیادہ اہم اور اجتماعاتِ اسلامیہ میں ایک پُر عظمت اجتماع ہوتا ہے اور عرفہ کے اجتماع کے بعد اس کی سب سے اہمیت ہوتی ہے جو محض سستی سے اسے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور جمعہ کے دن لوگ جس قدر امام کے قریب اور نماز میں جلد حاضر ہونے والے ہیں وہ قیامت کے دن اتنے ہی اہل جنّت کے قریب اور یوم المزید کے موقع زیارتِ (خدائے تعالیٰ) پر اولیت حاصل کر سکیں گے

وجوب غسل کا حکم

۴۔ اس دن وجوب غسل کا حکم ہے۔ یہ امر از حد موکد ہے، نیز وجوب وتر، نماز میں بسم اللہ پڑھنے، عورت کے لمس پر وجوب وضو، نماز

میں قہقہہ، نکسیر سینگیاں لگوانا۔ اور قے کرنے پر وجوبِ وضو سے زیادہ قوی ہے (نیز) آخری تشہد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وجوبِ صلوٰۃ اور مقتدی پر وجوبِ قراۃ سے زیادہ (مؤکد) ہے۔

اور لوگوں کے متعلق اس کے وجوب میں دو قول ہیں۔ ایک نفی دوسرا اثبات، تفصیل اس کی یہ ہے، کہ جس کے بدن پر بدبو ہو، اور اس کو زائل کرنے کی ضرورت ہو تو اس پر واجب ہے اور جو اس سے مستغنی ہو، اس پر مستحب ہے۔

خوشبو لگانا ۵۔ اس دن خوشبو لگانا چاہیئے، اور یہ خوشبو بھی ہفتہ کے باقی ایام سے کہیں زیادہ عمدہ ہونی چاہیئے۔

مسواک کرنا ۶۔ اس دن مسواک کرنا اور باقی ایّام کی نسبت اس میں مسواک کی ایک خاص عظمت ہے لہٰذا مسواک ضرور کرنی چاہیئے۔

۷۔ نماز کے لئے تکبیر (تحریمہ)

۸۔ امام کے تشریف لانے تک نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر میں مشغول رہے۔

خطبہ کے موقع پر سکوت ۹۔ خطبہ کے موقع پر خاموش رہنا، جب خطبہ ہونے لگے تو خاموش رہنا اصح قول کے مطابق واجب ہے، اگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی تو لغویت کا مرتکب ہو گا، اور جس نے لغویت کا مظاہرہ کیا، تو اس کا جمعہ رائگاں گیا اور مسند میں مرفوعاً آتا ہے، کہ جو اپنے ساتھی سے کہے کہ چپ ہو جاؤ تو اس کا (بھی) جمعہ ضائع گیا۔

۱۰۔ اس دن سورہ کہف کی تلاوت کرنا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا۔ تو اس کے پاؤں سے لے کر آسمان تک ایک نور بچھا دیا جائے گا۔ قیامت کے دن اس سے روشنی ہو گی، اور دو جمعوں کے درمیان کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اسے سعید بن منصور نے ابو سعید خدری رضؓ کے قول سے ذکر کیا۔

ابن تیمیہ کا مسلک ۱۱۔ گیارھواں یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور ان کے حامیوں کے نزدیک اس دن زوال کے وقت بھی نماز مکروہ نہیں۔ ہمارے شیخ ابو العباس

ابن تیمیہؒ نے بھی اس مسلک کو اختیار کیا ہے حالانکہ ان کا اس سلسلہ میں لیث کی روایت پر انحصار نہیں، کہ جو انھیں مجاہد سے اور انہیں ابو خلیل سے انہیں ابو قتادہ سے اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا، کہ جمعہ کے سوا نصف النہار دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ (اس وقت) جہنم دہکایا جاتا ہے، بلکہ ان کے مسلک کا انحصار اس روایت پر ہے کہ جو جمعہ کی نماز میں حاضر ہو، مستحب یہ ہے کہ وہ امام کے باہر آنے تک نماز پڑھ لے، اور صحیح حدیث میں منقول ہے جو آدمی بھی بروز جمعہ غسل کرے اور امکان بھر پاکیزگی حاصل کرے اور کوئی تیل لگائے یا اپنے گھر سے خوشبو لگالے، پھر وہ (جمعہ پڑھنے کیلئے) نکلے، اور دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے، پھر وہ نماز پڑھے جتنی کہ اس کے مقدر میں لکھی ہے، اور جب امام خطبہ دے تو وہ خاموش رہے (اس پر) اس کے تمام گناہ جو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے ہوں گے سب بخش دیئے جائیں گے (بخاری) اس لئے جو بھی اس کے مقدر میں ہو مستحب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھے اور امام کے نمودار ہونے تک کے علاوہ کوئی چیز نماز کے لئے امر مانع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی حضرات سلف نے فرمایا۔ جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی ہیں اور امام احمدؒ بن حنبل نے بھی ان کا ہی اتباع کیا ہے کہ خروجِ امام نماز کا مانع ہے اور خطبہ امام مانع کلام ہے۔ تو انہوں نے خروجِ امام کو مانعِ نماز قرار دیا نہ کہ دوپہر ہونا (مانع نماز ہے) نیز "لوگ اس وقت چھتوں" کے نیچے بیٹھے ہوتے ہیں اور زوال کے وقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے، اور جو آدمی نماز میں مشغول ہو گا، اسے زوالِ شمس کا علم نہ ہو سکے گا، اور اس کے لئے یہ بھی ناممکن ہے کہ لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا باہر آئے اور سورج کو دیکھ کر پھر لوٹ جائے۔ اور یہ حرکت بھی اس کے لئے مشروع نہیں۔ نیز بعض دیگر شواہد بھی ملتے ہیں، جنھیں امام شافعیؒ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

مثلاً انہوں نے فرمایا، اسحٰق بن عبداللہ سے مروی ہے۔ انہیں سعید بن ابی سعید سے انہیں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے علاوہ دوپہر (زوال شمس) کے وقت نماز سے منع فرمایا، جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے۔ اسی طرح انھوں نے کتاب اختلاف الحدیث میں روایت کیا ہے اور کتاب الجمعہ میں لکھا ہے کہ ہمیں ابراہیم

بن محمد سے انہیں اسحٰق سے اور انہیں ابو خالد احمد سے اہل مدینہ کے ایک شخص سے روایت ملی جسے عبداللہ بن سعید مقبری کہتے ہیں، انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

جمعہ کی ایک اور خصوصیت

اور امام بیہقی نے "المعرفۃ" میں عطا بن عجلان سے انھوں نے ابو نضرہ سے انھوں نے ابو سعید سے اور انھوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا، ان دونوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے علاوہ نصف النہار (دوپہر) کو نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے لیکن اس کی اسناد قابلِ استدلال نہیں ہیں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں لیکن جب ان روایات کو ابو قتادہؓ کی روایت کے ساتھ جمع کیا جائے، تو ایک گونہ قوت ہو جاتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جمعہ میں جلدی کرتے ہیں اور خروجِ امام تک نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ نے جس طرف اشارہ کیا ہے وہ حدیث صحیح میں موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی طرف جلدی جانے اور بغیر کسی استثناء کے خروجِ امام نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور یہ روایت ان روایات کے مطابق ہے جن میں جمعہ کے علاوہ دوپہر کے وقت نماز کی اجازت ملتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے حضرت عطاؒ حسنؒ اور مکحول کے خیال میں رخصت کا ذکر کر دیا ہے "میں کہتا ہوں" کہ دوپہر کو نماز پڑھنے کی کراہت کے معاملہ میں لوگوں میں اختلاف ہے، اور اس میں تین اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ یہ وقت کسی طرح بھی کراہت کا وقت نہیں۔ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ جمعہ وغیر جمعہ ہر روز یہ کراہت کا وقت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ایک مشہور روایت کے مطابق امام احمدؒ بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ جمعہ کے علاوہ یہ کراہت کا وقت ہے، اب (جمعہ کے روز) یہ وقتِ کراہت نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کا یہ مذہب ہے۔

۱۲۔ بارھواں یہ کہ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ، منافقین یا سبّح باسم اور غاشیہ پڑھی جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں یہی سورتیں پڑھا کرتے تھے (مسلم) نیز یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں ھل اتاك حديث الغاشيه بھی پڑھتے تھے۔ یہ سب آپ سے ثابت ہے۔ اور یہ مستحب نہیں کہ ہر سورہ میں سے کچھ حصہ یا ایک سورہ دو رکعتوں میں پڑھی جائے کیونکہ یہ خلاف سُنّت ہے اور صرف جاہل امام اس پر مداومت کرتے ہیں۔

جمعہ عید مکرر ہے

۱۳۔ تیرھواں یہ کہ ہر ہفتہ بار بار آنے والی عید ہے اور ابو عبداللہ بن ماجہؒ نے اپنی سنن میں حضرت ابو مہابہ بن عبدالمنذر کی روایت سے نقل کیا ہے انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جمعہ کا دن تمام ایّام کا سردار ہے اور اللہ کے ہاں سب سے بڑی عظمت والا ہے اور یوم اضحیٰ اور یوم فطر سے بھی زیادہ ذی شان ہے۔ اس میں پانچ خاص باتیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

۲۔ اسی دن آدم علیہ السّلام کو زمین پر اُتارا گیا۔

۳۔ اسی دن آدم علیہ السّلام کو وفات دی گئی۔

۴۔ اور اسی دن ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو (اللہ تعالیٰ) اسے وہی چیز عطا فرمائے گا، بشرطیکہ وہ حرام چیز کا سائل نہ ہو۔ اور

۵۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی، کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ اور درخت ایسے نہیں جو کہ اس روز جمعہ سے خوفزدہ نہ ہوں۔

جُمعہ کو اچھا لباس پہننا چاہیئے

۱۴۔ مستحب یہ ہے کہ اس دن سب سے بہتر لباس جو میسر ہو پہنے، کیونکہ امام احمدؒ اپنی مسند میں حضرت ابو ایوبؓ سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو، اسے لگایا اور بہترین لباس پہنا پھر وہ نکلا، اور مسجد میں پہنچنے تک اس پر متانت طاری رہی، پھر اگر (وقت ہوا) تو اس نے رکوع کیا (نماز پڑھی) اور کسی کو ایذا نہ دی، اور جب امام نکلا تو خاموش ہو گیا یہاں تک کہ

اس نے نماز ادا کی تو یہ ان دونوں (جمعوں) کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

اور سنن ابو داؤدؒ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر جمعہ کے دن فرماتے سنا "تمہارا کیا بگڑتا ہے اگر تم عام لباس کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے ایک لباس خریدلو"؟

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن لوگوں کے بدن پر سوف کے موٹے کپڑے دیکھے، تو فرمایا:

اگر تم کچھ وسعت رکھتے ہو تو کیا حرج ہے کہ عام کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک اور لباس تیار کرلو۔

جمعہ کے دن سفر

۱۵۔ جمعہ کا وقت داخل ہوجانے کے بعد اس دن میں سفر کرنا جائز نہیں جس پر جمعہ واجب ہو۔

رہا وقت سے قبل، تو اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ جو احمدؒ سے منقول اور منصوص ہیں، ایک تو عدم جواز کا ہے، دوسرا جواز کا اور تیسرا محض جہاد کے لئے جواز کا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر کا آغاز کرنا حرام ہے۔ سفرِ اطاعت میں دو قول ہیں۔

ایک تحریم کا ہے، امام نوویؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

دوسرا جواز کا ہے، امام شافعیؒ نے اس کی (حمایت) کی ہے۔

رہا زوال سے قبل سفر کرنا! تو امام شافعیؒ کے اس کے متعلق دو قول ہیں۔ قدیم قول جائز ہونے کا ہے، اور جدید قول زوال کے بعد کے مطابق ہے (یعنی حرام ہے۔

صاحب التفریع فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے تک سفر نہ کرے۔ اور اگر زوال سے قبل سفر شروع کرلے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ طلوع فجر (جمعہ) کو اگر مقیم ہو تو ادائیگی نماز جمعہ تک سفر نہ کرے۔

امام ابو حنیفہؒ مطلقاً سفر کو جائز قرار دیتے ہیں۔

دار قطنیؒ نے "افراد" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

جو جمعہ کے روز جائے اقامت سے سفر شروع کرے۔ فرشتے اس کے لئے بددعا کرتے ہیں، کہ (خدا کرے) سفر میں تیرا کوئی دوست نہ ہو۔ یہ ابن لہیعہ کی روایت ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حکمؒ کی روایت سے ثابت ہے جو انہیں مقسم سے انہیں ابن عباسؓ سے پہنچی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک سریہ (چھوٹی سی فوج) میں بھیجا تو انہیں جمعہ کا معاملہ آن پڑا تو ساتھی صبح کو چلے گئے اور وہ کہنے لگے کہ میں پیچھے رہتا ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر ان سے جا ملوں گا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا، تو دریافت فرمایا، تم کیوں رُک گئے۔ پھر کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ (جہاد کے سفر) پر صبح نہ کی؟

انھوں نے عرض کیا کہ میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کر لوں، پھر ان سے جا ملوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو وہ تمام کچھ خرچ کر دے (اللہ کے راستہ میں) تو بھی ان کے اس سفرِ جہاد کے برابر ثواب حاصل نہ کر سکے گا۔

یہ روایت علیل ہے، اس لئے کہ حکم کا مقسم سے سماع ثابت نہیں، لیکن یہ وہ صورت ہے جب مسافر کو اپنے رفقاء کے نہ مل سکنے کا خطرہ نہ ہو لیکن جب اسے اس بات کا خطرہ ہو کہ رفقائے (سفر) کو پا نہ سکوں گا تو اس کے لئے سفر کرنا قطعاً جائز ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عذر ہے کہ جو جمعہ اور جماعت کو ساقط کر دیتا ہے،

اور شاید اسی پر یہ روایت بھی محمول ہے کہ اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ ان سے اس مسافر کے متعلّق پوچھا گیا جس نے نماز جمعہ کی اذان سنی، اور وہ سواری پر کجاوہ ڈال چکا تھا کہ اسے سفر پر ضرور جانا چاہئے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ جمعہ اسے سفر سے نہیں روکتا اور ان کا مطلب مطلقاً جوازِ سفر کا ہو، تو مختلف فیہ معاملہ ہے۔

اس سلسلہ میں فیصلہ کن دلیل وہ ہے جو عبدالرزاقؒ نے نقل کی ہے، انھوں نے اپنی مسند

میں لکھا ہے، انھیں معمر سے انھیں خالد حذاء سے انہیں ابن سیرینؒ یا کسی دوسرے سے روایت پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب نے جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد ایک آدمی پر لباس سفر دیکھا تو دریافت فرمایا، کہ تمہارا کیا معاملہ ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے سفر کا ارادہ کیا تھا، پھر میں نے ناپسند سمجھا، کہ نماز پڑھنے سے قبل ہی چلا جاؤں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا جب تک جمعہ کا وقت نہ آجائے۔ جمعہ سفر سے نہیں روکتا، تو یہ قول زوال کے بعد منع کا ہے اور زوال سے قبل کوئی ممانعت نہیں۔

نیز ثوریؒ سے انھیں ابن ذویب سے انھیں صالح بن دینار سے انہیں امام زہریؒ سے معلوم ہوا انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز سے قبل چاشت کے وقت سفر کے لئے تشریف لے گئے اور ابن مبارکؒ نے حسان بن ابی عطیہ سے نقل کیا ہے، فرمایا، جب انسان جمعہ کے دن سفر کرتا ہے تو یہ دن اس پر بددعا کرتا ہے کہ خدا کرے اس کی ضرورت میں اسے مدد نہ ملے، اور نہ اسے سفر میں کوئی دوست ملے۔

امام اوزاعیؒ نے حضرت ابن مسیبؓ سے نقل کیا، انھوں نے فرمایا، جمعہ کے دن نماز کے بعد سفر ہونا چاہیئے۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عطا سے دریافت کیا، کہ کیا آپ کو خبر ملی کہا جاتا ہے، جب جمعہ کی رات کو کسی جمعہ پڑھے جانے والے قصبہ میں ٹھہرنے کا موقع ملے تو جمعہ کی نماز پڑھنے سے قبل وہاں سے نہ جائے، انھوں نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے، تو میں نے عرض کیا" تو جمعرات کے دن (چلا جائے) ؟ فرمایا، نہیں، یہ تو ایسا دن ہے جس میں کوئی مضرت نہیں۔

اجر فراواں کی بشارت

۱۶- یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کو جانے والے کے لئے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور قیام (اللیل) کا اجر ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ انھیں معمر سے یحییٰ بن ابی کثیر سے انھیں ابو قلابہ سے انھیں ابو اشعث صنعانی سے انہیں اوس بن اوس سے روایت پہنچی۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے جمعہ کے دن (کپڑوں وغیرہ) کو دھویا اور غسل کیا، اور جلدی اٹھا اور اس طرف

جلدی چلا، اور امام کے قریب بیٹھا، اور خاموش رہا، تو وہ جس قدر قدم اُٹھائے گا، ہر قدم پر[علہ] اس کے لئے ایک سال کے روزوں اور قیام (اللیل) کا اجر ہے۔ اور یہ (ثواب عظیم کی عطا) اللہ پر آسان ہے۔ اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

جمعہ کفارۂ سیّات کا دن ہے

۱۷۔ سترھویں کہ یہ دن گناہوں کے کفارے کا دن ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت عطا خراسانی سے منقول ہے، انھیں نبیشہ ہذلی سے معلوم ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ جب مسلمان نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر مسجد میں حاضر ہوا، اس طرح کہ وہ کسی کو ایذا نہیں دیتا، اگر ابھی تک امام نہیں آیا ہے اور اس نے حسبِ استطاعت نماز ادا کی اور اگر دیکھا کہ امام آچکا ہے تو بیٹھ گیا اور (امام کا خطبہ) سنا اور خاموش رہا۔ یہاں تک کہ امام نے نماز جمعہ پڑھا دی، اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اور اس کے تمام گناہ اس جمعہ میں نہ بخشے جائیں گے تو اتنا ضرور ہو گا کہ دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخشے جائیں گے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت سلمانؓ سے منقول ہے انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن جس نے غسل کیا، اور حسب استطاعت طہارت حاصل کی، اور کوئی سا تیل لگایا یا کوئی عطر لگایا، پھر وہ (نمازِ جمعہ کے لئے) نکلے اور دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے، پھر حسب مقدر نماز پڑھے، اور جب امام خطبہ پڑھے، تو خاموش رہے، تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اور مسند امام احمدؒ میں حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر لباس پہنا اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگائی، پھر متانت کے ساتھ نمازِ جمعہ کے لئے چل پڑا، نہ کسی کو پھاند کر

علہ علمائے اصول حدیث کا یہ تقریباً متفقہ اصول ہے کہ جن حدیثوں میں عمل قلیل پر اجر کثیر کی بشارت اور معصیت قلیل پر عتاب عظیم کی خبر ہو، وہ ضعیف ہیں، چنانچہ بخاری و مسلم میں اس طرح کی حدیثیں شاذ و نادر ہی ملیں گی۔ (رئیس احمد جعفری)

گزرے، نہ اسے تکلیف دے اور جو اس کے مقدر میں ہو نماز پڑھے، پھر امام کے فارغ ہونے تک انتظار کرے تو اس کے دو جمعوں کے درمیان کے گناہ بخشے جائیں گے۔

۱۸۔ اٹھارواں یہ کہ جمعہ کے علاوہ ہر روز جہنم دہکایا جاتا ہے (اور ابن ابی قتادہؓ کی روایت اس کے متعلق گذر چکی ہے) کیونکہ اللہ کے ہاں یہ سب سے افضل دن ہے اور اس دن میں طاعات و عبادات دعائیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے سامنے عاجزی وزاری کی جاتی ہے اور یہ چیزیں جہنم کے دہکنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن اہل ایمان کے گناہ بھی دوسرے ایام کی نسبت بہت کم واقع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ فساق و فجار بھی ہفتے کے باقی دنوں سے اس دن گناہوں سے زیادہ تر رکے رہتے ہیں۔ اس روایت کا مطلب دُنیا میں دوزخ کا دہکنا ہے۔ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز اس کو گرم کیا جاتا ہے، رہا، یوم قیامت، تو اس کا عذاب کم نہ ہوگا اور نہ اہل دوزخ سے کسی دن بھی اس کی تخفیف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ جہنم کے فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اپنے پروردگار سے درخواست کرنا کہ کسی دن ہماری سزائیں کمی کریں تو وہ ان کی (چیخ پکار) کا جواب نہیں دیتے۔

قبولیت دُعا کی ساعت

۱۹۔ انیسواں، اس میں قبولیت دعا کی ایک ساعت ہے اور یہ وہی گھڑی ہے کہ جس میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، تو وہ اسے ضرور قبول کرتا ہے۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ کوئی مسلمان بھی جو نماز پڑھ رہا ہو، اسی وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگے گا، اللہ تعالیٰ اُسے وہی چیز عنایت فرمائے گا، اور ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ یہ تھوڑا سا وقت ہے۔

اور مسند میں حضرت ابولبابہ منذری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام ایام کا سردار اور سب سے زیادہ عظمت والا ہوتا ہے، اور اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ یوم فطر اور یوم اضحیٰ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور اس میں پانچ خاص باتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔
دوسرے اسی دن ہبوط آدم ہوا، یعنی وہ زمین پر اُتارے گئے۔
تیسرے اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو وفات دی۔
چوتھے اس دن کے اندر ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جب کوئی بندہ اس وقت اللہ سے کچھ مانگتا ہے تو وہ اسے عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو۔
پانچویں، اسی دن قیامت آئے گی کوئی مقرب فرشتہ زمین، ہوا، سمندر، پہاڑ، درخت ایسا نہیں جو اس دن کے پیش آنے والے حوادث سے خائف و ترساں نہ ہو۔

جمعہ کی ساعتِ قبولیت

قائم ہے یا اٹھالی گئی؟

اقوال متعددہ و مختلفہ اس ساعت کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا وہ باقی ہے؟ یا اٹھالی گئی؟

اس سلسلے میں دو قول ہیں، جنھیں ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

جو اس کے باقی ہونے کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ اٹھائی نہیں گئی۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ جمعہ کے دن یہ ایک معین وقت پر آتی ہے یا غیر معین وقت پر؟

اس سلسلے میں بھی دو قول ہیں۔

جو غیر معین ہونے کے قائل ہیں۔ ان کے بھی دو قول ہیں۔

مزید برآں جو غیر معین ہونے کے قائل ہیں، ان کے مابین اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا یہ دن کی مختلف ساعتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے، یا نہیں؟ اور اس میں بھی دو قول ہیں۔

اور جو اس کے معین ہونے کے قائل ہیں، ان کا اختلاف بڑھ کر گیارہ اقوال تک پہنچ چکا ہے۔

۱۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ملی کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ ساعت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک اور نماز عصر سے لے کر نماز مغرب تک رہتی ہے۔

دوسرے قول کے مطابق یہ زوال کے قریب ہوتی ہے جسے ابن منذر نے حضرت حسن بصریؒ اور ابو عالیہؒ سے نقل کیا ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب موذن جمعہ کی اذان دے، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ قول ہمیں حضرت عائشہؓ سے پہنچا ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ جب امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھتا ہے اس کے فارغ ہونے تک کے درمیانی عرصہ میں یہ ساعت آتی ہے، ابن منذر کہتے ہیں، ہمیں یہ روایت حضرت حسن بصریؒ سے پہنچی ہے۔

۵۔ پانچواں ابو بردہؓ کا قول ہے کہ یہ وہ ساعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نماز کیلئے منتخب کر لیا

۶۔ چھٹا ابوسوار عدوی کا قول ہے، انھوں نے بتایا کہ سلف کا خیال ہے زوالِ شمس سے لے کر نماز کے وقت تک دعا قبول ہوتی ہے۔

۷۔ ساتواں قول حضرت ابوذرؓ کا ہے کہ یہ ساعت ایک بالشت طلوعِ شمس سے لے کر بقدر ایک گز طلوع تک ہوتی ہے۔

۸۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ یہ عصر اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کے قائل حضرت ابوہریرہؓ عطاءؒ۔ عبداللہ بن سلام اور طاؤسؒ ہیں۔ یہ تمام اقوال ابن منذرؒ نے نقل کئے ہیں۔

۹۔ نواں قول یہ ہے کہ یہ ساعت عصر کے بعد آخری وقت میں ہوتی ہے۔ امام احمدؒ جمہور صحابہؓ اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔

۱۰۔ دسواں قول ہے یہ ساعت خروج امام سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک کے درمیانی عرصہ میں ہوتی ہے۔ اسے امام نوویؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

۱۱۔ گیارھواں، صاحب "مغنی" نے لکھا ہے کہ یہ دن کی تیسری ساعت میں آتی ہے۔ اور حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اگر انسان جمعہ کا دن (تین) برابر حصّوں میں تقسیم کر لے تو یہ ساعت مل سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، صرف ایک دن کو طلب حاجت کے لئے خاص کر لینا بہت آسان ہے

دو قابل ترجیح قول

ان تمام اقوال میں زیادہ قابل ترجیح دو قول ہیں جو صحیح احادیث پر مشتمل ہیں۔ اور ان دونوں میں سے ایک زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔

پہلا تو یہ کہ یہ ساعت امام کے (منبر) پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان

میں ہوتی ہے۔ اس قول کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو ابو بردہؓ بن ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کبھی اپنے والد بزرگوار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث جمعہ کے متعلق بھی سنی ؟ انھوں نے فرمایا ، ہاں ، میں نے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ یہ (ساعت) امام کے (منبر) پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اور ابن ماجہ و ترمذیؒ نے بھی حضرت عمرو بن عوف مزنی سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ، بے شک جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت کچھ بھی مانگے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہی عطا فرماتا ہے۔ عرض کیا گیا ، اے اللہ کے رسول ، وہ کونسی ساعت ہے ؟ آپؐ نے فرمایا۔ جب نماز قائم ہو اس وقت سے لے کر نماز سے فارغ ہو جانے تک۔

دوسرا قول ہے کہ یہ ساعت نماز عصر کے بعد ہوتی ہے یہ دونوں متاخر اقوال میں سے زیادہ ترجیحی قول ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن سلام۔ ابو ہریرہؓ۔ امام احمد اور ایک جماعت کا قول ہے۔ اس قول کی حجت وہ روایت ہے جو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس وقت ایک مسلمان بندہ جو بھی اللہ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز عطا فرماتا ہے اور یہ ساعت عصر کے بعد ہوتی ہے۔ اور ابو داؤدؒ۔ نسائیؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا ، جمعہ کے دن بارہ ساعتیں ہوتی ہیں ان میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا ہے ، اللہ تعالیٰ اُسے وہی چیز عطا فرماتا ہے۔ اسی لیے اس (ساعت) کو عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو۔ اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ جمع ہوئے اور جمعہ کے دن میں واقع اس ساعت کے متعلق تبادلہ خیال کیا تو ان کا اختلاف ہو گیا ، لیکن جمعہ کی آخری ساعت میں ہونے کے متعلق کوئی اختلاف نہ کیا ، اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے۔

انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب یعنی توراۃ میں جمعہ کے دن ایک ساعت پاتے ہیں کہ اس وقت کوئی مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگے، اللہ اس کی حاجت پوری فرما دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ " پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یا ساعت کا کچھ حصّہ، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے درست فرمایا، یا ساعت کا کچھ حصّہ، پھر میں نے عرض کیا، وہ کونسی ساعت ہے ؟ آپ نے فرمایا، کہ وہ دن کی گھڑیوں میں سے آخری ساعت (گھڑی) ہے۔ میں نے عرض کیا (لیکن) یہ تو نماز کی ساعت نہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں! جب ایک مومن بندہ نماز پڑھتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے اور (آئندہ وقت) کی نماز ہی نے اسے بٹھا رکھا ہوتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے "۔

اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ ساعت اس وقت ہوتی ہے جب امام خطبہ شروع کرے اس وقت سے فراغت نماز تک، تو اس نے صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کیا ہے جو ابو بردہؓ سے انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے والد سے جمعہ کی ساعت کے متعلق کچھ سنا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں میں نے ان سے سنا، وہ کہتے تھے کہ " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ " یہ (ساعت) امام کے (منبر) پر بیٹھنے سے لے کر نماز ختم ہو جانے کے درمیان میں ہوتی ہے "۔

اور عبدالرحمٰن بن مجدق نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ ان کی بیوی نے جمعہ کے دن کی اسی ساعت کے متعلق پوچھا، جس میں ایک مومن بندہ کی دعا قبول کی جاتی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ (ساعت) سورج کے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد تک کی ہے اور اگر اب تو نے پوچھا تو تجھے طلاق " ان لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ " وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو "۔ اور عصر کے بعد اس وقت کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اور ظاہر حدیث سے استدلال زیادہ اولیٰ ہوتا ہے۔

حضرت علی کی روایت سے استدلال ابو عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس خیال کے لوگوں نے

حضرت علیؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے" جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جب سورج ڈھل جائے اور سائے لوٹ جائیں اور ارواح جانے لگیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا سوال کرو، کیونکہ یہ اوابین کی ساعت ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿انہ کان للاوابین غفورا﴾۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے بتایا، جمعہ کے دن جس ساعت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ نماز عصر سے غروب شمس تک ہے اور حضرت سعید بن جبیر جب نماز عصر پڑھ لیتے تو غروب آفتاب تک کسی سے بات نہ کرتے۔ اکثر سلف کا یہی قول ہے۔ اسی کی حمایت میں اکثر احادیث ہیں اور اسی سے وہ قول ملتا ہے کہ یہ ساعت نماز ہے۔ باقی اقوال کی کوئی دلیل نہیں میرے نزدیک یہ ہے کہ نماز میں بھی ایک ایسی ساعت ہے کہ جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ تو اس طرح قبولیت کی دو ساعتیں ہوتی ہیں۔

اگر وہ مخصوص ساعت نمازِ عصر کے بعد کی آخری ساعت ہو تو وہ اس دن سے مقررہ ساعت ہے جو مقدم و موخر نہیں ہوتی۔ رہی ساعتِ صلوٰۃ تو یہ نماز کے تابع ہے، جو مقدم یا موخر ہو سکتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے اجتماع و نماز و تفرع اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے میں قبولیت دعا کے لیے ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ تو ان کے اجتماع کی ساعت ایسی گھڑی ہے جس میں اجابت کی امید کی جا سکتی ہے۔ اور اس پر تمام احادیث متفق ہیں، اور ان دو ساعتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعاء اور زاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے، کہ ایک مرتبہ جب آپؐ سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا کہ جو تقویٰ کی بنا پر بنائی گئی تو آپؐ نے فرمایا" یہ ہے وہ تمہاری مسجد۔ اور مسجد مدینہ (مسجد نبوی) کی طرف اشارہ کیا یہ فرمان مسجد قباء کی نفی نہیں کرتا جس کے متعلق یہ آیت "تقویٰ کی بنا پر" نازل ہوئی، بلکہ یہ دونوں مسجدیں تقویٰ ہی پر قائم ہیں۔

اسی طرح جمعہ کی ساعت کے متعلق آپ کا فرمان، کہ" یہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے کے درمیان ہے" بھی دوسری روایت کی نفی نہیں کرتا، کہ" اسے نماز عصر کے بعد تلاش کرو۔ اور اسماء میں اس سے مشابہ امثلہ آتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ما تعدون الرقوب فیکم

یعنی تم اپنے اندر کس کو رقوب سمجھتے ہو ؟ (صحابہؓ) نے عرض کیا، جس کا کوئی لڑکا نہ ہو، آپ نے فرمایا، رقوب وہ ہے کہ جسے اپنے بچے سے کچھ حاصل نہ ہو، اور آپ نے فرمایا کہ یہ بھی رقوب ہے جب اس کو اپنے لڑکے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اور یہ اس بات کے منافی نہیں کہ وہ جس کا بچہ نہ ہو اسے رقوب کہا جائے "۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، کہ تم میں مفلس کون ہوتا ہے ؟ (صحابہؓ) نے عرض کیا کہ جس کے پاس کچھ زر و مال یا سامان و اسباب نہ ہو، آپ نے فرمایا، مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن پہاڑوں کی طرح بہت سی نیکیاں لے کر آئے اور ساتھ ساتھ یہ بوجھ بھی ہو کہ اس نے کسی کو چانٹا مارا ہو، کسی کو زدوکوب کیا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، چنانچہ اس کی کچھ نیکیاں یہ لے جائے اور کچھ اس کی نیکیاں وہ لے جائے .. الخ (حدیث)

اسی طرح آپ کا فرمانا، کہ مسکین یہ نہیں جو پھر رہا ہے، اور اسے ایک لقمہ یا دو لقمے ایک کھجور یا دو کھجوریں ملتی ہیں، بلکہ مسکین تو وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔ اور وہ اسے سمجھتے ہی نہیں کہ اس پر صدقہ کریں ۔

ساعت اجابت یہ ساعت عصر کے بعد کی آخری ساعت ہے، تمام اہل ادیان نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اور اہل کتاب کے خیال میں یہ ساعتِ اجابت ہے یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ جس میں انھیں تبدیلی یا تحریف کی ضرورت نہ تھی اور ان کے اہل ایمان نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے ۔

ساعت جمعہ اور لیلۃ القدر باقی جنھوں نے اس کے منتقل ہوتے رہنے کا دعویٰ کیا ہے تو انھوں نے دراصل (اس دعویٰ) کے ذریعہ احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے جیسا لیلۃ القدر کے متعلق منقول ہے اور یہ قوی نہیں، کیونکہ لیلۃ القدر کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسے پچیس چھبیس ستائیس اور انتیس (شب) میں تلاش کرو، اور جمعہ کی ساعت کے متعلق ایسا کوئی قول منقول نہیں ۔ دوسرے لیلۃ القدر کے متعلق کوئی صریح روایت نہیں ملتی کہ وہ ٹھیک اس وقت ہو گی ۔ بخلاف جمعہ کی ساعت کے، اس طرح دونوں میں امتیاز ہو گیا ۔

ساعت جُمعہ اٹھائی نہیں گئی

رہا ان لوگوں کا قول جو اس ساعت کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں، تو ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے بعض کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر اٹھالی گئی ہے۔ اس کا اگر یہ مطلب ہے کہ یہ ساعت پہلے معلوم تھی اور بعد میں امّت سے اس کا علم چھین لیا گیا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ "ساری امّت سے اس کا علم رفع نہیں کیا گیا، اگرچہ بعضوں سے رفع ہو چکا ہو، اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس ساعت کی حقیقت اور ساعتِ اجابت ہونا مرتفع ہو چکا ہے تو یہ مطلب باطل اور احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے اس لیئے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

جمعہ کے خصائص میں سے اکیسواں خاصہ یہ ہے کہ اس میں نماز جمعہ ہوتی ہے، جو تمام فرض نمازوں میں اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے، جو اجتماع، عدد مخصوص، اشتراط اقامت (اشیطان) اور قرآتِ جہری کے لحاظ سے صرف اسی میں پائی جاتی ہیں۔ اور نماز عصر کے علاوہ اس کی اس قدر تاکید آئی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ سنن اربعہ میں ابو جعد صخری سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نے استحقار کے باعث تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مُہر لگا دے گا

راویانِ حدیث پر جرح

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے، اور میں محمدؒ سے حضرت ابو جعد صخریؓ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا نام معروف نہیں اور بتایا کہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس کی اس کے سوا کوئی روایت نہیں جانتا، اور سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تارک جمعہ کے لیئے حکم مذکور ہے کہ جو اسے چھوڑ دے وہ ایک دینار کا صدقہ کرے۔ اگر نہ مل سکے تو نصف دینار۔ ابو داؤدؒ، نسائیؒ نے اسے قدامہ بن وبرہ اور انھوں نے سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے۔ لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قدامہ بن وبرہ معروف نہیں۔ اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے۔ امام بخاری سے منقول ہے کہ وہ سمرہؓ سے اس کا سماع صحیح نہیں مانتے۔

جُمعہ کے چند اور خصائص

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے۔ ہاں امام شافعیؒ سے ایک قول منقول ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے لیکن یہ غلط ہے۔

جمعہ کا بائیسواں خاصہ یہ ہے کہ اس میں خطبہ ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ثناو تمجید بیان کی جاتی ہے اس کی وحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی جاتی ہے اور بندوں کو اس کے متعین کردہ ایام سے تذکیر اور اس کے انتقام و زجر سے تحذیر کی جاتی ہے اور ان اعمال کی وصیت کی جاتی ہے جو انہیں اس کی طرف اور جنت کی طرف لے جائیں، اور ان باتوں سے روکا جاتا ہے کہ جو اس کی ناراضگی اور دوزخ کا سبب بنیں۔ خطبہ اور اجتماع کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے۔

جمعہ کا تئیسواں خاصہ یہ ہے کہ یہ وہ دن ہے کہ جس دن عبادت کے لئے فارغ ہو جانا مستحب ہے مستحب اور واجب عبادات کے باعث باقی ایام پر اس دن کو ایک خاص فوقیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ملت کے لئے ایک دن ایسا بنا دیا کہ وہ اس دن دنیا کے کاموں سے الگ ہو کر یکسوئی سے عبادت کر سکیں۔ تو (اہل اسلام) کے ہاں بھی جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے۔ اس طرح دنوں میں اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے مہینوں میں رمضان شریف کی ہے اور اس میں ساعت اجابت کی مثال ایسی ہے۔ جیسی کہ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کی حیثیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا جمعہ کا دن درست اور (گناہوں سے) سلامت رہا اس کے تمام دن سلامت رہے اور جس کا رمضان کا مہینہ سلامت اور درست رہا تو اس کا سارا سال پر امن (سلامت) رہا، اور جس کا حج درست اور سلامت رہا اس کی تمام عمر سلامت رہی۔

جمعہ ہفتہ کی میزان ہے

پس جمعہ ہفتے کی میزان ہے۔ رمضان سال کی میزان ہے اور حج عمر کی میزان ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جمعہ کا چوبیسواں خاصہ یہ ہے کہ جب جمعہ کی حیثیت ہفتہ میں اس طرح ہے جیسے سال میں عید کی اور عید نماز اور قربانی سے عبارت ہے۔ اور جمعہ کا دن یوم الصلوٰۃ قرار پایا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف جلدی سے چل کر جانے کو قربانی کا قائم مقام کر دیا۔ تو جو مسجد میں جلدی تیاری کر کے جا رہا ہے، گویا وہ نماز اور قربانی دونوں کو جمع کر رہا ہے، جیسا کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کہ آپ نے فرمایا جو اوّل ساعت میں داخل مسجد ہوا، گویا اس نے ایک اونٹ قربانی کے لئے پیش کیا۔ اور جو دوسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک گائے

قربانی کے لیے پیش کی اور جو تیسری ساعت میں حاضر ہوا تو گویا اس نے ایک بھیڑ قربانی کے لیے پیش کی۔

ساعت جمعہ سے متعلق فقہا کا اختلاف

اور اس ساعت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے یہاں ان کے دو قول ملتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ ساعت شروع دن میں ہوتی ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ وغیرہ کا یہی مذہب مشہور ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ (ساعت) زوال کے بعد چھٹی ساعت میں ہوتی ہے یہ امام مالکؒ کا مشہور قول ہے اور بعض شوافع نے بھی اسے اختیار کیا ہے، اور اس پر دو استدلال کیے ہیں۔

ایک یہ کہ (مساجد) میں زوال کے بعد ہی جانا ہوتا ہے اور یہ صبح کے جانے کے مقابل ہے جو زوال سے قبل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، غدوها شهر ورواحها شهر (یعنی) ان کا صبح کا (سفر) ایک ماہ کا اور شام کا (سفر) ایک ماہ (کے برابر) ہوتا ہے۔ اور جوہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ زوال کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سلفؒ بھلائیوں کے زیادہ شیدا تھے، اس کے باوجود وہ طلوع شمس کے وقت یعنی صبح صبح جمعہ کی نماز کے لیے حاضر نہ ہوتے تھے۔ اور امام مالکؒ نے تو (جمعہ کی نماز) کے لیے شروع دن میں صبح صبح آنے کا انکار کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اہل مدینہ اس پر (عامل رہے ہوں) پہلے قول کے اصحاب نے حضرت جابرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے۔ یعنی یہ کہ جمعہ کے دن بارہ ساعتیں ہوتی ہیں، اور منقول ہے کہ معہود ساعتیں بارہ ساعتیں ہوتی ہیں اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معتدل اور زمانی ساعتیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ساعتیں قرار دی ہیں اور اس سے زیادہ نہیں کیں۔ اور اگر ساعتیں گھڑیوں کے چھوٹے چھوٹے اجزاء شمار کیے جائیں تو یہ چھ حصّوں میں منقسم نہ ہوں گی۔ بخلاف اس کے ان سے معہود ساعتیں مراد ہوں گی کیونکہ چھٹی ساعت جب نکل جائے اور ساتویں داخل ہو جائے تو امام نکل جاتا ہے صحیفے لپیٹ لیے جاتے ہیں اور اس کے بعد کسی کی قربانی (ہدیہ) قبول نہیں کیا جاتا، جیسا کہ سنن ابوداؤد میں صراحت سے مذکور ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔جب جمعہ کا دن ہوتا ہے،توشیاطین اپنے جھنڈے لے کر بازاروں میں جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو مکر وفریب میں پھنساتے ہیں اور انہیں جمعہ سے روکتے ہیں۔اور فرشتے بھی صبح ہی آتے ہیں اور مساجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو لوگوں کو ایک ساعت میں دوسرے کو دو ساعتوں کے بعد لکھتے ہیں، یہاں تک کہ امام آجاتا ہے ۔

عمر بن عبدالبر نے بتایا ہے کہ ان ساعات کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے ،بعض کا خیال یہ ہے ۔ ساعات کا مطلب طلوع شمس اور اس کا کھل جانا ہوتا ہے۔ان کے خیال میں جمعہ کے لئے جلد جانا افضل ہے۔ثوریؒ ،ابوحنیفہؒ ،شافعی اور اکثر علماء جلد حاضر ہونے کو مستحب سمجھتے ہیں۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کے بعد اور طلوعِ شمس سے قبل (نمازِ جمعہ کے لئے گیا) تو یہ بہتر ہے ۔

جُمعَہ یوم اجتماع ہے

جمعہ کی چند مزید خصوصیات

وہ آثار جن سے مالکؒ استدلال کرتے ہیں

اثرم بتاتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ سے کہا گیا کہ انسؓ بن مالک کا قول ہے کہ جمعہ کے دن صبح صبح ہی مسجد میں جانا مناسب نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہے۔ اور پھر فرمایا۔

سُبحان اللہ اس مسئلہ میں وہ کس طرف چلے گئے!؟

ہم نے اس پر کتاب واضح السنن میں کافی بحث کی ہے اور یہ تمام مبحث عبدالملک بن مروان ہی کے متعلق ہے۔ پھر ابو عمرؓ نے اس کا رد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ امام ملک رحمۃ اللہ علیہ پر محض بہتان ہے۔ اور یہی ہے کہ جس نے ایک منکر اور محرف بات کی ہے، بلکہ امام مالکؒ کی رائے کی تو ائمہ کے روایات اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے اور اہل مدینہ کا عمل بھی ان کا نشاہد ہے۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں (اہلِ مدینہ) کا عمل قابلِ استدلال ہے۔ کیونکہ جمعہ کی نماز بار بار آتی ہے۔ اور عوام و علماء سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

جن آثار سے امام مالکؒ استدلال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک زہریؒ نے حضرت سعید بن مسیّب سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو مسجد کے دروازوں میں سے ہر دروازے پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں

جو لوگوں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں کہ پہلے (آنے والا کون ہے) اور پھر بعد میں (کون ہے)؟
تو جمعہ کی طرف صبح جلدی سے آنے والا ایسا ہے جیسے ایک اونٹ کا ہدیہ دے پھر جو اس کے بعد آئے وہ ایسا ہے۔ جیسے ایک گائے دے۔ پھر اس کے بعد میں آنے والا ایسا ہے کہ جیسے ایک بھیڑ دے، حتیٰ کہ انہوں نے مرغی اور انڈے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ آخر جب امام (منبر پر) بیٹھ جائے تو صحیفے لپیٹ لیے جاتے ہیں اور لوگ خطبہ سنتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا تم اس روایت کا مطلب نہیں سمجھتے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ (فرشتے) پہلے آنے والوں اور پھر ان کے بعد آنے والوں کے نام لکھتے ہیں اس طرح جمعہ کی طرف (مہجر) صبح صبح جانے والا ایسا ہے جیسے اونٹ پیش کرنے والا۔ اور پھر جو اس کے بعد آتا ہے۔ اسی طرح سب سے پہلے آنے والے کو انھوں نے مہجر قرار دیا۔ یہ لفظ ہاجرۃ اور تہجیر سے ماخوذ ہے اور یہ جمعہ کی طرف جانے کے وقت کو کہتے ہیں اس کا طلوع آفتاب کے وقت پر اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہاجرۃ یا تہجیر کا یہ وقت نہیں، اور روایت میں ہے۔ پھر جو اس کے بعد آئے۔ اور کسی ساعت کا ذکر نہیں کیا گیا انہوں نے بتایا۔ ان الفاظ کے ساتھ ابتداء میں کئی طرق ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ رہے اہلِ مدینہ کہ وہ دن کے آغاز میں مسجد نہیں جایا کرتے تھے۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک ان کا یہ عمل رہا اور یہ محبت نہیں۔ اور نہ ان کے ہاں جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اجماعِ اہلِ مدینہ حجت ہے۔ کیونکہ یہ تو صرف اتنی بات ہوئی کہ ابتدائے روز میں انہوں نے جمعہ کے لئے جانا ترک کیا تھا۔ اور یہ کام ضرورت کے پیشِ نظر جائز ہوتا ہے اور گاہے گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابتدائے دن میں جمعہ کی طرف جانے کے بجائے اپنے ذاتی یا گھر والوں کے مصالح و معاش یا اس کے علاوہ بعض دینی و دنیاوی امور زیادہ توجہ طلب اور افضل ہوتے ہیں۔

"رباط" سے کیا مراد ہے؟

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور دوسری نماز پڑھنے تک جائے نماز پہ بیٹھا رہنا واپس لوٹ کر گھر جانے سے افضل ہے۔ جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو آدمی نماز کا انتظار کرے۔ پھر امام کے ساتھ نماز پڑھے۔ یہ اس سے افضل ہے۔ جو نماز پڑھے اور پھر اپنے گھر میں چلا جائے اور بتایا کہ جب تک وہ اپنی جائے نماز میں رہے تب تک

فرشتے اس پر دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں ۔ اور فرمایا کہ نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا ایسے (اعمال) میں ہے کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتا ہے ۔ اور درجات کو بلند کرتا ہے ۔ اور یہی چیز رباط (جم کر عبادت کرنا) ہے ۔ (مزید) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے ایسے بندے پر فخر کرتا ہے جو فریضہ ادا کرے اور دوسرے فریضہ کے انتظار میں بیٹھ جائے ۔ یہ اس بات پر شاہد ہے کہ جو صبح کی نماز پڑھے اور پھر جمعہ کی انتظار میں بیٹھ جائے وہ اس سے افضل ہے ۔ جو چلا جائے اور وقت پر پھر حاضر ہو جائے اور اہلِ مدینہ وغیرہ کا اس پر عامل نہ ہونا یہ مطلب نہیں رکھتا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے ۔

اسی طرح جمعہ کے لئے صبح کرنا اور جلدی سے حاضر ہونے کا مسئلہ ہے ۔ اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے ۔

ایک اور خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ اسی دن صدقہ کرنا باقی ایام کی نسبت زیادہ باعثِ اجر ہے ہفتے کے باقی دنوں کی نسبت اس دن صدقہ دینا ایسا ہے ، جیسے تمام مہینوں سے رمضان کے مہینہ کا صدقہ (افضل) ہوتا ہے ۔

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو دیکھا کہ وہ جب جمعہ کے لئے حاضر ہوتے ، تو گھر میں سے روٹی وغیرہ جو میّسر آتا لے لیتے ۔ اور راستہ میں خفیہ طریق پر صدقہ کرتے اور میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں مناجاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل صدقہ کا حکم دیا ہے ، تو پھر اللہ تعالیٰ کی مناجات سے قبل صدقہ کرنا تو زیادہ افضل اور اولیٰ ہے احمد بن زہیر بن حرب بتاتے ہیں کہ ہمیں والد بزرگوار نے انہیں جریر نے بتایا انہیں منصورؒ سے انہیں مجاہدؒ سے انہیں حضرت ابن عباسؓ سے معلوم ہوا ۔ انہوں نے فرمایا ۔

ابو ہریرہؓ اور کعبؓ اکٹھے ہوئے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا بے شک جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان جو کچھ بھی اللہ تعالےٰ سے مانگے وہ اُسے وہی کچھ عطا فرماتا ہے ۔

حضرت کعبؓ نے فرمایا ، کہ میں تمہیں جمعہ کے متعلق (کچھ) بتاؤں (پھر فرمایا) کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے ۔ تو ابنِ آدم اور شیاطین کے سوا آسمان و زمین ، خشکی ، تری ، پہاڑ ، درخت اور تمام مخلوقات

اس سے ترسان اور خوفزدہ ہو جاتی ہے اور فرشتے مسجد کے دروازوں کو گھیر لیتے ہیں اور جو پہلے اور پھر پہلے پہلے آتا ہے۔ اس کا نام درج کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ امام نکل آتا ہے۔ اسی طرح جب امام نکل آتا ہے تو وہ صحیفے لپیٹ دیتے ہیں۔ اور جو (امام) کے آنے کے بعد آتا ہے۔ تو وہ اللہ سے یوں ملتا ہے کہ اس کا کچھ عمل نہیں ہوتا۔

اور ہر بالغ کو چاہئے کہ اس دن غسل کرے جس طرح جنابت کا غسل کیا جاتا ہے اور تمام ایّام کی نسبت اس دن صدقہ کرنا افضل ہے اور جمعہ کے دن ایسا ہے کہ جیسے اس دن سورج نہ طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا۔

حضرت ابنِ عباس رضی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اور حضرت کعب رضی کا مکالمہ تھا اور میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگا لے۔

جُمعہ اور دیدارِ جلوۂ الٰہی ایک مزید خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء و مومنین کو جنت میں اپنا جلوہ دکھانے کے لئے تجلی فرماتا ہے۔ تو جو بھی امام سے زیادہ قریب ہوگا۔ وہ اُس (اللہ) سے زیادہ قریب ہوگا اور جو جمعہ کی طرف زیادہ جلدی سے جائے گا وہ دیدارِ الٰہی بھی سب سے پہلے کرے گا۔

اور یحییٰ بن یمان نے شریک رح سے انہوں نے ابو یقظان رح سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق ولدینا مزید؛ روایت کیا؛ فرمایا:

(اللہ) تعالیٰ ہر جمعہ کو اپنی تجلی سے سرفراز فرمائے گا۔

معجم طبرانی میں ابو نعیم مسعودی کی روایت ہے کہ انہوں نے منہال بن عمرو سے انہوں نے ابو عبیدہ سے نقل کیا انہوں نے بتایا کہ عبداللہ نے فرمایا؛ جمعہ کی طرف جلدی کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو اہلِ جنت کے سامنے کافور کے ایک ٹیلے پر تجلی فرماتا ہے۔ اس دن اللہ کا یہ قرب جمعہ کی طرف جلدی کرنے کے مطابق ہوتا ہے۔ پس اس دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اس قدر اعزاز و اکرام عطا فرماتا ہے کہ جو انہوں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا ہوگا پھر یہ لوگ اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ آتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہوتا ہے۔ وہ گھر آکر بتاتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ پھر حضرت عبداللہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں دو آدمی اور بھی تھے تو عبداللہ رضی

فرماتے، فرمایا کہ میں تیسرا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو تیسرے میں بھی برکت فرمائے گا۔

وہ بیہقیؒ نے مشعب میں حضرت علقمہ بن قیس سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتا کہ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے ساتھ جمعہ کی طرف چلا۔ تو انہوں نے وہاں تین آدمی دیکھے جو ان سے سبقت لے گئے۔ تو فرمایا: چار کا چوتھا۔ اور چار کا چوتھا بھی دور نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: کہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اس قدر (قریب اور دُور) بیٹھے ہوں گے جس قدر وہ جمعہ کی نماز کے لئے جانے میں (جلدی یا سُستی) سے کام لیا کرتے تھے۔ پہلا پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا۔ اور فرمایا کہ چار کا چوتھا کوئی دور نہیں۔

دار قطنیؒ نے بتایا کہ ہمیں احمد بن سلیمان بن حسن نے انہیں محمد بن عثمان بن محمد نے انہیں مروان بن جعفر نے انہیں نافع ابوالحسن مولیٰ بنی ہاشم نے انہیں عطاء بن ابی میمون نے بتایا انہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب قیامت کا دن ہو گا۔ تو مومن اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔ پس جمعہ کی طرف جو سب سے زیادہ سبقت لے گیا ہو گا۔ وہ سب سے پہلے دیدار کر سکے گا۔ اور مومن عورتیں یوم فطر اور یوم نحر (قربانی) کو زیارت کریں گی۔

جمعہ کا دن برکتوں اور رحمتوں کا دن ہے

جنہیں محمد بن نوح نے انہیں محمد بن موسیٰ بن سفیان سکری نے انہیں عبداللہ بن جہم رازی نے انہیں عمرو بن ابی قیس نے بتایا۔ انہیں ابوطیبہ سے انہیں عاصم سے انہیں عثمان بن عمید ابو یقظان سے انہیں حضرت انسؓ بن مالک سے انہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی آپ نے فرمایا۔

میرے پاس جبریل آیا۔ اور اس کے ہاتھ میں گویا کہ ایک سفید آئینہ ہے۔ جس میں ایک سیاہ نشان ہے۔ میں نے دریافت کیا۔ اے جبریل یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جمعہ ہے اللہ تعالیٰ اسے آپ پر پیش فرماتا ہے۔ تاکہ آپ کے لئے اور آپ کے بعد آپ کی اُمّت کے لئے یہ عید کا دن ہو۔

میں نے پوچھا۔" اور اس دن میں ہمارے لئے کیا ہے"؟

اس نے جواب دیا۔ کہ آپ کے لئے اس میں بھلائی ہے۔ آپ پہلے ہیں اور یہود و نصاریٰ بعد میں ہیں[1]۔ اور اس میں آپ کے لئے ایک ساعت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت کوئی بندہ جو کچھ بھی مانگتا ہے۔ اگر وہ اس کے مقسوم میں ہے عطا فرماتا ہے۔ (اگر) اس کے مقسوم میں نہ ہو۔ تو اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف لکھا ہوتا ہے۔ اس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ ورنہ اس اُسے زیادہ (سزا) اس سے ہٹا دیتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے پوچھا، کہ یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ قیامت ہے۔ جو جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ اور یہ دن ہمارے ہاں تمام ایام کا سردار کہلاتا ہے اور آخرت کے لوگ اسے یوم المزید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا: یہ اس طرح کہ آپ کے پروردگار جل شانہٗ نے جنت میں ایک وادی منتخب کی ہے جس میں سفید مشک کی خوشبوئیں پھیلا دی ہیں۔ تو جب جمعہ کا دن آتا ہے تو (اللہ) اپنی کرسی پر نزول فرماتا ہے، پھر کرسی کے اردگرد نور کے منبر بچھا دیئے جاتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السّلام حاضر ہوتے ہیں اور ان پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد سونے کے منبر اردگرد بچھا دیئے جاتے ہیں اور صدیقین و شہداء حاضر ہو کر وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اہل غرف حاضر ہوتے ہیں۔ تو وہ ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ پھر ان کا پروردگار جل و عز ان کے سامنے تجلی فرماتا ہے۔ تو وہ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ پھر (اللہ) تعالےٰ فرماتا ہے۔

"میں وہ ہوں کہ جس نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اور تم پر اپنی تمام نعمتیں تکمّل کر دیں یہ میری تکریم کی جگہ ہے، اب مجھ سے مانگو۔ تو وہ اس کی رضا مانگتے ہیں۔ (اللہ) فرماتا ہے کہ میری رضا تھی کہ میں تمہیں اپنے گھر میں اتارتا ہوں اور شرف سے نوازتا ہوں۔ اس لئے مجھ سے مانگو۔ تو وہ (پھر بھی) اس کی رضا مانگتے ہیں تو (اللہ) اپنی رضا کی گواہی دیتا ہے پھر وہ مانگتے ہیں یہاں تک کہ ان کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جمعہ کے دن ان کے لئے وہ وہ نعمتیں کھولتا

---

[1] یعنی ہفتہ اتوار جمعہ کے بعد آتے ہیں۔

ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں۔ اور نہ کسی کان نے سنیں۔ اور نہ کسی بشر کے دل میں کھٹکیں۔ فرمایا کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اٹھ جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انبیاء و شہداء اٹھ جاتے ہیں اور اہل غرف اپنے اپنے بالاخانوں میں چلے جاتے ہیں۔

فرمایا: کہ ہر بالاخانہ موتیوں کا بنا ہوتا ہے۔ جس میں کوئی دراڑ وغیرہ نہیں ہوتی۔ سرخ یاقوت کا بنا ہوتا ہے۔ اور سبز زبرجد کے دروازے چھت اور پرنالے ہوتے ہیں۔ ان میں نہریں بہتی ہیں۔ جن میں پھل متعلق ہوتے ہیں۔ جن میں بیویاں اور خدام ہوتے ہیں۔

فرمایا: تو جمعہ تک وہ کسی بات کے محتاج نہیں ہوتے، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کرنے اور اس کے انعامات کی شرف بخشی سے خوب متمتع ہوں۔ پس یہ یوم المزید ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں کئی طرق ہیں۔ جنہیں ابوحسن دارقطنی نے کتاب الرؤیہ میں ذکر کیا ہے۔

جمعہ کا دن "یوم شاہد" ہے

ایک خاصہ جمعہ کا یہ ہے، کہ دارقطنی نے کتاب یوم الجمعہ میں شاہد کی تفسیر میں بیان کیا ہے حمید بن زنجویہ نے بتایا۔ کہ ہمیں عبداللہ بن موسیٰ نے انہیں موسیٰ بن عبیدہ نے بتایا۔ انہیں ایوب بن خالد سے انہیں عبداللہ بن رافع سے انہیں ابوہریرۃؓ سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یوم موعود قیامت کے دن کو کہتے ہیں۔ اور یوم مشہود ہی یوم عرفہ ہے۔ اور جمعہ کا دن شاہد ہے جمعہ کے دن سے افضل کوئی ایسا دن نہیں کہ جس پر سورج طلوع یا غروب ہوا ہو۔ اسی دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اگر اس وقت مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی بھلائی کی دعا کرے تو وہ ضرور قبول کرتا ہے۔ یا کسی شر سے پناہ چاہے تو ضرور پناہ دیتا ہے۔

اور حارث بن ابی مسلمۃ نے اپنی مسند میں روح سے اور انہوں نے موسیٰ سے روایت کیا اور موسیٰ بن عبیدہ سے اس کے کئی طرق (مذکور) ہیں۔ معجم طبرانی میں اسماعیل بن عیاش سے روایت ہے کہ مجھے والد بزرگوار نے بتایا۔ انہیں ضمضم بن زرعۃ نے بتایا انہیں زرعۃ سے انہیں شریح بن عبید سے انہیں ابو مالک اشعری سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یوم موعود، یوم قیامت ہے۔ اور جمعہ کا دن شاہد ہے اور یوم عرفہ مشہود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

نے ہمارے لئے (جمع کا دن) جمعہ کا قرار دیا ہے۔ اور نماز عصر نماز وسطی ہے۔

جبیر بن مطعم سے روایت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہری (مطلب) یہ ہے اور اللہ تعالے ہی خوب جانتا ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کی تفسیر ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ نے فرمایا، کہ ہمیں محمد بن جعفر نے انہیں شعبہ نے بتایا۔ انہیں یونس سے روایت ملی۔ (وہ فرماتے ہیں) کہ میں نے عمار مولیٰ بن ہاشم سے سُنا۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت وشاہد مشہود کی شرح کرتے ہوئے فرمایا جمعہ کا دن شاہد ہے۔ اور یوم عرفہ یوم مشہود ہے اور قیامت کا دن یوم موعود ہے۔

جُمعہ کا دن یومِ اجتماع ہے

ایک اور خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کے لئے یوم اجماع بنا دیا۔ اور اس (امت) سے پہلے اہل کتاب کو گمراہ کر دیا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ابوہریرہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جمعہ سے زیادہ بہتر دن پر سورج طلوع و غروب نہیں ہوا۔ جس کی اللہ نے ہمیں ہدایت دی۔ اور لوگ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اسی طرح یہ لوگ ہمارے بعد ہیں، کیونکہ جمعہ ہمارے لیے ہے اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جمعہ کا دن اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے جمع کر دیا ہے۔

اور امام احمدؒ نے فرمایا: ہمیں علی بن عاصم نے خبر دی انہیں حصین بن عبدالرحمان سے انہیں عمرو بن قیس سے انہیں محمد بن اشعث سے انہیں حضرت عائشہؓ سے روایت پہنچی وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ کہ ایک یہودی نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی۔ تو وہ کہنے لگا۔

السام علیکم: (یعنی تم پر ہلاکت ہو)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک (تجھ پر)

(حضرت عائشہ) فرماتی ہیں۔ میں نے مداخلت کرنی چاہی کہ دوسرا یہودی داخل ہوا۔ اس

نے بھی اسی طرح کہا۔

نبی صلی اللہ نے جواب دیا: وعلیك :

عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے بولنے کا ارادہ کیا۔ پھر تیسرا یہودی داخل ہوا تو اس نے بھی کہا۔ السّام علیکم (تم پر موت آئے)

عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: بلکہ تم پر موت آئے، اور اللہ کا غضب ہو۔ (تم) بندروں اور سوروں کے بھائی ہو۔ کیا تم رسول اللہ کو اس انداز سے سلام کرتے ہو، جس انداز سے اللہ عزوجل نے نہیں کیا؟

عائشہ فرماتی ہیں آپؐ نے میری طرف دیکھا۔ اور فرمایا:

ٹھہرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ فحش اور تفحش کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے ایک بات کی تو ہم نے ان پر لوٹا دی۔ لہٰذا ہمیں ان کی بات کا کچھ ضرر نہیں اور ان پر قیامت تک پڑ گئی۔ وہ ہم پر کئی (باتوں کے) بارے میں دوسروں سے بہت زیادہ حسد کرتے ہیں۔ مثلاً جمعہ کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت دی اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اور قبلہ پر حسد کرتے ہیں جس کی طرف اللہ نے ہمیں دعوت دی اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور امام کے پیچھے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں

جُمعہ کا انتخاب، انتخاب حسنہ ہے

مزید خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ یہ دن ہفتے کے ایّام میں سے اللہ کا انتخاب (حسنہ) ہے۔ جیسے عام مہینوں میں ماہ رمضان کا انتخاب اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کا انتخاب اور زمین میں سے مکہ کا انتخاب اور اپنی مخلوقات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا۔

آدم بن ابی لیاس فرماتے ہیں کہ ہمیں شیبان ابو معاویہ نے بتایا انہیں عاصم بن ابو النخود سے انہیں ابو صالح سے انہیں کعب احبارؓ سے روایت ملی۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہینوں کا انتخاب فرمایا۔ اور ماہِ رمضان کو چن لیا۔ ایام کا انتخاب فرمایا۔ اور جمعہ کا دن چن لیا، راتوں کا انتخاب فرمایا اور لیلۃ القدر کو چن لیا۔ ساعتوں کا انتخاب فرمایا اور نماز کی ساعت کو چن لیا (اور جمعہ دوسرے تک کے درمیان کے گناہوں کا کفّارہ ہوتا ہے۔ اور تین (دگنا) مزید انعام کا (سبب ہے) اور رمضان دوسرے رمضان تک کا کفارہ ہے۔ اور حج دوسرے حج تک کے درمیان کے حصّہ کا کفّارہ

بنتا ہے۔ اور عمرہ دوسرے عمرہ تک کے درمیان کی مدّت کا کفارہ ہوتا ہے اور آدمی دو نیکیوں کے درمیان قوت ہوتا ہے ایک نیکی اُسے حاصل ہوجاتی ہے۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور آواز دی جاتی ہے۔

اے خیر (بھلائی) کے چاہنے والے رمضان آگیا کچھ جمع کرلے۔

اور آخری دس راتوں سے زیادہ اللہ کو ایسی کوئی رات زیادہ محبوب نہیں۔ جس میں عمل کیا جائے۔

جُمعہ کے دن مُردوں اور زندوں کی ملاقات

جُمعہ کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ارواح اپنی قبور کے قریب ہوجاتے ہیں۔

اور اس دن انہیں اجر ملتے ہیں، اس طرح وہ اپنے زائرین کو اور اپنے پاس سے گزرنے والوں سلام کرنے والوں کو پہچان لیتے ہیں اور دوسرے ایام کی نسبت اسی دن وہ اپنی جان پہچان والوں سے زیادہ حاصل کر لیتے ہیں۔ پس یہ دن ایسا ہے۔ کہ اس میں زندہ اور مردہ آپس میں ملتے ہیں۔ چنانچہ جب اس دن قیامت قائم ہو گی۔ تو پہلے اور آخر (زمانہ) کے لوگ۔ اہل زمین۔ اہل آسمان آقا۔ غلام۔ عامل اور اس کا عمل، ظالم مظلوم، سورج اور چاند سب اکٹھے ہوں گے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ کبھی جمع نہ ہوئے۔

گویا یہ اجتماع اور ملاقات کا دن ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ دوسرے ایام کی بہ نسبت دنیا میں بھی زیادہ ملاقاتیں کرتے ہیں گویا یہ "یوم التلاق" (ملاقات کا دن) ہے، !

ابو تیاح لاحق بن حمید نے بتایا کہ مطرف بن عبد اللہ بد ریں تھے۔ وہ ہر جمعہ کو (سفر کر کے) آیا کرتے، ایک روز جب وہ جمعہ کے دن قبرستان کے قریب تھے تو کہنے لگے:

"میں نے ہر قبر والے کو اپنی قبر پر بیٹھے دیکھا ہے، اس پر لوگ کہنے لگے۔ یہ تو مطرف ہے جو ہر جمعہ کو تو آیا کرتا ہے۔ (مطرف) فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا۔

کیا تم بھی جمعہ سے واقف ہو؟

وہ کہنے لگے ہاں! اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دن پرندے کیا کہتے ہیں۔؟

میں نے پوچھا کہ اس دن پرندے کیا کہتے ہیں۔؟

وہ کہنے لگے، کہ (پرند) کہتے ہیں۔ اے پروردگار سلامتی سلامتی۔ اچھا دن!

ابن ابی دنیا نے کتاب المنامات میں عاصم جحدری سے نقل کیا ہے کہ، کہ میں نے عاصم جحدری کو، ان کی وفات کے دو سال بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

کیا تم (دنیا سے) چلے نہیں گئے تھے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا: ہاں! دنیا میں تو نہیں ہوں،

میں نے پوچھا۔ تو اب آپ کہاں ہو؟

انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ہوں۔ میں اور میرے دوستوں میں سے ایک جماعت ہر جمعہ کی رات کو اکٹھے ہوتے ہیں۔

اور پھر صبح کو ہم ابوبکر بن عبداللہ مزنی کے ہاں جاتے ہیں۔ تو ہمیں تمہاری خبریں ملتی ہیں۔

میں نے پوچھا۔ اب تمہاری کیا کیفیت ہے؟ اجسام ہو یا ارواح؟

انہوں نے فرمایا: ہیہات، اجسام تو بوسیدہ ہو گئے، صرف ارواح ہیں جو ملتی جلتی ہیں۔

راوی کا بیان ہے پھر میں نے کہا تم لوگ ہماری آمد سے آگاہ ہو جاتے ہو؟

انہوں نے بتایا کہ ہم جمعہ کی رات اور جمعہ کا سارا دن اور ہفتہ کی رات میں طلوعِ آفتاب تک آگاہ ہو جاتے ہیں۔ (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ باقی ایام کے سوا (ان دنوں) میں کیسے (آگاہ) ہو جاتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ کی فضیلت و عظمت کے باعث۔

نیز ابن ابی دنیا نے محمد بن واسع سے نقل کیا کہ وہ ہر ہفتے کی صبح کو جبانہ تک پہنچ جاتے پھر قبروں پر کھڑے ہو کر سلام کرتے، ان کے لیے دعا کرتے، پھر واپس ہو جاتے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر آپ یہی کام دوشنبہ کو کر لیا کریں تو؟

انہوں نے جواب دیا۔ مجھے خبر ملی ہے۔ کہ جمعہ سے ایک دن قبل اور ایک دن بعد تک اہلِ قبور اپنے زائرین کو معلوم کر لیتے ہیں۔

اور حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں مجھے ضحاکؒ سے معلوم ہوا، انہوں نے فرمایا: کہ جس نے ہفتہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے قبر کی زیارت کی تو مردے کو اس کی آمد کا علم ہو جاتا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ؟

انہوں نے جواب دیا جمعہ کے مرتبہ کے باعث !

جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے یا مستحسن !

جمعہ کا ایک خاصہ یہ ہے کہ محض جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ یہ امام احمدؒ کی نص ہے، اثرم فرماتے ہیں۔ ابو عبداللہ سے جمعہ کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے افراد سے کراہت کا اظہار کیا، ارشاد فرمایا،

اگر روزے رکھنے کے دوران میں جمعہ کا دن آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن خاص کر جمعہ کے دن رکھے تو یہ روا نہیں۔

میں نے پوچھا ایک آدمی ایک دن روزہ رکھتا ہے اور ایک دن افطار کرتا ہے۔ اتفاقاً جمعرات کو افطار کا دن آگیا اور جمعہ روزہ کا دن بن گیا اور پھر ہفتے کا دن افطار کا ہو گیا۔ اس طرح جمعہ کا دن مفرد روزے کا دن ہو گیا پھر ؟

انہوں نے فرمایا : یہ جائز ہے، ہاں اگر وہ مخصوص طور پر اسی دن کا روزہ رکھے تو غلط ہے اصل میں عمداً محض جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے

امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ نے باقی ایام کی طرح اسے مباح بتایا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں میں نے کسی اہل علم و فقہ سے یا ان کے اتباع میں کسی سے نہیں سُنا۔ کہ وہ جمعہ کے روزے کو منع کرتا ہو۔ حالانکہ اس دن روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اور میں نے بعض اہل علم کو دیکھا کہ وہ اس دن برابر روزہ رکھا کرتے تھے۔ بلکہ وہ خاص طور پر اس دن کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

ابن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جمعہ کے روزہ سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مختلف ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آپؐ ہر ماہ میں تین دن روزے رکھا کرتے اور بتایا کہ میں نے آپ کو جمعہ کے دن بہت ہی کم حالت افطار میں دیکھا۔ یہ صحیح حدیث ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن کبھی بھی روزہ کے بغیر نہیں دیکھا۔ ابن ابی شیبہ نے حفص بن غیاث سے انہوں نے لیث بن ابی سلیم سے انہوں نے عمیر بن ابی عمیر سے اور انہوں نے

ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ آپ اس دن روزہ رکھتے اور اس پر مداومت فرماتے تھے۔ اور جو امام مالکؒ نے ذکر کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ تو محمد بن منکدر ہے ایک قول ہے کہ یہ صفوان بن سلیم ہے۔ اور دراوردی نے صفوان بن سلیم سے انہوں نے بنی خیثم کے ایک آدمی سے روایت کیا کہ اس نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرماتے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کا روزہ رکھا۔ تو اس کے لیے آخرت کے دس سفید ایام کے برابر اجر لکھا گیا۔ کہ دنیا کے ایام ان کے مشابہ نہیں ہو سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ ایک نیکی ہے۔ جسے ایک معارض دلیل کے بغیر رد کیا نہیں جا سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ درست طور پر معارض ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی طعن بھی نہیں۔ چنانچہ صحیحین میں محمد بن عباد سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے جابرؓ سے پوچھا کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزہ سے منع فرمایا؟ انہوں نے فرمایا ہاں! منع فرمایا ہے اور صحیح مسلم میں محمد بن عباد سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزہ سے منع فرمایا، انہوں نے فرمایا: ہاں! اس عمارت کے پروردگار کی قسم! اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی محض جمعہ کا روزہ نہ رکھے، ہاں جب تک وہ اس سے قبل یا بعد میں (متصل) روزہ نہ رکھ رہا ہو (پھر کوئی حرج نہیں) یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

جمعرات شب بیداری کے لیے اور جمعہ روزے کیلئے مخصوص نہ کرو

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام کے لیے مخصوص نہ کرو۔ اور باقی ایام میں جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مخصوص نہ کرو، ہاں اگر تم میں سے کوئی روزے رکھ رہا ہو اور یہ (اتفاقاً) درمیان میں واقع ہو جائے، تو خیر، اور بخاری میں حضرت جویریہؓ بنت حارث سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ان کے پاس

تشریف لائے۔ اور یہ روزے سے تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ جی نہیں! پھر آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا کل کے لئے روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی نہیں! آپؐ نے فرمایا: پھر افطار کر لو۔

اور مسند امام احمدؒ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنہا جمعے کے دن روزہ نہ رکھو۔ نیز مسند میں حضرت جنادہ ازدی سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ میں سات ازدی آدمیوں کے ہمراہ جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں۔ اور آپ صبح کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: آؤ کھانا کھالو۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہم روزے سے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے کل روزے رکھے تھے؟ ہم نے کہا جی نہیں!

آپ نے فرمایا: تو کیا کل روزے رکھو گے؟

ہم نے عرض کیا جی نہیں!

آپ نے فرمایا: تو افطار کر لو۔

پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ جب آپ باہر تشریف لائے۔ اور منبر پر بیٹھے۔ تو پانی کا ایک برتن منگایا۔ اور منبر پر بیٹھے بیٹھے پانی پیا۔ لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور آپ اپنا یہ فعل گویا انہیں دکھا رہے تھے کہ جمعہ کے دن روزہ آپ نہیں رکھا کرتے۔ نیز مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے عید کے دن کو روزے کا دن نہ بنایا کرو۔ سوا اس کے کہ اس سے پہلے یا بعد بھی روزے رکھ رہے ہو۔ اور ابن ابی شیبہ نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عمران بن ظبیان سے انہوں نے حکیم بن سعید سے انہوں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا۔

انہوں نے فرمایا: تم میں سے اگر کوئی مہینے میں کچھ روزے رکھنا چاہے۔ تو اسے چاہیئے کہ جمعرات کا روزہ رکھ لیا کرے۔ اور جمعہ کو روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ یہ کھانے پینے کا دن ہے۔ اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو دن جمع کر دے گا۔ ایک روزے کا دن (اجر) اور دوسرے

عام مسلمانوں کے ساتھ قربانی کا دن !

اور ابن جریر نے مغیرہ سے، انہوں نے ابراہیم سے ذکر کیا ہے کہ وہ جمعہ کے روزے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ تاکہ نماز کے لیے قوت ہو سکے۔

ہم کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں کراہت کے تین وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ جو مذکور ہوا، لیکن ایک دن قبل یا بعد میں متصل کرنے سے یہ کراہت زائل ہو جاتی ہے۔ دوسرے جمعہ کا دن دراصل یومِ عید ہے۔ اور اسی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اشکالات اوران کا جواب

اس تعلیل پر دو اشکالات ہیں۔ ایک یہ کہ جمعہ کا روزہ حرام نہیں اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ دوسرے عدم افراد سے اس کی کراہت زائل ہو جاتی ہے۔

ان دو اشکالات کا جواب اس طرح دیا گیا کہ یہ سال کی عید نہیں بلکہ ہفتے کی عید ہے اور تحریم سالانہ عید کے روزے کی ہے اور جب ایک دن قبل یا بعد میں روزہ رکھا۔ تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب اس نے جمعہ اور عید کے باعث روزہ نہیں رکھا ہے۔ لہٰذا اس کی تخصیص سے پیدا ہونے والا اعتراض ختم ہو گیا۔ بلکہ (جمعہ کا روزہ) اس کے مسلسل روزوں کے ضمن میں آگیا۔ اسی پر امام احمد کی روایت محمول ہے جو انہوں نے مسند میں ذکر کی اور نسائی و ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے بشرطیکہ وہ صحیح بھی ہو۔ فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن افطار سے بہت ہی کم دیکھا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اسے جواز پر محمول کیا جائے گا۔ جسے اہل صحیح میں سے کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ نے اسے غریب بتایا ہے۔ اس طرح یہ روایت صحیحہ کے معارض یا مقدم کیسے ہو سکتی ہے؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسا ذریعہ سدود ہو جائے جس سے غیر دین کی باتیں دین میں شامل کر دی جاتی ہیں اور دنیوی اعمال سے فارغ ہو کر بعض ایام کو محض عبادت کے لیے مخصوص کرنے کے معاملہ میں اہلِ کتاب سے تشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب باقی ایام کے مقابلہ میں اس کو فضیلت حاصل ہو گی۔ تو اس کے روزے پر ایک قوی استدلال بن جائے گا۔ اس طرح اس دن لوگوں کے مسلسل روزہ رکھنے اور دوسرے ایام کی نسبت اس دن مخصوص

طور پر تہوار منانے سے ایک گمان (گویہ ایک مخصوص تہوار ہے) سا پیدا ہو جائے گا۔ یہ تصور شرح کے ساتھ ایک ایسا الحاق ہے۔ جو قبل ازیں اس میں نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام لیل کے لئے مختص کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کہ یہ تمام راتوں سے افضل ہے بلکہ بعضوں نے تو اسے لیلۃ القدر سے افضل قرار دیا ہے۔ اور امام احمدؒ سے مروی ہے کہ ایسا کرنے سے اس کا تخصیص بالعبادۃ محسوس ہوتا ہے۔ اس شارع علیہ السلام نے اس رات کو قیام کے لئے مختص کرنے کو ممنوع قرار دے کر اس ذریعہ ہی کو مسدود کر دیا۔

جُمعہ کے دن آپؐ کون سی سورتیں معمولاً پڑھا کرتے تھے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں دو سورتیں الم السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے، کیونکہ یہ دونوں صورتیں گذشتہ اور آئندہ کے متعلق مبداء معاد۔ حشر مخلوقات۔ قبروں سے اٹھنے اور جنت و دوزخ کی طرف جانے پر مشتمل ہیں۔ نہ کہ سجدہ کے باعث (پڑھا کرتے) جیسے کہ بعض جہلاء اور ناقص العلم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ کسی اور سجدہ والی سورت کو بھی پڑھ لیا کرتے ہیں، اور ان کا اعتقاد بن چکا ہے۔ کہ جمعہ کی فجر کو ایک زائد سجدہ کے باعث فضیلت عطا کی گئی اور جو ایسا نہ کرے۔ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح بڑے بڑے اجتماعات مثلاً عیدوں وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی سورتوں کی تلاوت فرماتے کہ جو توحید و مبداء معاد قصص ابنیاء اور ان کی اُمتوں۔ ان کے اعمال کی تکذیب (و تصدیق) ان کے کفر اور ان کی ہلاکت و شقاوت ان پر ایمان لانے والوں ان کی تصدیق اور ان کی نجات و عافیت پر مشتمل ہوں۔ جس طرح آپ عیدین میں سورت ق اور قرآن المجید۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور کبھی سبح اسم ربك الاعلیٰ اور ھل اتاك حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن کبھی کبھی سورۂ جمعہ کی تلاوت فرماتے۔ کیونکہ اس سورۃ میں نماز جمعہ کے متعلق آیات اس کے لئے کوشش و سعی کرنے اور اعمال مانعہ کو ترک کرنا اور (اللہ) کے ذکر کی کثرت کا بیان ہے، تاکہ دارین میں فلاح و کامرانی حاصل ہو۔ کیونکہ (اللہ) کا ذکر بھول جانا۔ دارین میں ہلاکت و تباہی کا موجب ہے دوسری رکعت میں آپ اذا جاءك المنافقون

پڑھتے۔ تاکہ اُمت کو نفاق جیسی برائی سے ڈرایا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے کہ ان کے اموال واولاد انہیں نماز جمعہ سے اور اس کی یاد سے نہ روک دیں۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ خسارے میں رہیں گے۔

خطبات کا موضوع کیا ہونا چاہیئے؟

نیز آپؐ لوگوں کو (اللہ کے راستہ) میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے۔ کہ جو ان کی سعادت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اور موت (کی کیفیات سے ڈراتے۔ حالانکہ وہ (دنیا) کا دوام چاہتے تھے۔ رجعت چاہتے اور اس موت کو قبول نہ کرتے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی وفد کی آمد پر (تبلیغ) فرماتے؛ خیال یہ ہوتا۔ کہ انہیں قرآن مجید سنایا جائے۔ اور جہری نمازوں میں قرأت طویل فرماتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف سورۃ الطور سورۃ ق کی تلاوت فرماتے؛ اور نماز فجر میں ایک سو آیت پڑھتے۔

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبات میں دراصل اللہ اس کے فرشتوں۔ کتب۔ رسل اللہ کی ملاقات اور۔ جنت و دوزخ کے ذکر کی وضاحت فرماتے۔ اور (ان باتوں پر خطاب فرماتے) جو اللہ نے اولیاء کرام اور اہل طاعت کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔ اور جو اپنے اعداء اور نافرمانوں کے لئے مہیا کر رکھے ہیں۔

اس طرح ایمان۔ توحید اللہ تعالیٰ اور اس کی نشانیوں سے لوگوں کے قلوب بھر جاتے۔ اور یوں نہ ہوتا جیسے دوسروں کے خطبات ہوا کرتے ہیں۔ کہ مخلوقات کے مشترکہ امور مشتمل ہوتے ہیں۔ جیسے زندگی (کے آلام پر نوحہ خوانی۔ موت کا خوف دلانا۔ حالانکہ یہ ایسے امور ہیں۔ جن سے قلب میں کچھ بھی ایمان باللہ توحید اور معرفت وغیرہ حاصل نہیں ہوتی۔ نہ تذکیر بایام اللہ حاصل ہوتی ہے۔ نہ دیدار الٰہی کی تڑپ پیدا ہوتی۔ اس طرح سامعین سن کر واپس چلے جاتے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتے، جب وقت آتا ہے مرجاتے ہیں۔ زر و مال تقسیم ہو جاتا ہے اور مٹی ان کے اجسام کو بوسیدہ کر دیتی ہے۔ افسوس صد افسوس اس طرح کے خطبوں سے کون سا ایمان کون سی توحید، معرفت اور علم نافع حاصل ہو۔

جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے خطبات کو پڑھے گا۔ تو محسوس کرے گا۔

ذکر ان کے خطبات) ہدایت و توحید پروردگار جل وعز کی صفات کے تذکرہ اور الیٰ اللہ کلیات ایمان کے اصول اور انعاماتِ الہیہ کہ جن سے وہ اپنی مخلوق کو محبوب رکھتا ہے۔ اور تذکیر بایام اللہ کہ جن سے وہ اپنی قہاریت سے ڈراتا ہے۔ نیز اس کے ذکر و شکر پر مشتمل ہیں۔ تاکہ وہ اللہ کی عظمت وصفات اور اس کے اسمائے مبارکہ کا ذکر کریں۔ (الغرض)

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ) انہیں اللہ کی طاعت و شکر و ذکر کا حکم فرماتے۔ اس طرح سامعین (وعظ سن کر) واپس ہوتے۔ تو وہ اللہ کے محب ہوتے اور خدا تعالےٰ ان سے محبّت رکھتا۔

خطباتِ نبویؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا خطبہ اور اس کی نوعیت و کیفیت

زمانہ گزرتا رہا اور نورِ نبوت نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔ شرائع دادا مرنے رسموں کی صورت اختیار کرلی۔ ان کے اصل مقاصد و حقائق سے یکسر بے پروا ہوکر انہیں ادا کیا جانے لگا۔ لوگوں نے حسبِ دل خواہ صورتیں گھڑلیں اور ان کی زیب و زینت میں لگ گئے۔ انہوں نے رسوم واوضاع کو سنّت قرار دے لیا، جو اس شرف کے سزاوار نہ تھے۔ اور لایعنی مقاصد کے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے اپنے خطبوں کو مسجع اور علم بدیع سے مرصع کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا تعلق خاطر اور اصل مقصد کم بلکہ معدوم ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خطبات محفوظ ہیں ان سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ زیادہ تر قرآن مجید اور خصوصاً سورۃ ق سے خطبہ دیا کرتے تھے۔ حضرت ام ہشام بنت حرث بن نعمان فرماتی ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات سے ہی سورہ ق حفظ کرلی ہے۔

آپ کی طرف ایک منسوب خطبہ

نیز حضرت علی بن زید بن جدعان کی ایک ضعیف روایت ہے کہ آپ کا جو خطبہ محفوظ ہے وہ یہ ہے۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آؤ (توبہ کرو) اس سے قبل کہ تمہیں موت آئے اور نیک کاموں میں عجلت کرو اور کثرت ذکر خفیہ اور علانیہ صدقات کے ساتھ اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان تعلق (محبت) پیدا کرو تو تمہیں اس کا اجر ملے گا، تم قابلِ ستائش قرار دیے جاؤ گے، تمہیں رزق

ملے گا اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس جگہ اس مہینے میں، اس سال میں یہ قیامت تک فرض (عین) رہے گا جو اس فرض کو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو یا جس نے میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد اس سے انکار کیا یا ازراہ استخفاف (معمولی بات سمجھ کر) اسے چھوڑ دیا اور اس کا کوئی عادل یا ظالم امام بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے پراگندہ کر دے گا۔ اور اس کے کاموں میں برکت نہ دے گا۔ خبردار (یاد رکھو) کہ اس کی کوئی نماز نہیں۔ خبردار اس کا کوئی وضو نہیں۔ خبردار اس کا کوئی روزہ نہیں۔ خبردار اس کا کوئی زکوۃ نہیں۔ خبردار اس کا کوئی حج نہیں خبردار اس کے (کاموں میں) کوئی برکت نہیں، جب تک وہ توبہ نہ کر لے اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ نیز آپ کا محفوظ خطبہ یہ بھی منقول ہے۔

آپ کی طرف منسوب ایک اور خطبہ

الحمد للہ استعینہ واستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ ارسلہ بالحق بشیرا ونذیرا بین یدی الساعۃ من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئا۔ (ابوداؤد)

یعنی: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں میں اس سے مدد چاہتا ہوں۔ اسی سے بخشش چاہتا ہوں، ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں (اللہ) نے انہیں حق کے ساتھ قیامت سے قبل بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ خوش بخت ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا اور اللہ کا کچھ نہ بگاڑ

سکے گا۔

خطبات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبّہ

جب آپ خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ پر جلال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ جیسے کوئی حملہ سے ڈرا رہا۔ آپؐ فرمایا کرتے تمہاری صبح یا شام (اور بس) ! (نیز) فرمایا کرتے کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح ایک ساتھ بھیجا گیا۔ جیسے یہ دو (انگلیاں ہیں) پھر درمیانی اور شہادت کی انگلی کو جوڑتے اور فرماتے :۔

اَمّا بعد :۔ بے شک سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ سنّتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور تمام امور میں سے بدترین بدعات ہیں اور بدعت گمراہی ہے"

پھر فرماتے کہ میں ہر مومن کا اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ (خیر خواہ) ہوں جس نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل کا ہے اور جس نے قرضہ چھوڑا ہو تو وہ میری طرف اور میرے ذمے ہے (مسلم)

آپ مختصر سا خطبہ دیتے اور نماز طویل کرتے، ذکر الٰہی کثرت سے کرتے اور جامع کلام فرماتے اور آپ فرمایا کرتے آدمی کی طویل نماز اور مختصر خطبہ اس کی فقاہت (سمجھ) کی علامت ہے اور آپ اپنے خطبات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو قواعدِ اسلام اور شریعت سکھاتے۔

جب کبھی کسی کام کے حکم یا ممانعت کی ضرورت ہوتی تو آپ خطبہ میں بتا دیتے یا منع کر دیتے جیسا کہ خطبہ دیتے وقت ایک صحابی مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لو"

اسی طرح لوگوں کی گردنیں پھاندنے والے کو منع فرمایا اور بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ کبھی کبھی آپ کسی ضرورت یا کسی صحابی کے سوال پر خطبہ منقطع کر دیتے اور وہ ضرورت یا حاجت پوری فرماتے پھر آپ خطبہ کی طرف لوٹ کر اسے مکمل فرماتے۔

بسا اوقات آپ کسی ضرورت سے منبر سے بھی اُتر گئے۔ پھر واپس آکر اسے مکمل فرمایا جیسا کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کو گود میں اٹھانے کے لئے آپ منبر سے اترے، انہیں گود میں لیا، پھر اسی طرح لئے لئے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ مکمل فرمایا۔

کبھی آپؐ خطبہ میں کسی کو بلاتے اور فرماتے: اے فلاں بیٹھ جا، اے فلاں نماز پڑھ وغیرہ۔
خطبہ میں تقاضائے وقت وضرورت کے مطابق تقریر فرماتے۔ جب کسی کو آپ ضرورت مند یا بھوکا دیکھتے تو صحابہؓ کو صدقے کا حکم دیتے اور ترغیب دیتے۔
خطبہ میں آپ دعا یا ذکر اللہ کے موقع پر شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔
جب بارش کم ہوتی تو خطبہ میں آپ بارش کے لیے دعا کرتے۔
جمعہ کے خطبہ میں آپؐ تاخیر کرتے، یہاں تک کہ لوگ جمع ہو جاتے، جب جمع ہو جاتے تو آپ تنہا بغیر کسی طرح کے اظہار نخوت کے تشریف لاتے، نہ آپؐ کے آگے آگے کوئی ندا دے رہا ہوتا اور نہ آپ طیلستان (سبز چادر، خاص قسم کی) زیب تن کیے ہوتے۔ جب آپ مسجد میں تشریف لاتے تو پیش قدمی کر کے خود صحابہؓ کو سلام کرتے، جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف چہرہ کر لیتے، انہیں سلام کرتے، پھر بیٹھ جاتے اور حضرت بلالؓ اذان شروع کر دیتے۔
جب (حضرت بلالؓ) اذان سے فارغ ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے۔
اذان وخطبہ کے درمیان بغیر وقفہ کے کسی اور کام کی طرف متوجہ ہوئے بغیر خطبہ شروع کر دیتے۔
آپ تلوار یا کوئی چیز ہاتھ میں نہ لیتے بلکہ منبر بننے سے قبل تیر اور کمان پر ٹیک لگاتے لڑائی میں آپؐ کمان پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور جمعہ کے موقع پر آپ عصاء پہ ٹیک لگاتے۔ آپؐ سے یہ مروی نہیں کہ آپؐ نے تلوار پر ٹیک لگائی ہو اور بعض جہلاء جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ ہمیشہ تلوار پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین تلوار سے قائم ہوا یہ محض جہالت ہے۔ منبر کے بن جانے کے بعد آپؐ سے مروی نہیں کہ آپؐ نے تلوار یا تیر وکمان کے ذریعہ منبر پر قدم رنجہ فرمایا ہو اور نہ (منبر) بن جانے سے قبل آپؐ نے تلوار پر ٹیک لگائی۔ بلکہ (اس وقت) معمولاً آپؐ تیر وکمان پر ٹیک لگایا کرتے۔
آپؐ کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں اور آپؐ منبر بننے سے قبل ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے اور جب آپ منبر کی طرف منتقل ہو گئےؐ تو وہ کھجور کا تنا رو پڑا اور اہل مسجد نے اس کا گریہ سُنا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اسے چمٹا لیا۔
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب کھجور کے تنے نے دیکھا کہ وہ جو وحی سنتا رہا تھا اب اس

سے محروم ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب مفقود ہو گیا تو اس پر گریہ طاری ہو گیا۔
منبر کو مسجد کے درمیان نہیں بلکہ مغربی سمت میں دیوار کے قریب رکھا گیا اور منبر اور دیوار کے مابین ایک بکری کے گزر سکنے کا فاصلہ تھا اور جب آپ جمعہ کے علاوہ اس پر بیٹھتے یا جمعہ میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تو (صحابہؓ) کی طرف اپنا چہرۂ انور گھما لیا کرتے۔

خطبہ میں آپ کا معمول

جب آپ خطبہ دیتے تو کھڑے ہو جاتے۔ ذرا دیر خطبہ دینے کے بعد کچھ دیر کے لیئے بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور دوبارہ خطبہ دیتے۔

جب آپ خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو حضرت بلالؓ اقامت کہتے اور آپؐ لوگوں کو قریب ہو جانے اور خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے۔
"کہ اگر ایک آدمی اپنے ساتھی سے یہ کہتے کہ "خاموش ہو جاؤ" تو اس نے بھی لغو (حرکت) کی۔ اس کا جمعہ غارت گیا۔
اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔
اور ابی بنؓ کعب روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن تبارک پڑھی اور ہمیں ایام اللہ یاد دلائے۔ حضرت ابو الدرداءؓ یا حضرت ابو ذر نے اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا، یہ سورۃ کب اُتری ہے؟ کیونکہ میں نے اسے آج تک نہیں سُنا تو انہیں خاموش رہنے کا ارشارہ کیا، جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے۔
میں نے تم سے پوچھا تھا کہ یہ سورۃ کب اُتری تھی؟ تو تم نے مجھے بتایا نہیں:
انہوں نے فرمایا: آج تمہاری بالکل نماز نہیں ہوئی بلکہ محض لغویات کے مرتکب ہوئے۔
وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ نیز جو ابیؓ بن کعب نے کہا وہ بھی بتا دیا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابیؓ نے سچ کہا"
اسے ابن ماجہؒ اور سعید بن منصور نے ذکر کیا ہے اور اصل روایت مسند امام احمدؒ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ میں تین آدمی حاضر ہوتے ہیں۔ ایک تو لغو کام کرتا ہے وہی اس کا حصّہ ہے اور ایک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے قبول کر لیتا ہے اور چاہے روک لیتا ہے آدمی خاموشی اور سکوت کے ساتھ حاضر ہوتا ہے لوگوں کی گردنیں نہیں پھاندتا، نہ کسی کو ایذا دیتا ہے۔ تو اس کی (نماز جمعہ) دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفّارہ بن جاتی ہے۔ اور تین دن کا مزید (اجر) ملتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

من جاء بالحسنة۔ فلهٗ عشر امثالها۔

یعنی "وجس نے ایک نیکی کی اسے دس گنا اجر ملے گا۔"

(مسند امام احمدؒ، ابوداؤدؒ)

نماز جمعہ سے پیشتر

سنّتیں پڑھنی چاہیئں یا نہیں

حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہو جاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع کر دیتے اور کوئی آدمی اس وقت نماز نہ پڑھتا۔ صرف ایک ہی اذان ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ نماز عید کی طرح ہے، جس سے پہلے کوئی سنّت نہیں۔ علماء کرام کے اقوال میں سے یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ اور سنّت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لاتے اور جب منبر پر چڑھتے تو حضرت بلالؓ جمعہ کی اذان دیتے اور جب اذان ختم ہوتی تو کسی وقفہ کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دینا شروع کر دیتے۔ یہ وہ واقعات ہیں جنہیں آنکھوں نے دیکھا۔ پھر سنتیں پڑھنے کا کب موقع لوگوں کو ملتا تھا۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت بلالؓ کے اذان سے فارغ ہوتے ہی سب لوگ کھڑے ہو جاتے اور دو رکعت سُنّت ادا کرتے تو ایسا خیال کرنے والا سنّت سے بالکل جاہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بتا چکے کہ جمعہ سے قبل کوئی سنّت نہیں۔ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے اور مشہور قول کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال امام شافعیؒ اور دیگر آئمہ کرام جن کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کی سنتیں ہیں۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے۔ یہ (جمعہ) ظہر مقصورہ (قصر شدہ) ہے۔ اس لیے اس پر احکام ظہر نافذ ہوں گے۔ یہ بہت ہی ضعیف دلیل

ہے۔ کیونکہ جمعہ ایک مستقل نماز ہے جو نماز ظہر سے جہر قرأت، تعداد رکعات، خطبہ، وقت اور شروط معتبرہ کے لحاظ سے یکسر مختلف ہے اور بعض نے صحیح بخاری کی روایت سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے "باب الصّلوٰۃ قبل الجمعہ و بعدہا" میں روایت کی ہے کہ ہمیں عبداللہ بن یوسف سے، انہیں نافع سے، انہیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ظہر سے قبل اور بعد میں دو رکعت پڑھا کرتے اور مغرب کے بعد دو رکعت پڑھتے اور عشاء سے قبل دو رکعت پڑھتے اور جمعہ کے بعد کچھ نہ پڑھتے پھر گھر آکر دو رکعتیں پڑھتے۔ یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ اور بخاریؒ نے اس میں جمعہ سے قبل سنن کو بیان نہیں کیا۔ بلکہ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ کیا جمعہ سے قبل یا بعد میں کوئی نماز پڑھنا مذکور ہے؟ پھر یہ روایت بیان کی۔ اور اس میں بھی صرف جمعہ کے بعد سنن کا تذکرہ کیا۔ اور اس سے قبل کچھ بیان نہیں کیا۔

کیا جمعہ ظہر کا بدل ہے؟

بعض کا خیال یہ ہے کہ چونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے اور ظہر سے قبل اور بعد میں سنتیں از روئے حدیث مروی نہیں اس لیے جمعہ میں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے اور جو یہ فرمایا کہ آپ جمعہ کے بعد گھر جانے کے بعد سنتیں پڑھا کرتے تو اس سے صرف جمعہ کے بعد سنتوں کا وقت بتانا مقصود ہے یہ غلط خیال ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے باب التطوع بعد المکتوبۃ" میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ ظہر سے قبل دو رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں۔ اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک جمعہ کی نماز ظہر کی نماز سے علیحدہ ایک مستقل نماز ہے ورنہ اسے ظہر کے تحت سمجھتے ہوئے اس کو علیحدہ طور پر پیش نہ کرتے اور جب اس کی سنن کا ذکر بعد میں ہوا تو معلوم ہوا کہ (جمعہ) سے پہلے کوئی سنت نہیں۔ اور بعض نے ابوداؤدؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے، فرمایا: ہمیں مسدد نے انہیں اسماعیل نے انہیں ایوب نے بتایا انہیں حضرت نافعؒ سے روایت پہنچی کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھا کرتے اور بعد ازاں اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھنے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ جمعہ سے پہلے بھی سنتیں ہیں بلکہ ان کے اس قول "نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایسا ہی کیا کرتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اور یہ افضل ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

سنن میں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ مکہ میں تھے تو انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی، گھر میں تشریف لائے اور دو رکعت (سنن) پڑھیں مگر مسجد میں نہ پڑھیں۔ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔ رہا جمعہ سے قبل حضرت ابن عمرؓ کی طوالت نماز تو مطلقاً نوافل تھے اور جو آدمی بھی جمعہ کے لیے حاضر ہو اس کے لیے بہتر یہ ہے۔ کہ امام کے آنے تک نماز میں مشغول رہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت نبیشہ ہذلی کی روایت گزر چکی جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا کہ جو جمعہ کے دن غسل کرے اور مسجد میں حاضر ہو پھر جس قدر اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے، پھر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے، پھر اس کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس کے اور دوسرے جمعہ کے درمیان تک جتنے اس کے (گناہ) ہوں گے وہ بخشے جائیں گے اور تین دن کا مزید (اجر) ملے گا اور نبیشہؓ ہذلی سے فرماتے ہیں کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کرے، پھر مسجد کی طرف اس طرح حاضر ہو کہ (راستہ) میں کسی کو ایذا نہ دے۔ اب اگر امام کو مسجد میں حاضر نہ دیکھے تو حسبِ استطاعت نماز پڑھے۔ اور اگر امام آچکا ہو تو سنے اور خاموش رہے۔ یہاں تک کہ امام جمعہ اور تقریر ختم کرے اگر اس جمعہ کو اس کے تمام سابقہ گناہ نہ بھی بخشے گئے تو بھی اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ضرور ہو گا۔ یہی صحابہؓ کا طریق مسنونہ تھا۔

ابنِ عمرؓ کے طرزِ عمل سے استدلال ابن منذر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایت ملی ہے کہ وہ جمعہ سے قبل بارہ رکعتیں پڑھا کرتے اور ابن عباسؓ آٹھ پڑھا کرتے۔

یہ تمام مباحث اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ مطلقاً نوافل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مروی تعداد رکعات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ترمذیؒ نے جامع میں اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ

جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعتیں پڑھا کرتے۔ ابن مبارکؒ اور ثوریؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور اسحٰقؒ بن ابراہیمؒ بن ہانی ہشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ کو دیکھا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا تو وہ نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ سورج ڈھلنے کے قریب ہو جاتا۔ جب زوال قریب ہو جاتا تو وہ رک جاتے یہاں تک کہ مؤذن اذان دیتا، جب اذان ہو جاتی تو اُٹھتے تو دو یا چار رکعتیں پڑھتے اور دو رکعتوں پر سلام سے فصل کرتے چنانچہ جب فرض نماز پڑھ لیتے تو مسجد میں ٹھہرتے پھر بعد میں مسجد سے نکلتے اور کسی چھوٹی سی قریب کی مسجد میں جاتے اور دو رکعتیں مزید پڑھتے۔

اس طرح حضرت علی کی روایت کے مطابق یہ چھ رکعتیں بن گئیں۔ بسا اوقات آپ ان چھ کے بعد یا کم و بیش مزید پڑھتے۔

بعض لوگوں نے حدیث سے اس کے مسنون ہونے پر استدلال کیا ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ہمیں محمد بن یحییٰ سے انہیں یزید بن عبداللہ سے انہیں بقیہ سے انہیں مبشر بن عبید سے انہیں حجاج بن ارطاۃ سے انہیں عطیہ عوفی سے انہیں ابن عباس سے روایت پہنچی انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعتیں پڑھتے جن میں کوئی فصل نہ ہوتا۔ ابن ماجہؒ نے "باب الصلوٰۃ قبل الجمعہ" میں ذکر کیا ہے۔

اس روایت میں کئی انتقام ہیں:۔

۱۔ ایک تو یہ کہ بقیہ بن ولید مدلسین کا امام ہے، اس کا سماع صراحت سے مذکور نہیں اور وہ معنعن بھی ہے۔

۲۔ دوسرے مبشر بن عبید منکر راوی ہے۔

۳۔ تیسرے حجاج بن ارطاۃ ضعیف مدلس ہے۔

۴۔ چوتھے عطیہ عوفی کے متعلق امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہشیمؒ اس میں کلام فرماتے تھے اور امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا۔ اور عبداللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا کہ ایک شیخ جسے مبشر بن عبید کہتے تھے حمص میں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کوفی ہے اور اس سے بقیہ اور ابومغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی تمام احادیث موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہیں

امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ مبشر بن عبید متروک راوی ہے اس کی روایات کا اتباع نہیں کیا جاتا امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عطیہ عوفی قابل استدلال نہیں اور مبشر بن عبید حمص وضع روایات سے منسوب ہے۔ اور حجاج بن ارطاۃ بھی قابلِ حجت نہیں ہے ۔

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کی جمعہ نماز پڑھ لیتے تو اپنے گھر تشریف لے جاتے اور دو رکعت سنت پڑھتے اور حکم دیتے کہ جو پڑھ لے وہ اس کے بعد چار پڑھے ۔

ہمارے شیخ ابو عباس ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں پڑھتے تو چار رکعتیں پڑھتے اور اگر اپنے گھر میں پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے میں کہتا ہوں کہ احادیث کا یہی مفہوم ہے اور ابوداؤدؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب وہ مسجد میں پڑھتے تو چار رکعتیں ادا کرتے ۔ اور جب گھر میں پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ملی ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ (کی نماز) پڑھے تو اُسے چاہیئے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھ لے ۔ واللہ اعلم !

ؔ یہ اور اس طرح کے دوسرے مباحث دراصل فقہی مسائل ہیں۔ علمی طور پر بحث و گفتگو دوسری چیز ہے ، لیکن اگر فقہی بہ مسئلہ درکار ہو تو پھر کتب فقہہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے ، ورنہ غلط روی اور غلط فہمی کا اندیشہ ہے ۔

(رئیس احمد جعفری)

نماز عیدین

نماز عید کے لئے آپؐ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے آتے تھے

عید کی نماز ہمیشہ عید گاہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں نماز (عید) پڑھا کرتے۔ یہ عید گاہ (جائے نماز) مدینہ کے شرقی دروازہ کے پاس تھی۔ یہ وہی عید گاہ ہے جہاں حاجیوں کا محل رکھا جاتا ہے۔

مسجد (نبوی) میں نے صرف ایک مرتبہ جب بارش ہوگئی تھی۔ نماز عید پڑھی چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو وہیں نماز پڑھائی۔ بشرطیکہ یہ روایت، جو سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ میں وارد ہوتی ہے۔ ثابت بھی ہو۔

آپ کی سنّت طیبّہ یہ تھی کیا آپ نے ہمیشہ دونوں عیدوں کی نماز یہیں پڑھی۔ (عید گاہ) جاتے وقت آپ سب سے بہترین لباس زیب تن فرماتے۔ آپ کے پاس ایک لباس تھا جیسے عیدین اور جمعہ کے موقع پر زیب تن فرماتے۔ ایک بار آپ نے دو سبز چادروں اور ایک بار سرخ چادر کا استعمال فرمایا۔ لیکن یہ چادر بالکل سرخ نہ ہو گی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے چادر (برد) کا لفظ نہ استعمال ہوتا۔ واقعہ یہ ہے اس میں فقط سرخ دھاریاں تھیں۔ جیسے عام طور پر یمنی چادریں ہوا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے اسے سُرخ چادر سے تعبیر کر دیا گیا۔ ورنہ بغیر کسی تعارض کے آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے زرد اور سُرخ

لباس سے منع فرمایا ہے ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بدن پر جب دو سرخ کپڑے دیکھے تو آپ نے انہیں جلادینے کا حکم دیا، پس یہ ناممکن تھا کہ اس رنگ میں اس قدر سخت تمرین کراہت بھی پائی جائے اور پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے استعمال کریں اور یہی چیز اس بات کی شاہد ہے کہ سرخ لباس حرام یا شدید تر مکروہ ہے۔

آپ نماز عید الفطر کے لیے جانے سے قبل چند کھجوریں تناول فرمالیتے۔ آپ انہیں وتر (طاق عدد) میں کھاتے۔ البتہ عید الضحیٰ کے موقع پر عید گاہ سے واپس آجانے تک کچھ نہ کھاتے۔ (واپس آنے کے بعد) آپ اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ تناول فرماتے۔

آداب نماز عیدین

دونوں عیدوں کی نماز (سے قبل) آپ غسل فرماتے (صحیح حدیث) آپ پیدل تشریف لے جاتے۔ نیزہ آپ کے آگے آگے لے جایا جاتا جب عید گاہ میں پہنچتے تو آپ کے سامنے نصب کر دیا جاتا تاکہ اس کی آڑ بنا کر نماز پڑھ سکیں۔ کیونکہ ان دنوں عید گاہ ایک کھلا میدان ہوتا تھا، جس میں کوئی عمارت یا دیوار موجود نہ تھی اور آپ کا حربہ (نیزہ) ہی آپ کے لیے سُترہ کا کام دیتا تھا۔

آپ عید الفطر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عید الضحیٰ کی نماز میں تعجیل فرماتے۔ حضرت ابن عمرؓ اتباع سنت کی شدّت کے باعث طلوع شمس سے قبل گھر سے نہ نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عید گاہ تک تکبیر کہتے رہتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں پہنچتے تو اذان، اقامت یا الصلوٰۃ جامعۃ جیسے کلمات کہے بغیر ہی نماز شروع فرمادیتے۔ اور سنّت یہی ہے کہ ان میں سے کوئی فعل نہ کیا جائے آپ اور آپ کے صحابہؓ جب عید گاہ میں پہنچتے تو عید گاہ سے قبل کوئی (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے اور نہ بعد میں پڑھتے اور خطبہ سے پہلے نماز شروع کرتے۔ اس طرح آپ دو رکعتیں ادا کرتے۔ پہلی رکعت میں تکبیر اولیٰ سمیت سات مسلسل تکبیریں کہتے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک ہلکا سا وقفہ ہوتا۔ تکبیرات کے درمیان آپ سے کوئی مخصوص ذکر مروی نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ اتباع سنّت کی شدّت کی وجہ سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیریں ختم فرماتے تو قرأت شروع کرتے۔ یعنی سورۃ فاتحہ پھر اس کے بعد سورۃ ق

والقرآن المجید ایک رکعت میں پڑھتے اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھتے بسا اوقات آپ دو رکعتوں میں سبح اسم ربك الاعلی اور ھل اتاك حدیث الغاشیہ پڑھتے ۔ یہ آپ سے صحیح طور پر مروی ہے، اس کے علاوہ صحیح روایت میں کچھ اور مروی نہیں، جب قرأت سے فارغ ہو جاتے تو تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے پھر ایک رکعت مکمل کرتے اور سجدہ سے اُٹھتے (پھر) پانچ بار مسلسل تکبیریں کہتے جب تکبیریں مکمل کر لیتے تو قرأت شروع کر دیتے ۔ اس طرح ہر رکعت کے آغاز میں تکبیریں کہتے اور بعد میں قرأت کرتے

امام ترمذیؒ سے حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کی روایت سے منقول ہے کہ انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کے موقع پر پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں ۔ ترمذیؒ کا قول ہے کہ میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ سے اس روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس باب میں اس سے زیادہ صحیح روایت کوئی اور نہیں اور میں بھی اسی پر فتویٰ دیتا ہوں ۔

تذکیر و موعظت کا سلسلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز مکمل کر لیتے تو فارغ ہونے کے بعد لوگوں کے مقابل کھڑے ہو جاتے ۔ لوگ صفوں پر بیٹھے ہوتے تو آپ ان کے سامنے وعظ کہتے ، وصیت کرتے اور امر و نہی فرماتے اور اگر لشکر بھیجنا چاہتے تو اسی وقت بھیجتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو حکم فرماتے ۔ عید گاہ میں کوئی منبر نہ تھا۔ جس پر چڑھ کر (وعظ فرماتے ہوں) نہ مدینہ کا منبر یہاں لایا جاتا ، بلکہ آپ زمین پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے ۔

حضرت جابرؓ بتاتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کے دن نماز میں ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے اذان اور اقامت کے بغیر نماز شروع کی ۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت بلالؓ کے کاندھے کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم فرمایا، اس کی اطاعت کی رغبت دلائی اور نصیحت کی اور پھر (انعاماتِ خداوندی وغیرہ) یاد دلائے ۔ پھر آپ خواتین کی طرف تشریف لے گئے ۔ اور انہیں نصیحت کی (متفق علیہ)

حضرت ابو سعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحیٰ کے موقع پر عید گاہ میں جاتے تو سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے تشریف لاتے اور لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوتے (مسلم) حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن نکلتے تو لوگوں کے ساتھ دو رکعت نماز (عید) پڑھتے، پھر سلام پھیر کر اپنی سواری پر چڑھ کر لوگوں نے سامنے تشریف لاتے، لوگ بیٹھے ہوتے ان سے آپ فرماتے صدقہ کرو، وہ یہ سن کر اکثر عورتیں مختلف اشیاء انگوٹھی اور بندوں کا صدقہ کرتیں[1] اور اگر آپ صلعم کو کوئی ضرورت ہوئی مثلاً کسی (وفد یا لشکر) کو بھیجنا ہوتا تو آپ اسے سرانجام دیتے ورنہ واپس تشریف لے جاتے اور صحیحین میں بھی حضرت جابر رضؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے نماز پڑھی، پھر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو گئے تو آپ اتر پڑے، پھر عورتیں حاضر ہوئیں تو انہیں نصیحت کی (الحدیث) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی منبر پر اور کبھی سواری پر خطاب فرماتے ہو سکتا ہے کہ آپ کے لیے کچی اینٹوں کا یا مٹی کا کوئی منبر بنا دیا گیا ہو۔ ان دونوں روایتوں کی صحت میں کوئی شک بھی نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسجد (نبوی) سے منبر نہیں لے جایا جاتا تھا سب سے پہلے جس نے اُسے (مسجد نبوی) سے نکالا وہ مردان بن حکم (اموی) تھا۔ اس کی مخالفت کی گئی۔ رہا کچّی اینٹوں یا مٹی کا منبر تو سب سے پہلے مروان کی

---

[1] اس حدیث سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عورت اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صلعم شوہروں کو صدقہ کی ترغیب دیتے، نہ کہ عورتوں کو، یا یہ ہوتا کہ عورتیں یہ ارشاد سن کر، اپنے شوہروں تک آپ کا یہ ارشاد پہنچاتیں اور وہ جو کچھ دینا چاہتے دے دیتے۔ لیکن عورتوں نے بھی ایسا کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ ارشاد نبوی سُنا اور وہیں بیٹھے بیٹھے جو چیزیں پاس تھیں۔ ان میں سے جو چاہا دے دیا، یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ جو مال بیوی کا ہو، خواہ ذاتی طور پر یا شوہر کا دیا ہوا اس پر تصرف میں وہ شوہر کی اجازت کی محتاج نہیں ہے، بلکہ بطور خود جو چاہے کر سکتی ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

امارت کے تحت مدینہ میں کثیر بن صلت نے (منبر) بنایا جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ لہٰذا غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں کسی اُونچی جگہ کھڑے ہو جاتے اسے (چبوترہ کہا جاتا تھا۔ پھر آپ وہاں سے اتر کر عورتوں کی طرف تشریف لاتے اور اُن کے سامنے خطاب اور وعظ فرماتے اور نصیحت فرماتے۔

خطبات کا آغاز حمد و ثنا سے آپ تمام خطبات الحمد للہ (اللہ کی حمد و ثنا) سے شروع کرتے کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے عیدین کا خطبہ تکبیر سے شروع کیا ہو، سنن ابن ماجہؒ میں حضرت سعدؓ سے مروی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں کثرت سے تکبیر کہا کرتے اور عیدین کے خطبات میں تو ان کی اور ہی کثرت ہو جاتی۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خطبات عیدین کا افتتاح تکبیروں سے آپ کرتے تھے، بلکہ عیدین و استسقاء کے خطبات کے افتتاح میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا افتتاح تکبیر سے ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ خطبہ استسقاء کا افتتاح استغفار سے ہو گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ الحمد سے ہو گا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فرمان ہے کہ بہتر یہی (موخر صورت) ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کوئی کام جو اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو گا وہ بے کار اور رائگاں ہے۔

آپ اپنے تمام خطبات الحمد للہ (اللہ کی حمد) سے شروع کرتے۔ آپ نے تمام حاضرین کو اجازت دی، چاہیں تو بیٹھیں اور چاہیں تو چلے جائیں اور اس کی اجازت دی کہ اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو جمعہ کے باعث نمازِ عید مختصر کر دیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (عید گاہ میں) جاتے وقت مختلف راستوں سے آتے جاتے ایک راستے سے تشریف لاتے اور دوسرے راستے سے جاتے۔ بعض نے اس کا مقصد یہ بیان کیا ہے "تاکہ دونوں راستوں کے مکینوں کو سلام کر سکیں" اور بعض کے نزدیک مقصد یہ تھا کہ دونوں گروہ آپ کی برکت حاصل کر سکیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ دونوں راستوں کے حاجت مندوں کی ضرورت پوری کر سکیں۔ ایک قول کے مطابق اس طرزِ عمل کا منشا یہ تھا کہ تمام راستوں اور شاہراہوں میں اسلام کی شان و شوکت کا اظہار ہو سکے" ایک قول کے مطابق یہ تھا کہ اسلام اور اہلِ اسلام کی

عزّت و شوکت، نیز اس کے شعائر کا قیام دیکھ کر منافقین جل اُٹھیں اور ایک قول کے مطابق مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ زمین کا ہر ٹکڑا گواہی دے۔ کیونکہ مسجد اور عید گاہ میں جانے والے کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوگا۔ اور دوسرے قدم پر ایک گناہ معاف ہوگا۔ اسی طرح وہ گھر لوٹ کر آئے گا۔ کہتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔

نیز مروی ہے کہ آپ عرفہ کے دن فجر کی نماز سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک اس طرح تکبیریں کہتے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

نمازکسوف

سورج گہن کے موقع پر آں حضرتؐ کا اُسوہ

نمازکسوف آپؐ نے کس طرح پڑھی؟ جب سورج گہن میں ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیز قدم اٹھاتے، گویا سراسیمگی کے عالم میں پشت مُبارک پر چادر ڈالے برآمد ہوتے (ایک مرتبہ) کسوف (سورج گہن) کی کیفیت یہ تھی کہ دن کے شروع میں دو یا تین نیزے تک آفتاب بلند ہوا تھا کہ گہن میں آگیا۔ فوراً ہی آپؐ (مسجد) میں آئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک طویل سورت پڑھی اور جہر (بہ آواز بلند) سے تلاوت کی۔ پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا اور دیر تک کھڑے رہے۔ لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ جب سر اٹھایا تو فرمایا۔

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔

یعنی؛ جس نے (اللہ) کی تعریف کی۔ اللہ نے اس کی سن لی۔ اے ہمارے پروردگار تو ہی سزاوار ہے۔

پھر قرأت شروع فرمائی، پھر رکوع کیا جو دیر تک جاری رہا۔ لیکن رکوع پہلے رکوع سے کم (طویل) تھا۔ پھر رکوع سے اُٹھایا، پھر ایک طویل سجدہ کیا اور اسے خوب طول دیا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی پہلی رکعت کی طرح کیا۔ اس طرح ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے بن گئے

گویا آپ نے دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔

آپؐ نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا

اس نماز میں آپ نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا اور ارادہ کیا کہ جنت میں سے (انگور کا) ایک خوشہ توڑ لیں اور وہ (صحابہؓ) کو دکھائیں اور آگ میں دوزخیوں کو بھی دیکھا (نیز) ایک عورت (کو دوزخ میں) دیکھا کہ ایک بلی اسے نوچ رہی ہے (جسے بے دردی سے) اس نے باندھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھوک اور پیاس سے مرگئی اور عمرو بن مالک کو دیکھا جو آگ کے اندر اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہے اور یہ پہلا آدمی تھا۔ جس نے دینِ ابراہیم علیہ السّلام کو بدل دیا اور اس میں حاجیوں کے ایک چور کو عذاب میں مبتلا دیکھا۔

نماز سے فراغت کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یہ کسی کی موت یا پیدائش پر گہن میں نہیں آتے۔ اس لیئے جب تم یہ (صورت) دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم خدا سے زیادہ کسی کو اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے، یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم جو مجھے معلوم ہے اگر تمہیں بھی معلوم ہوتا تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔"

نیز اس خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"میں نے اس جگہ وہ چیز دیکھ لی، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے ارادہ کیا کہ جنت کا ایک خوشہ توڑ لوں۔ جب تم نے مجھے آگے بڑھتے دیکھا تھا اور میں نے دوزخ کو بھی دیکھا کہ اس کا ایک حصّہ دوسرے سے سخت تر ہو رہا تھا۔ جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا تھا۔ ایک لفظ یہ ہے۔ کہ میں نے آگ کو دیکھا اور آج سے زیادہ ہولناک منظر کبھی نہیں دیکھا اور میری طرف وحی کی گئی کہ قبروں میں تم آزمائے جاؤ گے یا قرب آمد دجال کے زمانے میں کوئی تم میں سے کسی کے پاس آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اس آدمی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ تو مومن۔ یا فرمایا کہ یقین رکھنے والا (مومن)۔ کہے گا کہ (یہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے

رسول ہیں۔ ہمارے پاس دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے ہم نے قبول کیا۔ ایمان لائے اور اطاعت کی تو اس سے کہا جائے گا سوجا تو نیک ہے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ تو مومن تھا۔ اور منافق ـــ یا فرمایا کہ مرتاب (شک کرنے والا) کہے گا، میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تو میں نے بھی وہی کہہ دیا۔"

دوسری روایت میں جو امام احمد بن حنبل نے تخریج کی ہے یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور پھر شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ (محمد صلعم) اس کے بندے، اس کے رسول ہیں۔ پھر فرمایا:۔

" اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (یہ بتاؤ) کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے پروردگار کے پیغامات کی تبلیغ میں کچھ کمی کی؟

ایک آدمی کھڑا ہو گیا اس نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے اور آپ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی اور جو آپ کے ذمہ داری ڈالی گئی تھی پوری کر دی۔"

کسوف وخوف کا تعلق کسی کی زندگی یا موت سے نہیں

پھر آپ نے فرمایا، مابعد بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سورج یا اس چاند کا گہن یا ان ستاروں کا اپنے مطالع سے ہٹ جانا اہل زمین کے بڑے بڑے لوگوں کی موت کے باعث ہوتا ہے۔ یقیناً ان لوگوں نے جھوٹ بولا ہے یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اس کے بندے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور وہ دیکھا ہے کہ ان میں سے کون تائب ہوتا ہے؟

خدا کی قسم جب میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تو میں نے دنیا و آخرت میں تمہارے ساتھ ہونے والے واقعات دیکھے اور خدا خوب جانتا ہے کہ قیامت تک نہ آئے گی جب تک تیس کذاب (از حد جھوٹے) نہ آجائیں۔ آخری (کذاب) کا نا دجال ہو گا، جس کی بائیں آنکھ مٹی ہوئی ہو گی۔ گویا کہ ابو یحییٰ کی آنکھ ہو۔ اور جب وہ خروج کرے گا تو جلدی ہی اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے گا تو جو اس پر ایمان لائے گا، اس کی تصدیق کرے گا اور اس کی اتباع کرے گا اس

کا گزشتہ کوئی نیک عمل اسے فائدہ نہ دے گا۔ اور جو اس کا انکار کرے گا، اس کی تکذیب کرے گا۔ اس سے کسی گزشتہ برائی (غلطی) پر مواخذہ نہ ہو گا اور وہ حرم شریف اور بیت المقدس کے علاوہ بہت جلد ساری زمین پر گھوم جائے گا۔ اور وہ مسلمانوں کا بیت المقدس میں محاصرہ کرے گا۔ جس سے یہ بہت زیادہ دہشت زدہ ہو جائیں گے، ان پر سراسیمگی طاری ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے لشکر کو ہلاک کرے گا۔ یہاں تک کہ دیوار کی بنیاد یا درخت کی جڑ سے آواز آئے گی۔

اے مسلمان، اے مومن یہ یہودی ہے۔

(یا فرمایا، کہ یہ کافر ہے) آ اور اسے قتل کر دے۔

مروی ہے کہ آپؐ نے دوسرے طریقوں پر بھی نماز کسوف ادا کی ہے۔ مثلاً ہر رکعت میں تین رکوع اور ہر رکعت میں چار رکوع اور ایک صورت یہ بھی تھی جیسے عام نماز کی ہوتی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو لیکن کبار ائمہ اس کی صحت کے قائل نہیں۔ جیسے امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور شافعیؒ اسے غلط سمجھتے ہیں۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا۔

بعض لوگوں کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں تین رکوع کیے۔

شافعیؒ کہتے ہیں میں نے سائل سے دریافت کیا، آیا تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ اس نے کہا نہیں تو! لیکن آپ اس کا (فتویٰ) کیوں نہیں دیتے، جبکہ یہ آپ کی دو رکعت والی روایت میں ایک رکوع زیادہ بنایا گیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ایک طرح سے منقطع ہے اور ہم متفرد پر منقطع کو ثابت نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم اس وجہ کو قطعاً غلط سمجھتے ہیں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں شافعیؒ کا منقطع سے مطلب عبید بن عمیر کا قول ہے۔ اور محدثین کا ایک گروہ تعداد رکوع میں روایات کی تصحیح کرتا ہے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار (نماز کسوف) پڑھی۔ تو یہ تمام صورتیں جائز ہوں گی اس طرف اسحٰق بن راہویہ، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، ابوبکر بن اسحاق ضبعی اور ابو سلیمان خطابی گئے ہیں اور ابن منذرؒ نے بھی اسے مستحق

سمجھا ہے اور امام بخاریؒ و شافعیؒ نے جو روایات میں ترجیح دی ہے وہ زیادہ اولیٰ ہے اور میں بھی حضرت عائشہؓ کی روایت کی طرف جاتا ہوں اور اکثر روایات اسی پر مبنی ہیں اور یہی مذہب ابو بکرؓ اور قدماء کا ہے اور اسی کو استاذ ابوالعباس بن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے اور باقی تمام روایات کو وہ ضعیف بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار نماز کسوف پڑھی تھی۔ جب اس دن گہن پڑا تھا۔ جب آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تھی۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی اور لوگوں کو ایسے مواقع پر ذکر الٰہی، نماز، دعاء و استغفار، صدقہ اور (غلاموں) کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

نماز استسقاء

طلب باراں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ

نبی اکرمؐ کی دعائے استسقاء یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقوں پر بارش کی دعا فرمائی۔

ایک بار جمعہ کے دن منبر پر خطبہ کے دوران آپ نے دعائے بارش کی؛ اور کہا:

اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اسقنا اللھم اسقنا۔

یعنی: اے اللہ ہم پر بارش فرما، اے اللہ ہم پر بارش فرما۔ اے اللہ ہمیں پلا، اے اللہ ہمیں پلا۔

دوسرے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے وعدہ فرمایا کہ ایک دن وہ میدان نماز میں باہر نکلیں گے۔ چنانچہ جب سورج نکل آیا تو آپ اس طرح برآمد ہوئے کہ سراپا خشوع تضرع بنے ہوئے تھے۔ یکسر خاکساری اور انکسار کا پہلو لیے ہوئے۔ جب آپ میدان نماز میں پہنچے تو منبر پر چڑھے اگر یہ روایت درست اور صحیح ہو ورنہ کسی طریقہ پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اس کی بزرگی بیان کی۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ دیا اس کے یہ الفاظ منقول ہیں:۔

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم کرنے اور روز جزاء کا مالک، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غنی (بے پرواہ) ہے

اور ہم محتاج، ہم پر بارش نازل فرما اور جو کچھ ہم پر نازل فرمائے اسے ایک مدّت تک معیشت اور گزران کا (سبب) بنادے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور تضرع وانابت اور دعا میں مشغول ہوگئے اور (ہاتھ) اونچا کرنے میں مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف پیٹھ کی اور قبلہ رُخ ہوگئے اور اس وقت قبلہ رُخ حالت میں آپ نے اپنی چادر کو بھی بدل لیا۔ چنانچہ دائیں طرف کو بائیں اور بائیں طرف کو دائیں کرلیا۔ پیٹھ کے حصّہ کو سامنے اور سامنے کے حصّہ کو پیٹھ کی طرف کرلیا۔ اس وقت آپ کے بدن پر سیاہ چادر تھی اور قبلہ رخ حالت میں آپ نے دعا شروع کردی۔ لوگ بھی اسی طرح (قبلہ رخ) تھے۔ آخر آپ اُتر آئے۔

پھر آپ نے نماز عید کی طرح ندا و اذان اور اقامت کے بغیر دو رکعتیں ادا کیں اور ان دو رکعتوں میں جہر (بہ آواز بلند) سے قرأت کی، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربك الاعلیٰ اور دوسری میں ھل اتاك حديث الغاشية کی تلاوت کی۔

تیسرا طریقہ یہ منقول ہے کہ آپؐ نے جمعہ کے دن کے علاوہ کئی اور دن مدینہ کے منبر سے محض دعائے بارش کی۔ اس موقع پر آپ سے کوئی نماز استسقاء منقول نہیں۔

چوتھا یہ کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے آپؐ نے دعائے بارش کی۔ آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی وہ یہ ہے۔

اللهم اسقنا غيثا مغيثا مريعا طبقا عاجلا غير رائث نافعا غير ضار۔

یعنی: "اے اللہ ہماری تشنگی ایسی بارش سے دور کردے جو فریادرس ہو۔ ارزاں کرنے والی جلدی آنے، والی، دیر نہ کرنے والی، نفع دینے والی اور ضرر نہ دینے"۔

پانچویں یہ کہ آپ نے زوراء کے قریب دعا مانگی جو مسجد کے دروازے سے باہر ہے۔ اور جسے آج کل باب السلام کہتے ہیں (اس وقت) آپ مسجد کے دائیں جانب اتنے فاصلہ پر تھے جتنی دور پتھر پھینکا جاسکے۔

چھٹی بار آپ نے کسی غزوہ میں دعا کی۔ جب مشرکین نے سبقت کرکے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور مسلمان پیاس سے بے حال ہورہے تھے۔ انہوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے فریاد کی، اس موقع پر بعض منافقین کہنے لگے جس طرح موسٰی علیہ السّلام نے اپنی قوم کی سیرابی کے لئے دعا مانگی تھی۔ اگر یہ نبی ہیں تو یہ بھی اپنی قوم کے لئے سیرابی کی دعا کریں گے۔

چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا:۔

کیا انہوں نے یہ کہا ہے؟ شاید تمہارا پروردگار تمہیں سیراب کردے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ ہٹائے نہ تھے کہ بادلوں نے سایہ کر لیا اور بارش شروع ہو گئی۔ چنانچہ وادی میں سیلاب آ گیا، لوگوں نے پانی پیا اور خوب سیر ہو کر پیا۔

آپؐ سے جو دعا منقول ہے وہ یہ ہے۔

اللھم اسق عبادك وبھائمك وانشر رحمتك واحی بلدك المیت اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا نفعا غیر ضار عاجلا غیر اجل۔

یعنی!" اے اللہ ہمیں سیراب کر، فریاد رس کرنے والے مینہ سے، جس کا انجام اچھا ہو اور جو ارزانی کرنے والا ہو، ضرر نہ کرنے والا ہو، جلدی کرنے والا اور دیر نہ کرنے والا ہو۔"

آپ نے جب کبھی بھی طلب باراں کے لئے دعا کی تو ضرور بارش ہوئی اور جب بارش زیادہ ہونے لگی تو آپؐ سے لوگوں نے بادل چھٹ جانے کی درخواست کی آپ نے بادلوں کے چھٹ جانے کی بھی دعا فرمائی اور کہا:

اللھم حوالینا ولا علینا اللھم علی الآکام والجبال والظراب وبطون الاودیۃ ومنابت الشجر۔

یعنی:" اے اللہ ہمارے ارد گرد اور ہمارے اوپر نہ ہو۔ اے اللہ ٹیلوں اور پہاڑوں اور وادیوں کے علاقہ میں اور درختوں کی جڑوں پر بارش کر۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل دیکھتے تو دعا کرتے۔

اللھم صیبا نافعا

یعنی اے اللہ یہ بارش بھرپور اور فائدہ مند ہو۔ ایسے موقع پر آپؐ جسم مبارک سے

کپڑا ہٹا لیتے تاکہ اس پر بارش کا پانی پڑے۔

آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ تو فرمایا، کیونکہ یہ اپنے پروردگار سے نیا عہد ہے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس نے خبر دی جسے میں متہم نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ ان کا مطلب حضرت عائشہؓ سے تھا۔ حضرت یزید بن ہاد سے مروی ہے کہ جب سیلاب سا آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ آؤ ہمارے ساتھ ادھر آؤ جسے اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے والا بنا دیا۔ پھر ہم اس سے طہارت حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اور نبی صلی علیہ وسلم جب بدل اور ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرہ سے معلوم ہو جاتا۔ آپ اُدھر (پریشان) پھرتے۔ جب بارش ہو جاتی تو خوش ہو جاتے اور پریشانی جاتی رہتی۔ آپ خطرہ محسوس کرتے تھے کہیں یہ عذاب نہ ہو۔

سالم بن عبداللہ کو اپنے والد سے مرفوعاً روایت پہنچی ہے کہ جب آپ دعائے بارش کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریئًا غدقًا مجللًا عاما طبقا سحاء دائما اللھم اسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین اللھم ان بالعباد والبلاد والبھائم والخلق من اللاواء والجھد والضنك مالا نشکوہ الا الیك اللھم انبت لنا الزرع وادرلنا الضرع واسقنا من برکات السماء وانبت لنا من برکات الارض اللھم ارفع عنا الجھد والجوع والعری واکشف عنا من البلاء مالا یکشفه غیرك اللھم انا نستغفرك انك کنت غفارًا فارسل السماء علینا مدرارًا۔

یعنی "اے اللہ ہمیں سیراب کر ایسے مینہ سے جو فریاد رسی کرے، ارزانی لائے، کثیر ہو، بھرپور ہو، تمام، گھنا ہو، خوب ڈگمی ہو اے اللہ ہمیں مینہ سے سیراب کر۔ ہمیں مایوس نہ فرما۔ بندے، شہر، چوپائے اور مخلوقات، دکھ، مصیبت اور تنگی میں مبتلا ہیں۔ پس ہم صرف تیرے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے لیے کھیتی اُگا اور ہمارے لئے دودھ چلا اور ہمیں آسمانی برکات سے پلا اور زمین کی برکات ہمارے لئے اُگا۔ اے اللہ ہم سے دُکھ، بھوک، عریانی اٹھا۔ اور ہماری تکالیف دور کر دے جو تیرے سوا اور کوئی نہیں دور کر سکتا۔ اے اللہ ہم تجھ سے بخشش چاہتے ہیں۔

بے شک تو ہی بخشنے والا ہے ہم پر آسمان (سے بارش) خوب برسا"

امام شافعی رح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ امام دعائے باراں میں یہی الفاظ استعمال کیا کرے۔

نیز کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لئے دعا مانگتے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتے اور جب بارش کا پہلا قطرہ گرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی بارش کو اپنے جسد انور پر لیتے اور مجھے اس نے بتایا ہے کہ جسے میں متہم نہیں سمجھتا انہیں عبدالعزیز بن عمر رض سے انہیں مکحول سے انہیں نبی اکرم صلی علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ آپ ص نے فرمایا:

افواج کے مقابلہ کے وقت اور قیام نماز کے وقت اور بارش کے وقت دعا کی قبولیت کا سوال کرو۔

اور مجھے ایک سے زیادہ رواۃ سے یاد ہے کہ نزول بارش اور اقامت نماز کے وقت دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

بیہقی رح فرماتے ہیں کہ ہمیں موصول کی حدیث سے جو انہیں سہل بن سعد رض سے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے متعلق پہنچی ہے۔ معلوم ہوا کہ اذان کے وقت، لڑائی کے وقت اور بارش کے وقت دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت ابو امامہ رض سے مروی ہے۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی آپ نے فرمایا چار مواقع پر آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا ضرور قبول ہوتی ہے

۱ - جب فوج صف بستہ ہو، جنگ و پیکار کے لئے۔

۲ - نزول بارش کے وقت۔

۳ - قیام نماز کے وقت۔

۴ - اور کعبہ مکرمہ کی زیارت کے وقت۔

دورانِ سفر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے معمولات اور سنن

آں حضرتؐ کے سفر کی نوعیت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سفر چار طرح کے ہوتے تھے۔

۱۔ سفرِ ہجرت۔
۲۔ سفرِ جہاد، یہ اکثر ہوتا رہتا تھا۔
۳۔ سفرِ عمرہ۔
۴۔ اور سفرِ حج۔

جب آپؐ سفر کے لیے نکلتے تو ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اسی کو ساتھ لے جاتے۔ البتہ جب آپؐ نے حج کے لیے سفر کیا تو تمام ازواج مطہراتؓ کو ساتھ لیا۔

جب آپ سفر کرتے تو ابتدائے دن میں نکلتے۔ آپ جمعرات کو تشریف لے جانا پسند کرتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرماتے کہ آپ کی امت کو سویرے سویرے (جانے) میں برکت دے۔ اور جب آپ کوئی لشکر یا وفد بھیجنا چاہتے تو ابتدائے وقت میں بھیجتے اور اگر مسافر تین ہوتے تو انہیں حکم فرماتے

کہ ایک کو امیر بنالیں[1]۔ آپ نے مسافر کو تنہا سفر سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ایک سوار شیطان ہے، دو شیطان دو شیطان ہیں۔ تین دراصل سوار ہیں۔ اور منقول ہے کہ جب آپ سفر کے لیے اُٹھتے تو پڑھتے:۔

اللھم الیک توجھت وبک اعتصمت اللھم اکفنی ما أھمنی ومالا اھتم بہ اللھم زودنی التقوی وغفر لی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت۔

یعنی: اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہُوا اور تیرا ہی دامن پکڑتا ہوں۔ اے اللہ جس کا مجھے غم ہے اور جس کا غم نہیں (ان سب میں) میری کفایت فرما۔ اے اللہ مجھے تقویٰ عطا فرما اور میرے گناہوں کو بخش دے اور بھلائی کی طرف میرا رُخ کر دے، خواہ میرا رُخ کسی طرف بھی ہو"

جب آپ کے سامنے سواری پیش کی جاتی تو آپ رکاب میں پاؤں رکھتے وقت بسم اللہ کہتے۔ اور جب اس کی پشت پر سوار ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمد اللہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

پھر پڑھتے۔ الحمد اللہ الحمد اللہ الحمد اللہ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر

پھر پڑھتے۔ سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفر لی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

(نیز) پڑھا کرتے: اللھم انا نسئالک فی سفر نا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھون علینا سفرنا واطو عنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکابۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال۔

یعنی: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمارے لیے اسے مسخر کیا اور ہم اُسے جمع کرنے والے نہیں تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں ضبط و نظم کی کتنی اہمیت ہے (رئیس احمد جعفری)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔
اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔
تو پاک ہے بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے،
کیونکہ بخشنے والا صرف تو ہی ہے۔
اے اللہ ہم اس اپنے سفر میں تجھ سے نیکی، تقویٰ اور اس عمل کا سوال کرتے ہیں، جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لیے اس کی دوری لپیٹ دے۔ اے اللہ سفر میں تو ہی آقا ہے اور گھر میں تو ہی محافظ ہے۔ اے اللہ میں سفر کی ایذا اور تکلیف دہ واپسی اور گھر اور حال میں برے منظر سے پناہ چاہتا ہوں۔
جب واپس تشریف لاتے تو سابقہ دعا بھی پڑھتے اور اس الفاظ کا اضافہ کر دیتے۔
آیبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔
یعنی: لوٹنے والے، توبہ کرنے والے اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے تعریف کرنے والے۔
نیز آپ اور صحابہ کرامؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے وادیوں میں اترتے تو تسبیح کہتے اور جب کسی بستی کے پاس آتے اور اس میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسألك من خیر ھذہ القریة وخیر جمعت فیھا واعوذبك من شرھا وشر ما جمعت فیھا اللھم ارزقنا جناھا واعذنا من وباھا وحببنا الی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا۔
یعنی! اے ساتوں آسمانوں کے پروردگار اور جن پر وہ سایہ گستر ہیں

اور ساتوں زمینوں کے پروردگار اور جو کچھ انہوں نے اٹھا رکھا ہے اور شیاطین کے پروردگار اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا اور ہواؤں کے پروردگار اور جن چیزوں کو انہوں نے اڑایا۔ میں تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور جو بھلائی اس میں تو نے جمع کر رکھی ہے۔ مانگتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جو اس میں شر جمع ہے اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ ہمیں اس کے پھلوں کا رزق عطا فرما اور ہمیں اس کی وبا سے بچا اور اس کے رہنے والوں میں ہمیں محبوب کر دے اور اس کے نیک لوگوں کے لیے ہمارے دل میں محبت ڈال دے۔

بہ حالت سفر نماز میں قصر کا معمول

اور چار رکعت والی نماز کو قصر کرتے چنانچہ جب آپ (سفر کے لیے) نکلتے تو مدینہ واپس پہنچنے تک (چار رکعت) والی نماز میں دو رکعتیں پڑھتے۔ آپ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے سفر میں چار رکعتیں مکمل پڑھی ہوں۔ رہی حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سفر میں کبھی قصر کرتے اور نماز مکمل پڑھتے، کبھی افطار کرتے اور کبھی روزہ رکھتے یہ روایت صحیح نہیں۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو کہتے سُنا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر جھوٹ گھڑا گیا ہے۔ یہ روایت باطل ہے۔ ام المومنین، رسول اللہؐ اور جمیع صحابہؓ کے خلاف کیونکر جا سکتی تھیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو دو رکعتیں فرض کی تھیں! پھر جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو صلاۃ حضر میں دو دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا اور صلاۃ سفر جوں کی توں قائم رہی، پھر یہ کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کے خلاف عمل کر رہی گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا خیال تھا کہ نماز قصر خوف و سفر دونوں سے مشروط ہے۔ اس لیے جب خوف ختم ہو گیا تو سبب قصر زائل ہو گیا یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم حالت امن میں سفر کرتے ہوئے۔

نماز میں ہمیشہ قصر کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اس آیت کے مفہوم میں دشواری ہوئی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے اور امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت تھی کہ (عبادت سے) مفہوم حکم مراد نہیں اور مامون و خائف دونوں میں قصرِ نماز کا گناہ اٹھ جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ مندرجہ مفہوم کی ایک مخصوص نوع ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت قصر کی متقاضی ہے جو از روئے تخفیف شامل ہے قصرِ ارکان اور قصرِ تعداد یہ دو رکعتیں کم کر دینے سے اور یہ دو باتوں سے مشروط ہے۔ سفر اور خوف۔

جب دونوں باتیں پائی جائیں تو قصر مباح ہوگا اور تعداد و ارکان میں قصر کر کے نماز پڑھی جائے گی۔ اور اگر دونوں مذکورہ شرائط ختم ہو گئیں تو وہ مامون و مقیم بن گئے اور قصر کا حکم بھی جاتا رہا۔ پھر انہیں مکمل نماز پڑھنا ہوگی اور اگر دونوں میں سے ایک سبب پایا جائے تو ایک پر قصر کا حکم مرتب ہوگا۔ یعنی جب خوف اور اقامت ہو تو عددِ رکعات پورے ہوں گے۔ البتہ ارکان میں قصر ہوگا۔ یہ قصر کی ایک قسم ہے، قصر مطلق نہیں جس کا ذکر آیا ہے اور اگر سفر اور امن کی حالت ہو تو عددِ رکعات میں قصر ہوگا۔ اور ارکان مکمل ہوں گے۔ اس کا نام نمازِ امن ہوگا۔ اور یہ بھی قصر کی ایک نوع ہوگی۔ قصر مطلق کو گاہے گاہے عددِ رکعات میں کمی کے باعث اسے نمازِ مقصود کہتے ہیں اور کبھی کبھی ارکان کی تکمیل کے باعث اسے نماز تام بھی کہتے ہیں۔ اور یہ آیت مذکورہ کے حکم قصر کے تحت داخل نہیں۔ پہلی اصلاح اکثر متاخرین فقہا کے ہاں معروف ہے اور دوسری اصطلاح صحابہؓ جیسے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے متبادر ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا نماز دو رکعتوں میں فرض کی گئی اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سفر کی نماز سابقہ مقدار میں رہ گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ ہوگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سفر کی نماز چار سے کم ہوکر (دو تک) نہیں آئی بلکہ یہ اسی طرح فرض ہے اور حالتِ سفر میں (ابتداء سے) ہی دو رکعت فرض ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبان سے حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی (متفق علی حدیث عائشہؓ) البتہ امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے منفرد روایت کی ہے۔

سفر کی نماز چار کے بجائے دو رکعت فرض ہے

حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں۔ نمازِ سفر کی دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی دو رکعتیں ہیں۔ اور عید کی دو رکعتیں ہیں اور یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مکمل نماز ہیں، قصر نہیں ہیں اور جس نے افترا باندھا وہ نامراد ہُوا۔ یہ بات حضرت عمرؓ سے ثابت ہے۔ انہوں نے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا ہم امن کی حالت میں بھی قصر کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے یہ جو اللہ کی تم پر خیرات ہے لہٰذا اس کا صدقہ قبول کرو۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں جواب دیا کہ یہ تم پر اللہ کا صدقہ ہے اور اس کا دین آسان اور سہل ہے تو حضرت عمرؓ جان گئے کہ آیت کا مطلب قصرِ عددِ رکعات نہیں۔ جیسا کہ اکثر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اور فرمایا نماز سفر کی دو ہی رکعتیں ہیں اور یہ مکمل ہیں، قصر شدہ نہیں، لہٰذا آپ سے ثابت نہیں ہوتا کہ قصر عدد مباح ہے نماز کا جی چاہے پوری پڑھ لے جی چاہے قصر کرلے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلّم نے سفر میں ہمیشہ دو دو رکعتیں پڑھیں اور ایک بار نمازِ خوف کے سوا آپ نے کبھی بھی چار رکعتیں نہیں پڑھیں جس کا ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

حضرت عثمان کی روش اور اس کی تاویل

حضرت انس رض بتاتے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف گئے۔ تو آپ مدینہ واپس آنے تک دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے (متفق علیہ) اور حضرت عبداللہ رض بن مسعود کو خبر ملی کہ حضرت عثمان رض بن عفان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے حضرت ابوبکر رض کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے حضرت عمر رض کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں کاش مجھے چار رکعتوں میں دو مقبول رکعتیں حاصل ہو سکیں، حضرت عثمان رض کے اس فعل کی تاویلات مذکور ہیں بشرطیکہ یہ روایت درست بھی ہو) ان میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ انہوں نے منیٰ میں نکاح کیا تھا اور (مسئلہ ہے) کہ مسافر جب کسی جگہ ٹھہرے اور وہاں نکاح کرلے تو اسے مکمل (نماز) پڑھنی چاہیے۔ اس مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مرفوع حدیث منقول ہے۔ چنانچہ عکرمہ بن ابراہیم ازدی نے ابوذباب سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھی اور فرمایا کہ اے لوگو! جب میں یہاں آیا تو میں نے یہاں نکاح کیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ جب کوئی آدمی کسی شہر میں نکاح کرلے تو وہ وہاں پر مقیم کی نماز پڑھے۔ اسے امام احمد رح نے اپنی سند میں روایت کیا اور عبداللہ بن زبیر حمیدی نے اپنی مسند میں (بیان کیا) اور بیہقی رح نے انقطاع اور تضعیف کی بنا پر اس اسے معلول قرار دیا ہے۔ امام بخاری رح نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس پر طعن نہیں کیا، حالانکہ جرح کرنا اور مجروحین کا تذکرہ کرنا ان کی عادت ہے۔

احمدؒ اور حضرت ابن عباسؓ کی نص یہ ہے کہ مسافر اگر نکاح کرلے تو اسے (وہاں) مکمل نماز پڑھنی چاہیے۔ ابو حنیفہؒ مالکؒ اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے کسی حد تک یہ عذر معقول ہے اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ توجیہہ کی گئی ہے کہ وہ ام المومنین تھیں اس لیے جہاں ہی اتریں وہیں ان کا وطن تھا۔ یہ توجیہہ بالکل کمزور ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم مومنین کے باپ تھے اور ازواج مطہرات کی امومیت (والدہ بننا) آپ کی ابوبیت کی فرع ہے۔ لیکن اس توجیہہ کے مطابق آپؐ نے کبھی سفر میں مکمل (نماز) نہیں پڑھی۔

ہشامؓ بن عروۃ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ (حضرت عائشہؓ) سفر میں چار رکعت پڑھا کرتیں۔

میں نے عرض کیا کاش آپ دو رکعتیں پڑھتیں۔

انہوں نے فرمایا: اے میرے بھانجے یہ میرے لیے کچھ بوجھ نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسافر کی نماز اگر دو رکعت ہوتی تو حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ مکمل نماز کیوں پڑھتے؟ اور نہ مسافر کو مقیم کے ساتھ مکمل نماز پڑھنے دیتے۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ سب کچھ کیا، مکمل بھی کی اور قصر بھی کیا (خبر) حضرت ابراہیم بن محمد نے طلحہؓ بن عمر سے، انہوں نے عطاء بن رباح سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے سفر میں (نماز) مکمل بھی پڑھی اور قصر بھی کیا۔ بیہقیؒ بتاتے ہیں کہ ایسے ہی مغیرۃ بن زیاد نے عطاء سے روایت کیا ہے اور سند کے لحاظ سے زیادہ صحیح روایت ابو بکر حارثی نے ہمیں بتائی، انہوں نے دارقطنی سے انہوں نے محاملی سے انہوں نے سعید بن محمد بن ایوب سے انہوں نے ابو عاصم سے انہوں نے عمر بن سعید سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت

کیا کہ آپ سفر میں مکمل نماز بھی پڑھتے قصر بھی کرتے، روزہ بھی رکھتے اور افطار بھی کرتے۔

دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ پھر اس کے بعد ابوبکر نیشاپوری کی سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عباس دوری سے انہوں نے ابونعیم سے انہوں نے علاء بن زہیر سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن اسود سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مدینہ سے مکّہ تک سفر عمرہ کیا۔ عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پہ قربان میں نے قصر بھی کیا اور مکمل نماز بھی پڑھی روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضؓ تم نے اچھا کیا اور میں نے شیخ الاسلام

حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کی حیثیت

ابن تیمیہؒ کو فرماتے سنا کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضؓ پر جھوٹی تہمت ہے (اور حقیقت یہ ہے) کہ حضرت عائشہ رضؓ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضؓ کے خلاف دوسرے طریقہ پر نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں جب کہ انہیں قصر کرتے دیکھ چکی تھیں، پھر یہ کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے کہ بغیر کسی سبب کے وہ مکمل نماز پڑھتے لگتیں؟ حالانکہ انہیں کی روایت ہے کہ نماز کی دو رکعتیں فرض کی گئیں۔ پھر حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ اور سفر کی نماز ویسے ہی (دو رکعتوں کی صورت میں) رہنے دی گئی۔ پھر یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ (حضرت عائشہ رضؓ اللہ کے فرائض میں زیادتی کرتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضؓ کی مخالفت کرتیں۔

امیہ بن خالد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے کہا کہ ہم حضر کی نماز خوف قرآن میں پاتے ہیں لیکن قرآن میں نماز سفر نہیں ملتی۔ تو حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا اے میرے بھائی بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا اور ہم کچھ نہ جانتے تھے تو اب جس طرح ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

کو کرتے دیکھا اسی طرح ہم بھی کرتے ہیں۔

اور حضرت انسؓ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے۔ آپ مدینہ واپس تشریف لاتے تک دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی (سفر میں) رفاقت کی۔ آپؐ اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کوئی بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتا اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔

سفر کی حالت میں سنّت پڑھنے کی ضرورت نہیں

آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے بہ حالت سفر فرض سے پہلے یا بعد میں وتر اور فجر کی سنتوں کے علاوہ (دوسری سنتیں) پڑھی ہوں۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم وتر اور فجر کی سنّت کو سفر و حضر کسی موقع پر ترک نہ فرماتے۔

حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت کی ہے۔ آپ (سفر) میں کبھی تسبیح[1] نہ پڑھتے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

یعنی تمہارے لیے رسولؐ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔"

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ سواری کی پشت پر تسبیح (نوافل) پڑھتے تھے جدھر بھی اس کا رُخ ہوتا اور صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سفر میں اپنی سواری کی پشت پر نوافل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا رُخ ہوتا اس سے وہ نمازِ شب (تہجد وغیرہ) مراد لیتے تھے۔ لیکن فرائض (سواری پر نہ پڑھتے) البتہ وتر سواری پر ادا کر لیتے تھے۔

---

[1] تسبیح سے مراد سنت ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ رات کو نوافل پڑھتے۔ حالانکہ (فرائض) میں آپ قصر کر رہے ہوتے۔

اور صحیحین میں عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سفر میں رات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو سواری کی پشت پر نوافل پڑھتے دیکھا۔ یہ قیام اللیل تھا۔ یعنی تہجد کی نماز تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ سے سفر میں نوافل کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

میرا خیال ہے کہ بہ حالت سفر نوافل پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ سفر کرتے تو فرض نماز سے قبل اور بعد نوافل پڑھا کرتے یہ طریقہ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، جابرؓ، انسؓ، ابن عباسؓ اور ابو ذرؓ سے مروی ہے۔ البتہ حضرت ابن عمرؓ فرائض سے قبل اور بعد میں نوافل نہ پڑھتے تھے۔ ہاں درمیان شب میں وتر کے ساتھ (نوافل پڑھ لیتے) فرضے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت طیبہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قصر نماز (فرض) سے قبل اور بعد میں (نوافل) نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ اس سے قبل یا بعد میں پڑھنے سے منع فرماتے کیونکہ محض تطوع (رضاکارانہ فعل) ہے نہ کہ سنن راتبہ جو اقامت کی صورت میں ضروری اور لازمی ہوتی ہیں۔

رہی حضرت عائشہؓ کی وہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے قبل چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے اور اسے بخاریؒ نے صحیح بخاری میں روایت بھی کیا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس بات کی صراحت نہیں ہوتی کہ آپؐ نے (ظہر کی قبل یا بعد کی سنتیں) سفر میں بھی ادا کی ہیں۔ بلکہ خیال یہ ہے کہ بخاریؒ نے آپؐ کا معمول بتایا ہے، جب آپ سفر میں نہ ہوتے اور سفر کے حالات سے عورتوں کی نسبت مرد زیادہ واقف ہوتے

ہیں اور حضرت ابن عمرؓ بتا چکے ہیں کہ آپؐ نے دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی اور خود حضرت ابن عمرؓ بھی اس سے قبل یا بعد میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

سواری پر نفل پڑھ لینے کا جواز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنتِ طیبّہ یہ تھی کہ آپ نوافل سواری پر بھی پڑھ لیتے خواہ جس طرف اس کا رخ ہوتا۔ رکوع و سجود اشاروں سے کرتے آپ کا سجدہ رکوع سے قدرے نیچا ہوتا۔

اور احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے۔ آپ تکبیر افتتاح (تحریمہ) میں اپنی اونٹنی کو قبلہ رُخ کر لیتے۔ پھر باقی تمام نماز اس سمت میں پڑھتے رہتے جس طرف اونٹنی جا رہی ہوتی۔ اس حدیث میں شبہ ہے۔ تمام رواۃ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز کا حال بیان کیا ہے۔ انہوں نے مطلق بات کہی ہے کہ آپ سواری پر نماز پڑھتے خواہ سواری کا رُخ کسی طرف ہوتا۔ نہ تکبیر تحریمہ وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عامر بن ربیعہؓ، عبداللہ بن عمرؓ جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے اور ان حضرات کی احادیث حضرت انسؓ کی روایت سے زیادہ صحیح ہیں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے اور آپؐ نے راحلہ پر اور حمار پر بھی نماز پڑھی۔ اگر یہ روایت صحیح ہو، اسے مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ کی (سند) سے نقل کیا ہے۔

بارش اور کیچڑ کے باعث (آپ نے اصحابہؓ) کے ساتھ سواریوں پر بھی فرض نماز پڑھی اگر یہ روایت صحیح ہو۔

احمدؒ ترمذیؒ اور نسائیؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ ایک تنگ جگہ پر پہنچے آپؐ اپنی سواری پر تھے اور اوپر آسمان تھا اور نیچے کیچڑ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا، اس نے اذان دی اور اقامت کہی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سواری پر سوار آگے بڑھے اور اشاروں سے نماز پڑھائی اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھک کر کیا۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے جس میں عمر بن رباح منفرد ہیں لیکن حضرت انسؓ کے فعل سے یہ ثابت ہے۔

دو وقت کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنے کی اجازت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت

طیبہ یہ تھی کہ جب آپ سورج ڈھلنے سے قبل سفر اختیار کرتے۔ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے اور پھر دونوں کو جمع فرماتے اور اگر سفر شروع کرنے سے قبل سفر اختیار فرماتے تو ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے اور جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کو عشاء کے قریب تک مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھتے۔

حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر بن محمد بن احمد بن بالویہ نے انہیں موسیٰ بن ہارون نے انہیں قتیبہ بن سعید نے انہیں لیث بن سعد نے بتایا انہیں یزید بن ابی حبیب سے انہیں ابی طفیل سے انہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایت ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ تبوک میں تھے۔ جب آپ سورج ڈھلنے سے پیشتر سفر اختیار فرماتے تو ظہر کا وقت مؤخر کر لیتے۔ یہاں تک کہ آپ عصر کے قریب لے آتے اور دونوں کو جمع کر لیتے اور جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر اختیار فرماتے تو ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ لیتے۔ پھر چل پڑتے اور جب مغرب سے قبل سفر کرتے تو مغرب کو مؤخر کرتے تاآنکہ عشاء کے ساتھ اسے ادا کرتے اور جب مغرب کے بعد سفر فرماتے تو عشاء میں جلدی کر لیتے اور اسے مغرب کے ساتھ ہی پڑھ لیتے۔ حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور شاذ الاسناد والمتن ہے اور اس کو معلّل بھی نہیں سمجھتے کہ معلول کہہ سکیں۔

اور اسحٰق بن راہویہ نے روایت کی ہے کہ انہیں شبابہ سے انہیں لیث سے، انہیں عقیل سے انہیں ابن شہاب سے انہیں حضرت انسؓ سے

روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر اکٹھی پڑھتے۔

یہ سند آپ کے سامنے ہے شبابہ دراصل شبابہ بن سوار ثقہ ہے اس کی روایت سے استدلال پر اتفاق ہے اور امام مسلمؒ نے اس کی روایت حضرت لیث بن سعد سے شیخین کی شرط کے مطابق اس سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ اس سے حضرت معاذ کی روایت کو قوّت ملتی ہے۔ اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے لیکن اس میں جمع تقدیم نہیں۔

ابو داودؒ فرماتے ہیں، ہشام نے عروۃ سے انہوں نے حسین ابن عبداللہ سے انہوں نے کریب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے حدیث مفصل یعنی جمع تقدیم کے متعلق حضرت معاذؓ کی روایت کی طرح روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس نے کریب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سفر کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز نہ بتاؤں؟ جب سورج ڈھل جاتا وہ اپنے گھر میں زوال کے وقت ظہر وعصر کی نماز اکٹھی پڑھتے اور جب سورج ڈھلنے سے قبل سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے اور دونوں کو عصر کے وقت میں ادا کرتے۔

راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے انہوں نے یہی بات مغرب اور عشاء کے متعلق کہی تھی۔

اور اسماعیل بن اسحاق نے بتایا کہ انہیں اسماعیل بن ابی اویس نے انہیں ان کے بھائی نے انہوں نے سلیمان بن مالک سے انہوں نے ہشام بن عروۃ سے انہوں نے کریب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب سفر میں جلدی ہوتی۔ تو آپ سورج ڈھلنے سے

قبل نکلتے، سوار ہوتے اور چل پڑتے، پھر اترتے، ظہر اور عصر کو جمع فرماکر پڑھتے اور اگر سورج ڈھلنے تک نہ چلتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ادا کر کے پھر سوار ہوتے جب سوار ہونے کا ارادہ فرماتے اور (دوسری طرف) نماز مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا تو مغرب و عشاء کو جمع فرماتے۔

ابو العباس بن شریح بتاتے ہیں کہ یحیٰی بن عبدالحمید نے ابو خالد احمر سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے حکم سے انہوں نے مقسم سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھ لیتے اور اگر سورج ابھی نہ ڈھلا ہوتا تو ظہر کو مؤخر کرتے۔ آخر کار عصر کے وقت سے ایک ساتھ ادا کرتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمع تقدیم اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ عرفہ میں وقوف کی خاطر آپ نے ظہر اور عصر کو جمع کیا تاکہ دعا کے وقت سے متصل ہو جائے۔ اور باوجود اس کے کہ نماز عصر کی ادائیگی بغیر تکلیف کے ممکن ہوتی۔ پھر بھی اتر کر اسے منقطع نہ فرماتے، اس لئے مشقت اور ضرورت کے باعث جمع (بین الصلوٰتین) اولیٰ ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ معرفہ کے دن عصر کا مقدم کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ یہ دعا کے ساتھ ہی متصل ہو جائے۔ اس لئے اسے نماز عصر سے قطع نہ کیا جائے اور مزدلفہ میں مناسب یہ ہے کہ سفر برابر جاری رہے اور مغرب کے لئے اتر کر اس کو منقطع نہ کیا جائے، کیونکہ اس طرح لوگوں کو بہت ہی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سفر میں تعجیل کے وقت جمع بین الصلاتین کی اہمیت

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت طیبہ یہ نہ تھی کہ سواری کی حالت میں جمع بین الصلاتین کرتے۔ جیسا کہ اکثر لوگ کیا کرتے ہیں اور نہ حالت نزول میں یہ عادت طیبہ تھی۔ یہ صرف

اس وقت ہوتا جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی - اور جب آپ نماز کے بعد چل رہے ہوتے جیسا کہ ہم تبوک کے متعلق بتا چکے ہیں۔

اور عرفہ کے سوا آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے بغیر سفر کے نماز جمع کی ہو، تاکہ وقوف کا اتصال ہو جائے جیسا کہ شافعیؒ اور ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے فرمایا، یہی وجہ ہے کہ (جمع بین الصلوتین، کو ابو حنیفہؒ نے عرفہ سے مختص بتایا ہے اور اسے قربانی کا تتمہ قرار دیا ہے اور ان کے خیال میں سفر کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

البتہ احمد و مالکؒ اور شافعیؒ نے اس کا سبب سفر قرار دیا ہے۔ یہ مختلف الرائے ہو گئے - اس لیے شافعیؒ اور احمدؒ نے ایک روایت کے مطابق سفر طویل کو اس کا سبب قرار دیا ہے اور اہل مکّہ کے لیے اسے جائز قرار نہیں دیا - امام مالکؒ اور احمدؒ نے دوسری روایت کے مطابق اہل مکّہ کے لیئے عرفات میں قصر اور جمع کو جائز بتایا ہے اور ہمارے شیخ نے اسے اختیار کیا ہے - اور ابو الخطاب نے عبادات میں اسے (اختیار کیا ہے) پھر ہمارے شیخ نے اسے رد کیا ہے، اور چھوٹے اور طویل سفر میں اسے قصر اور جمع کرنے کے متعلق وجہ جواز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سلف کی کثیر جماعت کا مذہب ہے۔ امام مالکؒ اور ابو خطابؒ نے اہل مکّہ کے لیے مخصوص بتایا ہے - اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امّت کے لیے قصر و افطار (سفر میں روزہ نہ رکھنے) میں سفر کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ سفر مطلق میں آپ نے اسے مطلق چھوڑ دیا، جیسا کہ ہر سفر میں تیمم کو مطلق کر دیا ــــ اس سلسلہ میں آپ سے صحت کے ساتھ کچھ بھی منقول نہیں ہے۔

اور ایک دن، دو دن یا تین دن کی تحدید جو مروی ہے۔ تو اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

تلاوتِ قرآن

لحن و ترتیل کے ساتھ یا سادگی سے؟

موافق اور مخالف مسلک آپ کا معمول تلاوت میں ترتیل تھا۔ تیزی اور سرعت کے ساتھ تلاوت نہ کرتے بلکہ ایک ایک حرف کر کے واضح طور پر تلاوت فرماتے۔ آپ ایک ایک آیت کی تلاوت وقفہ کر کے کرتے اور مد کے حروف کو کھینچ کر پڑھتے مثلاً "رحمٰن" اور "رحیم" کو مد سے پڑھتے اور تلاوت کے آغاز میں آپ شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگتے اور پڑھتے: اعوذ باﷲ من الشیطٰن الرجیم

اور گاہے گاہے یوں پڑھتے: اللھم انی اعوذبك من الشیطان الرجیم من ھمزہٖ ونفخہ ونفثہٖ۔ آپ تلاوت سے قبل تعوذ پڑھتے اور دوسروں سے قرآن مجید سننا پسند فرماتے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم فرمایا تو انہوں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ آپ سن رہے تھے۔ اس موقع پر اس قدر خشوع طاری ہوا کہ آپؐ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

آپ کھڑے کھڑے، بیٹھ کر، لیٹ کر، وضو اور بغیر وضو کے، جنابت کے علاوہ (ہر حالت) میں قرآن پاک پڑھ لیتے اور اس کی تلاوت سے منع نہ فرماتے اور آپ بہترین انداز سے تلاوت فرماتے اور کبھی کبھی آپ کی آواز لوٹ آتی جیسا کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا پڑھتے وقت آپ کی آواز لوٹ گئی اور عبداللہ بن مغفل نے آپ کی ترجیع کی کیفیت تین بار اٰ اٰ اٰ کی صورت میں

بیان کی۔ (بخاری) اور جب آپ کی مندرجہ ذیل احادیث کو جمع کیا جائے۔

۱۔ "قرآن پاک کو اپنی آوازوں سے زینت بخشو"

۲۔ "جو قرآن میں تغنی سے تلاوت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں"

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس سے زیادہ اذن نہیں دیا جیسا کہ اچھی آواز کا احسان کیا ہے کہ وہ قرآن کو تغنی کے ساتھ پڑھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (آواز میں) ترجیع اونٹنی کو چلانے کے لیئے اضطراری امر نہ تھی بلکہ قصداً تھی۔ کیونکہ اگر یہ اونٹنی کو ہنکانے کے لیے ہوتی تو قصد کے ضمن میں داخل نہ ہوتی اور نہ حضرت عبداللہ بن مغفل اس کی حکایت کرتے اور آپ اسے از خود کرتے تاکہ سکون حاصل کریں اور آپ دیکھتے کہ اس طرح اونٹنی تیز چل پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی آواز منقطع ہو جاتی۔ پھر بتاتے ہیں کہ "آپ قرأت میں ترجیع کیا کرتے۔ اس لیے ترجیع ان کے فعل کی طرف منسوب کی گئی اور اگر محض اونٹنی ہنکانے کے لیئے ہوتا تو آپ سے قصداً ترجیع ہوتی۔

ایک شب آپ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی تلاوت سُنی جب (ابو موسیٰؓ) کو خبر دی گئی تو کہنے لگے: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو آپ کی خاطر از حد حسین اور اچھے انداز میں تلاوت کرتا اور اپنی آواز سے خوب زینت دیتا۔

اور ابو داؤدؒ نے سنن میں عبد الجبار ورد سے نقل کیا ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے ابن ابی ملیکہ کو کہتے سنا کہ عبداللہ بن یزید نے بتایا کہ ہمارے پاس سے ابو لبابہؓ گزرے۔ ہم ان کے پیچھے چل پڑے۔ آخر وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ اچانک ایک آدمی کو جس کی (ظاہری) حالت کمزور تھی۔ میں نے کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

جو قرآن مجید کو تغنی سے (اچھی آواز سے) نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

راوی نے بتایا کہ پھر میں نے ابن ابی ملیکہ سے کہا۔ اے ابو محمد: اگر انسان کی آواز اچھی نہ ہو تو پھر کیا کرے؟

وہ فرمانے لگے جہاں تک ہو سکے اسے اچھا بنائے۔

میری رائے میں اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں لوگوں کے اختلاف ہر فریق کے طریق واصول احتجاج اور صحیح صورت مسئلہ کا ذکر ضروری اور لازمی ہے۔

اور یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد ونصرت سے صحیح مذہب کونسا ہے؟

ایک گروہ کا خیال ہے، الحان کی قرأت مکروہ ہے۔ یہ مذہب امام احمدؒ اور مالکؒ وغیرہ کا ہے۔ امام احمدؒ نے علی بن سعید کی روایت میں الحان کی قرأت کے متعلق فرمایا ہے کہ مجھے یہ اچھی نہیں لگتی۔ بلکہ یہ محدث (بدعت) ہے مروزی کی روایت کے مطابق آپؒ نے الحان کو بدعت قرار دیا ہے اور (فرمایا ہے) کہ اسے نہ سننا چاہیئے۔

عبدالرحمٰن متطبب کی روایت کے مطابق بھی آپؒ نے الحان کی قرأت کو بدعت کہا ہے۔

ان کے لڑکے عبداللہ (نیز) یوسف بن موسیٰ، یعقوب بن حبان، اثرم، ابراہیم بن حارث کی روایت کے مطابق الحان کی قرأت کے متعلق آپؒ نے فرمایا کہ یہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ ہاں! اگر ایسی پُرسوز ہو (تو پھر ہرج نہیں) جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ پڑھا کرتے تھے۔

اور صالح کی روایت ہے آپ نے فرمایا۔ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔ یعنی خوش آوازی سے پڑھو! اور مروزی کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی پر حُسنِ صوت سے زیادہ اذن نہیں دیا تاکہ وہ قرآن مجید کو تغنی سے پڑھے اور ایک یہ قول بھی منقول ہے کہ:

"جس نے تغنی کے ساتھ قرآن نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں"

تو ابن عیینہ فرماتے ہیں قرآن تغنی سے پڑھنا چاہیئے۔

شافعیؒ فرماتے ہیں آواز بلند کرے۔ ان کے سامنے سورہ فتح کے واقعہ اور ترجیع کے متعلق معاویہ بن قرۃ کی روایت بیان کی گئی تو ابوعبداللہ نے اس کو الحان کے معنی میں ماننے سے انکار کر دیا، جن روایات سے الحان کی رُخصت پر استدلال کیا جاتا ہے ان کا انکار کیا۔

ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا کہ ان سے نماز میں الحان کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ فرمانے لگے کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ اور فرمایا کہ یہ تو غناء ہے، لوگ اس طرح گاتے ہیں تاکہ اس پر چند دراہم مل جائیں۔

وہ حضرات جن سے ان کی کراہت منقول ہے وہ یہ ہیں: انس بن مالکؒ، سعید بن مسیب سعیدؓ بن جبیر، قاسمؒ بن محمد، حسنؒ، ابن سیرینؒ، اور ابراہیم نخعیؒ۔

اور عبداللہ بن یزید عکبری نے بتایا کہ میں نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ امام احمدؒ سے دریافت کرتا تھا کہ الحان سے تلاوت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

انہوں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے کہا محمدؐ۔

تو فرمانے لگے، اگر تجھے موحمد کھینچ کر کہا جائے تو کیا پسند ہوگا؟

قاضی ابو یعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ یہ کراہت بیان کرنے میں مبالغہ ہے (یعنی از حد مکروہ ہے۔

حسن بن عبدالعزیز حمروی نے کہا کہ ایک آدمی نے وصیت کی اور ترکہ میں ایک لونڈی چھوڑی جو الحان سے قرآن پڑھتی تھی۔ تو میں نے احمد بن حنبل اور حرث بن مسکین اور ابو عبید سے دریافت کیا کہ میں اسے کیسے فروخت کروں؟ تو وہ کہنے لگے اسے سادہ طور پر (یعنی نہایت معمولی نرخ پر) فروخت کر دو۔ میں نے انہیں اس میں ہونے والا نقصان بتایا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ اسے سادہ طور پر کم نرخ پر بیچ دو۔ قاضی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس لئے یہ فرمایا کہ اس لونڈی سے سماع مکروہ تھا۔ اس لئے اس پر گانے کی طرح اُجرت لینا جائز نہیں۔ ابن بطال فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ تغنی بالقرآن کا مطلب اچھی آواز سے تلاوت، قرأت میں ترجیع اور آواز و لحن میں تحسین ہے۔ نیز بتایا کہ یہ ابن مبارکؒ اور نضر بن شمیل کا قول ہے

اور جن لوگوں کے نزدیک قرآن کو الحان سے پڑھنا جائز ہے، ان کے بارے میں طبریؒ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ ابو موسیٰؓ سے کہا کرتے کہ ہم نے پروردگار کا صرف ذکر کیا اور ابو موسیٰؓ پڑھتے ہیں اور الحان کرتے ہیں اور فرمایا کہ جو قرآن میں ابو موسیٰؓ کی طرح تغنی کر سکے تو اسے مناسب ہے۔

اور حضرت عتبہؓ بن عامر قرآن مجید (تلاوت میں) سب لوگوں سے زیادہ اچھی آواز میں پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان سے کہنے لگے کہ میرے سامنے فلاں سورت پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے تلاوت کی سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور فرمایا۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ نازل ہو چکی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ نے اس کی اجازت دی ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن ابی یزید رمضان کے مہینہ میں مساجد میں اچھی آواز کی تلاش کیا کرتے اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ الحان کے ساتھ قرآن مجید سنا کرتے اور محمد بن عبدالحکیم بتاتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور امام شافعیؒ اور یوسف بن عمروؒ کو لحن سے قرآن پاک سنتے دیکھا۔ ابن جریر طبریؒ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

لحن کو جائز قرار دینے والے بتاتے ہیں کہ ابن جریر کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ حدیث کا مطلب تحسین آواز اور غنائے معقول ہے کہ قاری سننے والے کو غمزدہ بنا دے ابوالحسن بطال نے بتایا ہے کہ اس مسئلہ میں اس روایت سے بھی اشکال واقع ہو جاتا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا انہیں زید بن حباب سے انہیں موسیٰ بن ابی رباح سے انہیں اپنے والد سے انہیں عقبہ بنؓ عامر سے روایت ملی کہ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قرآن سیکھو اور اسے تغنی سے پڑھو اور اسے لکھو۔ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ بہت جلد حافظہ سے نکل جاتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ عمر بن ابی شیبہؒ نے بتایا کہ ابو عاصم نبیل کے سامنے تغنی بالقرآن کے سلسلہ میں ابن عیینہؒ کی تاویل ذکر کی گئی کہ "اس سے استغناء چاہتے ہیں" تو انہوں نے فرمایا: ابن عیینہ نے کچھ بھی نہیں کیا۔

ہمیں ابن جریج سے انہیں عطاء بن عبید بن عمیر سے روایت ملی کہ حضرت داؤد علیہ السّلام کے پاس معزفہ (باجہ) تھا، جس سے آپ غنا کے ساتھ تلاوت کرتے، خود روتے اور دوسروں کو رلاتے تھے۔

اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (حضرت داؤد) علیہ السّلام ستر لحنوں میں زبور پڑھتے تھے اور ایسے طریقے سے پڑھتے کہ عام لوگ اس سے طرب حاصل کرتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ابن عیینہ کی تاویل کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگے ہم اسے

بہتر جانتے ہیں۔ ان کا مطلب استغناء کا ہوتا تو فرماتے من لم یستغن باالقرآن لیکن جب آپؐ نے یتغنی باالقرآن فرمایا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان کا مطلب تغنی ہے۔ فرماتے ہیں تحسین آواز اور تلاوت میں تزیین و تطریب ایسی چیز ہے کہ جو نفوس میں مؤثر، سماع کی داعی اور اس طرف مائل کرنے میں خوب (اثر رکھتی) ہے۔ تو گویا اس طور پر الفاظ میں سننے والوں کے لیے میلان اور قلوب میں ان کے معانی کی تنفیذ میں (شدت) پیدا ہو جاتی ہے اور حصول مقصد میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ گویا یہ کڑوی دوا میں مٹھاس ہے جس سے مقامِ مرض تک دوا کی رسائی آسانی سے ہو جاتی ہے اور کھانے میں خوبی پیدا کرنے اور مسالہ جات کے قائم مقام ہے تاکہ طبیعت اسے قبول کرنے پر راغب ہو سکے۔ جس طرح ایک عورت اپنے مرد کے لیئے خوشبو زیورات اور حسن پیدا کر کے جاذبیت پیدا کرتی ہے تاکہ مقاصد نکاح پورے ہو سکیں۔

اور کہتے ہیں کہ چونکہ آدمی کے لیئے طرب اور اشتیاقِ غنا ایک لازمی امر ہے اس لیئے طرب غنا کی بجائے طربِ قرآن متعین کیا گیا جیسے کہ ہر حرام و مکروہ کے عوض میں بہتر چیز مقرر ہوئی اور تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنے کی بجائے استخارہ مقرر ہوا۔ جو توحیدِ خالص اور توکل سے عبارت ہے اور بدکاری کی جگہ نکاح، جوئے کی جگہ نیزوں سے مسابقت اور سماعِ شیطانی کی بجائے سماعِ رحمانی قرآنی متعین ہوا۔ اور اس کے نظائر کثرت سے ملتے ہیں اور حرام چیز زیادہ تر یا کلیتاً مفسدہ پر مشتمل ہوتی ہے اور تطریب و لحن سے پڑھنے میں کوئی ایسا (مفسدہ) نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ وضعی کلام سے خارج نہیں ہوتی اور سامع اور اس کے فہم میں آڑ نہیں بنتی، بلکہ اس کے برعکس صورت ہوتی ہے۔

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ لحن و طرب کلمات کو ان کی اصل وضع سے نکال دیتے ہیں اور سامع اور اس کے فہم و درک میں حائل ہوتے ہیں۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ حالات و واقعات اس کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ "یہ تلحین و تطریب ایک ایسا امر ہے جو کبھی تو کیفیت ادا کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی سلیقہ اور امر طبعی پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی تکلف اور بناوٹ سے عبارت ہوتا ہے اور کیفیات ادائے کلام کو اس کے مفردات کو وضع سے خارج نہیں کرتیں بلکہ یہ تو آواز نکالنے والے کی آواز کی صفات ہوتی ہیں، جو (آواز کو) باریک اور موٹا کرنے اور اس میں امالہ کرنے، قاری کی طویل و متوسط مد کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کیفیات صرف حروف کے ساتھ

تعلق رکھتی ہیں اور الحان و تطریب کا آوازوں سے تعلق ہوتا ہے اور ان کیفیات کے آثار نقل کرنا ناممکن ہے۔

ہاں ادائے حروف کی (کیفیات قدرے بیان ہو سکتی ہیں) اس لئے ہم اس کے الفاظ نقل کرتے ہیں، لیکن یہ مکمل نقل نہ ہوگی بلکہ صرف ممکن حد تک ہم اسے نقل کر سکیں گے جیسا کہ سورہ فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع اس طرح بیان ہوئی: آآآ۔

تطریب و تلحین دو باتوں سے عبارت ہے۔ مدّ اور ترجیع۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ رحمٰن اور رحیم پڑھتے۔ وقت مد کو کھینچتے (طویل کر کے پڑھتے) نیز گزشتہ صفحات میں آپ سے ترجیع بھی ثابت ہو چکی ہے۔

(لحن) کے مانعین نے کئی طرح کے استدلال دیئے ہیں۔ ایک روایت حضرت حذیفہؓ بن یمان سے ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ:

قرآن پاک کی عرب کے لحن اور آواز میں تلاوت کرو۔ اور اہل کتاب اور فساق کے لحن سے بچو۔ کیونکہ عنقریب میرے بعد ایسی اقوام آئیں گی جو قرآن پاک کو غناء اور نوحہ کے انداز میں پڑھیں گی (قرآن) ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا۔ ان کے قلوب فتنہ میں مبتلا ہوں گے اور ان کے قلوب بھی (مفتون ہوں گے) جنہیں وہ اپنی شان دکھا رہے ہوں گے اسے ابوالحسن اور زرین نے تجرید الصحاح میں روایت کیا اور ابو عبداللہ حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں نقل کیا ہے۔

قاضی ابویعلیٰؒ نے جامع میں اس سے اور اس کے ساتھ ایک اور حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط قیامت ذکر فرمائیں اور ان میں سے اس کا بھی تذکرہ کیا کہ قرآن کو باجہ (گانا) تصور کر لیا جائے گا۔ ایک آدمی جو نہ زیادہ پڑھا ہوا اور نہ افضل ہوگا محض اس وجہ سے ان کے سامنے تلاوت کرے گا کہ وہ اسے غناء کے انداز میں گائے گا اور فرمایا کہ زیاد نہدی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس قراء کو لے کر آیا۔ اس سے کہا گیا کہ پڑھو تو اس نے آواز بلندکی اور طرب انگیز طریقہ (سے پڑھا) اس کی آواز بلند تھی، حضرت انس نے اپنا چہرہ کھولا، آپ کے چہرہ پر سیاہ دھجی تھی اور فرمایا:

اے شخص وہ تو اس طرح نہ پڑھتے تھے۔

اور جب حضرت (انس رضی اللہ عنہ) کوئی غلط بات دیکھتے تو اپنے چہرہ سے دھجی اٹھاتے اور منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طرب انگیز مؤذن کو اذان میں طرب پیدا کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ ابن جریج نے حضرت عطاء سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طرب انگیز طریقہ پر اذان پڑھنے والا ایک مؤذن تھا آپ نے فرمایا کہ اذان آسان اور سہل ہے۔ اگر تیری اذان آسان اور سہل ہو (تو اذان دے) ورنہ اذان مت دے۔ (دار قطنی)

اور عبد الغنی بن سعید حافظ نے حضرت قتادہ سے انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت مد سے ہوتی جس میں ترجیع نہ تھی۔

اور منقول ہے کہ ترجیع و تطریب میں غیر مہموز ہمزہ اور غیر ممدود مد ہوتی ہے اور ایک الف کی ترجیع میں کئی الف ایک واؤ میں کئی واؤ اور ایک یاء کی ترجیع میں کئی یاء بن جاتی ہیں یہ قرآن مجید (کے الفاظ میں) زیادتی ہے اور یہ ناجائز ہے۔

اور جو سلف کے حالات سے کچھ باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ تکلفات اور موسیقی کے الحان کے ساتھ تلاوتِ قرآن سے بیزار تھے، جو محدود گنی چنی موزوں کردہ حرکات و ایقاع کا نام ہے اور وہ اس انداز کی تلاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے از حد خائف تھے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) تحزین و تطریب سے پڑھتے اور قرآن میں اپنی آوازوں کو خوبصورت بناتے۔ کبھی تو غمناک طریقہ سے اور کبھی طرب اور اشتیاق آمیز طریقہ سے تلاوت کرتے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو عین اقتضائے طبیعت ہے اور شدتِ تقاضائے طبائع کے باعث شارع علیہ السلام نے اسے ممنوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اسے مستحب فرمایا اور بتایا کہ جو اس طرح پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت سنتا ہے اور فرمایا جو قرآن کو تغنی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

اور اس روایت میں دو وجوہ ہیں ایک امر واقع ہے۔ جس پر ہم سب عمل پیرا ہیں اور دوسرا اس طریقہ کی مخالفت جو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالف طریقہ و سنّت پر ہو۔

مریضوں کی عیادت

مریضوں کی عیادت میں مسلم، کافر، مشرک کی قید نہیں

کافر خادم کی عیادت صحابہ میں سے جو بیمار ہو جاتا آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔

اہل کتاب میں سے ایک آپؐ کا خادم تھا آپؐ نے اُس کی بھی عیادت کی۔ آپ نے اپنے چچا کی عیادت کی، حالانکہ وہ مشرک تھے۔ ان دونوں پر آپؐ نے اسلام پیش کیا۔ چنانچہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

آپؐ مریض کے قریب تشریف لے جاتے اور اس کے سرہانے بیٹھتے اس کا حال دریافت فرماتے اور پوچھتے کیسے ہو؟۔

منقول ہے کہ آپ مریض سے پوچھتے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ فرماتے کہ کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ اگر وہ کچھ چاہتا اور آپ سمجھتے کہ یہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں تو اُسے کھانے کا حکم فرماتے۔ آپ مریض پر داہنا ہاتھ پھیرتے اور دعا پڑھتے

اللھم رب الناس اذھب الباس واشف انت الشافی لا شفاء ک لا یغادر سقمًا۔

یعنی: اے اللہ لوگوں کے پروردگار دکھ دور کر اور شفاء عطا فرمادے

تو ہی شفاء دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے کوئی شفا نہیں ہے۔ ایسی (شفاء)، کہ کوئی بیماری نہ رہنے دے۔

اور یہ دعا بھی پڑھا کرتے: امسح الباس رب الناس بیدك الشفاء لا کاشف له الا انت۔

یعنی: اُے لوگوں کے پروردگار دکھ ہٹا دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں شفاء ہے تیرے سوا کوئی (اس روگ) کو کھولنے والا نہیں۔

اور آپ مریض کے لیے تین بار دعا فرماتے، جیسا کہ آپ نے حضرت سعدؓ کے لیے دعا کی۔

اے اللہ سعدؓ کو شفاء دے اے اللہ سعد کو شفاء دے اے اللہ سعد کو شفا دے۔

اور جب آپ مریض کے پاس تشریف لاتے تو فرماتے، کوئی فکر نہیں ہے۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بسا اوقات فرماتے: یہ بیماری (گناہوں کا) کفّارہ اور طہور بن جائے گی۔

اور جس کے زخم یا پھوڑا یا کوئی تکلیف ہوتی آپؐ اس پر دم کیا کرتے۔ چنانچہ شہادت کی انگلی زمین پر رکھ دیتے۔ پھر اسے اٹھا لیتے اور پڑھتے۔

بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا يشفى سقيمنا باذن ربنا۔

یعنی "اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض کے لعاب سے ہمارے بیمار کو شفاء دے گی، ہمارے پروردگار کے اذن سے"۔

یہ صحیحین میں منقول ہے اور یہ ان الفاظ کے خلاف ہے جو اس روایت میں آتے ہیں کہ ستر ہزار ایسے ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ ایسے ہوں گے کہ نہ تو وہ دم کریں گے اور نہ دم کرائیں گے۔ تو واقعہ یہ ہے "لا یرقون دم نہ کریں گے"، کا لفظ راوی کی طرف سے بر بنائے غلطی اضافہ ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے سنا کہ یہ حدیث یوں ہے۔

کہ وہ ، وہ لوگ ہیں جو جھاڑ (پھونک) نہ کرائیں گے"؛ میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ یہ لوگ جنت میں اس وجہ سے داخل ہوں گے کہ ان کی توحید کامل ہو گی۔ انہیں اپنے پروردگار پہ ہر طرح توکل ہو گا، اسی کی طرف سکون ملے گا، اسی پر اعتماد کریں گے اور اسی سے راضی رہیں گے اور اپنی تمام ضروریات اسی کے سامنے پیش کریں گے وہ لوگوں سے جھاڑ پھونک کا اور نہ اس کے علاوہ کسی طرح کا سوال کریں گے اور نہ کوئی بدفالی اُن کے عزائم میں آڑے بن سکے گی۔ کیونکہ بدفالی (شگون) توحید کو ناقص اور کمزور کر دیتی ہے۔

(فرمایا) اور جھاڑ (دم) کرنے والا محسن ہے اور دم کرانے والا سائل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دم کیا ہے، دم کرایا نہیں اور فرمایا کہ جو تم میں سے اپنے بھائی کو نفع دے سکے اسے چاہیے کہ وہ ضرور نفع دے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صحیحین کی اس روایت کا کیا جواب ہو گا۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب بستر پر جاتے تو ہاتھ اکھٹے کر لیتے پھر ان پر پھونکتے اور قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونکا کرتے اور ان دونوں (ہتھیلیوں) کو جہاں تک ہو سکتا جسم پر مل لیتے اور سر سے شروع کرتے اور چہرہ سے یعنی وہ حصّہ جو جسم میں سے سامنے کا ہوتا، آپ تین مرتبہ ایسا کرتے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بیمار ہوتے تو آپؐ مجھے حکم دیتے کہ میں ایسا کروں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت تین طرح سے مروی ہے۔ ایک ابھی مذکور ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ اپنے جسم مبارک پر پھونک لیتے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ ان (سورتوں کو پڑھ کر) آپؐ پر پھونک دیا کرتیں اور برکت کی خاطر آپ دست مبارک کو جسد اطہر پھیرتیں۔

(اور چوتھے) الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذات پڑھتے اور پھونک لیتے۔

یہ الفاظ خود ایک دوسرے کی وضاحت کر رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خود اپنے آپ پر پھونک لیتے لیکن ضعف اور تکلیف کے باعث آپ اپنے سارے جسدِ اطہر پر ہاتھ پھیر سکتے۔ اس لیے حضرت عائشہؓ کو حکم دیتے کہ پھونک لینے کے بعد آپؐ کے ہاتھوں کو جسد اطہر پر پھیر دیں۔ تو یہ در اصل دم کرنا نہیں ہے اور نہ (حضرت عائشہ رض) نے فرمایا کہ آپؐ مجھے حکم دیتے کہ میں آپ پر دم کروں۔ بلکہ بات صرف اس قدر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خود اپنے آپؐ پر دم کر چکنے کے بعد (عائشہؓ) سے فرماتے کہ وہ آپ کے ہاتھوں کو (بدن مبارک) پر پھیر دیں۔ پھر (حضرت عائشہ رض) نے فرمایا کہ آپؐ مجھے حکم دیتے کہ بس یہ کروں، یعنی آپؐ کے ہاتھوں کو آپؐ کے جسدِ اطہر پر پھیر دوں جیساکہ آپ (صحت کی حالت میں) خود کرتے تھے۔

اور مریض کی عیادت کے لیئے کوئی دن مقرر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت طیبہ میں سے نہیں تھا۔ اور نہ اوقات میں سے کوئی متعین وقت تھا۔ بلکہ آپ دن رات تمام اوقات میں (حسبِ ضرورت) مریضوں کی عیادت فرماتے۔

اور مسند میں آپؐ سے منقول ہے کہ جب ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ جنت کے باغ میں چلتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے رحمت ڈھانپ لیتی ہے، چنانچہ اگر وہ صبح کو عیادت کرے) تو شام تک ستّر ہزار فرشتے اس کے لیئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کو (عیادت کرے) تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

ایک لفظ یہ ہے کہ جو مسلمان بھی دوسرے مسلمان کی عیادت کرے گا تو اللہ اُس کے لیئے ستر ہزار فرشتے بھیجے گا۔ جو اس کے لیئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے۔ یعنی دن کی کسی گھڑی میں (عیادت کی ہوگی) یہاں تک کہ شام ہو جائے اور رات کی کسی گھڑی میں (عیادت کی ہوگی) یہاں تک کہ صبح ہو جائے گی۔

اور آپؐ بیماری چشم کے مریضوں کی بھی عیادت فرمایا کرتے۔

اور کبھی آپؐ مریض کی پیشانی پر دست مبارک رکھتے، پھر اس کے سینہ اور پیٹ پر (ہاتھ) پھیرتے اور دعا کرتے۔ اے اللہ اسے شفا دے۔

اور آپؐ چہرے پر بھی (ہاتھ) پھیرتے اور جب آپؐ مریض سے مایوس ہو جاتے تو پڑھتے: إنا لله وإنا إليه راجعون. یعنی ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

نمازِ جنازہ

مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا مسجد کے باہر؟

میّت کے لئے دُعائے مغفرت جنازوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیبہ تمام دوسری اُمّتوں کے خلاف زیادہ کامل اور میّت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اچھائی پر مشتمل تھی۔

آپ ایسا طرز اختیار فرماتے، جس سے میّت کو قبر میں اور حشر کے دن نفع پہنچے، اور اس کے اہل و اقارب کے ساتھ اچھا برتاؤ جس سے ان کا غم کم ہو۔ اور زندہ لوگوں کی عبادت بھی آپؐ کے دل میں تھی۔

جنازوں میں آپ کی سنّتِ طیبہ تھی۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت مکمل طور پر قائم کرنا، میّت پر احسان اور اسے اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف احسن و افضل طریقہ پر روانہ کرنا صحابہؓ کا قطاروں کی صورت میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا۔ میّت کے لئے بخشش چاہنا اور مغفرت اور رحمت اور عفو و درگذر کی دعا کرنا، پھر اس کے آگے آگے چلنا یہاں تک کہ اسے لحد تک وداع کیا جائے۔

اس کے بعد آپؐ صحابہؓ سمیت قبر کے سامنے کھڑے ہوتے اور میّت کے لئے تثبیت کی دُعا کرتے جس کی اس وقت ضرورت ہوتی اور گاہے گاہے اس کی قبر پر تشریف لے جاتے۔ میّت کو سلام فرماتے۔ اور اس کے لئے دعا کرتے جس طرح دُنیا میں ایک قبیلہ ایک آدمی کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے

چنانچہ مریض کے ساتھ آپ کا پہلا سلوک حالت مرض میں تذکیر آخرت ہوتا آپ اسے وصیت اور توبہ کا حکم دیتے، اور جو اس کے پاس آتا اسے حکم دیتے کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کرے

تاکہ کلمہ طیّبہ اس کا آخری کلام ہو۔

پھر ان اقوام کی عادات کی ممانعت جو بعث و نشور (حشر و نشر) پر ایمان نہیں رکھتیں جیسے چہرے پر تھپڑ مارنا، کپڑے پھاڑنا۔ سر منڈوانا اور واویلا کرتے ہوئے آواز بلند کرنا وغیرہ۔

میّت کے لئے آنسو بہانا جائز ہے

اور میّت کے لئے خشوع اور ایسا گریہ کہ جس میں اور نہ ہو اور صرف دل ہی غمگین ہو سنت قرار آپ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے اور فرماتے تھے۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے، اور ہم و کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو۔

آپ نے اپنی اُمّت کے لئے حمد و استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون) اور اللہ راضی رہنا مسنون قرار دیا، اور یہ باتیں گریہ چشم اور غم دل کے منافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تما مخلوق میں سے سب سے راضی بقضاء اللہ اور سب سے زیادہ حمد کرنے والے تھے اور اس کے با اپنے صاحبزادے ابراہیم علیہ السّلام کی وفات پر وفور محبّت و رحمت و رقت کے باعث رو دیئے اور آپ کا قلب اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و شکر سے بھرپور اور زبان اس کے ذکر و حمد میں مشغول

اور بعض لوگوں کو اس بات میں اشکال ہو جاتا ہے کہ ایک عارف کا لڑکا فوت ہو گیا تو و ہنسنے لگا، پوچھا گیا کہ تو اس حالت میں ہنس رہا ہے؟

وہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امر کا فیصلہ فرمایا تو میں نے چاہا کہ اس کے فیصلہ پر راضی ہ جاؤں۔ تو اہل علم کی جماعت کو اس میں اشکال سا ہو گیا اور کہنے لگے کہ جس دن حضرت ابراہیم علیہ فوت ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رونے لگے؟ حالانکہ آپ تو تمام مخلوق سے زیادہ اللہ امر و فیصلہ) پر راضی ہیں اور یہ عارف اس قدر راضی ہوا کہ ہنس دیا؟

میں نے حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے سُنا کہ اس عارف کی سُنّت سے ہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت زیادہ کامل ہے، کیونکہ آپ نے عبد ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ا طرح آپؐ کا قلب رضائے الٰہی اور بچّے کے متعلق رحمت و رقت کے لئے وسعت اختیار کر گ چنانچہ آپؐ نے اللہ کے امر فیصلہ پر رضا ظاہر کی اور حمد بیان کی، اور رحمت و رقت کے باعث روئے۔ رقت نے آپؐ کو رونے پر، عبودیت اور اللہ کی محبت نے رضا و حمد

مجبور کر دیا۔ لیکن اس عارف کا قلب دو مختلف اوصاف کا متحمل نہ ہو سکا، اور دونوں کے شہود و قیام کے لئے اس باطن میں وسعت پیدا نہ ہو سکی اس لئے اس کی عبودیت رضا اس کی عبودیت رحمت و رقت میں آڑ بن گئی۔

میّت کی تطہیر و تجہیز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیّبہ یہ تھی کہ میت کی تطہیر و تجہیز اور خوشبو وغیرہ لگانے میں جلدی کرتے اور سفید کپڑوں میں تکفین کرتے۔

میّت لائی جاتی اور میّت لائے جانے کے بعد جب آپ کو بلایا جاتا آپ تشریف لاکر اس کے پاس ٹھہرتے، یہاں تک کہ تجہیز ہو جاتی اور پھر آپ نماز جنازہ پڑھتے اور اسے قبر تک پہنچاتے۔ پھر صحابہؓ نے محسوس کیا کہ یہ بات آپ کے لئے تکلیف دہ ہے، لہٰذا مریض کے فوت ہو جانے کے بعد آپؐ کو بلاتے، آپ تجہیز و غسل و کفن کے وقت موجود رہتے۔ پھر محسوس کیا کہ یہ بھی آپ کے لیے باعثِ مشقت ہے، تو صحابہؓ ہی تجہیز و تکفین کرتے اور چارپائی پر میت کو لے جاتے۔ آپؐ مسجد سے باہر اس کا جنازہ پڑھتے۔

اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آپ کی سُنّت مراقبہ نہیں، بلکہ آپ مسجد سے باہر ہی جنازہ پڑھا کرتے تھے اور گاہے گاہے مسجد میں بھی جنازہ پڑھ دیتے جیسا کہ آپ نے سہیل بن بیضاء اور اس کے بھائی کا مسجد میں جنازہ پڑھا لیکن یہ آپ کی سُنّت اور عادت میں شامل نہ تھا۔

اور سنن ابوداؤد میں صالح مولی توامۃ کی روایت سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے، اس کے لئے کچھ (اجر) نہیں۔

روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ خطیب نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ "اس پر کچھ نہیں اور دوسرے اولیت کرتے ہیں" کہ اس کے لئے کچھ نہیں۔ ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں۔ "فلیس لہٗ شیٔ" اس کے لیے کچھ نہیں، لیکن امام احمدؒ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

صالح راوی ائمہ اسماء الرجال کی نظر میں

امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ صالح موی توأمة کے منفردات میں سے ہے۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صالح کے منفرد ہوتے ہوئے ثقہ ہے اور حضرات عائشہؓ کی روایت اس سے زیادہ صحیح ہے، اور صالح کے عدل میں اختلاف ہے۔ مالکؒ اس پر جرح کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے مسجد میں نماز (جنازہ) پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ صالح فی نفسہٖ ثقہ ہے جیسا کہ عباس نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ فی نفسہٖ ثقہ ہے اور ابن ابی مریم اور یحییٰ نے کہا کہ ثقہ حجت ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ مالکؒ نے اسے ترک کیا ہے، تو وہ کہنے لگے کہ مالکؒ نے انہیں اس وقت پایا جب کہ (کبر سنی کے باعث) ان کے حواس جاتے رہے اور ثوریؒ کی ملاقات بھی اسی زمانہ کی ہے لیکن ابن ابی ذویبؒ نے اس حالت تک پہنچنے سے قبل ان سے (حدیث) کا سماع کیا اور علی بن فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔ ہاں البتہ (کبر سنی کے باعث) ان کے حواس درست نہ رہے تھے۔ ثوریؒ نے ان سے اس حالت کے بعد سماع کیا اور ابن ابی ذویب کا سماع اس سے قبل تھا اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کی (عقلی) حالت ایک سو پچیس ھ میں سے خراب ہوئی، اور ثقہ رجال سے ایسی روایات کرنے لگے جو موضوعات سے ملتی جلتی تھی اور ان کی قدیم اور جدید احادیث مختلط ہو کر رہ گئیں اور ان میں فرق نہ کیا جا سکا اس لئے ان کا ترک اولیٰ ہے۔ (　　)

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد میں نماز (جنازہ) پڑھائی اور یہ بھی معلوم ہے کہ عام مہاجرین و انصار بھی اس میں شریک ہوئے اور ان کا ترک انکار اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اور فرمایا، کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت تاویل سے اگر ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو کہ اجر میں کمی ہو جائے گی وہ اس طرح کہ، جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے، تو خیال یہ ہے کہ وہ واپس چلا جائے گا اور دفن میں شریک نہ ہو گا اور جو جنازہ کے ساتھ چلے اور قبرستان کے قریب جنازہ

پڑھے وہ دفن میں بہرحال شریک ہوگا، اور دو قیراط اجر کا مستحق ہوگا۔ نیز کثرت اقدام پر الگ ثواب حاصل ہوگا۔ اس طرح مسجد میں جنازہ پڑھنے والا اس آدمی سے اجر میں خسارے میں رہ گیا جو کہ مسجد سے باہر جنازہ پڑھتا ہے۔

رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ فلا شئی لہ (اس کے لیے کچھ اجر نہیں) ایک جماعت نے اس کی یہ تاویل کی ہے فلہ شئی علیہ کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں، تاکہ دونوں لفظ متحد ہو جائیں اور تناقض نہ رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان اساتم فلھا یہاں بھی اس کا معنیٰ فعلیھا یعنی اگر تم برائی کرو گے تو تمہارے لیے یعنی تم پر ہوگی، دونوں احادیث میں یہ لوگوں کے طریقے (بیان) ہیں اور صحیح مسلک وہی ہے جو ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہوا کرے بجز کسی عذر کے اور دونوں امور جائز ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہو۔

میّت کو وفور محبّت یا عقیدت سے بوسہ دینا جائز ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ ہے کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو میّت کو ڈھانپ دیا جائے اس کی آنکھیں بند کی جائیں اور اس کے چہرے اور بدن کو (کپڑے) سے چھپا دیا جائے۔

بسا اوقات آپ میّت کا بوسہ لے لیتے جیسا کہ آپ نے عثمانؓ بن مطعون کا بوسہ لیا اور روئے اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

اور آپ میّت کو تین پانچ یا غسال کے خیال کے مطابق (جس قدر ضرورت ہو) غسل دینے کا حکم دیتے اور آخری غسل کافور کے (پانی) سے دینے کا حکم دیتے۔

اور میدانِ جنگ کے شہید کو غسل نہ دیتے۔ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ آپؐ نے شہدائ کے غسل سے منع فرمایا، البتہ آپ ان سے لوہا (ہتھیار) اور چمڑے (کا سامان لباس) اُتار لیتے، اور انہیں ان کے کپڑوں میں دفن کر دیتے، اور ان پر نماز جنازہ نہ پڑھتے اور جب کوئی محرم فوت ہو جاتا تو آپ اسے پانی اور بیری (کے پتوں کے جوشاندہ کا) غسل دیتے

اور اسے دو کپڑوں میں کفن دیتے۔ اور یہ محرم کے دونوں اپنے کپڑے یعنی تہہ بند اور چادر ہوتی اور خوشبو لگانے اور سر ڈھانپ دینے کا حکم دیتے۔ اور میت کے ولی کو حکم دیتے کہ کفن اچھی طرح دیں اور سفید (کپڑے کا) کفن دیں، از حد مہنگے کفن سے منع فرماتے اور جب کفن تمام جسم کو ڈھانپ دینے سے کم پڑ جاتا تو اس کا سر چھپا دیتے اور پاؤں پر گھاس ڈال دیتے۔

مقروض کا قرض نماز جنازہ سے پہلے ادا ہو جانا چاہیئے

نماز جنازہ کے لئے جب آپ کے سامنے میت لائی جاتی تو آپ دریافت فرماتے:

کیا اس پر قرض ہے یا نہیں؟

اگر اس پر قرض نہ ہوتا تو جنازہ پڑھ دیتے اور اگر قرض ہوتا تو جنازہ نہ پڑھتے اور صحابہؓ سے فرماتے کہ وہی اس کا جنازہ پڑھ لیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا (نماز) شفاعت تھی۔ اور آپ کی شفاعت ضرور قبول ہو جاتی، ادھر یہ بندہ رہن میں (مقروض) تھا اور جب تک (قرض) ادا نہ کر دیا جائے جنت میں داخلہ نہیں ملتا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراخی اور کشائش مرحمت کی تو مقروض کا جنازہ پڑھ دیتے اور اس کا قرض اپنے پاس سے ادا کر دیتے اور اس کا مال اس کے وارثوں کو دے دیتے۔

جب آپ نماز جنازہ شروع فرماتے تو تکبیر کہتے اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے۔

حضرت ابن عباسؓ نے جنازہ پڑھایا تو پہلی تکبیر کے بعد بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی اور (بعد میں) فرمایا" تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنّت ہے۔

اسی طرح ابو امامہ بن سہل نے فرمایا کہ پہلی (تکبیر) کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا سُنّت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا (لیکن) اس کی سند صحیح نہیں۔ ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور ابو امامۃ بن سہل نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے نماز جنازہ میں درود شریف پڑھنا بھی نقل کیا ہے اور یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت سعید مقبری سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا کہ انہوں نے نماز جنازہ میں حضرت عبادۃ بن

صامت سے درود شریف کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں بتاؤں گا (کہ جب نمازِ جنازہ) شروع کرو۔ تو تکبیر کہو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے اور دُعا کرو۔

اللھم ان عبدك فلانا كان لا يشرك بك وانت اعلم به ان كان محسنا فزد في احسانه وان كان مسيا فتجاوز عنه اللھم لا تحرمنا اجره ولا تضلنا بعده۔

"یعنی اے اللہ بے شک تیرا فلاں بندہ تیرے ساتھ شرک نہ کرتا تھا اور تو ہی حقیقت کو زیادہ جانتا ہے، اگر وہ نیک (محسن) تھا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما اور اگر بُرا تھا تو اس سے درگذر فرما، اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرنا۔

نمازِ جنازہ کا مقصد میّت کے لئے دُعا اس طرح دُعاؤں کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

اللھم اغفر له وارحمه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار۔

یعنی اے اللہ اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، اس کو معاف کر دے اس کو باعزت مکان دے، اس کا گھر وسیع کر دے۔ اسے پانی برف اور ٹھنڈ سے دھو دے اور اس کو اس طرح گناہوں سے پاک کر دے جس طرح کہ سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے اور اس کے اپنے گھر سے بہتر گھر اپنے اہل سے بہتر اہل اپنے زوج سے بہتر زوج عطا فرما اور اسے جنت میں داخل فرما اور اسے قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے بچالے۔"

نیز آپ کی ایک دعا یہ بھی منقول ہے:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا وشاھدنا وغائبنا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام والسنۃ ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

"یعنی اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ کو چھوٹے اور بڑے کو مذکر اور مونث کو موجود اور غائب کو بخش دے۔ اے اللہ ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے تو اسے اسلام اور سُنّت پر زندہ رکھ اور جسے فوت کرے تو حالتِ ایمان میں فوت کر۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد آزمائش میں نہ ڈالنا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردے کے لئے خلوص سے دعا کرنے کا حکم دیتے۔

نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں کہنی چاہئیں

اور آپ چار تکبیریں کہتے اور صحیح روایت یہ ہے کہ آپ پانچ تکبیریں کہتے اور آپ کے بعد صحابہؓ چار پانچ اور چھ (تک) تکبیریں کہا کرتے۔ چنانچہ زیدؓ بن ارقم نے پانچ تکبیریں کہیں اور بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ تکبیریں کہی تھیں (مسلم) اور حضرت علیؓ بن ابی طالب نے حضرت سہیل بن حنیف کی (نماز جنازہ) میں چھ تکبیریں کہیں۔ نیز اہل بدر پر آپ نے چھ تکبیریں کہیں۔ دوسرے صحابہؓ پر پانچ تکبیریں اور باقی لوگوں پر چار (دارقطنی)

اور سعید بن منصور نے حکم سے انہوں نے ابن عینیہ سے نقل کیا کہ (صحابہؓ) اہل بدر پر پانچ چھ اور سات تکبیریں تک کہا کرتے، یہ صحیح آثار ہیں اس لئے اس میں ممانعت کی کوئی بات ہی نہیں۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چار سے زیادہ کو منع نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے خود اور آپ کے بعد صحابہؓ نے اس پر عمل کیا۔

اُسوۂ حسنہ نبیؐ

قبریں اونچی اور پختہ کرنے اور نالہ و شیون کی ممانعت

نماز جنازہ کی تکبیریں مروی ہے کہ نماز جنازہ میں آپ ایک سلام پر اکتفا کرتے، ایک حدیث میں آپ سے دو سلام بھی مروی ہیں۔ بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت مقبری کی حدیث سے انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں اور ایک سلام کیا۔ لیکن امام احمد اثرم کی روایت میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث موضوع ہے۔ خلال نے اسے معلومات میں ذکر کیا ہے۔ اور ابراہیم ہجری بتاتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے بتایا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا جنازہ پڑھا تو چار تکبیریں کہیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش ٹھہرے رہے۔ ہم نے خیال کیا کہ پانچویں تکبیر کہیں گے (لیکن) پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیر دیا جب فارغ ہوئے ہم نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، جتنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کام ایسے ہیں جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے، ان میں سے ایک جنازہ میں نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے۔ ان دونوں کو بیہقیؒ نے ذکر کیا، لیکن ابراہیم بن مسلم ہجری کو ابن معینؒ۔ نسائیؒ اور ابوحاتم نے ضعیف قرار دیا

ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن ابی اوضی سے اس کے خلاف مروی ہے۔ امام احمدؒ نے ان سے اور احمد بن قاسم سے نقل کیا کہ وہ ایک سلام پھیرتے تھے۔ ابو عبداللہ سے دریافت کیا گیا کیا آپ کسی صحابی کو جانتے ہیں کہ جو جنازہ میں دو طرف سلام پھیرتا ہو؟ فرمایا نہیں صرف چھ صحابہؓ ایسے ہیں، جن سے یہ منقول ہے۔ کہ وہ دائیں طرف خفیف سا ایک سلام پھیرتے تھے پھر ان کے نام بتائے جو یہ ہیں:

حضرت ابن عمرؓ۔ ابن عباسؓ۔ ابوہریرہؓ، وائلہؓ بن اسقف۔ ابن ابیؓ اوضی۔ زیدؓ بن ثابت اور امام بیہقیؒ نے علیؓ بن ابی طالب۔ جابر بن عبداللہ۔ انسؓ بن مالک اور ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا نام بھی ذکر کیا ہے، تو یہ سب دس صحابہ ہوئے۔

اور ابوامامہؓ وہ ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا۔ اور آپ نے ان کا نام ان کی والدہ کے دادا ابوامامہ، اسعد بن زرارہ کے نام پر رکھا۔ یہ صحابہ اور کبار تابعین میں سے ہوئے۔

اور رہا رفع یدین کا معاملہ، تو امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ اثر کے باعث اور نماز میں سنّت پر قیاس کرتے ہوئے رفع یدین سمجھا جائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر پر حالت قیام میں رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں شافعی کا اثر سے مطلب وہ ہے جو ابن طلحہؓ اور انس بن مالکؒ سے مروی ہے کہ آپ پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اور داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ دیتے (سنن بیہقی)

اور ترمذیؒ شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب) قبر پر نماز جنازہ پڑھی تو اس میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا (لیکن) یہ روایت یزید بن سنان رہاوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ نماز جنازہ اگر آپ سے چھوٹ جاتی، قبر پر نماز جنازہ پڑھتے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار ایک رات کے بعد نماز جنازہ پڑھی۔ ایک بار تین (رات کے بعد) اور ایک بار ایک ماہ کے بعد (نماز جنازہ پڑھی) اور اس میں کوئی انتہائی مدّت نہیں مقرر ہے۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر پر نماز جنازہ میں کس کو شک ہے ؟ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب نماز جنازہ فوت ہو جاتی تو آپ قبر پر جنازہ پڑھتے اور یہ چھ وجوہ ہے ۔ جو سب کے سب احسن ہیں ۔

نیز امام احمدؒ نے قبر پر جنازہ پڑھنے میں ایک ماہ کی مدّت کا تعین کیا ہے کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ وہ مدّت تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اتنی مدّت کے بعد بھی جنازہ پڑھا ۔

امام شافعیؒ نے میّت کے بوسیدہ نہ ہو جانے تک کی مدت مقرر فرمائی ہے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ولی کے سوا سب کو منع کیا ہے جب کہ ولی غائب ہو (اور جنازہ نہ پڑھ سکا تو جب موقع ملے پڑھ لے) ۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی ۔ کہ آپؐ مرد کے سر کے قریب اور عورت کے وسط میں کھڑے ہوتے ۔

طفل کی نماز جنازہ پڑھنا بھی سُنّت نبویؐ ہے

صحیح روایت میں آپ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

بچّے پر نماز جنازہ پڑھی جائے ۔

اور سنن ابن ماجہ میں مرفوع روایت ہے کہ آپ نے فرمایا : اپنے بچوں کی نماز جنازہ پڑھو کیونکہ وہ تمہارے (ایسے نیک اعمال ہیں جو تم نے آگے بھیجے ہیں ۔

احمد بن ابی عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے احمدؒ سے سوال کیا کہ سقط پر آپ کس وقت جنازہ پڑھنا پسند کرتے ہیں ؟

فرمایا جب چار ماہ کا (حمل ساقط) ہو کیونکہ اس وقت اس میں رُوح پھونک دی جاتی ہے

میں نے عرض کیا حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی روایت ہے کہ طفل (بچّے) پر جنازہ پڑھا جائے

آپ نے فرمایا ، یہ صحیح مرفوع روایت ہے ۔

میں نے کہا اس میں تو چار ماہ کا کوئی بیان نہیں ۔

آپ نے فرمایا ، حضرت سعید بن مسیب کا قول بھی ہے ۔ اب اگر کہا جائے کیا نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جنازہ پڑھا، جس روز وہ فوت ہوئے، تو اس میں اختلاف ہے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ ماہ تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے بتایا کہ انہیں اپنے والد سے انہیں ابن اسحٰق سے انہیں عبداللہ بن ابو بکر بن محمد بن عمرو حزم سے انہیں عمرۃ سے انہیں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت پہنچی۔ امام احمدؒ روایت حنبل میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قطعاً منکر ہے۔

اور خلال فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کو بتایا گیا کہ مجھے میرے والد نے انہیں اسود بن عامر نے انہیں اسرائیل نے انہیں جابر نے بتایا اور انہیں عامر سے انہیں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت سنی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کا جنازہ پڑھا، اور ان کی عمر سولہ ماہ کی تھی۔ اور ابو داؤد نے جہنی سے نقل کیا کہ جب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاعد میں ان کا جنازہ پڑھا، اور یہ مرسل ہے اور جہنی کا نام عبداللہ نبی یسار کوفی ہے۔

اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کا جنازہ پڑھا جب کہ ان پر صرف ۱۷ راتیں گزری تھیں، یہ روایت بھی مرسل ہے اور اس میں ایک (راوی) عطاء ہیں اور یہ عمر میں تجاوز کر چکے تھے، اس لیے ان آثار میں لوگوں کا اختلاف ہے چنانچہ جن لوگوں نے نمازِ جنازہ کو ثابت کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے منقول روایت کو صحیح نہیں مانا ہے۔ جیسے امام احمدؒ وغیرہ۔ ان کا خیال ہے کہ یہ مراسیل حضرت براءؓ کی حدیث کے باعث ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

اور بعض لوگوں نے جابر جعفی کی روایت کے ذریعہ، حضرت براءؓ کی حدیث کو اور ان مراسیل کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ابن اسحٰق کی روایت ان سے صحیح تر ہے۔

ابراہیمؑ کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے سبب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کا جنازہ اس لیے نہیں پڑھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے وہ نماز جنازہ

اس لیے نہیں پڑھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے وہ نمازِ جنازہ سے بے نیاز ہو گئے ۔ کیونکہ نماز جنازہ کی حیثیت (عذاب سے نجات دلانے کے لئے) شفاعت کی ہوتی ہے جیسے شہید نماز جنازہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔ دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ جس دن ان کی وفات ہوئی اسی دن سورج گہن میں آگیا، اس لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ کی بجائے نماز کسوف میں مصروف ہو گئے ۔ ایک اور جماعت کا خیال ہے کہ ان آثار میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لیئے کہ آپ نے نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم ضرور دیا تھا ۔ اب بعض کا خیال ہے کہ آپ نے نماز جنازہ پڑھوائی لیکن نمازِ کسوف میں مصروفیت کی وجہ سے خود شریک نہ ہو سکے اور ایک قول یہ ہے کہ جنازہ نہیں پڑھا، اس لیئے ایک گروہ کہتا ہے کہ اثبات کی روایت زیادہ قابلِ قبول ہے کیونکہ اس میں علم کی زیادتی ہے اور جب نفی و اثبات میں تعارض ہو جائے تو اثبات مقدم سمجھا جاتا ہے ۔

خودکشی کرنے والے اور خائن کی نماز جنازہ آپؐ نہیں پڑھتے تھے

اور حد (سزا) کے باعث مقتول کی نماز جنازہ میں اختلاف ہے جیسے زانی جو سنگسار کیا جا چکا ہو ۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کو رجم کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی ۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ اس کا جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے ۔

آپؐ نے فرمایا، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں میں تقسیم کر دی جائے تو سب تک اس کی وسعت پہنچ جائے اور کیا اس سے بھی زیادہ کسی کی توبہ افضل ہو سکتی ہے جب کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی (رضا) پر اپنے آپ کو از خود قربان کر دیا ۔ (مسلم)

اور صحیح بخاری میں ماعذ بن مالک کے اسی طرح کے قصہ میں منقول ہے کہ آپؐ نے اس کے لیے کلمات خیر ارشاد فرمائے، اور اس کا جنازہ پڑھا اور بریدہ بن حصیب نے بتایا کہ آپؐ نے فرمایا ماعذ بن مالک کے لیئے بخشش کی دعا مانگو چنانچہ لوگوں نے دعا مانگی

کہ اے اللہ ماعذ بن مالک کو بخش دے۔ ان دونوں واقعات کا مسلم نے صحیح ذکر کیا ہے اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا (بخاری) اور یہ عبدالرزاق کی حدیث ہے جو معلل ہے۔ حضرت ابو بردہ اسلمیؓ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعذ کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا (ابوداؤد)

میں کہتا ہوں کہ غامدیہ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ثابت ہے کہ آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا رہی ماعز کی روایت تو اس کے بارے میں یا تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ الفاظ میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ صلوٰۃ کا مطلب دعا ہے کہ آپؐ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، اور ترک صلوٰۃ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے تادیباً اور زجراً نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور اگر یوں کہا جائے کہ الفاظ میں تعارض ہے تو پھر ہم حدیث غامدیہ کی طرف رجوع کریں گے کہ وہ بالکل صاف اور واضح ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آپ جنازہ کی مشایعت بھی کرتے

آپ کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے اتباع کی یہ سنت رہی ہے کہ اگر سوار ہوتے تو جنازہ سے پیچھے رہتے اور اگر پیدل ہوتے تو قریب رہتے۔ چاہے پیچھے اور آگے آگے یا دائیں بائیں۔

اور آپ میت کو لے جانے کے لیے جلدی کا حکم فرماتے۔ چنانچہ صحابہ جنازہ لے کر تیز تیز چلتے، اور آج کے زمانہ کی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھانا یہ سنت کے خلاف انتہائی مکروہ اور بدعت ہے۔ اور اہل کتاب یہودیوں کے مماثل ہے اور جو ایسا کرتا تھا حضرت ابوبکرؓ اس پر کوڑا اٹھاتے اور فرماتے کہ تم نے دیکھا ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رمل (تیز روی) کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے ساتھ چلنے (کی کیفیت) کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا جنب (دلکی (تیز دوڑنا) سے کم (چلو) اسے اہل سنن نے روایت کیا اور جب آپؐ جنازہ کے ساتھ جاتے تو پیدل چلتے اور فرماتے، میں سوار نہیں ہوتا جب کہ فرشتے پیدل جا رہے ہوں۔ جب آپ فارغ ہو جاتے تو کبھی پیدل تشریف لاتے اور کبھی سوار ہو کر تشریف

لاتے اور جب آپ (جنازہ) کے ساتھ چلتے تو جب تک وہ رکھ نہ دیا جاتا آپ بھی نہ بیٹھتے۔
اور فرمایا، جب تم جنازہ کے ساتھ چلو تو (جنازہ) رکھ دینے سے قبل نہ بیٹھو۔
شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رکھ دینے سے مراد زمین پر رکھ دینا ہے۔

غائبانہ نمازِ جنازہ آپؐ کا عام معمول نہ تھا

کئی مسلمان (دور دراز علاقوں میں) وفات پاجایا کرتے تھے تو آپؐ ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے، صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے (عام) میت کے جنازہ کی طرح حبش کے شہنشاہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس وجہ سے تین مذہب پیدا ہو گئے۔

ایک یہ کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع اور امت کے لئے سنت ہے کہ ہر غائب کا جنازہ پڑھیں، آپؐ سے منسوب ایک روایت کے مطابق امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کا یہی قول ہے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے فرمایا کہ یہ فعل آپ کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسروں کے لئے نہیں۔ ان (موخر) ائمہ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ (آنحضرتؐ) کے سامنے چارپائی کر دی گئی ہو اور آپؐ نے اس طرح جنازہ پڑھا ہو کہ آپ (نجاشی) کو گویا حاضر اور سامنے دیکھ رہے ہوں، اگرچہ وہ دُور تھا۔ اگرچہ صحابہؓ نے نہیں دیکھا لیکن (صحابہؓ) جنازہ پڑھنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع عمل ہیں۔ انہوں نے فرمایا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپؐ نے سوادِ نجاشی کے ہر آدمی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہو اور جیسے آپؐ کا فعل ہے اس طرح آپ کا ترکِ (فعل) بھی سنت ہے، اور آپؐ کے بعد کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں کہ وہ دور و دراز کی مسافت سے بھی کسی میت کی چارپائی دیکھ لے اور اس کی خاطر (حجاب) اٹھا دیا جائے تاکہ وہ اس کا جنازہ پڑھ سکے اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں " بہتر یہ ہے کہ اگر غائب کسی ایسے علاقے میں فوت ہو جائے جہاں اس کا جنازہ نہ پڑھا گیا ہو تو پھر اس کا جنازہ غائبانہ پڑھ دیا جائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا جنازہ پڑھا، کیونکہ وہ کفار کے درمیان فوت ہوا تھا۔

اور اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا اور ایسی جگہ فوت ہو جہاں اس کا جنازہ پڑھا گیا ہو تو پھر غائبانہ جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے جو ادا ہو چکا، اعادہ کی ضرورت نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی بھی اور نہیں بھی پڑھی۔ آپؐ کا فعل اور ترکِ (فعل) دونوں سنّت ہیں۔ اس کا ایک مقام ہے۔ اور اس کا (دوسرا) مقام ہے۔ اور احمدؒ کے مذہب میں تین اقوال ہیں اور ان کی صحیح تر وضاحت یہی ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ ان کے اصحاب کے خیال میں نماز جنازہ مطلقاً (غیر مشروط) پڑھی جائے۔

صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ کے سامنے سے جب جنازہ گذرا تو اس کے لیئے کھڑے ہوئے اور کھڑے ہونے کا حکم دیا، اور بیٹھنا بھی آپؐ سے ثابت ہے، اس لیئے یہ مختلف فیہ مسئلہ بن گیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ قیام منسوخ ہے اور بیٹھے رہنا آخری فعل تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ دونوں امر جائز ہیں۔ اور آپ کا فعل (قیام) استحباب کو اور ترکِ (قیام) جواز کو ظاہر کرتا ہے اور اعلیٰ نسخ سے یہ (تاویل) زیادہ مناسب ہے۔

میّت کے لیئے قبر کیسی بنائی جائے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبہ یہ تھی کہ طلوعِ آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اور نصف النہار کے وقت دفن نہ کیا جائے۔

اور آپ کی سنّتِ طیّبہ یہ تھی کہ لحد بناتے اور قبر گہری کرواتے اور میّت کے سر اور پاؤں کی جگہ کو فراخ کرواتے۔

اور آپ سے منقول ہے کہ جب میّت کو قبر میں رکھا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے:

بسم اللہ ربا اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ۔

اور ایک روایت میں ہے بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ

(۱) یعنی اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسولؐ کی ملّت پر (۲) اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے راستہ میں اور اللہ کے رسولؐ کی ملّت پر۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ میّت کی قبر پر جب اسے دفن کیا جاتا تو سر کی جانب تین بار چلّو بھر کر مٹی ڈالتے اور جب میّت کے دفن سے فارغ ہوتے تو آپ اور آپ کے صحابہؓ اس کی قبر پر کھڑے ہو جاتے اور اس کے لیے تثبیت کی دعا کرتے اور صحابہؓ کو حکم فرماتے کہ اس (میت) کے لیے ثبات کی دعا کریں۔ اور آپ قبر کے پاس بیٹھ کر نہ پڑھتے اور نہ میّت کو تلقین کرتے، جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں۔

وہ کام جو خلاف سُنّت ہیں

اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نہیں کہ قبروں کو (از حد) اونچا کیا جائے۔ نہ پکی اینٹوں یا پتھروں یا کچی اینٹوں سے پختہ کرنا اور لیپنا سنّت میں داخل ہے، اور نہ ان پر قبے بنانا مسنون ہے۔

یہ تمام حرکات مکروہ بدعات ہیں اور یکسر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف ہیں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا کہ جس تصویر کو دیکھیں مٹا دیں۔ اور جس بلند قبر کو دیکھیں اسے ہموار کر دیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبہ یہ ہے کہ ان بلند و بالا تمام قبروں کو ہموار کر دیا جائے۔ نیز آپ نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔ اور ان پر کتبے تحریر کرنے کی ممانعت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی قبریں نہ ہی (از حد) بلند و بالا تھیں اور نہ ہی بالکل ہموار تھیں۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپؐ کے صاحبین رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں۔

مقابر کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت فرمائی اور آپؐ نے اس کو سختی سے روکا، ایسا کرنے والوں پر آپ نے لعنت کی ہے اور قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز آپؐ نے اپنی امّت کو اس بات سے بھی روکا ہے کہ وہ آپؐ کی قبر کو عید (میلہ عُرس وغیرہ لگانے کا مرکز) بنا لے اور قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت کی۔

اور آپ کی سنّت یہ تھی کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے اور نہ انہیں روندا جائے اور نہ بیٹھک یا تکیہ لگایا جائے اور نہ (اس شدت) سے عزت کی جائے کہ انہیں سجدہ گاہیں بنا لیا جائے

اور ان کے پاس یا ان کی طرف نماز پڑھی جانے لگے، میلے شروع ہو جائیں اور انہیں بت بنالیں، گویا ان کی پوجا ہو رہی ہے۔

زیارتِ قبور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ

آپؐ جب اپنے صحابہؓ کی قبروں پر تشریف لے جاتے تو ان کے لیے دعا کرتے، ان کے لئے بخشش چاہتے اور جذبۂ رحمت سے متاثر ہو کر تشریف لے جاتے، یہی زیارت قبور ہے، جو اُمّت کے لئے آپؐ نے مشروع اور مسنون بتائی ہے اور حکم دیا ہے کہ جب لوگ قبور کی زیارت کریں تو یہ دعا کریں۔

السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ۔

یعنی، اے مومن اور مسلمان اہل دیار تم پر سلامتی ہو اور بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا (درخواست) کرتے ہیں۔

یہ آپ کی سنّت تھی کہ آپؐ قبور کی زیارت کے موقع پر ان کے لیے دعا۔ ترحم اور استغفار چاہتے جو نماز کے موقع پر کی جاتی ہے، لیکن مشرکین نے اس سُنّت کا انکار کیا اور میّت کو پکارنے لگے (اللہ) سے شرک کرنے لگے اور اپنی ضروریات (میّت) کے سامنے پیش کر کے اس سے مدد چاہنے لگے اور اس کی طرف توجہ کرنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیّبہ کے صریحاً خلاف ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت توحید اور میت پر احسان کرنے سے عبارت ہے اور ان (مشرکین) کا طریقہ شرک۔ میّت اور اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب ہے، اور اس کی تین اقسام ہیں:

۱۔ یا تو میّت کے لئے دعا کریں گے۔
۲۔ یا میت کے وسیلہ سے دعا کریں گے۔
۳۔ اور یا اس کے پاس (جاکر) دعا کریں گے۔

ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان (مُردوں) کے قریب جاکر دُعا کرنا مساجد میں دعا کرنے سے زیادہ اولیٰ اور باعث قبولیت ہے، لیکن نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی سنّتِ طیّبہ پر غور کرے گا۔ اس کے سامنے ان دونوں طریقوں کا فرق صاف اور واضح ہو جائے گا، توفیق خیر دینے والا خدا ہی ہے۔

پسماندگان سے تعزیت داخل سنّت ہے

اور میّت کے اہل خانہ سے تعزیت بھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیّبہ میں داخل تھی۔

آپؐ کا یہ طریقہ نہ تھا کہ تعزیت کے لئے جمع ہوتے اور (میت کے لئے قبر کے پاس یا دوسری جگہ قرآن مجید پڑھتے۔ یہ تمام باتیں جدید اور مکروہ قسم کی بدعات ہیں، بلکہ سُنّت یہ ہے کہ اللہ کے فیصلہ پر سکون و رضا کا ثبوت پیش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی جائے اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا جائے۔ اور اس مُصیبت کے باعث کپڑے پھاڑنے واویلا اور بین کرتے ہوئے آواز بلند کرنے یا بال منڈوا دینے سے آپ نے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔

اور آپ کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ میّت کے اہل خانہ (تعزیت کے لئے آنے والے) لوگوں کو کھانا نہ کھلائیں بلکہ آپ نے حکم دیا کہ دوسرے لوگ (دوست اور عزیز ان کے لئے کھانا تیار کر کے انہیں بھیجیں۔ اور یہ چیز اخلاقِ حسنہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور پسماندگان کو سبکدوش کرنے والا عمل تھا، کیونکہ اس وقت وہ اپنی مصیبت کے باعث لوگوں کو کھانا کھلانے سے (معذور) ہوتے ہیں۔

اور آپؐ کی سُنّت یہ تھی کہ (نعی) میّت (کے ماتم کی) منادی نہ کی جائے بلکہ آپ اس سے منع فرماتے اور فرمایا کرتے کہ یہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے۔

اور حضرت حذیفہؓ نے اس بات کو ناپسند سمجھا ہے کہ جب کوئی مرجائے تو لوگوں کو آواز دے کر بتایا جائے اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ نعی (موت کی منادی) نہ بن جائے۔

نمازِ خوف

حالتِ جنگ میں نماز پڑھنے کی مختلف صورتیں

نمازِ خوف میں ایک رکعت بھی جائز ہے

اللہ تعالیٰ نے خوف وسفر کی حالت میں ارکان نماز اور تعداد رکعات میں قصر کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ جب سفر ہو خوف نہ ہو تو تعداد (رکعات میں) قصر کرنے اور جب خوف ہو سفر نہ ہو تو قصر ارکات کی اجازت عطا کی ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیبہ تھی اور اس سے سفر و خوف کی حالت میں آیت قصر کی حکمت ظاہر ہوتی ہے۔

اور نمازِ خوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ جب دشمن آپ کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا تو تمام مسلمان آپ کی اقتداء کرتے۔ آپؐ تکبیر کہتے آپؐ رکوع کرتے وہ سب رکوع کرتے، پھر آپؐ سر اٹھاتے وہ بھی آپؐ کے ساتھ سر اٹھا لیتے۔ پھر آپؐ سجدہ میں جاتے اور جو صف آپؐ کے قریب تر ہوتی (وہ بھی سجدہ کرتی) اور آخری صف دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہتی۔ جب آپ پہلی رکعت سے فارغ ہوتے اور دوسری کے لیے اُٹھتے تو آپ کے کھڑے ہونے پر دوسری صف سجدہ کرتی۔ پھر وہ پہلی صف کی جگہ کھڑے ہوتے اور پہلی صف مؤخر ہو جاتی تاکہ صفِ اول کی فضیلت دونوں گروہوں کو حاصل ہو جائے اور صفِ ثانی بھی نبی صلی اللہ

علیہ وسلّم کے ساتھ دوسری رکعت میں دو سجدوں میں شریک ہو سکے۔ جس طرح صفِ اوّل نے پہلی رکعت میں دو سجدوں کی نعمت حاصل کر لی تھی۔ اسی طرح اجر و ثواب میں دونوں گروہ برابر (کے شریک) ہو جائیں یہ انتہائی عدل تھا۔

اسی طرح جب آپؐ رکوع میں تشریف لے گئے تو دونوں گروہوں نے پہلے کی طرح عمل کیا اور جب آپ تشہد کو قعدہ میں گئے تو دوسری صف نے دو سجدے کیے اور پھر آپؐ کے ساتھ تشہد میں شریک ہو گئی، اس طرح آپ نے سب کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا اور اگر دشمن قبلہ کے علاوہ کسی دوسرے رُخ پر ہوتا اس وقت کبھی آپؐ دو جماعتیں بنا لیتے۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہتی اور دوسری جماعت کے ساتھ۔ آپؐ نماز پڑھتے، اس طرح کی جماعت آپؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور پھر نماز کی حالت ہی میں وہ دوسرے گروہ کی جگہ جا کر کھڑی ہو جاتی اور دوسرا گروہ اس کی جگہ آکر آپؐ کے ساتھ ایک رکعت ادا کرتا پھر سلام پھیر دیا جاتا اور امام کے سلام کے بعد ہر گروہ ایک ایک رکعت خود ادا کرتا۔

اور کبھی ایک گروہ کے ساتھ آپؐ ایک رکعت ادا کرتے پھر دوسرے کی طرف تشریف لے جاتے اور آپ کھڑے ہوتے کہ وہ گروہ اپنی رکعت ثانیہ ادا کر لیتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لیتا، پھر جب آپ تشہد پڑھ لیتا تو مل کر سلام پھیر دیتے اور کبھی آپؐ ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں ادا کرتے اور وہ گروہ آپ سے قبل　سلام پھیر لیتا (اور آپ تشہد میں بیٹھے رہتے) آخر دوسرا گروہ آتا اور آپ اس گروہ کو دو رکعتیں پڑھاتے اور ان کے ساتھ سلام پھیر دیتے۔ اس صورت میں آپ چار رکعتیں ادا کرتے۔ اور صحابہؓ) دو رکعتیں پڑھتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں ادا فرماتے اور اس کے ساتھ ہی سلام پھیر دیتے۔ پھر دوسرا گروہ آتا آپؐ اس کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھتے اور سلام پھیر دیتے۔ اس صورت میں آپ ہر گروہ کے ساتھ ایک ایک نماز پڑھتے اور کبھی آپ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے اور وہ چلا جاتا اور وہ

گروہ کوئی اور رکعت نہ پڑھتا۔ پھر دوسرا گروہ آجاتا۔ آپؐ اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے اور وہ (گروہ) مزید کوئی رکعت نہ پڑھتا۔ اس صورت میں آپؐ کی تو دو رکعتیں ہوتیں لیکن (صحابہؓ) کی ایک ایک رکعت ہوتی۔

ان تمام مندرجہ بالا صورتوں میں نماز (خوف) جائز ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ نمازِ خوف کے متعلق جو روایت بھی آئی ہے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ انہوں نے بتایا کہ چھ یا سات صورتیں مذکور ہیں اور یہ سب جائز ہیں۔

زکوٰۃ

کس مال پر زکوٰۃ واجب ہے اور کس پر نہیں؟

زکوٰۃ وصول کرنے کا عادلانہ اصول زکوٰۃ کے سلسلہ میں آپؐ کا طرز و موقف ہر اعتبار سے کامل و مکمل تھا، وقت کے لحاظ سے بھی، قدر کے لحاظ سے بھی اور نصاب کے لحاظ سے بھی۔ اسی موقف زکوٰۃ میں بھی ارباب اموال اور مساکین کے ضروریات و مصالح کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مال اور صاحب مال کے لئے باعث طہارت بنایا ہے۔ چنانچہ اسے صرف اغنیاء پر ہی واجب کیا ہے، یہی وجہ ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ زوال نعمت سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ اس میں برکت اور بڑھوتی ہوتی رہتی ہے آفات کو اس سے دور کر دیا جاتا ہے، اس طرح گویا زکوٰۃ ادا کرنا، زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے ایک قسم کی حفاظت، فصیل اور قلعہ بن جاتا ہے۔

(زکوٰۃ) چار اقسام کے مال پر لگائی گئی، جو کہ زیادہ تر لوگوں میں رواں دواں رہتا ہے۔ جس کی اہمیت سب مانتے ہیں۔

۱۔ ایک فصل اور پھل۔

۲۔ دوسرے چوپائے،، اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ۔

۳۔ تیسرے وہ دو جوہر جنہیں قوام عالم کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی سونا اور چاندی۔

۴۔ چوتھے مختلف قسم کا مال تجارت۔

زکوٰۃ ہر سال میں صرف ایک بار فرض ہے۔ نیز اسے فصلوں اور پھلوں کے پکنے اور مکمل ہونے سے مشروط کر دیا گیا اور یہ سب سے زیادہ منصفانہ (قانون) ہے۔ کیونکہ ہر ماہ یا ہر جمعہ اسے فرض قرار دینا صاحبِ مال کے لئے ضرر رساں تھا۔ اور عمر میں صرف ایک بار فرض کرنا مساکین کے حق میں نقصان دہ تھا۔ چنانچہ سال میں ایک بار فرض کرنا فی الحقیقت سب سے زیادہ منصفانہ ہے۔

علاوہ ازیں صاحبِ مال کی کوشش و حصولِ دولت کے تفاوت کو دیکھ کر اس میں بھی فرق کر دیا گیا۔ چنانچہ ایسی دولت جو کسی کو اچانک جمع شدہ مل جائے جیسے رکاز (زمین میں دبا ہوا خزانہ) تو اس پر صرف خمس (یا پانچواں حصّہ) فرض کیا گیا اور اس کے لیے سال کا گزرنا شرط قرار نہیں دیا گیا، بلکہ جونہی ایسا خزانہ ملے اسی وقت خمس کی ادائیگی واجب ہوگئی۔

رہے پھل اور فصلیں جن میں انسان کو بہت کم مشقت اور تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس پر رکاز سے نصف یعنی عشر (دسواں حصّہ) زکوٰۃ لگائی۔ کیونکہ زمین کی درستگی اور بوائی وغیرہ میں کسی خاص کلفت اور مشقّت سے سابقہ نہیں پڑتا، نہ ڈول کھینچنا پڑتے ہیں، نہ پانی خریدنا پڑتا ہے لیکن اگر زمین کو سیراب کرنے کے لئے خادموں یا مزدوروں سے کام لیا جائے، ڈولوں سے سینچائی کی جائے، کنوئیں کھودے جائیں تو پھر اور کم ہے۔ یعنی نصف عشر (بیسواں حصّہ) مال کا نمو صاحب مال کے سفر یا ذاتی دروبست کا نتیجہ ہو یا وقفہ وانتظار کا پابند ہو تو ایسے مال پر ربع عشر (چالیسواں حصّہ) لازم آتا ہے اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ اس موخر الذکر کی تکلیف فصلوں اور پھلوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ فصلوں اور پھلوں کا نمو تجارت کے بڑھنے سے زیادہ آسان اور سہل ہے۔ اس لیے ان کے واجبات بھی تجارت سے زیادہ ہوتے چاہئیں اور انہار یا آسمان کے پانی (بارش) کے ذریعہ ڈول یا چھڑکاؤ کی نسبت زیادہ

نمو ہوتا ہے اور خزانہ جیسی صورت میں تمام انواع سابقہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور چونکہ ہر مال گو وہ کم ہی ہو، مواساۃ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے تحمل (زکوٰۃ) کے لیے ایک نصاب مقرر ہوا تاکہ ارباب مال کو ضرر نہ پہنچے اور مساکین کو خاطر خواہ فائدہ ہو جائے۔ چنانچہ چاندی کا نصاب دوصد درہم، سونے کا بیس مثقال۔ دانوں اور پھلوں کا پانچ دسق جو عرب کے پانچ اونٹوں کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے اور بکریوں کے لیے چالیس بکریاں، گائے کے لیے تیس گائیں اور اونٹوں کے لیے پانچ اونٹ نصاب مقرر ہوا۔

لیکن اگر نصاب اپنی جنس کی چیز کی ادائیگی کا متحمل نہ ہو تو پھر ایک بکری واجب ہوگی اور اگر پانچ پانچ سے مکرر (ضرب) ہو گئے تو پچیس بن گئے اب اس کی جنس میں سے ایک (اونٹ، گائے وغیرہ) کا متحمل ہوگا اور یہی واجب بھی ہوگا اور اب کہ اونٹوں کی کثرت وقلت کے حساب سے اس واجب کی عمر میں کمی وبیشی بھی مقرر ہو گئی جیسے کہ ابن مخاض بنت مخاض اس سے آگے بڑھ کر ابن لبون اور بنت لبون اور اس کے بڑھ کر حقہ اور حق اور اس سے بڑی (عمر کی) جذع اور جذعہ تو جوں جوں اونٹوں کی تعداد بڑھے گی (مال زکوٰۃ) کے جانور کی عمر بڑھتی جائے گی۔ تاآنکہ عمر کے آخری حصہ (مکمل اونٹ) تک جا پہنچے گی تو اب گویا تعداد کی زیادتی کو (زکوٰۃ) کے مال کی زیادتی کے مقابلہ میں رکھا گیا۔ اس لیے اللہ کی حکمت یہ ہوئی کہ اموال پر اس قدر بوجھ ڈالا گیا جو مواساۃ کے لئے کافی ہو اور (امراز) پر بوجھ نہ بنے اور دوسری طرف مساکین کے لئے بھی کافی ہو اور انہیں دوسری (طرف) کی احتیاج نہ رہے۔ چنانچہ اغنیاء کے مال پر اس قدر (زکوٰۃ) فرض کی گئی کہ جو فقراء کو کافی ہو۔ (لیکن بایں ہمہ) دونوں گروہوں کی طرف سے ظلم ہونے لگا، اغنیاء نے واجبات کو روک لیا اور لینے والوں نے استحقاق کے بغیر لینا شروع کر دیا، اس طرح ہر دوگروہ کی طرف سے مساکین وغرباء کو عظیم نقصان پہنچا۔ اور مسائلہ میں کئی اقسام کے حیلے تراشے گئے (چنانچہ) پروردگار کریم نے خود صدقات (کے مصارف)

کو تقسیم فرمایا اور ان کی آٹھ انواع بنائیں اور یہ دو قسم کے لوگوں میں ملتی ہیں۔ ایک تو وہ جو ضرورت کے مطابق لیتا ہے اور ضرورت کی شدت و ضعف، کمی و زیادتی کے مطابق سوال کرتا ہے۔ جیسے فقراء اور مساکین۔ مقروض اور مسافر لوگ ہیں دوسرا گروہ وہ ہے۔ جو اسے منفعت کے باعث لیتا ہے، جیسے زکوٰۃ جمع کرنے والے، ملازمین، تالیف، قلوب اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے باعث مقروض ہو جانے والے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے اور لینے والا محتاج نہ ہو۔ اور نہ اس سے مسلمانوں کا فائدہ وابستہ ہو تو اس کا زکوٰۃ میں کچھ بھی نہیں۔

زکوٰۃ صرف مستحق کو دینی چاہیے

جب آپؐ کو معلوم ہوتا کہ یہ شخص مال زکوٰۃ کا مستحق ہے تو آپؐ اسے عطا کرتے اور اگر کوئی اہلِ زکوٰۃ آپ سے درخواست کرتا تو اس کو یہ کہہ دینے کے بعد زکوٰۃ دیتے۔

"یاد رکھو! کہ اس میں غنی اور کمانے کے قابل انسانوں کا کوئی حصّہ نہیں"

آپؐ صاحبِ مال سے زکوٰۃ لے کر مستحق کو عطا فرماتے، آپؐ کی عادت طیبّہ یہ تھی کہ جس علاقے کی زکوٰۃ جمع ہوتی وہیں تقسیم کی جاتی۔ اگر بچ رہتی تو پھر آپؐ کے پاس بھیج دی جاتی چنانچہ آپؐ اسے (دوسری جگہ) تقسیم فرماتے! یہی وجہ تھی کہ آپؐ اپنے عاملین کو وادیوں میں بھیجتے۔ اور بستیوں میں نہ بھیجتے بلکہ حضرت معاذؓ کو حکم دیا کہ اہلِ یمن سے زکوٰۃ لے کر انہیں کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اور یہ نہ فرمایا کہ میرے پاس لے کر آجانا اور نہ آپؐ کا یہ طریقہ تھا کہ عاملین کو چوپایوں، پھلوں اور فصلوں جیسے ظاہری اموال کے مالکوں کی طرف بھیجا تھا بلکہ آپ کھجوروں کے مالکوں کے پاس اندازہ کرنے والے کو بھیجتے اور وہ ان کی کھجوروں کے پاس سے گزرتا اور دیکھتا کہ کتنے وسق کھجوریں ہو رہی ہیں اور ان پر زکوٰۃ کی مقدار کا اندازہ کرتا اور آپ اندازہ کرنے والے

کو حکم دیتے کہ ان کے لیے تہائی یا چوتھا حصّہ چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ (چوتھائی حصّہ) کو اندازے میں ظاہر نہ کرتا کیونکہ کھجوریں آفات سے کم ہی محفوظ رہتی ہیں۔ یہ اندازہ اس لیے کیا جاتا تاکہ ارباب مال کے پھلوں کو خوراک بنانے، ختم کرڈالنے اور انہیں اپنے تصرف میں لے آنے سے قبل ہی زکوٰۃ کی مقدار معلوم کرلی جائے اس لیے آپ اندازہ کرنے والے کو اہلِ خیبر اور ان کے مزارعین کے پاس بھیجتے اور وہ ان کے پھلوں اور فصلوں کا اندازہ کرلیتا اور اس (زکوٰۃ) کے ایک حصّہ کا تعین کر ڈالتا۔ پھر آپ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو (ان کی طرف) بھیجتے۔ اور جب یہ لوگ انہیں رشوت دینا چاہتے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ فرماتے۔

تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو، خدا کی قسم میں تمہارے پاس اس ہستیؐ کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم لوگ (اس حرکت کے باعث) میرے نزدیک بندروں اور خنازیر سے زیادہ قابلِ نفرت ہو۔ لیکن تمہارے ساتھ نفرت اور حضورؐ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ میں تم پر انصاف نہ کروں تو وہ (یہود) کہتے، اسی وجہ سے (یعنی اس انصاف کے باعث) آسمان و زمین قائم ہیں۔

اور گھوڑے خچر، گدھے، سبزیوں، ریگستانی اور ایسے پھلوں سے آپ زکوٰۃ نہ لیتے جو نہ تولے جاتے تھے اور نہ ان کا ذخیرہ ہوتا۔ سوائے انگور اور کھجور کے، کیونکہ ان دونوں کی زکوٰۃ کیا کرتے اور خشک و تر کا امتیاز نہ برتتے تھے۔

کیا شہد پر زکوٰۃ واجب ہے؟

شہد کے بارے میں آپؐ کا طرزِ عمل مختلف فیہ ہے چنانچہ ابو داؤدؒ نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ بنی متعان کا ایک آدمی ہلال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس شہد کا عشر لے کر حاضر ہوا۔ نیز اس نے اس وادی کے لیے اس کی درخواست قبول فرمائی پھر جب حضرت

عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنے تو سفیان بن وہب نے آپؓ سے اس کے متعلق دریافت کرنے کے لیے لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب بھیجا کہ اگر وہ تمہیں بھی شہد کا عشر اسی طرح ادا کرے جس طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کو ادا کرتا رہا ہے تو اس کا علاقہ اس کی نگرانی میں رہنے دو اور اگر ایسا نہ کرے تو یہ (علاقہ) برسات کی مکھیاں (عطیہ خدا) ہیں جس کا جی چاہے کھائے۔

اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "کہ ہر دس قرب میں ایک قرب"، اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عمرو بن شعیب کی روایت ہے کہ انہیں اپنے والد سے، انہیں دادا سے روایت پہنچی کہ آپ نے شہد سے عشر (دسواں حصّہ) لیا اور مسند امامؒ میں ابو یسارۃ لقفی سے مروی ہے انہوں نے بتایا، کہ میں نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، میرے پاس شہد (کا چھتہ) ہے۔

آپؐ نے فرمایا، دسواں حصّہ ادا کرو۔

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، اسے میری نگرانی میں رہنے دیجیئے۔

آپ نے منظور فرما لیا۔

اور عبدالرزاق نے عبید اللہ بن محرر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابو سلمۃ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کیا۔ کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ نے اہل یمن کو لکھا کہ شہد میں سے دسواں حصّہ لیا جائے گا۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں انس بن عیاض نے انہوں نے حارث بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابو ذُباب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے سعد بن ابی ذُباب سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس حاضر ہُوا اور اسلام قبول کیا۔ پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میری قوم کے لیے ان کے اموال میں سے زکوٰۃ کا حصّہ متعین

فرما دیجیئے جب وہ اسلام لا کر عمل پیرا ہوں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے منظور فرما لیا (پھر) مجھے ان پر گورنر (عامل) مقرر کر دیا۔ (آپؐ کے بعد) حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے بھی مجھے ان پر گورنر مقرر کیے رکھا۔ راوی نے بتایا کہ ان کے ساتھ اس وقت کوئی سیاہ فام بھی تھا۔ انہوں نے کہا میں نے شہد کے متعلق اپنی قوم سے بات کی اور اس سے کہا کہ اس پر بھی زکوٰۃ (ادا کرنا) ہوگی کیونکہ جس پھل کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔ اس میں کچھ بھی خیر نہیں ہوتی۔ قوم نے جواب دیا کہ آپ کے خیال میں کس قدر (زکوٰۃ) ہوگی؟ میں نے کہا کہ دسواں حصّہ" پھر میں نے دسواں حصّہ لے لیا اور حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لیا اور اس کی قیمت مسلمانوں کے صدقات (کے مال) میں رکھ دی۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

احادیث اور احکامِ احادیث میں اختلاف

ان احادیث اور ان کے احکام میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بخاریؒ فرماتے ہیں، صحیح مسئلہ کے مطابق شہد میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی حکم ثابت نہیں اور ابن منذر فرماتے ہیں کہ شہد کے عشر میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی روایت ہے اور نہ کوئی اجماع ثابت ہے۔

اس لئے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہد میں عشر کی روایت ضعیف ہے اور جس روایت میں ہے کہ عشر نہ لیا جائے گا۔ عمر بن عبدالعزیز کی روایت کے سوا وہ بھی ضعیف ہیں اور سعد بن ابی ذباب ایسا قول نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے شہد میں سے صدقہ لینے کا حکم نہیں دیا اور اگر کچھ فرمایا ہے تو دینے والے کے لیے اسے تطوع (یعنی نفلی صدقہ) کی صورت دی ہے۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ (شہد والے) سے کچھ نہ لیا جائے، کیونکہ نہ لینے کی روایات تو ثابت

ہیں ۔ لیکن لینے کی روایات ثابت نہیں ۔ اس لیے اسے معاف ہی رکھا جائے اور یحییٰ بن آدم نے روایت کیا کہ ہمیں حسین بن زید نے بتایا ۔ انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ؟ یحییٰ بتاتے ہیں کہ حسن بن صالح سے شہد کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اس میں کوئی (زکوٰۃ) نہیں بتائی اور حضرت معاذ رضؓ کے متعلق مروی ہے ۔ کہ انہوں نے شہد میں سے کچھ نہیں لیا ۔ حمیدیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان سے انہیں ابراہیم بن میسرہ سے انہیں طاؤس سے انہیں معاذ بن جبل سے روایت پہنچی کہ ان کے پاس گائے کا سر اور شہد لایا گیا تو حضرت معاذ رضؓ نے فرمایا کہ مجھے ان دونوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی چیز (زکوٰۃ) کا حکم نہیں دیا ۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں مالکؒ سے اور انہیں عبداللہ بن ابی بکر سے معلوم ہوا تھا ، بتایا کہ میرے والد کے پاس حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا مکتوب آیا اور وہ اس وقت منیٰ میں تھے ، فرمایا کہ گھوڑوں اور شہد پر زکوٰۃ مت لینا ۔ یہ آثار ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں ۔ ان کے مخارج بھی متعدد ہیں اور فرق بھی مختلف ہیں اور ان میں مرسل روایات مسند روایات کے (اجتماع) سے قوی ہو جاتی ہیں ۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ (شہد) عشری زمین سے لیا جائے تو اس وقت اس کی عشر واجب ہے اور اگر یہ خراجی زمین سے حاصل کیا گیا ہو تو پھر اس پر کچھ بھی واجب نہ ہو گا کیونکہ خراجی زمین کے مالک پر جو خراج واجب ہوتا ہے وہ فصلوں اور پھلوں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ لہٰذا اب اسی وجہ سے کوئی دوسرا ٹیکس اس پر عائد نہیں کیا جا سکتا اور عشری زمین کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے مالک پر کوئی ٹیکس عائد نہیں ۔ لہٰذا اس کی پیداوار پر اسے زکوٰۃ دینا پڑے گی ۔

امام احمدؒ نے دونوں قسم کی زمینوں کو مساوی قرار دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خراجی اور عشری سب پر (عشر) واجب قرار دیا ہے۔ لیکن وجوب کے حامیوں کے مابین اختلاف ہے کہ آیا اس کا نصاب معین ہے یا نہیں؟

ایک یہ قول ہے کہ قلیل وکثیر سب پر واجب ہے۔ یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نصاب متعین ہے کہ لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ دس رطل (مقدار نصاب) ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ پانچ افراق ہے اور ایک فرق چھتیس عراقی رطل کا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا نصاب دس افراق ہے (امام احمدؒ) کے اصحاب کا فرق کے اندازے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ساٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ دوسرے کے مطابق چھتیس رطل کا اور تیسرے کے مطابق سولہ رطل کا ہوتا ہے اور یہی امام احمدؒ کی ظاہری کلام کا مطلب ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے دُعا

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس کوئی مال زکوٰۃ لے کر آتا تو آپ اُس کو دُعا دیتے۔ چنانچہ کبھی آپ اس طرح دُعا فرماتے۔

اللّٰھم بارك فیه وفی ابلہ

یعنی اے اللہ اسے اور اس کے اونٹوں کو برکت عطا فرما۔

اور کبھی کہتے۔ اللّٰھم صل علیه۔

یعنی اے اللہ اس پر رحم فرما۔

اور زکوٰۃ کی مد میں اچھا اچھا مال چھانٹ لینے کا دستور نہ تھا بلکہ اوسط درجہ کا مال لینے کا اصول مروج تھا، اس لیے آپؐ نے حضرت معاذؓ کو مال زکوٰۃ کے لیے (اچھا اچھا مال لینے سے) منع فرمایا۔

ایک کے لیے صدقہ دوسرے کے لیے ہدیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم صدقہ کرنے والے کو اپنے

صدقہ کا (مال) خرید نے سے منع فرماتے۔ اور اگر کوئی فقیر کسی غنی کو صدقہ کا مال ہدیہ کے طور پر دیتا تو آپ اس کو کھا لینے کی اجازت دیتے چنانچہ حضرت بریرہ رضؓ پر جو مال صدقہ کیا گیا تھا آپؐ نے اس میں سے کھایا اور فرمایا کہ یہ مال اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

کبھی آپؐ مال صدقہ میں سے مسلمانوں کے مصالح (رفاہی) کاموں کے لیے قرض لے لیتے۔ مثلاً آپ نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ لیکن اونٹ کم رہ گئے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ صدقہ کی جوان اونٹیوں میں سے لاؤ اور آپ اپنے ہاتھ سے اونٹ کو نشان لگاتے تھے۔ آپ ان کے کانوں میں نشان لگاتے تھے۔ اور جب کبھی قحط سالی ہو جاتی تو آپ مالکان (زمین) سے صدقہ کا قرضہ بھی لے لیتے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کے صدقہ کا مال قرضہ لیا۔

فطرہ اور اس کی اہمیت

عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کر دینا سنّت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے ہر مسلمان اور چھوٹے بڑے مرد، عورت، آزاد غلام ہر ایک پر حتیٰ کہ جو کسی کی کفالت میں ہو اس پر بھی کھجور یا جو یا پنیر کشمش کا ایک صاع صدقہ فطر فرض فرمایا ہے۔ نیز آپؐ سے آٹے یا گندم کا ایک صاع بھی منقول ہے اور معروف یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ان مذکورہ اشیاء کے مقابلہ میں گندم کا نصف صاع مقرر کیا ہے۔ (ابو داؤد) اور صحیحین میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ مقدار مقرر کی ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو مرسل اور مسند آثار ملتے ہیں وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ ان میں سے حضرت ثعلبہ بن عبد اللہ بن ابی صغیر کی روایت ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

گندم کا ایک صاع دو آدمیوں پر (تقسیم ہوگا) (مسند امام احمدؒ)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے بصرہ کے منبر پر

رمضان کے آخر میں خطبہ دیا، اور فرمایا، اپنے روزے کا صدقہ ادا کرو۔ لیکن لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہاں یعنی اہل مدینہ والوں سے فرمایا، اٹھو اور اپنے بھائیوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نہیں جانتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر آزاد، غلام، مرد، عورت پر کھجور یا جو کا ایک صاع یا گندم کا نصف صاع فرض کیا ہے، لیکن جب علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اشیاء کی ارزانی دیکھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فراخی اور کشادگی عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا گندم اور دوسری سب چیزوں میں ایک صاع ادا کیا کرو۔ اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ اس مذہب کو قوی سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کفارات میں امام احمد نے اسی قول پر قیاس کیا ہے اور فرمایا ہے کہ دوسری چیزوں کی نسبت گندم نصف صاع واجب ہے۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ نماز عید سے قبل صدقہ ادا فرما دیا کرتے اور سنن میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جس نے نماز سے قبل ادا کیا وہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ ایک عام صدقہ ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا، کہ عیدگاہ کی طرف لوگوں کے روانہ ہونے سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دیا کرو۔ ان دونوں روایات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ (صدقہ) کو نماز عید سے مؤخر نہ کیا جائے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ فوت ہو جاتا ہے۔ یہی درست مسلک ہے، کیونکہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں اور نہ کوئی ناسخ ہے۔ اور نہ اجماع اس کی نفی کرتا ہے اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ اسی مذہب کو قوی سمجھتے تھے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ قربانی امام کی ادائے نماز پر موقوف ہے نہ کہ وقت پر اور اگر کوئی امام کی نماز سے قبل قربانی کا جانور ذبح کر لے تو اس کا ذبیحہ قربانی نہیں ہوگا بلکہ یہ محض بکری کا گوشت ہے۔ یہی بات

دوسرے مسائل میں بھی صادق آتی ہے۔ دو مواقع پر آپؐ سے بھی یہی فعل ثابت ہے۔

صدقہ فطر مساکین کے لیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ آپؐ یہ صدقہ فطر مساکین کے لیے مختص فرما دیتے اور اقسام اشتگانہ پر ایک ایک مٹھی تقسیم نہ کرتے۔ نہ آپؐ نے اس کا حکم دیا اور نہ آپ کے بعد صحابہؓ یا تابعین میں سے کسی نے ایسا کیا بلکہ ہمیں جو اقوال پہنچے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے صرف مساکین پر ہی صرف کیا جا سکتا ہے اور یہ قول دوسرے قول سے زیادہ قابلِ ترجیح ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اسے اقسام اشتگانہ پر تقسیم کر دیا جائے۔

نفلی صدقات میں سُنّت رسولؐ

نفلی صدقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ آپؐ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا صدقہ کر دیتے۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ صدقات کرتے، اور جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو کچھ عطا فرماتے اور آپ اس کی کثرت و قلت نہ چاہتے اور آپ سے جو بھی سوال کرتا، آپ اس کو تھوڑا یا بہت ضرور عطا فرماتے اور آپ کی عطا ایسی تھی کہ جیسے فقر کا کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔ آپؐ کے نزدیک صدقہ کرنا سب سے زیادہ محبوب تھا اور آپ جو کچھ عطا فرماتے اس سے آپ کو عطیہ دینے والے سے بھی کہیں زیادہ فرحت اور خوشی ہوتی۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپؐ کا ہاتھ گویا (عطا کرتے میں) ایک چلتی ہوئی آندھی تھا۔ کوئی ضرورتمند آتا تو اسے اپنے آپ پر بھی ترجیح دیتے، کھانے میں بھی اور لباس میں بھی۔ آپ کے عطایا اور صدقات کئی انواع کے تھے۔ کبھی ہبہ کرتے کبھی ہدیہ دیتے کبھی ایک چیز خریدتے پھر بیچنے والے کو اس کی قیمت اور وہ چیز دونوں عطا فرما دیتے جیسا حضرت جابرؓ کے ساتھ معاملہ فرمایا، کبھی قرض لیتے اور اس سے زیادہ یا افضل اور بہتر عطا فرماتے۔ کبھی کچھ خریدتے تو اس کی قیمت بہت زیادہ

عطا فرماتے، ہدیہ قبول فرما لیتے لیکن ہر ممکن صدقہ اور احسان کی صورت میں لطف و کرم کرتے ہوئے اس سے زیادہ یا دگنا عطا فرماتے، آپؐ کا صدقہ واحسان آپ کے حالات اور ملکیت کے مطابق ہوتا۔ چنانچہ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا خرچ کر ڈالتے۔ آپ صدقہ کرنے کا حکم دیتے، اس کی ترغیب دیتے۔ آپ حال وقال کے مطابق اس کی دعوت دیتے۔ جب کسی بخیل کو دیکھتے تو اسے سخاوت وعطاء کی ترغیب دیتے۔ جو بھی آپ کی مصاحبت میں رہ جاتا اور آپ کے طریق کار کو دیکھ پاتا تو وہ بھی اپنے آپ کو جُود وسخاء سے روک نہ سکتا، اور آپؐ کی سنت طیّبہ یہ تھی کہ احسان وصدقہ اور نیکی کی دعوت دیتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حصول کمال وشرح صدر کے اسباب

آپؐ کے شرح صدر کا سب سے بڑا سبب کامل طور پر اور پوری قوت کے ساتھ عقیدۂ توحید تھا، اس چیز کی زیادتی ہی آپؐ کے انشراح صدر کا سبب تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَفَمَن شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ
یعنی کیا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، تو وہ اپنے پروردگار کی جانب سے نور پر ہے۔

اور فرمایا۔ فَمَن يُرِدِ اللّٰهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ
یعنی، پس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور بے قرار سا بنا دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر زبردستی سے) چڑھ رہا ہے۔

اس طرح شرح صدر کے سب سے بڑے اسباب توحید اور ہدایت ہیں اور تنگی قلب کے سب سے بُرے محرکات شرک اور گمراہی ہیں۔ اور اسی قبیل

یں سے نور ہے جسے اللہ تعالیٰ بندے کے قلب میں ڈال دیتا ہے اور یہ نور ایمان کا نور ہوتا ہے، چنانچہ یہ سینہ کو کھولتا اور وسعت عطا کرتا اور قلب میں فرحت پیدا کرتا ہے اور جب بندے کے قلب سے نور ضائع ہوتا ہے تو وہ تنگ (دل) اور پریشان ہو جاتا ہے، اور گویا وہ سب سے زیادہ تنگ اور دشوار قسم کے قید خانہ میں ہوتا ہے۔

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو (قلب) میں وسعت و انشراح پیدا ہو جاتا ہے"

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول اس کی علامت کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا (اس کی علامت) دوام کے گھر کی طرف انابت اور دارالغرور (دنیا) سے نفرت، اور موت کے آنے سے قبل ہی اس کی تیاری ہے۔ چنانچہ بندے کو انشراح کے باعث اس نور کا حصّہ عطا ہوتا۔

یہی معاملہ نور حسی اور ظلمت حسی کا ہے، وہ سینہ میں وسعت پیدا کرتی ہے اور یہ تنگ دلی پیدا کرتی ہے۔ اسی قبیل سے علم ہے، وہ سینہ میں اس قدر انشراح اور فراخی پیدا کرتا ہے کہ دنیا بھر سے زیادہ وسعت حاصل ہو جاتی ہے لیکن جہالت، تنگ دلی اور انقباض پیدا کرتی ہے اس لیے بندے کا علم جس قدر بڑھتا ہے انشراح اور وسعتِ قلب میں اُسی قدر اضافہ ہوتا ہے اور یہ ہر علم کی خاصیت نہیں بلکہ صرف اسی علم کی خاصیّت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ وہی علم فائدہ بخش ہے۔ اسی علم کے حاملین تمام انسانوں سے زیادہ وسیع (ظرف والے) فراخ دل، اخلاق حسنہ کے مالک اور خواہش ہوتے ہیں۔ اسی سے انابت الی اللہ اور اللہ کی محبت قلبی اس کی طرح جھکاؤ، اس کی عبادت کو نعمت سمجھنے کا احساس ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس سے زیادہ بندے میں کوئی بات شرح قلب

کی موجب نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات انسان یوں بھی کہنے لگتا ہے کہ اگر میں جنّت میں اسی حالت میں داخل ہوں جس حالت میں اب ہوں، تو میری زندگی کیا خوب ہوتی۔

انشراح قلب۔ خوش نفسی اور تنعم قلبی ہی محبت کو خاص طور پر بہت زیادہ داخل ہے جسے اس کا احساس ہوتا ہے وہی اس کا رمز شناس ہوتا ہے، اور جس قدر محبت قوی اور شدید ہوگی اسی قدر سینہ میں فراخی اور انشراح ہوگا تنگ دلی پاس بھی نہیں پھٹکتی، البتہ اگر وہ اہل باطل اور بے کار لوگوں کو دیکھ لے تو انہیں دیکھ لینے سے اس کی آنکھوں میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے اور ان سے اختلاط اس کے لیے روحانی بخار بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اعراض، دوسروں کے ساتھ تعلق قلب، اللہ کے ذکر سے غفلت اور دوسروں کی محبت، تنگ دلی کے سب سے بڑے اسباب ہوتے ہیں، کیونکہ جو اللہ کے سوا کسی اور سے محبت رکھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسی کے باعث اسے سزا دے گا اور غیراللہ کے زنداں میں اس کا قلب محبوس کر دے گا، پس کرۂ ارض پر اُس سے زیادہ بدبخت، تنگ دل اور بدحال کون ہوگا؟ ہر حالت اور ہر مقام پر ذکر خدا کی مداومت شرح صدر کے اسباب میں سے ہے، اس لیے انشراح صدر اور تنعیم قلب کے لیے ذکر میں ایک عجیب تاثیر رکھی گئی ہے اور تنگی، انقباض اور عذاب کے لیے غفلت ہی ایک عجیب تاثیر ہے۔

خلق کے ساتھ احسان کا برتاؤ۔

اسی طرح خلق کے ساتھ احسان کا برتاؤ ہے جو احسان کرنے والا۔ خلق کے ساتھ روا رکھتا ہے مالی طور پر بھی اور دوسرے طریقوں پر بھی، محسن اور کریم ساری خلقت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ شرح صدر کا حامل ہوتا ہے، اس کا نفس پاک ہوتا ہے اور وہ تنعیم قلب کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور بخیل جس میں احسان کا مادہ نہیں پایا جاتا، وہ سب لوگوں

سے زیادہ تنگ ظرف، بدحال اور حزن و ملال کا مجموعہ ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بخیل اور سخی کی مثال دی ہے کہ جیسے دو آدمی ہوں، جن کے بدن پر لوہے کے لباس ہوں جیسے ہی سخی صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا لباس کھل جاتا اور فراخ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے کپڑے گھسیٹتا ہے اور نشانات چھوڑ جاتا ہے۔ اور جونہی بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو لوہے کے لباس کی ہر کڑی اپنی جگہ پر جم جاتی ہے اور وہ ذرا بھی فراخ نہیں ہوتا، تو گویا یہ سخی مومن کے شرح صدر اور وسعتِ قلب کی مثال ہے اور دوسری مثال بخیل کی تنگ ظرفی اور انقباضِ قلب کی ہے۔

شجاعت اور وسعت ظرف

اسی طرح شجاعت ہے کیونکہ شجاع وسعتِ ظرف اور فراخی قلب کا مالک ہوتا ہے اور بزدل تمام لوگوں میں تنگ ظرف اور منقبض ہوتا ہے اس کے لیے کوئی فرحت اور خوشی نہیں اور نہ لذت و نعمت ہے۔ وہاں اگر کچھ حاصل ہوگا تو صرف ویسی ہی لذت جو پاؤں اور حیوانات کو فہم و فراست سے عاری ہونے کے سبب حاصل ہے۔

اسی طرح بلکہ ان تمام مذکورہ صفات سے زیادہ اہم یہ ہے کہ دل ان تمام صفاتِ مذمومہ سے خالی کر دیا جائے جو تنگی اور عذاب کا سبب بنتے ہیں اور اس کی صحت میں آڑے بن کر رہ جاتے کیونکہ جب تک انسان شرح صدر کے اسباب کی طرف راغب نہ ہوگا اور صفاتِ مذمومہ اس کے قلب سے خارج نہ ہوں گے تو اسے کماحقہ انشراح صدر حاصل نہ ہوگا۔

قلب کے انقباض و حبس کے محرکات

اسی طرح نظر، کلام، استماع، مخالطت (میل جول)، اور اکل، نوم (کھانے اور پینے) فضول اور لغو چیزوں کا ترک کرنا اور ان سے بچنا ہے کیونکہ یہ فضولیات آلام و غموم اور ہموم کو قلب میں انقباض و حبس اور تنگی پیدا کرتے ہیں اور عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ بلکہ دنیا و آخرت کا بلبشتر عذاب انہی کی کرشمہ سازی ہے۔

(واقعہ یہ ہے کہ ان آفات میں سے کسی آفت میں حصّہ لے کر (انسان) کسی قدر تنگ ظرف اور بدحال ہو جاتا ہے اور کسی قدر پریشان اور منقبض ہو جاتا ہے۔

(واقعہ یہ ہے) کہ ان خصائلِ حمیدہ میں سے کچھ حصّہ حاصل کر کے بھی انسان کس قدر خوش عیش ہو جاتا ہے اور اس کی قوت اسی پر وافر اور اسی کے گرد سرگرداں ہوتی ہے، اس آدمی کا حصّہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ۔

بے شک نیک لوگ البتہ نعمتوں میں (گھرے ہوئے) ہوں گے۔

اور برے آدمی کا حصّہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں ہے۔

اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ۔

بے شک فاسق لوگ دوزخ میں ہوں گے۔

ان دونوں کے درمیان کئی امتیازات ہیں جنہیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اخلاقِ حسنہ میں اکمل ہیں۔ آپ ہی سے شرح صدر وسعت قلب، آنکھوں کی ٹھنڈک اور روحانی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا آپ شرح صدر اور حیاتِ (روحانی) اکمل الخلق ہیں اور اس اتباع کے باعث بندے کو بھی جو شرح صدر اور ذکر کے لیے درجہ کمال میں حاصل ہوگا۔ آپؐ کے متبعین کو ان کے اتباع کے مطابق اللہ کی جانب سے حفاظت، عصمت (تحفظ) دفاع، اعزاز اور امداد واعانت حاصل ہوگی، بعض کو کم اور بعض کو زیادہ، پس جو بھلائی پائے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی حمد کرے اور جسے اس کے علاوہ کچھ اور (یعنی سزا) ملے تو چاہیے کہ صرف اپنے آپ کو مستحق ملامت خیال کرے۔

روزہ اور اس کے برکات و مصالح

صوم رمضان کے تدریجی مرحلے، رخصت و عزیمت کے پہلو

عبد اور معبود کا باہمی راز

روزے سے مقصود شہوات سے حبس نفس اور مالوفات سے انقطاع اور قوائے شہوانیہ کی تعدیل ہے۔ تاکہ انتہائی سعادت اور پورے انعامات حاصل ہو سکیں اور اسے شرفِ قبول حاصل ہو، جو دراصل ذریعہ ہے تزکیہ نفس کا اور اسی میں حیات ابدی مضمر ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے، جس میں انسان دوسرے کی بھوک، دوسرے کی پیاس اور دوسرے کی کلفت پورے طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ اکل و شرب کی یہ کمی شیطان کے لئے تنگنائے بن جاتی ہے، جس سے اس کا گزرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ نیز معاد و معاش کے مضرات کی گنجائش کم ہو جاتی ہے یہ (بدن) کے ہر عضو کو تسکین بخشتا اور ہر قوت کی بے راہ روی کو قابو میں رکھتا ہے گویا یہ پرہیزگاری کی لگام اور جنگ کرنے والوں کی ڈھال ہے۔ صالحین اور مقربین کی ریاضت ہے اور تمام اعمال میں روزے کا عمل ہی ایسا ہے جو صرف رب العالمین کے لئے ہے، کیونکہ روزے دار ہر چیز سے رکا رہتا ہے۔ وہ کھانا پینا اور شہوت رضائے الٰہی کی خاطر چھوڑ دیتا ہے گویا اس نے نفسانی خواہشات، محبوب باتیں اور لذات دنیاوی اللہ کی محبت اور رضا کی وجہ سے ترک کر دیں۔

یہ عمل (روزے کا) بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک راز ہے جسے صرف وہی جانتا ہے۔

اس میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سب سے اکمل اور حصول مقصود کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، نیز عوام کے لئے آسان تر بھی ہے۔ چونکہ مرغوبات وشہوات سے بچنا تمام کاموں سے زیادہ مشکل اور سخت تر تھا۔ اس لئے اسے ہجرت کے بعد اسلام کے عہد متوسط تک مؤخر کیا گیا تاکہ عوام کے قلوب توحید اور نماز پر جم جائیں اور قرآن کے اوامر سے مالوف ہو جائیں۔ چنانچہ یہ کام ہجرت کے بعد عہد اسلام کے وسط تک اٹھا رکھا گیا۔ یہ تدریجی طور پر بروئے عمل آیا۔ ہجرت کے بعد دوسرے سال یہ فرض کیا گیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپؐ نو رمضانوں کے روزے رکھ چکے تھے۔

روزے کے تین مراتب تھے۔

پہلا طریقہ تخییر تھا، یعنی اگر کوئی چاہے تو ہر روز فقیر کو کھانا کھلاتا رہے اور خود روزہ نہ رکھے پھر یہ ہوا کہ بوڑھا شخص یا عورت اگر چاہیں تو ہر روز فقیر کو کھانا کھلا دیا کریں اور خود روزہ نہ رکھیں، نیز مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر اپنی یا بچہ کی صحت کا خطرہ ہو تو قضا کی تاکید کے ساتھ وقتی طور پر مسکین کو ہر روز کھلا کر روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی۔

دوسرا طریقہ لازمی روزے کا تھا، اگر روزے دار کچھ کھانے سے پہلے سو جاتا تو اگلی رات تک اس پر کھانا پینا حرام تھا۔

اس دوسرے طریقہ کو تیسرے طریقہ نے منسوخ کر دیا اور یہ قیامت تک مشروع رہیگا

صوم وصال پر آپؐ کا عمل لیکن صحابہؓ کو ممانعت

آپؐ رمضان شریف میں کثرت سے کئی اقسام کی عبادتیں کرتے چنانچہ رمضان مبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام سے آپ قرآن مجید کی منزلوں کی (تکرار) کرتے۔ جب حضرت جبریل علیہ السّلام سے ملاقات ہوتی تو آپ تیز آندھی سے بھی زیادہ شدّت

کے ساتھ سخاوت کرتے۔ آپ لوگوں سے بہت زیادہ سخی تھے۔ لیکن رمضان میں تو صدقات و احسان تلاوت قرآن مجید، نماز، ذکر اور اعتکاف میں ازحد اضافہ ہو جاتا اور دوسرے مہینوں کی نسبت رمضان المبارک کے مہینہ کو عبادت کے لئے مخصوص فرما لیتے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپؐ صوم وصال (مسلسل روزہ) رکھتے تاکہ آپؐ ہر وقت اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف رہ سکیں۔

(لیکن) آپؐ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صوم وصال سے منع فرماتے تھے۔

وہ عرض کرتے کہ آپ تو یا رسول اللہ صوم وصال رکھتے ہیں؟

تو آپؐ فرماتے: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں رات گزارتا ہوں اور ایک روایت میں آتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس خورد و نوش میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ملتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ خورد و نوش حسی ہے، جو (مادی) منہ سے (کھایا جاتا تھا) کہتے ہیں کہ یہی الفاظ کا حقیقی مطلب ہے اور اس سے روگرداں ہونے کی حاجت نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے خورد و نوش عطا کرنے کا مطلب علوم کی غذا ہے اور اللہ کے سامنے لذتِ مناجات، اس کے قرب میں سکون چشم اس کی محبت کے انعامات کا فیضان ہے جو قلب پر نازل ہوتا ہے اس کے علاوہ اس قسم کے دیگر احوال، جو غذائے قلبی، انعامات روحانی سکون نفس و روح کی حیثیت رکھتے ہیں اور جسے کچھ بھی تجربہ ہو۔ وہ جانتا ہے کہ بدن قلبی اور روحانی غذا کے مقابلہ میں یکسر حیوانی غذا سے مستغنی ہو جاتا ہے خصوصًا ایسا آدمی جو اپنے مطلوب کو حاصل کرلے، مسرور ہو اور اپنے محبوب کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر رہا ہو، اس سے راضی ہو محبوب کے لطف و کرم۔ ہدایا و احسانات ہر وقت اسے مل رہے ہوں اور محبوب بھی رکھتا ہو۔ تو کیا یہ محب کے لیئے سب سے بڑی غذا نہیں؟ (اگر دنیاوی مواقع پر ایسے حالات ہو سکتے ہوں) تو (ذرا سوچیے تو سہی) اس حبیب کی کیا کیفیت ہو گی؟ جس سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں، جس سے زیادہ عظمت کسی کی نہیں۔ اور جس سے زیادہ جمیل و کامل کوئی نہیں اور جس سے

زیادہ محسن کوئی نہیں ۔ جب محب کا دل اس کی محبّت ۔سے لبریز ہو گیا اور قلب کے تمام اجزاء بدن کے تمام جوارح اس کی ملکیت میں آگئے ۔جب اس کی محبت سب سے زیادہ گہری اور اثر انگیز ہوتی ہے ۔ اور اپنے حبیب کے ساتھ یہ اس کی شان ہوتی ہے تو یہ کیسے نہ ہوتا کہ یہ محبّت اپنے حبیب کے ہاں سے دن رات نہ کھاتا پیتا ، یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور اگر یہ مادی خورد ونوش ہوتا تو صوم وصال تو الگ رہا آپ صائم (روزے دار) ہی نہ ہوتے اور یہ کیفیت اگر صرف رات کی حامل ہوتی تو وہ صوم وصال نہ ہوتا۔

صوم وصال کے بارے میں تین قول

نیز آپ صحابہؓ کے سوال پر کہ آپ صوم وصال رکھتے ہیں"! جواب نہ دیتے کہ "میں وصال نہیں کرتا" اور یہ نہ فرماتے کہ "میں تمہاری طرح نہیں ہوں" بلکہ آپؐ نے تو وصال کا اقرار کیا۔ اور اس بات کی نفی فرمادی کہ آپؐ کی اور صحابہؓ کی حالت یکساں نہیں ، بلکہ امتیازی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک یعنی صوم وصال رکھا۔ تو لوگوں نے بھی وصال شروع کر دیا۔ پھر آپ نے انہیں منع فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ آپ وصال کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں ۔ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت پر رحمت کے باعث صوم وصال سے منع فرمایا اور سحری تک اجازت دی ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا او وصال مت کرو، جو وصال کرنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ سحری تک وصال کرے ۔

اب سوال یہ ہے کہ مسئلہ کی نوعیت کیا ہے ؟ کیا وصال جائز ہے یا حرام ہے یا مکروہ ہے ؟ تو جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس میں تین اقوال ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اگر استطاعت ہو تو جائز ہے ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے

یہی مروی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ کئی کئی ایام تک وصال کرتے تھے۔ اس مسلک والوں کا خیال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے صومِ وصال رکھا۔ حالانکہ آپؐ نے انہیں منع کر دیا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے صوم وصال سے منع فرمایا اور فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ چنانچہ جب (صحابہؓ) نہ رکے تو انہوں نے آپ کے ساتھ ایک دن دو دن تین دن (صوم وصال) رکھا تو منع فرمانے کے بعد بھی آپؐ کا صحابہؓ کے ساتھ مل کر وصال ثابت ہے۔ اگر یہ ممانعت حرام کے معنی میں ہوتی تو صحابہؓ رکنے سے انکار نہ کرتے اور آپ اس کے بعد اور ان کے عمل کا اقرار (یعنی تائید) نہ فرماتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب صحابہؓ نے منع کرنے کے بعد بھی (صوم وصال) رکھا۔ حالانکہ (حضورؐ) جانتے تھے اور اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے رحمت و تخفیف کے ارادہ (سے منع) فرمایا تھا اور حضرت عائشہؓ نے بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کے باعث صوم وصال کی مخالفت کی تھی (متفق علیہ)

(۲) دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وصال جائز نہیں۔ امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعی اور ثوریؒ کا یہی مذہب ہے ابن عبد البرؒ ان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے کسی کے لیئے بھی جائز نہیں بتایا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی کراہت پر شافعیؒ کی نص موجود ہے اور ان کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ بعض نے مکروہ تحریمی اور بعض نے تنزیہی بتایا ہے اور حرام بتانے والوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سے استدلال کیا ہے اور نہی و ممانعت تحریم کی مقتضی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا فرمان "رحمت کے باعث" تحریم کی نفی نہیں کرتا، بلکہ تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ بھی رحمت کے باعث ہوا کہ اسے ان پر حرام کر دیا، بلکہ تمام مناہی (ممنوعات) اُمّت پر رحمت اور اس کے تحفظ و دفاع کی خاطر ہی ہیں۔

رہا ممانعت کے بعد بھی وصال کرنا تو یہ اس لیے نہیں کہ ممانعت کے باوجود انہوں نے صیام وصال کو برداشت کیا اور یہ (مقصد بھی تھا) کہ ممانعت کا سبب اس کی حکمت اور مضر عنصر بھی کھل کر سامنے آجائے۔ چنانچہ جب وصال کا ضرر اور مخالفت کی حکمت عیاں

ہوگئی تو یہی قبولیت ممانعت اور ترک وصال کی داعی بن گئی کیونکہ جب انہیں وصال سے عبادت میں تکلیف محسوس ہونے لگی جو اللہ کے حقوق میں سب سے زیادہ اہم اور قابل ترجیح کام ہے اور فرائض ظاہری اور باطنی امور میں ہرج ہونے لگا اور بھوک ان (حقوق کی ادائیگی) میں رکاوٹ بننے لگی تو ان کے سامنے وصال کی ممانعت کی حکمت اور ضرر آگیا اور ان کا کہنا ہے کہ صحیحین میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات اس قدر ہو جائے اور دن اس قدر چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو (گویا) روزے دار افطار کرلے۔ اور صحیحین میں اس طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے ان کا کہنا ہے کہ آپ نے وقت افطار آنے پر مفطر قرار دے دیا۔ اگرچہ افطار نہ کرے اور یہ بات شرعاً وصال میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے (نیز) ان کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمت فطرت پر رہے گی اور جب تک میری امت افطار میں جلدی کرتی رہے گی۔ تب تک بھلائی پر رہے گی۔ اور سنن میں آپؐ سے مروی ہے کہ جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے تب تک دین غالب رہے گا۔ (اور) یہودی اور عیسائی (افطار میں) دیر کرتے ہیں (نیز) سنن میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ میرا سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو سب سے جلدی افطار کرے یہ روایت تاخیر افطار کی کراہت ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا جو (افطار) کو ترک دے تو یہ کس قدر (غلط) کام ہوگا؟

اور جب ایک بات مکروہ ہو تو وہ عبادت شمار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عبادت کو کم از کم مستحب کا درجہ ضرور حاصل ہونا چاہیئے۔

(۳) تیسرا قول جو تمام اقوال سے زیادہ اعتدال پسندانہ ہے یہ ہے کہ سحری سے سحری تک وصال جائز ہے۔ یہ ہی احمدؒ اور اسحٰقؒ سے منقول ہے حضرت ابوسعید خدری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

"وصال نہ کرو اور جو تم میں سے وصال کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ سحری تک وصال کرے (بخاریؒ)

یہ روزے کے لئے سب سے زیادہ سہل اور معتدل وصال ہے اور یہ عشاء کے کھانے کے قائم مقام ہے۔ فرق یہ ہے کہ ذرا مؤخر ہو گیا تو (اس صورت میں) روزے دار دن رات میں ایک بار کھائے گا۔

رؤیت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کی تحقیق نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جاتا آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ نیز ایک اعرابی کے کہنے پر روزہ شروع کر دیا۔ اور ان دونوں کی خبر پر اعتماد کیا اور انہیں لفظ شہادت کا پابند نہیں کیا اگر یہ خبر دینا ہو تو خبر واحد میں رمضان کے لئے کافی ہو جاتی اور اگر شہادت ہوتی تو شاہد کو لفظ شہادت کہنے کا پابند نہ کرتے اور اگر رویت یا شہادت دونوں نہ ہوتیں تو آپ شعبان کے تیس دن پورے کرتے اور اگر تیسویں رات کو بادل یا ابر حائل ہو جاتا تو آپ تیس دن مکمل کرتے اور پھر (اگلے روز) روزہ رکھتے۔

اور آپ بادل کے دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے نہ آپ نے اس کا حکم دیا، بلکہ فرمایا۔ جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں۔

اور آپ خود بھی ایسا ہی کرتے۔ اس طرح یہ آپ کی سنت بھی تھی اور یہ آپ کا حکم بھی تھا اور یہ روایت آپ کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ جب تم پر بادل چھا جائے تو اس کا اندازہ کر لو اور قدر (اندازہ) سے مراد حساب مقدر ہے اور اس سے مراد تکمیل (ماہ) ہے جیسا کہ فرمایا:

اَکْمِلُوا الْعِدَّةَ "عدّت پوری کرو"

اور اکمال سے مراد اس ماہ کو مکمل کرنا ہے، جس کی (آخری تاریخ پر) بادل چھا گیا جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ "شعبان کی مدّت پوری کرو" اور فرمایا جب تک دیکھ نہ لو تب تک روزہ نہ رکھو اور جب تک (چاند) دیکھ نہ لو تب تک افطار نہ کرو۔ اگر بادل چھا جائیں۔ تو مدّت مکمل کرو اور یہ جو اکمال مدّت کا حکم دیا اس سے مراد مہینہ ہے اور یہ روزے

اور افطار کے موقع پر ہے۔

اس سے زیادہ واضح روایت آپ کا فرمان ہے کہ مہینہ انتیس دن کا ہے اس لئے جب تک اُسے دیکھ نہ لو تب تک روزہ نہ رکھو اور اگر بادل چھا جائیں تو مدّتِ (ماہ) پُوری کرو۔ لفظی طور پر ابتدائے ماہ اور معنوی طور پر آخر ماہ کی طرف راجع ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں۔ کہ لفظی مطلب کی نفی کر دی جائے اور فقط معنوی مراد کو درست قرار دیا جائے

(نیز) آپؐ نے فرمایا، کہ مہینہ تیس دن کا (بھی) ہے اور مہینہ انتیس کا (بھی) ہے۔ اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن مکمل کرو اور کہ رمضان سے قبل روزے مت رکھو (بلکہ) چاند دیکھ کر روزے رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو لیکن اگر ابر کا ٹکڑا رکاوٹ بن جائے تو تیس (دن) مکمل کرو۔

اور فرمایا: رمضان کا (روزے رکھ کر) استقبال نہ کرو۔ ایک لفظ یہ بھی ہے کہ رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن قبل روزے مت رکھو، ہاں ایسا آدمی جو پہلے سے روزے رکھتا چلا آرہا ہے وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یوم غیم (بادل کا دن) اس نہی میں داخل ہے۔ مرفوعاً حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ" رمضان سے قبل (اس کے استقبال کے لئے) روزے مت رکھو (بلکہ) اسے دیکھ کر روزے رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو۔ اگر ان کے درمیان بادل آڑ بن جائے تو تیس دن پورے کرو۔ (صحیح ابن حبانؒ)

اگر چاند میں شک ہو جائے تو؟

اور حضرت سماکؒ نے حضرت عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ ہلال رمضان کے دیکھنے میں لوگوں کو شک ہوا۔ بعض نے کہا کہ آج (روزہ) ہے اور بعض نے کہا کہ کل ہو گا۔ چنانچہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتانے لگا کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

کے رسول ہیں) کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں بے شک دیتا ہوں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا، انہوں نے لوگوں میں منادی کرا دی کہ روزے رکھو، پھر فرمایا کہ اسے دیکھ کر روزے رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو۔ اگر تم پر بادل چھا جائیں تو تیس دن کا اندازہ کر لو۔ پھر روزے رکھو اور اس سے قبل ایک دن کا روزہ مت رکھو۔

یہ تمام احادیث صحیح ہیں، بعض روایات صحیحین میں ہیں اور بعض صحیح ابن حبانؒ حاکم وغیرہ میں ہیں۔ اگرچہ بعض کو معلول قرار دیا گیا ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی صحت استدلال معلول نہیں رہتی۔ اگر کہا جائے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیّبہ ہے تو حضرت عمرؓ بن خطابؓ، علی بنؓ ابی طالب، عبداللہ بن عمرؓ، انسؓ بن مالک، ابوہریرہؓ، معاویہؓ، عمرؓ بن عاص، حکمؓ بن ایوب غفاری عائشہؓ، اسماءؓ بنت ابی بکر نے آپ کے خلاف کیوں کہا؟ نیز سالمؒ بن عبداللہ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، ابو عثمان نہدیؒ، مطرف بن شخیرؒ، میمون بن مہرانؒ، بکر بن عبداللہ مزنی نے کیوں مخالفت کی؟ نیز اہلِ حدیث وسنت کے امام احمد بن حنبلؒ نے کیسے مخالفت کی؟

اب ہم ان ائمہ کرام کے مستند اقوال پیش کرتے ہیں۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں انہیں ثوبان سے انہیں اپنے والد سے انہیں مکحولؒ سے روایت پہنچی کہ جب چاند رات کو آسمان پر ابر ہوتا۔ تو حضرت عمر بن خطابؓ روزہ رکھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ یہ رمضان پر تقدم نہیں ہے بلکہ تحری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق شافعیؒ نے بتایا کہ انہیں عبدالعزیز بن محمد وراوردی نے انہیں محمد عبداللہ عمرو بن عثمان سے انہوں نے اپنی والدہ فاطمہ بنت حسینؓ سے روایت کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا کہ میں شعبان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کو رمضان کے مہینہ میں افطار کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور دوست ابن عمرؓ کے متعلق تو کتاب عبدالرزاق میں ہے کہ ہمیں معمر سے انہیں ایوب سے ابن عمر کے متعلق روایت پہنچی کہ جب بادل ہوتا تو وہ صبح کو روزہ سے ہوتے اور اگر بادل نہ ہوتا تو افطار کر لیتے اور

صحیحین میں ان سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اسے (چاند کو) دیکھو تو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھ لو تو افطار کرو۔ اور اگر بادل چھا جائیں تو اس مہینہ کو مکمل کرو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نافع کی روایت سے مزید بتایا ہے کہ جب شعبان کی انتیس تاریخ ہوتی تو حضرت عبداللہ رضؓ کسی کو (چاند) دیکھنے کے لئے بھیجتے۔ اگر وہ دیکھ لیتا تو وہی بات ہوتی اور اگر نہ دیکھتے اور نہ بادل آڑے آتا تو آپ صبح کو افطار کرتے اور اگر بادل وغیرہ سامنے ہوتا تو صبح کو روزہ رکھتے۔

اقوال متعددہ ومختلفہ

رہی حضرت انس والی روایت تو امام صاحب نے فرمایا ہمیں اسمٰعیل بن ابراہیم نے انہیں یحییٰ بن ابی اسحٰق نے بتایا کہ میں نے ظہر یا اس کے قریب چاند دیکھا، تو لوگوں نے روزہ کھول لیا۔ چنانچہ ہم حضرت انس رضؓ بن مالک کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں چاند دیکھنے اور لوگوں کے افطار کرنے کی خبر دی۔ وہ فرمانے لگے یہ میرے لیے اکتیسواں دن مکمل کرے گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ حکمؒ بن ایوب نے لوگوں کے روزے سے قبل میرے پاس پیغام بھیجا کہ میں کل روزہ رکھوں گا۔ چنانچہ میں نے ان کی مخالفت کرنا پسند نہ کیا اور روزہ رکھ لیا (اس لئے) آج میں (اپنا روزہ) رات تک مکمل کروں گا۔

حضرت معاویہ رضؓ کے متعلق یہ ہے: احمدؒ فرماتے ہیں ہمیں مغیرہؓ نے انہیں سعیدؒ بن عبدالعزیزؒ نے انہیں مکحول اور ابن حلس نے بتایا کہ حضرت معاذ بن ابی سفیانؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں شعبان کے مہینہ کا روزہ رکھنے کو رمضان کے مہینہ میں افطار کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت عمرو رضؓ بن عاص کے متعلق یہ ہے: احمدؒ نے فرمایا: ہمیں زید بن حباب نے انہیں ابن لہیعہ سے انہیں عبداللہ بن ہبیرہ سے انہیں عمرو بن عاص کے متعلق روایت پہنچی کہ وہ رمضان کے مشکوک دن کا روزہ اکٹھا کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کے متعلق یہ ہے کہ ہم نے ابوہریرہ رضؓ کو فرماتے سنا کہ "اگر میں رمضان کے مہینہ میں ایک دن کی عجلت کر لوں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اس میں ایک دن کی تاخیر کر لوں، کیونکہ جب میں عجلت کروں گا تو اس میں سے (ایک روزہ بھی) فوت

نہ ہوگا۔ اور اگر دیر کر دی تو فوت ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ ہے کہ سعیدؒ بن منصورؒ نے فرمایا ہمیں ابوعوانہ سے انہیں یزید بن جبیرؒ سے انہیں اس قاصد سے خبر ملی جو رمضان کے مشکوک دن میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ شعبان میں روزہ رکھنا مجھے رمضان میں افطار کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے متعلق مروی ہے کہ سعیدؒ (مذکور) نے بتایا کہ ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن سے انہیں ہشامؒ بن عروہ سے انہیں فاطمہؓ بنت منذرؓ سے خبر ملی کہ جب کبھی بھی رمضان کی ابتداء میں بادل چھا جاتے تو حضرت اسماءؓ ایک دن قبل روزہ شروع کرتیں اور تقدم کرنے کا حکم بھی فرماتیں۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں روح بن عبادا انہیں حماد بن سلمہ سے انہیں ہشام بن عروۃ سے انہیں فاطمہ سے انہیں اسماءؓ سے تواتاً روایت ملی کہ (حضرت اسماءؓ) رمضان کے مشکوک دن کا روزہ رکھا کرتی تھیں۔

جس قدر اقوال ہم نے احمدؒ کی سند سے لکھے ہیں۔ یہ مسائل فضل بن زیادہ سے ہیں اور اثرم کی روایت میں ہے کہ جب آسمان پر بادل یا کوئی دوسری بات ہوتی تو صبح کو روزہ رکھتے اور اگر آسمان پر کوئی ایسی بات (چاند دیکھنے میں رکاوٹ) نہ ہوتی تو صبح کو افطار کرتے۔ اسی طرح ان کے دونوں بیٹوں صالح اور عبداللہؒ نے مروزی اور فضل بن زیادہ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ اقوال و آثار صحابہؓ میں کوئی ایسا صریح اثر نہیں جس میں وجوب پایا جائے۔ یہاں تک کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف قرار دیا جائے بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ احتیاطی قسم کا روزہ منقول ہے اور حضرت انسؓ سے تو صراحتاً منقول ہے کہ انہوں نے امراء (حکام) کی مخالفت سے کراہت کے سبب روزہ رکھا ہے۔ اسی وجہ سے امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا کہ لوگ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے سلسلہ میں امام (حاکم) کے اتباع ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی نصوص ہم بیان کر چکے ہیں۔ نیز ان کا قول جس سے ثابت

ہوتا ہے کہ یوم عظیم (بادل والے دن) کا روزہ واجب نہیں اور نہ حرام ہے۔ بلکہ جس نے افطار کیا اس نے جواز سے فائدہ اٹھایا اور جس نے روزہ رکھا اس نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا

دوسرے یہ کہ بعض صحابہؓ اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اور بعض نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا روزہ اس مہینہ میں واضح اور صریح تر ہے ابن عبدالبر نے اسے نقل کیا اور طاؤسؒ یمانی اور احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی خیال ہے۔

اور حضرت عائشہؓ و اسماءؓ جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادیاں تھیں۔ ان کا بھی یہی خیال ہے اور میں نہیں جانتا کہ ان کے علاوہ کوئی بھی حضرت ابن عمرؓ کے مذہب کی طرف گیا ہے اور حضرت عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہم نے مشکوک دن کا روزہ مکروہ بتایا گیا ہے۔

شعبان کا آخری نفلی روزہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی، عمر، عمار، حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ شعبان کا آخری نفلی روزہ ممنوع ہے۔ اس کے متعلق حضرت عمارؓ کا قول ہے کہ جس نے مشکوک دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ رہا یوم غیم کا روزہ تو یہ احتیاطی طور پر ہے اس لئے کہ اگر یہ رمضان میں سے ہے تو فرض ہے، ورنہ نفلی ہے۔ چنانچہ صحابہؓ کے مرویات کا مطلب اس کا جواز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ بھی ویسا ہی کرتے تھے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے کہ جب شعبان (کے آخری دن) بادل چھا جاتا تو آپ تیس دن مکمل کرتے، پھر روزہ رکھتے اور ان کی روایت کو ان کے فعل کی وجہ سے روک دیا گیا، اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتیں اور ان کے روزے کو حدیث کے معلول ہونے کا سبب قرار دیا حالانکہ مسئلہ اسی طرح نہیں۔ کیونکہ (حضرت عائشہؓ) نے واجب سمجھ کر روزہ نہیں رکھا بلکہ انہوں نے تو احتیاطاً رکھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و امر سے یہ سمجھا کہ روزے صرف مدّتِ (ماہ) مکمل ہونے پر واجب ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ اور ابن عمرؓ نے یہ نہیں سمجھا کہ سرے سے یہ جائز ہی نہیں ہیں یہ بحث اس مسئلہ میں سب

سے زیادہ معتدل ہے اور اسی پر تمام احادیث و آثار جمع ہو سکتے ہیں۔
اور معمرؒ کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جو انہیں ایوب سے انہیں نافع سے انہیں ابن عمرؓ سے پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال رمضان کے متعلق فرمایا کہ جب تم اسے دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب دیکھ لو تو افطار کرو اور اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن مکمل کر لو اور ابن ابی داؤد نے نافعؒ سے نقل کیا کہ اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن کی مدّت مکمل کرو اور مالک و عبیداللہ نے نافع سے روایت کیا کہ اس کا اندازہ کر لو۔ اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حدیث کا مطلب تیس دن مکمل کرنے کا وجوب نہیں بلکہ جواز سمجھا۔ اس طرح جب انہوں نے تیسویں دن کا روزہ رکھا تو گویا دو جائز کاموں میں احتیاطاً ایک (جائز) کام کیا۔

ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے خلافیات

اور حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو (رمضان کے) مہینہ کا ایک یا دو دن پہلے سے (استقبال) کرتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔ گویا (حضرت عباسؓ) ابن عمرؓ کا انکار کر رہے ہیں اور یہ دونوں صحابہؓ ایسے ہی تھے۔ ایک قدرے تشدّد کی طرف مائل تھے۔ اور دوسرے رخصت کی طرف مائل تھے اور یہی صورتِ حال دوسرے مسائل میں بھی جاری تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشدد کے باعث بعض ایسے امور کے بھی پابند تھے دیگر صحابہؓ جن کے موافق نہ تھے۔ آپ وضو میں آنکھوں کا اندرونی حصّہ بھی دھوتے تھے۔ یہاں تک کہ اس وجہ سے نابینا بھی ہو گئے اور جب آپ سر کا مسح کرتے تو کانوں کے لیے نیا پانی لیتے اور حمام میں جانے سے منع فرماتے اور جب داخل ہوتے تو اس کے بعد غسل کرتے۔ (دوسری طرف) حضرت ابن عباسؓ حمام میں جاتے (اور حضرت ابن عمرؓ) دو ضربات سے تیمم کرتے۔ ایک چہرے کے لیے اور ایک کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے اور ایک ہی ضرب پر اکتفا نہ کرتے۔ اور نہ ہتھیلیوں پر اور حضرت ابن عباسؓ ان کے خلاف کرتے۔ کہا کرتے کہ تیمم میں چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ایک ہی ضرب ہو گی۔

نیز حضرت ابن عمرؓ عورت کا بوسہ لینے پر وضو ضروری سمجھتے اور اس کا فتویٰ بھی دیتے اور جب آپ اپنے بچوں کا بوسہ لیتے تو کلی کرتے پھر نماز پڑھتے اور حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں (بیوی) کا بوسہ لیا ہے یا میں نے خوشبو سونگھی ہے (یعنی اُن کے نزدیک اس پر وضو نہ کرنا پڑتا) نیز (حضرت ابن عمرؓ) حکم دیا کرتے کہ جسے نماز کی حالت میں یاد آجاتے کہ اس پر فوت شدہ نماز کی قضا باقی ہے۔ نماز ختم کرے، پھر فوت شدہ نماز ادا کرے، پھر جس نماز میں مشغول تھا اس کا اعادہ کرے۔ یہ مسند ابو یعلی میں مرفوع روایت ہے اور صاف تر بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً منقول ہے اور صحیح نہیں اور بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع طور پر مروی ہے۔

الغرض حضرت ابن عمرؓ تشدد و احتیاط کے طریقہ پر چلا کرتے تھے اور معمر نے حضرت ایوب سے انھوں نے نافع سے انھوں نے (ابن عمر) سے روایت کیا کہ جب وہ امام کے ساتھ ایک رکعت پالیتے تو دوسری رکعت اس کے ساتھ اور ملا لیتے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو دو سجدۂ سہو کرتے۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی اور نے بھی یہ کیا ہو

ایک مسلمان کی شہادت بھی کافی ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی۔ کہ ایک مسلمان کی شہادت پر لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور دو (مسلمانوں کی گواہی پر روزے سے خروج (افطار) کا حکم فرماتے۔

اور آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ جب وقتِ عید گزرنے کے بعد دو شاہد چاند دیکھنے کی گواہی دیتے تو آپ افطار کر دیتے اور لوگوں کو بھی افطار کا حکم فرماتے۔ لیکن عید کی نماز اگلے روز اس کے وقت پر ادا فرماتے اور آپ افطار میں جلدی کرتے، اس کی ترغیب دیتے (نیز) سحری کھاتے اور سحری کھانے کی ترغیب بھی دیتے۔ اور آپ (سحری کھانے) کو مؤخر کرتے، اس میں تاخیر کی ترغیب دیتے اور کھجور سے افطار کرنے پر آمادہ کرتے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے۔ یہ امت پر کمال شفقت و نصیحت کے باعث تھا۔ کیونکہ خلوئے

معدہ میں میٹھی چیز کو طبیعت زیادہ قبول کرتی ہے اور اس سے کافی فائدہ بھی ہوتا ہے۔ خصوصاً بصارت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور مدینہ کی میٹھی کھجور ہی ان کے ہاں غذا بھی ہے۔ خشک اور تر کھجور ان کے ہاں پھل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اور پانی کا معاملہ یوں ہے کہ روزے کے باعث جگر میں خشکی ہو جاتی ہے اور جب پانی سے اس کو مرطوب کیا جائے گا تو اس کے بعد غذا سے اس کا فائدہ مکمل ہو گا۔ یہی وجہ کہ بھوکے پیاسے کو چاہیئے کہ کھانے سے قبل تھوڑا سا پانی پی لے۔ پھر اس کے بعد کھانا کھائے۔ اس کے علاوہ پانی اور کھجوریں اصلاح قلب کے لئے کافی مفید ہوتے ہیں۔ جنہیں ماہرین قلب جانتے ہیں۔

افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرنی چاہیئے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) پڑھنے سے قبل افطار کیا کرتے تھے۔ اور اگر تر کھجوریں مل جاتیں تو ان سے افطار فرماتے اگر نہ ملتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کر لیتے۔ اگر وہ بھی نہ ملتیں تو پانی کے چند گھونٹوں سے ہی افطار کر لیا کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم لك صمت وعلیٰ رزقك افطرت فتقبل منا انك انت السمیع العلیم

یعنی: ”اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا پس اسے ہماری طرف سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے“

نیز آپ سے یہ دعا بھی مروی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: اللھم لك صمت وعلیٰ رزقك افطرت۔

یعنی ”اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا“۔

اور ابو داؤد نے حضرت معاذ بن زہرہ سے روایت کیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہی (مذکورہ دعا) پڑھا کرتے تھے اور مروی ہے کہ جب آپ افطار کر لیتے تو یہ دعا پڑھتے

ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یعنی پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔
اور حسین بن واقدہ کی حدیث میں حضرت مروان بن سالم مقنع سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ روزے دار کی ایک دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی (ابن ماجہ)
اور صحیح روایت میں آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب رات اس قدر ہو جائے اور دن اس قدر چلا جائے تو (گویا) روزے دار کا افطار ہو گیا۔ اس کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ حکمی طور پر اسی کا افطار ہو گیا۔ اگرچہ اس کی نیت نہ کرے (دوسری تفسیر یہ ہے) کہ وقتِ افطار ہو گیا جیسا کہ کہتے ہیں۔ صبح ہوئی شام ہوئی وغیرہ۔
اور روزے دار کو آپ گندی باتیں کرنے، سختی برتنے، دشنام طرازی اور گالیوں کا جواب دینے سے منع فرماتے تھے۔ بلکہ آپ حکم فرماتے کہ جو گالی دے اس سے کہہ دو میں روزے سے ہوں۔
ایک قول یہ ہے کہ یہ بات زبان سے کہے یہ ظاہر حدیث کا مطلب ہے اور ایک قول ہے کہ دل میں کہے اور اپنے کو یاد دلائے کہ میں روزہ سے ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ فرض روزہ میں زبان سے کہے اور نفلی روزہ ہو تو دل میں کہے، کیونکہ یہ صورت ریاکاری سے دُور ہے۔

سفر میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی رخصت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا تو حالتِ سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی افطار کیا اور صحابہؓ نے بھی دونوں طریقوں کو اختیار فرمایا (نیز) جب دشمن قریب ہوتا تو آپ افطار کا حکم فرماتے تاکہ جنگ کرنے میں انہیں قوت حاصل ہو۔
دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے قوت حاصل کرنے کی خاطر افطار کرنا جائز ہے۔ اس میں دو قول ہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ ابن تیمیہؒ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔
چنانچہ جب دمشق کے باہر افواج اسلامی کو دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا تو انہوں نے

اس کا فتویٰ دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ محض سفر کے لئے افطار کرنے سے یہ افطار اولیٰ ہے۔ بلکہ سفر کی حالت میں افطار کو مباح قرار دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ حالتِ (جنگ) میں بھی افطار مباح ہے۔ کیونکہ اس حالت میں زیادہ استحقاق جواز ہے۔ کیونکہ سفر میں صرف مسافر سے قوت مختص ہے لیکن جنگ میں اس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے (قوت مطلوب) ہے اور سفر کی تکلیف جہاد کی مشقت زیادہ سخت ہے اور مسافر کے افطار سے مجاہد کا افطار زیادہ مصالح اور فوائد کا حامل ہوتا ہے۔

(نیز) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ

یعنی دشمن کے مقابلہ میں جس قدر استطاعت ہو قوّت مہیّا کر لو۔

اور جنگ کے وقت اسباب قوت میں سے افطار ایک عظیم قوت کا باعث ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازی کو قوّت قرار دیا اور یہ مقصد تب ہی ہو سکتا ہے جب غذا اور افطار کے ذریعہ قوّت و تعاون حاصل ہو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ایک مرتبہ حکم فرمایا: جب وہ دشمن کے قریب ہو چکے تھے۔

”تم اپنے دشمن کے قریب پہنچ چکے ہو۔ اس لئے افطار کر لو، تمہیں قوت حاصل رہے گی۔“

یہ رخصت تھی، پھر دوسری جگہ اُترے تو فرمایا:

”تم کل صبح دشمن کا مقابلہ کرو گے اور افطار تمہارے لئے قوت کا باعث ہو گا۔ اس لئے افطار کر لو۔“

چونکہ یہ ایک مقامِ جنگ تھا اس لئے آپؐ نے دشمن کے قریب ہونے اور قوّت کی احتیاج کو سبب قرار دیا۔ جس کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کرنا مقصود ہے۔ سفر اگرچہ ایک سبب تھا لیکن یہ سفر کے علاوہ ایک دوسرا مستقل سبب تھا اور اسی پر عیسیٰ بن

یونس کی روایت روشنی ڈالتی ہے جو انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عمرو بن دینا سے روایت کی۔ فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فرماتے سُنا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ آج قتال کا دن ہے۔ اس لئے افطار کرو، سعید بن ربیع نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ قتال کو اس افطار کی علت قرار دیا۔

اور جب جہاد کے علاوہ محض سفر ہی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رخصت ہے جو اس کے مطابق کرے تو اچھا ہے۔ اور جو روزہ رکھنا چاہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

ماہِ رمضان میں جہاد و سفر

سفر شروع کرتے ہی مجاہد اور مسافر کے لئے سہولت

غزوہ بدر اور فتح مکہ رمضان میں آپؐ نے ماہِ رمضان میں بہ سلسلۂ جہاد و غزوات کئی مرتبہ سفر فرمایا، ان میں سب سے بڑا غزوہ بدر، اور غزوۂ فتح مکّہ تھا۔

حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ ہم رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ دو غزووں میں شریک ہوئے۔ یومِ بدر اور فتح مکہ میں۔ چنانچہ ہم نے دونوں میں افطار کیا۔ اور جو دار قطنیؒ وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بتایا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رمضان شریف میں عمرہ کے لئے (حدیث) تو یہ ان کے خلاف غلط بیانی ہے اور یہی اصل واقعہ ہے، یا یہ ہوگا کہ کوئی روایت ان سے مروی ہوگی بعد میں اس میں گڑبڑ ہوگئی جس طرح حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں تصرف ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے رجب میں عمرہ کیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی عمرہ کیا وہ بھی آپ کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور حضورؐ نے کبھی بھی رجب میں عمرہ نہیں کیا۔

اس طرح آپ کے تمام عمرے ذی قعدہ میں تھے۔ ماہِ رمضان میں آپ نے کبھی عمرہ نہیں کیا۔

سفر کی حد نہ مقرر کرنا چاہیئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت طیبہ یہ نہ تھی کہ سفر کی حد مقرر کریں جس کے مطابق روزے دار افطار کرے اور نہ آپ سے اس باب میں کچھ صحیح طور پر مروی ہے اور وحیہ بن خلیفہ کلبی نے تین میل کے سفر پر بھی افطار کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے روزہ رکھا ان سے کہہ کر یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے اعراض کر گئے۔

اور صحابہ رضؓ جب سفر اختیار کرتے تو مکانات سے (مقامی آبادی) گزرے بغیر ہی افطار کر دیتے۔ اور فرماتے کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت و عاداتِ طیبہ تھی، جس طرح عبید بن جبیر نے بتایا کہ رمضان کے مہینہ میں فسطاط سے میں ابو بصرہ رضؓ غفاری کے ساتھ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی تھے ایک کشتی میں سوار ہوا ابھی ہم آبادی سے ہٹے نہ تھے کہ انہوں نے دستر خوان بچھا دیا اور فرمایا آؤ (کھانا کھاؤ) میں نے عرض کیا کیا آپ آبادی نہیں دیکھتے۔

حضرت ابو بصرہ رضؓ نے فرمایا، کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے اعراض کرتا ہے؟ (ابو داؤد مسند احمد)

اور مسند احمدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ میں فسطاط سے اسکندریہ جانے کے لئے ابو بصرہ رضؓ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا۔ جب ہم لنگر گاہ (بندرگاہ) کے قریب ہوئے تو انہوں نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ میں پاس آیا تو مجھے کھانے کی دعوت دی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ میں نے کہا اے ابو بصرۃ اللہ کی قسم ابھی تو ہم سے ہمارے مکانات بھی اوجھل نہیں ہوئے۔ وہ کہنے لگے، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے اعراض کرنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا، نہیں! کہنے لگے، پھر کھاؤ۔

راوی کا قول ہے کہ پھر ہم (منزل) پر پہنچنے تک افطاری کرتے رہے۔
اور محمد بن کعب بتاتے ہیں، میں رمضان میں حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کا ارادہ کر رہے تھے، ان کی سواری چل پڑی تھی اور لباسِ سفر پہن چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کھانا منگایا اور کھایا میں نے عرض کیا، یہ سنّت ہے۔
کہنے لگے (ہاں) سنت ہے۔
پھر سوار ہوئے، ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ دار قطنیؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ (کھانا) کھایا اور (اس وقت) سُورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ یہ آثار اس مسئلہ میں واضح تر ہیں کہ جو ماہ رمضان میں کسی دن سفر کا ارادہ کرے تو اسے افطار کرنے کی پوری اجازت ہے۔

جنبی کے لئے رعایت و سہولت

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ اگر آپؐ جنبی ہوتے اور فجر کا وقت آجاتا تو فجر (طلوع ہوجانے کے بعد) غسل فرماتے، اور روزہ بھی رکھ لیتے، اور رمضان میں بحالت صوم تقبیل بھی کر لیتے۔ وہی وہ رات جو ابو داؤدؒ نے مصدع بن یحیٰ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے اور ان کی زبان چوس لیتے۔

اس حدیث کی سند پر جرح

اس حدیث میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے مصدع کو ضعیف[1] قرار دیا ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ یہ راستہ سے ہٹا ہوا اور کھوٹا ہے۔

---

[1] علمائے حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے اس حدیث کو یکسر غلط بتایا ہے۔ اس طرح کی حدیثیں ان لوگوں نے وضع کر لی تھیں جو مسلمانوں کے نام رکھ کر داعی اسلام اور اسلام کے خلاف مصروف عمل رہتے تھے۔ (رئیس احمد جعفری)

ایک گروہ نے اِسے حسن کہا ہے اور بتایا ہے کہ ثقہ اور صدوق ہے۔ مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس سے روایت قبول کی ہے (نیز) اس کے اسناد میں محمد بن دینار طاحی بصری ہے، اس شخص کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ یحییٰ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اسے لیس بہ باس کہتے ہیں۔ دوسروں نے اسے صدوق قرار دیا۔ ابن عدی کہتے ہیں (روایت کا یہ حصہ) کہ آپ ان کی زبان چوس لیتے تھے۔ صرف محمد بن دینار سے ہی مروی ہے۔ نیز اس کے استاد میں سعد بن اوس مختلف فیہ راوی ہے۔ یحییٰ بصری اسے ضعیف بتاتے ہیں دوسروں نے اِسے ثقہ قرار دیا، ابن حبان اسے ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ ایک روایت میں جو مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں میمونہؓ سے مروی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آزاد کردہ لونڈی تھیں بتاتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا اور وہ دونوں روزے سے تھے، تو اس حالت میں کیا کیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، دونوں کا افطار ہو گیا (روزہ ٹوٹ گیا) لیکن اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت صحیح نہیں۔ اس میں ابویزید ضبی ہے جس نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی۔ اور یہ (مروی عنہ) بنت سعد ہیں۔ دارقطنی فرماتے ہیں یہ غیر معروف ہے۔ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں اس سے روایت نہیں کرتا۔ یہ حدیث منکر ہے۔ اور ابو یزید مجہول ہے اور جوان اور بوڑھے میں آپ سے کوئی امتیاز صحیح سند سے مروی نہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے بہتر ابو داؤد کی روایت ہے جو انہوں نے نصر بن علی سے انہوں نے احمد زبیری سے انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے اعرجؒ سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روزے دار کی مباشرت (بوس وکنار وغیرہ فقط) کے متعلق پوچھا، آپ نے اسے اجازت دی، پھر دوسرے نے پوچھا تو آپ نے منع فرمایا، جسے رخصت دی وہ بوڑھا تھا۔ اور جسے روکا وہ جوان تھا۔ اور اگرچہ بخاری و مسلم اور باقی صحاح ستہ نے اسرائیل

سے استدلال کیا ہے لیکن اس حدیث میں علت یہ ہے کہ اس کے اور اعرج کے درمیان ابوالعنبس عدوی کوفی ہے، جس کا نام حارث بن عبید ہے اور یہ ساکت عنہ راوی ہے۔

بھول چوک سے کھانا پینا روزے کو قائم رکھتا ہے

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ بھول کر کھانے پینے والے سے قضاء ساقط کر دیتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلایا ہے اس لئے یہ خورونوش اس کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ وہ افطار کر دے بلکہ وہ اپنے (ارادی) افعال سے مفطر قرار دیا جائے گا اور یہ نیند میں خورد ونوش کے قائم مقام ہوگا کیونکہ سونے والے کے افعال پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا، اور نہ بھول کر کھانے والے پر مواخذہ ہوگا)۔

حالت صوم میں آپ کے معمولات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے صحیح طور پر ثابت یہی ہے کہ روزے دار کے لیے کھانا پینا، اور پچھنے لگوانا، قے کرنا، روزے کو باقی نہیں رکھتا اور قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ جماع کرنا بھی کھانے پینے کی طرح مفطر ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اور سرمہ لگانے سے متعلق آپ سے کوئی صحیح روایت مروی نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ آپ روزے کی حالت میں مسواک کیا کرتے تھے۔ امام احمدؒ نے آپ سے نقل کیا کہ آپ روزے کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈال لیا کرتے تھے اور کلی کرتے ناک میں پانی ڈالتے، حالانکہ آپ کا روزہ ہوتا۔ البتہ روزے دار کو ناک میں مبالغہ سے پانی ڈالنے سے روکا گیا ہے۔ البتہ آپؐ نے روزہ کی حالت میں پچھنے نہیں لگوائے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ یحییٰ بن سعید نے بتایا کہ شعبہ سمجھتے تھے کہ حکمؒ نے روزوں میں پچھنے لگوانے کی حدیث مقسم سے نہیں سنی، یعنی وہ حدیث یہ سعید سے، انہوں نے حکم سے، انہوں نے مقسم سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے روزے اور احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے، تو بتایا

کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ یحییٰ بن سعید انصاری نے اسے منکر کہا ہے اور میمون بن مہران کی ابن عباس سے قریباً پندرہ مرویات ہیں اور اثرمؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے اس حدیث کا ذکر سنا، لیکن وہ اس کی تضعیف فرمایا کرتے تھے۔ اور زکریا بن اسحٰق سے مروی ہے کہ انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عطاء اور طاؤس سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حالتِ احرام میں پچھنے لگوائے۔ اور ابن عباسؓ کے یہ اصحاب اس کا ذکر نہیں کرتے کہ آپؐ روزے سے تھے اور حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو عبداللہ نے انہیں وکیع نے انہیں یاسین زیارت نے انہیں ایک آدمی نے انہیں حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے رمضان میں یہ فرمانے کے بعد پچھنے لگوائے کہ پچھنے لگانے والا اور پچھنے لگوانے والا دونوں کا (روزہ) ٹوٹ گیا۔

ابو عبداللہ کہتے ہیں وہ آدمی میرا خیال ہے کہ ابان بن ابی عیاش تھے، جن سے استدلال ٹھیک نہیں اور اثرمؒ کہتے ہیں، میں نے ابو عبداللہ سے کہا۔ محمد بن معاویہ نیشاپوری نے ابو عوانہ سے انہوں نے سوی سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے،، تو (ابو عبداللہ) نے اس کا انکار کیا اور اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پانچ وجوہ سے ثابت ہے۔ الغرض یہ صحیح طور پر ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے اور نہ صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے دن کے آغاز یا انتہاء پر روزے دار کو مسواک کرنے سے منع فرمایا ہو۔ بلکہ اس کے خلاف ہی مروی ہے۔ اور آپؐ سے منقول ہے کہ روزے کی بہترین فضائل ہی سے مسواک ہے (ابن ماجہ من حدیث مجالد) لیکن اس میں ضعف ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپؐ نے روزے میں سرمہ لگایا، نیز آپؐ سے مروی ہے آپؐ (صحابہؓ) کے پاس تشریف

لائے اور آپؐ کی دونوں آنکھیں اثمد (سرمہ کی قسم سے بھری تھیں، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اور آپ سے اثمد کے متعلق مروی ہے کہ روزے دار اس سے پرہیز رکھے، یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن معین نے بتایا کہ یہ حدیث منکر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیبہ روزوں میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تو کہا جاتا کہ اب افطار نہ کریں گے اور کبھی افطار کرتے تو کہا جاتا کہ اب روزے نہ رکھیں گے اور رمضان کے علاوہ آپ نے کبھی بھی مکمل مہینے کے روزے نہیں رکھے اور شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا رویہ ہے۔ اور رجب میں آپ بالکل روزے نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کے روزے مستحب سمجھتے تھے، بلکہ آپؐ سے اس ماہ کے روزوں کی نہی (ممانعت) منقول ہے۔

(ابن ماجہ)

آپ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی زیادہ تر کوشش کرتے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر میں ایام بیض کے روزے افطار نہ کرتے (نسائی)

اور آپ ان روزوں کی ترغیب دیا کرتے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین سفید دنوں (ایام بیض) کے روزے رکھا کرتے تھے (ابوداؤد و نسائی)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ حضورؐ اس کی پرواہ نہ کرتے کہ کس ماہ کے روزے رکھے (مسلم)

ان آثار میں کوئی تناقض نہیں۔ رہے ذالحجہ کے دس روزے تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو ان میں دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (مسلم)

اور حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں، چار چیزوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کبھی ترک نہ فرماتے (۱) یوم عاشورہ (۲) دس دن (۳) اور ہر ماہ کے تین دنوں کے روزے ۴ - اور فجر کی دو رکعتیں (مسند امام احمدؒ)

اور امام احمد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کسی بیوی سے روایت کیا کہ آپ ذی الحجہ کے نو روزے، عاشورا اور مہینہ کے تین دنوں کے روزے یا مہینہ میں سے دو اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے - ایک میں آیا ہے دو جمعراتوں کے روزے رکھا کرتے، یہ روایت اگر صحیح ہو تو بھی مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

رہے شوال کے چھ روزے تو آپ سے صحیح روایت میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، رمضان کے فوراً بعد یہ روزے رکھنا ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔

رہا عاشورہ کا روزہ، تو آپ تمام ایام میں سے اس کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔

عاشورا کا روزہ

صوم عاشورا کے متعلق آپؐ کا فرمان

صحابہؓ کو عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں اور اس دن کی عظمت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم سے زیادہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے حقدار ہیں، چنانچہ آپؐ نے روزہ رکھا اور صحابہؓ کو روزے کا حکم دیا۔

یہ واقعہ رمضان کے فرض ہونے سے قبل کا ہے، اس لئے جب رمضان فرض ہوا، تو آپؐ نے فرمایا: جس کا جی چاہے روزہ (عاشوراء کا) رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

بعض لوگوں کو اس میں اشکال ہو گیا ہے۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بہ ماہ ربیع الاوّل تشریف لائے، اس لئے ابن عباسؓ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا وہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔

(۲) اس سلسلہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو صحیحین میں مروی ہے کہ اشعث بن قیس حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئے وہ کھانا کھا رہے تھے تو انھوں نے کہا ابو محمد آؤ کھانا کھالو۔ انھوں نے کہا کیا آج یوم عاشوراء نہیں ہے؟ انھوں نے دریافت کیا تم جانتے ہو کہ یوم عاشوراء کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، کیا ہوتا ہے بتائیے؟

فرمایا، رمضان کے فرض ہونے سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن

روزہ رکھا کرتے تھے اور جب رمضان (کی فرضیت نازل ہوگئی تو آپ نے اسے ترک کردیا
اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورا کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا، تو عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول اس دن کی یہود و نصاریٰ بہت عزت کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اگلا سال آئے گا تو ہم انشاءاللہ نو تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے، لیکن اگلا سال آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کا روزہ رکھنا اور اس کا حکم دینا وفات سے ایک برس پہلے کا واقعہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ فرض نہیں ہے

اور سابق حدیث میں یہ تھا کہ یہ واقعہ آپؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے (اوائل کا ہے) نیز حضرت ابن مسعودؓ نے بتایا۔ رمضان کے باعث یوم عاشوراء کا روزہ متروک ہوا۔ یہ ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت کے خلاف ہے اور یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ آپؐ نے اس کی فرضیت ترک کردی۔ کیونکہ صحیحین میں حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض نہ تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ یہ عاشوراء کا دن ہے، اللہ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا، البتہ میں روزہ سے ہوں، جس کا جی چاہے روزہ رکھ لے اور جس کا جی چاہے افطار کرے، لیکن ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ نے اسے فتح مکہ کے بعد ہی سُنا ہوگا، کیونکہ فتح کے بعد ہی وہ ایمان لائے تھے۔

ایک اور اشکال بھی ہے وہ یہ کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہود و نصاریٰ اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ ضرور رکھوں گا، لیکن اگلا سال جب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔

نیز صحیح مسلم میں حکم بن الحرج سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا وہ زمزم کے پاس اپنی چادر کا تکیہ بنا کر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔
میں نے عرض کیا مجھے یوم عاشورا کے روزہ سے متعلق بتائیے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر تم محرم کا چاند دیکھو تو نو تاریخ تک شمار کرو، اور نو تاریخ کی صبح کا روزہ رکھ لو۔

میں نے پوچھا کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح روزہ رکھا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں۔(۵) ایک اور اشکال بھی ہے وہ یہ کہ اگر اسلام کی ابتداء میں یہ روزہ واجب اور فرض ہوتا، تو آپؐ اس کی قضا کا حکم کیوں نہ دیتے جو رات کو بغیر نیت کئے سو گیا ہو؟ اور اگر فرض نہیں تھا تو آپؐ نے ان لوگوں کو روزہ رکھ لینے کا حکم کیوں دیا جو کھانا کھا چکے تھے؟ جیسا کہ مسند اور سنن میں کئی وجوہ سے منقول ہے کہ جس نے کھانا کھا لیا ہے آپؐ نے اسے حکم دیا کہ باقی دن کا (روزہ) بھی مکمل کرلے۔ یہ صورت تو واجب میں ہی ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا ابن مسعودؓ کا قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی۔ تو آپؐ نے عاشورا کا روزہ ترک کر دیا۔ حالانکہ اس کا استحباب تو متروک نہیں ہو سکتا

ایک اور اشکال بھی ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے نو تاریخ کو یوم عاشوراء قرار دیا اور بتایا کہ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے اور انہی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "یوم عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو" (اس طرح) کہ ایک روز اسی سے پہلے اور ایک روز اس کے بعد بھی روزہ رکھو (مسند احمدؒ) اور انہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ عاشوراء کا روزہ دس تاریخ کا ہے (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے ان اشکالات کا جواب یہ ہے۔

پہلے اشکال کا جواب

پہلا اشکال کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو یوم عاشورا کا روزہ رکھتے ہوئے پایا تو اس میں یہ ذکر نہیں کہ جس دن آپ تشریف لائے اُسی دن وہ روزے سے تھے، کیوں کہ آپؐ ربیع الاوّل کے دوسرے عشرہ میں دوشنبہ کے روز تشریف لائے اور دوسرے روز جب یہ واقعہ پیش آیا تب آپؐ کو پہلی بار علم ہوا، اور قیام مکّہ کے زمانہ میں آپ کو اس کا علم نہ تھا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اہل کتاب قمری تاریخوں سے روزوں کا حساب رکھتے ہوں، لیکن اگر شمشی تاریخوں سے حساب کرتے ہوں تو پھر سرے سے اشکال ہی اٹھ جاتا ہے اور جس دن موسیٰ علیہ السلام

نے نجات پائی وہ محرم کی ابتداء میں یوم عاشوراء کا دن ہوگا۔ اہل کتاب نے شمسی حساب سے اسے منضبط کیا، اور اتفاق ایسا ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول میں مدینہ تشریف لائے تو یہی موقع تھا۔ کیونکہ اہل کتاب کے روزے شمسی حساب سے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے روزے قمری حساب، اسی طرح حج کا معاملہ ہے۔ اور ہر ماہ جس میں کوئی واجب یا مستحب ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس طرح اس دن کی عظمت و یقین میں اولیت کا حکم عیاں ہو گیا اور (یہود) نے شمسی سالوں کے باعث اس کی تعیین میں غلطی کی، جیسے کہ نصاریٰ نے اپنے روزوں کے متعلق غلطی کی کہ انھیں سال کے ایک موسم میں مختص کر دیا، جس میں مختلف مہینے آتے ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب

(۲) اشکال ثانی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش بھی عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھا کرتے، تو یقیناً قریش بھی اس دن کا احترام کرتے تھے اور اسی دن کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھایا کرتے اور یہ روزہ اس کی عظمت کا اکمال تھا، لیکن قریش قمری حساب سے رکھتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے دسویں تاریخ متعین کر رکھی تھی، پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو (یہود) کو دیکھا وہ بھی اس دن کی عظمت مانتے ہیں اور تقرر عظمت کے باعث اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، چنانچہ فرمایا آپؐ خود اس کام کے موسیٰؑ کے یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس دن کا روزہ رکھا تھا، تو ہم یہود سے زیادہ ان کی اقتداء کے مستحق ہیں، اور خصوصاً اس لئے بھی کہ ہم کہا کرتے ہیں۔ ہم سے پہلے کی شرائع ہماری ہیں، بشرطیکہ ہماری مخالفت نہ کریں۔

اگر کوئی اعتراض کرے تمہیں کہاں سے علم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا؟ ہم کہتے ہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہود) سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس دن نجات دی، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا

اس لئے موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا اور ہم بھی (اقتداء) میں روزہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السّلام کے حقدار ہیں اور آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور (صحابہؓ) کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، پس ثابت ہوا کہ آپؐ نے ان کی اس بات کی تصدیق فرما دی اور تکذیب نہیں فرمائی لہٰذا معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے (اس دن کا) روزہ رکھا۔ اس قدر تعظیم کو ما قبل ہجرت کے واقعات سے ملا دیا جائے تو تاکید زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مختلف) شہروں میں منادی بھیجا، جو عاشورا کے روزے کی منادی کرتا تھا اور (کہتا تھا) کہ جو کھا چکا وہ اب شام تک رک جاتے (یعنی روزہ مکمل کرے) اور ظاہر کلام سے یہی ثابت ہے کہ آپؐ نے اس کی تاکید کی اور واجب قرار دیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تیسرے اشکال کا جواب

(۳) اشکال ثالث یہ ہے کہ رمضان کے فرض ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جب رمضان فرض ہوا تو آپؐ نے ترک فرما دیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ نے اسے بالکل چھوڑ دیا۔ بلکہ یہ ہے کہ عاشوراء کا روزہ فرضیت رمضان سے قبل فرض تھا اور اب اس کا وجوب متروک ہو گیا۔ لیکن استحباب متروک نہیں ہوا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے ایک سال قبل ایک موقع پر جب عرض کیا گیا کہ یہود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں اگلے برس تک زندہ رہا تو عاشوراء کے علاوہ نو تاریخ کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا اور فرمایا، یہود کے طریقہ کی مخالفت کرو، اور اس سے ایک دن قبل اور ایک دن بعد یعنی اس کے ساتھ ملا کر (دس تاریخ کا) روزہ رکھو۔

اور یہ یقینی امر ہے کہ یہ آخر زمانہ کی بات ہے ورنہ شروع شروع میں تو جن معاملات میں کوئی حکم خدا کی طرف سے نہ ملتا آپؐ اہل کتاب سے توافق کو پسند فرمایا کرتے، پس معلوم ہوا کہ اس کا استحباب متروک نہیں، اور جو لوگ اس روزے کو غیر واجب سمجھتے ہیں۔ ان کے قول سے دو باتوں میں ایک لازم آتی ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ اس کا استحباب

متروک ہے اور اب یہ مستحب نہیں رہا یا کہا جائے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے ہے اور ان پر اس کا استحباب مخفی رہا۔ اور یہ بعید از عقل بات ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ) کو اس کی ترغیب دی اور فرمایا، کہ عاشورا کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور صحابہؓ آپؐ کی وفات تک یہ روزہ رکھتے رہے اور آپؐ سے اس روزے کے متعلق کراہت یا نہی کا ایک حرف بھی منقول نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس روزے کا صرف وجوب متروک ہے، استحباب متروک نہیں۔

چوتھا اشکال اور اس کا جواب

(۴) چوتھا اشکال یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضرور نو تاریخ کا روزہ رکھوں گا (لیکن) آپ آئندہ سال فوت ہو گئے اور ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔ دونوں روایتیں ابن عباسؓ کی ہیں یہ بھی، اور وہ بھی اور ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نو تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر اگلے سال تک زندہ رہے تو یہ بھی روزہ رکھیں گے۔ یا حضرت ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر اور آئندہ عزم پر اعتماد کرتے ہوئے بتا دیا اور مقید طور پر آپ سے یہ روایت درست بھی ہے۔ یعنی اگر زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اس طرح ہر ایک میں دو احتمالات ہیں۔ اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں۔

اشکالِ خامس، اس کا جواب جو گذر چکا ہے وہ کافی ہے "

اشکال سادس، قولِ ابن عباس ہے کہ " نو تاریخ تک شمار کرو اور نو کی صبح کو روزہ رکھو، اور جو شخص ابن عباس کے مجموعہ مرویات کا بہ انصاف نظر مطالبہ کرے گا، اس کے لئے یہ اشکال بے معنی ہو جائے گا اور وہ ان کی وسعت علم کا قائل ہو جائے گا، کیونکہ انھوں نے نو تاریخ کو یوم عاشورار قرار نہیں دیا، بلکہ مسائل کو بتایا کہ " نو تاریخ کا روزہ رکھو" اور مسائل کے سابقہ علم کو کافی سمجھا کہ یوم عاشورار دس تاریخ ہے جیسا کہ تمام لوگ سمجھتے ہیں، نیز مسائل کو ساتھ ساتھ نو تاریخ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپؐ نے ایسا ہی کیا ہوگا، پھر تو کوئی سوال ہی نہیں اور یا پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل میں عزم وارادہ کی بنا پر اسے آپؐ کا فعل قرار دیا ہوگا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یوم عاشورا کو یعنی دس تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا" یہ تمام آثار آپؐ سے منقول ہیں، جو ایک دوسرے کی تصدیق وتائید کرتے ہیں،

صوم عاشوراء کے تین مراتب ہیں؛

۱۔ سب سے کامل ترین صورت یہ ہے کہ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی ایک ایک دن روزہ رکھے۔

۲۔ اس کے بعد یہ ہے کہ نو اور دس تاریخ کا روزہ رکھے اکثر احادیث اس پر شاہد ہیں۔

۳۔ اور اس کے بعد صرف تنہا دس تاریخ کا روزہ آتا ہے۔ رہا، صرف نو تاریخ کا روزہ، تو یہ احادیث فہمی کی کمی، ان کے الفاظ اور فرق کے عدم تقیع کا نیتجہ ہے۔ اور یہ لغت شرع سے بعید ہے اور اللہ ہی صائب راہ کی توفیق دینے والا ہے۔

عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ عرفات میں یوم عرفہ کو افطار کرتے، یہ صحیحین سے ثابت ہے۔

نیز آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

نیز آپ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ اس دن کا روزہ سال ماضیہ وباقیہ کا کفارہ ہوتا ہے۔ (مسلم)

اور عرفہ کے دن افطار کرنے کے کئی اسباب نقل کئے، ایک تو یہ کہ اس طرح دُعا کرنے میں قوت رہتی ہے۔ نیز فرضی روزوں کی صورت میں بھی سفر میں افضل ہے۔ چہ جائیکہ نفلی روزے ہوں۔ نیز یہ جمعہ کا دن تھا۔ اور آپؐ نے تنہا اس دن روزہ رکھنے کو ممنوع فرمایا چنانچہ آپؐ نے چاہا کہ اس دن لوگوں کو اپنا افطار کرنا دکھادیں، تاکہ مخصوص طور پر اس دن

کے روزہ کی نہی موکد ہو جائے۔ اگرچہ آپ کا روزہ جمعہ کی بجائے محض یوم عرفہ کا ہوتا۔
اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ کا مسلک دوسرا تھا، جو یہ ہے کہ یہ دن عید کے اجتماع کی طرح اہل عرفہ کے لئے عید کا دن ہوتا ہے اور یہ دنیا کے علاوہ صرف اہل عرفہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے جسے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ "یوم عرفہ" یوم نحر اور ایام منیٰ ہم اہل اسلام کے لئے یہ عید کا دن ہوتا ہے۔

آنحضرت کن دنوں میں زیادہ روزے رکھتے تھے؟

مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے اور اتوار کا روزہ کثرت سے رکھتے تھے۔ اور اس سے یہود و نصاریٰ کے طریقہ کی مخالفت مقصود ہوتی تھی جیساکہ مسند اور سنن نسائیؒ نے کریب موںی ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس نے اور کچھ صحابہؓ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کے پاس بھیجا، تاکہ میں ان سے معلوم کروں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر کن ایّام میں روزے رکھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا، ہفتے اور اتوار کے دن (روزے رکھا کرتے تھے) اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کے لئے عید کے دن ہیں، اور میں ان کی مخالفت پسند کرتا ہوں۔

لیکن یہ حدیث مشکوک ہے، کیونکہ یہ محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کی روایت میں سے ہے اور ان کے بعض احادیث کا انکار کیا گیا ہے۔ عبدالحق نے احکام میں ابن جریج کی حدیث کے بارے میں بتایا ہے کہ انھوں نے اپنے چچا فضل سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے علاقہ میں حضرت عباسؓ سے ملاقات کی لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ یہ حسب نقل ضعیف ہے اور محمد بن عمر کہتے ہیں۔ مجہول ہے۔ اور اس نے ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ نہ رکھنے کے متعلق حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے اور بتایا کہ عبدالحق نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اور یہ محمد بن عمر غیر معروف ہے اور ان کا لڑکا عبداللہ بن محمد بن عمران

سے روایت کرتا ہے اور اس کا حال بھی معروف نہیں۔

ویسے اس حدیث کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ حسن ہے۔

اور امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے عبداللہ بن بشر سلمی سے انہوں نے اپنی ہمشیرہ حمارؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہفتے کا روزہ نہ رکھو، ہاں اگر تم پر فرض ہو اور تمہیں (کھانے کے لئے) کچھ نہ ملے تو انگور کا ایک دانہ کھالو یا درخت کی ایک شاخ ہی چبا لو۔

لوگ ان احادیث کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے ہیں، مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ ان کا مطلب عبداللہ بن بشر کی حدیث سے ہے (ابو داؤدؒ) ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ نسائیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔

اور اہلِ علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس حدیث اور ام سلمہؓ کی روایت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ روزے سے ممانعت کا مطلب انفراد ہے۔ ابو داؤدؒ نے بھی یہی شرح کی ہے، اور بتایا ہے کہ نہی محض ہفتے کے روزہ کے ساتھ مختص ہے۔ اور روزہ رکھنے کی حدیث کا مطلب اتوار سمیت روزے سے ہے، فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ آپؐ نے تنہا جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی، اگر اس سے قبل یا بعد میں بھی رکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے وہ اشکال بھی زائل ہو جاتا ہے کہ آپؐ کا روزہ اس دن کی تعظیم کے لئے تھا۔ اور یوں احترام کے معاملہ میں اہل کتاب سے توافق ہو گیا۔ اگرچہ روزے کی صورت مخالفت کی متضمن ہے (حالانکہ) یہ اس وقت ہوتا جب آپ محض مفرد طور پر (صرف دسویں تاریخ کا) روزہ رکھتے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے افراد کا حکم نہیں دیا، اور جب دوسرے دن کے ساتھ بھی (جمع کر کے) روزہ رکھا گیا تو یہ اس دن کی تعظیم نہ ہو گی۔

صوم وصال کی ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ نہیں تھی کہ آپؐ مسلسل روزے رکھتے ہوں۔ بلکہ آپؐ نے فرمایا، جس

نے ہمیشہ روزے رکھے اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔

اور آپؐ کا مطلب یہ نہ تھا کہ جس نے ایّام محرمات کا روزہ رکھا، کیونکہ یہ سوال اس کے جواب میں فرمایا، کہ جس نے صیام دہر رکھا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے ؟ اور نہ فعلِ محرم کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، کہ" نہ ایسے شخص نے روزہ رکھا، نہ افطار کیا" کیونکہ اس (صیام الدھر) میں افطار وصیام برابر ہیں۔ جس پر نہ ثواب ہے اور نہ لذّت ہے اور نہ اس کے جواب میں فرمایا" جس پر اللہ تعالیٰ روزے حرام کر دے تو یہ مطلقاً جواب نہیں نیز جس نے صوم دہر کو پسند کیا اس نے گویا مستحب اور حرام کا ارتکاب کیا یعنی ایام استحباب میں اس نے مستحب روزے رکھے اور ایّام تحریم میں اس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا، تو ان دونوں صورتوں میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ افطار کیا لہٰذا اس پر فرمان نبوّی کے اطلاق کا غلط ہونا ظاہر ہے۔

نیز ایّام تحریم شریعت میں مستثنیٰ نہیں لہٰذا شرعًا یہ دن روزے کے قابل ہی نہیں ہیں اس لئے صحابہؓ ان ایّام کے متعلق تو دریافت ہی نہیں کر سکتے تھے، بلکہ وہ جان چکے تھے کہ ان ایّام میں روزے کی قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اور اگر صحابہؓ نہ جانتے ہوتے تو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے اس ارشاد" نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا" سے جواب نہیں دے رہے تھے۔ کیونکہ اس میں تحریم کا کوئی بیان ہی نہیں ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ جس میں کوئی شک نہیں یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھنا ایک دن افطار کرنا صیام الدھر سے افضل اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور مسلسل صیام الدھر مکروہ ہے۔ کیونکہ اگر مکروہ نہ ہوتا، تو تین ناممکنات میں سے ایک بات ضرور ہوتی۔ یہ کہ ایک دن روزے اور ایک دن افطار کے عمل سے یہ اللہ کو زیادہ محبوب اور افضل ہوتا، کیونکہ یہ کام بھی زیادہ ہے۔ حالانکہ حدیث کی رو سے یہ خیال مردود ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السّلام کا طریقہ صوم زیادہ محبوب ہے اور اس سے افضل بھی کوئی نہیں۔

یا پھر افضلیت میں اس سے مساوی ہوں گے، یہ بھی محال ہے۔

اور یا مباح مساوی الطرفین ہوں گے یعنی نہ مستحب نہ مکروہ، یہ بھی محال ہے کیونکہ یہ صورت (نہ مستحب نہ مکروہ ہونا) عبادات کی شان نہیں، بلکہ عبادت یا مرجوح ہوتی ہے یا راجح۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے صوم الدھر رکھا۔ نیز جو ہر ماہ میں تین روزے رکھے اس کے متعلق بھی آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی صوم الدھر کے برابر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم الدھر دوسری صورتوں سے افضل ہے۔ اور یہی امر مطلوب ہے اور اس کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ آپؐ نے اس سے تشبیہ دی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محض اندازہ کرنے کے لیے تشبیہہ سے اس کا جواز لازم نہیں آتا چہ جائیکہ اسے مستحب سمجھ لیا جائے۔ بلکہ تشبیہہ کا مطلب تو اس قدر ہے کہ اگر (صوم الدھر) مستحب ہوتے (تو اس قدر ثواب ملتا) اور نفس حدیث سے اس کی حجت نکلتی ہے کہ آپؐ نے ہر ماہ تین روزے رکھنے کو صوم الدھر کا قائم مقام قرار دیا۔ کیونکہ نیکی کا اجر دس گنا ہوتا ہے پس جس نے (چھتیس روزے رکھے) اُسے تین سو ساٹھ دن کا اجر ملے گا اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ صوم الدھر) قطعاً حرام ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا آپ کا مطلب یہ تھا کہ تین سو ساٹھ دن کے روزوں کے برابر ثواب ملے گا۔

اس طرح شوال کے چھ روزے رمضان سے متصل بعد رکھے جائیں تو سال بھر کا ثواب ملے گا، پھر آپؐ نے آیت پڑھی۔

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔

یعنی جو نیکی کرے گا، تو اس کے لئے اس سے دس گنا اجر ہوگا۔

اس لئے یہ چھتیس روزے تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہوں گے اور یہ بالاتفاق غیر جائز ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسے مشبہ بہ کی مثال دی جاتی ہے جو یکسر ممتنع بلکہ مستحیل ہوتا ہے اور یہ تشبیہہ محض امکانی بنیاد پر ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص کے جہاد سے متعلق سوال

کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، جب مجاہد نکل کھڑا ہو، تو کیا ایسا کر سکتا ہے کہ کھڑا رہے اور سست نہ ہو؟ اور روزہ رکھے رہے اور افطار نہ کرے؟ گویا یہ بات عادتاً محال ہے، بالکل ایسے ہی جیسے شرعاً تین سو ساٹھ روزے رکھنا ممنوع اور متحیل ہے، چنانچہ آپؐ نے اس عمل کو ایسے اعمال سے تشبیہہ دی کہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب قیام حضرت داؤد علیہ السّلام کا قیام ہے اور یہ تمام شب کے قیام سے از روئے سنّت صریحہ بھی افضل ہے۔

نیز آپؐ نے اس آدمی کی مثال دی جو عشاء اور صبح کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام شب قیام کیا۔

اگر کہا جائے کہ تم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث کے متعلق کیا کہو گے کہ "جس نے صوم الدہر رکھا، تو اس پر جہنم اس قدر تنگ ہو گیا" آپؐ نے اپنی مٹھی بند کر لی (مسند احمد)

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول میں کہا گیا ہے کہ جہنم اسے جکڑتے ہوئے تنگ ہو جائے گی، کیونکہ اس نے اپنے آپ پر شدت کی اور غلط بوجھ لادا، نیز اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طاہرہ سے اعراض کیا اور (مزید براں) اس کا اعتقاد تھا کہ (صوم داؤدؑ) کے علاوہ (صوم الدھر) افضل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اس کی طرف سے جہنم تنگ ہو جائے گی، یعنی اس میں کوئی جگہ نہ ہو گی اور اس گروہ نے اس تاویل کو اس لئے ترجیح دی کہ جب روزے دار نے اپنے آپ شہوات کی تمام راہیں مسدود کر دیں، اور روزے سے انہیں ہٹایا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ تنگ کر دی اس لئے (آگ) میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، کیونکہ اس نے (جہنم) کے تمام راستوں کو تنگ کر دیا۔

گھر میں کھانے کو نہ ہوتا تو آپؐ نفلی روزہ رکھ لیتے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے اور دریافت فرماتے، کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ اگر جواب انکار میں ملتا تو فرماتے "پھر آج میرا روزہ ہے" چنانچہ دن کے وقت نفلی روزے کی نیت کر لیتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ نفلی روزے کی نیت کر لیتے اور بعد میں حضرت عائشہ بتاتیں ؛ کہ فلاں چیز پکی ہے تو آپ افطار کر لیتے[1]۔ پہلی روایت صحیح مسلم میں ہے دوسری نسائی میں مذکور ہے۔

رہی وہ روایت جو سنن میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ میں حفصہؓ روزے سے تھیں۔ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا، ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس میں سے کھا لیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت حفصہؓ آپ کے پاس مجھ سے پہلے چلی گئیں اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم دونوں روزے سے تھے ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا ہمارا جی چاہا تو ہم نے کھانا کھا لیا۔

آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بدلہ میں کسی دن قضا کر لینا۔

یہ حدیث معلول ہے، ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسے مالک بن انس اور معمر اور عبداللہ بن عمر اور زیاد بن سعد وغیرہ حفاظ حدیث نے زہری سے انھوں نے حضرت عائشہؓ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور اس میں عروہ کی سند ذکر نہیں کی اور یہ زیادہ صحیح ہے اور ابوداؤد نسائیؒ نے شریک سے انہوں نے زمیل مولائے عروہؓ سے انھوں نے حضرت عائشہ سے موصولاً روایت کیا۔ نسائیؒ فرماتے ہیں کہ زمیل غیر مشہور ہے۔ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عروہ سے زمیل کا اور زمیل سے شریک کا سماع معروف نہیں اور نہ اس سے حجت لی جا سکتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزے سے ہوتے اور کسی قوم کے پاس اُترتے تو روزہ مکمل فرماتے، اور افطار نہ کرتے، جیسا کہ آپؐ ام سلیم کے پاس تشریف لائے انھوں نے کھجور اور گھی پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا، گھی کو اپنے مشکیزے میں ڈال دو، اور کھجوروں کو برتن میں لوٹا دو، کیونکہ میں روزے سے ہوں لیکن ام سلیمؓ آپؐ کے ہاں اہل بیت کے درجہ میں تھیں اور صحیح روایت میں آپؐ

---

[1] نفلی روزہ اس طرح توڑا جا سکتا ہے، بلکہ کسی کے پاس خاطر سے بھی توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی قضا ضروری ہے۔　　(رئیس احمد جعفری)

سے ثابت ہے کہ "جب تمہیں کوئی کھانے کی دعوت دے اور تم روزے سے ہو تو چاہیئے کہ کہہ دو میں روزے سے ہوں۔

اور وہ حدیث جو ابن ماجہ، ترمذیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "جو کسی قوم کے پاس (مہمان) اترے اسے چاہیئے کہ وہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ ہرگز نہ رکھے۔" ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، ہم نہیں جانتے کہ کسی ثقہ راوی نے اسے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہو۔

آپؐ صرف جمعہ کے روزے کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیّبہ یہ تھی کہ آپ فعلاً اور قولاً جمعہ کے مفرد روزہ کو مکروہ سمجھتے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ ابو ہریرہؓ، جویریہؓ بنت حرث، عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت جنادہ ازدی وغیرہ کی حدیث سے صحیح طور پر اس (جمعہ) کا افراد ممنوع ہے اور جمعہ کے دن آپؐ نے اس وقت پانی پیا جب آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور (صحابہؓ) کو دکھا رہے تھے کہ آج یعنی جمعہ کے دن آپؐ روزہ نہیں رکھتے (مسند امام احمد)

اور روزے کی ممانعت کا سبب بیان کیا کہ یہ یوم عید ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے اس لیئے اپنے عید کو روزے کا دن بناؤ، ہاں اگر اس سے قبل یا بعد میں بھی روزہ رکھو (تو پھر اجازت ہے)

اگر کوئی کہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا کیا جواب ہے جس میں بتایا گیا "میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن افطار سے کبھی نہیں دیکھا" اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ہم قبول کرتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (جمعہ) سے ایک دن قبل یا بعد میں بھی (آپؐ روزہ رکھتے) اور اگر صحیح نہیں تو ہم مسترد کرتے ہیں کیونکہ یہ غرائب میں سے ہے، ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی

ابنِ حزم کی رائے اور اس پر تبصرہ!

ابنِ قیّم کا محاکمہ

ابن حزم فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر اونٹ پر سوار ہو کر لگائے، تین میں آپ دوڑ رہے تھے اور چار میں چل رہے تھے، یہ ان کے اوہام کا نتیجہ ہے اور بالکل غلط ہے کیونکہ ان کے علاوہ کسی سے بھی ایسا قول مروی نہیں اور نہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایسی بات روایت کی ہے بلکہ یہ خانہ کعبہ کے طواف کا تھا اس لیے ابو محمدؒ نے غلطی سے اسے صفا اور مروہ کے درمیان کی سعی کی طرف منتقل کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں سب سے عجیب بات اس سے استدلال ہے جیسا کہ بخاریؒ میں حضرت ابن عمرؓ کی سند سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم مکّہ تشریف لائے تو آپ نے طواف کیا اور پہلا کام استلام رکن کا کیا۔ پھر تین طواف دوڑ کر گئے اور چار میں آہستہ چلے اور جب قبلہ کا طواف مکمل کر لیا تو مقام ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر سلام پھیر اور تشریف لے گئے اور صفا پر پہنچے۔ پھر صفا اور مروہ کے درمیان سات چکّر لگائے۔ اس کے بعد باقی حدیث ذکر کی ہے (ابن حزم) نے فرمایا کہ ہم صفا اور مروہ

کے درمیان سعی کو متصوص نہیں پاتے بلکہ پر متفق علیہ ہے۔ یہ ان کے الفاظ ہیں۔
میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ بطن وادی کے تمام چکروں میں سعی تو متفق علیہ ہے۔ البتہ پہلے تین پھیروں میں رمل (تیز دوڑنے) کے متعلق جہاں تک ہم جانتے ہیں ان کے سوا نہ کسی نے کہا اور نہ نقل کیا، میں نے اپنے شیخ (ابن تیمیہؒ) سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ (ابن حزم) کے اغلاط میں سے ہے انہوں نے حج نہیں کیا اور یہ ایسی ہی غلطی ہے جیسے کوئی کہے کہ آپؐ نے چودہ مرتبہ سعی کی، اور آپؐ کے آنے جانے کو ایک ایک سعی سمجھتا رہا حالانکہ یہ غلط ہے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کسی نے نقل نہیں کیا، نہ ائمہ سلف میں سے کسی نے فرمایا، جن کے اقوال ہر جگہ مشہور ہوئے اور اگر متاخرین میں سے کسی نے یہ کہا ہو۔ جو اپنے آپ کو ائمہ سلف کی طرف منسوب کرتا ہے (تو بھی غلط ہے) نیز یہ قول بھی اس نظریہ کو باطل کرتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مروہ پر سعی ختم کی۔ اب اگر جانا اور آنا ہر ایک مستقل سعی ہوتی تو صفا پر ختم ہوتی، حالانکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مروہ کے پاس پہنچے تھے تو اس پر چڑھے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تکبیر و توحید بیان کی اور جس طرح صفا پر کیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی کیا۔ چنانچہ جب مروہ کے پاس آپ کی سعی مکمل ہو گئی تو ہر اُس آدمی کو جس کے پاس ھدی (قربانی کا جانور) نہ تھا، تاکید اً حلال ہونے کا حکم فرمایا، چاہیے وہ حج قرآن کر رہا ہو یا مفرد۔ نیز آپؐ نے ہر اُس آدمی کو بھی حلال ہونے (احرام اتار) کا حکم دیا جس نے عورت سے مقاربت کی، خوشبو لگائی اور سلا ہوا کپڑا پہنا۔ (اور فرمایا) کہ یوم الترویہ تک اسی طرح رہو۔

اور آپؐ نے خود ہدی کے باعث احرام نہ اتارا اور فرمایا کہ اگر میں گذشتہ کو آئندہ پر اٹھا رکھتا تو میں ہدی نہ چلاتا، اور اسے عمرہ ہی بنا دیتا۔ اور آپؐ کے متعلق نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے احرام اتار دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس کے متعلق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔، نہیں پر آپؐ نے حلق کراتے والوں کے لیے ایک بار دعائے بخشش

قربانی اور یہیں پر سراقہ بن مالک بن جشم نے دریافت کیا جب آپ فسخ اور حلال ہونے کا حکم فرما چکے تھے کہ یہ کیا یہ اسی سال کے لئے ہے یا ابد تک کے لیے ؟

آپؐ نے فرمایا، کہ ابد تک کے لیے، اور ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے ھدی کی وجہ سے احرام نہ اتارا۔ نیز آپ کی ازواج مطہراتؓ نے احرام اتار دیا کیونکہ وہ حج قرآن ادا کر رہی تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ ایسا نہ کر سکیں کیونکہ ایام کے باعث ان کے لیے اس پر عمل کرنا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے بھی ھدی نہ ہونے کے لیے باعث احرام اتار دیا۔ حضرت علیؓ کے پاس ھدی تھا اس لیے انہوں نے احرام نہ اتارا۔

اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح اہلال (تہلیل) کرے وہ احرام باندھے رکھے۔ اگر اس کے پاس ھدی ہے اور اگر ہدی نہیں تو احرام اتار دے اور جب تک آپؐ مکہ میں اور مکہ کے باہر جہاں آپ کا یہاں قیام رہا اور قصر کرتے رہے، اور جمعرات کو چاشت کے وقت آپؐ مسلمانوں کے ہمراہ منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ چنانچہ ان میں سے جو احرام اتار چکے تھے اور مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے انہوں نے یہاں سے احرام باندھا، بلکہ یوں کہئے کہ انہوں نے (ایسی جگہ) احرام باندھا کہ مکہ ان کی پشت پر تھا۔ جب آپ منیٰ پہنچ گئے تو آپؐ یہاں اترے اور یہیں پر نماز ظہر وعصر پڑھیں اور یہیں رات گزاری، اور یہ جمعہ کی رات تھی۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ یہاں سے عرفات کی طرف چل پڑے اور اس راستہ پر چلے جو آج کل لوگوں کے راستہ پر دائیں جانب ہے اور آپؐ کے بعض صحابہؓ بلکہ کہہ رہے تھے اور بعض تکبیرات تکبیرات کہہ رہے تھے، آپ سن رہے تھے اور آپؐ نے دونوں میں سے کسی پر بھی تکبیر نہیں کی۔ چنانچہ مقام نمرۃ پر آپؐ کے ارشاد کے مطابق خیمہ لگا دیا گیا۔ یہ عرفات کے مشرقی حصّہ میں ایک بستی ہے اور آج کل مٹ چکی ہے۔ آپ یہاں اترے۔ آخر کار جب سورج ڈوبنے لگا تو آپ نے اپنی سانڈنی قصوی کو سفر کا حکم دیا۔ وہ چل پڑی یہاں تک مقام عرفہ میں وادی کے وسط میں تشریف لے آئے۔ یہاں آپؐ نے اس حالت میں کہ سانڈنی پر تشریف فرما تھے ایک عظیم

خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اسلام کے قواعد کو محکم فرمایا، اور شرک وجاہلیت کے دستور مٹا دیئے۔ نیز ان محرمات کے حرام ہونے پر زور دیا جس کے حرام ہونے پر اقوام (عالم) کا اتفاق ہے۔ یعنی خون۔ اموال، لوگوں کی آبرو (کہ ان میں دست درازی نہ کی جائے) اور جاہلیت کے کاموں کو اپنے قدموں تلے روند دیا اور جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا، اور عورتوں کا مردوں پر اور ان کا عورتوں پر حق واضح فرمایا اور بتایا کہ معروف حد تک رزق اور لباس ان کا حق ہے اور اس کا اندازہ نہیں بتایا، اور خاوندوں کو حق دیا کہ اگر یہ ایسے لوگوں کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دیں، جنہیں خاوند نامناسب خیال کرتا ہے تو ان کو ڈھول لگا دیں اور اُمت کو کتاب اللہ سے سختی کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جب تک وہ کتاب اللہ سے تمسک قائم رکھیں گے اس وقت تک گمراہ نہ ہوں گے۔

پھر آپ نے بتایا کہ ان سے (صحابہؓ سے) آپؐ کے متعلق پوچھا جائے گا اور معلوم کیا کہ وہ کیا جو آپ دیں گے اور کیا گواہی دیں گے؟ (صحابہؓ) نے عرض کیا، پھر ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپ نے تبلیغ کی آپ نے نصیحت فرمائی (احکام اسلام ہم تک پہنچا دیئے، اس پر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا (اے اللہ گواہ رہنا تین بار فرمایا)

اور آپؐ نے حکم دیا کہ جو موجود نہیں وہ غیر موجود تک آج کی بات پہنچا دیں۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ام فضل بنت حرث ھلالی نے جو عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ ہیں آپؐ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا۔ آپؐ نے لوگوں کے سامنے اسے نوش کیا۔ آپؐ اونٹ پر سوار تھے۔ جب آپؐ نے خطبہ ختم کیا تو حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمایا چنانچہ نماز کی اقامت ہوئی۔

لیکن (یہ موخر حصہ، ابن حزمؒ) کے وہم کا نتیجہ ہے کیونکہ دودھ پینے کا واقعہ اس کے بعد کا ہے جب آپؐ عرفات کی طرف چلے اور وہاں وقوف کیا۔ صحیحین میں

صراحتاً حضرت میمونہ رضؓ کی روایت سے منقول ہے کہ لوگوں نے یوم عرفہ کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روزے کے متعلق (تکلیف کی) شکایت کی چنانچہ (ام فضل رضؓ نے (دودھ) کا ایک پیالہ بھیجا، آپ موقف میں کھڑے تھے لوگ دیکھ رہے تھے اور آپؐ نے (دودھ) پیا۔ ایک لفظ یہ ہے کہ آپ عرفات کے (میدان) میں کھڑے تھے اور مقام خطبہ موقوف نہ تھا، کیونکہ آپؐ نے عرفہ کے مقام پر خطبہ دیا، جو جائے وقوف نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نمرۃ کے مقام پر اترے اور عرفہ کے مقام پر خطبہ دیا۔ پھر عرفات میں وقوف فرمایا اور آپ نے ایک ہی خطبہ دیا۔ ایسا نہ تھا کہ آپؐ نے دو خطبے دیئے ہوں اور ان کے درمیان بیٹھے ہوں۔ خطبہ مکمل کرنے کے بعد آپؐ نے حضرت بلال رضؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور نماز قائم کی چنانچہ آپ نے نمازِ ظہر کی دو رکعتیں ادا کیں اور ان میں تلاوت آہستہ (سرّی) سے کی چونکہ یہ جمعہ کا دن تھا اس لیے فرمایا کہ مسافر پر جمعہ لازم نہیں ہے۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور نمازِ عصر بھی دو رکعتیں ادا فرمائیں آپ کے ہمراہ اہل مکہ بھی تھے انہوں نے بھی قصر اور جمع کر کے نماز ادا کی۔ اور انہیں مکمل نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ترکِ جمع کا حکم دیا اور جس نے یہ کہا کہ آپؐ نے فرمایا اپنی نمازیں مکمل کرو کیونکہ میں مسافر ہوں، اس نے واضح طور پر غلط کہا اور بدترین وہم کا مظاہرہ کیا۔ یہ بات تو آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمائی تھی جب (اہلِ مکہ) اپنے گھروں میں مقیم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام کے صحیح فتویٰ کے مطابق اہلِ مکہ عرفات میں قصر اور جمع کریں گے، جیسا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

سفر کے قصر میں مسافت یا ایام کی تعداد

اب اس بات کی بھی وضاحت ہو گئی کہ سفرِ قصر میں مسافت کی یا ایام کی تعداد متعین نہیں اور نہ نمازِ قصر میں نسک موثر ہے، بلکہ تاثیر وہی ہے جسے اللہ نے سبب بنایا اور وہ سفر ہے۔ سنّت کا مقتضی یہی ہے اور جس طرف ملحدین

گئے ہیں اس کا یہاں کوئی مقام نہیں۔

اور جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو سوار ہوئے اور موقف میں تشریف لائے چنانچہ آپؐ نے پتھروں کے پاس پہاڑ کے دامن میں وقوف فرمایا، قبلہ رخ ہو گئے آپؐ اس وقت اونٹ پر تھے اور جبل مشاۃ آپؐ کے سامنے تھا، پھر غروبِ آفتاب تک دعا۔ تضرع اور عاجزی کرنے میں مشغول ہو گئے اور لوگوں کو بطن عرفہ سے اٹھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عرفہ کا بھی مقام وقوف کے لیے مختص نہیں اور فرمایا کہ میں نے یہاں وقوف کیا (لیکن) عرفہ پورا کا پورا جائے وقوف ہے اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مشاعر میں ٹھہرے رہیں اور وہیں وقوف کریں کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی وراثت ہے۔

نیز یہاں اہلِ نجد کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے حج کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یوم عرفہ حج کا دن ہے اس لیے جس نے صبح کی نماز سے قبل یہاں وقوف کر لیا تو اس نے حج کو پا لیا۔ ایامِ تشریق تین دن ہیں لیکن جو دو دن کا تقدم یا تاخر پڑ جائے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اور دعا کرتے وقت آپؐ نے سینہ تک دونوں ہاتھ اٹھا رکھے تھے دستِ طلب بڑھاتے وقت فرمایا: کہ یوم عرفہ کی دعا تمام دعاؤں سے بہتر ہوتی ہے۔

اور جائے وقوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ادعیہ مبارکہ میں سے یہ دعا منقول ہے:

اللهم لك الحمد كالذى نقول وخيرًا مما نقول۔ اللهم لك صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى واليك مآبى ولك ربى تراثى اللهم انى اعوذبك من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الامر اللهم انى اعوذبك من شر ما تجئ به الريح۔ (ترمذی)

یعنی اے اللہ تو ہی سزاوار حمد ہے، جو ہم کہہ سکتے ہیں اور ہمارے نطق و کلام سے بہتر، اے اللہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا تیرے ہی لیے

ہے، اور تیری طرف ہی مجھے لوٹنا ہے اور اے میرے پروردگار تو ہی میرا وارث ہے، اے اللہ میں عذاب قبر، دل کے وسوسوں اور پراگندگی امور سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ میں اس شر سے جو آندھی لے کر آئے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔

نیز آپ کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے:

اللھم انك تسمع كلامی وتری مكانی وتعلم سری وعلانیتی ولا یخفی علیك شئ من امری انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر والوجل المشفق المقر المعترف بذنوبی اسالك مسألة المسكین وابتهل الیك ابتهال المذنب الذلیل وادعوك دعاء الخائف الضریر من خضعت لك رقبته، وفاضت لك عیناه وذل جسده ورغم انفه لك اللھم لا تجعلنی بدعائك رب شقیا وكن بی رؤفا رحیما یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین (طبرانی)

"یعنی اے اللہ تو میرا کلام سنتا ہے اور میری جگہ دیکھ رہا ہے، اور میرے پوشیدہ وظاہر کو جانتا ہے اور تجھ سے میری کوئی بات پوشیدہ نہیں میں تنگ دست محتاج فریادی پناہ کا جویا خوفزدہ ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار واعتراف کرنے والا ہوں۔ میں تجھ سے مسکین کی طرح مانگتا ہوں، اور ایک بے مایہ گناہ گار کی طرح تجھ سے عاجزی کرتا ہوں اور میں سراپا الم خوفزدہ کی پکار کی طرح تجھے پکارتا ہوں، جس کی گردن تیرے سامنے خم ہے اور جس کی آنکھوں تیرے لیے آب گوں ہیں، اس کا جسم نکما ہو گیا اور تیرے لیے اس کی ناک خاک آلود ہوئی، اے اللہ اے پروردگار مجھے دعا کے (قبول نہ کرنے کے باعث) بدبخت نہ بنانا اور میرے لیے مہربان رحم کرنے والا بن جانا اے بہترین وہ ذات جس سے مانگا جائے اور بہترین عطا کرنے والے۔

اور امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث سے نقل کیا جو انہوں

نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیادہ تر دعا یہ ہوتی تھی:۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

یعنی خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے۔ اسی کے ساتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"

اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یوم عرفہ میری اور زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کی دعا یہ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر اللھم اجعل فی قلبی نورًا وفی صدری نورًا وفی سمعی نورًا وفی بصری نورًا اللھم اشرح لی صدری ویسر لی امری واعوذبک من وسواس الصدر۔ وشتات الامر وفتنۃ القبر اللھم انی اعوذبک من شر ما یلج فی الیل وشر ما یلج فی النھار وشر ما تھب بہ الریاح وشر بوائق الدھر۔

"یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے۔ میرے سینہ میں نور، میرے کانوں میں نور، میری آنکھوں میں نور بھر دے اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان فرما دے اور قلب کے وسوسوں اور پریشان امری، اور قبر کی آزمائش سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ میں ہر اس چیز کے شر سے جو رات کے وقت داخل ہوتی ہے اور جو دن کے وقت داخل ہوتی ہے، تیری پناہ چاہتا ہوں اور

جو ہواؤں کے ساتھ چلتی ہے اور زمانہ کے مہلکات کے شر سے (تیری) پناہ چاہتا ہوں۔
ان ادعیہ کی اسناد کمزور ہیں۔

اور اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا۔

"یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (اسلام) پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔"

اور یہیں پر ایک مسلمان اپنی سواری سے گر پڑا، اور وہ حالتِ احرام میں تھا گرنے سے وہ فوت ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ اسے اس کے دونوں کپڑوں (احرام کی چادروں) کا ہی کفن دیا جائے اور اسے خوشبو نہ لگائی جائے اور اس کو پانی اور بیری کے پتوں کا غسل دیا جائے (نیز) اس کا سر اور چہرہ نہ چھپایا جائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ (لبیک) کہہ رہا ہوگا۔

اس واقعہ سے بارہ احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے باعث میت کا غسل واجب ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ مرنے سے (انسان) ناپاک نہیں ہوتا، اگر مرنے سے ناپاک ہو جاتا تو غسل سے اس کی نجاست میں اضافہ ہی ہوتا، کیونکہ حیوان کی موت کی نجاست عینی ہوتی ہے۔ اب اگر نجس بتانے والوں نے کوشش کی کہ اسے غسل سے پاک کیا جائے تو یہ کلیہ باطل ہو جائے گا کہ "موت سے انسان نجس ہو جاتا ہے،" اور اگر کہیں کہ یہ پاک نہ ہوگا تو پھر غسل، اس کے کفن کو، کپڑوں کو اور غسل دینے والے کو مزید نجس کر دے گا۔

۳۔ تکمیلِ حکم میت کے متعلق مشروع یہ ہے کہ اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا صرف پانی سے نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین مواقع پر میت

کے لیے بیری کے پتوں سے غسل کا حکم دیا، ایک تو یہی موقع ہے، دوسرے اپنی صاحبزادی کے لیے ایسا ہی حکم صادر فرمایا، تیسرے اس عورت کے لیے جو ایام سے ہو، بیری کے پتوں سے غسل کے وجوب میں امام احمد کے دو قول ہیں۔

۴- چوتھا حکم یہ ہے کہ پاک کرنے سے پانی کی قوت طہوریت زائل نہیں ہوتی جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے احمدؒ کی دونوں مرویات میں سے یہ زیادہ منصوص ہے اگرچہ (احمدؒ) کے متاخرین اصحاب نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

۵- پانچواں حکم محرم کے لیے غسل کا جواز، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مسور بن مخرمہؓ کے درمیان اس مسئلہ میں مباحثہ بھی ہوا۔ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فیصلہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حالت احرام میں غسل دیا اور اس امر پر اتفاق ہے کہ آپؐ جنابت کے باعث غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کا سر پانی میں غائب ہو، کیونکہ یہ بھی ستر کی ایک نوع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباسؓ نے ایسا کیا ہے۔

۶- چھٹا حکم یہ کہ محرم کو پانی اور بیری کے استعمال کی ممانعت نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے بھی اپنی دو روایتوں میں سے اظہر روایت کے مطابق اس سے منع فرمایا۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے غسل کے ذریعہ میل کچیل دور کرنے اور جوئیں قتل کرنے سے نہیں روکا اور بیری خوشبویات میں سے بھی نہیں۔

۷- ساتواں حکم یہ ہے کہ میراث اور قرض دونوں سے کفن مقدم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے کہ اسے دونوں کپڑوں کا کفن دیا جائے لیکن میراث اور قرض کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا۔ اگر بات دوسری ہوتی تو آپ ضرور معلوم فرماتے، جس طرح زندگی میں قرض پر لباس مقدم ہے اسی طرح مرنے کے بعد (کفن مقدم ہے) یہ جمہور کا کلام ہے۔

۸ - آٹھواں حکم، کفن میں دو کپڑوں پر جوازِ اقتصار، اور یہ دو کپڑے تہہ بند اور چادر ہونی چاہیئے جمہور کا یہی قول ہے اور قاضی ابو یعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ استطاعت ہوتے ہوئے تین کپڑوں سے کم کرنا جائز نہیں۔ اگر دو کپڑوں میں ہوتا تو جس میت کے یتیم پیچھے رہ جاتے ہیں ان کو تین کپڑوں کا کفن ناجائز ہوتا لیکن صحیح حدیث اس کے خلاف ہے۔

۹ - نواں حکم، محرم کو خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے (میّت کو) خوشبو سے قریب کرنے کو منع فرمایا اور شہادت دی کہ اسے تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔ اور محرم کو خوشبو کی ممانعت کے سلسلہ میں یہی اصل مدار ہے رہا محض خوشبو کا سونگھ لینا تو جس نے اسے حرام قرار دیا اس نے حرف قیاس حرام قرار دیا ہے ورنہ نہی کے الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر حاوی نہیں اور اس باب میں اجماع ثابت ہے جس کا اتباع لازم ہے، ہاں اس کی حرمت وسائل کی حرمت کے طریقہ پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خوشبو کا سونگھنا، بدن اور کپڑوں پر اسے لگا لینے کا داعی بن جاتا ہے۔ جیسے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ دوسرے محرمات کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن جو خوشبو بغیر کسی قصد و ارادہ ہو سکے تو اس صورت میں ممنوع نہیں اور محرم پر ناک بند کر ڈالنا کہ ناک تک چلی آئے یا اس لیے قصداً سونگھی، تاکہ خریدتے وقت اس کی عمدگی کا اندازہ ہو سکے تو اس صورت میں ممنوع نہیں اور محرم پر ناک بند کر ڈالنا واجب نہ ہو گا۔ پہلی صورت تو اچانک نظر پڑ جانے کے قائم مقام ہے۔ اور دوسری صورت بمنزلہ منگنی کرنے والے کے لیے (کہ اگر منگنی کرتے وقت ایک نظر عورت پر ڈال لے تو گناہ نہیں) اور جن لوگوں نے خوشبو سونگھنے کو مباح قرار دیا ہے انہوں نے محرم کو اجازت دی ہے کہ احرام سے قبل خوشبو کو دوامی حیثیت سے لگالے۔

اصحاب ابو حنیفہؒ نے اسی بات کی صراحت کی ہے چنانچہ انہوں نے جوامع الفقہ لابی یوسفؒ میں فرمایا ہے کہ "اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم اس خوشبو کو سونگھ

لے جو اس نے احرام سے قبل لگا رکھی ہے۔ مصنف المفید نے فرمایا ہے کہ خوشبو لگنے کے بعد اس کی ذیل میں آجاتی ہے تاکہ احرام باندھ لینے کے بعد اس سے تھکاوٹ کی تکالیف دور کر دے تو گویا یہ (محرم کے حق) میں ویسی ہے جیسے روزے دار کے لیے سحری (کا کھانا) ہوتا ہے جس سے وہ روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس کی تکلیف پر قابو پا سکتا ہے۔ بخلاف کپڑے (کی خوشبو) کے وہ اس سے جدا ہے، فقہا میں اس کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا اس کے (اثرات) کو دوام بخشنا ممنوع ہے جیسا کہ یہ ابتدا رہی میں ممنوع ہے یا اس کے (اثرات) کو قائم رکھنا جائز ہے۔

اس سلسلے میں دو قول ہیں، چنانچہ جمہور علماء اتباع سنت کے باعث اسے قائم رکھنے کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ثابت ہے کہ آپؐ احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگایا کرتے تھے۔ پھر آپؐ کے سر مبارک اور ڈاڑھی پر بھی خوشبو کے اثرات دیکھے جاتے اور ایک لفظ میں ہے "آپؐ تلبیہ کہہ رہے ہوتے" اور یہ تمام الفاظ اس غلط تاویل کو باطل کر دیتے ہیں کہ "یہ (خوشبو لگانا) احرام سے قبل تھا لیکن جب آپؐ نے غسل فرمایا تو اس کا اثر چلا گیا" روایت کا ایک لفظ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے تو سب سے بہترین خوشبو لگاتے جو مہیا ہو سکتی، بعض کے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت تھی، لیکن اختصاص کی کوئی دلیل بھی تو ہونی چاہیئے، علاوہ ازیں ابو داؤد میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ہم احرام کی حالت میں مشک ملتے۔

۱۰ - دسواں حکم، مُحرم کو اپنا سر چھپانے کی ممانعت ہے اور اس میں تین درجات ہیں۔ بعض بالاتفاق ممنوع ہیں اور بعض بالاتفاق جائز ہیں اور بعض مختلف فیہ۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہر ملس کرنے والی اور بدن سے متصل چیز مثلاً پگڑی

قبح، طاقیہ وغیرہ۔ اور دوسرے مثلاً خیمہ، مکان اور درخت وغیرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق ثابت ہے کہ نمرہ میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا حالانکہ آپ محرم تھے۔

البتہ امام مالکؒ نے محرم کو اس بات کی ممانعت کی ہے کہ وہ درخت پر کپڑا لٹکا کر اس کا سایہ حاصل کرے۔ لیکن اکثر ائمہؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور (امام مالکؒ) کے اصحاب نے محرم کو اس بات سے منع کیا کہ وہ محمل کے سایہ میں چلے اور تیسرے محمل (اونٹ) کی ٹانگ یا مودج تو اس بارے میں جواز کے تین اقوال ہیں، شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ اس طرف (جواز کی طرف) ہیں۔ دوسرا قول ممانعت کا ہے اور اگر (سایہ) حاصل کیا تو فدیہ دے، یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر (سایہ) حاصل کیا تو اس پر فدیہ نہیں۔ یہ تینوں روایات امام احمدؒ سے منقول ہیں۔

۱۱۔ گیارہواں حکم: محرم کو چہرہ چھپانا ممنوع ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے شافعی رحمۃ اللہ اسے مباح کہتے ہیں۔ امام احمدؒ بھی ایک روایت میں اسے مباح سمجھتے ہیں اور مالکؒ و ابو حنیفہؒ اسے ممنوع فرماتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسے ممنوع بتاتے ہیں اور جن چھ صحابہؓ نے اسے مباح بتایا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں، حضرت عثمانؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف زیدؓ بن ثابت۔ زبیرؓ محمد بن ابی وقاص اور جابرؓ۔

۱۲۔ بارھواں حکم موت کے بعد بھی احرام کو باقی رہنے دینا کیونکہ موت سے احرام منقطع نہیں ہوتا۔ یہ حضرت عثمانؓ۔ علیؓ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ اور امام احمد۔ شافعیؒ۔ اسحٰق نے اسی کی تائید کی ہے۔ البتہ ابو حنیفہؒ۔ مالکؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ موت سے احرام منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو حلال (غیر محرم) کے ساتھ کیا جاتا ہے کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو تین باتوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور ان ائمہؒ نے فرمایا ہے کہ اس واقعہ کی یہ

حدیث (عمل کے منقطع نہ ہونے کی) میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ یہ آپؐ کے ساتھ خاص تھا، جیسے یہ آئمہ کرام نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بھی آپؐ کے ساتھ مختص تھی۔

جمہور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ دعوائے تخصیص خلافِ اصل ہے، اس لیے یہ قبول نہ ہوگا۔ اور حدیث میں آپؐ کا یہ فرمان کہ "یہ تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا" درحقیقت علت ہی کی طرف اشارہ ہے یہ حکم اگر آپؐ کے ساتھ خاص سے ہوتا تو آپ اس علت کی طرف اشارہ فرماتے۔

اور اگر کہا جائے کہ ناقص علّت سے تعلیل درست نہیں ہے (تو اس کا جواب یہ ہے) کہ شہدائے احد انہیں قیامت کے دن خون کے رنگ اور مشک کی خوشبو کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

لہٰذا یہ آپؐ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

یہی مثال یہاں ہے کہ اسے اس کے دونوں کپڑوں میں دفن کردو، کیونکہ قیامت کے روز یہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ اور تم نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ شہدائے احد کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اس حکم کو تمام شہداء کی طرف متعدی کردیا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی تخصیص کی وجہ مذکورہ امکان تھا۔

عود الی المقصود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

عرفات کی طرف کوچ

جب آفتاب غروب ہوگیا اور زردی بھی ختم ہوگئی اور غروب آفتاب میں کوئی شبہ نہیں رہا تو آپ عرفات سے چل پڑے اور حضرت اسامہ بن زید رضؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور خاموشی کے ساتھ چلتے رہے۔ ناقہ کی لگام اپنی طرف کھینچ لی۔ یہاں تک کہ اس کا سر کجاوے کے قریب آگیا۔ آپ فرماتے جاتے تھے۔

"اے لوگوں! اطمینان سے (چلو) کیونکہ ایضاع یعنی سرعت نیکی نہیں ہے"

اور آپ عازبین کے راہ سے چلے اور ضب کے راستہ سے عرفہ میں داخل ہوئے۔ عید کے موقع پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت طیبہ تھی کہ آپ راستہ بدل دیا کرتے اور اس کی حکمت کا ذکر "عید میں آپ کی سنّت طیبہؓ کے اندر گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے وہ چال اختیار کی جسے "سیر عنق" کہتے ہیں، یعنی نہ بہت آہستہ نہ بہت تیز، جب آپ کو وسیع میدان نظر آتا تو ذرا تیز ہو جاتے اور جب کسی ٹیلے پر پہنچتے تو اونٹنی کی باگ قدرے ڈھیلی چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وہ چڑھ جاتی۔ آپ سارا راستہ مسلسل تلبیہ کہتے رہتے۔

راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور پیشاب سے فارغ ہوکر ہلکا سا وضو

فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا " الصلاۃ یا رسول اللہ۔
آپؐ نے فرمایا، نماز آگے ہے۔ پھر آپؐ چل پڑے، یہاں تک کہ مزدلفہ تشریف لائے اور نماز کا وضو فرمایا۔ پھر مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ پھر اقامت کہہ کر کجاوے اتارنے اور اونٹوں کو بٹھانے سے قبل نماز پڑھی۔ چنانچہ جب لوگوں نے کجاوے اتار لیے تو نماز شروع ہوئی۔ پھر آپؐ نے اذان کے بغیر صرف اقامت سے ہی عشا کی نماز پڑھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ نہیں پڑھا۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے دونوں نمازیں دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں۔

ایک روایت میں اذان کے بغیر دو اقامتیں مذکور ہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ جیسا کہ آپؐ نے عرفہ میں کیا تھا، پھر آپؐ سو گئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور اس رات کو آپؐ بیدار نہیں ہوئے اور نہ صحیح روایت میں عیدین کی راتوں میں آپؐ کی بیداری سے متعلق کچھ منقول ہے۔

اپنے اہل کے ضعف کے پیش نظر انہیں اجازت دی کہ وہ طلوع فجر سے قبل منیٰ کی طرف بڑھ جائیں، اور یہ چاند کے غروب ہونے کے وقت کا واقعہ ہے اور انہیں حکم دیا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے تب تک رمی، جمار (کنکر مارنا) نہ کریں۔

(ترمذی صحیح حدیث)

خلال کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حرب سے انہیں ہارون بن عمران سے انہیں سلیمان بن ابی داؤد سے انہیں ہشام بن عروہ سے انہیں اپنے والد سے روایت ملی کہ ام سلمہؓ نے فرمایا، مزدلفہ کی رات جن لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اہل میں سے آگے بھیجا، آپؐ نے ان میں مجھے مقدم رکھا، وہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رات کو رمی کی، پھر مکہ واپس چلی گئی۔ اور میں نے وہاں صبح کی نماز پڑھی، پھر منیٰ کی طرف لوٹی۔

ایک راوی حدیث پر جرح

میں کہتا ہوں، سلیمان بن ابی داؤد یہ وہی دمشقی خولانی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ابن داؤد ہے۔ ابوزرعہ نے احمدؒ سے روایت کی کہ یہ اہل جزیرہ میں سے ایک آدمی تھا اور کچھ نہ تھا (نکما) اور عثمان بن سعید اسے ضعیف بتاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں صحیحین کی روایت جو قاسم بن محمد سے مروی ہے، بھی اس کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا، فرماتی ہیں کہ حضرت سودہؓ نے مزدلفہ کی رات میں صلی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں اپنے سے اور لوگوں کے ہجوم سے قبل بھیج دیں اور یہ کمزور عورت تھیں، فرماتی ہیں کہ آپؐ نے انہیں اجازت دی تو وہ پہلے ہی چلی گئے۔ اور ہم رک گئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی پھر ہم ان کے ساتھ ہی گئے، لیکن میرا جی چاہا تھا کہ سودہ کی طرح میں بھی اجازت مانگ لوں یہ میرے لیے زیادہ سہولت کا باعث ہوتا۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہؓ کے علاوہ دوسری ازواج مطہراتؓ آپؐ کے ہمراہ تشریف لے گیئں۔ اب اگر کہا جائے کہ دار قطنیؒ وغیرہ نے حضرت عائشہؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس کا کیا جواب ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ازواج مطہرات کو اجتماع کی رات اکٹھی نکلنے اور کنکر مارنے کا حکم دیا، جس سے فارغ ہوکر وہ پھر صبح کو اپنے گھر واپس آجاتی تھیں اور حضرت عائشہؓ زمانہ تک اسی پر عمل پیرا رہیں؟

جواب یہ ہوگا کہ محمد بن حمید راوی کو ایک سے زیادہ ائمہ کذاب قرار دے کر رد کرتے ہیں۔ نیز اسے صحیحین کی روایت بھی رد کرتی ہے نیز خود ان کا قول بھی رد کرتا ہے کہ میں نے چاہا جس طرح حضرت سودہؓ نے اجازت چاہی اسی طرح میں بھی اجازت حاصل کر لیتی اگر کہا جائے کہ چلو اس کا تو جواب ہوگیا لیکن صحیح مسلم کی حضرت ام حبیبہؓ سے روایت کا کیا جواب دو گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں ایک ایک گروہ کے ساتھ بھیجا الخ، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس رات اپنے ضعیف اہل کو آگے بھیج دیا۔

اور ابن عباسؓ بھی ان میں سے تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت سودہؓ کو بھی آگے بھیجا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنی باقی ازواج مطہرات کو روک لیا، اور ان کو ہمراہ لے گئے اور ام حبیبہؓ کی صحیح مسلم کی روایت اگر محفوظ (صحیح) ہے تو وہ بھی جانے والے ضعفاء میں ہوں گی۔ اگر کہا جائے امام احمدؒ کی روایت جو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کی اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو نحر کے دن اپنے اہل کے ساتھ منیٰ کی طرف بھیجا، چنانچہ انہوں نے فجر سے متصل ہی کنکر مارے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان کی دوسری روایت کو مقدم سمجھیں گے۔ جیسے امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور صحیح بتایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے کمزور اہل کو آگے بھیج دیا اور فرمایا تب تک رمی نہ کرنا، جب تک کہ آفتاب طلوع نہ ہو جائے اس لیے کہ انہیں رمی مقدم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ باقی عورتوں کو آپؐ نے بھیجا تو انہوں نے لوگوں کی مزاحمت و اجتماع عظیم کے خوف سے قبل از طلوعِ آفتاب رمی کرلی۔

چند مسائل فقہیہ کا استنباط حدیث بالا سے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عذر یعنی مرض یا بڑھاپے وغیرہ کے باعث طلوعِ آفتاب سے قبل بھی رمی کرنا جائز ہے جب کہ لوگوں کے ہجوم کا خطرہ ہو۔ ہاں تندرست کے لیے ناجائز ہے۔ اور اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں۔ ایک مطلقاً نصف رات کے بعد جائز ہونا، خواہ وہ عاجز ہو یا توانا، یہ شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ دوسرے صرف طلوعِ آفتاب کے بعد جائز ہے۔ یہ ابو حنیفہ کا قول ہے تیسرے یہ کہ ذی قدرت کے لیے صرف طلوعِ آفتاب کے بعد جائز ہے جیسا اہلِ علم کے ایک گروہ کا خیال ہے اور جس پر حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نصف شب کے بعد نہیں بلکہ چاند کے غائب ہونے کے بعد جلدی کرنا ہے اور جنہوں نے نصف شب کی قید لگائی ہے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

عید اور حج اکبر کا دن

جب فجر طلوع ہو گئی تو آپؐ نے وقت سے پہلے قطعاً نہیں بلکہ ابتدائے وقت میں نحر کے دن اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی۔ یہی عید اور حج اکبر کا دن ہوتا ہے، نیز یہی دن ہر مشرک سے اللہ ورسول کے اعلان بیزاری کا دن ہے۔

پھر آپ سوار ہوئے یہاں تک کہ مشعر حرام کے پاس اپنے موقف میں آئے چنانچہ (یہاں پہنچ کر) آپؐ قبلہ رخ ہوئے اور دعا و تضرع، تکبیر و تہلیل اور ذکر الٰہی) میں مشغول ہو گئے، حتیٰ کہ کافی روشنی ہو گئی اور یہ واقعہ طلوع آفتاب کے وقت کا ہے۔ اور اسی مقام پر عروق بن مضرس طائی نے دریافت کیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں جبل طی سے حاضر ہوا ہوں، اور میں نے اپنی سواری کو چلایا، اور اپنے آپ کو بھی تھکا دیا۔ اللہ کی قسم میں نے ہر پہاڑ پر وقوف کیا تو کیا میرا بھی حج ہو گیا؟ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور جس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا یہاں تک کہ ہم چل پڑیں (اور آپؐ اس سے قبل عرفات میں ایک دن یا رات وقوف کر چکے تھے) تو اس کا حج مکمل ہو گا، ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح بتایا ہے۔

چنانچہ اس حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عرفہ کی طرح مزدلفہ میں وقوف اور شب گذارنا بھی رکن ہے۔ ۔ بہ دو صحابہؓ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کا مذہب ہے اور ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ علقمہ، حسن بصریؒ اوزاعیؒ۔ حماد بن ابی سلیمانؒ، داؤد ظاہریؒ اور ابو عبید القاسمؒ بن سلام کا بھی مذہب ہے۔ محمدؒ بن جریر اور ابن خزیمہؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور شوافع کے تین وجوہ میں سے ایک یہ ہے۔

دین میں غلو کرنے سے بچو

آپؐ نے جائے وقوف میں وقف کیا اور لوگوں کو آگاہ کیا کہ سارا مزدلفہ موقف ہے۔ پھر آپ مزدلفہ سے فضل بن عباس کو پیچھے بٹھا کر چلے اور راستہ بھر تلبیہ کہتے رہے، اور حضرت اسامہ بن زیدؓ قریش کی جماعت کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ اس

راستہ میں آپؐ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے لیے سات عدد جمار کے کنکر چنیں اور انہیں اسی رات کو پہاڑ سے اکھاڑ کر الگ نہیں کیا جیسے وہ لوگ کہتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں اور نہ کنکریاں رات کو چن لی تھیں بلکہ (ابن عباسؓ) نے پتھر کے ڈھیرے سات کنکر چن لیے چنانچہ آپؐ انہیں اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگے. اور فرمانے لگے، اس طرح رمی کرو اور دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے جنہوں نے دین میں غلو کیا وہ ہلاک ہوئے۔

اسی راہ میں بنی خثعم کی ایک خوبصورت عورت حاضر ہوئی اور اس نے اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا - وہ بوڑھا تھا اور سواری پر ٹھہر نہ سکتا تھا - آپؐ نے اسے حکم دیا کہ تو اُس کی طرف سے حج کرے - اور فضل (ابن عباس) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت فضل کی طرف تکنے لگی - چنانچہ آپؐ نے اپنا ہاتھ (فضل) کے چہرہ پر رکھ دیا اور اس کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا[لہ]۔

نیز یہاں ایک اور آدمی نے آپؐ سے اپنی ماں کے متعلق دریافت کیا کہ وہ بہت ہی ضعیفہ ہے، اگر اسے سوار کیا جائے تو برداشت نہ کر سکے گی، اگر اُسے باندھ دیا جائے تو خودکشی کرے گی۔

آپؐ نے فرمایا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں ضرور آپؐ نے فرمایا، تو اپنی ماں کی طرف سے حج کر۔

لہ اس واقعہ سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟

رسالت مآبؐ کی موجودگی میں ایک خوبصورت نوجوان، اور ایک خوبصورت خاتون کی آنکھیں چار ہوتی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگتے ہیں - یہ فعل غلط تھا، لیکن اس میں انسانی فطرت بھی کار فرما تھی آپؐ نے ان دونوں باتوں کا لحاظ فرمایا، عتاب نہیں فرمایا - سزا نہیں دی، ایک کا رخ بدل دیا، دوسرے کی آنکھ پر دست مبارک رکھ دیا - بات ختم ہوگئی۔ (رئیس احمد جعفری)

جب آپ وادی محسر میں تشریف لائے تو اونٹنی کو تیز کر دیا اور جن مقامات میں اللہ نے اپنے دشمنوں پر عذاب نازل کیا تھا وہاں آپ کی عادتِ طیبہ یہ تھی کہ تیز چلتے اس جگہ (وادی محسر) اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، جس کا واقعہ (اللہ) نے قرآن میں بتایا اور اس وادی کی وادی محسر اس لیے کہتے ہیں کہ اس وادی میں ہاتھیوں کو حسر یعنی واپس جانے سے روک کر (تباہ کر دیا گیا اور محسر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ نہ اس میں پر عذاب اور نہ عرفات اور حرام کے درمیان حد ہے۔ اس طرح ہر دو مشاعر کے درمیان ایک حد ہے جو نہ اس میں داخل ہے نہ اس میں منیٰ حرم میں داخل ہے اور مشعر بھی ہے اور محسر حرم میں داخل تو ہے لیکن مشعر نہیں اور مزدلفہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی ہے۔ اور عرفہ حل میں ہے اور مشعر نہیں ہے اور عرفہ حل میں بھی داخل ہے اور مشعر بھی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دونوں میں سے درمیانی راستہ پر چلے جو جمرلی پر جا نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ منیٰ میں تشریف لائے اور جمرۂ عقبہ پر پہنچ گئے اور وادی کے نچلی جانب ٹھہرے۔ بائیں طرف کعبہ شریف دائیں طرف منیٰ اور سامنے جمرہ تھا۔ اور آپؐ سواری پر تھے۔ چنانچہ آپ طلوعِ آفتاب کے بعد اپنی سواری پر سے ایک ایک کر کے کنکر مارے اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے رہے۔ اس وقت آپؐ نے تلبیہ ختم کیا اور اس راستہ میں برابر تلبیہ کہتے رہتے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے رمی کی۔ اور بلال رضؓ اور اسامہ رضؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ ایک نے اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے گرمی سے بچاؤ کے لئے آپؐ پر سایہ کر رکھا تھا۔ اس واقعہ سے محرم کے لیے محمل وغیرہ کا سایہ کرنے کا جواز نکلتا ہے بشرطیکہ یوم النحر کے اس واقعہ میں سایہ کرنا ثابت ہو جائے اور اگر ایام منیٰ میں اس کے بعد کا واقعہ ہو تو پھر یہ حجت نہیں بن سکتا۔ اور حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ یہ کب کا واقعہ ہے۔

خطبۂ وداع

منیٰ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا امّت کو پیام

قربانی کے دن کی عظمت پھر آپ منیٰ واپس ہوئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں لوگوں کو قربانی کے دن کی حرمت و عظمت اور اللہ کے ہاں اس کی فضیلت سے آگاہ کیا اور تمام ممالک پر مکہ کی فضیلت بیان فرمائی اور کتاب اللہ کے مطابق حکمرانی کرنے والوں کی سمع و طاعت کا حکم دیا۔[1] پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے مناسک حج سیکھ لیں، اور فرمایا کہ شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں[2]۔ آپ نے مناسکِ حج سکھائے اور مہاجرین و انصار کو اپنے اپنے مقامات پر اتارا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بعد مبتلائے کفر نہ ہو جائیں کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگیں[3] پھر اپنی طرف سے تبلیغ کا حکم دیا اور

---

[1] سمع و طاعت کی شرط یہ ہے کہ حکومت کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے مطابق کی جائے۔

[2]: آپ نے محسوس فرما لیا تھا کہ رفیق الاعلیٰ یعنی خدائے تبارک و تعالیٰ کی طرف سے طلبی کا فرمان آ چکا ہے اور آپ دنیا سے رخت سفر باندھنے والے ہیں۔

[3]: باہمی جدال و قتال گویا کفر کا ہم پایہ ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو مسئلہ پہنچایا جاتا ہے، وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ (فہم و فراست کے مالک) ہوتے ہیں۔

نیز آپؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ کوئی آدمی اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔ اور مہاجرین کو قبلہ کے دائیں طرف اور انصار کو بائیں طرف اتارا، باقی لوگ ان کے ارد گرد تھے اور اللہ تعالیٰ نے (آپ کے خطبہ کی خاطر) لوگوں کی قوتِ سماعت کھول دی، یہاں تک کہ اہل منیٰ نے اپنے اپنے گھروں میں آپؐ کا خطبہ سنا۔

آپؐ نے خطبہ میں مزید فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچوں نمازیں ادا کرو، اور مہینے کے روزے رکھو اور جب تمہیں (قرآن و سنت کے مطابق) حکم دیا جائے تو اطاعت کرو، اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو وداع کیا۔ تو (لوگ) کہنے لگے یہ حجۃ الوداع ہے اور انہیں پر آپؐ سے پوچھا کہ جو رمی سے قبل حلق کروالے یا رمی سے قبل ذبح کرے۔ تو آپؐ نے فرمایا، کوئی حرج نہیں لہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن دیکھا کہ آپؐ سے جو بھی پوچھا جاتا آپؐ فرماتے کرلو اور اس میں کوئی حرج نہیں پھر آپؐ منیٰ میں قربانی کے مقام پر تشریف لے گئے۔ چنانچہ وہاں تریسٹھ اونٹ ذبح کیے۔ آپؐ کھڑے ہو کر اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر ذبح کر رہے تھے، اور آپؐ نے قریباً ساٹھ اونٹ ذبح کیے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باقی کو ذبح کر دیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان جانوروں کا چمڑا اور گوشت بنانے کے عوض اس میں سے کچھ نہ دیں۔ اب اگر کہا جائے کہ صحیحین کی حضرت ابوبکرہ سے مروی حدیث کا جواب دو گے کہ جو انہوں نے یوم النحر کو منیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے متعلق روایت کرتے ہوئے بتایا۔ پھر آپ دو نہایت

لہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کی سہولت اور آسانی کا کتنا زیادہ خیال رکھا ہے (رئیس احمد جعفری)

چتکبرے مینڈھوں کی طرف گئے۔ اور انہیں ذبح فرمایا اور بکریوں کے ریوڑ کی طرف تشریف لے گئے اور اسے ہم میں تقسیم کیا (مسلم)؟

تو جواب یہ ہے کہ مینڈھوں کے ذبح ہونے کا واقعہ مکہ میں ہوا اور حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق مدینہ میں مینڈھے ذبح کیے گئے۔ کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے دو طریقے ہیں، ایک حضرت انسؓ کا قول کہ آپؐ نے مدینہ میں دو انتہائی خوبصورت دو سینگوں والے مینڈھے ذبح کیے اور نماز عید ادا فرما کر دنبوں کی طرف تشریف لے گئے، چنانچہ حضرت انسؓ نے مکہ میں آپؐ کے اونٹوں کی قربانی کرنے اور مدینہ میں مینڈھے قربانی کرنے میں فرق بتا دیا۔ اور وضاحت کر دی کہ یہ دونوں مختلف واقعات ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی منیٰ میں قربانی کا ذکر کیا ہے۔ بتایا ہے، کہ آپؐ نے (یہاں) اونٹ ذبح کیے اور یہ اونٹ ہدی کے طور پر تھے۔ جو آپؐ لے کر آئے تھے، یہ وہاں بکریوں کے ذبح کرنے سے افضل تھے۔

حج تمتع یا حج قِران

ایک اہم اختلافی مسئلہ کی تحقیق

آں حضرت جب مقام سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہ ایام سے ہو گئیں انہوں نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت بھی کر رکھی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس روتی ہوئی آئیں۔

آپ نے پوچھا، "کیوں رو رہی ہو؟ ——— شاید ایاّم آ گئے"۔

کہنے لگیں، "ہاں یہی ہوا ہے"!

آپؐ نے فرمایا، (روئی کیوں ہو؟) یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالےٰ نے بنات آدم کے لیے لکھ دی ہے، وہ سب کچھ کرو جو ایک حاجی کرتا ہے، بس بیت اللہ کا طواف نہ کرنا"!

حج تمتع یا حج افراد کے بارے میں علماء کا اختلاف

حضرت عائشہ کے اس واقعہ کے سلسلے میں علماء کے مابین اس بات پر منازعت ہے کہ آیا ان کا یہ حج تمتع تھا، یا حج افراد؟[1]

---

[1] حج کی صورتیں:-

۱- حج افراد — اس میں صرف حج کی نیت کرتے ہیں بعد ازاں عمرہ۔

۲- حج تمتع — میقات سے یہ صرف عمرہ کی نیت کرتے ہیں، مکہ آ کر عمرہ کے امکان ادا کرتے ہیں اس کے بعد احرام اتار دیتے ہیں، پھر ۸ ذی الحج کو حج کے ارادے سے دوبارہ احرام باندھتے ہیں۔

(۳) حج قران — اس میں حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کی جاتی ہے اور جب تک جملہ مناسک حج ادا نہ ہو جائیں، حاجی احرام نہیں اتار سکتا۔ (رئیس احمد جعفری)

اگر حج تمتع تھا تو آیا انہوں نے عمرہ کا ارادہ ترک کر دیا، اور حج افراد کی نیت کر لی؟ اور حج کر کے قارن ہو گئیں۔

اور تنعیم سے دوبارہ جس عمرہ کی نیّت کر کے چلی تھیں آیا وہ واجب تھا یا نہیں؟

چند تنقیحات اور ان کا جواب

حضرت عائشہ کے اس واقعہ کے پیش نظر فقہا اس باب میں مختلف ہیں کہ عورت جب عمرہ کا احرام باندھ لے اور ایام سے ہو جائے اور طواف بیت اللہ اس کے لیے قبل از تعریف ممکن نہ ہو، تو آیا وہ عمرہ کا احرام اتار دے گی، اور حج افراد پر اکتفا کرے گی، یا حج اور عمرہ دونوں کرے گی، اور قارن ہو جائے گی ____ !؟

پہلا قول فقہائے کوفہ کا ہے، یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا، دوسرا قول فقہائے حجاز کا ہے، یعنی امام، مالک، واحمد اور ان کے اتباع کا۔

تنعیم سے حضرت عائشہ عمرہ کی نیت کر کے جب پھر سے چلیں تو اس باب میں چار مسلک ہیں۔

(۱) تنعیم سے عمرہ کی نیت کر کے پھر سے روانہ ہونا، محض رضاکارانہ تھا، ورنہ حج و عمرہ کر کے وہ سعی و طواف سے سبک دوش ہو چکی تھیں، وہ متمتع تھیں، پھر عمرہ بھی حج میں شامل کر لیا۔ اور قارن ہو گئیں۔

یہ مسلک واضح اقوال و احادیث پر مبنی ہے، اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں امام شافعی اور احمد کا مسلک یہی ہے۔

۲ - جب حضرت عائشہ ایام سے ہوئیں، تو آں حضرتؐ نے انہیں ہدایت کی کہ عمرہ چھوڑ دیں، اور حج افراد کی نیت کریں، جب حج سے فارغ ہو گئیں، اور احرام کھولا، تو آپؐ نے حکم دیا کہ فقہائے عمرہ کی نیت کریں، اور عمرہ ادا کریں جس کا انہوں نے احرام باندھا تھا،

۳ - جب قارن ہو گئیں تو عمرۂ مفردہ کی ضرورت نہیں رہ گئی، ____ یہ امام احمد کے دو اقوال میں سے ایک ہے۔

(۴) حضرت عائشہ نے حج افراد کی نیت کی تھی، انہیں طواف قدوم سے اس لیے منع کیا گیا تھا کہ ایام سے تھیں۔

یہ مسلک قاضی اسماعیل بن اسماعیل ابن اسحاق وغیرہ مالکی فقہا کا ہے، اور یہ ضعیف ترین مسلک ہے۔"

حجِ وداع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

اب ہم پھر اصل مبحث پر، یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے آخری حج پر آتے ہیں؟
مقام سرف سے روانہ ہونے کے لیے مکہ بس آپؐ نے صحابہ سے فرمایا جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور نہ ہوں، وہ صرف عمرہ کریں۔ اور احرام اتار دیں، اور جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور ہوں، وہ احرام باندھے رہیں۔

آنحضرتؐ سے ایک سوال اور اس کا جواب

اس موقع پر سراقہ بن مالک نے سوال کیا "آیا یہ حکم صرف اس سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟"
آپ نے جواب دیا نہیں ہمیشہ کے لیے، اب قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے!"
اس حدیث کی روایت چودہ صحابہ نے کی ہے، اور یہ ساری روایتیں بالکل صحیح ہیں، جن چودہ بزرگوں نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:"
ام المؤمنین عائشہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت فاطمۃ الزہراء۔ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق، حضرت جابر بن عبداللہ،

نے بیان کیا، اور آپؐ کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے، لوگوں نے حج افراد کا ارادہ کیا، آپؐ نے ان سے تمتع کے لیے کہا، انہوں نے عرض کیا۔

"ہم حج تمتع کس طرح کرسکتے ہیں جب کہ ہم حج (افراد) کی نیت کرچکے ہیں"؟"

آپؐ نے فرمایا، جو میں کہتا ہوں وہ کرو، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی وہی کرتا جو تم سے کہہ رہا ہوں، لیکن اب میں اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک قربانی کے جانور اپنے محل پر نہ پہنچ جائیں، تب ہی احرام کھول سکتا ہوں!"

چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا!

صحیح مسلم میں حضرت حفصہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ازواج کو سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر حکم دیا کہ احرام دیں۔

حضرت حفصہ کہتی ہیں میں نے سوال کیا۔

"آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟"

فرمایا" میں قربانی کے جانور روانہ کرچکا ہوں، اب اس وقت تک احرام نہیں اتار سکتا جب تک قربانی نہ کرلوں!"

صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کی حدیث ہے کہ ہم لوگ (حج وداع کے موقعہ پر) احرام باندھ کر نکلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس موقع پر فرمایا۔

"جس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں، وہ احرام باندھے رکھے، جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں وہ اتار دے،!"

چنانچہ میں نے احرام اتار دیا۔

اہل بیت، صحابہ کرام اور کبار تابعین کا مذہب

غرض یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بہ کثرت مرویات سے بہ صراحت ثابت ہے، اس کے راویوں میں صحابۂ کرام اور کبار تابعین ہیں، یہ منقولات شک سے ماوراء اور موجب یقین ہیں۔ کسی شخص کے لیے بھی ان سے انکار کرنا ممکن

نہیں، یہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مذہب ہے حبر الامت ابن عباسؓ کا اور ان کے اصحاب کا، نیز ابو موسیٰ اشعریؓ کا بھی یہی مذہب ہے امام اہل السنت و الحدیث احمد بن حنبل، ان کے اتباع، اور اہل حدیث کا مذہب بھی یہی ہے، عبداللہ بن حسن عنبری قاضی بصرہ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔

اہل ظاہر کے عذرات و اعتراضات

لیکن اہل ظاہر، اور ان احادیث سے اختلاف رکھنے والے چند عذر اس مذہب (مسلک) کو قبول کرنے میں پیش کرتے ہیں:

(۱) یہ حدیثیں منسوخ ہو چکی ہیں،

(۲) یہ حدیثیں صرف صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہیں، غیر صحابی کے لیے اس حکم میں مشارکت جائز نہیں۔

(۳) خلاف حکم سے یہ حدیثیں معارض ہیں،

یہ ہیں وہ تمام عذرات اور اعتراضات جو ان احادیث پر وارد کیے جاتے ہیں، اب ہم ایک ایک کر کے ان عذرات و اعتراضات کا جواب دیں گے۔

کیا یہ حدیثیں منسوخ ہو چکی ہیں

جو لوگ ان احادیث کو منسوخ مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابو داؤد کہتے ہیں کہ مجھ سے فاریابی نے ان سے ابان ابن ابی حازم نے ان سے ابو بکر بن حفص نے، ان سے ابن عمر نے ان سے حضرت عمرؓ نے جب وہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے بیان کیا کہ:

"اے لوگو! —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمارے لیے متعہ کو جائز قرار دیا تھا، پھر اسے ہم پر حرام کر دیا،!"

بزار کہتے ہیں یہ حدیث سند اور متن سے محروم ہے، سند کا جہاں تک تعلق ہے وہ قطعاً ناقابل قبول ہے، رہا متن، تو یہاں متعہ سے مراد عورتوں سے متعہ ہے نہ کہ حج تمتع، اور بے شک عورتوں سے متعہ کو پہلے آپؐ نے حلال کیا تھا، پھر حرام کر دیا تھا،

اور حضرت عمرؓ سے بہ روایت صحیحہ ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا، "میں حج کے ساتھ تمتع ضرور کرتا ہوں۔!"

تمتع یا قران کا صحابہ کے ساتھ اختصاص؟

اب رہا، حج تمتع یا قران کا صحابہ کے ساتھ اختصاص کا معاملہ، اس کے جو دلائل دئیے جاتے ہیں یہ ہیں!

عبداللہ بن زبیر حمیدی، سفیان، یحیٰی بن سعید اور مرقع کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ ابوذر نے کہا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے فسخ حج ہمارے لیے خاص تھا۔

وکیع، موسیٰ بن عبید اور یعقوب بن زید کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ ابوذرؓ نے فرمایا،

"ہمارے بعد کسی کے لیے بھی روا نہیں کہ حج کو عمرہ کے ساتھ ملائے، یہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایک رخصت تھی"!

بزار، یوسف بن موسیٰ، سمد بن فضل، محمد بن اسحاق، عبدالرحمان الاسدی، یزید بن شریک کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ابوذرؓ سے پوچھا، "رسول اللہ نے کس طرح حج تمتع کیا تھا آپ تو ساتھ تھے بتائیے"!

ابوذرؓ نے جواب دیا، تمہیں اس سے کیا،؟ یہ تو وہ چیز تھی جس میں ہمارے لیے رخصت تھی!

صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی حدیث ہے کہ "حج میں متعہ (تمتع) اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خاص تھا"!

اس حدیث کے دوسرے الفاظ یہ ہیں، "دو متعہ کسی کے لیے جائز نہیں ہیں سوا ہمارے متعۃ النساء، اور متعۃ الحج،

اسی طرح کی روایتیں سنّت ابو داؤد اور نسائی وغیرہ میں بھی ہیں، غرض یہ ہے وہ مجموعۂ روایات جس سے یہ حج قران یا تمتع کے مخالف استدلال کرتے ہیں اور دعویٰ

کرتے ہیں کہ ہدف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خاص تھا،
لیکن یہ تمام آثار بین طور پر باطل ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔
ان راویوں میں ایک مرقع ہے، جس سے روایت قبول نہیں کی جاتی، پھر یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کی روایت مخصوص صحیحہ غیر مدفوعہ سے معارض ہے۔ پھر اسے کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے؟ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مدعیان نسخ و اختصاص کا دعویٰ، مخالف اصل ہے بغیر برہان و دلیل کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔
بلال بن حارث والی حدیث بھی یکسر غلط ہے، یہ اس حدیث کو ثقات اثبات کے روایات پر کس طرح مقدم رکھا جا سکتا ہے؟ ابن عباسؓ زندگی بھر اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہے اور اس کے مخالفوں سے بحث کرتے رہے۔ اور رسول اکرمؐ کے ممتاز اور اجل صحابہ زندگی بھر اس کے خلاف عمل کرتے رہے یعنی حج تمتع کرتے رہے۔
اس کثیر جماعت صحابہ میں سے کسی نے بھی۔ نہیں کہا یہ تمتع ہمارے لیے خاص ہے، یا ہمارے لیے رخصت ہے، بلکہ اسے عام قرار دیا اور تمام مسلمانوں کے لیے بتایا
حدیث اختصاص کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ابو ذر پر رحم کرے، تمتع کی اجازت تو اللہ کی کتاب نے دی ہے، باقی رہا، حضرت عثمانؓ کا قول، یہ حج تمتع صرف صحابہ کے لیے تھا دوسروں کے لیے نہ تھا، تو اس کا حکم بھی وہی ہے۔ جو قول ابو ذرؓ کا ہے، علاوہ ازیں قول ابو ذر و عثمان تین امور پر محتمل ہے:۔
(۱) صحابہ کے لیے جواز کا اختصاص، جو لوگ حرمت نسخ کے قائل ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں۔
۲۔ صحابہ کے ساتھ وجوب کا اختصاص، ہمارے شیخ ابن تیمیہ یہی رائے رکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ صحابہ کے لیے نسخ فرض تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا تھا، لیکن امت کے لیے یہ بات جواز، اور استحباب کے درجہ میں ہے۔ اور قیامت تک یہی صورت رہے گی۔ لیکن ابن عباسؓ اسے قیامت تک ساری امت کے لیے واجب قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہر قارن اور مفرد

حج قرآن یا افراد کی نیت کرنے والا) کے لیے جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں
یہ فرض ہے کہ احرام اتار دے۔

(۳) احتمال ثالث یہ ہے کہ صحابہ کے بعد کسی کے لیے بھی روا نہیں ہے کہ بغیر قربانی کے جانوروں کے قارن یا مفرد کی حیثیت سے حج کی ابتدا کرے، لیکن یہ احتمال بھی احادیث ثابتہ و صحیحہ سے تعارض ہے۔ لہٰذا ناقابل قبول ہے۔

باقی رہی صحیح مسلم میں ابوذر رضؓ کی روایت کہ حج میں متعہ (تمتع) صحابہ کے لیے خاص تھا، یہ بات اگر اصل متعہ کے لیے ہے کہ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں، اور متعہ نسخ کے بارے میں ہے تو یہ قول فاسد ہے، اس کی صراحت عمران بن حصین رضؓ کی اس رائے سے ہوتی ہے جو عثمان رضؓ اور ابوذر رضؓ کی رائے سے زیادہ اہم ہے اور جسے بخاری نے روایت کیا ہے، عمران بن حصین رضؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ حج تمتع کیا، اسی اثنا میں قرآن کی آیت نازل ہوئی (اس بارے میں) صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ کتاب اللہ میں آیت متعہ نازل ہوئی، یعنی متعتہ الحج، رسول اللہ صلعم نے ہمیں اس کا حکم دیا پھر کوئی ایسی ناسخ آیت نازل نہیں ہوئی، نہ رسول اللہ صلعم نے ہمیں کبھی منع فرمایا، یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، اب اگر کوئی شخص اپنی رائے سے کچھ کہتا ہے تو جو چاہے کہے۔ (یعنی حضرت عمر رضؓ)

ایک سائل کو ابن عمر رضؓ کا جواب

ایک مرتبہ عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ سے اس بارے میں سوال کیا، اور ان سے کہا گیا،

"آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے؟"

ابن عمر رضؓ نے جواب میں کہا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا میرے باپ کا قول؟"

ابن عباس نے ایک شخص سے جو اس بارے میں، ابوبکر رضؓ کے قول سے معارضہ کرتا تھا کہا۔

"مجھے ڈر ہے کہیں تم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں، میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا ہے، اور تم کہتے ہو، ابوبکرؓ وعمرؓ نے یہ کہا ہے"۔

معصوم کے قول پر غیر معصوم کا قول نہیں مانا جاسکتا

یہ ہے اہلِ علم کا جواب، نہ یہ جواب کہ عثمانؓ ابوذرؓ رسول اللہؐ کے قول وفعل سے تمہارے مقابلہ میں زیادہ واقف تھے۔

ابن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ ہمارے مقابلہ میں رسول اللہ سے زیادہ واقف تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نص کے مقابلہ میں صحابہ یا تابعین میں سے ایک شخص بھی اس جواب سے مطمئن نہیں ہوسکتا معصوم کے قول پر غیر معصوم کے قول کو تقدم نہیں حاصل ہوسکتا، اور نص معصوم سے ثابت ہوتا ہے کہ حج تمتع قیامت کے لیے ہے، اس کی تائید میں، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، سعید بن المسیب اور جمہور تابعین ہیں، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بعض صحابہؓ کی محض رائے تھی، نہ کہ رسول اللہؐ سے حدیث مرفوع،

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب تمتع سے منع کیا، تو ان سے ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا، "یا امیرالمومنین کیا آپ نسک وعبادت میں ایک نئی بات رائج نہیں کر رہے ہیں؟"

اور یہ ابوموسیٰؓ برابر عہد خلافت ابوبکرؓ میں، اور صدر خلافت عمرؓ میں برابر، (تمتع) کا فتوی دیتے رہے، یہاں تک کہ عمرؓ نے اس سے منع کر دیا، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ ان کی رائے میں حضرت عمر نے نسک وعبادت میں ایک نئی بات رائج کی، لیکن یہ بھی ثابت اور صحیح ہے کہ بعد میں اپنے اس قول (نہی) سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا،

احادیث نسخ کے تعارض کا مسئلہ اور رواۃ پر بحث

باقی رہا احادیث نسخ میں تعارض کا معاملہ تو

اس سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ان میں ایک حدیث عمرؓ سے ابوالاسود کی ہے، صاحب مجزم اسے منکو قرار دیتے ہیں، لہٰذا اس سے روایت کس طرح جائز ہو سکتی ہے، اسی طرح عبداللہ مولیٰ اسماءؓ کی حدیث ہے کہ اسماءؓ بنت ابوبکر صدیق نے کہا کہ میں نے اور میری بہن عائشہؓ نے اور زبیر نے اور فلاں فلاں نے مسح بیت اللہ کے بعد احرام اتار دیے۔ پھر رات کو حج کی نیت کر کے احرام باندھ لیے، لیکن یہ حدیث دو وجوہ سے باطل ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ اہلِ نقل اس پر، متفق ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مکہ میں پہلی مرتبہ داخلہ کے وقت عمرہ نہیں کیا تھا، اسی لیے حج کے بعد تنعیم جا کر عمرہ کی نیت کر کے واپس آئیں اور عمرہ کیا، اس کے راوی بہت ثقہ لوگ ہیں، مثلاً ابو الاسود، ابن ابی ملیکہ، قاسم بن محمد، عروہ، طاؤس، اور مجاہد دوسرا سبب بطلان کا یہ ہے کہ مسح بیت کے بعد احلال کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ جابر، انس بن مالک، عائشہ، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم، سب کی روایت یہ ہے کہ احلال دخول مکّہ کے دن ہوا تھا، اور احلال حج یوم تو (۸ ذی الحجہ) کو ہوا تھا، اور ان دونوں ایّام کے مابین تین دن کی مدت ہے۔

آنحضرتؐ کے سفرِ حج کی طرف عود

اب ہم پھر آں حضرتؐ کے ذکرِ حج کی طرف عود کرتے ہیں۔

آں حضرتؐ ذی طویٰ میں آکر اترے، جو آج کل آباد زاہر کے نام سے معروف ہے، یہاں رات گزاری، پھر نماز صبح کے بعد غسل کیا، اور مکّہ کی طرف سواری روانہ ہوئی، جہاں آپؐ دن چڑھے داخل ہوئے، طبرانی نے بیان کیا ہے کہ آپؐ باب بنی عبد مناف سے جو اب باب بنی شیبہ کے نام سے معروف ہے داخل ہوئے۔

طبرانی کا بیان ہے کہ جب آپؐ کی نظر مبارک کعبہ پر پڑی، تو آپؐ نے فرمایا!

یعنی اے پروردگار اپنے اس گھر کی عزّت، حرمت، عظمت، اور بزرگی اور زیادہ بڑھا دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ ہاتھ اٹھاتے

اور تکبیر کہتے تھے، اور فرماتے تھے،

اللھم انت السلام ومنك السلام، حنا ربنا بالسلام اللھم زد ھذا البیت تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابۃ وزد ومن حجۃ او اعتمرہ تکریماً وتشریفاً وتعظیماً وتکلیماً وبرا

یعنی (مذکورہ بالا دعا کے علاوہ) اے پروردگار، جو اس تیرے گھر کا حج کرے یا عمرہ کرے، اس کی بھی بزرگی، عزت، بڑائی، اور عظمت میں اور زیادہ اضافہ کر!

جب آپؐ مسجد میں آئے، تو کعبہ کی طرف بڑھے، یہاں آپ نے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی، کیونکہ مسجد حرام کی تحیہ طواف ہے، جب حجر اسود کے سامنے آئے تو اسے چوما، مگر اس کے لیے نہ کسی کے مزاحم ہوئے، نہ رکن یمانی کا رُخ کیا، نہ ہاتھ اٹھائے، نہ یہ فرمایا کہ میں طواف کی نیت کرتا ہوں۔ نہ طواف کا نماز کی طرح تکبیر سے افتتاح کیا، جیسا کہ ناواقف اور لاعلم لوگ کرتے ہیں، کہ یہ بدعت اور منکر ہے، نہ آپؐ حجر اسود کے پورے جسم سے مقابل ہوئے، بلکہ حجر اسود کی طرف کچھ رخ سا کر لیا، داہنی طرف سے طواف شروع کیا، کعبہ آپ کے بائیں جانب تھا، باب کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کوئی دعا نہیں مانگی، نہ میزاب کے نیچے الیسا کیا، جب آپؐ رکنین، یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان پہنچے تو فرمایا،

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

یعنی اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں اچھائیاں عطا کر، اور دوزخ کے عذاب سے بچالے،

آپؐ نے طواف کس طرح کیا؟ طواف کے پہلے تین چکروں میں آپؐ اس طرح چلے کہ آپؐ کی رفتار تیز تھی، لیکن چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ، چادر یوں اوڑھے تھے کہ اس کا ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کر، شانے پر ڈال لیا تھا، جب حجر اسود کے سامنے آتے۔ تو اس کی طرف اشارہ فرماتے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اسی سے اسے چھوتے، اور پھر لکڑی کو چوم کر آگے بڑھ جاتے، اس

چھڑی کا سرا مڑا ہوا تھا،

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے رکن یمانی کو چھوا، مگر اسے چومتے نہیں تھے، نہ اسے چھو کر ہاتھ کو چومتے تھے۔ دار قطنی نے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ رکن یمانی (حجر اسود) کو چومتے تھے، اور اس پر اپنا رخسار مبارک رکھ دیتے تھے، اس روایت کے راویوں میں ایک عبداللہ بن مسلم بن ہرمز ہے، امام احمد اسے صالح الحدیث کہتے ہیں، لیکن بعض اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس جگہ رکن یمانی سے مراد، حجر اسود ہے، طبرانی نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ آپ جب رکن یمانی کو چھوتے تھے تو فرماتے تھے۔

بسم اللہ واللہ اکبر اور جب حجر اسود کے پاس آتے تو فرماتے اللہ اکبر،

مقام ابراہیم پر درود۔ طوائف کعبہ سے فراغت کے بعد، آپؐ مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ یعنی مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو،) پھر دو رکعت نماز پڑھی، جس میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پڑھی۔ نماز کے بعد حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے پھر چھوا، اس کے بعد صفا کی طرف تشریف لے گئے، جب قریب پہنچے تو قرآن کی یہ آیت پڑھی، انما الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔

یعنی صفا اور مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں، (آیت ختم) اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا،

ابدأ بما بدأ اللہ۔ یعنی خدا نے جس سے ابتداء کی ہے میں بھی اسی سے ابتدا کرتا ہوں۔

نسائی کی روایت میں ابدؤا علی الامر ہے،

پھر آپ صفا پر چڑھ گئے، یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ نے خدا کی وحدت اور کبریائی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک لہ الملک ولہ

الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر لا الہ وحدہٗ انجز وعدہ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ

یعنی خدا اسے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں سب کچھ اس کا ہے، وہی سزاوار ستائش ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی"

پھر آپؐ نے دعا فرمائی، اور یہ الفاظ تین مرتبہ دوہرائے، پھر آپؐ پا پیادہ مروہ آئے، اور بطن وادی میں پہنچ کر سعی کرتے لگے۔

صحیح مسلم میں ابوالطفیل کی روایت ہے کہ میں نے ابن عباس سے عرض کیا، ارشاد فرمایئے کیا واقعی صفاؔ اور مروہ کے مابین سوار ہو کر طواف کرنا سنّت ہے؟ کیونکہ آپ کی قوم کے لوگ تو اسے سنّت ہی خیال کرتے ہیں، ابن عباس نے کہا، وہ ٹھیک بھی کہتے ہیں اور غلط بھی کہتے ہیں میں نے کہا ٹھیک کس طرح اور غلط کس طرح کہتے ہیں؟ کہنے لگے، لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ کھوے سے کھوا چھلنا شروع ہو گیا، اور رسول اللہؐ اپنے سامنے سے لوگوں کو ہٹاتے نہیں تھے، چنانچہ جب ہجوم بہت بڑھ گیا، تو آپؐ سوار ہو گئے، ورنہ پا پیادہ چلنا اس موقع پر زیادہ افضل ہے۔!

طواف قدوم آپ نے سوار ہو کر کیا یا پیادہ؟

طواف قدوم کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا آپؐ اس موقع پر پا پیادہ تھے یا سوار؟

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے گرد اونٹ پر بیٹھ کر طواف فرمایا اور اسی طرح رکن کو چھوا، کیونکہ لوگوں کو سامنے سے ہٹانا آپؐ کو پسند نہ تھا، سنن ابو داؤد میں ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ناساز تھا آپؐ سواری پر سوار رہے، اور اسی طرح طواف کیا، رکن کے پاس جب پہنچے تو چھڑی سے اسے چھوا، طواف سے فراغت کے بعد اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں پڑھیں، ابوالطفیل کی روایت ہے کہ جس چھڑی سے آپؐ نے حجر اسود کو چھوا، اسے چوما بھی، اور بیہقی نے مسلم کے اسناد کے ساتھ جو روایت کی ہے اس میں اونٹ کا ذکر نہیں ہے، ممکن ہے یہ طواف قدوم کے بجائے طواف افاضہ کا واقعہ ہو۔

اعتکاف

دل کے روگ کا تنہا اور شافی علاج

رغبت الی اللہ کا وسیلہ قلب کی اصلاح و استقامت اللہ کی طرف لے جانے والی راہ، ذات الٰہی پر اعتماد کلی سے حاصل ہوتی ہے، خدا کی طرف رغبت ہی دل کی بے کلی کو دور کر سکتی ہے، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف میلان ہی دل کے روگ کا تنہا اور شافی علاج ہے، اور چونکہ خورونوش میں زیادتی لوگوں سے بیکار ملنا جلنا، لغو گوئی، اور زیادہ سونا ایسے افعال ہیں جن سے (قلب) کی پریشانی بڑھتی اور تشتت و افتراق واقع ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اللہ کے راستے میں آڑ بنتی یا اس میں ضعف و کجی پیدا کرتی ہیں، اسی لئے پروردگار عزیز و رحیم نے بندوں پر اپنی رحمت کے باعث روزہ فرض کر دیا کہ کثرت خورونوش میں کمی ہو جائے اور قلب سے شہوانی اخلاط ہٹ جائیں۔ جو اللہ کی طرف رغبت کرنے میں حارج ثابت ہوتے ہیں یہ چیزیں بندے پر خود اسی کی بھلائی، فائدے، اور مصلحت کے لئے فرض کیں، کہ وہ دنیا و آخرت میں ان سے متمتع ہو،

نیز اعتکاف شروع فرمایا۔ جو اصل مقصد ہے جس سے آدمی کا دل خود بخود خدا کی طرف راغب ہوتا ہے، وہ اس پر بھروسہ کرتا ہے اور مخلوقات کی مصروفیات سے علیحدہ ہو کر صرف خدائے عزوجل کی (عبادت میں) مشغول ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ قلب گہوارہ

افکار و آلام نہیں رہتا، ذکر و محبت الٰہی کا نشیمن بن جاتا ہے، پھر یادِ الٰہی کے سوا کوئی اور کوئی یاد باقی نہیں رہ جاتی، بس یہی خیال رہتا ہے کہ خدا کی رضا اور قرب حاصل ہو، چنانچہ وہ مخلوق کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اُنس حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ بھی اسی سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جس دن قبر میں وحشت ہوگی۔ اور کوئی انیس نہ ہوگا اور نہ سامانِ فرحت ہوگا وہاں پر وہ اس کا انیس ہوگا۔

دراصل اعتکاف کا سب سے بڑا مقصود یہی ہے، اور چونکہ یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ اعتکاف روزے کے ساتھ ہو۔ اسی لیے اعتکاف کو بھی رمضان کے آخری عشرہ میں شروع کیا گیا جو روزے کے باقی تمام ایام سے افضل ہے۔

بغیر روزے کے اعتکاف بے معنیٰ ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے کبھی بھی افطار کی حالت میں اعتکاف کیا ہو۔ بلکہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں، کہ روزے کے بغیر اعتکاف ہوتا ہی نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی روزے کے ساتھ ساتھ ہی اعتکاف کا ذکر فرمایا ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ روزے کی حالت ہی میں اعتکاف کیا، اسی لئے جس مسئلہ پر جمہور سلف قائم وہی ترجیح رکھتا ہے، یعنی "اعتکاف میں روزہ شرط ہے" اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی اسی مسلک کو ترجیح دیتے۔

رہا کلام۔ تو امت پر لازم کیا گیا کہ زبان کو ہر اس بات سے روکے۔ جس کا آخرت میں کچھ فائدہ نہیں۔

اور کثرت قواب کے علاج کے لئے قیام لیل مشروع ہوا۔ جو بیکار جاگتے رہنے سے افضل ہے۔ اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ (قیام الیل) معتدل قسم کی بیداری ہے جس میں قلب و جسم کو تقویت ملتی ہے۔ اور بندے کے ذاتی مصالح میں رکاوٹ بھی نہیں پیدا ہوتی، پس ارباب ریاضت و سلوک کا مدار بھی یہی ارکان اربعہ ہیں، اس سے بڑھ کر خوش بخت کون ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مسنونہ پر گامزن ہو۔ اور

غلو کرنے والوں یا از حد کاہلوں اور کمی کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے ۔ قیام اور کلام کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں اب ہم اعتکاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ بیان کرتے ہیں آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ایک بار آپ نے اعتکاف چھوڑ بھی دیا۔لیکن شوال میں قضا ادا کر لیا۔ایک بار آپؐ نے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر درمیانی عشرہ میں پھر آخری عشرہ میں ۔آپ لیلۃ القدر کی تلاش کر رہے تھے ۔ پھر معلوم ہوا۔ کہ یہ آخری عشرہ میں ہے ۔چنانچہ آپ نے (اسی عشرہ) میں اعتکاف پر مداومت فرمائی۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل سے جا ملے ۔

اعتکاف کے لیئے آپ خیمہ گاڑ دینے کا حکم فرماتے ۔ چنانچہ آپ کے لیے مسجد میں خیمہ گاڑ دیا جاتا۔ جس میں آپؐ اپنے خدائے رحیم و کریم کے ساتھ تنہائی اختیار کرتے ۔ جب آپؐ اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے ، پھر خیمہ لگانے کا حکم فرماتے ، چنانچہ (خیمہ) لگا دیا جاتا۔ پھر آپ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کے لیے حکم فرمایا۔ چنانچہ ان کے خیمے بھی لگا دیئے گئے۔ چنانچہ جب آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور ان خیموں کو دیکھا۔ تو اپنے خیمے کے متعلق حکم دیا کہ اسے اکھاڑ دیا جائے !

اور ایسا بھی ہوا کہ ماہِ رمضان میں آپ نے اعتکاف ترک کر دیا۔ اور شوال کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ آپؐ ہر سال دس دن تک اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔ جس سال آپ کی رحلت ہوئی، اس سال آپ بیس دن اعتکاف میں بیٹھے ۔ اور ہر سال ایک بار حضرت جبریل علیہ السّلام آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے (دہراتے) لیکن اس سال دو مرتبہ دہرایا۔ آپؐ بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے اور اس سال دو بار سنایا۔

حالت اعتکاف کے معمولات

جب آپ اعتکاف میں بیٹھتے ۔ تو اپنے خیمہ میں تنہا داخل ہو جاتے اور اعتکاف کی حالت میں انسانی ضرورت کے سوا آپ گھر تشریف نہ لے جاتے ۔ آپ مسجد سے اپنا سر حضرت عائشہؓ

کے حجرہ کی طرف باہر نکالتے۔ تو وہ آپ کا سر دھوئیں اور کنگھی کرتیں۔ اور آپ مسجد میں ہی تشریف فرما ہوتے، اور (ام المومنین) ایام سے ہوتیں۔ نیز بعض دوسری ازواج مطہراتؓ آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتیں اور آپ اعتکاف میں ہی ہوتے۔ جب وہ واپس ہوتیں۔ تو آپ بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ آپ ان کو الوداع کہتے۔ اور دا اس وقت رات ہوتی بہ حالت اعتکاف آپؐ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ مباشرت نہ فرماتے۔ نہ تقبیل کرتے۔ جب آپ اعتکاف میں بیٹھتے۔ تو آپ کا بستر بچھا دیا جاتا۔ اور معتکف میں آپ کا بستر رکھ دیا جاتا، اور جب آپ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے۔ اور کسی مریض کے پاس سے گزرتے تو اس سے کچھ نہ پوچھتے اور نہ دم کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ترکی قبہ میں معتکف ہوئے۔ اور اس پر چٹائی ڈال دی یہ تمام باتیں اس لئے تھیں تاکہ اعتکاف کا اصل مقصد اور رُوح حاصل ہو، بخلاف آج کل کے جہلاء کے کہ اپنی جائے اعتکاف دس آدمیوں کے برابر وسیع کر لیتے، اور زائرین کے لئے مجلس بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ دنیا بھر کی باتیں کر ڈالتے ہیں۔ یہ ایک الگ رنگ ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف ایک رنگ رکھتا تھا۔

حج اور عمرہ

ایک بہت اہم اور تحقیقی بحث

ہجرت کے بعد آپ نے کتنے عمرے کئے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے ادا کئے سب کے سب ذی القعدہ کے مہینہ میں تھے۔

پہلا حدیبیہ کا عمرہ ہے۔ یہ چھ ہجری میں ادا کیا چنانچہ مشرکین نے خانہ کعبہ کے پاس قربانی کرنے سے روکا۔ اسی لئے آپؐ نے اور صحابہؓ نے حلق کروایا (سر منڈوایا) اور احرام اتارا اور واپس مدینہ میں تشریف لے آئے۔

دوسرا عمرہ قضیہ، یہ اگلے سال ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے۔ تین روز قیام فرمایا۔ پھر عمرہ ادا کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ عمرہ سال گذشتہ کے عمرہ کی قضا تھی جبکہ آپ کو روک دیا گیا تھا؟ یا یہ نیا عمرہ تھا؟

علمائے کرام کے اس سلسلہ میں دو قوم ہیں، اور احمد بنؒ حنبل سے دو روایات ہیں ایک یہ کہ یہ قضاء کا عمرہ تھا۔ ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور دوسرے کہتے ہیں یہ قضاء نہیں تھا۔ یہ مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

جو قضا کے قائل ہیں انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس کا نام عمرۃ قضاء تھا۔ اور یہ نام اپنے حکم تابع ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہاں قضاء و مقاضاۃ کے ہم معنی

ہے، کیونکہ اس عمرہ میں اہل مکہ کے خلاف فیصلہ ہو گیا تھا۔ نہ کہ یہ قفی یقفی قضاء سے ہے کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس کا نام عمرہ قضیہ ہے مروی ہے کہ جن لوگوں کو کعبہ تک نہ جانے دیا گیا، ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ اور عمرہ قضیہ میں یہ تمام صحابہؓ تشریف نہیں لائے۔ اگر قضاء کا عمرہ ہوتا۔ تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔ یہی زیادہ صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ آنے والے صحابہؓ کو اس کی قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا۔

تیسرہ عمرہ وہ تھا۔ جو آپؐ نے حج کے ساتھ ہی (حج قرآن) کی صورت میں ادا فرمایا، یہ دس سے زیادہ دلائل کی بناء پر قرآن کا تھا، جنہیں ہم انشاء اللہ آئندہ ذکر کریں گے۔

چوتھا جوانہ سے چل کر عمرہ ادا فرمایا! جب آپ حنین کے لیے تشریف لے گئے پھر وہاں سے لوٹ کر مکہ تشریف لائے۔ تو جعرانہ سے عمرہ ادا فرمایا۔

صحیحین میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیئے یہ تمام عمرے آپ نے ذی قعدہ میں ادا فرمائے۔ سوا اس کے جو حج سے تعاون تھا حدیبیہ[1] کا عمرہ یا زمانہ حدیبیہ کا عمرہ۔ اگلے سال ذی[2] قعدہ کا عمرہ۔ جعرانہ[3] سے عمرہ جب آپ نے وہاں حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اور حج کے ساتھ عمرہ اور حضرت عبداللہ بنؓ کا قول ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ ایک رجب میں کیا لیکن یہ ان کا وہم ہے۔ حضرت عائشہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمان پر رحم فرمائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی عمرہ کیا۔ یہ آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اور حضورؐ نے رجب میں قطعاً عمرہ نہیں کیا۔ اور دار قطنیؒ نے حضرت عائشہ نے جو روایت کی ہے کہ میں بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں عمرہ کے لیے گئی۔ تو آپؐ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا۔ آپؐ نے قصر کیا۔ اور میں نے مکمل نماز ادا کی۔ پھر میں نے عرض کیا، آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپؐ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا۔ آپؐ نے قصر کیا اور میں نے مکمل نماز ادا کی۔

آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ تم نے اچھا کیا"

آں حضرت نے رمضان میں کبھی عمرہ نہیں کیا | یہ حدیث غلط ہے۔ کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں قطعاً عمرہ نہیں کیا۔ اور آپ کی عمر کا شمار بھی منضبط ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ام المومنین رضؓ پر رحم فرمائے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں بالکل عمرہ نہیں کیا اور حضرت عائشہ رضؓ نے بھی فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ذی قعدہ میں عمرہ کیا (ابن ماجہ) وغیرہ۔

اور اس میں اختلاف بھی نہیں ۔ کہ آپ کے عمرے چار سے زیادہ نہ تھے۔ اگر آپ نے رجب میں بھی عمرہ کیا ہوتا تو پانچ ہوتے۔ اور اگر رمضان میں بھی عمرہ کیا ہوتا۔ تو چھ ہوتے۔ ہاں اگر یہ صورت ہو۔ کہ بعض کہیں کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا۔ اور بعض کہیں کہ آپ نے رمضان میں عمرہ کیا۔ اور بعض یوں کہیں کہ آپ نے ذی قعدہ میں عمرہ ادا کیا۔ تو یہ بھی خلاف واقع ہے ۔ بلکہ آپ کے جملہ عمرے تو ذی قعدہ میں ہوئے جیسا کہ حضرت انس رضؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے ۔

اور سنن ابوداؤدؒ میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں عمرہ کیا ، یہ اگر درست ہو۔ تو جعرانہ کے عمرہ میں ہو سکتا ہے۔ جب آپ شوال کے مہینہ میں تشریف لے گئے (حقیقت یہ ہے) کہ آپ نے وہاں ذی قعدہ میں احرام باندھا تھا۔ !

مکّہ کے باہر آپؐ نے کوئی عمرہ نہیں کیا

آپ نے زندگی بھر ایک عمرہ بھی مکّہ سے باہر جا کر نہیں کیا جیسا آج کل عام طور پر لوگ کرتے ہیں ، آپؐ نے تمام عمرے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے ، نزول وحی کے بعد آپ ۱۳ سال تک مکہ میں مقیم رہے ، مگر کوئی روایت ایسی منقول نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ مکّہ سے باہر جا کر آپ نے اس ساری مدّت میں عمرہ کیا ہو۔ آپؐ نے جو عمرہ کیا ہے اور جو مشروع ہے وہ داخل مکہ کا عمرہ ہے یہ نہیں کہ حرم سے باہر چلے جائیں ، اور عمرہ کی نیت کر کے پھر واپس آجائیں[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عمرہ کا ثواب بھی تقریباً حج ہی کی طرح ہے ، اس کے ارکان تین ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہمیشہ اسی طرح عمرہ کرتے رہے۔

حج کے مہینہ میں عمرہ کرنا افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مکہ میں پانچ مرتبہ داخل ہوئے پہلی مرتبہ حدیبیہ تک پہنچے لیکن داخل ہونے سے روک دیئے گئے باقی چار مرتبہ میقات سے احرام باندھ لیا، حدیبیہ کے موقعہ پر ذا لحلیفہ سے احرام باندھا تھا، دوسری مرتبہ آپ نے عمرہ ادا کیا تین دن قیام کیا پھر واپس تشریف لے آئے، تیسری مرتبہ فتح کے ساتھ ماہ رمضان میں بغیر احرام کے داخل ہوئے، پھر حنین واپس آگئے، اُس کے بعد عمرہ کی نیت کر کے جعرانہ سے مکہ میں داخل ہوئے، یہ عمرہ آپ نے رات کو کیا، اور رات ہی کو واپس آگئے۔ مکّہ سے نکل کر جعرانہ تک عمرہ کے لئے نہیں گئے جیساکہ اہل مکّہ آج کل کرتے ہیں، آپ نے مکّہ میں داخل ہوتے وقت احرام باندھا اور رات کو جب عمرہ کر لیا تو فوراً جعرانہ واپس آگئے، اور رات وہیں گزاری جب صبح ہوئی تو سرف کی گھاٹی سے نکل کر شارع عام پر آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اس عمرہ سے ناواقف ہیں۔

آپ کے تمام عمرے حج کے مہینہ میں ہوئے برعکس مشرکین کے کہ وہ اشہر حج میں عمرہ کو مکروہ سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ بڑی گناہ کی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا افضل ہے۔

آپؐ نے سال میں صرف ایک عمرہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

(بقیہ حاشیہ) (۱) کعبہ شریف کا طواف کرنا۔

(۲) صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا۔

(۳) سر منڈانا، یا بالوں کو زیادہ سے زیادہ چھوٹا کرا دینا۔

ان ارکان کے بعد، عمرہ کرنے والا، حج کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور بغیر کسی پابندی کے ایک عام باشندے کی طرح مکہ میں رہ سکتا ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

سال میں ایک ہی عمرہ کیا ایک سال میں دو مرتبہ نہیں کیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے سال میں دو مرتبہ بھی عمرہ کیا ہے دلیل میں وہ سنن ابوداؤد کی حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، کہ آپؐ نے دو عمرے کئے ایک ذیقعد میں دوسرا شوال میں گویا ایک ہی سال میں دو عمرے کئے لیکن یہ حدیث وہم پر مبنی ہے، کیونکہ ایسا واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا۔

لیکن یہ مسئلہ بہرحال اختلافی ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ میری نظر میں مکروہ ہے، لیکن اصحاب مالک میں سے مطرف اور ابن المواز کا قول ہے کہ ایک سال میں ایک سے زائدہ عمرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ابن المواز کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ہی مہینہ میں دو عمرے کئے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ طاعات کی صورت میں اگر کوئی شخص رضائے الٰہی اور تقرب خداوندی کا جویا ہو تو اسے کیوں روکا جائے؟ اور اس کی ممانعت میں کوئی نص بھی وارد نہیں ہوئی ہے۔ جمہور کا قول یہی ہے البتہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ پانچ دن مستثنیٰ کرتے ہیں جن میں عمرہ نہیں کیا جا سکتا،

(۱) یوم عرفہ کو عمرہ ناروا ہے،

(۲) یوم نحر (قربانی) کے موقع پر بھی نہیں کیا جا سکتا،

(۳) اور ایام تشریق میں بھی نہیں،

امام ابویوسف کے نزدیک یوم نحر اور ایام تشریق میں عمرہ ناروا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک منیٰ میں رمی کے لئے رات گزارنے والے کو ایام تشریق میں عمرہ نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال میں ایک مرتبہ عمرہ کیا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ

ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک یعنی اس درمیانی وقفہ کا کفارہ ہے، ا.

حج کس سال فرض ہوا؟ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہجرت کے بعد

مدینہ سے، حج وداع کے سواء آپ نے کوئی حج نہیں کیا، اور یہ بات بھی متفقہ ہے کہ یہ واقعہ ۱۰ھ کا ہے۔

ترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کئے، دو حج ہجرت سے پہلے اور تیسرا ہجرت کے بعد مع عمرہ کے، ترمذی کہتے ہیں کہ حدیث سفیان کے پیش نظر یہ حدیث غریب ہے، وہ کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے دریافت کیا، انھوں نے کہا میں اس سے واقف نہیں، ایک اور روایت کے مطابق وہ اس حدیث کو محفوظ نہیں خیال کرتے،

جب فرضیت حج نازل ہوئی، تو بغیر کسی تاخیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے چل کھڑے ہوئے، حج ۹ھ یا ۱۰ھ میں فرض ہوا، باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ واتمو الحج والعمرۃ للہ تو یہ آیت ۶ھ میں حدیبیہ کے سال نازل ہوئی تھی، لیکن اس سے فرضیت حج نہیں ثابت ہوتی، اس میں صرف اتمام حج اور اتمام عمرہ کا حکم ہے، اور یہ مفہوم وجوب کا مقتضی نہیں ہے۔

حج کے لئے آں حضرت ﷺ کی مدینہ سے روانگی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا عزم فرمایا اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ حج کو تشریف لئے جا رہے ہیں تو سب نے تیاریاں شروع کر دیں، تاکہ آپ کا شرف معیت حاصل کریں، حوال مدینہ کے لوگوں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ بھی گروہ در گروہ اسی مقصد سے آنا شروع ہو گئے راستے میں بھی، لوگوں کی جماعتیں، جو حد شمار سے خارج تھیں ساتھ ہوتی گئیں، آگے پیچھے داہنے بائیں حد نظر تک خلقت نظر آ رہی تھی۔

مدینہ سے آپ ظہر کے بعد روانہ ہوئے، یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا، ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور انہیں احرام، اور اس کے واجبات وسنن کی تعلیم دی، ابن حزم کہتے ہیں یہ جمعرات کا دن تھا، لیکن یہ

بات صحیح نہیں آپؐ سنیچر کے دن حج کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔

احرام کے لئے الگ سے دو رکعتوں کی سند نہیں

غرض آپؐ نے مدینہ منوّرہ میں ظہر کی چار رکعت نماز ادا کی[1] پھر تیل ڈالا، لباس بدلا، چادر اوڑھی، اور ظہر و عصر کے مابین روانہ ہو گئے، مقام "ذوالحلیفہ" میں پڑاؤ کیا، یہاں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں[2] شب یہیں گزاری، یہاں آپؐ نے پوری پانچ نمازیں پڑھیں، عصر، مغرب، عشا، دوسرے دن کی فجر اور ظہر ازواج مطہرات ہمراہ تھیں، ایک ایک کر کے آپؐ سب کے ہاں تشریف لے گئے جب احرام باندھنے کا ارادہ کیا، تو غسل جنابت کے علاوہ تھا، ابن حزم نے غسل جنابت کے علاوہ کسی دوسرے غسل کا ذکر نہیں کیا ہے، یہ ترک ذکر یا تو سہواً ہے یا عدم ثبوت کی بنا پر،

ظہر کی دو رکعتیں (قصر) پڑھنے کے بعد مصلّے پر بیٹھے بیٹھے آپؐ نے تہلیل کی۔ اور آپؐ سے منقول نہیں کہ احرام کے لئے الگ سے دو رکعتیں پڑھی ہوں، (سوا فرض ظہر کے)

آنحضرتؐ کا یہ حج، حج قران تھا!

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ آپؐ کا حج، در اصل حج قران تھا، اور اس دعوے کے ثبوت میں بیس سے زیادہ حدیثیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

منجملہ ان کے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے جو قتیبہ نے لیث سے۔ انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو عمرہ کے ساتھ ملا لیا، اور حج و عمرہ کے لئے ایک ہی طواف کیا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں عمران بن حصین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یعنی پوری نماز پڑھی، قصر نہیں کیا۔ (جعفری)

[2] یعنی پوری نماز نہیں پڑھی، قصر کیا۔ (جعفری)

نے حج اور عمرہ جمع کیا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ آپؐ کا آخری حج ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں اختلاف ہے

تمتع یا حج و عمرہ کا جمع کرنا، صحیحین (بخاری و مسلم) سے بھی ثابت ہے، سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ مقام عسقان میں علیؓ اور عثمانؓ کا اجتماع ہوا، عثمان نے تمتّع سے یعنی حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کیا۔

علیؓ نے کہا، "جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس سے تم روک کس طرح رہے ہو"؟

عثمانؓ نے کہا، "اپنی یہ باتیں رہنے دو"!

علیؓ نے جواب دیا۔ میں تمہیں کس طرح ایسی بات کرنے دوں؟ یہ نہیں ہوسکتا،

چنانچہ جب عثمان نے علیؓ کو اپنی رائے پر مصر دیکھا تو حج اور عمرہ کو جمع کرلیا۔

یہ تو مسلم کے الفاظ تھے، بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ علیؓ اور عثمانؓ میں اختلاف رائے پیدا ہو جب کہ یہ دونوں مقام عسقان میں تھے، یہ اختلاف تھا جمع تمتع کے بارے میں، علی نے کہا،

"تمہارے اس فعل کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس سے لوگوں کو روکو"!"

پھر جب گفتگو بڑھی تو عثمان نے بات مان لی۔

بخاری ہی میں مروان بن حکم کی حدیث ہے کہ جب عثمانؓ نے تمتع، یعنی حج و عمرہ کو جمع کرنے سے روکا، تو میں نے دیکھا کہ علی نے دونوں کو جمع کر لیا، اور بہ آواز بلند کہا۔

"لبیک بحجۃ وعمرۃ"!"

پھر فرمایا "کسی شخص کے کہنے سے میں سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک نہیں کر سکتا"!"

بخاری کی اس روایت سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں:

— • حج و عمرہ کے ملانے (قرآن) کو، یعنی جمع کرنے کو یہ اصحاب "تمتع" کے نام سے

بھی یاد کرتے تھے۔

— • آں حضرتؐ سے قرآن یا تمتع ثابت ہے،

— • حضرت عثمانؓ کو بھی یہ فعل رسولؐ تسلیم تھا، ورنہ جب حضرت علیؓ نے انہیں ٹوکا تھا کہ آپ اس کام سے کیسے روک سکتے ہیں جو رسول اللہؐ سے ثابت ہے تو حضرت عثمانؓ کو اگر اس واقعہ کی واقفیت سے انکار ہوتا تو صاف صاف انکار کر دیتے، نہ صرف یہ کہ انہوں نے تردید نہیں کی بلکہ سنّتِ نبوی کی اقتدا کی یعنی حج وعمرہ کو جمع کیا،

— • اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی یہ سنّت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے، آخری عمرہ وہ تھا جس کے ساتھ آپ نے حج بھی جمع کر لیا تھا یہ حج وداع کا واقعہ ہے،

تمتّع سے مراد قرآن یعنی حج اور عمرہ ملانا ہے،

اس باب میں احادیث تقریباً متفق علیہ ہیں اور کچھ اختلاف ہے تو بہت معمولی سا، صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ اور یہ حضرات (صحابہ) تمتع سے مراد قرآن (یعنی حج وعمرہ کا ملانا) لیا کرتے تھے۔

عمران بن حصین کی روایت: قارن اور متمتع ایک ہیں

بخاری ومسلم میں مطرف نے حضرت عمران بن حصین کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کو جمع کیا اور اس کام سے کبھی نہیں روکا، یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، اور قرآن میں بھی ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس سے اس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہو۔

ایک اور روایت انہی عمران بن حصین کی ہے کہ رسول اللہ نے حج تمتع کیا۔ اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ دونوں کو ملایا۔

اور یہ عمران اہل سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں، یہ خبر دیتے ہیں کہ آپؐ نے تمتع کیا۔ آپؐ نے حج اور عمرہ کو جمع کیا، صحابہ کی زبان میں قارن، متمتع کو کہتے تھے۔ اسی طرح جملہ خلفائے راشدین یہ بات مانتے تھے، عمران نے اصح اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ نے حج و عمرہ کا قرآن کیا، جسے دوسرے الفاظ میں وہ تمتع کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، اسی طرح انس صحابی ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حج و عمرہ کا ساتھ ساتھ تلبیہ کرتے دیکھا،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ

نماز ظہر کے بعد آپ نے بہ آواز بلند تلبیہ کیا، جو یہ تھا۔

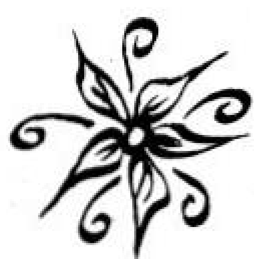
یعنی: اے پروردگار میں حاضر ہوں، اے پروردگار، تیرا کوئی ساجھی نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر طرح کی حمد، اور نعمت کا تو ہی سزاوار ہے، حکومت اور فرماں روائی بھی تیری ہی ہے، کوئی تیرا ساجھی نہیں۔

یہ تلبیہ آپؐ نے بہ آواز بلند کیا۔ یہاں تک کہ تمام صحابہ نے اسے سن لیا۔ آپؐ نے حسب فرمان خداوندی انہیں یہ حکم دیا کہ وہ بھی زور زور سے تلبیہ کہیں۔

کیا محرم، محمل یا ہودج کا استعمال کر سکتا ہے؟

یہ سفر حج آپ نے سواری پر کیا، نہ محمل استعمال کیا، نہ ہودج، نہ عماری،

اس بارے میں کہ محرم (احرام باندھنے والے) کو آیا، محمل، ہودج، یا عماری پر بیٹھنا چاہیئے یا نہیں؟ اختلاف ہے، ایک قول جواز کا ہے، یہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، دوسرا قول ممانعت کا ہے یہ امام مالک کا مذہب ہے۔



حج سے متعلق بعض اہم فقہی مسائل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیّبہ سے استنباط مسائل

اسی سفر حج کے مابین مقام ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس کے ہاں زچگی ہوئی، یہ نومولود، محمد بن ابوبکر تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماءؓ کو حکم دیا کہ وہ غُسل کر لیں، سفر جاری رکھیں اور احرام باندھ لیں،

اس واقعہ سے تین۳ سنتیں ثابت ہوئیں!

۱۔ محرم کے لئے غسل جائز ہے،

۲۔ محرم ہونے کے باوجود، وہ عورت غسل کر سکتی ہے جو ایّام سے ہو۔

۳۔ جو عورت ایّام سے ہو، اس کے لئے احرام باندھنا جائز ہے،

محرم صید حلال کا گوشت کھا سکتا ہے

اس کے بعد تلبیہ کے ساتھ پھر سفر جاری ہو گیا، مقام روحاء میں جب یہ قافلہ پہنچا تو ایک گورخر نظر آیا، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا،

"اسے چھوڑ دو، ممکن ہے اس کا مالک آجائے"!

اتنے میں مالک آگیا، اور اس نے عرض کیا۔

" یارسول اللہ اس گورخر کو قبول فرمالیجئے "!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انھوں نے سب میں تقسیم کر دیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ :

—: محرم صید حلال کا گوشت کھا سکتا ہے، جو غیر محرم نے پیش کیا ہو بشرطیکہ وہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

—: کسی چیز کا ہبہ کرنا صرف مخصوص الفاظ ہی کے ذریعہ نہیں ہوتا مثلاً " میں نے یہ چیز اکو ہبہ کی " بلکہ ایسے الفاظ سے بھی جائز ہے جن سے یہ مطلب نکلتا ہو،

—: ایسا گوشت جس میں ہڈیاں بھی ہوں، اندازے سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

—: صید کی ملکیت اثبات اور ازالہ امتناع سے ثابت ہوتی ہے۔

—: گورخر کا گوشت حلال ہے۔

—: تقسیم کا کام انجام دینے کے لئے توکیل (کسی کو اپنا وکیل بنانا) جائز ہے،

قربانی اور متعلقہ مسائل

اُونٹ اور گائے کا مسئلہ

اس باب میں اختلاف ہے کہ ایک گائے اور اُونٹ کتنے افراد کی جانب سے درست ہو گی۔ ایک قول میں سات آدمیوں کی طرف سے دُرست ہے۔ یہ شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ ایک قول دس کا بھی ہے یہ اسحاق کا قول ہے۔ اور ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں مغانم تقسیم کئے تو اُونٹوں کو دس کے برابر بتایا۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی اور (ازواج مطہراتؓ) کی تعداد نو تھی۔ اور حضرت سفیانؓ نے ابو زبیر سے انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج میں دس آدمیوں کی طرف سے ایک اُونٹ ذبح کیا یہ حدیث مسلمؒ کی شرط پر ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی بلکہ انہوں نے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے حج میں تہلیل کہہ رہے تھے۔ ہمارے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے کعبہ مکرمہ کا طواف کیا اور صفّا اور مروہ کے درمیان سعی کی، اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اُونٹ اور گائے میں شریک ہو جائیں۔ اور ہم میں سے ہر سات آدمیوں کی جانب سے ایک اُونٹ کافی ہو گا

اور سند میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ ہم سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ قربانی کا موقع آیا۔ تو ایک گائے میں ہم سات آدمی اور ایک اُونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے (نسائیؒ۔ ترمذی۔ حسن غریب) اور صحیحین میں انہی سے مروی ہے، کہ حدیبیہ کے سال ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اُونٹ سات آدمیوں اور ایک گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کے لئے ذبح کی، اور حضرت حذیفہ فرماتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر ایک گائے میں سات آدمیوں کو شریک فرمایا۔ (مسند احمد)

ان احادیث کی تخریج تین وجوہ سے ہو سکتی ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ سات کی احادیث بکثرت اور زیادہ صحیح ہیں۔ اور یا یہ کہا جائے گا۔ کہ غنائم کے سلسلہ میں اُونٹ دس بکریوں کے برابر ہوگا۔ تاکہ تقسیم برابر رہے، لیکن قربانی کے معاملہ میں جبکہ اندازۂ شرعی مطلوب ہو۔ تو سات کی طرف سے درست ہوگا۔ اور یا یہ کہا جائے گا، کہ یہ (اندازے) اختلاف ازمنہ اور اختلاف اوطان کے سبب مختلف ہو جاتے ہیں۔ بعض مواقع پر اُونٹ دس کے برابر تھا۔ تو آپؐ نے دس کی طرف سے فرما دیا۔ اور بعض اوقات سات کے برابر تھا۔ تو سات کی طرف سے دُرست بتایا۔

اور ابو محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ آپؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی جانب سے ہدی کے طور پر ایک گائے ذبح فرمائی۔ اور قربانی کے طور پہ ایک گائے ذبح فرمائی۔ اور اپنی جانب سے دو دنبے (بھیڑیں نر) قربانی کیے اور اپنی جانب سے تریسٹھ ہدی ذبح کیے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں نحر کیا

اور انہیں بتایا کہ منیٰ تمام کا تمام منحر (جائے قربانی) ہے اور مکّہ کا میدان راستہ بھی ہے اور منحر بھی ہے۔"

یہ الفاظ اس بات کی دیل ہیں کہ نحر صرف منیٰ سے مختص نہیں۔ بلکہ مکّہ کے میدان

میں جہاں بھی نحر (قربانی) کر دی جائز ہے، جیسے آپؐ نے عرفہ میں وقوف کیا۔ تو فرمایا میں نے یہاں وقوف کیا (لیکن) سارا اعرفات جائے وقوف ہے۔ اور آپؐ نے مزدلفہ میں وقوف کیا تو فرمایا۔ کہ میں نے یہاں وقوف کیا۔ (لیکن) مزدلفہ سب کا سب جائے وقوف ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا منیٰ میں آپؐ کے لئے کوئی بناء (خیمہ وغیرہ) بنا دیا جائے؟ تاکہ گرمی سے حفاظت ہو سکے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔

"نہیں، یعنی منیٰ اس آدمی کے لئے جائے وقوف ہے جو وہاں پہلے پہنچ جائے"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ (منیٰ) میں تمام مسلمانوں کا اشتراک ہے اور جو بھی کسی جگہ پہلے پہنچ جائے، وہ وہاں کا زیادہ حقدار ہے۔ یہاں تک کہ وہاں سے کوچ کر جائے البتہ اس (جگہ) کا وہ مالک نہیں بن سکتا۔

قربانی کے بعد حلق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نحر سے فارغ ہوئے تو حجام کو بلایا۔ اور سر کا حلق کروایا۔ اور حجام معمر بن عبد اللہؓ استرا لئے آپ کے سر پر کھڑے تھے، اس کے چہرے کو دیکھا اور فرمایا: اے معمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اپنی کنپٹیوں پر اختیار دیا ہے۔ حالانکہ تیرا ہاتھ میں استرا ہے معمرؓ نے عرض کیا اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول۔ بے شک یہ مجھ پر اللہ کی نعمت ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ہاں! (بے شک)

امام احمدؒ نے نیز بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اسے روایت کیا ہے: اور بعض کا خیال یہ ہے، کہ حجام جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق راس کیا وہ معمر بن عبد اللہ بن حنظلۃ بن عوف ہیں۔

پھر آپؐ نے حجام سے فرمایا: لے (مونڈ) اور اپنی دائیں جانب کی طرف اشارہ فرمایا۔ جب وہ فارغ ہوا۔ تو آپؐ نے اپنے والوں پر وہ بال تقسیم فرما دیے۔ پھر

حلاق (حجام) کو اشارہ کیا۔ تو اسی نے بائیں طرف کا حلق کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ ابو طلحہؓ یہاں ہے؟ چنانچہ موئے مبارک ان کو عطا فرما دیے۔ اسی طرح صحیح مسلمؒ میں ہے۔ اور صحیح بخاریؒ میں حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کروایا تو ابو طلحہؓ نے سب سے پہلے موئے مبارک حاصل کئے۔ اور یہ روایت مسلمؒ کی ہدایت کے مناقض نہیں، کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ابو طلحہؓ کو بھی دوسروں کی طرح دائیں طرف سے حاصل ہوئے، اور بائیں طرف سے مخصوص طور پر حاصل ہوئے۔ لیکن امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت نقل کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ پر رمی کیا، اور قربانی کے جانور کو نحر کیا۔ اور حلق کیا۔ تو حلاق (حجام) کی طرف دائیں جانب (سر سے) بڑھائی، اُس نے حلق کیا پھر آپؐ نے ابو طلحہؓ انصاری کو بلایا۔ اور یہ (حصّہ) انہیں عطا فرمایا۔ پھر آپؐ نے بائیں جانب اس کی طرف بڑھائی، اور فرمایا کہ حلق کرو۔ (مونڈو) اس نے حلق کیا۔ تو آپؐ نے ابو طلحہ کو موئے مبارک عطا کر کے فرمایا: اسے لوگوں میں تقسیم کر دو۔

اس روایت میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ابو طلحہؓ کے حصّہ میں دائیں طرف کے موئے مبارک آئے اور پہلی روایت میں بایاں حصّہ مذکور تھا۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد مقدسی بتاتے ہیں۔ مسلمؒ نے حفص بن غیاث اور عبدالاعلی بن عبدالاعلی سے انہوں نے ہشام بن حسان سے انہوں نے محمد بن سیرین سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے ابو طلحہ کو بائیں طرف کا حصّہ عطا فرمایا۔ نیز انہوں نے سفیان عیینہ سے انہوں نے ہشام بن حسان سے روایت کیا کہ آپؐ نے ابو طلحہؓ کو دائیں جانب کے بال عطا فرمائے۔ اور ابن عونؒ کی وہ روایت جو انھوں نے ابن سیرینؒ سے نقل کی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ سفیان کی روایت کو قوی کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں، کہ ابن عون کی روایت سے ان کا مطلب یہ ہے جو ہم نے ابن سیرینؒ

سے بخاری کے طریق پر نقل کیا۔ اور بتایا کہ ابو طلحہؓ نے اس میں سبقت حاصل کی وہ ان سے مخصوص تھا۔ اور جس کا یہ خیال ہو کہ ابو طلحہؓ کے لئے جو حصہ مخصوص ہوا وہ بایاں تھا (واقعہ یہ ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا عام تھی۔ پھر تخصیص فرمادی، اور عطا کرنے میں بھی آپ کی عادت طیّبہ تھی۔ اکثر روایات کا یہی مطلب ہے۔ امام احمدؒ نے محمد بن زید کی حدیث نقل کی۔ انہیں ان کے والد نے بتایا۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جائے نحر میں موجود تھے۔ آپ قربانیاں تقسیم فرمارہے تھے تو قریش کے ایک آدمی کو کچھ نہ ملا۔ اور نہ اس کے ساتھی کو (کچھ ملا) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑا سامنے رکھ کر سر کا حلق کروایا۔ اور اسے موئے مبارک عطا فرمائے۔ اس نے ان میں سے کچھ حصہ لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ پھر آپؐ نے ناخن کتروائے۔ اور اس آدمی کے ساتھی کو دے دیے، اس نے بتایا۔ کہ آپؐ کے بال ہمارے پاس مہندی اور کسم میں رنگے ہوئے موجود ہیں۔ اور حلق کروانے والوں کے لئے تین بار بخشش کی دعا فرمائی۔ اور قصر کرانے والوں کے لئے ایک بار دعا فرمائی۔ نیز زیادہ تر بلکہ بہت ہی کثرت کے ساتھ صحابہؓ نے حلق کروایا۔ اور بعض نے قصر بھی کروایا۔ یہ وہی قول (پورا ہو رہا ہے) کہ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین۔

یعنی بلاشبہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ اگر اللہ نے چاہا امن سے حلق کرواتے ہوئے اپنے سروں کا اور قصر کرواتے ہوئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا قول۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام کے لئے احرام سے قبل اور حلال ہونے سے قبل خوشبو لگائی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے حلق نسک میں سے ہے اور مطلقاً ممنوع نہیں۔

آں حضرتؐ کا طواف افاضہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل سوار ہو کر مکہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور طواف افاضہ کیا۔ یہی آپؐ کا طواف زیارت بھی تھا۔ یہی ابتدائی طواف تھا اور اس کے علاوہ

آپؐ نے کوئی طواف نہیں کیا۔

اس مسئلہ میں تین گروہوں کا اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا خیال یہ ہے۔ کہ آپؐ نے دو طواف قدوم اور دوسرا طواف افاضہ۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ آپؐ قارن تھے۔ اس لئے آپؐ نے اس طواف کے ساتھ ساتھ سعی بھی کی۔

تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ آپؐ نے اس دن طواف نہیں کیا بلکہ طواف زیارۃ کو رات تک مؤخر کر دیا۔

اس اشکال میں ہم صائب رائے پیش کرتے ہیں، اور ہم غلط فہمی کا سبب بھی واضح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اثرمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا۔ کہ جب متمتع واپس ہو تو کتنے طواف اور سعی کرے؟ انہوں نے فرمایا کہ حج کے لئے طواف اور سعی کرے اور پھر زیارت کے لئے طواف کرے۔

(شیخؒ مغنی) میں فرماتے ہیں: کہ جب قارن اور مفرد یوم النحر سے قبل مکہ نہ پہنچ سکیں اور نہ انہوں نے طوافِ قدوم کیا ہو۔ تو اس صورت میں دونوں کا یہی حکم ہے کیونکہ وہ دونوں طواف زیارت سے طوافِ قدوم سے ابتداء کر رہے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے اس پر نص بتائی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے خانہ کعبہ اور صفا و مروہ کے عمرہ کا ارادہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے طواف کیا۔ پھر احرام اُتارا۔ پھر منیٰ سے واپس آکر حج کے لئے دوسرا طواف کیا اور جنہوں نے حج و عمرہ اکٹھا ادا کیا۔ تو انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔ اس لئے احمدؒ نے حضرت عائشہؓ کے قول سے یہ سمجھا۔ کہ ان کا طواف حج کے لئے تھا۔ اور طواف قدوم تھا۔ فرمایا: کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ طوافِ قدوم شروع ہے۔ اس لئے طوافِ زیارت اسے ساقط نہیں کرتا۔ جیسے مسجد میں

داخل ہونے وقت فرض نماز پڑھنے سے قبل تحیۃ المسجد کی حیثیت ہے۔
خرقیؒ نے مختصر میں لکھا ہے۔ کہ اگر متمتع ہو۔ تو اسے چاہیئے کہ کعبہ شریف کا سات چکر سے طواف کرے۔ جس طرح اس نے عمرہ کے لیے کیا تھا۔ پھر لوٹ آئے اور خانہ کعبہ کا زیارت کی نیت سے طواف کرے۔ اور یہی اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔
ولیطوّفوا بالبیت العتیق ؛ یعنی اور انہیں چاہیے کہ وہ بیتِ عتیق (قبلہ مکرمہ) کا طواف کریں۔
(اس سابقہ عبارت میں اشکال ہے) اور اس اشکال کا سبب یہ ہے کہ ام المومنین (عائشہؓ) نے متمتع اور قارن میں فرق کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ حج قرآن والوں نے منیٰ سے واپس ہونے کے بعد ایک طواف کیا اور جن لوگوں نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ انہوں نے منیٰ سے واپسی کے بعد حج کے ارادہ سے دوسرا طواف کیا" اس لیے یہ یقیناً طواف زیارۃ کے علاوہ کوئی اور طواف ہے۔ کیونکہ (طواف زیارت) میں قارن اور متمتع دونوں شریک نہیں۔ اس لیئے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ شیخ ابو محمدؒ نے (حضرت عائشہؓ) کا قول متمتعین میں یہ دیکھا۔ کہ انہوں نے منیٰ سے واپسی کے بعد ایک اور طواف کیا۔ (شیخؒ) نے فرمایا: اس میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو۔ کہ انہوں نے دو طواف کیئے۔ (اس مقام پر) شیخؒ کا اعتراض درست ہے۔ لیکن اشکال پھر بھی رفع نہیں ہو سکتا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے؛ کہ یہاں عروہ یا ان کے لڑکے ہشام کی طرف سے اضافہ کلام ہے جو الفاظ حدیث میں داخل ہو گیا۔ اور اب الگ ہو کر معلوم نہیں ہوتا۔
" اگر یہ (روایت درست ہو) تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا۔ کہ یہ مرسل ہے اور اس طرح بھی اشکال دور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صائب رائے یہی ہے کہ جس طواف کے متعلق حضرت عائشہؓ نے بتایا اور متمتع و قارن کے درمیان فرق کیا۔ اسے صفّا اور مروہ کے درمیان کا طواف (سعی) سمجھا جائے۔ نہ کہ کعبہ مشرفہ کا طواف۔

اس طریقہ پر تمام اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ ام المومنین رضؓ نے قران والوں کے متعلق بتایا کہ انہوں نے (صفا و مروہ) کے درمیان ایک ہی طواف پر اکتفاء کیا۔ اور یوم النحر کو دوسرا طواف ان کی طرف منسوب نہیں ہوا۔ یہی حق ہے۔ اور متمتعین کے متعلق فرمایا: کہ انہوں نے (صفا و مروہ) کے درمیان منیٰ سے واپسی کے بعد حج کے لئے دوسرا طواف کیا۔ یہ پہلا عمرہ کے لیے تھا۔ جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔ اور حدیث کا یہ مطلب ان کی طرف سے دوسری مروی حدیث کے مطابق ہو جاتا ہے۔ جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کیا۔

"تجھے تیرے حج اور عمرہ کے لئے خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان (سعی) کافی ہے۔

اور (حضرت عائشہ رضؓ) قارن تھیں۔ نیز یہ تاویل جمہور علماء کے مطابق بھی ہے۔ لیکن یہاں حضرت جابر رضؓ کی روایت سے اشکال پیدا ہو جاتا ہے کہ جو صحیح مسلم میں مروی ہے: کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضؓ نے صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہی طواف کیا" اب جو یہ کہتا ہے۔ کہ متمتع کو ایک ہی سعی کافی ہے یہ روایت اس کے مطابق ہے۔ ایک روایت امام احمدؒ سے بھی (اسی کی حمایت میں) منقول ہے۔ اس پر ان کے بیٹے عبداللہ وغیرہ کی نص مذکور ہے۔ اسی بنا پر کہا جائے گا۔ کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ثابت کیا اور حضرت جابر رضؓ نے نفی کی۔ اور ثابت کرنے والا نفی کرنے والے سے مقدم ہوتا ہے؛ یا یوں کہا جائے گا کہ حضرت جابر رضؓ کا مطلب تھا۔ کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج قران کیا اور ابوبکر رضؓ عمر۔ طلحہ۔ علی رضی اللہ عنہم کی طرح ہدی لے گئے۔ اور بائیں جانب چلے تو انہوں نے ایک ہی سعی کیا۔ اور اس سے عام صحابہ رضؓ مراد نہیں ہو سکتے۔ یا حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث معلول سمجھی جائے گی۔ یعنی اس میں قول ہشام داخل ہے (ام المومنین رضؓ) کی روایت میں علمائے کرام کے یہ تین طرق ہیں۔

فقہا اور اکابر کے اقوال | اور جس کا خیال یہ ہے کہ متمتع حج کا احرام باندھنے کے بعد

اور منیٰ کی طرف نکلنے سے قبل طواف کرے اور قدوم کی سعی کرے۔ یہ اصحاب شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ منصوص ہے یا نہیں۔ ابو محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور نہ کسی صحابیؓ نے کیا۔ نہ آپؐ نے اس کا حکم فرمایا اور نہ کسی نے نقل کیا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو ضروری نہیں سمجھتا۔ کہ اہل مکہ حج کا احرام باندھ لینے کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں یا طواف کریں یہاں تک کہ منیٰ سے واپس آجائیں۔ (منی سے واپس ہونے کے بعد یہ لازم ہیں) اور ابن عباسؓ کے قول پر جمہور علماء مالکؒ۔ احمد ابو حنیفہؒ اور اسحاق وغیرہ کا فتویٰ ہے اور جنہوں نے اس مذہب کو پسند کیا ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ جب (اہل مکہ) حج کا احرام باندھ لے۔ تو وہ آنے والے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ طواف کرے اور قدوم کے لیئے سعی کرے۔ ان کا کہنا ہے، کہ طواف اوّل عمرہ کی طرف سے تھا۔ اب طواف قدوم باقی رہ گیا۔ جو اس نے ابھی تک نہیں کیا۔ اس لیے احرام حج کے بعد اس کے لیئے یہ مستحب ہے۔

یہ دونوں روایتیں ضعیف اور کمزور نہیں۔ کیونکہ آپؐ نے جب عمرہ کا طواف کیا تو آپ قارن تھے۔ گویا آپؐ کے طواف نے طوافِ قدوم سے مستغنی کر دیا جیسے کوئی مسجد میں داخل ہو۔ اور جماعت کھڑی دیکھے۔ اب اس کے داخل ہونے پر وہ (جماعت) ہی تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو گی۔ اور اس سے مستغنی کر دے گی۔ نیز صحابہؓ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کا احرام باندھا۔ تو انہوں نے اس کے بعد طواف نہیں۔ حالانکہ ان میں سے زیادہ تر متمتع تھے۔

اور حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔ کہ اگر وہ زوال سے قبل ترویہ کے دن احرام باندھتے طواف کرتے اور سعی قدوم کر لیتے اور اگر زوال کے بعد احرام باندھتے تو طواف نہ کرتے۔ اور انہوں نے دونوں اوقات میں فرق کیا۔ اس طرح کہ وہ زوال کہ فوراً بعد منیٰ کی طرف نکل گئے۔ چنانچہ خروج کے باعث وہ کسی دوسری طرف مشغول

نہ ہوئے (لیکن) اگر زوال سے قبل ہوتا تو نہ نکلتے۔ بلکہ طواف کرتے۔ ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہی صحیح اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق ہے

آپؐ نے دن میں طواف کیا

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ان روایات میں صحیح تر نافعؒ کی حدیث ہے۔ جو انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی اور نیز حضرت جابرؓ کی حدیث اور حضرت ابی سلمۃ کی حدیث جو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے، یعنی آپؐ نے دن کو طواف کیا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ طواف کے قسمیہ (نام رکھنے) سے غلطی پیدا ہو گئی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف وداع کو رات تک مؤخر کر دیا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ اس طرح حضرت عائشہؓ نے حدیث ذکر کی حتیٰ کہ بتایا "ہم محصب میں اُترے تو آپؐ نے عبدالرحمان بن ابو بکرؓ کو بلایا۔ اور فرمایا۔

حرم سے اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ نکلو۔ پھر طواف سے فارغ ہو جاؤ۔ اس کے بعد میرے پاس یہاں محصب میں واپس پہنچ جاؤ۔

فرماتی ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عمرہ پورا کر دیا۔ اور ہم نصف شب کے وقت طواف سے فارغ ہوئے۔ پھر ہم آپؐ کے پاس محصب آ گئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، تم دونوں فارغ ہو گئے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں!

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ تو آپؐ خانہ کعبہ کے پاس سے گزرے۔ اور اس کا طواف کیا۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے مدینہ کی طرف رخ مبارک کر کے سفر شروع کر دیا۔ اس طرح یہ وہ طواف ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شب تک مؤخر کر دیا تھا۔ اور ابوزبیر یا جس نے اسے روایت کیا اس نے غلطی کی۔ اور بتا دیا۔ کہ یہ طواف زیارت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس طواف میں اور نہ طوافِ وداع میں رمل کیا۔ بلکہ آپؐ نے طوافِ قدوم کیا۔

تکمیل طواف کے بعد زمزم پر تشریف آوری

اور (لوگ) پانی پی رہے تھے۔ آپ نے اگر لوگ تم پر غالب نہ آجاتے تو میں اُترتا۔ اور تمہارے ساتھ پیتا۔ پھر انہوں نے آپؐ کو ڈول دیا۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر پیا۔ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اس عمل رسول سے منسوخ ہو گئی۔ بعض کہتے ہیں " بلکہ یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ نہی اختیاری ہے۔ اور ترک اولیٰ بعض کے نزدیک فعل ضرورتاً تھا۔ اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

کیا آپؐ اس طواف میں سوار تھے یا پیادہ ؟ تو صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی سواری پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور آپؐ اپنے عصائے مبارک سے حجرِ اسود استلام (چھونا) کر رہے تھے۔ تاکہ لوگوں کو دکھا سکیں۔ اور لوگ آپؐ سے (مسائل) دریافت کر سکیں۔ کیونکہ انہوں نے آپؐ کو گھیر رکھا تھا۔ اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ فرمایا : کہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹ ہی پر طواف کیا۔ اور آپؐ عصائے مبارک سے استلام (چھونا) کر رہے تھے۔ اور یہ طوافِ وداع نہ تھا کیونکہ یہ رات کا وقت تھا۔ اور وہ سب سے طواف قدوم بھی نہ تھا۔ ایک تو یہ کہ طواف قدوم میں صحیح روایت سے رمل ثابت ہے اور یہ بھی کسی نے نہیں کہا۔ کہ سواری نے آپؐ کو لے کر رمل کیا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے خود رمل کیا۔ دوسرے قول عمر بن شرید ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ طواف کیا۔ تو آپؐ کے قدم مبارک زمین پر ہی رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ ایک گروہ کے پاس تشریف لے آئے۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب صحابہؓ نے آپؐ کے ہمراہ طواف کیا۔ تو واپسی تک آپؐ کے قدم مبارک زمین سے نہ لگے۔ اس سے طواف کی دو رکعتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ ان کی حالت معلوم ہی ہے۔

آپ کی منیٰ کی طرف تشریف آوری

اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے اس دن نماز کہاں پڑھی ؟

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر (قربانی) کے دن تشریف لے گئے۔ پھر واپس ہوئے۔ اور منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ بالکل اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت ہے ان دو اقوال میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں اختلاف ہے۔

ابو محمد بن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور جابرؓ کا قول اولیٰ ہے اور ایک جماعت نے ان کا اتباع کیا ہے۔ اس قول کو کئی طرح سے ترجیح دی گئی۔ ایک یہ کہ یہ دو (راویوں) کی روایت ہے۔ اور یہ صورت ایک سے بہتر ہے۔ دوسرے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لوگوں سے اخص ہیں۔ اور انہیں وہ قرب و تخصیص حاصل ہے۔ جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ تیسرے حج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت جابرؓ کی سیاق حدیث اوّل سے آخر تک سب سے زیادہ مکمل ہے اور انہوں نے اس واقعہ کو اس اہتمام سے حفظ و ضبط کیا ہے، کہ اس کی جزئیات بلکہ وہ امور تک جو مناسکِ (حج) سے غیر متعلق ہیں۔ انہیں بھی یاد رکھا ہے، یعنی راستہ میں اجتماع کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول اور پھر وادی میں آپ کی قضائے حاجت اور خفیف سا وضو، اب جس نے اس قدر یاد رکھا ہے۔ اس نے یقیناً یوم النحر کو مقام نماز زیادہ اہتمام سے یاد رکھا ہوگا

دوسرے گروہ نے بعض امور کی بنا پر حضرت ابن عمرؓ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ مثلاً یہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ تو صحابہؓ نے بھی اکیلے یا چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں منیٰ میں نماز نہیں پڑھی۔ انہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا واجب تھا۔ جو آپؐ کی طرف سے نائب ہو۔ اور یہ بات کسی نے نقل نہیں کی۔ اور نہ کسی نے یہ کہا ہے۔ کہ آپؐ نے (فلاں) کو نائب مقرر کیا۔ جو انہیں نماز پڑھائے۔ دوسرے اگر آپؐ نے مکہ میں نماز پڑھی ہوتی۔ تو آپؐ کے پیچھے اہل مکہ میں سے کچھ مقیم لوگ بھی ضرور ہوں گے۔

اور آپؐ نے انہیں اپنی اپنی نمازیں مکمل کرنے کا حکم دیا ہو گا۔ لیکن یہ منقول نہیں۔ کہ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سلام کے بعد اپنی اپنی نمازیں مکمل کیں۔ جب یہ منقول نہیں بلکہ اس کی مکمل نفی معلوم ہے۔ تو پتہ چلا۔ کہ آپؐ نے مکّہ میں اس وقت نماز (ظہر) نہیں پڑھی۔ تیسرے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث متفق علیہ ہے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت مسلم کے افراد میں سے ہے۔ اس لئے حضرت ابن عمرؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور چونکہ اس کے راوی زیادہ ثقہ واحفظ ہیں۔ اس لئے حاتم بن اسماعیل کی حفظ عبیداللہ کے مقابلہ میں اور جعفر کی نافع کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے؟ چوتھے حضرت عائشہؓ کی حدیث وقت طواف سے متعلق مضطرب ہیں۔ کیونکہ ان سے یہ روایت تین طرق سے مروی ہے۔ ایک یہ کہ آپؐ نے دن کو طواف کیا۔ دوسرے آپؐ نے رات تک طواف مؤخر کر دیا۔ تیسرے یہ کہ آپؐ دن کے آخری حصّہ میں چلے۔ چنانچہ اس میں وقت افاضہ اور جائے نماز ٹھیک طور پر متعین نہیں، بخلاف ابن عمرؓ کے (کہ وہاں ہر بات متعین ہے) پانچویں حضرت عائشہؓ کی روایت واضح نہیں۔ کہ آپؐ نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے آخر میں چل پڑے اور آپؐ ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے"! پھر آپ منیٰ کی طرف تشریف لائے۔ اور وہاں ایام تشریق کی راتوں میں ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ جب سورج زائل ہو جاتا تو آپ ہر جمعہ کو سات کنکر مارتے۔ اس لئے (روایت حضرت عائشہؓ) میں اس بات کی صراحت نہیں کہ آپؐ نے مکّہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ بخلاف حضرت عمرؓ کی روایت کے کہ یہ واضح طور پر اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر کے دن چلے۔ پھر آپ نے واپس آتے ہوئے منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ اس لیے جس حدیث پر محدثین متفق ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اس حدیث کی کیا حیثیت ہے جس سے استدلال میں ان کا اختلاف ہے؟

اور اسی دن حضرت عائشہؓ نے ایک طواف اور ایک سعی کی۔ اور یہ (ایک طواف اور ایک سعی) ہی نے ان کے حج و عمرہ کے لئے کفایت کیا۔ نیز حضرت صفیہؓ نے طواف کیا تو اس کے بعد وہ ایام سے ہو گئیں۔ تو انہیں طوافِ وداع کے لئے یہ طواف کافی ہو گیا۔ چنانچہ وداع کا (طواف) نہیں کیا۔ اس طرح عورت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سنت مقرر ہو گئی۔ کہ اگر حج قران میں عورت طوافِ (وداع) سے قبل ایام سے ہو جائے، تو اسے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔ اور اگر طوافِ اضافہ کے بعد ایام سے ہو، تو طوافِ وداع کی جانب سے یہ کافی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ کی اسی دن منیٰ میں تشریف آوری

یہاں رات گزاری جب صبح ہوئی تو زوال آفتاب تک انتظار کیا۔ جب (آفتاب) ڈھل گیا۔ تو آپؐ جمارہ کی طرف پاپیادہ چل پڑے۔ اور سوار نہ ہوئے۔ اور جمرہ اولیٰ سے ابتداء کی جو مسجد خیف سے متصل واقع ہے۔ آپؐ نے اسے ایک ایک کر کے سات کنکریاں ماریں۔ اور ہر کنکری پر آپ اللہ اکبر کہتے جاتے پھر جمرہ سے بڑھ کر اس کے سامنے آ گئے اور قبلہ رخ کھڑے ہو گئے۔ پھر ہاتھ اٹھا کر سورۂ بقرہ کے برابر طویل دعا مانگی۔ اس کے بعد وسطی جمرہ کی طرف تشریف لائے اس پر ویسے ہی کنکریاں ماریں۔ پھر وادی کے متصل بائیں طرف اترے اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر پہلے کی طرح طویل دعا مانگی۔ اس کے بعد آپؐ تیسرے جمرہ کی طرف تشریف لائے۔ یہ جمرہ عقبہ کہلاتا ہے۔ آپؐ وادی کے درمیان میں اور جمرہ کے بالکل مقابل آ گئے۔ اس طرح کہ کعبہ کو بائیں طرف منیٰ کو دائیں طرف کیا۔ اور (جمرۂ عقبہ) کو سات کنکریاں ماریں۔ اور جہلاء کے فعل کی طرح اُوپر کے حصہ پر نہیں ماریں اور نہ اسے دائیں جانب کیا۔ اور رمی کے وقت آپؐ نے قبلہ کی طرف رخ کئے رکھا۔ جیسا کئی فقہا سے مروی ہے۔ جب آپؐ نے رمی مکمل کر لی۔ تو فوراً واپس تشریف

لائے اور وہاں ٹھہرے نہ رہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ پہاڑ کے پاس جگہ کی قلت کے باعث (نہ ٹھہرے) اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کی دعا اس رسم سے فارغ ہونے سے قبل عبادت میں داخل تھی۔ چنانچہ جب آپؐ نے جمرہ کا عقبہ کی رمی کرلی۔ تو فراغت سے قبل عبادت کے اندر ہی رمی اور دعا دونوں چیزیں مکمل ہوگئیں۔ اور عبادت کے اندر کی دعا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد کی دُعا سے افضل ہوتی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں بھی یہی سنّت طیبّہ تھی۔ کہ آپ نماز کے اندر ہی دعا کیا کرتے۔ اور بعد میں آپ سے ثابت نہیں ہے کہ آپؐ دعا کرنے کے (مسلسل) معتاد ہوں۔ اور جس نے آپؐ سے (دعا بعد نماز) روایت کی۔ اس نے غلط کہا اور یہ بھی غیر صحیح روایت ہے کہ آپؐ سلام کے بعد عارضی سی دعا کرتے۔ اس کی صحت میں مشکوک ہے۔ الغرض اس میں کوئی شک نہیں آپؐ کی اکثر دعائیں اور جو آپؐ نے حضرت صدیقؓ کو تعلیم دی تھی۔ وہ بھی نماز کے اندر ہی تھی۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث کہ" ہر نماز کے آخر میں اسے نہ بھلانا:

اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك، یعنی! اے اللہ اپنے ذکر کرنے شکر کرنے اور اپنی حسن عبادت کرنے میں میری نصرت فرما!

اس لئے دبر الصلوٰۃ سے مراد نماز کا آخری حصّہ ہے۔ جیسا دبر الطیران کا لفظ ہے اور کبھی سلام کے بعد بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا آپؐ کا یہ ارشاد کہ ہر نماز کے بعد تسبیح کہو (حدیث)

رمی نماز ظہر سے پہلے یا بعد؟ میرے دل میں ہمیشہ اس بات کا کھٹکا رہا کہ آپ نماز ظہر سے قبل رمی کرتے تھے یا بعد میں؟ غالباً آپؐ نماز سے قبل ہی رمی کرتے تھے۔ پھر واپس آکر نماز ادا کرتے۔ کیونکہ جابرؓ وغیرہ نے بتایا ہے؛ جب سورج ڈھل جاتا تب آپؐ رمی کرتے۔ نیز ایام منیٰ میں رمی کرنے کا وقت ایسا ہی ہے جیسا نحر کے دن طلوع آفتاب کا معاملہ ہے اور یوم النحر

کو جب رمی کا وقت آجاتا۔ تو آپؐ اس دن اس سے زیادہ کسی چیز کو عبادات پر مقدم نہ رکھتے۔ کیونکہ ترمذیؒ اور ماجہؒ نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ کہ جب سورج ڈھل جاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمی حجار فرماتے۔ ابن ماجہؒ نے اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ کہ جب آپؐ رمی سے فارغ ہو جاتے۔ تو ظہر کی نماز ادا فرماتے، ترمذیؒ نے اسے حسن بتایا ہے لیکن ترمذیؒ کے اسناد میں حج بن ارطاۃ ہے اور ابن ماجہؒ کے اسناد میں ابراہیم بن عثمان بن شیبہ ہے، جن سے استدلال نہیں ہوتا۔ لیکن اس مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نحر کے موقع پر سوار ہو کر رمی کرتے اور ایام منیٰ میں جانا اور آنا پیدل ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں دُعا کے وقفات تھے

وقفہ اول صفا پر۔ وقفہ دوم مروہ پر۔ سوم عرفہ میں چہارم مزدلفہ میں۔ پنجم جمرۂ اولی کے قریب۔ اور ششم عمرۂ ثانیہ کے قریب۔

منیٰ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا دوسرا خطبہ

اپنی وفات کی پیش گوئی نحر کے دن کا خُطبہ گذر چکا ہے اور دوسرا ایام تشریق کے وسط میں ارشاد فرمایا، ایک روایت یہ نحر کا دوسرا دن تھا جو وسطی دن ہوتا ہے اور جو اسی کا قائل ہے۔ اس نے سراء بنت رضؓ بنہان کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا" کیا تم جانتے ہو آج کونسا دن ہے؟

فرماتی ہیں کہ وہ دن تمہارے قول کے مطابق یوم الرؤس تھا۔

صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا یہ ایام تشریق کا وسطی دن ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا (شہر) ہے؟

صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، یہ جگہ مشعرِ حرام ہے، پھر فرمایا کہ شاید اب دوبارہ میں تم سے نہ مل سکوں، یاد رکھو تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو، تم پر اسی طرح حرام ہیں۔ جیسے تمہارے اس شہر میں آج کے دن کی حرمت ہے۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ پھر وہ تم

سے تمہارے اعمال کے متعلق پرسش کرے۔ خبردار تمہارا قریب دور والے کو (یہ بات) پہنچا دے۔ خبردار، کیا میں نے پہنچا دیا۔

اور جب ہم مدینہ واپس آئے تو کچھ ہی مدّت گذری کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔ (ابوداؤد)

یوم الرؤس سے مراد باالاتفاق نحر کا دوسرا دن ہے۔

سورۂ "فتح" کا نزول اور امام بیہقیؒ نے موسیٰ بن عبیدہ ربذی سے حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے صدقہ بن یسار سے انھوں نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایام تشریق کے وسط میں سورۂ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی اور معلوم ہوگیا۔ کہ یہ وداع (کا حج ہے)۔

چنانچہ آپؐ نے اپنی سانڈنی قصوی کو کوچ کا حکم دیا۔ وہ چل پڑی اور لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا، اے لوگو! الخ پھر خطبہ روایت کیا۔ یہیں آپؐ نے عباس بن عبدالمطلب کے تعاقب حجاج کی اجازت طلب کی جو مرحمت فرمادی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن میں جلدی نہیں فرمائی، بلکہ دیر کی اور ایام تشریق میں رمی کے تین دن پورے کئے اور بدھ کو ظہر کی نماز پڑھ کر آپؐ محصب کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ ایک ریگستانی میدان ہے۔ خیف بنی کنانہ کے قریب۔ یہاں آپؐ نے دیکھا کہ ابورافعؓ نے آپؐ کا خیمہ نصب کر دیا ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے انہیں یہ توفیق ہوئی تھی۔ آپؐ نے یہاں ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نماز ادا فرمائی اور کچھ دیر سو گئے۔ پھر آپؐ مکّہ تشریف لائے اور رات کو سحری کے وقت طواف وداع کیا۔ اور اس طواف میں آپؐ نے رمل نہیں کیا۔ پھر آپؐ مدینہ تشریف لے گئے اور محصب کی طرف واپس نہیں ہوئے۔

تحصیب (محصب میں اُترنے) کے متعلق سلف میں اختلاف ہے کہ آیا یہ سنّت ہے یا اتفاقاً منزل بن گئی؟ اس مسئلہ میں دو قول ملتے ہیں

ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ حج کے سنن میں سے ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منیٰ سے جانے کا ارادہ کیا تو فرمایا۔ ہم کل ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ میں اُتریں گے۔ جہاں (کفّار نے) کفر پر قسم کھائی تھی۔ یعنی اسی محصب میں۔

یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ قریش اور بنی کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف قسم کھائی، کہ نہ ان سے نکاح کریں گے اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق رکھیں گے۔ جب تک کہ وہ آپؐ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ اس لیے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ شعائرِ اسلام کے اظہار کا ارادہ فرمایا، جہاں (کفّار) نے کفر و شرک اللہ اور اس کے رسول کے خلاف دشمنی کا اظہار کیا تھا۔

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت طیبہ تھی کہ کفر و شرک کے مقامات پر شعائرِ توحید قائم فرمائے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لات و عزیٰ کے مقامات پر مسجد طائف بنائی جائے۔

اور صحیح مسلم میں ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی یہاں اترتے تھے اور مسلمؒ کی روایت میں ان سے مروی ہے کہ یہ تحصیب کو سنّت سمجھتے تھے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ (حضرت ابن عمرؓ) یہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھتے تھے، اور سو جاتے تھے اور پھر فرمایا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

دوسرے اکابر ابن عباسؓ۔ عائشہؓ کا خیال یہ ہے کہ یہ سنّت نہیں بلکہ اتفاقاً منزل بن گئی۔

تین قابل بحث مسائل

ایک یہ کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر کعبہ کے اندر داخل ہوئے یا نہیں؟

دوسرے کیا آپؐ نے (طواف) وداع کے بعد ملتزم میں وقوف کیا؟

تیسرے یہ کہ کیا آپؐ نے وداع کی شب کو صبح کی نماز مکہ میں پڑھی یا اس سے باہر پڑھی؟

پہلے مسئلہ کے متعلق بیشتر فقیہہ کا خیال یہ ہے کہ آپؐ حج کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے اور زیادہ تر لوگ دخولِ کعبہ کو اقتدائے نبی صلی اللہ علیہ کی بنا پر سننِ حج میں شمار کرتے ہیں حالانکہ جہاں تک حدیث سے واضح ہوتا ہے بات یہ ہے کہ نہ حج نہ عمرہ کے موقع پر آپؐ کعبہ میں داخل ہوئے۔ بلکہ فتح مکہ کے سال کعبہ مشرفہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ فتح مکہ کے سال نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کی اُونٹنی پر داخل ہوئے اور کعبہ کے صحن میں اُونٹنی کو بٹھایا۔ پھر آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو چابی لانے کا حکم دیا۔ وہ لے کر حاضر ہوا۔ اور دروازہ کھولا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسامہؓ۔ بلالؓ اور عثمان بن طلحہ اندر داخل ہوئے، اور ان پر دیر تک دروازہ بند کر دیا گیا۔ پھر جب کھولا تو عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سبقت کی اور حضرت بلالؓ کو دروازے پر دیکھا۔ میں نے دریافت کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی ؟

انھوں نے بتایا: دو مقدم ستونوں کے درمیان۔ راوی کہتے ہیں کہ میں یہ معلوم کرنا بھول گیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔

دوسرا مسئلہ، ملتزم میں وقوف

مروی ہے کہ آپؐ نے یہ فتح کے دن کیا سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی صفوان سے منقول ہے، فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو میں چلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو کعبہ سے باہر دیکھا اور وہ باب سے لے کر حطیم تک استلام رکن کر رہے تھے۔ انھوں نے کعبہ پر اپنے رخسار رکھ دیئے اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تھے۔

اور ابو داؤد نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے دادا سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

کہ میں نے حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ طواف کیا۔ جب ہم کعبہ کے پچھلی جانب پہنچے تو میں نے کہا کیا آپؓ تعوذ نہ کریں گے ؟

انھوں نے کہا، نعوذ باللہ من النار۔" ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں آگ سے (یعنی تعوذ کیا) پھر وہ چل پڑے، حتیٰ کہ حجر اسود کا استلام کیا۔ پھر باب اور رکن کے درمیان کھڑے ہو گئے اور اپنے سینہ، پیشانی، بازوؤں اور ہتھیلیوں کو اس طرح رکھ دیا اور انھیں خوب پھیلا دیا۔ (یعنی دیوار سے چپک گئے) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے وداع کے وقت کیا ہو۔ یا کسی دوسرے وقت میں یہ واقعہ ہوا ہو۔ لیکن مجاہدؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ طواف وداع کے بعد ملتزم میں کھڑا ہو۔ اور دعا کرے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ رکن اور باب کے درمیان التزام کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ ان دونوں کے درمیان جو بھی التزام کر کے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اسے وہی کچھ ہی دے گا۔

تیسرا مسئلہ، شب وداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز صبح کی جگہ صحیحین میں

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے تکلیف ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لو۔

فرماتی ہیں کہ میں نے طواف کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خانہ کعبہ کے ایک حصہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپؐ والطور و کتاب مسطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ صبح کی نماز یا کوئی دوسری نماز ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ طوافِ وداع یا کسی دوسرے موقع پر ہو۔ ہم نے اس پر غور کیا تو صحیح بخاریؒ میں یہ واقعہ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا اور ام سلمہؓ نے ابھی تک کعبہ مشرفہ

کا طواف نہ کیا تھا۔ اب (ام سلمہؓ) نے جانے کا ارادہ کیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب کہ صبح کی نماز قائم ہو گئی اور لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو تم اپنے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لو۔ چنانچہ انہوں نے (طواف) کیا اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ وہ بھی چل پڑیں۔"

یہ بالکل ناممکن ہے اس لئے کہ اگر یہ یوم النحر تھا تو بلا شبہ یہ طوافِ وداع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اس دن صبح کی نماز کعبہ کے پاس پڑھی اور ام سلمہؓ نے سنا کہ آپؐ "الطور" کی تلاوت فرما رہے تھے۔

حج وداع کے بعد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی طرف کوچ

کیا بچہ کا حج ہو سکتا ہے ؟ جب آپ روحاء کے مقام پر پہنچے تو ایک سوار ملا۔ اس نے سلام کیا اور پوچھا یہ کون لوگ ہیں ؟

بتایا گیا کہ مسلمان ہیں۔
پھر پوچھا کہ یہ کون ہیں ؟
بتایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
اس پر ایک عورت پنگھوڑے سے اپنے بچے کو اٹھا لائی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے ؟
آپ نے فرمایا، ہاں اور تجھے اجر ملے گا۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے تو یہاں رات گزاری، اور جب آپ نے مدینہ کو دیکھا تو تین بار تکبیر کہی۔ اور یہ الفاظ کہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہٗ لہ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ کل شيئٍ قدیر آیبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ۔

"یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی

شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ہم رجوع کرنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دی۔"

پھر آپؐ دن کے وقت معرس کی راہ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب آپؐ تشریف لے گئے تھے تو شجرہ (درختوں) کے راستہ گئے تھے۔

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں محمد ابن حزم کی غلط فہمی

وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لے جاتے وقت لوگوں کو بتایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے، یہ سراسر وہم قبیح ہے کیونکہ آپؐ نے حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ واپس آکر یہ الفاظ فرمائے تھے۔ آپؐ نے ام سنان انصاریہ سے فرمایا کہ تجھے ہمارے ہمراہ حج کرنے میں کیا رکاوٹ تھی؟

اس نے عرض کیا ہمارے پاس صرف دو اونٹ تھے چنانچہ میرے لڑکے کے والد اور میرے بیٹے نے ایک اونٹ پر حج کیا اور ہمارے لئے ایک اونٹ چھوڑ دیا، ہم اس پر پانی ڈھوتے ہیں (یعنی سواری نہ تھی)۔

آپؐ نے فرمایا، کہ جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا تیرے لئے حج سے کفایت کرے گا۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کرنے کے برابر اجر ملے گا (صحیح مسلم)

اسی طرح آپؐ نے مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد ام معقل سے فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد نے یوسف بن سلام سے انہوں نے ام معقل سے روایت کیا، وہ بتاتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا، تو ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جسے ابومعقل نے اللہ کے راستہ میں آزاد کر دیا۔ چنانچہ ہمارے

ہاں بیماری آئی اور ابو معقلؓ فوت ہو گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔

جب آپؐ واپس تشریف لائے تو یہ حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا ہمارے ساتھ (حج کے لئے) نکلنے میں تمہیں کون سی رکاوٹ پیش آگئی تھی؟

انھوں نے عرض کیا ہم نے پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن ابو معقل فوت ہو گئے۔ ہمارے پاس سفر حج کے لئے ایک ہی اونٹ تھا۔ اور ابو معقلؓ نے اس کے لیے اللہ کے راستہ میں وصیت کر دی۔

آپؐ نے فرمایا، تم اس اونٹ پر کیوں نہ چلی آئیں؟ کیونکہ حج بھی اللہ کے راستہ میں عبادت ہے اب جب کہ ہمارے ساتھ تمہارا یہ حج فوت ہو گیا تو رمضان میں عمرہ کر لینا کیونکہ وہ بھی یقیناً حج ہے۔

ھدایا، ضحایا اور عقیقہ

سنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روشنی میں

سورۃ انعام کی آیت یہ سورہ انعام کے ازواج مقام ہشت گانہ سے مختص ہیں ان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی قسم کا ہدیٰ۔ قربانی یا عقیقہ مروی نہیں۔ اور یہ قرآن مجید کی چار آیات سے ماخوذ ہے۔

ایک آیت، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ احلّت لکم بھیمۃ الانعام۔

دوسری آیت، ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی مارزقھم من بَہِیمَۃِ الاَنعَام۔

اور تیسرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ومن الانعام حمولۃ وفرشا کلوا ممّا رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین۔

اور چوتھے خدائے رحمٰن کا فرمان کہ ھدیا بالغ الکعبہ

اس سے معلوم ہوا کہ جو ہدایا کعبہ مشرفہ میں پہنچتے ہیں۔ وہ ان آٹھ اقسام میں سے ہوتے ہیں۔ اور یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا استنباط ہے۔

یہ ذبائح اللہ کے تقرب کا ذریعہ اور اس کی عبادت ہیں۔ اور ان کی تین اقسام ہیں ہدی، اضحیہ، عقیقہ۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری اور اونٹ کا ہدی پیش کیا اور ازواج مطہرات کی جانب سے گائے کی ہدی (قربانی) پیش کی، نیز آپ نے اپنے مقام، عمرہ، حج میں ہدی (قربانی) پیش کی۔

اور آپؐ کی سنّت طیّبہ یہ تھی کہ بکری کے قلاوہ ڈالتے اسے اشعار نہ کرتے جب آپؐ ہدی بھیجتے۔

جب آپؐ مقیم ہوتے تو کسی حلال چیز کو حرام نہ کرتے، اور جب آپ اونٹ بطور ہدی کے لے جاتے تو اسے قلاوہ بھی ڈالتے، اسے اشعار بھی کرتے، داغ بھی لگاتے، چنانچہ آپؐ اس کے کوہان کے دائیں جانب سے ذرا سا شگاف فرماتے یہاں تک کہ خون بہنے لگتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اشعار دائیں جانب ہی ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا اور ہدی لے جانے والے کو اجازت دی کہ جب تک اسے دوسری سواری نہ ملے تب تک اعتدال سے اس پر سواری کرے۔ اگر اسے اس بات کی ضرورت لاحق ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو دودھ جانور کے بچہ سے بچ رہے اسے پینے کی اجازت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ آپؐ اونٹوں کے بائیں پاؤں کو باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے انھیں نحر کرتے اور نحر کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتے۔

اور آپ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرماتے۔

بسا اوقات آپ یہ کام کسی دوسرے کے سپرد بھی کر دیتے، جیسا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو میں سے بقایا اونٹوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

اور جب آپؐ بکری کو ذبح کرتے تو اپنا پاؤں چہرے پہ رکھتے۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے اور ذبح کرتے۔

اور گذر چکا ہے کہ آپؐ نے منیٰ میں نحر کیا اور فرمایا کہ مکہ کا تمام میدان ہی نحر ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اونٹوں کا منحر مکہ میں ہے لیکن اسے خونریزی سے پاک فرمایا گیا اور منیٰ بھی (حدود) مکہ میں سے ہے اور ابن عباسؓ مکہ میں نحر کرتے تھے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایا اور قربانی میں سے کھانے کی اجازت دی اور تحفہ (زاد) کی بھی اجازت دی اور تین دن سے زیادہ جمع رکھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس سال لوگوں پر تکلیف تھی۔ چنانچہ آپؐ کا خیال تھا کہ انہیں وسعت حاصل ہو جائے۔

اور ابوداؤد نے جبیر بن نفیر سے انہوں نے ثوبانؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی، پھر آپؐ نے فرمایا۔

اے ثوبانؓ ہمارے لئے اس بکری کو ٹھیک کرو۔ (یعنی پکا دو وغیرہ)

تو میں مدینہ آنے تک آپؐ کو اسی بکری میں سے کھلاتا رہا۔

مسلمؒ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا" اس گوشت کو ٹھیک کر دو"

بتاتے ہیں کہ میں نے اسے ٹھیک کیا۔ آپؐ مدینہ پہنچنے تک اس میں سے کھاتے رہے بسا اوقات آپؐ نے ہدی کا گوشت تقسیم فرمایا، اور بسا اوقات یوں بھی فرمایا جو چاہے ایسا کرے اور جو چاہے ویسا کرے اور بیاہ وغیرہ میں (پیسے وغیرہ) بکھیرنے کی ممانعت کا جواز بھی اس سے ثابت کرتے ہیں اور دونوں کا فرق غیر واضح ہے

طلوع آفتاب اور رمی کے بعد قربانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی عمرہ کے ہدی کو مروہ کے پاس اور قران کے ہدی کو منیٰ میں ذبح کرتے۔

حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے سے قبل ہدی ذبح نہیں کی اور نہ نحر کے دن سے پہلے ذبح فرمائی اور نہ کسی صحابیؓ سے ایسا فعل ثابت ہے۔

نیز آپؐ ہمیشہ طلوع آفتاب اور رمی کے بعد ہی نحر کرتے۔

نحر کے دن یہ چار امور مرتب تھے۔ پہلا رمی پھر نحر پھر حلق پھر طواف۔
آپ نے اسی ترتیب سے انہیں ادا فرمایا۔ طلوع آفتاب سے قبل نحر کرنے کی آپؐ نے اجازت نہیں دی۔ اور (آفتاب سے قبل نحر کرنا) یقیناً آپؐ کی سُنّتِ ہدی کے خلاف ہے، اس کا حکم اضحیہ جیسا ہوگا، جب کہ وہ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل ذبح کر لی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی قربانی کا ناغہ نہ فرماتے

آپؐ دو مینڈھوں کی قربانی دیتے۔ آپؐ نماز عید کے بعد ان کو نحر کرتے۔

فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا اس کی کچھ بھی قربانی نہیں، بلکہ وہ ایک قسم کا گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کو مہیا کیا۔ آپؐ کی سنّت طیبّہ کا یہی مطلب ہے اور محض وقت نماز و خطبہ کا کچھ اعتبار نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ پہلے انہیں ادا کیا جائے اور ہم اللہ کے اسی دین کے حامل ہیں۔

اور آپؐ نے حکم فرمایا کہ بھیڑوں میں سے بالکل نوجوان ذبح کرو۔ نیز وہ دو سال کا ہو، یعنی جو مسنتہ ہوتا ہے۔

اور مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، تشریق کے تمام ایام میں ذبح جائز ہے، لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ اس کا وصل ثابت نہیں۔

قربانی کے گوشت کا ذخیرہ

اور تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو جمع نہ کرنا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایام ذبح تین ہی ہیں، کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کرنے والے کے لیے ذبح کے دن سے لے کر تین دن سے زیادہ تک گوشت جمع رکھنا جائز نہیں۔ اگر اس نے تیسرے دن تک ذبح رکھنا مؤخر کر دیا تو اسے اجازت ہے کہ ذبح کے وقت سے لے کر تین دن تک گوشت کا ذخیرہ کرے۔

اور جن لوگوں نے تین دن تک محدود رکھا، انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کے تین دنوں میں پہلے دن سے شروع ہو کر تیسرے دن کا (یہ حکم ہے)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام نحر یوم اضحیٰ (عید کا دن) اور اس کے بعد بھی تین دن ہیں۔

اہل بصرہ کے امام حسنؒ اور اہل مکہ کے امام عطاء بن ابی رباح اور اہل شام کے امام اوزاعیؒ اور فقہائے اہل حدیث کے امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور ابن منذرؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ اور چونکہ یہ تینوں ایام، ایام منیٰ۔ ایام رمی۔ ایام تشریق ہونے کے باعث مخصوص ہیں۔ ان میں روزہ رکھنا حرام ہے اس لئے یہ بھی ان احکام میں شریک ہیں۔ اب نص و اجماع کے بغیر ان میں جواز ذبح الگ کیا جا سکتا ہے؟ نیز دو مختلف روایات، جو ایک دوسرے کو قوت دیتی ہیں۔ مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تمام منیٰ جائے نحر ہے اور تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔

جبیر بن مطعم کی روایت میں انقطاع ہے۔ اسامہ بن زید نے عطاء سے انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ اسامہ بن زید اہل مدینہ کے ہاں ثقہ اور مامون ہیں۔

مسئلہ ہذا سے متعلق اقوال اربعہ

اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں، ایک تو وہ ہے (جو گذر چکا ہے) دوسرا یہ کہ ذبح کا وقت یوم نحر اور دو دن بعد میں ہے یہ امام احمدؒ۔ ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کئی کا یہی قول ہے۔ اثرمؒ نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔

تیسرا، یہ کہ نحر کا وقت ایک ہی دن ہے۔ یہ ابن سیرینؒ کا قول ہے کیونکہ یہ اسی نام (اضحیہ) (یوم الضحیٰ) سے مخصوص ہے۔ اس لئے اس کے حکم کا اختصاص بھی اس دن سے ہوگا پس یہ ایک دن ہی ہوگا، جیسے کہتے ہیں، عیدالفطر۔

چوتھا، سعید بن جبیر اور جابر بن زید کا قول ہے کہ یہ دوسرے مقامات میں ایک دن مانا جاتا ہے اور منیٰ میں تین دن، کیونکہ یہاں، رمی، طواف اور حلق وغیرہ مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس لیئے دیگر امصار کے مقابلہ میں یہاں تین روز ہونے چاہئیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنّت طیّبہ

آپؐ کی سنّت تھی کہ جس نے قربانی کا ارادہ کیا ہو اور دسویں تاریخ آجائے تو وہ اپنے بال وغیرہ نہ ترشوائے۔

صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں ممانعت ثابت ہے دارقطنی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روایت ام سلمہؓ پر موقوف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ قربانی کا جانور بہترین خوبصورت اور تمام عیوب سے پاک ہو۔

اور آپؐ نے کان کٹے اور نصف سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ ابوداؤدؒ نے اس سے زیادہ نقل نہیں کیا۔

آپؐ نے حکم دیا کہ آنکھوں اور کانوں کو دیکھ لیا جائے، یعنی یہ تندرست ہوں، اور کافی، مقابلہ مدابرہ اور شرقاء و خرقاء کی قربانی نہ دی جائے۔

مقابلہ وہ ہوتی ہے، جس کے کانوں کا اگلا حصّہ کٹا ہو۔ اور مدابرہ جس کے کانوں کا پچھلا حصّہ کٹا ہو۔ شرقاء وہ ہے جس کے کان چر گئے ہوں اور خرقاء جس کے کانوں میں سوراخ کیا گیا ہو۔ (ابوداؤد)

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ چار قسم کے جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ کانی، جس کا عیب واضح ہو، بیمار جس کا مرض نمایاں ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو۔ ٹوٹا ہوا جس میں مغز نہ رہا ہو۔ اور کمزور، جس میں شدت ضعف سے گودا بھی نہ رہا ہو۔

نیز نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصفرہ، مستاصلہ۔ بخقاء، مشیعہ اور کسری کی قربانی سے بھی منع فرمایا۔

مصفرہ وہ ہے جس کا کان اس قدر معدوم ہو کہ کان کا سوراخ ظاہر ہو جائے اور

وہ ہے جس کا سینگ جڑ کے قریب یعنی نہ ہونے کے برابر ہو۔ بخقاء وہ ہے جس کی آنکھ بدترین حد تک کانی ہو چکی ہو۔ مشیعہ وہ ہے جو کمزوری کے باعث ریوڑ کے پیچھے نہ چل سکے اور کسری جس کے (اعضاء) ٹوٹے ہوئے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیّبہ، عید گاہ میں قربانی

ابوداؤد میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ وہ عید گاہ میں عید الاضحی کے دن آپ کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ جب آپؐ نے خطبہ مکمل کر لیا تو منبر سے اتر آئے اور ایک مینڈھا لایا گیا۔ آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا، اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے اور میری اُمّت کے ہر اُس آدمی کی جانب سے ہے جس نے ذبح نہیں کیا۔

اور صحیحین میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں نحر اور ذبح کیا کرتے ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے قربانی کے دن دو سینگوں والے خوبصورت دو مینڈھے ذبح کئے۔ جب آپؐ نے انھیں لٹایا تو پڑھا:

وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشركين ان صلاتی ونسكی ومحیای ومماتی لِلّٰہ رب العالمين لا شريك له وبذالك امرت وانا اول المسلمين، اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اكبر۔

"یعنی میں نے اس ذات کی طرف رخ کر لیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، ایک طرف ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں بیشک میری نماز میری قربانی میرا جینا میرا مرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (جو) تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا مجھے حکم دیا گیا اور میں پہلے مسلمان ہوں۔ اے اللہ (یہ مال) تیری طرف سے تھا اور تیرے لئے ہی (حاضر) ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ان کی اُمّت کی طرف سے، اللہ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔"

پھر ذبح کر دیا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ جب ذبح کریں تو اچھی طرح ذبح کریں۔ اور جب قتل کریں تو اچھے انداز سے قتل کرے (یعنی چھری تیز ہو اور جلدی سے ذبح کریں)۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو لازم کیا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر والوں کی طرف سے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، کافی ہو جاتی[1] جیسا کہ حضرت عطاء بن یسارؒ نے فرمایا کہ میں نے ابو ایوب انصاریؓ سے پوچھا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کیسے ہوتی تھی؟

تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر آدمی اپنی جانب سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری کی قربانی دے تو وہ کھائیں اور کھلائیں (ترمذی حسن صحیح)

(کتابت: منوّر حسین محلّہ کشمیر نگر حافظ آباد)

---

[1] الدین یسر کے معنی یہی ہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

زاد المعاد

فی

ھدی خیر العباد

حصّہ دوم

زادالمعاد حصّہ دوم

خصوصیات و فضائل پر ایک طائرانہ نگاہ

زادالمعاد کا حصہ دوئم اب آپ کے پیش نظر ہے۔
پہلے حصہ پر اس کے آغاز میں نقد و نظر کا فریضہ انجام دے چکا ہوں۔ ضروری ہے۔ کہ دوسرا حصہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مقاصد و مطالب اور مسائل و مباحث پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ قارئین کرام اس کی اہمیت و عظمت کا قرار واقعی احساس کرسکیں۔
جیسا کہ میں پہلے حصہ کے آغاز میں عرض کر چکا ہوں، سیرت نبوی پر عربی میں اور دوسری زبانوں میں بہت سی کتابیں پوری شان تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھی جا چکی ہیں لیکن زادالمعاد کی یکتائی آج تک قائم ہے اور شاید ہمیشہ قائم رہے گی۔
اس کا سبب کیا ہے؟
بات یہ نہیں ہے کہ زادالمعاد کوئی ایسی کتاب ہے جس کا ہر حرف، حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، جو رائے ظاہر کی گئی ہے، جس نتیجہ پر پہنچا گیا ہے، جن تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے، جن افکار و خیالات کو پیش کیا گیا ہے، اختلافی اور نزاعی مسائل میں جس ترجیح و توفیق سے کام لیا گیا ہے، تضعیف و توثیق کے سلسلہ میں خواہ وہ روایات سے متعلق ہو۔ یا اسناد سے یا رواۃ سے جو مسلک اختیار کیا گیا ہے دوسرے فقہی مذاہب کے

منہاج پر مدح و قدح کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ ہر لغزش سے پاک ہے۔ اس کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں وہ "جف القلم" کا مصداق ہے۔

یہ بات تو قرآن کریم کے سوا، کسی کتاب کے لئے نہیں کہی جا سکتی۔

خدا کی بات تو دوسری ہے ورنہ انسان کتنی ہی نیک نیتی، خلوص، جان کاہی اور تحقیق و محنت سے کوئی ذہنی، فکری، یا علمی کارنامہ انجام دے۔ اس کے بعض پہلوؤں پر بہرحال بحث و گفتگو ہو سکتی ہے۔ مدح و قدح کا سلسلہ قائم کیا جا سکتا ہے، دلائل و براہین بنیاد پہ اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ زاد المعاد بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے، وہ بھی ایک آدمی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اور آدمی کتنا ہی اونچا، کتنا ہی بڑا، کتنا ہی باعظمت ہو، اس سے چوک بھی ہو سکتی ہے، لغزش فکر و خیال بھی، اس کے دلائل کہیں کمزور بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے نکالے ہوئے نتائج محلِ نظر بھی نظر قرار دیئے جا سکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں کو تنقید کی کسوٹی پر کسا بھی جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ کتاب از اول تا آخر ایک ایسا صحیفہ ہے جس میں نہ کہیں لغزش ہے، نہ کوتاہی نہ خطا، تو یہ مبالغہ ہوگا، یہ ایک دلچسپ دعوئے نو سرور ہوگا لیکن علم کی بارگاہ میں اس کی پذیرائی مشکل ہی سے ہو سکے گی۔

لیکن اس کے باوجود، بشری کمزوریوں، اور لغزشوں کے باوجود، یہ کتاب، اپنی عظمت اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے یکتا اور بے ہمتا ہے۔

لیکن اس کی یکتائی کا سبب؟

سبب یہ ہے کہ یہ پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں پوری جامعیت کے ساتھ، پوری تحقیق کے ساتھ اور پوری ژرف نگاہی کے ساتھ خیرالعباد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال، آپؐ کی گفتار و کردار، اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کے تمام گوشوں کی جزئی استقصاء کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ وہ خصوصیت ہے جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کسی دوسری کتاب میں ہرگز نہیں ملتی۔

اُردو زبان میں مولانا شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندوی مغفور نے سیرت النبیؐ کے نام سے جو بلند پایہ اور ضخیم مجلدات تالیف کئے ہیں بلاشبہ وہ بے مثال ہے۔ خودام الالسنہ

بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے، پھر بھی جزئیات تک کی وہ تفصل حیات نبویؐ کے ایک ایک پہلو سے متعلق از ولادت تا وفات وہ جامع معلومات آپؐ سے متعلقہ تمام عنوانات پر وہ سیر حاصل بحث و گفتگو جو اس کتاب میں ہے قطعاً کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتی۔

اس کتاب کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاریخ نہیں ہے، یہ سوانح عمری نہیں ہے اس لئے کہ اس میں وہ تراش خراش اور ترتیب و تبویب نہیں ہے جو اس طرح کی کتابوں کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے، لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عہد نبویؐ کی تاریخ اور سیرۃ النبیؐ کا ماخذ اس سے بہتر، اس سے بڑھ کر جامع ومانع، اور عاقل و دل کوئی اور نہیں مل سکتا، اس موضوع جمیل پر جب بھی خامہ فرسائی کی جائے گی، اس وادی میں جب بھی قدم رکھا جائے گا، تو ممکن نہیں کہ اس کتاب سے استفادہ نہ کیا جائے۔ متعدد مواقع پر اس کا حوالہ نہ دیا جائے۔ اس سے دامن بچا کر، اور اسے نظر انداز کر کے اس موضوع پر کوئی مستند اور قابل مطالعہ کتاب لکھی ہی نہیں جا سکتی اس کتاب کی یہی وہ خصوصیات ہے جس نے اسے زیر بحث موضوع سے متعلق تمام کتابوں کا سرتاج بنا دیا ہے، اور اس میں عظمت کے آگے ہر زمانہ اور ہر دور کے لوگ ادب سے سر جھکاتے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ جھکاتے رہیں گے۔

کاروان شوق را او منزل است
ما ہمہ یک مشت خاکیم او دل است

مسائل ومباحث کتاب

حصّہ دوئم کے مسائل ومباحث کا اجمالی جائزہ

اب مختصر طور پر اس حصہ کے مسائل ومباحث پر میں گفتگو کروں گا۔

اس حصّہ کے مسائل ومباحث کا اگر جائزہ لیا جائے تو چار قسموں پر انہیں منقسم کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ فقہی مسائل از قبیل عقیقہ وغیرہ۔

۲۔ مجاہدات وغزوات۔

۳۔ اذکار وادعیۂ ماثورہ۔

۴۔ تاریخی واقعات اوران کی ضروری تفصیل۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ اجمالی طور پر گفتگو کریں گے۔

(۱) فقہی مسائل میں جن امور پر مصنف علاّم نے گفتگو کی ہے ان میں رسم عقیقہ کا ذکر ہے، نومولود کے کان میں اذان کہنے کا مسئلہ ہے، کھانا کھانے کے سلسلہ میں آپ کے عادات طیبہ اوراس سے متفرع مسائل ہیں، سلام کرنا، کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا، چھینک کا جواب دینا، آداب سفر، فال، خواب، وسواس، اذان وجہاد کی شرعیت، بیعت وجہاد کے آداب، اسیران جنگ کے ساتھ سلوک، جاسوسوں کے ساتھ برتاؤ،

غلاموں کے ساتھ طرز عمل، دشمن کے ساتھ صلح و امان کا مسئلہ، جزیہ، اہل کتاب اور منافقین کے ساتھ معاملہ جزیہ لینے میں آنحضرت کا معمول اور اصول، نماز خوف، نزول آیہ تیمم، توکّل اور توسّل، نکاح متعہ کی اجازت اور ممانعت، مسئلہ حضانت ـ وغیرہ وغیرہ.

گو فقہی مسائل و مباحث سے متعلق زیادہ تر گفتگو حصّہ اول میں کی گئی ہے، لیکن اس دوسرے حصّہ میں بھی جو فقہی مباحث و مسائل آگئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر اہم ہیں، اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جن سے واقفیت ہر مسلمان کے لئے ضروری اور لابدی ہے ـ ان مسائل پر مصنف علام نے تحقیق و تدقیق کے دریا بہا دیئے ہیں ـ

(۲) مجاہدات و غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی اس حصہ میں کافی مواد موجود ہے اگرچہ اس میں جملہ غزوات کا ذکر نہیں آیا ہے، کچھ کا اس میں ہے، کچھ کا بعد کے حصے میں لیکن جو کچھ ہے وہ تاریخ جہاد کی ایک نہایت اہم اور ناقابل فراموش کڑی ہے ـ

اس حصہ میں جن غزوات اور سریات کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) غزوۂ بدر، اور ضروری مسائل

(۲) غزوۂ احد اور اس کے اہم واقعات

(۳) غزوۂ ذات الرقاع

(۴) غزوۂ دومتہ الجندل والمریسیع،

(۵) غزوۂ خندق اور اس کی تاریخی عظمت و اہمیت ـ

(۶) غزوہ بنی لحیان،

(۷) سریۂ نجد

(۸) غزوہ ثمامہ

(۹) سریۂ زید بن حارث ـ

(۱۰) قصۂ حدیبیہ اور متعلقہ احکام

(۱۱) غزوہ خیبر اور متعلقہ احکام

(۱۲) غزوۂ موتہ،

(۱۳) غزوۂ ذات السلاسل

(۱۴) سریۃ خبط، اور متعلقہ احکام

(۱۵) فتح مکہ معظمہ کہ یہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔

(۱۶) سریۃ خالد

(۱۷) فتح مکہ سے متعلق احکام و مسائل

(۱۸) غزوہ حنین۔

(۱۹) غزوہ طائف اور متعلقہ احکام

(۲۰) ۹ھ کے بعوث و سرایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

غزوات و سرایا کے سلسلہ میں مصنف علّام نے فکر انگیز گفتگو کی ہے اور اپنی طرف سے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ گو بعض مقامات نتائج و تاثرات کے اعتبار سے محل گفتگو ضرور ہیں، لیکن مجموعی طور پر جو مواد پیش کیا ہے وہ حد درجہ بصیرت افروز اور روح پرور ہے اور کسی اہل قلم کے لیے بھی اس سے استفادہ کیے بغیر قلم فرسائی ممکن نہیں۔

(۳) اس حصہ میں بھی پہلے حصہ کی اذکار و ادعیہ ماثورہ پوری تفصیل اور جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

پہلے مصنف نے آپؐ کے اذکار کا اصول اور طریق بتا دیا ہے۔ اس کے بعد جن اذکار پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:

اذکار وضو، ذکر و اجابت۔ اذکار سفر، اذکار نکاح وغیرہ

یہ وہ اذکار و ادعیہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور اور منقول ہیں اس لیے ان کی اثر آفرینی، اور ان کی دینی عظمت و اہمیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان پر عمل کرنا اور انہیں اپنا معمول بنانا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے۔

ان اذکار کی تحقیق میں مصنف علّام نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے اور جہاں

کہیں سے بھی مستند طور پر جو چیز مل گئی ہے اسے لے لیا ہے اور اگر ضرورت سمجھی ہے تو جرح و تعدیل سے کام لیا ہے۔

(۴) اس حصہ کے مباحث میں تاریخی واقعات بھی زیرِ گفتگو آئے ہیں۔ یہ واقعات تاریخ اسلام میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے واقعات ہیں جو دوسرے مکتبِ خیال کے مورخین کے ہاں عرصہ سے نزاع و اختلاف کا مرکز بنے چلے آرہے ہیں۔ وہ بھی جن پر مستشرقین فرنگ نے جولانیٔ طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ تاریخی واقعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہمہ پہلو ہیں، یعنی ان کے ذکر کے سلسلہ میں فقہ، حدیث، قرآن، تاریخ، کلام، نقد و جرح سب ہی سے مصنف کو کام لینا پڑا ہے، اور حق یہ ہے کہ انہوں نے واقعات کے استقصا اور ان پر بے لاگ محاکمہ میں پوری دیانتِ فکر سے کام لیا ہے۔

جن تاریخی واقعات کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً اس حصہ میں ملتا ہے وہ یہ ہیں:

- جن لوگوں نے قبول اسلام میں پیش قدمی کی اور سب سے پہلے قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی، ان کا ذکر بھی اس حصہ میں ملے گا۔
- حبشہ کی طرف جو پہلی ہجرت ہوئی تھی وہ تاریخ اسلام کا نہایت اثر انگیز ورق ہے۔ اور یہ پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہے۔
- معراجِ نبوی، مع اپنی تمام ضروری، اور اہم تفصیلات اور جزئیات کے۔
- مدینہ کی طرف پہلی ہجرت کی داستان،
- مکہ مکرمہ میں پہلے پہل انصار کی ایک مختصر سی جماعت کے قبول اسلام کا واقعہ۔
- دار الندوہ میں مشرکین مکہ کا اس غرض سے اجتماع کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے تاکہ دعوت و تبلیغ اسلام کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، اس مبحث پر مصنف نے کافی مواد پیش کیا ہے۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت اور تشریف آوری،

اور اس سلسلہ میں ضروری تاریخی معلومات ۔

● مسجد نبویؐ کی تاسیس و تعمیر کا مرحلہ، ایک نئے شہر میں خدا کا پہلا گھر۔

● تحویل قبلہ کا مسئلہ بھی بڑا ہنگامہ خیز اور تاریخی ہے یہ درحقیقت کفر و اسلام کی کسوٹی تھا، جن کے دل کفر سے آشنا تھے وہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ بنتا دیکھ کر بھڑک اُٹھے، جو مومن صادق تھے انھوں نے بے چون وچرا یہ حکم قبول کر لیا، اور پورے انشراح قلب کے ساتھ تحویل قبلہ کے فرمان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

تاریخی کتابوں میں اس مسئلہ پر کافی مباحث موجود ہیں، لیکن مصنف نے جس خوبی سے اس مسئلہ کو پیش کیا ہے وہ انہی کا حصّہ ہے۔

● تاریخ کا ایک اور بہت ہی اہم مسئلہ، جو شروع سے اب تک نزاعی اور اختلاف چلا آرہا ہے یہ ہے کہ آیا، کہ بزور قوت فتح ہوا یا ازروئے صلح؟ بعض پہلی صورت کے قائل ہیں، بعض دوسری کے، دونوں کے پاس دلائل ہیں اور کافی وزنی ہیں۔ اس نہایت اہم مسئلہ پر واقعات وحقائق دلائل وشواہد، اور دلائل و براہین کی روشنی میں مصنف نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ ان کی قوت فکر ونظر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ انہوں نے ہر دو نقطۂ نظر کے حامیوں کے ساتھ دیانت برتی ہے دونوں کے افکار و دلائل پیش کئے ہیں لیکن محاکمہ کرتے وقت یکسر خالی الذہن ہو کر بحث کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اسے قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔

● تاریخ اسلام کا ایک اور بہت اہم واقعہ واقعۂ افک ہے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بعض لوگوں کی تہمت!

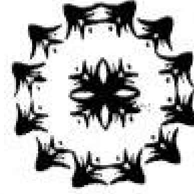
اس مسئلہ پر بھی مصنف نے بڑی تحقیق کے ساتھ بحث کی ہے اور منافقین کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے، اور ان لوگوں کی نشان دہی کی ہے جو بر بنائے غلط فہمی تہمت کے اس حادثہ میں شریک تھے، لیکن پھر بھی حد

قذف سے نہ بچ سکے۔

● کعب بن زہیر اور قصیدہ بانت سعاد کی حکایت بھی مصنف نے.... مؤرخانہ کاوش، اور دیدہ ریزی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔

غرض مجموعی حیثیت سے یہ حصّہ اپنے مباحث و مسائل کے اعتبار سے حصّہ اوّل کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہم اور معرکہ آرا ہے۔

(سید) رئیس احمد جعفری (ندوی)



رسمِ عقیقہ اور اس کی مذہبی و دینی حیثیت

مؤطا امام مالک کی روایت

مؤطا میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا، میں عقوق (نافرمانی) پسند نہیں کرتا۔

گویا آپؐ نے "عقوق" کے (لفظ) کو نافرمان فرمایا، اسے زید بن مسلم نے نبی صخرہ کے ایک آدمی سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، ابن عبدالبرؒ کا ارشاد ہے کہ اس میں بہترین سند وہ ہے جسے عبدالرزاقؒ نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا گویا آپؐ نے اس نام کو ناپسند فرمایا۔

صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے ایک اپنے لڑکے کی طرف سے قربانی، (عقیقہ) کرنا چاہتا ہے تو؟ ....

آپؐ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرنا چاہئے تو اسے چاہیے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کرے اور حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت سے لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ثابت ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے رہن میں ہوتا ہے اس کی جانب سے ساتویں دن (بکری) قربانی کی جائے۔ اس کا سر منڈایا جائے اور اس کا نام رکھ دیا

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت سے رکا ہوتا ہے اور لغت میں دہن رک جانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

کل نفس بما کسبت رھینۃ یعنی ہر جان اپنے کمائے ہوئے (اعمال) کی مرہون ہے اور ظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کے متعلق مرہون (رکا، ہوتا ہے۔ ہر بھلائی سے محروم ہوتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عاقبت میں اس کی وجہ سے اس پر عتاب نازل ہو گا۔ بلکہ شکِ عقیقہ کے باعث اس کے والدین کو فوائد حاصل نہ ہو سکے گا، اور گاہے گاہے لڑکا بھی اپنے والدین کی افراط و تفریط کے باعث ایک بھلائی کھو بیٹھتا ہے اگر کہا جائے کہ ہمامؒ کی قتادہ سے اس روایت کا آپ جواب دیں گے کہ "وہ خون لگایا کرتے تھے ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ سے معلوم کیا گیا کہ "وہ اور خون لگایا کرتے تھے، اس کا مطلب ہے یعنی خون سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا اس میں سے تر کر لیتے پھر اسے بچے کے تالو (سر کا چوٹی کا حصّہ) پر رکھا جاتا، پھر وہ اس کے سر پر بہ پڑتا۔ اس کے بعد اس کا سر دھویا جاتا اور مونڈ دیا جاتا، کہتے ہیں یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، بعض کا قول ہے یہ روایت جس نے سمرۃ سے نقل کی ہے۔ حالانکہ ان کا سماع ثابت نہیں۔ بعض کہتے ہیں حدیث عقیقہ میں حسن کا سمرۃ سے سماع ثابت ہے اور ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے اور بتاتے ہیں کہ یہ تدمیہ (خون بہانا) سنت ہے، یہ حضرت حسن اور قتادہؒ سے مروی ہے اور جنھوں نے تدمیہ کو منع فرمایا ہے، جیسے مالکؒ۔ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ "وہ اور آپ تدمیہ کرتے تھے" یہ روایت قطعاً غلط ہے بلکہ آپؐ نام رکھا کرتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے تھا جسے اسلام نے ابوداؤد کی روایت کے مطابق جو بریدہؓ سے مروی ہے باطل کر دیا فرمایا کہ دور جاہلیت میں اگر ہمارے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکری ذبح کرتے اور اس کے سر پر خون مل دیتے، مگر جب اسلام آیا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور بچہ کا سر مونڈ ڈالتے اور زعفران اس پر مل دیتے، کہتے ہیں کہ اگر چہ اس کے اسناد

میں حسین بن واقد ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاتا، لیکن اس روایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت سے ملایا جائے تو اس کی صحت یقینی ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اس (بچے) سے (اذی) تکلیف دہ چیز دور کر دو" اور خون تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اسے اذی (تکلیف دہ) لیتھڑنے کا حکم دیتے؟ فرماتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی اور ان پر خون نہیں لگایا۔ اور نہ یہ فعل آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی سنت ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولود کے سر کو ناپاک کرنا آپؐ کی سنت ہوتی۔ سنن میں اس کی نظیر اور شہادت ہی کہاں ہے؟ بلکہ یہ تو جہلا کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا عقیقہ

اگر کہا جائے کہ حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھا ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی سنتِ طیبہ ایک بچے پر ایک ہی جانور تھا۔ اور عبدالحق نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے صحیح روایت میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کی طرف سے ایک مینڈھا اور حسینؓ کی طرف سے ایک مینڈھے سے عقیقہ کیا اور حضرت حسنؓ کی ولادت احد کے سال اور اس کے ایک سال بعد حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا۔ اور فرمایا فاطمہؓ اس کا سر منڈوا دو۔ اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ چنانچہ ہم نے ان کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

اگرچہ یہ روایت متصل السند نہیں ہے لیکن حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ کی روایتیں اس (کی تقویت) کے لیئے کافی نہیں، فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ نسک میں سے ہے اس لیئے یہ ایک سر (بچے)، پر قربانی (ضحیہ) اور دم تمتع کے

برابر ہی واجب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری کی روایات کئی وجوہ کی بنا پر زیادہ قابل عمل ہیں۔ ایک سبب تو کثرتِ رواۃ ہے کیونکہ ان راویوں میں سے حضرت عائشہؓ۔ عبداللہ بن عمروؓ۔ ام کرز کعبیہؓ اور اسماءؓ ہیں اور ابوداؤدؒ نے کرزؓ سے روایت کیا، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ "لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کافی ہے۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو فرماتے سنا کہ "مکافیتان" (کافی) کا مطلب برابر یا مساوی ہے۔

دوسرے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور دو بکریاں کے متعلق آپؐ کا قول ہے، قول عام ہوتا ہے اور فعل میں اختصاص کا امکان بھی ہوتا ہے۔

تیسرے یہ روایت زیادتی (نیکی) کی متضمن ہے۔ اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے

چوتھے فعل کا مطلب جواز (محض) کا ہو سکتا ہے۔ اور قول استحباب پر دلالت کرتا ہے۔ اب چونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اس لیے ایک ترک کر دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

پانچویں حضرت حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے قربانی کرنا اور اس کے بعد والے سال کا واقعہ ہے۔

چھٹے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا: ولیس الذکر کالانثیٰ، یعنی اور نر مادہ کی طرح نہیں"، اس امتیاز کا تقاضا یہ ہے کہ احکام میں بھی ایسا ہی امتیاز عطا کیا ہے۔ اسی طرح عقیقہ کو انھی احکام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔

ساتویں عقیقہ مولود کے عتق سے مشابہ ہے۔ کیونکہ (مولو) عقیقہ سے مرہون ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ہی اس کو نوٹتا اور مولود کے عتق (آزادی) کا سبب بنتا ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ لڑکے کا دو بکریوں اور لڑکی کا ایک بکری سے عقیقہ

کیا جائے، جس طرح دو عورتوں کا عتق ایک مرد کے عتق کا ہم مرتبہ ہوتا ہے۔

جامع ترمذیؒ وغیرہ میں حضرت "ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان ایک مسلمان مرد کو آزاد کرے تو نار آگ سے اس کو نجات دلانے کا سبب ہوگا۔ اس کا ہر عضو ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔ اور جو مسلمان عورتوں کو آزاد کرے۔ وہ دونوں اس کے آگ سے نجات کا سبب ہوں گی (اس طرح کہ ان ہر دو کا عضو اس کے حصہ بدن کے بدلہ میں ہوگا، اور جو مسلمان عورت کو آزاد کرے گی وہ اس کے آگ سے نجات کا سبب بنے گی۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔

ابوداؤدؒ نے مراسیل میں جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیقہ کے متعلق جو حضرت فاطمہؓ نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کا کیا تھا فرمایا کہ دائی کے گھر میں ایک ٹانگ بھیج دو۔ اور خود کھاؤ (دوسروں کو) کھلاؤ اور اس سے ایک ہڈی نہ توڑو۔

آپؐ نے خود اپنی طرف سے بھی عقیقہ کیا

ابن ایمنؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے عقیقہ فرمایا جب آپؐ کو نبوت عطا ہو چکی ہے۔

ابوداؤد نے مسائل میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا ہیثم بن جمیل سے انہوں نے عبداللہ بن مثنیٰ سے انہوں نے ثمامہؓ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے عقیقہ فرمایا۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن محرز نے قتادہؒ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی طرف سے عقیقہ کیا۔ احمد فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایت ہے اور انہوں نے عبداللہ بن محرز کو ضعیف قرار دیا۔

حسنین رضی اللہ عنہما کے کان میں آپؐ نے اذان دی

ابو داؤدؒ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا کہ میں نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حسن رضی اللہ عنہ بن علیؓ پیدا ہوئے تو آپؐ نے نماز کی طرح ان کے کان میں اذان دی۔

بچہ کا نام ساتویں دن عقیقہ کر کے رکھ دیا جائے

عقیقہ کے متعلق حضرت قتادہؓ کی حدیث میں گذر چکا ہے۔ جو انہوں نے حسن سے انہوں نے سمرہؓ سے روایت کی کہ ساتویں دن قربانی کی جائے اور نام رکھ دیا جائے۔ ابو عبداللہ نے ہمیں بتایا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تیسرے (دن) اس کا نام رکھا جائے۔ البتہ سمرہ فرماتے ہیں، ساتویں دن نام رکھا جائے گا۔

اور ختنہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ لڑکے کا ختنہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک کہ سمجھ دار نہ ہو جاتا۔ میمونیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمدؒ کو فرماتے سنا کہ حضرت حسنؓ ناپسند کرتے تھے کہ بچے ساتویں دن ختنہ بٹھایا جائے۔ اور حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ نے فرمایا کہ اگر ساتویں دن ختنہ بٹھایا، تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حضرت حسن نے اسے یہود کی مشابہت کے باعث مکروہ سمجھا ہے حالانکہ اس میں ایسی کچھ بات نہیں۔

مکحولؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ساتویں دن ختنہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا تیرھویں سال ختنہ کیا۔ اسے خلالؒ نے ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کا ختنہ بچپن میں ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی بچپن میں ہوا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف گذر چکا کہ آپؐ کا ختنہ کب ہوا؟

(اسماء اور کنیتوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ذلیل اس آدمی

کا نام ہے جو اپنا نام ملک الاملاک رکھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ملک (بادشاہ) نہیں۔

اور آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں اور سب سے زیادہ سچے حارث۔ ہمام اور سب سے برے نام حرب۔ مرہ ہیں۔

نیز آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، اپنے لڑکے کا نام یسار۔ رباح نجیح اور افلح نہ رکھو۔ کیونکہ آپ کہیں گے کیا وہ مصلح ہے اور وہ ایسا نہ ہوگا تو جواب ہوگا کہ نہیں۔ نیز آپؐ نے عاصیہ کا نام بدل دیا اور جمیلہ رکھا پہلے حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ حضرت زینب ام سلمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نام رکھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیکوں کو خوب جانتا ہے۔ نیز احرم کو بدل زرعہ۔ ابی حکم کو بدل کر ابی شریح۔ سعید کے دادا حزن نے بدل کر سہل رکھ لیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ سہل کو لتاڑا جاتا ہے اور اس سے خدمت لی جاتی ہے۔

ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی۔ عزیز۔ عیلہ۔ شیطان۔ حکم غراب۔ حباب اور شہاب کا نام بدل دیا اور ان کا نام ہشام رکھا۔ نیز آپؐ نے حرب کا نام مسلم رکھا۔ مضطجع کا منبعث۔ ارض عفرہ کا نام حضرہ۔ شعب ضلالہ کا شعب ہدی۔ بنو زبنیہ کا بنو رشدہ اور بنی معاویہ کا نام بنی رشیدہ رکھا۔

اسماء کا اثر شخصیت پر

اسماء معانی کے قالب ہوتے ہیں اور ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ (الفاظ اور معانی) کے درمیان ایک خاص ربط اور نسبت ہو اور دونوں میں اجنبیت نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے سے یکسر غیر متعلق ہوں، کیونکہ حکیم کی حکمت اس کو روا نہیں سمجھتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نام کا، مسمیٰ کی شخصیت پر ایک مخصوص اثر ہوتا ہے۔ انسان اپنے ناموں کے حسن۔ قبح۔ ذلت وعزت، لطافت وکثافت سے ضرور متاثر ہوتا ہے

کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وقل ان ابصرت عیناك ذالقب الا ومعناه ان فکرت فی لقبه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند فرماتے تھے، آپؐ نے حکم دیا کہ جب کوئی قاصد آپؐ کی طرف بھیجا جائے تو جمیل ہو اور اچھے نام والا ہو۔ اور آپؐ نیند اور بیداری میں ناموں سے معانی لیتے، جیسا کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ اور صحابہؓ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر کھجوروں سے کھجوریں حاضر کی گئیں۔ آپؐ نے اس کی یہ تاویل بتائی کہ ان کے لیئے دنیا میں عاقبت (خیر) اور آخرت میں رفعت ملے گی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا وہ تر ہو گئے اور طاب (خوش) ہو گئے۔

اور حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو کے آنے سے آپؐ نے اس کام کو سہل سمجھنے کی تاویل فرمائی۔ اور ایک گروہ نے بکری دوہنے کا ارادہ کیا چنانچہ ایک آدمی دوہنے کے لئے اٹھا آپؐ نے دریافت فرمایا، تیرا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کیا مرۃ (تلخ)

آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جا۔

دوسرا اٹھا، آپؐ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس نے کہا میرا نام حرب ہے۔

آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جا، ایک اور اٹھا، آپؐ نے پوچھا، تیرا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کیا یعیش (جیتا رہے گا) آپؐ نے دودھ دوہنے کا حکم فرمایا۔

نیز آپؐ برے ناموں والی جگہوں کو بھی ناپسند فرماتے اور وہاں سے گذرنے میں بھی کراہت محسوس کرتے تھے۔

اچھّے اچھّے نام رکھنے کا حکم

ایک بار کسی غزوہ میں دو پہاڑوں کے درمیان گذر رہے تھے۔ آپؐ نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ان کے نام فاضح (ذلیل کرنے والا) اور مخزی (رسوا

کرنے والا) ہیں ۔

آپؐ نے ان سے اعراض کرلیا اور ان کے درمیان سے نہ گذرے، چونکہ اسماء اور مسمی و مسمیات میں اس طرح تناسب وارتباط ہوتا ہے، جس طرح ارواح و اجسام اور حقائق و قوالب اشیاء کے درمیان اس لیئے عقل ان سے بڑھ کر دوسری طرف منتقل ہوجاتی ہے جیسے ایاس بن معاویہ وغیرہ کسی آدمی کو دیکھتے، تو فرماتے کہ اس کا نام ایسا ایسا ہونا چاہیئے تھا تو وہ اس معاملہ میں غلطی پر نہ تھے۔ اس کی مثال حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملتی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا جمرہ (انگارہ)

آپؓ نے پوچھا، تیرے والد کا کیا نام ہے؟ کہنے لگا، شہاب آپؓ نے پوچھا، تیری منزل کہاں ہے؟ کہنے لگا حرۃ النار (آگ کی گرمی) میں آپؓ نے دریافت فرمایا کہ تیرا مسکن کہاں ہے؟ کہنے لگا ذات لظی (شعلوں والی) میں۔ آپؓ نے فرمایا، اچھا جا، تیرا مسکن جل گیا۔

وہ گیا تو واقعی ایسا ہی پایا، یعنی حضرت عمرؓ نے الفاظ سے ان کے معانی وارواح کا مطلب اخذ کیا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن سہیل کے نام سے سہولت کا مطلب لیا اور واقعی معاملہ سہولت سے طے پاگیا۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بنی امت کو اچھے اچھے نام رکھنے کا حکم دیا اور بتایا کہ انہیں قیامت کے دن انہی ناموں کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اچھے اعمال اچھے اسماء سے نسبت حاصل کرلیں۔ اچھے اور مناسب اسماء و اوصاف سے وہ بلایا ایک شہادت بن جائے۔

آپ غور کیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احمدؐ اور محمدؐ کے دو ناموں سے ان کے اوصاف کا کس انداز سے (عملاً) اشتقاق کیا محمد کے لفظ میں صفاتِ محمودہ کی کثرت اور احمد کے لفظ میں دوسروں کی صفات سے افضیلت مراد ہے۔ تو اسم اپنے مسمی سے اس طرح مرتبط ہوگیا جیسے روح اور بدن کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا ابوالحکم بن ہشام کے لیے ابو جہل کنیت فرماتے۔ اس کی اسلام جہالت کے باعث، بالکل اوصاف روحانی کے مطابق تھا، نیز اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیٰ کو ابولہب کی کنیت عطا کی، کیونکہ شعلہ خیز آگ میں جلنے کے باعث وہ اس کنیت کا زیادہ مستحق تھا اور یہ کنیت اس سے زیادہ مطابقت وموافقت رکھتی تھی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عرب قبائل سے فرمایا، اے نبی عبداللہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور آباؤ اجداد کے اچھے نام رکھے۔

آپ دیکھئے کہ آپؐ نے ان کو ان کے والدین کے اچھے (عبداللہ) سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی دعوت، اور چونکہ اسم اپنے مسمی کا مقتضیٰ بلکہ اس میں موثر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ناموں کو پسند فرمایا، جیسے عبداللہ اور عبدالرحمٰن، اپنی اضافت کے اعتبار سے دوسرے ناموں عبدالقاہر اور عبدالقادر سے اللہ کو زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ عبدالرحمٰن عبدالقادر سے زیادہ پسندیدہ اور عبداللہ عبدالرب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بندے اور اللہ کے درمیان محض عبودیت کا تعلق ہے۔ لیکن بندے اور رحمٰن کے درمیان محض رحمت کے سہارے کا تعلق ہے اس کی رحمت سے اس کا وجود قائم ہے۔ اسی کے باعث اسے پیدا کیا۔ اس وجہ سے بندہ صرف اس ذات یکتا کو محبت، خوف، امید، تعظیم اور اجلال کے باعث اپنا اللہ مانتا ہے اور عبداللہ کہلاتا ہے۔ اللہ کے لفظ کے جو معنی ہیں ان کا غیر اللہ پر اطلاق ناممکن ہے اور چونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے وہ رحمت کو اپنے غضب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے پس عبدالرحمٰن کا نام عبدالقاہر سے زیادہ پسندیدہ ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھو

انبیاء علیہم السلام جملہ نبی آدم کے سردار ہیں کیونکہ ان کے اخلاق تمام لوگوں کے اخلاق سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں ان کے اعمال تمام لوگوں کے

اعمال سے زیادہ قابل شرف ہوتے ہیں ان کے اسماء بھی تمام دوسرے اسماء سے زیادہ قابل عظمت ہوتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو (انبیاء) کے اسمائے مبارکہ پر نام رکھنے کا حکم دیا، جیساکہ سنن ابی داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھو اگر ان میں دیگر مصالح نہ بھی ہوں پھر بھی ان کے اسماء سے ان سے تعلق قائم رہتا ہے دیگر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ کی حفاظت ہوتی ہے ان کا تذکرہ جاری رہتا ہے۔ اور انھیں طاقِ نسیاں کی زینت نہیں بنایا جا سکتا۔ اور ان کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف و حالات کا بھی تذکرہ جاری رہتا ہے۔

لڑکے کا نام یسار، افلح، نجیح، رباح رکھنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ مسمی کا اعتقاد اور ظن ایسے ہی ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو پاکیزہ اور پر عظمت و ذی رفعت جتانے میں ہی لگا رہتا ہے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ (نیک) نام رکھنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ "اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیک (کام کرنے والوں) کو خوب جانتا ہے۔ اسی لیے تقی متقی۔ مطیع، طائع۔ راضی۔ محسن۔ مخلص، منیب، رشید اور سدید جیسے نام رکھنا مکروہ ہے۔ اور کفار کو تو ایسے نام رکھنے کی قطعاً اجازت نہ دینی چاہیے۔ انہیں ان ناموں سے بلانا یا ان ناموں سے تذکرہ کرنا بھی ممنوع ہے اور کفار کے ایسے نام رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔

کنیّت رکھنے کے آداب

آنحضرتؐ کی کنیّت کو اختیار کرنے کا مسئلہ

آں حضرت کی عطا کردہ کنیتیں

کنیت رکھنا دراصل ایک طرح مکنّیٰ کی تعظیم و تکریم ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اکنیہ حین انادیہ لاکرمہ ولا القبہ والسوءۃ اللقب

یعنی جب میں اسے بلاتا ہوں تو اس کے اکرام کے باعث اس کی کنیت کا ذکر کرتا ہوں اور میں اس کا لقب ذکر نہیں کرتا اور لقب سے یاد کرنا برا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیبؓ کو ابو یحییٰ اور علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب اور ابو الحسن کی کنیت مرحمت فرمائی اور یہ آپ کی سب سے محبوب کنیت تھی۔

اور حضرت انسؓ بن مالک کے بھائی جب کہ ابھی چھوٹے تھے انہیں ابو عمیر کی کنیت عطا کی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ آپ صاحب اولاد اور بے اولاد سب کو کنیت عطا کرتے۔ اور ابو القاسم کے سوا آپؐ سے ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی کنیت سے منع فرمایا ہو۔

آپ کی کنیت پر کنیت نہیں رکھی جا سکتی

صحیح روایت میں آپؐ سے منقول ہے کہ فرمایا

میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو چنانچہ اس مسئلہ میں علمائے

کرام کے چار اقوال ملتے ہیں۔
ایک یہ کہ آپؐ کی کنیت اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ چاہیئے آپؐ کے نام سے متصل رکھی جائے یا انفرادی طور پر یا آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہو یا وفات کے بعد۔ انہوں نے اس صحیح حدیث کو عام سمجھا ہے اور بیہقیؒ نے امام شافعی سے اسے مطلق نقل کیا ہے۔ اور منقول ہے کہ یہ کنیت اور نام بہر دہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھے۔ آپؐ نے اس طرف اشارہ بھی کر دیا تھا کہ "اللہ کی قسم میں نہ کسی کو حکم دوں گا اور نہ رد کروں گا، بلکہ میں تو قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھتا ہوں۔
اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ صفت (مخصوصہ) مکمل حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔
دوسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کا نام و کنیت اجتماعی صورت میں ممنوع ہے۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک اختیار کر لیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔
ابو داؤدؒ نے باب من رای ان لا یجمع بینھما میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور ابو زبیر کی حدیث نقل کی ہے۔ انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میرا نام رکھا وہ میری کنیت اختیار نہ کرے۔ اور جو میری کنیت اختیار کرے وہ میرا نام نہ رکھے۔ ترمذیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے نیز ترمذیؒ نے محمد بن عجلان سے نقل کیا۔ انھوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا اور ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا۔ الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے یعنی محمد ابوالقاسم نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔
تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہ مالکؒ سے منقول ہے۔ انہوں نے ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو محمد بن حنیفہؒ سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپؐ کے بعد میرے گھر میں کوئی لڑکا ہوا تو میں آپؐ کا نام رکھوں گا اور اسے آپؐ

کی کنیت دوں گا۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں! ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے اور سنن ابو داؤدؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ میرے ہاں لڑکا تولد ہوا میں نے اس کا نام محمد رکھا اور اسے آپؐ کی کنیت "ابوالقاسم" دی پھر مجھے بتایا گیا ہے کہ آپؐ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ کس نے میرا نام جائز کیا اور کنیت حرام کر دی؟ یا (فرمایا) کہ کس نے میری کنیت حرام کر دی اور نام حلال (جائز) کر دیا (یہ علماء) فرماتے کہ ممانعت کی احادیث ان دو روایتوں سے منسوخ ہو چکی ہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ابوالقاسم کی کنیت اختیار کرنا ممنوع تھا، اور وفات کے بعد جائز ہے، کہتے ہیں کہ ممانعت کا سبب آپؐ کی حیات سے مخصوص تھا، جیساکہ صحیح حدیث میں ہے حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے بقیع میں "اے ابوالقاسم" آواز دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوئے۔

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرا مطلب آپؐ نہ تھے، بلکہ میں نے فلاں کو بلایا تھا۔

آپؐ نے فرمایا" میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو

اور (علمائے کرام) فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب یہ ہے، کہ انہوں نے اس بچہ کے بارے میں پوچھا تھا جو آپؐ کے بعد پیدا ہو، اس کے بارے میں نہیں، جو آپؐ کی زندگی میں پیدا ہوا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا "یہ صرف میرے لیے رخصت تھی۔

اور صحیح مسلک یہ ہے کہ آپؐ کا نام رکھنا جائز ہے اور آپؐ کی کنیت اختیار کرنا ممنوع ہے اور زندگی میں آپؐ کی کنیت اختیار کرنے کی ممانعت زیادہ شدید تھی۔

کیا ابوعیسیٰ کنیت اختیار کی جا سکتی ہے؟

نیز سلف و خلف کی ایک جماعت نے ابو عیسیٰ کی کنیت کو مکروہ بتایا ہے۔ دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

ابوداؤد میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے ایک بیٹے کو مارا، جو کہ ابوعیسیٰ کنیت رکھتا تھا، نیز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ابوعیسیٰ کی کنیت اختیار کی۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ تو ابوعبداللہ کی کنیت اختیار کرلے؟

انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت رکھی ہے۔ انھوں نے فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اور ہم اپنی حرکات میں ہیں۔ پھر وفات تک ہمیشہ ابوعبداللہ ہی اپنے آپ کو کہلواتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کو ام عبداللہ کی کنیت دے رکھی تھی اور بعض ازواج مطہرات کو جیسے ام حبیبہ اور ام سلمہؓ کی کنیت عطا فرمائی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو "کرم" کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کرم تو مومن کا دل ہوتا ہے، چونکہ لفظِ (کرم) کثرت خیر و برکت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ایسے امورِ خیر کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ انگور کا درخت۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعراب کے نام تمہاری نمازوں مثلاً عشاء پر غالب نہ آجائیں (کیونکہ اعراب) اس نماز کو عتمہ کہتے ہیں اور صحیح حدیث میں آپؐ سے یہ بھی مروی ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا، اگر انھیں معلوم ہوتا کہ عتمہ (عشاء) اور صبح میں کس قدر اجر ہے تو یہ پیٹ کے بل رینگ کر بھی حاضر ہوتے۔

ایک قوم میں یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر ممانعت منسوخ ہے۔ بعض اس کا عکس بتاتے ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ (روایات) کی تاریخ کا صحت سے تعین کرنا مشکل ہے، اور احادیث میں تعارض بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ آپؐ نے عشاء کو عتمہ کہنے کی قطعی ممانعت نہیں فرمائی، جبکہ مراد یہ تھی کہ عشاء کا نام متروک نہ

ہونے پائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس نماز کو اسی نام سے یاد کیا ہے اور اس پر عتمۃ کا غلبہ نہ ہونے دیا جائے۔ اب اگر اسے عشاء ہی کہا جائے اور کبھی کبھار عتمۃ کا نام بھی بول دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور یہ فرمان محض اسی لئے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چاہتے تھے) کہ عبادات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ اسماء کی حفاظت کی جائے، وہ متروک نہ ہونے پائیں اور ان پر دوسرے اسماء غالب کر دیئے جائیں، جیسے متاخرین نے جدید اصطلاحات والفاظ پر چسپاں کر دیئے اور جس کی وجہ سے اس قدر عظیم فساد وانتشار پیدا ہوا کہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔



افرادِ امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخاطب

سراپا شفقت و رحمت

آپؐ امت کو خطاب فرمانے کے لیے خوبصورت اور لطیف ترین الفاظ استعمال کرتے جو درشت و تند مزاج لوگوں سے بعید ہوں۔ چنانچہ آپ نہ فحش یا درست کلام فرماتے نہ تند گوئی اور تیزی سے کام لیتے۔

آپؐ نااہل آدمی کے حق میں پر عصمت اور قابلِ تکریم الفاظ اور (شریف) کے حق میں پر مذمت الفاظ کہنے کو ناپسند فرماتے۔

پہلی مثال مثلاً منافق کو کہنا اے میرے سردار، فرمایا جو اللہ کے ہاں سردار نہیں تو تم نے اسے سردار کہہ کر اپنے پروردگار عزوجل کو ناراض کیا۔

نیز آپؐ نے انگور کو کرم کہنے اور (ابوجہل کو) ابو حکم کہنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح آپؐ نے ایک صحابی ابو حکم کا نام بدل کر ابی شریحؓ رکھ دیا اور فرمایا کہ حکم تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف حکم واپس جاتا ہے۔

اسی طرح آپؐ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ غلام عباس آقا کو ربّی (پروردگار) کہے یا آقا اپنے غلام کو میرا بندہ کہے اور فرمایا بلکہ یوں کہو "میرے بچے۔ میرے بچی"[1]

ایسے ہی طبیب ہونے کے مدعی کو آپؐ نے رفیق فرمایا اور بتایا کہ طبیب تو خالق ہے اور جہلاء کافر کو بھی حکیم کہتے ہیں جسے چند طبیعاتی باتوں کا علم ہو حالانکہ (کافر) تمام

---

[1] ان الفاظ میں زیردست کے لئے کتنی رحمت اور شفقت ہے اور آقا کے پندار کے لئے کیسی موعظت حسنہ ہے

مخلوقات سے زیادہ احمق ہوتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے ایک خطیب سے، جس نے کہا تھا:

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، وہ خوش بخت ہوا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ سرکش وگمراہ ہوا"۔

آپؐ نے فرمایا کہ تو بدترین خطیب ہے۔ اسی طرح آپؐ کا فرمان:

"کہ یہ مت کہو کہ جس طرح اللہ اور فلاں (بھی) چاہے ویسے ہوگا بلکہ کہو جس طرح اللہ چاہے پھر جو (اللہ کی مرضی سے) فلاں چاہے"۔ ایک آدمی نے عرض کیا، جس طرح اللہ اور آپؐ چاہیں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ بلکہ کہو جیسی صرف اللہ کی مرضی ہو۔ [1]

اور دوسری نوع یہ ہے کہ غیر مستحق پر الفاظِ مذمت استعمال کئے جائیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زمانے (دہر) کو گالی مت دو،

اور فرمایا، کہ:

زمانہ ہی خدا ہے۔

دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے جب زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، اور سارا امر میرے ہاتھ میں ہی ہے۔ میں ہی دن رات بدلتا ہوں، ایک اور روایت میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے "اے زمانے کی نامرادی. اس میں تین بڑے بڑے مفاسد ہیں۔

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کس طرح آپ مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ ارشادِ نبوی ان لوگوں کے لئے غور طلب ہے جو خدا کو چھوڑ کر، یا اس کے ساتھ پیروں اور بزرگوں کو بھی حاجت روا سمجھتے ہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

ایک یہ کہ ایک غیر مستحق کو گالی دی، کیونکہ دہر بھی اللہ کی مسخر مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس کے حکم کا تابع ہے اس کے امر کے سامنے بے بس ہے اس لئے گالی دینے والا مذمت کا زیادہ مستحق ہے۔

دوسرے اس کا گالی دینا شرک کا متضمن ہے کیونکہ اس نے فائدہ رساں اور ضرر رساں سمجھ کر گالی دی ہے۔

تیسرے گالی دینے والے کے دو حالات ہیں، یا تو اس نے اللہ کو گالی دی ہے یا شرک کیا ہے کیونکہ اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ زمانہ بھی فاعل ہے تو وہ مشرک ہوگیا اور اگر اس کا یہ اعتقاد کہ تنہا اللہ ہی اس کا فاعل ہے، تو اس نے گویا اللہ کو گالی دی۔

اسی طرح آپؐ کا یہ فرمان کہ تم میں سے یہ کوئی نہ کہے کہ شیطان ہلاک ہو کیونکہ وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے اسے اپنی قوت سے پچھاڑ دیا، بلکہ یوں کہا کرے، بسم اللہ، اس سے وہ مکھی کی طرح چھوٹا ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ بندہ جب شیطان پر لعنت کرتا ہے تو وہ کہتا ہے تو ایک ملعون پر لعنت کر رہا ہے، نیز اللہ شیطان کو رسوا کرے، اللہ شیطان کا منہ کالا کرے۔ وغیرہ جملے بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بنی آدم کو معلوم ہوگیا کہ میں نے اسے اپنی قوت سے نقصان پہنچایا ہے، یہ جملے اسے زیادہ سرکش بناتے ہیں اور ذرا بھی فائدہ بخش نہیں ہوتے چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس پر شیطان کا اثر ہو۔ وہ اللہ کا ذکر کرے۔ اس کا نام لے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ یہ بات اس کے لئے فائدہ دینے والی اور شیطان کے غصہ کو بھڑکانے والی ہے۔

عجز اور کسل کے مظاہرہ سے بچو

کسی کام کے ہو جانے کے بعد اس قول کی ممانعت کہ کاش میں یوں نہ کرتا، یوں کرتا، فرمایا کہ اس طرح شیطان کے اثر کا دروازہ کھلتا ہے بلکہ ارشاد فرمایا کہ

اس سے زیادہ نفع مند یہ کلمہ ہے:

جو کچھ اللہ کی تقدیر تھی اور جو اللہ نے چاہا ہوگیا۔

اور عجز (بھی غلط ہے) کیونکہ یہ بھی شیطان کو دخل اندازی کا موقع دیتا ہے گویا یہ فائدہ مند اعمال سے عاجز آگیا اور باطل امیدوں کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ کاش اس اس طرح ہوتا، کاش میں یوں کرتا۔ اس سے شیطان کو دخل دینے کا موقع ملتا ہے کیونکہ یہ عجز اور کسل (سستی) کا نتیجہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پناہ مانگی ہے کیونکہ یہ دونوں شر کا منبع ہیں۔ اور انہی سے غم، اندوہ، بخل، قرض ادا نہ کرسکنا اور لوگوں سے مغلوب ہو جانا (جیسے حالات) پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان کا مرکز اور مصدر عجز اور کسل ہی ہیں، چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شیطان کا کسی پر اثر شروع ہو جائے تو وہ تمنائیں کرنے والا تمام لوگوں سے زیادہ عاجز اور مفلس بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ تمنائیں کرتے رہنا مفلسین کا راس المال ہوتا ہے اور عجز ہر شر کی کنجی ہوتی ہے بلکہ ہر گناہ کی جڑ عجز ہے۔ جب بندہ نیک کام کرنے اور برائی سے بچنے سے عاجز آگیا تو بہر حال معاصی ہی میں ڈوب جائے گا۔

ایک حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شر کے اصول و فروع اور اس کے مبادی و غایات سے پناہ مانگنا۔ آٹھ خصال پر مشتمل ہے۔ ہر دو خصال آپس میں قرین ہیں۔ آپ نے دعا پڑھی

دونوں قرین ہوئے۔ اس کے بعد عجز اور کسل دونوں ایک دوسرے کے قرین ہیں۔ اگر بندہ بندگی اور اصلاح میں عاجز رہ گیا ہو، اگر عدم قدرت کے باعث ایسا ہوا تو عاجز ہے اور اگر قصداً ایسا کیا تو یہ کسل (کاہلی ہے) ان دو صفات سے ہر خیر کھو جاتا ہے اور ہر شر آموجود ہوتا ہے۔

جس شر کے باعث وہ اپنے بدن سے نفع حاصل نہیں کرسکتا اسے جبن کہتے ہیں۔ اگر مال سے فائدہ حاصل نہ کرسکے پھر یہ بخل ہوگا۔ چنانچہ اس کے باعث دو طرح کی مغلوبیت مسلّط ہو جائے گی۔ ایک کسی کے حق کا غلبہ دین کہتے ہیں۔ دوسرے

باطل کے باعث مغلوبیت اسے غلبہ رجائی کہتے ہیں۔ یہ تمام مفاسد عجز اور کسل کا نتیجہ ہیں۔

عجز اور کسل۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق حکم ہے کہ ایک آدمی کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل (مجھے میرا اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ عجز پر ملامت کرتا ہے بلکہ تمہیں شعور سے کام لینا چاہیئے پھر بھی اگر کوئی امر تم پر غالب آجائے تو کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ حالانکہ اگر یہ اسباب کو ہوشمندی سے کام میں لاتا اور پھر بھی مغلوب ہو جاتا۔ اس صورت میں یہ جملہ واقعتہً اپنے مقام پر درست ہوتا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے تمام مامور بہ اسباب کو اختیار کیا کسی کو ترک نہیں کیا اور نہ عجز کا اظہار کیا۔ پھر بھی جب دشمن غالب آگئے اور انہیں آگ میں ڈال دیا تو انہوں نے اسی حالت میں حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا۔ چنانچہ یہ کلمہ جب اپنے مقام پر پڑھا تو فوراً اثر ہوا اور اس کا مقتضیٰ ظاہر ہو گیا۔

اسی طرح احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ سے جب کہا گیا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہیں، اس لیے ان سے ڈرو۔ تو (صحابہ ورسول اللہ) نے تیاری کی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے اور خوب شعور سے کام لیا۔ پھر کہنے لگے حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ تو اس کلمہ نے اثر کیا اور اس کا ایک نتیجہ نکلا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

یعنی، اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کو کافی ہے ''

اور دوسری جگہ فرمایا:

واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔ یعنی، اور اللہ سے ڈرو، مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

اور اسباب دنیا اختیار کیے بغیر توکل کرنا اور اللہ کو کافی سمجھنا یہ محض عجز ہے، اگرچہ اس پر قدرے توکل چھایا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ توکلِ عجز ہے اور بندے کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے توکل کو عجز بنا دے یا عجز کو توکل کا جامہ پہنائے۔ بلکہ توکل کو بھی اسباب مامورہ سمجھ کر اسے اختیار کرتے جس کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں ہو سکتا۔

دو جماعتوں نے اس مسئلہ میں دھوکا کھایا ہے۔

ایک گروہ نے سمجھا کہ حصولِ مراد کے لیے تنہا توکل ہی کافی اور مستقل حیثیت میں موثر سبب ہے چنانچہ انہوں نے تمام اسباب کو معطل کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضیٰ تھے مسبب تک پہنچنے کا ذریعہ تھے چنانچہ یہ گروہ ضعفِ توکل اور ترک اسباب کے باعث عجز اور تفریط میں گر گیا۔

دوسرے گروہ نے اسباب پر اعتقاد رکھا اور شرعًا اور ظاہرًا ہر طرح مسبب میں سبب کی کارفرمائی دیکھی اور توکل سے بالکل ہی اعراض کر لیا۔ اگرچہ اس گروہ نے اسباب کے ذریعہ کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا، لیکن اس کی قوت اصحاب توکل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ اسے اللہ کی نصرت حاصل ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے تحفظ و دفاع حاصل ہے بلکہ یہ توکل کے زائل ہونے کے وجہ سے ذلیل و عاجز ہے۔ کیونکہ قوت تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں پنہاں ہے جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا ہے۔

جو یہ چاہے کہ تمام لوگوں سے قوی ہو جائے تو وہ اللہ پر توکل کرے۔

ذکرِ الٰہی

آپؐ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتے

ذکرِ الٰہی کی وسعتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ذکر میں تمام مخلوق سے زیادہ کامل تھے بلکہ آپؐ کا ہر کلام اللہ کے ذکر یا اس کے متعلق پر مشتمل تھا۔ آپؐ کا امت کو فرمانا، حکم فرمانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے مبارک، صفات اس کے احکام افعال وعدے وعید، سب اس کا ذکر ہی تھے اور اس کی نعمتوں پر ثنا، حمد، تسبیح وتمجید بھی قلبی طور پر ذکرِ الٰہی کی متضمن تھی۔ گویا آپؐ ہر آن ہر حالت میں ذاکر تھے اور ذکرِ الٰہی آپؐ کے تنفس کی طرح، اٹھتے بیٹھتے چلتے سوار ہوتے۔ سفر وحضر صلح وجنگ ہر جگہ آپؐ سے متصل تھا۔ جب آپؐ بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔

یعنی، سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اٹھ کر اسی کی طرف ہمارا حشر ونشر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ رات کو جاگتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔ دس بار الحمد للہ کہتے اور بتایا کہ دس بار سبحان اللہ وبحمدہٖ اور دس بار سبحان الملک القدوس اور دس بار استغفر اللہ اور دس بار لا الٰہ الا اللہ کہتے پھر دس بار یہ دعا پڑھتے اللھم انی اعوذ بک من ضیق الدنیا

وضیق یوم القیامہ اس کے بعد (تہجد) شروع کرتے نیز فرماتی ہیں، کہ جب آپؐ کسی وقت رات کو جاگتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

لا الٰہ الا انت سبحانک اللھم استغفرک لذنبی واسألک رحمتک اللھم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد اذھدیتنی وھب لی من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ (ابوداؤد)

"یعنی تیرے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں، اے اللہ تو پاک ہے۔ میں اپنے گناہ کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کردے اور مجھے جب تونے ہدایت دے دی تو اب میرے قلب کو کھوٹا نہ بنانا اور مجھے اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو آدمی رات کو بیدار ہو اور یہ جملے کہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر، الحمد للہ وسبحان اللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اس کے بعد کہے اللھم اغفرلی۔

یعنی، اے اللہ مجھے بخش دے، یا کوئی دوسری دعا قبول ہوگی، اور اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز قبول ہوگی (بخاری)

حضرت عباسؓ نے جو رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گذاری اس کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جب آپؐ بیدار ہوئے تو آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور سورت سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات سے لے کر آخر سورت تک تلاوت کیں۔ پھر یہ دعا پڑھی:

اللّٰھم لک الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت قیّم السمٰوٰت والارض ومن فیھنّ ولک الحمد انت الحقّ ووعدک الحقّ وقولک الحقّ ولقاءک حق والجنۃ حق والنّار حق والنّبیّون حقّ و

محمدٌ حق والساعة حق اللّٰھم لك اسلمت وبك اٰمنت وعليك توكلت واليك انبت عليك خاصمت واليك حاكمت فاغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الٰھی لا الٰہ الا انت ولا حول ولا قوة الا بالله العلیّ العظیم۔

یعنی، "اے اللہ تو سزاوار حمد ہے، تو آسمانوں کا زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کا نور ہے بس تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمان کا اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے۔ بس تیری ہی حمد ہے۔ تو حق ہے تیرا وعدہ حق اور تیرا قول حق ہے۔ اور تیرا دیدار حق ہے، جنت حق ہے اور آگ (دوزخ) حق ہے اور انبیاء علیہم السلام حق ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں، اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لئے اسلام لایا تجھ پر ایمان لایا۔ تجھ پر توکل کیا تیری طرف رجوع کیا اور تیری مدد سے نزاع کیا اور تجھ ہی سے داد خواہ ہوا۔ پس میرے سابقہ اور مابعد گناہ بخش دے اور جو گناہ میں نے چھپ کر کئے اور جو میں نے علانیہ کیے وہ بھی بخش دے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور بزرگی و عظمت والے خدا کے سوا نہ کوئی قدرت ہے اور نہ قوت ہے۔"

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادة انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیه یختلفون اھدنی لما اختلف فیه من الحق باذنك انك تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

"یعنی اے اللہ جبرائیل ومیکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے پروردگار آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، غیب اور حاضر کو جاننے والے تو اپنے بندوں کا فیصلہ کرتا ہے، جس میں اختلاف کرتے تھے، بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ

دکھاتا ہے۔"

(حضرت عائشہؓ) فرماتی ہیں کہ اس کے ساتھ بسا اوقات آپؐ نماز شروع کر دیتے۔ جب آپ وتر پڑھتے تو وتروں سے فارغ ہونے کے بعد تین بار سبحان الملک القدوس کہتے، اور تیسری بار آواز بلند کرتے۔

اور جب آپؐ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ بسم اللہ توکّلت علی اللہ اللّٰھم انّی اعوذ بک ان اضل او اضل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجھل او یجھل علیّ (صحیح حدیث)

یعنی، اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر توکل کیا۔ اے اللہ میں اس امر سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کسی کو گمراہ کروں یا مجھے گمراہ کیا جائے یا میں پھسلا دوں یا مجھے پھسلایا جائے یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔ میں جہالت (سے پیش) آؤں یا مجھ سے جہالت کا (برتاؤ) کیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے:

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے ہدایت دی گئی، تجھے کفایت ہو گئی اور تجھے بچا لیا گیا۔ اور شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے (حدیث حسن)

حضرت ابن عباسؓ نے جو رات آپؐ کے پاس گذاری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپؐ صبح کی نماز کے لیے یہ دعا پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے:۔

اللھم اجعل فی قلبی نورًا واجعل فی لسانی نورًا واجعل فی سمعی نورًا واجعل فی بصری نورًا واجعل فی خلفی نورًا ومن امامی نورًا واجعل من فوقی نورًا واجعل من تحتی نورًا اللھم اعظم لی نورًا۔

یعنی، اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری زبان کو نور عطا فرما، اور میری سماعت کو نور عطا فرما، اور میری بصارت کو نور عطا کر، اور میرے

سامنے نور کر دے، اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے، اے اللہ میرے لیے نور بڑھا دے۔"

اور فضیل بن مرزوق رح حضرت عطیہ عوفی رح سے وہ حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلے اور وہ یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسألك بحق السائلین علیك وبحق ممشای ھذا الیك فانی لم اخرج بطرا ولا اشرا ولا ریاء ولا سمعة وانما خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك اسألك ان تنقذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے سائلین کے حق کے طفیل اور تیری طرف چلنے کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ نہ تو میں تکبر و رعونت سے نکلا ہوں اور نہ ریاکاری اور دکھاوے کی خاطر بلکہ تیری ناراضگی سے بچتے ہوئے اور تیری رضا چاہتے ہوئے نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچا دے اور میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔"

اتنا کہنے سے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا جو اس کے لیے بخشش کے لیے دعا کرتے رہیں گے، اور نماز ختم ہوتے تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی توجہ فرمائے گا۔

اور ابو داؤد رح نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اعوذ باللہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم۔

یعنی "عظمت والے اللہ تعالیٰ اور اس کریم کے رخ اور اس قدیم کی قدرت کی میں پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔" جب اس نے یہ

دعا پڑھ لی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سارا دن شیطان سے محفوظ ہوگیا۔
نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو پھر صلوٰۃ و سلام پڑھو اور پھر یہ کہو:
اللھم افتح لی ابواب رحمتك یعنی اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔
اور جب باہر آؤ، تو یہ کہو، اللھم انی اسئلك من فضلك، یعنی اے اللہ میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔
نیز مروی ہے کہ جب آپؐ مسجد میں داخل ہوتے تو درود و سلام پڑھتے اور یہ دعا کہتے:
اللھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك یعنی اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔
جب آپؐ صبح کی نماز پڑھتے تو طلوعِ آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور اللہ کی یاد میں مصروف رہتے۔
نیز آپؐ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے، اللھم بك اصبحنا وبك امسینا وبك نحیا وبك نموت والیك النشور۔
یعنی "اے اللہ ہم نے تیری (توفیق) سے صبح کی اسی طرح شام کی اور اسی طرح ہم جیتے اور تیرے نام پر مرتے ہیں اور بلاشبہ تیری ہی طرف حاضر ہونا ہے اور جب صبح ہوتی تو آپؐ یہ دعا بھی پڑھا کرتے:
اصبحنا واصبح الملك للہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر، رب اسالك خیر ما فی ھذا الیوم وخیر ما بعدہ واعوذ بك من شر ھذا الیوم وشر ما بعدہ رب اعوذ بك من الکسل وسوء الکبر رب اعوذ بك من عذاب فی القبر۔

یعنی ہم نے صبح کی اور اللہ کے ملک نے بھی صبح کی اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لئے بادشاہی ہے، اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اے پروردگار میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اور اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور میں اس دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں کاہلی اور تکبّر کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں جہنم میں ہونے والے عذاب اور قبر میں ہونے والے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

اور جب شام ہوئی تو آپؐ نے اسی دعا کو امینا و امسی الملک اللہ الخ کے مذکورہ طریق پر پڑھی (مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ ایسے کلمات بتلایئے جو صبح و شام میں پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو:

اللھم فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشھادۃ رب کل شی وملیکہ وما لکہ اشھد ان لا الہ الا انت اعوذبک من شر نفسی وشر الشیطان وشرکہ وان اقترف علی نفسی سوءا او اجرہ الٰی مسلم۔"

یعنی "اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب اور ظاہر کے جاننے والے ہر چیز کے پروردگار اس کے بادشاہ اور اس کے مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ میں اپنے نفس کی اور شیطان کی شرارت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس کے شرک سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں (اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں) کہ میں اپنے آپ پر کوئی برائی لا دوں یا اسے کسی مسلمان کی طرف منسوب کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا، جب صبح یا شام کرے تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو، یا جب بستر پر جاؤ (تب

بھی یہ دعا پڑھ لیا کرو) (حدیث صحیح)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی ہر صبح و شام یہ دعا تین بار پڑھ لے اسے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم
یعنی "اللہ کے نام سے جس کے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں دیتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے"

اور جو آدمی جب یا شام یہ دعائیں تین بار پڑھے اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو راضی رکھے دعا یہ ہے:

رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا یعنی، میں اللہ کے پرور دگار ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ اور جس نے صبح یا شام کو یہ دعا پڑھی:

اللھم انی اصبحت اشھدك و اشھد حملة عرشك وملائکتك وجمیع خلقك انك انت اللہ الذی لا الہ الا انت وان محمدا عبدك ورسولك

یعنی "اے اللہ میں نے صبح کی، میں تجھے تیرے عرش کے حاملین تیرے سوا اور تیری تمام مخلوق کو (شاہد بنا کر) گواہی دیتا ہوں بے شک تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔

جو اسے ایک بار پڑھے گا اللہ اس کا چوتھا آگ سے آزاد کر دے گا اور اگر دو بارہ پڑھے گا تو اللہ اس کا نصف آگ سے آزاد کر دے گا۔ اور اگر چار بار پڑھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے بالکل آزاد کر دے گا (حسن)

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس آدمی نے صبح کو یہ دعا پڑھی اس نے اس دن کا حق ادا کر دیا

" اللھم ما اصبح بی من نعمته او باحد من خلقك فمنك وحدك لا شریك

لك لك الحمد ولك الشکر" یعنی اے اللہ میں نے یا تیری مخلوق میں سے جس نے بھی تیری نعمت کے ساتھ صبح کی، وہ نعمت بس صرف تیری ہی جانب سے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ہے اور جو شام کو دعائے مذکورہ پڑھے اس نے رات کا شکر ادا کر دیا (حدیث حسن)

نیز آپؐ صبح و شام یہ دعائیں بھی پڑھا کرتے:

اللهم انی اسالك العافية فی الدنیا والآخرة، اللهم انی اسالك العفو والعافية فی دینی ودنیای واهلی ومالی اللهم استر عوراتی وآمن روعاتی اللهم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی اعوذ بعظمتك ان اغتال من تحتی (حاکم)

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوالی ہوں، اے اللہ میں تجھ سے اپنے دین و دنیا۔ گھر اور مال کے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ میری مخفی (کمزوریوں) پر پردہ ڈال دے اور مجھے پریشان حالی سے مامون فرما۔ اے اللہ میرے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں اور اوپر سے حفاظت فرما، میں تیری عظمت کے طفیل اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے ڈھکے چھپے دھوکہ دیا جائے"۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ تم کو چاہئے صبح کے وقت یہ دعا پڑھے:

اصبحنا واصبح الملك لله رب العالمین اللهم انی اسالك خیر هذا الیوم فتحه ونصره ونوره وبرکته وهدایته واعوذبك من شر ما فیه وشر ما بعده،

پھر جب شام ہو تو بھی یہی دعا پڑھو (حدیث حسن)

ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنی ایک لڑکی سے فرمایا، کہ جب تم صبح کرو تو یہ دعا پڑھو، کیونکہ اس کا صبح کے وقت پڑھنا شام تک محفوظ رکھے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ رہے گا۔ دعا یہ ہے:

سبحان اللہ و بحمدہ لا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن اعلم ان اللہ علیٰ کل شی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شی علما

یعنی "اللہ پاک ہے اور اسی کی حمد ہے اور خدائے بزرگ و عظمت کے سوا نہ کوئی توفیق ہے اور نہ قوت ہے جو کچھ اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کو محیط ہے"۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی دعا نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کر دے اور تمہارا قرض چکا دے؟

میں نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول، آپؐ نے فرمایا صبح یا شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیا کر۔

اللھم انی اعوذ بک من الھم والحزن واعوذ بک من العجز والکسل واعوذ بک من الجبن والبخل واعوذ بک من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔

یعنی "اے اللہ میں غم واندوہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں عجز و سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں بزدلی اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں قرض کے غلبہ اور آدمیوں کے قہر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم دور کر دیا اور قرض ادا کر دیا، نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے:

اللھم انی اسئلک علما نافعا ورزقا طیبا وعملا متقبلا۔

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم اور پاک رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں"۔

اور آپؐ سے منقول ہے کہ جو صبح کو اور شام کو یہ کلمات کہے تو اللہ پر حق

ہے کہ اس کی ہر التجا مکمل طور پر قبول فرمائے، کلمات یہ ہیں:

اللھم انی اصبحت منك فی نعمة وعافیة وستر فاتمم علی نعمتك عافیتك وسترك فی الدنیا والآخرة، یعنی اے اللہ میں نے تجھ سے تیری حمد وعافیت اور پردہ پوشی پر ہی صبح کی پس مجھ پر اپنی نعمت وعافیت اور پردہ پوشی دنیا اور آخرت میں مکمل طور پر فرما۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جو آدمی صبح وشام سات سات مرتبہ یہ کلمات کہے:

حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم،

یعنی "مجھے میرا اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے"

تو دنیا وآخرت اللہ تعالیٰ میں اللہ تعالیٰ اسے ہر غم میں کافی ہوگا۔ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جو شخص دن کی ابتداء میں یہ کلمات کہے وہ شام تک کسی مصیبت سے دوچار نہ ہوگا اور جو دن کے آخری حصّہ میں کہے گا اسے صبح تک کچھ رنج نہ پہنچے گا۔ کلمات یہ ہیں:

اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیك توکلت وانت رب العرش العظیم ما شاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما اللھم انی اعوذ بك من شر نفسی وشر کل دابة انت اخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط المستقیم۔

یعنی "اے اللہ تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود وکارساز نہیں۔ میں نے تجھ پر توکل کیا، اور تو ہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ بزرگ وبرتر کے سوا نہ کہیں سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ حکم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اے

اللہ میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر جاندار کے شر سے جس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے، تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا۔ انہوں نے جواب دیا "نہیں جلا" اور اللہ تعالیٰ ان کلمات کے باعث ایسا نہیں ہونے دے گا، جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں۔"

نیز آپؐ نے فرمایا، کہ تمام استغفاروں کا سردار (سید الاستغفار) یہ کلمات ہیں:

اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علیٰ عھدك و وعدك ما استطعت اعوذبك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علیّ وابوء بذنبی فاغفر لی انہٗ لا یغفر الذنوب الا انت۔

یعنی، "اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعدہ پر قائم ہوں، جتنی بھر مجھے استطاعت ہے میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو مجھے حاصل ہے اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ پس مجھے بخش دے کیوں کہ تیرے سوا کوئی نہیں بخش سکتا۔"

جو صبح کو یقین کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے، اسی دن مر جائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو شام کو یقین کرتے ہوئے یہ کلمات کہے اور اسی رات فوت ہو جائے تو جنت میں داخل ہوگا اور فرمایا کہ جو صبح و شام سبحان اللہ وبحمدہٖ سو بار کہے تو قیامت کے دن اس سے زیادہ کچھ پڑھے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو دس بار صبح کے وقت یہ کلمات کہے، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہٗ لہٗ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا اور اس سے دس برائیاں مٹا دے گا اور غلام آزاد کرنے کے برابر اسے ثواب حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اس دن شیطان سے محفوظ رکھے گا۔ اور جب شام

جو کسی کا اجر و ثواب نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اگر کوئی ایسا ہی ورد کرے یا اس سے زیادہ

ہو تو پھر اسی طرح کہے تو صبح تک تو صبح تک یہی مذکورہ فوائد حاصل ہوں گے اور آپؐ نے فرمایا کہ جو صبح کرے اور اس دن سو بار یہ کلمات کہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اور یہ دن اس کے لئے شیطان سے حفاظت کا سبب ہوگا، یہاں تک کہ شام ہو جائے، اور اس سے زیادہ کسی کا ثواب نہ ہوگا، ہاں وہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے اور مسند وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھائے اور حکم دیا کہ اپنے گھر میں ہر صبح یہ کلمات کہنے کی تاکید کریں۔ کلمات یہ ہیں:

لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک ومنک والیک اللھم ما قلت من قول او خلفت من خلف او نذرت من نذر فمشیتک بین یدی ذٰلک کلہ ما شئت کان وما لم تشا لم یکن ولا حول ولا قوۃ الا بک انک علیٰ کل شئی قدیر، اللھم ما صلیت من صلوٰۃ فعلی من صلیت وما لعنت من لعنۃ فعلی من لعنت انت ربی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین اللھم فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ ذوالجلال والاکرام فانی اعھد الیک فی ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا واشھدک وکفی بک شھیدا بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت وحدک لا شریک لک لک الحمد وانت علیٰ کل شئی قدیر واشھد ان محمداً عبدک ورسولک واشھد ان وعدک حق ولقاءک حق والساعۃ حق آتیۃ لا ریب فیھا وانک تبعث من فی القبور وانک ان تکلنی الیٰ نفسی تکلنی الیٰ ضعف وعورۃ وذنب وخطیئتہ وانی لا اثق الا برحمتک فاغفر لی ذنوبی کلھا انہ لا یغفر الذنوب الا انت وتب علیّ انک انت التواب الرحیم۔

یعنی" میں حاضر ہوں اے میرے اللہ، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے، وہ تجھ سے ہے اور تیری طرف سے ہے اے اللہ میں نے جو بات کی یا کوئی قسم کھائی، یا کوئی نذر مانی، پس یہ تمام تیری مشیت میرے سامنے ہے. جو تو نے چاہا ہو گیا، اور جو تو نے نہیں چاہا نہ ہوا. اور تیرے سوا نہ کسی سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے. بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے. اے اللہ تو نے جس پر کچھ رحم کیا تو وہ اسی پر ہے. جس پر تو نے رحم کیا اور جس پر تو نے پھٹکار کی وہ اسی پر ہے. جس پر تو نے پھٹکار کی تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے. مجھے بہ حالت اسلام موت دے، دنیا اور نیکوکاروں کے ساتھ ملا دینا. اے اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے غیب و حاضر کے جاننے والے. بزرگی و اکرام والے میں اس حیاتِ دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اور تجھے گواہ بناتا ہوں، اور تیری گواہی کافی ہے. میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے. تیرا کوئی شریک نہیں تیری ہی بادشاہی ہے اور تیری ہی حمد ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں. اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ سچا ہے. تیری ملاقات حق ہے. قیامت حق ہے آنے والی ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، اور جو قبروں میں ہیں تو انہیں پھر سے اٹھائے گا. اگر تو (کام) میرے سپرد کر دے تو ضعف، ناتواں بہ گناہ و خطار کے سپرد کیے اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں، پس میرے تمام گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں. پس میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں، اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تیرے سوا کوئی توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا نہیں.

لباس پہنتے وقت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیّبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے جیسے عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے، "اللھم لك الحمد انت کسوتنیہ اسألك خیرہ وخیر ما صنع له واعوذبك من شرہ وشر ما صنع له (حدیث صحیح)

یعنی اے اللہ تیری لاکھ لاکھ حمد کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لئے بنایا گیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"

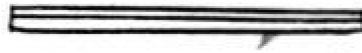
نیز منقول ہے کہ جب آپؐ نیا کپڑا پہنتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد للہ کسانی ما اواری به عورتی واتجمل بہ فی حیاتی - یعنی تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے (لباس) پہنایا جس سے میں اپنی عریانی چھپاتا ہوں اور زندگی میں اس سے زینت حاصل کرتا ہوں۔

اور جو کپڑا کہنہ ہو گیا ہو اسے صدقہ کر دے تو وہ زندگی اور موت میں اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ہوگا اور زندہ یا مردہ حالت میں اللہ کے راستہ میں ہوگا۔ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے ام خالدؓ سے انہیں نیا لباس مرحمت کرتے وقت فرمایا: "اسے بوسیدہ کرو، اسے پرانا کرو۔ پھر بوسیدہ کرو اور

پرانا کرو، یہ دو بارہ فرمایا۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نیا لباس دیکھا تو دریافت فرمایا، کیا یہ نیا ہے یا دھلا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا" یہ نیا ہے آپؐ نے فرمایا نیا (لباس)، خوب پہنو۔ قابلِ تعریف طور پہ جیو اور شہید ہو کر مرو۔



آدابِ خانہ

گھر میں داخل ہوتے وقت اور خانگی مصروفیات کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک گھر میں کبھی تشریف نہ لاتے کہ گھر والوں کو پریشان نہ کر دیں، بلکہ اس طرح تشریف لاتے کہ (گھر والوں) کو پہلے سے آپؐ کی تشریف آوری کا علم ہوتا۔ پھر آپؐ سلام کرتے جب آپؐ اندر تشریف لاتے تو کچھ نہ کچھ دریافت فرمایا کرتے۔ بسا اوقات پوچھتے کہ کیا کچھ کھانے کو ہے؟ اور بسا اوقات خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جب آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد للہ الذی کفانی وآوانی والحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی والحمد للہ الذی من علی اسألک ان تجیرنی من النار۔ یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے، اسی نے مجھے پناہ دی اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے کھلایا اور پلایا ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ پر احسان فرمایا، اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے بچا۔

نیز ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ جب تم ...

اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو۔ یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے باعث برکت ہوگا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح حسن کہا ہے۔

سنن میں روایت ہے کہ انسان جب گھر میں داخل ہو تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے: اللهم انی اسالك خیر المولج وخیر المخرج بسم ولجنا وعلی الله ربنا توكلنا،

یعنی اے اللہ میں تجھ سے بہترین مدخل اور بہترین مخرج کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے توکل کیا"

پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے، اور صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں داخل ہو تو داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرتے، اس وقت شیطان کہتا ہے کہ (اے شیاطین) تمہارے لیے یہاں نہ رات گذارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب داخل ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گذارنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے کہ تمہیں رات کی رہائش اور کھانا دونوں مل گئے۔ (مسلم)

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپؐ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللهم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے سلام عرض کیا۔ آپؐ نے اس کا جواب نہ دیا اور (بعد میں) بتایا کہ ایسے وقت باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ دو آدمی اس طرح حوائج ضروریہ سے فراغت نہ کریں کہ (قریب بیٹھے) ننگے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان (کی بے سری کی باتوں سے) خفا ہوتا ہے، نیز یہ گذر چکا ہے کہ آپؐ حوائج ضروریہ کے وقت

قبلہ کی طرف نہ رخ کرتے نہ بیٹھ کرتے۔

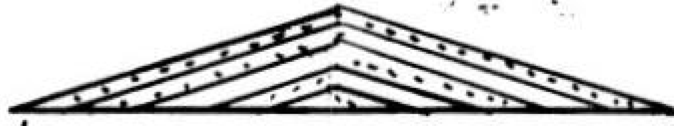
حضرت ابوایوبؓ، سلمان فارسیؓ، ابوہریرہؓ، معقل بن ابی معقل۔ عبداللہ بن حرث بن زبیدی۔ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے مذکورہ حدیث ثابت ہے اور یہ تمام احادیث صحیح و حسن ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ آپؐ نے صرف صحرا میں ایسا کرنے سے منع فرمایا یہ آپؐ سے مختص ہے یہ نہی کی ترجمانی نہیں بن سکتی۔ نیز یہ ابوایوبؓ کی روایت عموم سے ناقص بھی ہے۔

اور جب آپؐ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو کہتے۔ نیز آپؐ سے یہ دعا بھی منقول ہے،

الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی،

یعنی سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کردی اور مجھے بچالیا۔



اذکارِ وضو

آپؐ سے ثابت ہے کہ پانی کے بھرے ہوئے برتن میں ایک دفعہ آپؐ نے ہاتھ ڈالا، پھر صحابہؓ سے فرمایا، اللہ کا نام لے کر وضو کرو۔

اور آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وضو کے لئے آواز دو، چنانچہ پانی لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اے جابرؓ اسے لو اور مجھ پر بسم اللہ کہہ کر ڈالو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ پر پانی بہایا اور بسم اللہ کہا۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے آپؐ کی انگلیوں میں سے پانی کا فوارہ بہتے ہوئے دیکھا۔

امام احمدؒ نے ابوہریرہؓ۔ سعید بن زیدؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے روایت کیا کہ جس وضو میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ وضو ہی نہیں اس کی سند کمزور ہے۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جو وضو مکمل کر لے اور بعد میں یہ پڑھے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ جس دروازے سے چاہے اندر داخل ہو جائے۔

(مسلم)

ترمذیؒ نے یہ دعا مزید لکھی ہے کہ مندرجہ بالا دعا کے بعد آپ نے یہ دعا بھی پڑھی۔

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین

یعنی اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں کردے اور مجھے پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں شامل کردے۔

امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ ابن ماجہؒ نے اور امام احمدؒ نے تین بار کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور تقی بن مخلد نے مسند میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے مرفوعاً لکھا ہے کہ "پھر آپؐ وضو سے فارغ ہوئے تو یہ دعا پڑھی۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف (توبہ کرتے ہوئے) لوٹتا ہوں"

اس دعا پر مہر لگا دی جاتی ہے پھر اسے اٹھا کر عرش کے نیچے پہنچا دیا جاتا ہے اور قیامت تک یہ ضائع نہیں ہوتی (نسائی)

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے صحیح روایت میں آیا ہے کہ فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے موقع پر حاضر ہوا آپؐ سے وضو کرتے وقت میں نے سنا کہ آپؐ دعا کر رہے تھے،

اللهم اغفر لي ذنبي ووسع لي في داري وبارك لي في رزقي۔

یعنی "اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے گھر میں وسعت عطا فرما۔ اور میرے لیے رزق میں برکت عطا کر" میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ اسی طرح دعا کر رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے کچھ بھی باقی رہنے دیا؟



اذکارِ اذان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان ترجیع اور بلا ترجیع ہر طرح ثابت ہے اور اقامت، ایک ایک اور دو (کی صورت) میں مشروع ہے۔ لیکن قد قامت الصّلوٰۃ کا کلمہ آپؐ سے دو ہی مرتبہ کہنا ثابت ہے۔ اس کا افراد قطعاً آپؐ سے ثابت نہیں۔ اس طرح اذان کی ابتدا میں آپؐ سے چار مرتبہ تک کلمہ تکبیر کی تکرار ثابت ہے اور دو بار پر اس کا ختم کرنا ثابت نہیں۔

اور (حضرت ابن عمرؓ) نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے البتہ قد قامت الصّلوٰۃ کا لفظ دو بار کہا جاتا۔

اور حضرت ابو محذورۃؓ کی روایت میں کلماتِ اذان کے ساتھ ساتھ "کلمۂ اقامت" کا دو بارہ کہنا بھی مروی ہے اور یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صورت میں بھی کراہت نہیں۔ اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔ چنانچہ امام رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت اختیار کی۔ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ کی اذان اور حضرت ابو محذورہؓ کی اقامت اختیار کی اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کا عمل دیکھا کہ وہ اذان میں دو تکبیریں کہتے، اور کلمہ اقامت ایک بار کہتے ہیں انھوں نے اسے اختیار کر لیا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ سب نے سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا ہے۔ اذان اور اس کے بعد ذکر سے متعلق امت

کے لئے پانچ صورتیں مشروع ہیں ۔

۱۔ ایک یہ کہ سننے والا مؤذن کے کلمات و الفاظ دوہراتا جائے سوائے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے اس وقت لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیئے۔ ان دونوں کو جمع کرنا مروی ہے۔ بلکہ آپؐ کی سنت یہ ہے کہ اس موقع پر لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا جائے، اور یہ صورت مؤذن اور سننے والے کی طبعی مقتضائے حال کے مطابق ہے ۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیاً کہے یعنی میں اللہ کے رب ہونے ۔ اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا اس کے گناہ بخشے گئے ۔

۳۔ تیسرے مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔

۴۔ چوتھے اذان کے بعد یہ دعا پڑھنا، اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد ـــــ یعنی اے اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ، فضیلہ عطا فرما، اور انھیں مقام محمود عطا فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

۵۔ پانچویں یہ کہ اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے اور اللہ کے فضل کا طلبگار ہو کیونکہ اس کی دعا قبول ہوگی جیسے کہ سنن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس طرح مؤذن کہے اسی طرح تم بھی کہو، جب ختم کر و تو اللہ سے دعا کرو قبول ہوگی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب اذان دینے والا اذان دے اس وقت یہ دعا کرے۔ اللھم رب ھٰذہِ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ النافعۃ صل علی محمد وارض

عنی رضا لا سخط بعدہٗ یعنی ر اے اللہ اس کامل پکار اور فائدہ دینے والی نماز کے پروردگار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما، اور مجھ سے اس طرح کی خوشنودی سے راضی ہو جا کہ جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھا کروں۔

اللھم ان ھذا اقبال لیلك و ادبار نھارك واصوات دعاتك فاغفرلی۔
یعنی، اے اللہ بے شک یہ تیری رات کی آمد تیرے دن کا رجوع اور تجھ کو پکارنے (کا وقت) ہے پس مجھے بخش دے (ترمذی)

اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوامامہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب آپؐ اذان سنتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ المستجابۃ والمستجاب لھا دعوۃ الحق وکلمۃ التقوی توفنی علیھا واحینی علیھا واجعلنی من صالح اھلھا عملا یوم القیامۃ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپ اقامت کے کلمے (قد قامت الصلوۃ کے موقع پر اقامھا اللہ وادامھا کہتے، اور سنن میں مروی ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کیا دعا کریں؟

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگو۔

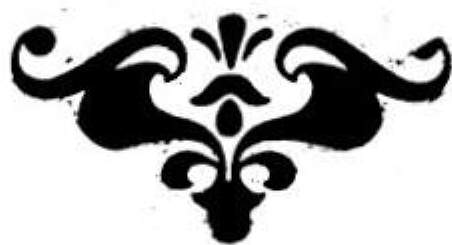
اور دوسری صحیح روایت میں آیا ہے کہ اس میں دو ساعتیں ہیں۔ جن میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اذان کے وقت اور اللہ کے راستہ میں (میدان جنگ کی صف بندی کے موقع پر دعا کرنے والے کی دعا شاذ ہی رد کی جاتی ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ میں

کثرتِ تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید

ذالحجہ کے عشرہ میں آپؐ بکثرت دعا کرتے ، اور کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید فرماتے آپؐ یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر آخری یوم تشریق کی عصر تک تکبیریں کہا کرتے۔

چنانچہ آپؐ پڑھا کرتے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد" یعنی "اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے" وہی سزاوار حمد ہے۔



رویت ہلال کے موقع پر سنّت نبوی ؐ

آپؐ سے ایسے موقع پر اس دعا کا پڑھنا منقول ہے:۔

اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللہ (ترمذیؒ) یعنی: اے اللہ ہم پر یہ چاند امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کر۔ میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے (حدیث حسن)

نیز آپؐ سے چاند دیکھتے وقت یہ دعا بھی مروی ہے۔

اللہ اکبر اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی ربنا وربک اللہ (دارمیؒ)

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور جس پر تو راضی ہے اور پسند کرتا ہے ان باتوں کے ساتھ طلوع ہلال کر۔ ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

قبل وبعد از طعام اذکار نبویؐ

جب آپ کھانا شروع کرتے تو بسم اللہ کہتے اور کھانے والے کو بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتے اور فرمایا کرتے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے اگر ابتداء میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو پھر اس طرح کہے بسم اللہ فی اولہ و آخرہ۔ اور صحیح یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے۔

اصحاب احمدؒ کا ایک قول یہی ہے۔ اور احادیث امر (وجوب) صریحاً صحیح ہیں ان کا کوئی معارض نہیں اور نہ اس کے خلاف اجماعی مروی ہے اور (بسم اللہ) کو چھوڑ دینے والا کھانے اور پینے میں شیطان کا شریک (حصہ دار) ہے۔

ایک فکر انگیز مسئلہ ایک قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ جب کھانے والے ایک جماعت کی صورت میں ہوں۔ اور ایک آدمی بسم اللہ پڑھ لے تو باقی لوگوں سے یہ وجوب ہٹ جائے گا؟ اور شیطان کی مشارکت ختم ہو جائے گی؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا بسم اللہ کہہ لینا باقی کھانے والوں کی جانب سے بھی اسے ادا کر دے گا اور اصحاب شافعیؒ نے اسے سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے پر محمول کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ پڑھے بغیر شیطان کی مشارکت ختم نہ ہوگی۔ اور دوسرے آدمی کی بسم اللہ کسی اور کفایت نہ کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھانے میں حاضر ہوئے، اچانک ایک لڑکی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی آیا۔ آپؐ

نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لیے کھانے کو حلال کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ پہلے وہ اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھائے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اعرابی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا کھائے میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ (شیطان) کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ہمراہ میرے ہاتھ میں (گرفتار) ہے۔ پھر انہوں نے بسم اللہ پڑھی اور کھانے میں شریک ہوئے۔

اب اگر ایک آدمی کی بسم اللہ ہی کافی ہوتی تو شیطان کھانے میں ہاتھ کیوں ڈالتا؟ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانے پر بسم اللہ کہنا بھول جائے اسے چاہیے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قل ہو اللہ احد پڑھ لے یہ روایت مشکوک ہے۔

اور جب آپ کے سامنے سے دستر خوان اٹھالیا جاتا تو اس وقت یہ دعا پڑھتے

الحمد اللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر مکفی ولا مودّع ولا مستغنی عنہ ربنا عزوجل (بخاری)

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، بہت ہی تعریفیں پاکیزہ، برکت والی نہ ایسی جو بے پرواکر دیں یا ترک کر دیں اور جن سے استغنا ہوا ہے ہمارے بزرگ و برتر پروردگار۔

بسا اوقات آپ یہ دعا بھی پڑھتے: الحمد اللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین: یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

نیز یہ دعا بھی پڑھتے: الحمد اللہ الذی اطعم وسقی وسوغہٗ وجعل لہٗ مخرجا۔ امام ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی کھانا کھائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ دعا یہ ہے:۔

الحمد اللہ الذی اطعمنی ھذا من غیر حول منی ولا قوۃ۔ یعنی سب تعریفیں

اُس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا جبکہ نہ مجھے توفیق تھی اور نہ قوت۔

امام بخاریؒ نے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: الحمد للہ الذی کفانا وآوانا یعنی سب تعریفیں اس ذات کے لئے جو ہمیں کافی ہے اور جس نے ہمیں پناہ دی

آپ سے منقول ہے کہ جب کھانا پیش کیا جاتا تو آپؐ بسم اللہ پڑھتے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم اطعمت وسقیت واغنیت واقنیت وھدیت واحییت فلک الحمد علی ما اعطیت۔

یعنی: اے اللہ تو نے کھلایا تو نے پلایا اور تو نے ثروت عطا کی اور تو نے غنا عطا کیا اور تو نے ہدایت دی اور تو نے زندہ کیا۔ پس تیری عطا پر تیری ہی حمد ہے۔

اور سنن میں منقول ہے کہ جب آپؐ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمد للہ الذی من علینا وھدانا والذی اشبعنا وارواناوکل الاحسان آتانا یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں ہدایت دی اور جس نے ہمیں سیر کیا اور سیراب کیا اور ہم پر ہر قسم کا احسان فرمایا۔

نیز سنن میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم بارک لنا فیہ واطعمنا خیرا منہ یعنی، اے اللہ اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہم کو اس سے بہتر کھلا۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دودھ پلائے، وہ کہے: اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ یعنی "اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت فرما اور ہمیں اس (قسم کا طعام) زیادہ عطا کر"

اور آپؐ جب برتن سے پانی پیتے تو تین بار سانس لیتے اور ہر سانس پر الحمد للہ کہتے اور آخر میں الحمد للہ والشکر للہ بھی کہتے۔

آں حضرتؐ کا دستور خانہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو معلوم فرماتے کہ کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟ آپؐ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، بلکہ اگر اشتہا ہوتی تو تناول فرمالیتے

ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے اور خاموش رہتے۔ گاہے گاہے فرماتے کہ مجھے اشتہا نہیں۔ کبھی کبھی آپؐ کھانے کی تعریف بھی فرماتے ایک مرتبہ آپؐ نے سالن کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا صرف سرکہ ہے تو آپؐ نے وہی کھانا شروع کردیا اور فرمانے لگے:

سرکہ تو بہترین سالن ہے۔

اور جب آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جائے اور آپ روزے سے ہوتے تو فرماتے کہ "میرا روزہ ہے" اور حکم دیتے کہ اگر روزے دار کو کھانا پیش کیا جائے تو کھانا پیش کرنے والے کو دعا دو۔ اور اگر روزے سے نہ ہوتے تو تناول فرماتے اور جب آپؐ کو کھانے پر مدعو کیا جاتا اور کوئی دوسرا بھی آپؐ کے ہمراہ ہو جاتا تو آپ دعوت دینے والے کو مطلع کرتے اور فرماتے کہ یہ بھی ہمارے ہمراہ ہے۔ اب اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو۔ ورنہ واپس چلا جائے۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کھانا کھاتے وقت باتیں بھی کر لیتے تھے مثلاً آپ نے ایک خادم سے جو کھانا کھلا رہا تھا فرمایا کہ بسم اللہ کہو اور سامنے سے کھاؤ اور بسا اوقات آپؐ مہمانوں کو کھانے کی کئی بار پیشکش فرماتے جیسے دودھ پینے کا واقعہ حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ پیش آیا۔ آپؐ نے بار بار فرمایا پیو! اور پیو پیو آپ فرماتے رہے۔ آخر ابوہریرہؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اب تو کوئی راہ (خالی) نہیں رہی۔

اور جب آپؐ کسی جماعت کے ہاں کھانا کھاتے، تو دعا دیے بغیر تشریف نہ لے جاتے چنانچہ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن بسر کے گھر میں یہ دعا کی:

اللھم بارك لھم فیما رزقتھم واغفر لھم وارحمھم یعنی اے اللہ تو نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما (مسلم)

اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر میں یہ دعا کی:۔

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ،

یعنی تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا اور نیکوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعائے رحمت کی۔

اور آپؐ کسی کے ساتھ بھی بیٹھ کر کھانے سے نفرت نہ کرتے چاہے وہ چھوٹا یا بڑا ہوتا چاہے آزاد یا غلام، اعرابی یا مہاجر۔ یہاں تک کہ اہلِ سنن نے آپؐ سے روایت کیا کہ آپؐ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا کھاؤ: بسم اللہ ثقۃ باللہ و توکلا علیہ۔

اور آپؐ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم فرماتے اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرماتے اور فرمایا کرتے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور اس ہاتھ سے کھانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے اور یہ ہے بھی درست کہ کھانے والا یا شیطان ہوگا یا اس کے مشابہ۔

اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی نے کھانا کھایا اور بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ دائیں سے کھاؤ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کرے تجھ سے نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا ہاتھ اوپر نہ اٹھ سکا (خشک ہو گیا) اس لئے اگر یہ جائز ہوتا تو آپؐ بد دعا نہ دیتے اگر اس نے تکبر کے باعث آپؐ کے فرمان کی مخالفت کی۔ تو یہ بد دعا کے استحقاق اور نافرمان کا زیادہ مصداق ہوگا اور بعض لوگوں نے درخواست کی کہ ہم سیر نہیں ہوئے آپؐ نے فرمایا اکٹھے مل کر کھانا کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ مت (کھاؤ) نیز بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اس سے برکت ہوگی۔

سلام کرنے اور اذن چاہنے سے متعلق آپکی سیرت طیّبہ

صحیحین میں مروی ہے کہ بہترین اور اعلیٰ اسلام یہ ہے کہ تو کھانا کھلائے اور جاننے والے اور نہ جاننے والے سب کو سلام کرے۔

نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا

فرما کر انہیں حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو اور سنو کہ وہ تمہیں کس طرح سلام کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب سلام یہی ہوگا۔ چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے ان سے کہا: اسلام علیکم۔ انہوں نے جواب دیا۔ السلام علیك ورحمة الله انہوں نے رحمۃ اللہ علیہ کا اضافہ کر دیا۔ نیز آپؐ نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جب وہ سلام کو عام کریں گے تو اُن کو آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی اور (اصول یہ ہے) کہ وہ تب تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ ایمان نہ لے آئیں اور جب تک ان کی آپس میں محبت نہ ہو وہ مومن نہیں ہو سکتے۔!

آدابِ سلام

آپ کی عورتوں بچّوں اور غریبوں پر سلام میں پیشقدمی

صحیح بخاریؒ میں ہے کہ تین باتیں جس نے جمع کرلیں اس نے ایمان کو حاصل کر لیا:۔

(۱) اپنے آپ سے انصاف کرنا۔

(۲) سلام کرنا۔

(۳) اور تنگی کے وقت خرچ کرنا۔

اور سلام کرنے کا مطلب تواضع وانکساری ہے۔ ایسا آدمی کسی کے سامنے تکبّر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر چھوٹے بڑے امیر وغریب جاننے والے اور نہ جاننے والے کو سلام کرتا ہے اور متکبّر کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ وہ اس شخص کے سلام کا جواب بھی تکبّر کے باعث نہیں دیتا جو خود اُسے سلام کرے اس صورت میں وہ خود کیسے کسی کو سلام کرے گا؟

آپؐ بچّوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں سلام کیا (مسلم)

اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ ایک دن عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔

ابوداؤدؒ نے حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہم عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو سلام کیا۔ ترمذیؒ کی بھی یہی روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اور آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تھا۔

اور بخاریؒ نے روایت کیا کہ صحابہؓ ایک مرتبہ جمعہ کے دن واپسی پر عورتوں کے پاس سے

گزرے تو انہیں سلام کیا، انہوں نے جو اور ستو پیش کیے۔

اور عورتوں کو سلام کرنے کا مسئلہ صحیح یہ ہے کہ محرم (جن سے پردہ نہیں ہے) اور بڑھیا وُں سے کو سلام کیا جا سکتا ہے اور دوسری عورتوں کو ممنوع ہے۔

سلام میں پیش قدمی کسے کرنا چاہیے؟

اور صحیح بخاریؒ میں آپ سے مروی ہے کہ چھوٹا بڑے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار چلنے والے کو اور تھوڑے (افراد) زیادہ کو سلام کریں۔

اور جامع ترمذیؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ چلنے والا کھڑے کو سلام کرے اور مسند بزار میں آپؐ سے مروی ہے کہ سوار چلنے والے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور دو چلنے والوں میں سے جو پہل کرے وہ افضل ہے۔

اور سنن ابو داؤدؒ میں ہے کہ جو سلام میں ابتداء کرے وہ اللہ کے ہاں تمام لوگوں سے بہتر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ کسی جماعت کے پاس سے گزرتے تو واپس ہوتے وقت سلام کرتے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بیٹھے تو سلام کرے اور جب کھڑا ہو تو سلام کرے اور پہلا دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں۔

اور ابو داؤدؒ نے آپؐ سے روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے رفیق سے ملے تو سلام کرے اور اگر (چلتے چلتے) کوئی درخت یا دیوار حائل ہو جائے۔ اس کے بعد پھر ملیں دوبارہ سلام کرے نیز حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ چلا کرتے۔ تو اگر راہ میں کوئی درخت یا پتھر آجاتا تو دائیں بائیں ہٹ جاتے اور جب دوبارہ ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ ہے کہ مسجد میں آنے والا سب سے پہلے تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھے، اس کے بعد حاضرین کو سلام کرتے تاکہ تحیۃ المسجد، تحیۃ القوام سے مقدم ہو جائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور سلام کرنا قوم کا حق تھا۔ اس قسم کے حقوق میں اللہ کا حق مقدم ہوتا ہے۔ بخلاف مالی حقوق کے تو ان میں کافی نزاع پایا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کا یہی معمول تھا کہ کوئی صحابیؓ مسجد میں آتا تو سب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرتا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔ اس لیے مسجد میں آنے والے کے لیے تین باتیں ترتیب وار

ضروری ہیں۔ جبکہ مسجد میں کوئی جماعت بھی بیٹھی ہوئی ہو۔ (۱) ایک یہ کہ داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے بسم اللّٰہ و الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللّٰہ (۲) پھر تحیۃ المسجد کے دو نفل ادا کرے (۳) اس کے بعد لوگوں کو سلام کرے۔ اور جب آپؐ رات کو اپنے گھر میں داخل ہوتے تو آپؐ اس طرح سلام کرتے کہ جاگنے والا سن لے اور جو سویا ہو وہ نہ جاگے (مسلم)

امام ترمذیؒ نے کلام سے قبل ہی آپؐ کے سلام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کسی کو دعوت طعام دینے سے قبل سلام کر لو۔ اس کا اسناد اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر عمل ہے اور ابو احمدؒ نے عبد العزیز بن ابی داؤد کی حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سوال سے قبل ہی سلام ہونا چاہیئے اس لئے جو سلام سے پہلے سوال کرے اس کا جواب مت دو اور آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ اس کو اجازت نہ دیتے جو سلام نہ کرتا اور آپ سے منقول ہے کہ جو سلام سے ابتداء نہ کرے اسے اجازت مت دو۔ اس سلسلہ میں سب سے عمدہ ترمذیؒ کی روایت ہے جو انہوں نے کلاۃ بن حنبلی سے نقل کی کہ صفوان بن امیہ نے انہیں دودھ دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی میں اونچی جگہ تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں وہاں داخل ہوا نہ میں نے سلام کیا اور نہ اجازت چاہی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور کہو السلام علیکم ادخل یعنی السلام علیکم کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟

اور جب آپؐ کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تو دروازے کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور کہتے السلام علیکم السلام علیکم۔

جو آپؐ کے سامنے آتا آپؐ خود اس کو سلام کرتے

اور جو چاہتا کہ غائب کو سلام دیا جائے اس کے سلام کی (ذمہ داری) اٹھا لیتے اور اگر کسی نے سلام کیا ہوتا تو وہ سلام پہنچا دیتے جیسا کہ ام المومنین، صدیقہ النساء حضرت خدیجہؓ بنت خویلہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا سلام پہنچایا، جبکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کے پاس کھانا لے کر آئی ہیں۔ انہیں ان کے پروردگار کا

سلام پہنچا دیجیئے اور جنت میں انہیں مکان کی خوشخبری دے دیجیے اور جب آپؐ نے صدیقہ ثانیہ ام المومنین حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپؐ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

امام نسائیؒ نے نقل کیا کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیک۔ آپؐ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا دس (نیکیاں)۔

پھر دوسرا آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور فرمایا بیس اور وہ بیٹھ گیا۔

پھر ایک اور حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپؐ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا تیس (نیکیاں)، (نسائی۔ ترمذیؒ)

آپؐ جس سے ملتے سب سے پہلے سلام کرتے

اور جب آپؐ کو سلام کیا جاتا۔ آپؐ فوراً ہی اس جیسا یا اس سے بہتر جواب دیتے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہوتا جیسے نماز میں مشغول ہوتے یا قضائے حاجت کر رہے ہوتے (تو یہ دیر ہو جاتی)، اور صحابہؓ آپؐ کا جواب سن لیتے۔

آپؐ ہاتھ، سر یا انگلی کے اشارہ سے جواب نہ دیتے۔ سوائے نماز کے، کیونکہ اگر (نماز کی) حالت میں، سلام کیا جاتا تو آپؐ اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ یہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کی کوئی صحیح روایت معارض نہیں۔ ابو عطفان کی حدیث (جو اس کی معارض بنائی جاتی ہے) ایک مجہول آدمی کی روایت ہے، جس نے ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے (کچھ مطلب) سمجھا جائے تو اُسے نماز لوٹانی چاہیے"۔

دار قطنیؒ نے فرمایا، کہ ہمیں ابو داؤدؒ نے بتایا کہ ابو عغفان ایک مجہول آدمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت کیا ہے۔

سلام کی ابتداء کے وقت آپؐ کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ اس طرح سلام کرتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور ابتداء میں اس طرح کہنے کو ناپسند فرماتے: علیک السلام!

ابو جریؓ ہجیمی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا علیک السلام

یارسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ علیک السلام مت کہو یہ مُردوں کا سلام ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں کیونکہ یہی تیرا اور تیری اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہوگا۔ چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے کہا: السلام علیکم انہوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ یعنی انہوں نے رحمۃ اللہ زائد کہا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہے

اہل کتاب کو سلام کرنے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپؐ نے فرمایا: اہل کتاب کے ساتھ سلام میں پہل نہ کرو۔ جب تم راستہ میں ان سے ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف مجبور کر دو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ ایک خاص موقع کا واقعہ ہے۔ جب آپ بنی قریظہ کی طرف گئے تو فرمایا، انہیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اب بات یہ ہے کہ یہ حکم اہلِ ذمہ کے لیے عام ہے یا اس جیسی قوم کے لئے ان حالات سے مخصوص ہے۔ یہ قابل نظر ہے۔

چونکہ صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اگر انہیں کسی راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے اور سلف و خلف میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اکثریت اسی طرف ہے کہ ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔

اور ان کے سلام کا جواب دینے کے وجوب کے متعلق بھی اختلاف ہے جمہور اسے واجب سمجھتے ہیں اور یہی درست بھی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ غیر اولیٰ ہے۔ اور پہلی صورت زیادہ درست ہے۔ اور اس میں فرق یہ ہے کہ ہمیں اہل بدعت سے قطع تعلق کا حکم ہے تاکہ اس سے انہیں تعزیر و زجر کی جائے بخلاف اہلِ ذمہ کے کہ اُن کی حالت دوسری ہے؟

آپؐ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بُت پرست اور یہودی تھے۔ آپؐ

نے انہیں سلام کیا (یہاں آپ کے خطاب سے مراد صرف مسلمان سے بھی ہو سکتا ہے) اور صحیح روایت میں ثابت ہے کہ آپؐ نے ہرقل وغیرہ کو نامہ مبارک لکھا تو یہ سلام لکھا:

(یعنی جو سیدھی راہ چلے اس پر سلامتی ہو[1])

اجازت چاہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

صحیح روایت میں آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اذن چاہنا" تین بار ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اجازت مل جائے۔ تو ٹھیک ورنہ لوٹ جاؤ"۔

اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اذن چاہنا محض دیکھنے کے لیے ہے۔

نیز آپؐ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ جس نے آپکے حجروں میں سے ایک حجرہ میں بھی دیکھنے کی (کوشش کی) اس کی آنکھ نکال دی جائے۔ اور فرمایا کہ اجازت چاہنے کا طریقہ اسی لیے ہے (تاکہ) آنکھوں سے دیکھنے (کی ضرورت نہ رہے) اور صحیح روایت میں آپؐ سے منقول ہے فرمایا: اگر اجازت کے بغیر کسی آدمی نے تیرے (گھر میں) نظر ڈالی اور تو نے اسے کنکر مار دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ فرمایا: جو کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر تانک جھانک کرے تو گھر والوں کو جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو کوئی دیت یا قصاص نہ ہوگا اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اذن چاہنے سے قبل سلام کرنا چاہیئے۔

جب دریافت کیا جائے کہ تم کون ہو؟ جواب دیا جائے فلاں بن فلاں!

یا اپنی کنیت یا لقب ظاہر کرے اور یہ نہ کہے کہ "میں" بلکہ جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے جب دروازہ کھولنے کو کہا تو انہوں نے پوچھا، کہ کون؟

---

[1] اہل کتاب سے متعلق سلام کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت یہی ہے کہ انہیں اگر سلام کیا جائے تو "السلام من اتبع الھدیٰ کہے۔ باقی رہا اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کر دینا یہ بات آنحضرتؐ کی اس انفتاد کے طبع کے بالکل خلاف ہے جو آپنے مشرکین تک کے لیے اختیار کر رکھی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

انہوں نے جواب دیا کہ "جبریل" تمام آسمانوں پہ یہی (سوال وجواب) ہوتا رہا۔

اسی طرح صحیحین میں منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اجازت چاہی۔ آپؐ نے دریافت کیا۔ کون؟ عرض کیا، ابوبکر۔

پھر عمرؓ اور عثمانؓ حاضر ہوئے اور صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ "کون ہے"؟

میں نے کہا: "میں"۔ آپؐ نے فرمایا:

مَیں مَیں گویا کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا۔ اور جب ام ہانیؓ نے اجازت چاہی۔ تو آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا، ام ہانیؓ۔ آپؐ نے کنیت کے ذکر کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اس طرح جب آپؐ نے ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ابوذرؓ، ایسے ہی ابوقتادہؓ سے دریافت فرمایا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوقتادہؓ

رہی وہ اجازت جو کہ اللہ نے غلاموں کو اور ان بچوں کو حکم دی ہے جو ابھی رشد وبلوغت کو نہیں پہنچے اس کے تین مواقع ہیں۔ ایک فجر سے قبل، دوپہر کے وقت اور سوتے وقت۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اس کا حکم فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ لوگوں نے اس پر عمل ترک کر رکھا ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

چھینکنے کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے[1]۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو سننے والے مسلمان پر حق (واجب) ہے کہ جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ رہی جمائی تو یہ شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے اسے روکے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے (بخاریؒ)

اور صحیح روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اُسے چاہیئے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی یا رفیق کو چاہیے کہ جواب میں یرحمك اللہ کہے اور جب وہ یرحمك اللہ کہ چکے تو پہلے شخص کو چاہیئے کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات درست کردے)

اور چھینکنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپؐ نے اپنا ہاتھ یا کپڑا چہرۂ انور پر رکھ لیتے یا (سر نیچا کرتے یا آواز پست فرما لیتے (ترمذیؒ)

نیز آپؐ سے منقول ہے: کہ بڑی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی جانب سے ہے۔

نیز منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جمائی لینے اور چھینک کے وقت آواز کے بلند کرنے کو ناپسند کرتا ہے

اور صحیح روایت میں مروی ہے کہ ایک آدمی کو آپؐ کی مجلس میں چھینک آئی۔ آپؐ نے یرحمك اللہ فرمایا پھر دوبارہ اسے چھینک آئی تو آپؐ نے فرمایا اس آدمی کو زکام ہے۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں (کہ آپؐ نے دوسری

---

[1] اس لیے کہ چھینک ایک حد تک صحت کی علامت ہے اور جمائی یکسر کاہلی اور سستی کی۔ (رئیس احمد جعفری)

مرتبہ فرمایا، لیکن ترمذیؒ نے اس سلسلہ کو سلمہؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چھینک آئی اور میں موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحمك اللہ پھر اسے دوبارہ چھینک آئی، پھر سہ بارہ (ایسا ہوا) (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کو زکام ہے۔ ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔

اور ابوداؤدؒ نے حضرت سعید بن ابی سعید سے انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ تیرے بھائی کو اگر تین بار چھینک آئی تو وہ واقعی چھینک تھی اور جو اس سے زیادہ چھینکا وہ زکام ہے۔ اور چھینک میں سنت وہی ہے جو تین بار ہو۔ یہی نعمت ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور بدن کے ہلکا ہو جانے اور خراب قسم کے بخارات کے خارج ہو جانے کی علامت ہے اور جو تین بار) سے بڑھ جائے (تو بیماری ہے) اس لیے ایسے آدمی کے لیے عافیت کی دعا کرنے کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ زکام ایک مرض ہے اور اس صورت میں اس آدمی کے لیے ایک معقول عذر ہے۔ جس نے تین بار کے بعد تشمیت (دعا کرنا) چھوڑ دیا، اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس مرض کے دفعیہ کے لیے جلدی کی جائے دیر نہ کی جائے ورنہ علاج مشکل ہو جائے گا۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کلام حکمت، علم اور ہدایت پر مشتمل تھے۔

دو اختلافی مسائل

دو مسائل ایسے ہیں جن میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ چھینکنے والے نے جب الحمد للہ کہا تو بعض حاضرین نے سُنا اور بعض نے نہیں سُنا تو جنہوں نے نہیں سُنا کیا انہیں بھی اس کا جواب دینا لازم ہے؟

اس باب میں دو قول ہیں اور ظاہر مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو گیا کہ اس نے حمد کہی تو پھر اس کا جواب ضروری ہے۔ اس میں جواب دینے کے لئے حمد کے الفاظ کا سماع شرط نہ ہونا چاہیئے؛ کیونکہ مقصد تو حمد کرنا ہے جب حمد ہو گئی تو پھر اس کا جواب دینا خود بخود ہی لازم ہو گیا جیسے کوئی گونگا ہو۔ اور حمد کے لئے اس کے ہونٹ ہلتے نظر آجائیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اگر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کا جواب دو، یہی صائب رائے ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حمد ترک کر دے تو حاضرین کے لیے مستحب ہے کہ اسے حمد کرنا یاد کرائیں؟

ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ یاد نہ کرائے کیونکہ (ترک حمد) کرنے والے کی یہ جاہلیت کا نتیجہ ہے۔
اور نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس کا یہ خیال ہے اس نے غلطی کی بچاہیئے کہ اُسے یاد کرادے۔
ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی (یاد کرانا) منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ کام تو نصیحت، امر بالمعروف۔ نیکی اور تقویٰ سے تعاون پر مبنی ہے۔ البتہ ظاہر حدیث ابن عربیؒ کے قول کو قوت دیتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے لیے دعا (یرحمک اللہ) نہیں کی جس نے چھینک کر حمد نہیں کی تھی۔ اور نہ اُسے یاد دلایا تھا۔ یہ اس کی تعزیر کے لیے ہے۔ نیز اس لیے کہ جب اس نے اپنے آپ کو حمد کی برکت سے محروم کر دیا تو وہ دعا کی برکت سے بھی محروم ہو جائے گا۔ اس نے اللہ کو بھلا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے قلوب اور زبانیں اس کو جواب دینے اور اس کے لیے دعا کرنے سے پھیر دیں اور اگر تذکیر مسنون ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے، اس کی تعلیم دینے اور اس کارِ خیر سے تعاون کرنے کے لیے زیادہ اہل تھے

سفر کے اذکار و آداب

سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپسی کے وقت کی دعائیں

دو رکعت نفل سے آغاز صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اُسے چاہیے کہ فرائض کے علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے: اللھم انی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسالك من فضلك العظیم۔ فانك تقدر ولا اقدر و تعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب۔ اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیرلی فی دینی ومعاشی وعاجل امری واجله فاقدرہ لی ویسرہ لی وبارك فیه وان کنت تعلمه شرا لی فی دینی ومعاشی وعاجل امری واجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم رضنی به۔

یعنی: اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ طلب خیر کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ قوت چاہتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قدرت والا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو سمجھتا ہے (تیرے علم میں ہے) کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری معاش، میرے قریب یا دور کے معاملہ میں بہتر ہے۔ پھر اسے میرے لیے مقدر کر دے اور میرے لئے آسان فرما دے اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور تیرے علم میں اس کے اندر میرے لیے میرے دین اور میری معاش اور میرے قریب یا دور کے معاملہ میں برائی (تکلیف) ہے تو اسے مجھ سے ہٹا

لے اور مجھے اس سے ہٹا دے اور خیر جہاں بھی ہے اسے میرے لیے مقدر بن کر دے اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔

اور یہ دعا پڑھنے کے بعد آخر میں اپنی حاجت پیش کرے (بخاری)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے غلط اوہام کی بجائے یہ طریقہ پیش فرمایا، جبکہ جاہلیت کے شگون یا استقسام ازلام کے ذریعہ فال نکالی جاتی تھی جس کی نظیر آج کل قرعہ کی صورت میں اصل زمانہ کے مشرکین اور ان کے رفقاء نکالتے ہیں۔ جس کے ذریعہ وہ دیکھتے ہیں کہ عالم غیب میں ان کے لیے کیا کچھ مقرر ہو چکا ہے؟ (اور جاہلیت کے طریق کار) کو استقسام یعنی باب استفعال سے بتایا گیا، جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا مرحمت فرمائی جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا مرحمت فرمائی، جس میں توحید، اللہ تعالیٰ کی بندگی، احتیاج اور اس پر توکل ہے اور اس ذات سے سوال ہے جس کے ہاتھ میں تمام خیر اور بھلائی ہے۔ اس کے سوا نہ کسی سے بھلائی پہنچ سکتی ہے اور نہ اس کے سوا کوئی دکھوں کو دور کر سکتا ہے جب وہ اپنے بندے پر رحمت کا دروازہ کھولتا ہے تو کوئی اسے بند نہیں کر سکتا اور جب بند کرتا ہے تو شگون علم نجوم یا مطالع دیکھنے سے کوئی اسے کھول نہیں سکتا۔ اس لیے یہ دعا اہل سعادت اور اہلِ توفیق کے لیے نشانِ سعادت و برکت ہے جو اللہ تعالیٰ سے نیکی حاصل کرنے میں سبقت لے گئے۔ اور ایسے بدبخت مشرکین کے لیے اس میں کچھ حصہ نہیں جو اللہ کے ساتھ ساتھ اوروں کو بھی معبود بناتے ہیں۔ وہ عنقریب جان لیں گے۔

اور مسند احمدؒ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا اور اس کی قضا پر راضی ہو جانا بنی آدم کی سعادت کی علامت ہے اور استخارہ کو ترک کر دینا اور اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہونا بنی آدم کی بدبختی کی علامت ہے۔

مقصود یہ ہے کہ استخارہ حقیقت میں اللہ پر توکل کرنا (تمام امور) اسی کو تفویض کرنے اور اس کی قدرت، علم اور انتخاب سے تقسیم چاہنے کا نام ہے اور یہ صفات اپنے پروردگار کے فیصلہ پر راضی ہونے کے لوازمات میں سے ہیں اور جو ایسا نہیں وہ اسلام کا لذت شناس نہیں اور اگر ان صفات کے حصول کے بعد وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی ہو گیا تو یہ اس کی سعادت کی علامت ہے۔

اور بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی

سفر کا ارادہ فرمایا تو یہ دعا بیٹھ کر اٹھتے وقت ضرور کی۔

اللھم بك انتشرت والیك توجھت وبك اعتصمت وعلیك توکلت اللھم انت ثقتی وانت رجائی اللھم اکفنی ما اھمنی وما لا اھتم لہ وما انت اعلم بہ منی عزجارك وجل ثناءك ولا الہ غیرك اللھم زودنی التقوی واغفرلی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت۔

یعنی "اے اللہ میں تیرے ہی سہارے اٹھا ہوں اور تیری ہی طرف رخ کیا ہے اور تیرے ہی (عہد) سے وابستہ ہوں اور تجھی پر توکل کیا ہے۔ اے اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے۔ اور تو ہی میری امید ہے اے اللہ جس کام کا میں اہتمام کرتا ہوں اور جس کا نہیں کرتا ان میں مجھے کفایت فرما اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تیرا ہی پڑوسی عزت والا ہوا اور تیری ثنا بہت زیادہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ مجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا فرما۔ اور میرے گناہ بخش دے اور جدھر میں رُخ کروں میرا رخ بھلائی کی طرف پھیر دے"

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپؐ (سفر پر) تشریف لے جاتے۔

سوار ہوتے وقت کی دعا۔

اور جب آپ سواری پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ پڑھتے:

سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون

پھر پڑھتے: اللھم انی اسألك فی سفری ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھون علینا السفر واطولنا البعد اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا۔

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ میں اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں۔ نیز ایسا عمل جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہم پر سفر آسان فرما دے اور ہمارے لیے اس کے بعد کو لپیٹ دے۔ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر میں نائب ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہمارا ساتھی بن جا، اور ہمارے گھر میں ہمارا نائب ہو جا۔

اور جب سفر سے واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

آئبون تائبون ان شاء اللہ عابدون لربنا حامدون؛ یعنی واپس آنے والے، توبہ کرنے والے اگر اللہ نے چاہا عبادت کرنے والے اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

اور امام احمدؒ نے آپؐ سے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپؐ پڑھا کرتے: انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذبک من اللھم فی السفر واکابۃ فی المنقلب اللھم اقبض لنا الارض وھوّن علینا السفر۔

اور جب واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:۔ تائبون عابدون لربنا حامدون۔

اور جب شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ توبا توبا لربنا اُوبا لا یغادر علینا حوبا۔

صحیح مسلم میں یہ دعا منقول ہے کہ جب آپؐ فرماتے تو یہ کہتے: اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکابۃ المنقلب ومن الحور بعد الکور ومن دعوۃ المظلوم ومن سوء المنظر فی المال والاھل۔

یعنی: اے اللہ تو ہی سفر میں میرا رفیق ہے اور گھر میں نائب (محافظ) ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہماری رفاقت اور ہمارے گھر میں حفاظت فرما۔ اے اللہ میں سفر کی دشواریاں، واپسی کی جگہ کے دکھ اور (سفر) کے پلٹنے کے بعد کے تحیر اور مظلوم کی بددعا اور مال اور گھر میں خراب حالت دیکھنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

آپ رکاب میں پاؤں رکھتے وقت بسم اللہ کہتے تھے

اور جب آپؐ سواری پر چڑھنے کے لیے رکاب میں پاؤں رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب اس کی پشت پر سوار ہوجاتے تو تین بار الحمد اللہ اور تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے:

سبحان اللہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون

پھر پڑھتے: سبحان اللہ تین بار، اس کے بعد لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الضالمین سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ یعنی: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کردیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" "اللہ پاک ہے"۔ تیرے سوا کوئی معبود

نہیں. تو پاک ہے. بے شک میں ظالموں میں سے ہوں تو پاک ہے. بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں.

اور جب آپ سفر کے لیے جانے والے کسی صحابی کو الوداع کہتے. تو یہ دعا کرتے:

استودع اللہ دینك واماننك وخواتم عملك یعنی میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں.

ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے زادِ (راہ) دیجیے:۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تمہیں پرہیز گاری کا توشہ عطا کرے۔

اس نے عرض کیا، مزید (دعا فرمائیے) آپؐ نے فرمایا. اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخشے۔

اس نے عرض کیا مزید عنایت ہو. آپ نے فرمایا اور جہاں بھی تم ہو. اللہ تمہارے لیے بھلائی آسان کر دے۔

نیز ایک آدمی نے عرض کیا میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں. آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ہر بلندی پر تکبیر کہنے کی وصیت کرتا ہوں. چنانچہ جب وہ واپس چلا تو آپ نے دعا کی. اللّٰھم ازولہ الارض وھون علیہ السفر یعنی اے اللہ اس کے لیے زمین سکیڑ دے اور اس پر سفر آسان کر دے. نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے. اور جب ڈھلوان جگہ اترتے تو تسبیح کہتے. اس لیے نماز بھی اس طرح وضع کر دی گئی. حضرت انس نے فرمایا، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب زمین کی اونچی اور بلند جگہ پر چڑھتے تو یہ کہتے.

اللھم لك الشرف علی کل شرف ولك الحمد علیٰ کل حال یعنی اے اللہ ہر بلندی پر تجھے ہی بلندی حاصل ہے اور ہر حالت میں تیری ہی حمد ہے.

اور سفرِ حج میں آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کھلا میدان آتا تو آپؐ نسبتاً تیز چلتے اور فرماتے تھے کہ فرشتے... ایسے (قافلہ) کے ساتھ شریک نہیں ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو اور آپؐ اس بات کو ناپسند فرماتے کہ مسافر تنہا رات کو سفر کرے. آپؐ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ تنہا سفر میں کس قدر (خطرہ) ہے تو وہ رات کو تنہا نہ چلیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ایک (مسافر) شیطان ہے اور دو (مسافر) دو شیطان ہیں

اور تین صحیح طور پر (مسافر) سوا ہیں ، اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تم میں کوئی کسی مقام پر اترے تو یہ دعا پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق یعنی میں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ۔ اللہ کے کلمات کی پناہ مانگتا ہوں ۔ پھر اسے کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرلے ۔

غزوہ میں شرکت کے وقت کی دعا

اور امام احمدؒ نے نقل کیا کہ جب آپؐ غزوہ میں شریک ہوتے یا سفر فرماتے اور آپؐ کو کہیں پر رات آجاتی تو یہ دعا پڑھتے :- یا ارض ربي وربك الله اعوذ بالله من شرك وشر ما فيك و شر ما خلق فيك وشر ما دب عليك اعوذ بالله من شر كل اسد واسود وحية وعقرب ومن شر ساكن البلد ومن شر والد وما ولد، یعنی اے زمین میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے ۔ میں تیرے شر سے اور جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو تجھ میں پیدا کیا گیا اس کے شر سے اور جو تیرے اوپر چلتا ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں ہر شیر، مارِ سیاہ ، سانپ ، بچھو ، شہر میں رہنے والے ، باپ اور پیدا ہونے والے (بچے) کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۔"

نیز آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم سبزہ زاروں میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین میں سے ان کا حصہ دیا کرو اور جب تم ویران مقام میں سفر کرو تو جلدی سے اُسے عبور کر جاؤ ۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ وہاں سے گزرنے میں سرعت اختیار کرو اور جب تم پڑاؤ کرو تو راستہ کو چھوڑ دو ۔ کیونکہ وہ چوپاؤں کی گزرگاہیں ہیں اور رات کو کیڑے مکوڑوں کے مساکن ۔

اور جب آپؐ کسی بستی کو دیکھتے جس میں آپؐ داخل ہونا چاہتے تو اسے دیکھ کر یہ دعا پڑھتے ؛

اللهم رب السموات وما اظللن ورب الارضين السبع وما اقللن ورب الشياطين وما اضللن ورب الرياح وما ذرين انا نسألك خير هذه القرية وخير اهلها ونعوذ بك من شرها وشر ما فيها ۔

یعنی ، اے اللہ آسمان اور جو کچھ ان کے سایہ میں ہے ان کے پروردگار اور ساتوں زمینوں کے رب اور جو کچھ وہ لیے ہوئے ہیں اور شیاطین کے رب اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اور ہواؤں کے رب

اور جنہیں انہوں نے منتشر کر دیا ہم تجھ سے اس کی بستی کی بھلائی اور اس کے رہنے والوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اور سفر میں جب صبح ہو جاتی تو آپؐ یہ پڑھتے: سمع سامع بحمد اللہ ونعمتہ وحسن بلائہ علینا ربنا صاحبنا وافضل علینا عائذ ا باللہ من النار یعنی سننے والے نے اللہ کی حمد، اس کی نعمت اور حسن بلاء کو سن لیا، ہمارے رب اور ہمارے مالک نے ہم پر فضل فرمایا ہم دوزخ سے اللہ کی پناہ چاہنے والے ہیں۔

عورت کو غیر محرم کے ساتھ سفر نہ کرنا چاہیے

یہ کلمات آپ تین مرتبہ دہراتے اور اس موقع پر آواز بلند کر دیتے اور آپؐ مسافر کو اس بات سے منع فرماتے کہ وہ قرآن لے کر دشمن کے علاقے میں سفر کرے کہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اسے لے لے (اور توہین کا مرتکب ہو)

اور آپؐ محرم کے بغیر عورت کو سفر کرنے سے منع فرماتے۔ اگرچہ یہ بریدہ (۱۲ میل) کی مسافت کیوں نہ ہو۔

اور آپؐ مسافر کو حکم دیتے کہ جب سفر میں کام ختم ہو جائے تو جلدی سے اپنے گھر لوٹ آئیے۔ اور جب آپؐ سفر سے واپس تشریف لاتے۔ تو ہر اونچی جگہ تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ کلمہ پڑھتے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔ آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ واپس آنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور یکہ و تنہا تمام گروہوں کو شکست دی۔

بچوں سے آپؐ کا مشفقانہ برتاؤ

نیز اگر سفر کی وجہ سے کوئی دیر تک غائب رہتا تو آپؐ رات کو گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ممانعت فرماتے اور صحیحین میں ہے کہ آپؐ اپنے گھر والوں کا دروازہ رات کو نہ کھٹکھٹاتے بلکہ شام کو یا صبح کو داخل ہوتے اور جب آپؐ سفر

سے تشریف لاتے تو خاندان کے بچوں سے آپ کی ملاقات ہوتی۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ایک بار آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو میں نے آپؐ کی طرف سبقت کی۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے آگے بٹھالیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادے، حسنؓ یا حسینؓ تشریف لائے تو آپؐ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم تینوں ایک سواری پر سوار مدینہ میں داخل ہوئے۔

اور سفر سے آنے والے کے ساتھ آپؐ معانقہ فرماتے اور اگر گھر والا ہوتا تو اس کا بوسہ لیتے۔

زہریؒ نے حضرت عروہؓ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ زیدؓ بن حارثہ مدینہ آئے انہوں نے حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس طرف تشریف لے گئے اور اس حالت میں کہ آپؐ کا کپڑا گھسٹ رہا ہے۔ اللہ کی قسم اس سے قبل یا بعد میں نے آپ کو یوں (گلے میں قمیص نہ ہونا مراد ہے) کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپؐ نے ان سے معانقہ فرمایا اور انہیں بوسہ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب جعفرؓ اور ان کے رفقاء حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور دونوں کو بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور وہاں دو رکعتیں (نفل) پڑھتے۔

اذکارِ نکاح

خطبۂ حاجت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے خطبۂ حاجت سکھایا جو یہ ہے:۔

الحمد للہ الذی نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیأت اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

پھر آپؐ تین آیات کی تلاوت فرماتے:۔

(۱) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

(۲) یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا۔

(۳) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما۔

شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو اسحٰقؒ سے دریافت کیا کہ آیا یہ خطبہ نکاح ہے یا کچھ اور ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہر ضرورت کے لیے ہے۔

اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت یا غلام یا چوپایہ حاصل کرے تو وہ اس کی پیشانی پکڑے

اور اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے اور کہے: اللهم اني اسألك خيرها وخير ما جبلت عليه وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلت عليه
یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو اس کی جبلت ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور میں اس کے شر اور اس کی جبلت کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نکاح کروانے والے جوڑے سے آپؐ فرمایا کرتے بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير، یعنی: اللہ تمہارے لئے برکت کرے اور تم پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا کرے۔

اور فرمایا کرتے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانا چاہے تو یہ دعا پڑھے:۔
بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا یعنی ہم اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے الگ رکھنا اور جو تو ہمیں (بچہ) عطا کرے اسے بھی شیطان سے الگ رکھنا (اس کے پڑھنے سے) اگر اسی دفعہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بچہ ہونا مقدر کر دیا ہے تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا۔

اپنے اہل یا مال میں خوش کن منظر دیکھے تو کیا کہے؟

حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گھر میں یا مال میں یا اولاد میں اگر نعمت عطا کرے اور وہ کہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ تو موت کے سوا کوئی دکھ نہ دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولولا اذ دخلت جنتك قلت ما شاء الله لا قوة الا بالله ۔ یعنی جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا ما شاء الله لا قوة الا بالله۔



بیمار کو دیکھ کر کون سی دعا پڑھی جائے

سکون، خواب، وسوسوں اور شدت غضب کے وقت کی دعائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی بھی کسی بیمار کو دیکھے اور یہ دعا پڑھ لے تو اسے وہ مرض کبھی نہ ہوگا چاہے جو بھی ہو، دعا یہ ہے :۔

الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاك به وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا جس میں تجھے بتلا کیا ہے اور مجھے کثیر مخلوقات پر بہ طور خاص افضلیت بخشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ کے سامنے شگون کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا: کہ اس میں سب سے بہتر فال ہوتی ہے۔ یہ مسلمان کو ضرر نہیں دے سکتی۔ جب تم کوئی شگون دیکھو جسے تم برا سمجھتے ہو۔ تو یہ دعا کرو۔

اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیئات الا انت ولا حول و ولا قوۃ الا بك یعنی اے اللہ صرف تو ہی بھلائیاں عطا کرتا ہے اور صرف تو ہی تکالیف ہٹاتا ہے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔"

اور حضرت کعبؓ یہ پڑھا کرتے تھے: اللھم لا طیر الا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا رب غیرك ولا حول ولا قوۃ الا بك یعنی اے اللہ تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں اور تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں تیرے سوا کوئی رب نہیں اور تیرے علاوہ نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ توکّل کی جڑ ہے اور جنت میں بندے کا خزانہ ہے اور جو بندہ بھی یہ کہے گا۔ پھر اپنے کام میں لگ جائے تو اسے کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وحشت ناک خواب دیکھنے کے بعد کیا کہنا چاہیئے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اچھے خواب اللہ کی جانب سے ہیں اور بُرے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔ اس لیے جو ایسے خواب دیکھے جس میں اس نے کوئی نامرغوب بات دیکھی ہو تو وہ بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ اسے کچھ ضرر نہ ہوگا اور نہ کسی کو بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور صرف اسے بتائے جس سے محبت کرتا ہو اور جو کوئی ناپسند خواب دیکھے اسے حکم فرمایا کہ وہ پہلو کو بدل دے جس پر پہلے (سورہا) تھا اٹھ کر نماز پڑھ لے۔ چنانچہ آپؐ نے پانچ باتوں کا ارشاد فرمایا:

(۱) بائیں طرف تھوک دے۔

(۲) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔

(۳) کسی کو خبر نہ دے۔

(۴) جس پہلو پہ تھا اس کو بدل لے۔

(۵) اور کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

جب اس نے یہ کام کر لیا تو ناپسند خواب اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا بلکہ یہ امور اس کے شر کو دور کر دیں گے۔

اور فرمایا کہ تعبیر نہ جاننے والے آدمی کے سامنے خواب بیان کرنے سے احتراز کرو گے اس نے تعبیر بتا دی تو وہ تم پر پڑ گئی (اس لیے کہ) صرف سمجھ دار اور ایسے آدمی کے سامنے خواب بیان کرو، جس کو تم سے محبت ہو اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے خواب بیان کیا جاتا تو فرماتے: اے اللہ اگر یہ اچھا ہے تو ہمارے لیے ہو اور اگر یہ خراب ہے تو ہمارے دشمنوں کے لیے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس کے سامنے خواب بیان کیا جائے اسے چاہیئے کہ اچھی بات بہ طورِ تعبیر کے کہے اور تعبیر بتانے سے قبل خواب دیکھنے والے سے کہے کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بہت خوب ہے، پھر اس کے بعد تعبیر بتائے۔

اور عبدالرزاقؒ نے معمر سے انہوں نے ایوب سے، انہوں نے ابن سیرین سے نقل کیا۔ بتلاتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خواب کی تعبیر بتانے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: تو نے صحیح خواب دیکھا ہے یہ اس طرح ہے۔

وساوس میں مبتلا ہونا اور ان کا علاج

حضرت صالح بن کیسان نے عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ ابن آدم کے قلب کے ساتھ موکل فرشتے کی رفاقت ہوتی اور ایک شیطان کی رفاقت، فرشتے کی رفاقت بھلائی کا وعدہ کرنا حق کی تصدیق کرنا اور اچھے اجر کی امید دلانا ہوتا ہے اور شیطان کی رفاقت، شر کا وعدہ، حق کی تکذیب اور بھلائی سے ناامیدی، پس جب تم فرشتے کی رفاقت محسوس کرو، تو اللہ کی حمد کرو، اور اس کا فضل مانگو اور جب تم شیطان کی رفاقت محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور استغفار کرو۔

حضرت عثمان بن عاص نے عرض کیا کہ میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تو اسے محسوس کرے۔ تو اللہ کی پناہ مانگ اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے۔

اسی طرح ابی زمیل نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ مجھے سینے میں کچھ (وسوسہ) محسوس ہوتا ہے (ابن عباسؓ) نے پوچھا کیا ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہرگز زبان پر نہ لاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کیا کوئی شک کی کوئی بات؟

میں نے کہا ہاں! وہ کہنے لگے کہ اس سے کوئی بھی نجات نہ پا سکا جب تم سینے میں کچھ (وسوسہ) محسوس کرو تو یہ آیت پڑھا کرو هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم

یہ ضروری ہے کہ ایک غیر مخلوق خالق تک انتہا ہو، جو دوسروں سے غنی ہو، قائم بنفسہ ہو۔ ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ خود موجود بالذات ہو اور ہر چیز اسی سے قائم ہو، قدیم ہو۔ اس کا آغاز نہ ہو، بالذات باقی ہو اور ہر چیز کی بقا اسی سے ہو۔ یہی وہ ذات ہے، جو اوّل ہے کہ اس سے قبل کچھ نہیں۔ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس سے اوپر کچھ نہیں، باطن ہے کہ جس کے پرے (نیچے) کچھ نہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ کہنے والا کہے گا۔ یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اب جس کو اس قسم کی کوئی خلش محسوس ہو وہ اللہ کی پناہ مانگے اور رک جائے۔

شدتِ غضب میں آپ کا قول و فعل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ غصے کی چنگاری کو وضو سے بجھایا جائے اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ چونکہ ابن آدم کے قلب میں غصہ اور شہوت آگ کی چنگاریاں ہوتی ہیں تو آپ نے وضو، نماز اور شیطان الرجیم سے اللہ کی پناہ مانگنے کے ذریعہ ان کو بجھانے کا حکم فرمایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ الخ یعنی "کیا تم لوگوں کو حکم دیتے اور اپنے آپ کو بھلا ڈالتے ہو" اب شدت شہوت بھی ان پر محمول ہو گی۔ چنانچہ جن باتوں سے اس چنگاری کو بجھانے کا حکم دیا وہ صبر اور نماز کے ذریعہ استعانت ہے اور حکم دیا کہ شیطانی وساوس کے موقع پر اللہ کی پناہ مانگو چونکہ تمام معاصی کا صدور غضب اور شہوت ہی سے ہوتا ہے اور غضب کا انجام قتل اور شہوت کا انجام زنا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قتل اور زنا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا اور سورۃ انعام، سورۃ اسریٰ اور سورۃ فرقان میں انہیں آپس کا رفیق قرار دیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی۔ وہ نماز اور استعاذہ سے غضب اور شہوت جیسی قوتوں سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

مرغوب اور نامرغوب کام

اچھے کام کرنے والوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

پسندیدہ چیز پر دعا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔
یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس کی نعمت کے باعث بھلائیاں مکمل ہوتی ہیں۔

اور جب کوئی نامرغوب (تکلیف) کی بات دیکھتے، تو پڑھتے: الحمد للہ علی کل حال یعنی ہر حالت میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

جب کوئی محبوب یا مناسب چیز پیش خدمت کرتا تو آپؐ اس کے لیے دعا فرماتے: چنانچہ جب حضرت ابنِ عباسؓ نے آپؐ کے لیے وضو کا انتظام کیا تو آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو تاویل (تعبیرات) کا علم سکھا۔

اور راستہ میں رات کو جب ابوقتادہؓ نے آپؐ کو تھام لیا۔ جب آپؐ اپنی سواری سے ایک طرف کو جھک سے گئے تو آپؐ نے دعا دی۔ جس طرح تو نبی کی حفاظت کی۔ اس طرح اللہ بھی تیری حفاظت کرے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ اور وہ جزاک اللہ خیراً کہے تو اس نے گویا خوب تعریف کردی۔

اور آپؐ نے عبداللہ بن ابی ربیعہ سے قرض لیا پھر ادا کر دیا اور دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تیرے مال اور اہل میں برکت دے۔ بے شک قرض کا صلہ تعریف کرنا اور ادا کرنا ہوتا ہے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا آپؐ اسے قبول کر کے اس سے زیادہ بدلہ دیتے اور

اگر مستر د کرتے تو عذر فرماتے۔ جیسے آپ نے صعبؓ بن جثامہ سے فرمایا جب انہوں نے شکار کا گوشت پیش کیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا تھا ہم اسے رد نہ کرتے لیکن (اس وقت) ہم احرام سے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے آگ لگ جانے کے موقع پر تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ کیونکہ تکبیر اسے بجھا دے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اہل مجلس اپنی مجلس کو ذکر الٰہی سے محروم رکھیں اور فرمایا کہ جو قوم بھی ایسی مجلس سے اٹھتی ہے۔ جس میں لوگ اللہ کا ذکر نہیں کرتے وہ گویا گدھے کی لاش پر سے اٹھ رہے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جو آدمی ایسی جگہ سے اٹھے جہاں اللہ کا ذکر نہ ہوا ہو اسے اس پر حسرت ہوگی۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں کثرت سے لغو باتیں کر ڈالے۔ اگر اٹھنے سے قبل یہ کلمات کہہ ڈالے تو اس مجلس میں جو کچھ بھی اس سے خطا ہو چکی ہوگی۔ معاف کر دی جائے گی؛ دعا یہ ہے۔

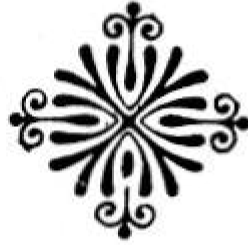
سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔ یعنی: اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک مرتبہ رات کو پریشان خیالی کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم بستر پر جاؤ تو یہ دعا کہو:

اللهم رب السموات السبع وما اظلت ورب الارضين السبع وما اقللت ورب الشياطين وما اضلت كن لي جارا من شر خلقك كلهم جميعا من ان يفرط احد منهم علي او ان يطغى على عز جارك جل ثناءك ولا اله الا انت؛ یعنی: اے اللہ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان کے زیر سایہ ہے ان کے رب اور ساتوں زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کے رب اور شیاطین اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا سب کے رب اپنی تمام کی تمام مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دینے والا بن جا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی نہ کرے یا مجھ پر سرکشی نہ کرے۔ تیرا پڑوسی عزت والا ہوگیا اور تیری ثنا بڑی ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو گھبراہٹ اور اضطراب کے موقع پر یہ دعا بھی سکھایا کرتے تھے

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر غضبہ ومن شر عبادہٖ ومن شر همزات الشیاطین وان یحضرون۔ یعنی میں اس کے غضب اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وساوس کے شر سے اور اس بات سے کہ وہ آن موجود ہوں۔ اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ اسے نیند میں گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو بستر پر جایا کرے تو یہ دعا پڑھا کر۔ پھر آپ نے مذکورہ دعا فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر اس سے یہ گھبراہٹ جاتی رہی۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپسندیدہ الفاظ

انانیت، تکبّر اور نخوت کی مذمت

مشرکانہ الفاظ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی (دوسرے کے نام) کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ اس طرح یہ کہنا (آپؐ کے نزدیک ناپسند تھا) کہ اگر وہ ایسا کرے تو وہ یہودی، نصرانی یا کافر ہو۔ اسی طرح مسلمان کو کافر کہنا اور بادشاہ کو ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ) یا (شہنشاہ) کہہ کر پکارنا اسی پر قاضی القضاۃ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ نیز آقا اپنے غلام یا لونڈی کو یوں کہے عبدی یا امتی میرا بندہ یا میری بندی۔ یا غلام اپنے آقا کو اس طرح پکارے۔ میرے پالنے والے (ربی)، بلکہ آقا کو چاہیئے کہ وہ میرا بچہ، میری بچی کہے اور غلام کو چاہیے کہ وہ میرا سردار یا میری سردار کہا کرے۔

اسی طرح ہوا کے چلنے پر اسے گالی دینا (مکروہ) ہے بلکہ اس وقت دعا کرے آئندہ اس کی بھلائی عطا کرے اور اس کے شر سے پناہ دے۔

اسی طرح بخار کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ فرمایا کہ یہ (بخار) بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتا ہے۔

اسی طرح مرغ کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ صحیح روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مرغ کو گالی مت دو۔ کیونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔

نیز جاہلیت کے نعرے کی طرف بلانا جیسے خاندان اور قوم ونسب کے نام پر بلانا یا فروعی مذاہب طرق اور مشائخ کے نام پر نعرے لگانا اور محض قوم پرستی وغیرہ کے باعث ایک کو دوسرے پر افضلیت

بخشنا۔ نیز مسلمان کو گالی دینا اور تیسرے کو الگ کر کے دو کا آپس میں سرگوشی کرنا یا عورت کا اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کے محاسن بیان کرنا، یا اس طرح دعا کرنا۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر۔ نیز کثرت سے قسمیں کھانا، نیز آسمان پر نظر آنے والے رنگوں کو قوس قزح کا نام دینا، نیز اللہ کے نام پر سوال کرنا، مدینہ کو یثرب کہنا (یہ تمام صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مکروہ ہیں۔

نیز (نامناسب) حرکات میں سے یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنی زوجہ سے جماع یا دیگر آپس کی باتوں کا تذکرہ کرے جیسے کہ بعض لوگوں کی عادتِ خبیثہ ہے۔ نیز زعموا وذکروا وقالوا جیسے الفاظ سے حکایت کرنا بھی ناپسند کرتے تھے۔ نیز یہ کہ بادشاہ کو زمین میں خلیفۃ اللہ یا نائب اللہ کہا جائے کیونکہ خلیفہ اور نائب تو غیر موجود کے ہو سکتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے گھر سے غیر حاضر ہونے والے کا خلیفہ اور اپنے مومن بندے کا کارساز ہے۔

نیز انا، لی، عندی (میں، میرا، میرے نزدیک) کے الفاظ سے بھی بچنا چاہیے۔ کیونکہ انہی تین الفاظ سے ابلیس، فرعون اور قارون گمراہ ہوئے۔

ابلیس انا خیر منه (میں اس سے بہتر ہوں) اور فرعون ولی ملك مصر (اور مصر کا ملک میرا ہے) اور قارون، وانما اوتیته علیٰ علم عندی (اور مجھے یہ (مال وزر) میرے علم کی بنا پر دیا گیا۔ جیسے (متکبرانہ) جملوں سے تباہ ہوا۔

اور سب سے بہتر (انا میں) بندے کے اس قول میں ہے (انا العبد المذنب (میں گناہگار بندہ ہوں) اور لفظ لی جیسے کہ لی الجرم ولی المسكنة (میں مجرم و مسکین ہوں) اور عندی جیسے کہ اغفرلی جدی وھزلی وخطیئی وعمدی وکل ذالك عندی۔ (میرا گناہ، لغزش، خطائیں اور عمداً گناہ بخش دے اور میرے پاس یہ تمام نقائص ہیں۔

جہاد و غزوات میں آپ ﷺ کی سنت طیبہ

جہاد کے اقسام و انواع مختلفہ و متعددہ

آپ نے ہر طرح کے جہاد میں حصہ لیا جہاد چونکہ اسلام کا ایک اعلیٰ اور عظیم الشان مسئلہ ہے۔ اور مجاہدین جنت میں بلند تر مقامات پر فائز ہوں گے۔ جیساکہ انہیں دنیا میں رفعت کی خوشخبری دی گئی تو گویا یہ لوگ دنیا و آخرت ہر جگہ ہی بلند حیثیت کے مالک ہوں گے اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلہ میں ایک بلند تر مقام پر فائز تھے چنانچہ آپ نے (جہاد) کی ہر قسم میں حصہ لیا۔ آپ کے تمام اوقات قلب و زبان اور ہاتھ سے جہاد میں مصروف تھے۔ اور آپ تمام جہانوں سے زیادہ ذاکر اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قابل قدر تھے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کرتے ہی جہاد کا حکم دیا اور فرمایا: ولو شئنا لبعثنا فی کلّ قریۃ نذیرا فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہادا کبیرًا یعنی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔ پس کافروں کی اطاعت مت کرو اور ان کے ساتھ خوب جہاد کرو۔

یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ دلیل، تقریر اور قرآن کی پیغام رسانی کے ذریعہ جہاد کا حکم دیا۔ اسی طرح منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا کہ انہیں دلیل دی جائے ورنہ اسلام کے غلبہ کے سامنے ذلیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا ایہا النبی جاھد الکفّار و المنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنّم وبئس المصیر یعنی "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور

ان پر سختی کرو اور ان کا انجام جہنم ہے اور یہ بہت بُرا ٹھکانا ہے:

اس لیے کفار کی نسبت منافقین کے ساتھ زیادہ شدت کے ساتھ جہاد کا حکم ہے، کیونکہ (منافقین) کے ساتھ جہاد گویا خواص اور وارثین انبیاء کے ساتھ جہاد ہے جو عالم میں منفرد (بظاہر دین کے حامی) اس میں شریک اور معاون ہیں۔ چاہے یہ کم تعداد میں ہوں لیکن ان کا خطرہ زیادہ ہے۔

نیز افضل جہاد یہ ہے کہ سخت ترین مقابلہ کے موقع پر حق بات کہی جائے جیسے کہ جابر حکومت کے سامنے زبان کھولنا جبکہ اس سے ایذا دہی کا خطرہ بھی ہو۔ اس (قسم) کے جہاد میں رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کافی حصہ ہوتا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سلسلہ میں کامل اور مکمل ترین مجاہد تھے۔

نیز اللہ کے اعداء کے مقابلہ میں کیا جانے والا خارجی جہاد بندے کے داخلی جہاد کی فرع اور شاخ ہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجاہد وہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی) کی خاطر اپنی ذات سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جنہیں اللہ نے منع کیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ جہاد بالنفس باہر کے جہاد سے افضل ہے یہ دونوں دشمن ہیں۔ دو بندے کو ان دونوں سے جہاد کرنے کا مکلف کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا دشمن بھی سامنے کھڑا ہے۔ اس سے جہاد کیے بغیر ان دونوں کا مقابلہ کرنا بھی محال ہے۔ اور وہ (تیسرا) بندے کو ان دونوں کا مقابلہ کرنے سے باز رکھنے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان دونوں کے مقابلہ کے موقع پر وہ بندے کو مشقتوں، عیش کے ختم کر دینے، لذات و شہوات کے فوت ہو جانے کا تخیل پیش کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کیے بغیر ان دونوں سے مقابلہ کرنا بہت ہی دشواری بن جاتا ہے۔ گویا اس (سے جہاد کرنا) ان دونوں کے ساتھ جہاد کی جڑ ہے۔

اور یہ (تیسری طاقت) شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا، یعنی: "بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔"

چنانچہ اسے دشمن سمجھنے کا حکم اس بات کا اشارہ ہے کہ اس سے جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے کے لیے پوری وسعت اور ہمت سے کام لینا چاہیے۔ گویا ایسا دشمن ہے کہ بندے سے جنگ کرنے میں قطعاً سُست نہیں پڑتا اور کوتاہی برتتا ہے۔ اس طرح یہ تین دشمن ہیں۔ جن سے بندے کو جنگ کرنے اور

جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس دنیا میں بندہ ان سے مقابلہ کا مکلف بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے اس پر ایک طرح کا امتحان و آزمائش ہے (چنانچہ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب رہے) اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ وہ ان میں سے پرہیز گاروں، احسان کرنے والوں، صبر کرنے والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہے اور (مومن جب اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو اللہ اپنے مومن بندوں کا خود دفاع کرتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہی دشمنوں پر ظفر یابی حاصل کرتے ہیں اور اگر وہ ان کی مدافعت نہ کرتا تو دشمن انہیں اچک لیتے یہ مدافعت ان کے ایمان و یقین کے مطابق ہوتی ہے اگر ایمان قوی ہوگا۔ تو مدافعت بھی قوی ہوگی۔ اس لیے۔ جو بھلائی پائے اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ (تکلیف) دیکھے۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اس قدر ڈرو جتنا کہ ڈرنے کا حق ہے اسی طرح فرمایا کہ جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اور ڈرنے اور پرہیز گاری کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے، نافرمانی نہ کرے اس کا ذکر کرے اسے فراموش نہ کرے۔ اور شکر کرے، کفر نہ کرے۔ اسی طرح جہاد کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ سے جہاد کرے۔ تا کہ اس کا قلب زبان اور تمام جوارح اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو جائیں اور وہ بالکل ہی اللہ کا بن جائے اور اپنی ذات کا نام رہے اور شیطان کے وعدوں کی تکذیب، اس کے حکم کی نافرمانی اور اس کی ممانعت کی مخالفت کر کے اس (شیطان) کا مقابلہ کرے۔ کیونکہ وہ جھوٹی امیدیں دلاتا اور غلط تمنائیں دکھاتا ہے۔ محتاجی کا وعدہ کرتا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ پرہیز گاری، ہدایت، عفت، صبر اور تمام ایمانی اخلاقیات سے منع کرتا ہے اس کے وعدوں کی تکذیب اور اس کے حکم کی نافرمانی کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اس طرح ان جہادوں کے ذریعہ ایک قوت و سطوت پیدا ہو جائے گی جس کے ذریعہ خارج میں بھی اللہ کے دشمنوں کا قلب و زبان، ہاتھ اور مال سے مقابلہ کیا جا سکے گا تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

جہاد کے چار مراتب ہیں | جہاد النفس[۱]، جہاد الشیطان[۲]، جہاد الکفار[۳]، اور جہاد للمنافقین[۴] جہاد النفس کی بھی چار اقسام ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ ہدایت اور دین حق کی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش (جہاد) کرے کیونکہ اس کے بغیر معاش و معاد (دنیا و آخرت) میں نہ فلاح ہے اور نہ سعادت، اور اگر یہ چھن گیا تو دارین کی بدبختی مسلط ہو گئی۔

(۲) دوسرے یہ کہ علم کے بعد عمل کے ذریعہ جہاد کرے۔ ورنہ عمل کے بغیر محض علم اگر مضر نہیں تو فائدہ بھی نہ دے گا۔

(۳) تیسرے یہ کہ جو علم کو نہیں جانتے انہیں سکھائے۔ ورنہ ان میں سے ہو جائے گا کہ جو اللہ تعالےٰ کی نازل کردہ ہدایت اور بینات کو چھپاتے ہیں۔ اور اس کا علم اسے نفع نہ دے گا اور نہ اسے اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ کے دین کی دعوت پر تکالیف اور مخلوقات کی جانب سے آمدہ ایذاؤں پر صبر کرنے کی کوشش (جہاد) کرے اور محض اللہ کی رضا کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرے۔

جب یہ چاروں مراتب حاصل ہو گئے تو وہ ربانیین میں بن گیا۔ کیونکہ سلف کا اس پہ بات پہ اجماع ہے کہ عالم اس وقت تک عالم ربانی نہیں بن سکتا جب تک حق کو نہ پہچان لے۔ اس پر عمل نہ کرے اور دوسروں کو بھی نہ سکھائے اس لیے جس نے علم حاصل کیا، تعلیم دی اور اس پر عمل کیا اسے آسمانوں میں مردِ عظیم (بزرگ) سمجھا جائے گا۔

شیطان سے جہاد کے دو مراتب ہیں

ایک ان شکوک و شبہات کو دور کرنا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور جن سے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان ارادوں اور شہوات کو اپنے آپ سے ہٹانا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔

پہلی نوع کے جہاد کے بعد یقین کامل ہوتا ہے اور دوسرے کے بعد صبر حاصل ہوتا ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون

یعنی "اور ہم نے ان میں سے امام (پیشوا) بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں۔ جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے"۔

اس طرح آپؐ نے بتایا کہ صرف صبر اور یقین کے ذریعہ اقامتِ دین حاصل ہو سکتی ہے صبر، شہوات اور غلط ارادوں کو دور کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات کو ختم کرتا ہے۔

کفار و منافقین کے خلاف جہاد کرنے کے تین مراتب ہیں

ایک ہاتھ سے اگر استطاعت ہو، بہ صورت عجز زبان سے اور

اگر اس سے بھی عاجز ہو تو قلب سے، یہ جہاد کے تین مراتب ہیں۔ جو مر گیا اور اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ تو وہ نفاق کی ایک علامت پر مرا۔

جہاد ہجرت کے بغیر اور ہجرت جہاد و ایمان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے

یہی تین لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی: بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

چونکہ ایمان لانا ہر آدمی پر فرض ہے اس لیے انسان پر ہر وقت دو ہجرتیں لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اخلاص، انابت، توکل، خوف، انابت، توبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کی خاطر ان کی طرف ہجرت۔ آپ کی خبر ہی کی تصدیق اور دوسروں پر آپ کی خبر ہی کو ترجیح دینا چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے پا لے یا عورت (مقصود) ہے جس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف ہو گی۔

لہٰذا اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے اپنے شیطان سے (بچنے) کے لیے جہاد کرنا ہو گا۔ یہ سب فرض عین ہے۔ کوئی دوسرا اس معاملے میں کسی کی نیابت نہیں کر سکتا اور کفار و منافقین کے ساتھ جہاد میں امت کا کچھ حصہ دوسرے حصہ کی نیابت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس طرح مقصود حاصل ہو سکے۔

اللہ کے نزدیک اکمل الخلق وہ ہے جس نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے

اللہ کے ہاں مخلوقات بھی جہاد کے اختلاف مراتب کے باعث مختلف درجات رکھتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے اعلیٰ و اکرام ہیں۔ کیونکہ آپ نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے اور اللہ کی خاطر جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا اور بعثت سے لے کر وفات تک آپ نے جہاد کیا۔

کیونکہ جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ یعنی اے کملی والے اٹھ۔ پس ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔

چنانچہ آپؐ دعوت کے لیے کمربستہ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر مکمل طور پہ منہمک ہوگئے اور دن رات اور پوشیدہ علانیہ ہر طرح تبلیغ کی۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

فاصدع بما تومر یعنی جس کا آپؐ کو حکم ہوتا ہے اس کا کھل کر اعلان کر دیجیے" تو آپؐ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کی۔ چنانچہ آپؐ نے ہر چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد و عورت، سرخ و سیاہ اور جن و انس کو (اللہ تعالیٰ) کا پیغام پہنچایا۔ پھر جونہی آپؐ نے اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور انہیں اپنے (مصنوعی) خداؤں سے الگ ہونے اور غلط رواجات کو ترک کرنے کا حکم دیا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہؓ کی ایذا دہی میں سخت ترین (اوچھے) ہتھیار پر اتر آئے اور کئی انواع کی ایذائیں دینے لگے اور یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنتِ جاریہ ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: مایقال لك الا ما قد قيل الرسل من قبلك یعنی تجھ سے صرف وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وکذالك جعلنا لکل نبیّ عدوا شیاطین الانس والجنّ یعنی اس طرح ہم نے ہر نبی کے انسانوں اور جنات میں سے دشمن بنا دیے ہیں۔

نیز فرمایا: کذالك ما اتی الذین من قبلهم من رّسول الا قالوا ساحرٌ او مجنون اتواصوا به بل هم قومٌ طاغون۔ یعنی "اس طرح ان سے قبل ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا کہ جادوگر ہے یا مجنوں کہا انہوں نے یہی وصیت کی تھی۔ بلکہ وہ ایک شریر قوم ہے"

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے تسلی دی (اور بتایا) کہ پہلے انبیاء میں ان کے لیے بھی اسوہ ہے۔

نیز آپؐ کے اتباع (صحابہؓ) کو بھی تسلی دی فرمایا: ام حسبتم ان تدخلوا الجنّة ولمّا یاتکم مثل الّذین خلوا من قبلکم مسّتهم البأساء والضّرّاء وزلزلوا حتّٰی یقول الرّسول والّذین اٰمنوا معهٗ متٰی نصر اللّٰه الا انّ نصر اللّٰه قریبٌ نیز فرمایا: الٓمّٓ احسب النّاس ان یّترکوا ان یّقولوا اٰمنّا وهم لا یفتنون

ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن الله الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا ساء ما یحکمون من کان یرجو لقاء الله فان اجل الله لآت وهو السمیع العلیم ومن جاهد فانما یجاهد لنفسه ان الله لغنی عن العالمین والذین آمنوا وعملوا الصالحات لنکفرن عنهم سیئاتهم ولنجزینهم احسن الذی کانوا یعملون ووصینا الانسان بوالدیه حسنا وان جاهداك لتشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعهما الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون والذین آمنوا وعملوا الصالحات لندخلنهم فی الصالحین ومن الناس من یقول آمنا بالله فاذا اوذی فی الله جعل فتنة الناس کعذاب الله ولئن جاء نصر من ربك لیقولن انا کنا معکم اولیس الله باعلم بما فی صدور العالمین۔

ع۱ یعنی: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں کے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، کب آئے گی اللہ کی مدد، سن رکھو، اللہ کی مدد قریب ہے۔

ع۲ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم یقین لائے اور ان کو نہ جانچ لیں گے؟ اور ہم نے ان کو جانچا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ سو البتہ اللہ معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کہ ہم سے بچ جائیں۔ بری بات طے کرتے ہیں جو کوئی اللہ کی ملاقات کی توقع رکھتا ہے سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے اور جو کوئی محنت اٹھا تا ہے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے۔ اللہ کو جہاں والوں کی پروا نہیں اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم ان پر سے ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ان کو بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کاموں کا۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ رہنے کی تاکید کر دی اور اگر وہ تجھ سے زور

کریں کہ تو میرا شریک کرے جس کی تجھے خبر نہیں تو ان کا کہا مت مان۔ مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلاؤں گا تم کو جو تم کرتے ہو اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو نیک لوگوں میں داخل کردیں گے اور ایک وہ لوگ ہیں کہ ہم اللہ پر یقین لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں ایذا پہنچے تو لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کے برابر کرنے لگے اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد آ پہنچے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہاں والوں کے۔"

انسان کو چاہیے کہ ان آیات کا سیاق اور ان میں بیان کردہ حکم اور عبرتوں کے خزینے دیکھے کیونکہ جب انسانوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا تو دو باتیں کھل کر سامنے آگئیں۔ ایک یہ کہ کسی نے کہا ہم ایمان لائے اور کسی نے کہا نہیں لائے، بلکہ وہ کفر اور بدی پر جم گئے۔ اب جس نے آمنا کہا (کہ ہم ایمان لائے) پروردگار نے اس کا امتحان لیا، اس کی آزمائش کی اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنے کے لیے اسے فتن میں مبتلا کر دیا اور جس نے کفر و انکار کیا وہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اللہ کو عاجز کر دے گا اور اس پر سبقت لے جائے گا، کیونکہ تمام امور اسی کے سامنے لپیٹے جاتے ہیں۔

وکیف یعتز المرء عنه بذنبه -

اذا کان یطوی فی یدیه المراحل : یعنی :۔ اور انسان اپنے گناہوں کو لے کر اس سے کیسے فرار ہو سکتا ہے۔

جبکہ اس کے سامنے سفر لپیٹا جا رہا ہے۔

اور امام شافعیؒ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کے لیے کیا بات بہتر ہے وہ سطوت حاصل کرلے یا ابتلاء رہے؟

آپؒ نے فرمایا: تب تک اسے تسلط حاصل نہ ہوگا جب تک کہ اس کا امتحان (ابتلاء) نہ ہو جائے۔ اللہ تعالٰے نے بڑے بڑے اولی العزم پیغمبروں (علیہم الصلوۃ والسلام) کو ابتلاء میں ڈالا۔ آخر جب انہوں نے صبر کیا تو انہیں سطوت حاصل ہوئی۔ اس کے لیے کوئی بھی یہ خیال نہ کرے کہ وہ دکھوں سے ضرور ہی محفوظ رہے گا اور مصائب و آلام میں مبتلاء لوگوں کی عقلوں میں بھی تفاوت ہے سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جس نے تھوڑے سے ختم ہو جانے والے دکھ کے عوض طویل ترین اور دائمی دکھ کو بیچ دیا اور سب

سے بڑا بدبخت وہ ہے کہ جس نے طویل ترین اور دائمی دکھ مول لے کر تھوڑا سا ختم ہو جانے والا دکھ بیچ دیا
الغرض اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگوں کا ضرور امتحان لیتا اور انہیں مبتلائے (مصائب وآلام) کرتا، تاکہ امتحان کے ذریعہ پاک اور ناپاک قابلِ محبت واکرام اور ناقابلِ (کفار ومشرکین) کا امتیاز ہو جائے اور قابلِ اصلاح نفوس کو امتحان کے ذریعہ پاکیزہ کر دیا جائے جیسے سونا (گرم کرنے) کے ابتلاء کے بغیر صاف وشفاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "نفس" اصل کے لحاظ سے جاہل اور ظالم ہے اور ظلم وجہالت کے باعث اسے بات کی ضرورت ہوئی کہ اسے پگھلایا جائے اور اس کی صفائی کی جائے اگر اس گھر سے (صفائی وطہارت کے ساتھ) نکلا تو ٹھیک ورنہ جہنم کی بھٹی میں (جانا پڑے گا) اس لیے جب بندہ مہذب ہو گیا اور پاکیزہ اخلاق ہو گیا تو اسے جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی۔

دعوتِ اسلام

کفار کی ایذارسانیاں، مسلمانوں کا استقلال، ہجرت کا حکم

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف دعوت دی۔ تو ہر قبیلہ میں سے اللہ کے بندوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہی۔ چنانچہ صدیق الامت اور اسلام لانے میں پہل کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اللہ کے دین (پھیلانے میں) آپؐ سے تعاون کیا چنانچہ آپؐ نے ان کی رفاقت وصحبت میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہی ابوبکرؓ ہیں جن کی مستعدی کے باعث عثمان بن عفانؓ وطلحہ بن عبیداللہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام قبول کیا۔

نیز صدیقۃ النساء حضرت خدیجہ بنت خویلد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کی اور صدیقانہ صفات کی حامل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے (حضرت خدیجہؓ) نے عرض کیا۔ آپؐ خوش ہوجایئے۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی بھی رسوانہ کرے گا۔ یہی فراست کاملہ تھی جس کے باعث آپؐ اس بات کی مستحق ہوئیں کہ ان کا پروردگار انہیں اپنے رسول جبریل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سلام ارسال فرمائیے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا ایک قول میں آپؓ کی عمر زیادہ مروی ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے۔ انہیں آپؐ نے اپنے چچا سے تربیت کرنے کے لیے لیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ

نیز حضرت زید بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت خدیجہ کے غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کر دیا۔ ان (زید بن حارثہ) کے والد اور چچا فدیہ دینے حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے نبی اکرم صلی علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ آپؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ دونوں وہاں آئے اور عرض کیا: اے عبد المطلب کے بیٹے، اے ابن ہاشم، اے سردارِ قوم کے بیٹے، آپ اللہ کے حرم کے محافظ اور اس کے پڑوسی ہیں۔ آپ مسکین کی مدد کرتے اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم آپؐ کے پاس اپنے بیٹے کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، جو آپؐ کے پاس ہے ہم پر احسان کیجیے اور اس کا فدیہ قبول کر کے ہم پر کرم کیجیے۔

آپؐ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا "زید بن حارثہ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اور کام کیوں نہ کر لیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا وہ کیا ہے!

آپؐ نے فرمایا، زید کو لاؤ۔ میں اسے اختیار دیتا ہوں اگر وہ تمہیں منتخب کر لے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے منتخب کرے تو اللہ کی قسم میں اس آدمی کے نہیں جو اس اختیار سے اختلاف رکھتا ہو۔

ان دونوں نے عرض کیا آپؐ نے انصاف کیا اور بہت ہی خوب فرمایا: چنانچہ انہیں بلایا گیا آپؐ نے فرمایا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

فرمایا میں کون ہوں؟ یہ بھی تمہیں معلوم ہے اور تم نے میری صحبت بھی دیکھ لی اس لیے اب یا مجھے انتخاب کر لو یا ان دونوں کو منتخب کر لو۔

(حضرت زید بن حارثہ) نے عرض کیا، میں کبھی بھی آپ کے علاوہ کسی اور کو منتخب نہیں کروں گا۔ آپ میرے نزدیک باپ اور ماں کے مقام پر ہیں۔

وہ دونوں کہنے لگے، اے زیدؓ تعجب ہے تو آزادی اور اپنے والد اور چچا کے مقابلہ

میں غلامی قبول کرتا ہے ؟

حضرت زید نے فرمایا، کہ ہاں ! میں نے اس ہستی میں ایسی بات دیکھی ہے کہ جس کے باعث میں اس کے سوا کبھی بھی کسی دوسرے کو منتخب کر سکتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ نے یہ معاملہ دیکھا تو انہیں دامن میں لے لیا اور فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ زید میرا بیٹا ہے یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا جب ان کے والد اور چچا نے (خوش کن) منظر دیکھا تو دونوں بہت خوش ہوئے اور واپس چلے گئے۔

غلط نسب کا اختیار کرنا جائز نہیں

اور حضرت زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے آخر اللہ تعالیٰ نے اسلام نازل فرمایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو اپنے والدین کے نام سے یاد کرو۔ چنانچہ اس کے بعد انہیں زید بن حارثہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

جامع معمر میں زہری سے روایت ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ زیدؓ بن حارثہ سے پہلے کوئی مسلمان ہوا ہو۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں خبر دی کہ ان پر اللہ نے اور اس کے رسول نے انعام کیا اور ان کا نام لے کر ذکر کیا۔

ورقہ بن نوفل کا قبولِ اسلام

ورقہ بن نوفل بھی اسلام لائے اور تمنا کی کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نکال دیں گے۔ کاش اس دن میں نوجوان ہوتا اور جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب کے اندر اچھی حالت میں دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں سفید لباس میں دیکھا

آخر لوگ ایک ایک کر کے دین میں داخل ہونے لگے اور قریش نے اس کی مخالفت نہ کی۔ آخر جب آپ نے ان کے بناوٹی خداؤں کا پردہ چاک کیا کہ یہ نفع و نقصان کے مالک نہیں تو یہ لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ حفاظت فرمائی جو قریش کے ایک شریف سردار تھے۔ ان کے باعث تکلیف دینے کی جرأت نہ کرتے تھے اور احکم الحاکمین کی یہ حکمت تھی کہ انہیں اپنی قوم کے دین پر قائم رکھے۔ کیونکہ اس میں سمجھ دار و

کی نگاہوں میں خاص قسم کے مصالح تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ جو صاحب خاندان ہوتا۔ وہ خاندان کے باعث مشرکوں کی ایذاؤں سے محفوظ رہتا ورنہ نہیں چنانچہ بہت سے صحابہؓ کو مشرکین مکہ سے مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں سے عمار بن یاسر، ان کی والدہ اور ان کے گھر والے ہیں، جنہیں اللہ کی راہ میں ایذائیں دی گئیں جب انہیں ایذائیں دی جا رہی ہوتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے اے آلِ یاسر صبر کرو، کیونکہ تم سے جنت کا وعدہ ہے

حضرت بلال کی استقامت

ان میں حضرت بلال بن رباح بھی تھے۔ انہیں اللہ کے راستے میں سخت ترین ایذائیں دی گئیں چنانچہ اللہ کی خاطر ان کی اور ان کی قوم کی سخت اہانت کی گئی اور جوں جوں ایذا دہی میں شدت ہوتی ان کے مُنہ سے احد، احد (ایک خدا ایک خدا) نکلتا۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل وہاں سے گزرتے اور کہتے، ہاں اللہ کی قسم اے بلالؓ ایک ہی (خدا) ہے، ایک ہی (خدا) ہے۔ اللہ کی قسم!

اور جب مسلمانوں کے خلاف کفار کی ایذائیں سخت تر ہو گئیں اور انہیں طرح طرح کے دکھ دیے جانے لگے تاکہ مجبور اور بے بس ہو کر لات اور عزیٰ کی پوجا شروع کر دیں چنانچہ اللہ کا دشمن ابو جہل، عمارؓ بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہؓ کے پاس سے گزرا، انہیں ان کے خاوند اور بیٹے کو قبولِ اسلام کے باعث ایذا دی جا رہی تھی۔ ابو جہل نے ان کی شرمگاہ میں حربہ مار دیا جس سے ان کی شہادت ہو گئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کسی غلام کے پاس سے گزرتے جسے ایذا دی جا رہی ہوتی تو اسے (کفّار) سے خرید لیتے اور آزاد کر دیتے۔ ان میں سے حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہ، ام عبیسؓ، ذنیرہؓ، نہدیہؓ اور ان کی بیٹی تھی اور بنی عدی کی ایک لڑکی بھی انہیں میں شامل تھی جسے عمرؓ اسلام سے قبل ایذا دے رہے تھے۔

اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا۔ اے بیٹے تو کمزور لوگوں کو آزاد کروا رہا ہے اگر تو کسی مضبوط جماعت کو آزاد کرتا تو کسی دن یہ لوگ تیرے کام آ جاتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہی چاہتا ہوں۔

پہلی ہجرت حبشہ کی طرف

اور جب ایذائیں شدید اختیار کر گئیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ پہلے مہاجرین میں سے عثمانؓ بن عفان، ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پہلی بار بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔

عثمانؓ، ان کی زوجہ محترمہؓ، ابو حذیفہؓ، ان کی بیوی سہلہؓ بنت سہیل، ابو سلمہؓ اور ان کی بیوی ام سلمہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن مظعون، عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی ہشمہ، ابو سبرہؓ بن ابی دہم، حاطبؓ بن عمرو سہیل بن وہب اور عبداللہؓ بن مسعود۔

یہ لوگ چھپ کر مسلح حالت میں نکلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کہ ان کے ساحل پر پہنچتے ہی تجار کی دو کشتیاں تیار تھیں، جن میں یہ سوار ہو کر حبشہ کی زمین کو روانہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ہجرت کی۔ قریش بھی ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ساحل تک آئے لیکن ان میں سے کسی کو نہ پکڑ سکے۔ پھر ان مہاجرین کو معلوم ہوا کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ اس لیے پھر لوٹ آئے جب یہ لوگ مکہ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر تھے تو خبر ملی کہ قریش تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے سے زیادہ مخالفت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئے جن میں حضرت ابن مسعود بھی تھے۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپؐ اس وقت نماز میں مصروف تھے، انہوں نے آپ کو سلام کیا آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ابن مسعودؓ کو اس بات سے سخت رنج لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں کلام مت کیا کرو۔

حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کے حکم

حبشہ سے جو مہاجرین واپس ہوئے ان پر اور ان کے خاندان پر قریش کے مظالم پہلے سے شدید تر ہو گئے اور ان لوگوں کو ان سے سخت زحمتیں اٹھانی پڑیں آخر آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

دوسری مرتبہ ان لوگوں کا ہجرت کرنا قریش پر شاق گزرا۔ چنانچہ مہاجرین کو سخت ایذاؤں اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور وہ زیادہ سے زیادہ ہدف ستم بنائے جانے لگے۔ خصوصاً جب قریش کو نجاشی کے حسن سلوک کی خبر ملی۔

دوسری مرتبہ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد تراسی مردوں پر مشتمل تھی بشرطیکہ عمار بن یاسر بھی ان میں شامل ہوں۔ ابن اسحٰق نے فرمایا کہ راوی کو ان کے متعلق شک ہے۔ اس قافلۂ مہاجرین میں انیس عورتیں شامل تھیں۔

شاہ حبشہ کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ

مہاجرین نجاشی کی سلطنت میں اطمینان سے رہنے لگے۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو تحائف اور ہدایا دے کر نجاشی کی طرف بھیجا تاکہ وہ انہیں واپس کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کی فوج کے اعلیٰ افسران نے بھی سفارش کی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے یہ سفاکانہ مطالبہ قبول نہ کیا۔ آخر انہوں نے اسے یہ کہہ کر بھڑکانا چاہا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سخت گستاخی کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ چنانچہ اس نے مہاجرین کو دربار میں بلایا، حضرت جعفر بن ابی طالب اس جماعت کے رہنما تھے۔ جب ان لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت جعفر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جماعت سے داخلہ کی اجازت چاہتی ہے اس نے دربان سے کہا ان سے کہو کہ یہ لوگ اپنی درخواست پھر دہرائیں۔ انہوں نے دوبارہ اس طرح کہا۔ پھر جب یہ جماعت اس کے (دربار) میں داخل ہوئی تو اس نے دریافت کیا کہ آپ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

حضرت جعفر نے کھٰیٰعص کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا بھی زیادہ نہ تھے اس کے پادری چیخے۔

وہ کہنے لگا تم لاکھ چیخو،!

مسلمانوں سے نجاشی نے کہا: جاؤ تم میری سلطنت میں مامون ہو، جو تمہیں ایذا دے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ پھر وہ (قریش) کے دونوں قاصدوں سے کہنے لگا کہ اگر تم مجھے سونے کا گرجا بلکہ پہاڑ بھی دے دو پھر بھی میں مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ اس کے بعد اس نے سردارانِ قریش کے تحائف لوٹا دینے کا حکم دیا۔ آخر یہ لوگ رسوا ہو کر واپس آئے۔

عمّ رسولؐ حضرت حمزہ کا قبول اسلام

حضرت حمزہ اس واقعہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا اور رفتہ رفتہ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو ترقی پذیر دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ معاملہ بڑھ رہا ہے تو وہ جمع ہوئے تاکہ بنی ہاشم، بنی عبد المطلب اور بنی عبد المناف کے خلاف ایک معاہدہ کریں کہ نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے نہ نکاح کریں گے، نہ ان سے کلام کریں گے اور نہ ان کی مجالس میں بیٹھیں گے، جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حوالے نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور اسے کعبہ کی چھت پر لٹکا دیا۔ کہتے ہیں کہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ ایک قول نضر بن حارث کے متعلق بھی ہے، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ آدمی بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بد دعا دی، چنانچہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔

پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے بعض اہل ایمان اور بعض اہل کفر سے مل گئے سوائے ابولہب کے۔ کیونکہ اس نے قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بنی مطلب اور بنی ہاشم کے خلاف اکسایا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا گیا۔ (یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال محرم کی رات کو پیش آیا اور کعبہ کی چھت پر وہ عہد نامہ لٹکا دیا گیا۔

یہ لوگ تین سال تک اس جگہ محصور و نظر بند رہے۔ ان کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرنی بند کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ انہیں سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور شعب (گھاٹی) کے پیچھے سے ان کے بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس موقع پر ابو طالب نے اپنا مشہور

قصیدہ لامیہ لکھا۔

اور اس واقعہ پر بعض قریش راضی تھے اور بعض ناپسند کرتے تھے جو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ ہشام بن عمرو اس سلسلہ میں مطعم بن عدی اور قریش کی ایک جماعت کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی اس کی تائید کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد نامہ کے متعلق آگاہ فرمایا کہ اس پر (اللہ تعالیٰ) نے دیمک بھیجی جس نے ظلم، قطع تعلق اور ستم رسانی کی باتیں چاٹ ڈالیں اور صرف اللہ کا نام مبارک باقی رہنے دیا۔ آپؐ نے اپنے چچا کو اس کی خبر دی، وہ قریش کی طرف نکلے اور انہیں بتایا کہ ان کے بھتیجے نے اس طرح کہا ہے اگر وہ جھوٹا نکلا تو ہم اس کے اور تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور اگر وہ سچا نکلا تو تم مقاطعت اور ظلم سے باز آجاؤ۔ انہوں نے جواب دیا تو نے انصاف کی بات کہی۔

چنانچہ انہوں نے عہد نامہ اتارا اور جب دیکھا تو جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا ویسا ہی معاملہ نکلا اس پر وہ پہلے سے زیادہ کفر پر اتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی رحسب عہد اشعب ابی طالب سے نکل آئے۔

ابوطالبؓ اور خدیجہؓ کا انتقال

ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال وقوع پذیر ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد ابوطالب نے وفات پائی۔ اس کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ عہد نامہ کے ختم ہونے کے فوراً بعد ابوطالب کی وفات اور ام المومنین حضرت خدیجہ کی رحلت کے صدمات آپ کو سہنے پڑے اور قوم کے پست اور ذلیل طبقہ کے لوگوں سے سخت ترین ایذائیں پہنچنے لگیں۔

طائف کا سفر

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے کہ شاید وہ اسلام لے آئیں اور قوم کے مقابلہ میں آپ کے ساتھ تعاون و حمایت کا مظاہرہ کریں۔ آپ نے انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن ان میں سے کسی کو بھی اس طرح مائل یا حامی نہ دیکھا بلکہ انہوں نے آپ کو سخت ترین ایذا دی اور آپ کو اپنی

قوم سے بھی زیادہ خوفناک تکالیف اور زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ آپ کے غلام زید بن حارثہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ وہاں دس روز ٹھہرے آپ وہاں کے سردار کے پاس تشریف لے گئے اور (اسلام) کے متعلق گفتگو فرمائی لیکن وہ کہنے لگے کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اور غنڈوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ نیز اجرت پر بعض لوگوں کو حاصل کیا۔ وہ آپ کو پتھروں سے مارنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو گئے۔ زید بن حارثہ آپ کو بچاتے رہے۔ آخر ان کے سر پر زخم آ گیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے غمزدہ حالت میں واپس تشریف لے آئے راستہ میں آپ نے طائف کے متعلق مشہور دعا فرمائی۔ دعا یہ تھی: اے اللہ میں اپنی ضعفِ قوت اور کمی حیلہ اور لوگوں میں ناتوانی کی تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! تو ہی ضعیفوں کا پروردگار ہے اور تو ہی میرا رب ہے، مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔ اس دور کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کرتا ہے یا ایسے دشمن کی طرف جس کا تو مالک ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں بس تیری (عطا کردہ) عافیت ہی میرے لیے وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس کے صدقے اندھیرے اجالے بن گئے اور دنیا و آخرت کے امور اسی کے طفیل درست ہوئے۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب آئے۔ یا مجھ پر تیری ناراضی ہو۔ میرا چلنا صرف تیرے لیے ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ آپ فرمائیں تو اہل مکہ پر پہاڑ گرا دیں۔ اور یہ دونوں ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے درمیان ہیں۔

آپ نے جواب دیا میں پُرامید ہوں شاید ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جو اس (اللہ) کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کریں۔ واپسی پر جب آپ ایک کھجور کے پاس سے اترے تورات کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور جنات کی ایک چھوٹی سی جماعت آپ کی طرف آئی۔ انہوں نے آپ کی تلاوت سنی مگر آپ کو پتہ نہ چلا یہاں تک کہ آپ سے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ

قالوا انصتوا فلمّا قضی ولّوا الیٰ قومھم منذرین ٭ قالوا یا قومنا انا سمعنا کتابًا انزل من بعد موسیٰ مصدّقا لما بین یدیہ یھدی الیٰ الحقّ والیٰ طریقٍ مستقیم ٭ یا قومنا اجیبوا داعی اللہ وآمنوا بہٖ یغفرلکم من ذنوبکم ویجرکم من عذابٍ الیم ٭ ومن لّا یجب داعی اللہ فلیس بمعجزٍ فی الارض ولیس لہٗ من دونہٖ اولیاء اولٰئک فی ضلالٍ مّبین ٭

یعنی: اور جس وقت ہم نے آپ کی طرف کتنے لوگ جنوں میں سے متوجہ کر دیے وہ قرآن سننے لگے، پھر جب وہاں پہنچ گئے، بولے چپ رہو، پھر جب ختم ہوا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے الٹے پھرے۔ بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتری ہے سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی حق اور سیدھے راہ کی ہدایت کرتی ہے۔ اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ کہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ اور جو اللہ کے بلانے والے کو نہ مانے گا تو وہ زمین میں بھاگ کر اللہ کو نہ تھکا سکے گا اور اس کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں وہ لوگ صریح بھٹکتے ہیں۔

طائف سے مکہ میں آپ کی واپسی

اور وادی نخلہ میں آپ چند دن ٹھہرے۔ زید بن حارثہ نے عرض کیا۔ قریش نے آپ کو نکال دیا ہے اب آپ (مکہ) میں کیسے داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے زیدؓ جیسے تم دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ نکلنے اور کامیابی کی کوئی راہ نکال دے گا۔ وہی اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کو غلبہ دینے والا ہے، پھر آپ مکہ پہنچ گئے۔ چنانچہ آپؐ نے بنی خزاعہ کا ایک آدمی مطعم بن عدی کی طرف بھیجا کہ کیا میں تمہارے جوار میں داخل ہو جاؤں گا؟

اس نے جواب دیا ہاں! اور اپنے قوم اور بیٹوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار پہن لو اور خانہ کعبہ کے ارکان کے پاس کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کے ہمراہ داخل ہوئے اور مسجد حرام تک پہنچ گئے اب مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا اور آواز دی، اے قریش کی جماعت! میں نے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے اس لیے تم میں سے کوئی ان کی اہانت نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن تک تشریف لے گئے اور استلام کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر گھر تشریف لے آئے اور گھر میں داخل ہونے تک مطعم بن عدی کے لڑکے ہتھیار سے مسلح آپؐ کے ساتھ رہے۔

معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پھر مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس تک براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی رفاقت میں آپؐ کو جسمانی سیر کرائی گئی۔ آپ وہاں اترے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو امام بن کر نماز پڑھائی اور مسجد اقصیٰ کے دروازے پر براق باندھ دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپؐ بیت لحم میں اترے اور وہاں نماز پڑھی لیکن یہ قول درست نہیں۔ پھر اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے لیے اجازت چاہی، دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں آپ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا، انہوں نے مرحبا کہا اور سلام کا جواب دیا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا اور اپنی دائیں جانب سعید ارواح اور بائیں جانب شقی ارواح کا (منظر) دکھایا۔

پھر آپ (جبریل) کے ہمراہ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور انہوں نے آپؐ کے لیے دروازہ کھلوایا وہاں آپؐ نے یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو دیکھا، ان سے ملاقات فرمائی اور انہیں سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ تیسرے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپؐ چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا ان سے علیک سلیک ہوئی انہوں نے بھی مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر آپ چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے اور

وہاں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے (سلام کا جواب دے کر) مرحبا کہا۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ ——— کیوں رو دیے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لیے رو یا ہوں کہ میرے بعد ایک جوان کو نبی بنایا گیا اور اس کی امت میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔

اس کے بعد آپ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دے کر مرحبا کہا۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کے بعد بیتِ معمور تک پہنچایا گیا اور اس کے بعد آپ کو اللہ جل جلالہ کے دربار اعلیٰ میں لے جایا گیا۔ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فرق رہ گیا۔ پھر اللہ نے آپ کو حکم بھیجا جو چاہا اور آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ چنانچہ آپ لوٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہوا؟ آپ نے فرمایا پچاس نمازوں کا، وہ کہنے لگے کہ آپ کی امت کو اس کی استطاعت نہ ہوگی، آپ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف التفات فرمایا گویا ان سے مشورہ چاہتے ہوں۔ انہوں نے بھی اشارہ کیا کہ ہاں اگر آپ کی خواہش ہو۔ آخر آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ دوبارہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے اور وہ وہیں تھا۔ بعض طرق میں یہ بخاری کے الفاظ ہیں کہ اللہ نے دس نمازیں معاف فرما دیں۔ پھر آپ اترے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور انہیں خبر دی انہوں نے فرمایا کہ اپنے پروردگار کے حضور پھر جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجیے۔ اس طرح آپ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آتے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب بھی واپس جانے اور تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے بلکہ اب تو میں راضی ہوگیا اور تسلیم کرلیا[۱]۔ جب آپؐ چلے تو ندا کرنے والے نے ندا کی اور کہا کہ میں نے اپنا فریضہ دے لیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

صحابہؓ کا اختلاف رائے صحابہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس شب کو پروردگار کی زیارت کی یا نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ ایک قول یہ بھی ان سے منقول ہے کہ قلب سے دیکھا۔

حضرت عائشہ اور ابن مسعودؓ کا انکار بھی ثابت ہے۔ ان دونوں نے فرمایا ہے کہ ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا، میں نے ایک نور دیکھا ہے۔ یعنی میرے اور اس کی رؤیت کے درمیان ایک نور حائل ہوگیا۔ جیساکہ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا اور عثمان بن سعید داری نے عدم روایت پر صحابہؓ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

---

[۱] میرے نزدیک تخفیف نماز کی یہ روایت اگرچہ بخاری کی روایت کردہ ہے مگر محل نظر ہے۔ درحقیقت یہ روایت ان اسرائیلیات میں سے ہے جو کسی نہ کسی طرح اسلامی اخبار و روایات میں داخل ہوگئی ہیں۔

اس روایت کا ماحصل کیا ہے؟

یہ کہ حضرت موسیٰ، آنحضرت سے زیادہ دوراندیش تھے، آپؐ فخرِ رسل اور خاتم انبیا ہونے کے باوجود ان کی رائے کے مطابق بار بار خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر حاضر ہوئے۔ یہ بات مزاج نبوتؐ کے یکسر منافی ہے۔

آپؐ کے شوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ عبادت کرتے کرتے پائے مبارک متورم ہوجاتے لوگ کہتے آپ تو معصوم ہیں آپ کیوں یہ تکلیف اٹھاتے ہیں؟ آپ جواب دیتے:

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؛

ایسا نبی خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر جاسکتا تھا! کلاّ ثم کلاّ۔ (رئیس احمد جعفری)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ ابن عباس کا قول ہے کہ آپؐ نے رب تعالیٰ کو دیکھا اور آپؐ نے قلب سے دیکھا" آپس میں متضاد نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ کو دیکھا لیکن یہ واقعہ شب اسرا کا نہیں بلکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا جبکہ آپ کی صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ پھر آپؐ نے رب تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی خبر دی۔ اسی بنا پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقت دیکھا اور رویت انبیاء حق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے دو آنکھوں سے بیداری میں دیکھا اور جس نے ان سے ایسا قول نقل کیا ہے۔ اسے غلط فہمی ہوئی چونکہ امام احمد نے ایک بار فرمایا: کہ آپ نے دیکھا ایک بار فرمایا کہ آپ نے روحانی طور پر دیکھا تو اس لیے ان سے دونوں قول منقول ہو گئے۔ امام احمد سے ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن یہ ان کے بعض اصحاب کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ امام احمد کی نصوص موجود ہیں لیکن ان میں یہ قول نہیں ملتا۔

خبرِ معراج کا کفار پر ردِ عمل

جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم آیات دکھائیں۔ انہوں نے سختی سے تکذیب کی اور انتہائی شدت سے ایذا دی اور ضرر رسانی پر اتر آئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ بیت المقدس کا حلیہ بیان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس کی تمام علامت بتانی شروع کیں اور وہ لوگ کسی بھی بات کو رد نہ کر سکے نیز ان کے سامنے راستہ میں اور واپسی پر ایک قافلے کا ذکر بھی کیا اور اس قافلے کے پہنچنے کا وقت بھی بتا دیا اور سب سے اگلے اونٹ کا پتہ بھی بتایا۔ اب معاملہ ایسا ہی تھا، جیسے آپ نے فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی نفرت بڑھتی گئی اور ظالم لوگ انکار پہ مصر رہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ مدینہ روانگی سے ایک سال قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس اور پھر آسمان کی طرف معراجِ روحانی کرایا گیا اور ابن عبد البرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہجرت اور معراج کے درمیان ایک سال دو ماہ کا وقفہ تھا اور معراج ایک بار ہوا۔ ایک قول میں دو

مرتبہ ہوا ایک بار بیداری میں اور ایک بار خواب میں۔ اس قول کے حاملین کا خیال یہ ہے کہ حدیث شریک اور آپ کے فرمان: "پھر میں بیدار ہو گیا" اور دوسری تمام روایات کو جمع کر سکیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ (اسراء) دو بارہ ہوا۔ وحی سے قبل ایک بار جیسے حدیث شریک ہی مذکور ہے اور یہ وحی سے قبل کا ذکر ہے اور ایک بار وحی کے بعد جیسا تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض نے کہا تین بار (یہ واقعہ پیش آیا) ایک بار وحی سے قبل اور دو بار وحی کے بعد حالانکہ یہ تمام خبط ہے اور ارباب نقل کے ظاہر پرست ضعفاء کا کارنامہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قصہ (معراج) میں بعض الفاظ دوسری روایات کے سیاق کے خلاف پڑتے ہیں۔ تو انہوں نے اسے ایک مرتبہ اور ہونا قرار دے دیا۔ اس کے بعد جوں جوں اختلاف روایات محسوس کیا (معراج) کے مزید واقعات مانتے چلے گئے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ائمہ حدیث متفق ہیں کہ واقعہ اسرا بعثت کے بعد اور ایک ہی بار ہوا۔

ہجرت کے متعلق جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور اعداء کے درمیان فرق کرنے کا سبب قرار دیا۔ اور جس سے اپنے دین کو غالب کرنے، اپنے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ابتداء فرمائی۔

زہری فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن صالح سے انہیں عاصم بن عمر قتادہ اور یزید بن رومان وغیرہ سے روایت ملی۔ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی ایام میں تین سال تک مکہ میں چھپ کر کے رہے۔ پھر چوتھے سال اعلان عام کیا اور لوگوں کو دس سال تک دعوت اسلام دی۔ حج کے موسم پر حجاج کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے نیز عکاظ مجنہ، ذی المجاز کے موسمی تہواروں پر بھی آپ تشریف لے جاتے اور دعوت اسلام دیتے اور اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتے (اور فرماتے کہ اگر تم نے قبول کر لیا) تو جنت ملے گی لیکن کوئی بھی آپ کی صدا پر لبیک نہ کہتا نہ حمایت پر تیار ہوتا۔ آخر آپ قبائل کے نام دریافت فرماتے اور ایک ایک قبیلہ کی قیام گاہ کا پتہ چلاتے اور فرماتے۔

اے لوگو! کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود کارساز نہیں) تم عرب کے بادشاہ

بن جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارا دین اختیار کریں گے اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بھی سردار ہو گے۔ ابولہب آپ کے پیچھے رہتا اور کہتا۔

ابولہب کی ایذا رسانیاں

خبردار اس شخص کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ صابی اور کذاب ہے چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شدت سے انکار کرتے اور آپ کو ایذائیں دیتے اور کہتے کہ تیرا خاندان اور قبیلہ تجھے خوب جانتا ہے (اس لیے) انہوں نے تیری اتباع نہیں کی اور آپ انہیں اللہ کی دعوت دیتے چلے جاتے اور کہتے، اے اللہ اگر تو چاہتا تو یہ ایسے نہ ہوتے۔ راوی کہتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن حفصہ، فرارۃ، غسارہ، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو لکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرۃ اور قبیلہ حضرمی، لیکن ان میں سے کسی نے دعوت اسلام قبول نہ کی۔

اہل مدینہ کی آپؐ کی طرف رغبت اور قبولِ اسلام

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی نصرت کے لیے بھی انتظامات کر رکھے تھے۔ اوس اور خزرج مدینہ میں دو قبائل تھے جو یہودیوں میں سے اپنے دوستوں کے ذریعے اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اس زمانے کے اندر ایک نبی مبعوث ہوگا ہم اس کا اتباع کریں گے اور عاد وارم کی طرح تمہیں قتل کریں گے۔ اب عرب لوگوں کی طرح انصار بھی کعبہ مشرفہ کا حج کیا کرتے تھے۔ جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے احوال کا بغور مطالعہ کیا اور بعض انصاری کہنے لگے کہ اللہ کی قسم لوگو جانتے ہو! یہی وہ شخص ہیں جن کا نام لے کر مدینہ کے یہودی تمہیں دھمکایا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر سبقت لے جائیں۔

سوید بن صامت اوس کا ایک آدمی تھا جو مکہ آیا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت دی اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار کیا۔ آخر انس بن رافع، ابوالحیس بن عبدالاشہل کے

چند نوجوانوں کے ہمراہ حلف کے لیے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ایاس بن معاذ جو ایک نوجوان تھا، کہنے لگا اے قوم، اللہ کی قسم ہم جس کام کے لیے آئے ہیں اس سے یہ اسلام بہتر ہے۔ ابوالجیس نے اسے جھڑک دیا وہ خاموش ہو گیا۔ پھر ان کا حلف بھی مکمل نہ ہو سکا۔ اور وہ واپس مدینہ چلے گئے۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر مقام عقبہ پر انصار کے چھ آدمیوں سے ملے جو خزرج کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جن کے نام یہ ہیں:۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن حرث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی اور وہاں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جہاں اسلام داخل نہ ہوا۔ اگلے برس بارہ آدمی حاضر ہوئے جابر بن عبداللہ کے علاوہ چھ پہلے تھے۔ نیز ان کے ہمراہ معاذ بن حرث بن رفاعہ جو عوف مذکورہ کا بھائی تھا اور ذکوان بن عبدالقیس بھی حاضر ہوا اور ذکوان مکہ میں ہی ٹھہر گیا۔ اس نے (بعد میں) مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ چنانچہ ان کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔

نیز عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلب، ابوالہیثم بن تیہان، عویم بن مالک۔ یہ بارہ تھے۔

ابوزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ایام میں لوگوں کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے۔ مجنہ، عکاظ وغیرہ کے تہواروں میں بھی جاتے اور فرماتے۔

کون ہے جو مجھ پر ایمان لائے، میری حمایت و نصرت کرے حتیٰ کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دوں، اسے جنت ملے گی۔

لیکن کسی کو حامی و ناصر نہ پاتے، معاملہ یہاں تک آن پہنچا تھا کہ کوئی آدمی مصر یا یمن سے اپنے قرابت داروں سے ملنے آتا تو آپ کی قوم اس کے پاس آتی اور کہتی۔

دیکھنا بچنا، قریش کا نوجوان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔ آپ ان لوگوں میں تشریف لے جاتے اور انہیں دین کی دعوت دیتے اور (قریش) آپ کی طرف انگلیوں سے اشارے کر رہے

ہوتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے لوگ بھیجے۔ان میں سے ایک آدمی آتا اور ایمان لاتا پھر آپ اس کے سامنے قرآن پاک پڑھتے۔ وہ واپس لوٹ جاتا اور اس کے اسلام کے باعث اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے حتیٰ کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت نہ پائی جاتی ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی طرف بھیجا۔ہم جمع ہوئے اور عقبہ کے مقام پر ہم نے بیعت کی۔آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا۔

اے میرے بھتیجے!میں اس قوم کو کچھ (قوی) نہیں سمجھتا جو تیرے پاس آتے ہیں۔ میں اہل یثرب کو خوب جانتا ہوں۔ پھر ایک دو آدمی آپ کے پاس حاضر ہوئے۔حضرت عباس ان کے چہروں پر غور سے دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اس قوم کو نہیں جانتے یہ نئے ہیں۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں!

آپ نے فرمایا ہر حالت میں سننے اور اطاعت کی۔خوشی اور سستی میں، تنگی و فراخی میں اللہ کے لیے خرچ کرنے پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اس بات پر کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور ملامت سے نہ ڈرو اور اس پر کہ جب میں وہاں آجاؤں تو میری نصرت کرو اور جس سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اولاد کو بچاتے ہو۔ اسے مجھ سے بھی ہٹاؤ پھر تمہارے لیے جنت ہے۔

اسعد بن زرارہ کا انتباہ

ہم بیعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔اسعد بن زرارہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔اے اہل یثرب ٹھہرو! ہم ان کی طرف اونٹوں پر بار بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور آج اس کا نکالنا تمام عرب کی مفارقت تمہارے بڑوں بڑوں کے قتل اور تمہارے ساتھ تلواروں سے جنگ کے برابر ہے۔اب اگر تم اس بات پر استقلال (صبر) دکھا سکتے ہو۔تو بیعت کر لو اور تمہارا اجر اللہ کے ہاں ہوگا۔اور اگر تمہیں اپنے آپ کا ڈر ہے تو بے شک اللہ کے ہاں تمہارا عذر ہے۔

اسلام مدینہ میں

وہ کہنے لگے اے اسعد ہم سے اپنا ہاتھ ہٹاؤ ہم اس بیعت سے نہیں ہٹیں گے۔ پھر ہم ایک ایک کر کے اُٹھے اور آپ نے ہم سے

وعدہ لے کر جنت کی خوشخبری عطا فرمائی اس کے بعد یہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ عمرو بن ام مکتوم اور معصب بن عمیر دو صحابی بھیجے جو مسلمان ہوئے۔ یہ دونوں صحابی انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ یہ دونوں صحابی ابی امامہ اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے جب یہ چالیس کی تعداد کو پہنچ گئے تو معصب بن عمیر ہی ان کو جمع کرتے اور امامت کے فرائض انجام دیتے۔ آخر ان دونوں صحابیوں کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں لوگ اسلام لائے: اسیدؓ بن حضیر اور اسعد بن معاذ انہی میں شامل ہیں۔ نیز ان دونوں کے اسلام لانے پر نبی عبدالاشہل کے تمام مردوں اور عورتوں نے سوائے عمرو بن ثابت بن وقس کے اسلام قبول کیا۔ عمرو بن ثابت یوم احد کو اسلام لایا اور اس وقت جہاد میں شریک ہوا اور ایک بھی سجدہ کرنے سے پہلے شہادت پائی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عمل قلیل تھا اور اجر کثیر

پھر مدینہ میں اسلام پھیل گیا اور غالب ہونے لگا۔ اس کے بعد معصب مکہ واپس آگئے۔ اور اس سال حج کے موقع پر کثرت سے انصاری مسلمان شریک ہوئے مشرکین اور براء بن معرور کا سردار حاضر خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ عقبہ کی آخری رات جب رات کا ابتدائی ثلث گزر چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تہتر ۷۳ مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں نے اپنی قوم اور مکہ کے کفار سے پوشیدہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تاکہ یہ لوگ جس بات سے اپنی عورتوں، بچوں اور بڑوں کی حفاظت کرتے ہیں آپ کی بھی حفاظت کریں اس رات کو سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی، جب اس نے بیعت کی تو اس کا ہاتھ سفید تھا اس نے آپ کی طرف جلدی کی اور حضرت عباس اس کی بیعت کو مؤکدّ کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت یہ اپنی قوم کے دین پر تھے اور اس رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ کا انتخاب فرمایا جن کے اسمائے مبارک حسب ذیل ہیں:۔

اسعد بن زرارۃ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براء بن معرور عبداللہ

بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد تھے اور اسی رات کو یہ اسلام لائے تھے۔ سعد بن عبادہ
منذر بن عمرو اور عبادہ بن صامت یہ مذکورہ حضرات تو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور تین
افراد قبیلہ اوس سے انتخاب فرمائے، اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبدالمنذر۔
ایک قول میں رفاعہ کی جگہ ابوالہیثم بن تیہان کا نام لیا گیا ہے۔ دو عورتیں یہ تھیں: ام عمارۃ نسیبہ
بنت کعب بن عمرو اور یہی وہ عورت ہیں کہ جن کے لڑکے حبیب بن زید کو مسیلمہ نے شہید
کیا تھا اور دوسری عورت اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں۔

جب یہ بیعت مکمل ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ سے اجازت چاہی کہ کیا اہلِ
عقبہ پر اپنی تلوار سے مسلح ہو کر حملہ کر دیں؟ آپ نے انہیں اس بات کی اجازت نہ دی۔ اور
شیطان اہلِ عقبہ کو سنانے کے لیے چلاّیا۔ جیسے دور سے آواز آ رہی ہو۔ اے اہل خاشب
تمہیں معلوم ہے کہ محمد اور اس کے صابی ساتھی تمہارے خلاف جنگ کرنے کے
لیے جمع ہو چکے ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن میں تیرے
لیے ضرور فارغ ہوں گا۔

اہل مدینہ کے قبول اسلام پر قریش کا اضطراب

پھر آپ نے حکم دیا کہ اپنے اپنے رحال میں چلے جاؤ۔ چنانچہ جب
صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے سردار قبائل انصار کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قوم
خزرج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم گزشتہ رات ہمارے اس آدمی (حضرت محمدؐ) سے ملے ہو
اور تم نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تم نے ہمارے مقابلہ میں لڑنے کی بیعت کر لی ہے۔
اللہ کی قسم، عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں کہ جو ہمیں اس سے زیادہ مبغوض ہو۔

چنانچہ خزرج کے مشرکین کھڑے ہوئے اور انہوں نے یقین دلانے کی خاطر قسمیں کھانے
لگیں۔ کہ نہ یہ بات تھی اور نہ ہمیں اس کا علم تھا۔

اور عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ یہ غلط ہے۔ یہ بات ہی نہ تھی اور میری قوم اس جیسے آدمی سے
مبتلائے فتنہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر میں یثرب میں ہوتا کہ میری قوم میرے مشورے کے بغیر
ایسی بات نہ کرتی۔ چنانچہ قریش لوٹ کر چلے گئے اور براء بن معرور نے کوچ کیا اور وادی

باجج میں اپنی مسلمان قوم سے جا ملا۔ قریش نے بھی انہیں تلاش کیا اور سعد بن عبادہ کو پکڑ لیا اوران کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ رسی سے باندھ دیا اور مارنے اور گھسیٹنے لگے اوران کے بال نوچنے لگے، یہاں تک کہ انہیں مکہ لے آئے۔ آخر مطعم بن اور حرث بن حزب بن امیہ آئے اور انہوں نے ان کو چھڑایا۔ جب انصار نے انہیں نہ پایا تو آپس میں واپس جانے کے لیے مشورہ کیا۔ (ابھی مشورہ کر رہے تھے) کہ سعد ان کے پاس واپس پہنچ گئے اور سب انصاری واپس مدینہ چلے گئے۔

مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سب سے پہلے ابوسلمۃ بن عبدالاسد اوران کی بیوی سلمۃ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن (ام سلمۃ) کو روک دیا گیا اور ایک سال تک محبوس رکھا گیا۔ نیز ان کا بچہ بھی ان سے الگ کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد یہ اپنے بچے کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔

اس کے بعد لوگ کثرت سے یکے بعد دیگرے مدینہ جانے لگے آخر مکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور علیؓ کے سوا کوئی مسلمان نہ رہا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

اہل مدینہ کا جوش وخروش کے ساتھ والہانہ استقبال

مشرکین کی چال جب مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مدینہ جا چکے اور اپنے بیوی، بچوں اور مال و دولت کو لے کر اوس اور خزرج کے پاس پہنچ چکے ہیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ (مدینہ) ان کے لیے ایک جائے امن بن چکا ہے۔ اور ویسے بھی اہلِ مدینہ شوکت وسطوت کے مالک ہیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ بھی وہیں تشریف نہ لے جائیں۔ ایسا ہوا تو یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ وہ دار الندوہ (مشورت خانہ) میں جمع ہوئے اس موقع پر وہاں کے حل وعقد میں سے کوئی بھی غیر حاضر نہ تھا۔ کہ آپ کے بارے میں صلاح کی جائے۔ نیز ان کا بڑا ابلیس" بھی ایک نجدی بوڑھے کی صورت اختیار کر کے کمبل اوڑھے شریک ہوا۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خوب تبادلہ خیالات کیا۔ ہر آدمی اپنی رائے پیش کرتا لیکن یہ بوڑھا ابلیس (اسے رد کر دیتا اور اس پر رضامندی ظاہر نہ کرتا۔

آخر ابو جہل کہنے لگا۔ میرے ذہن میں ایک ایسی اسکیم آئی ہے۔ جس تک ابھی تمہارا ذہن نہیں پہنچ سکا۔

کہنے لگے: وہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، میرا خیال ہے کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ کا ایک مضبوط اور نوجوان

لیں پھر انہیں تیز تلواریں دیں اور وہ یکبارگی ایک آدمی کی طرح محمد پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح ان کا خون قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ اس کے بعد بنی عبد المناف کی کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ اب کیا کیا جائے! کس سے انتقام لیں! کیونکہ تمام قبائل سے دشمنی مول لینا ان کے لیے محال ہو گا آخر ہم سب مل کر ان کی دیت ادا کر دیں گے۔

بوڑھا (ابلیس) کہنے لگا اس نوجوان نے کیا خوب کہا، خدا کی قسم رائے ہے تو یہ ہے! کہتے ہیں کہ اس عہد کے بعد یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے وحی لے کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا کہ آج رات آپؐ اپنے بستر میں نہ سوئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو چہرہ ڈھانکے حضرت ابوبکر کے ہاں تشریف لائے یہ تشریف آوری بالکل خلاف معمول تھی۔

آپ نے فرمایا تمہارے ہاں جو (آدمی) بھی ہو اسے باہر کر دو۔

انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے گھر کے ہی لوگ ہیں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے ہجرت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا مجھے شرف رفاقت حاصل ہو گا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

حضرت ابوبکر نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میرے پاس دو سواریاں ہیں ایک قبول فرمائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت دے کر (لوں گا)! اور حضرت علیؓ سے فرمایا آج کی رات تم میرے بستر پر سو جاؤ۔

قریش کے لوگ جمع ہو کر دروازے کی نگرانی کرنے لگے کہ موقع پاتے ہی ٹوٹ پڑیں۔ یہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کون سب سے بڑا بدبخت اور شقی ہو گا۔ جو یہ کام (قتل محمدؐ) انجام دے گا!

آں حضرتؐ کا مقصدِ ہجرت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے میدان سے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے اُنکے سر کی طرف پھینکا، کیفیت یہ تھی کہ وہ آپ کو دیکھ نہیں رہے تھے اور آپ یہ ایک آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فأغشیناھم فھم لا یبصرون۔ یعنی، اور ہم نے ان کے سامنے آڑ کر دی اور ان کے پیچھے آڑ۔ پس ہم نے ان پر بے ہوشی طاری کر دی کہ وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی طرف تشریف لے گئے۔ بعدازاں دونوں خانۂ صدیق کے ایک خیمہ سے باہر نکلے۔ اس اثنا میں ایک آدمی آیا اور آپ کے دروازے پر لوگوں کو دیکھا تو پوچھا: کس کا انتظار کر رہے ہو؟

جواب ملا محمدؐ کا!

وہ کہنے لگا تم نامراد و ناکام رہے۔ اللہ کی قسم وہ تمہارے قریب سے گزر کر جا چکے ہیں اور تمہارے سر پہ مٹی ڈال کر گئے ہیں، وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم نے انہیں نہیں دیکھا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھے۔

ان کے نام جو آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یہ ہیں:۔ ابوجہل، ابولہب ابی بن خلف اور حجاج کے دونوں لڑکے بنیہ اور منبہ۔ حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعۃ بن اسود، طعیمہ بن عدی۔

حضرت علیؓ اور کفار قریش

جب صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے اٹھے۔ کفار نے علیؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا، میں کیا جانوں!

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ مکڑی نے دروازے پہ جالا تن دیا اور عبداللہ بن اریقط لیثی کو جو راہ نما تھا۔ اجرت پر لے لیا گیا وہ قریش کے دین (شرک) پر تھا لیکن اس سلسلہ میں امین تھا۔ آپ

نے دونوں سواریاں اس کے حوالے کیں اور تین روز کے بعد غارِ ثور پر ملنے کا وعدہ فرمایا قریش نے جستجو میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، انہیں قائفہ تک بھی سہنا پڑا۔ آخر غار کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اور وہاں ٹھہر گئے صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اگر کسی آدمی نے اپنے قدموں تلے دیکھ لیا تو ہم نظر آ جائیں گے۔ آپؐ نے عرض کیا اے ابوبکرؓ تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے کہ جن کا تیسرا رفیق اللہ ہے۔ غم مت کرو۔ کیونکہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور حالت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر باہر والے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کا معاملہ کفار پر پوشیدہ کر دیا۔ عامر بن فہیرۃ بکریاں چرانے کے بہانے آپ کے پاس آیا کرتا اور مکہ کی خبریں سن کر آپؐ کو اطلاع کر دیا کرتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم نے انتظام (سفر) کیا اور ایک چمڑے کی تھیلی میں آپؐ کا زادِ راہ رکھ دیا۔ پھر اسماءؓ بنت ابی بکر نے اپنے نطاق (کمر بند) کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر تھیلی میں اس سے باندھ دیا اور دوسرا حصہ پھاڑ کر مشک کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے یہ ذات النطاقین کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اور مستدرک حکم میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ نکلے۔ حضرت ابوبکر کبھی آپ کے سامنے چلتے اور کبھی پیچھے چلنا شروع کر دیتے آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ڈر ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی آ نہ رہا ہو تو میں آپ کے پیچھے چلتا ہوں، پھر خطرہ ہوتا ہے کہ سامنے سے کوئی نہ آن دھمکے۔ چنانچہ آپ کے آگے آگے چلنے لگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکرؓ اگر کوئی تکلیف آ ئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بجائے تم اس سے دوچار ہو؟ انہوں نے جواب دیا: بے شک اقسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

جب غار پر پہنچے، ابوبکر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ذرا اپنی جگہ پر رہیے میں آپ کے لیے غار صاف کر لوں (ابوبکرؓ) اندر گئے اور اسے صاف کیا اور جب اوپر آنے لگے۔ پھر یاد آیا کہ ابھی تک سوراخوں کو صاف نہیں کیا، اس لیے پھر عرض کیا: اے اللہ

کے رسول ٹھہر یئے میں سوراخوں کو بھی صاف کر لوں۔ پھر اندر گئے اور سوراخوں کو بھی صاف کیا اس کے بعد عرض کیا اے اللہ کے رسول اندر تشریف لایئے پھر دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اور غار میں تین راتیں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ قریش کی تلاش ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر حاضر ہو گیا اور سفر شروع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور رہنما ان کے سامنے چلنے لگا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ اور ان کی رفاقت میں تھا۔ سفر کرنے اور منزل پر اترنے میں اللہ کی نصرت شامل تھی۔

جب کفار انہیں گرفتار کرنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپ کی اور ابوبکر کی گرفتاری کا انعام مقرر کر دیا، چنانچہ لوگوں نے سرگرمی سے تلاشی شروع کر دی اور اللہ تو اپنے امور پر غالب ہے۔ جب آپ بنی مدلج کے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے تو قبیلے کے ایک آدمی نے آپ کو دیکھ لیا اور اپنے قبیلہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں نے ساحل پر ایک سایہ سا دیکھا ہے اور یہ محمدؐ اور اس کے اصحاب کے سوا اور کوئی نہیں۔ سراقہ بن مالک سارا معاملہ سمجھ گیا اس نے چاہا کہ وہ گرفتار کرے۔ کہنے لگا نہیں، بلکہ یہ تو فلاں فلاں آدمی ہیں جو اپنے کسی کام سے گئے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہرا۔ اس کے بعد اٹھ کر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اپنے خادم سے کہنے لگا کہ خیمے کے پیچھے سے گھوڑا نکال دو، میں ٹیلے کے پیچھے تمہیں ملوں گا۔ پھر اس نے نیزہ لیا اور اسے نیچا کر کے زمین پر لکیریں ڈالتا چل پڑا۔ جب وہ قریب ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سننے لگا۔ ابوبکر بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی جانب التفات نہ فرماتے۔

سراقہ بن مالک کا تعاقب

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول یہ سراقہ بن مالک ہم تک آن پہنچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے گھوڑے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ وہ کہنے لگا مجھے معلوم ہے جس جرم کی مجھے سزا ملی ہے یہ آپ کی بددعا کا نتیجہ ہے میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے (خیرا کیجیے)، میں عہد کرتا ہوں کہ لوگوں کو آپؐ کی (تلاش) سے واپس کر دوں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ آزاد ہو گیا۔

اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے سند خوشنودی مرحمت فرمائیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چمڑے کے ٹکڑے پر آپ کے حکم سے تحریر لکھ دی۔

فتح مکہ تک یہ تحریر سراقہ کے پاس موجود تھی اس دن وہ تحریر لے کر حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صلہ عطا فرمایا اور فرمایا: آج وفا اور بھلائی کا دن ہے۔

سراقہ نے سند خوشنودی لے کر آپ کی خدمت میں زادِ راہ اور دو سواریاں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں بلکہ دشمن کی جستجو کو ناکام بنا دو وہ کہنے لگا آپ مطمئن رہیں اور واپس چلا گیا اور دیکھا کہ لوگ آپ کی تلاش میں ہیں کہنے لگا میں تمہارے لیے خبر لایا ہوں اور تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ یہ شخص دن کی ابتدا میں آپ کے خلاف تھا اور دن کے آخر میں آپ کا جانثار بن چکا تھا۔

مدینہ کے راستے میں آپ کا ایک معجزہ

پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ ام معبد خزاعیہ کے خیموں کے پاس سے گزرے یہ ایک توانا عورت تھی اور خیمے کے صحن میں بیٹھی ہوتی اور جو گزرتا اسے کھلاتی پلاتی۔ آپ نے پوچھا تمہارے ہاں کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر ہمارے یہاں کچھ ہوتا تو ہم آپ کی مہمان نوازی سے محروم نہ رہتے۔ بکری کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے کے ایک طرف ایک بکری دیکھی آپ نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا کمزوری کے باعث یہ بکری ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کا دودھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ اس مرحلہ سے گزر چکی ہے۔

آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اس کا دودھ دوھنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ کو دودھ مل سکے تو آپ بے شک دوہ لیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لیا اور دعا فرمائی وہ قبول ہوئی اور (بکری) کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ پھر آپ نے گھر والوں سے برتن طلب کیا اور اس میں دودھ نکالا، یہاں تک کہ جھاگ برتن پر چڑھ آیا۔ چنانچہ آپؐ نے

رام معبد کو دودھ پلایا اور وہ پی کر سیر ہو گئی اپنے اصحاب کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے۔ پھر آپ نے خود نوش فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن بھر گیا۔ پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے چلے، کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اس کا شوہر ابو معبد دبلی پتلی بکریوں کو ہنکاتا آ گیا جو کمزوری کے باعث گری پڑتی تھیں۔ جب اس نے دودھ دیکھا تو تعجب ہوا، پوچھا یہ کہاں سے ملا؟ جبکہ بکری بھی خشک ہو چکی ہے اور گھر میں دودھ بھی نہ تھا وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم ہمارے ہاں سے ایک مبارک انسان کا گزر ہوا جس کی بات اس طرح تھی اور ایسے ایسے اس کے حالات تھے۔

آں حضرتؐ کا حلیہ اور شمائل

اس نے کہا: اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی آدمی ہے۔ جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اسے ام معبد ذرا ان کی صفت تو بیان کرنا۔ ام معبد نے فرمایا ——— چہرہ تاباں، اخلاق پاکیزہ اور ستھرے بڑے سر نے آپ کو بوجھل نہیں کیا اور چھوٹے سر نے آپ کو عیب دار نہیں کیا، قامت وصورت، حسین وجمیل، آنکھیں فراخ اور سیاہ، بال کافی اور کالے، آواز جاندار، گردن مسطح، خوبصورت، سرگین، بلند قامت، اقرن (جس کی بھویں آپس میں ملی ہوں) خوب سیاہ بالوں والے، جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو وقار چھا جاتا ہے اور جب کلام فرماتے ہیں تو حسن طاری ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں سے زیادہ جمیل، دور سے دیکھو تو زیادہ خوبصورت اور قریب سے دیکھو تو سب سے زیادہ حسین اور جمیل، شیریں کلام، بزرگ، جن کی زبان پر فضول اور واہیات باتیں نہیں آتیں۔ کلام کیا ہے، پروئی ہوئی کوڑیاں ہیں جو ترتیب سے گرتی ہیں کوئی آنکھ ان میں پستہ قدی کا عیب نہیں نکال سکتی اور نہ لمبے قد کا نقص تلاش کر سکتی ہے۔ وہ دو شاخوں کے درمیان ایک ایسی شاخ ہے جو سب سے زیادہ تروتازہ اور حسین ہے۔ اس کے رفقاء اسے گھیرے رہتے ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے وہ سنتے ہیں اور جب حکم کرتا ہے تو فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ مخدوم اور مطاع ہے، نہ تنگ نظر اور نہ بے مغز ہے۔

ابو معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم یہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق قریش باتیں کرتے ہیں۔

میں نے آپ کی مصاحبت کا ارادہ کرلیا ہے اور اگر مجھ سے یہ ہوسکا تو میں ضرور یہ کام کر دوں گا۔

مدینہ میں تشریف آوری اور استقبال

(دوسری طرف) انصار کو معلوم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف چل چکے ہیں وہ ہر روز مدینہ سے نکل کر دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنی عادت کے مطابق گھروں کو واپس آ جاتے۔ یہ بعثت کا تیرھواں سال ربیع الاوّل کے مہینے کی بارہ تاریخ منگل کا دن تھا۔ حسبِ عادت (انصار) باہر آئے جب سورج کی گرمی تیز ہوگئی واپس لوٹ آئے (اتفاق) سے یہود کا ایک آدمی کسی ضرورت کے پیشِ نظر مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر چڑھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو دیکھا۔ جن کے آگے بڑھنے سے سراب زائل ہو رہا تھا۔ وہ (یہودی) زور سے چلایا۔ اے بنی قبیلہ یہ ہے وہ تمہارا سردار یہ تمہارا بزرگ ہے جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

انصار نے جلدی سے ہتھیار سجا لیے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کریں اور مرحبا اور تکبیر کی آوازیں بنی عمرو بن عوف میں گونجنے لگیں۔ مسلمانوں نے آپکی تشریف آوری کی خوشی کی خوشی میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نبوت کی شان کے مطابق خوش آمدید کہا۔ چکر لگاتے ہوئے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، آپؐ یکسر سکون و طمانیت تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔

یعنی: پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی اس کا رفیق اور جبریل اور نیک لوگ ایمان والے اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

پھر آپ چل پڑے اور بنی عمرو بن عوف کے علاقے قباء میں اترے۔ آپ کلثوم بن ہدم کے پاس اترے ایک قول یہ ہے کہ سعد بن خیثمہ کے پاس اترے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ آپ بنی عمرو بن عوف کے ہاں چودہ شب تک مقیم رہے اور یہاں مسجد قباء تعمیر کی۔

مدینہ کی پہلی مسجد، مسجد قباؐ نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی جس کی آپ نے بنیاد رکھی۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو آپ اللہ کے حکم کے مطابق سوار ہوئے۔ آخر بنی سالم بن عوف میں جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے وادی کے درمیان کی مسجد میں (صحابہ) کو جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد سوار ہوئے، لوگوں نے اونٹنی کی مہار پکڑلی۔ آپ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔ چنانچہ اونٹنی چلتی رہی۔ انصار کے جس گھر کے پاس آپ گزرے وہ فرمائش کرتا کہ آپ یہاں تشریف فرما ہوں، لیکن آپ فرماتے اسے چھوڑ دو، یہ مامور ہے (اسے جہاں اللہ کا حکم ہوگا بیٹھ جائے گی) وہ چلتی رہی۔ آخر کار اس جگہ پہنچی جہاں آج کل مسجد نبوی ہے اور بیٹھ گئی۔ آپ نہ اترے۔ پھر اٹھی اور تھوڑی سی چلی۔ پھر اس نے پچھلی جانب دیکھا اور لوٹ آئی اور پہلی جگہ پر بیٹھ گئی۔ پھر آپ اترے اور یہ بنی بخار میں سے آپ کے ننھیالی رشتہ دار کا مکان تھا۔ یہ اللہ کی توفیق سے تھا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک قریبی عزیز کے گھر میں اتارنا پسند فرمایا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔

اور حضرت ابوایوب انصاریؓ آپ کے کجاوے کی طرف عجلت سے حاضر ہوئے اور سامان اپنے گھر میں اٹھا لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان اپنے سامانِ سفر کے ساتھ ہوتا ہے اور صحیح حاکم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے ہمراہ کون ہجرت کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارے پاس سب سے پہلے مصعبؓ بن عمیر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے۔ یہ دونوں بزرگ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ پھر حضرت عمارؓ، بلالؓ اور سعد تشریف لائے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی میں نے دیکھا کہ لوگوں کو اس قدر کبھی بھی فرحت نہ ہوئی۔ جس قدر آپ کی تشریف آوری کے باعث ہوئی۔ یہاں تک کہ میں نے عورتوں بچوں اور لونڈیوں کو کہتے دیکھا یہ اللہ کے رسول تشریف لائے ہیں۔

اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لائے اس سے زیادہ میں نے کوئی حسین اور روشن دن نہیں دیکھا اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

بہر حال آپ نے حجرے اور مسجد کی تعمیر ہونے تک حضرت ایوب کے گھر میں قیام فرمایا آپ حضرت ابوایوب کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ صد درہم دے کر مکہ کی طرف بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ نیز حضرت سودۃ بنتؓ زمعہ (جو آپ کی زوجہ محترمہ تھیں) اور اسامہ بن زید، ان کی والدہ ام یمن کو لے کر واپس آ گئے۔ البتہ حضرت زینب کو ان کے خاوند ابو العاص بن ربیع نے نہ آنے دیا اور عبداللہ بن ابی بکر حضرت ابوبکر کے اہل اعیال کو لے کر چلے آئے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بھی تھیں۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

زہری فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مسجد کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت مسلمان یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ جگہ دو یتیم انصاری لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت میں تھی اور یہاں (اونٹوں کے) باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی جو اسعد بن زرارہ کی زیرِ پرورش تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکوں سے اس زمین کی فروخت اور تعمیر مسجد پر گفتگو کی اور دونوں کہنے لگے، نہیں بلکہ اے اللہ کے رسول ہم اسے آپ کی خاطر (قیمت کے بغیر) ہبہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے ان سے یہ زمین دس دینار میں خرید لی۔ اس وقت یہ صرف چار دیواری کی صورت میں تھی، اس کی چھت نہ تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اسعد بنؓ زرارہ یہیں پر مسلمانوں کو نماز اور جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور اس میں غرقد اور کھجور کے درخت تھے۔ اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں۔ کھجور اور دوسرے درخت کاٹ دیئے گئے اور قبلہ کی طرف سے مسجد ہموار کی گئی۔ اور قبلہ کی مسجد کا طول ایک سو گز اور دوسری طرف اس قدر یا اس

سے کم بنایا گیا اور تین گز بنیاد بنائی گئی۔ اس کے بعد کچی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعمیر میں حصہ لیتے اور اینٹیں اور پتھر اٹھا کر لاتے اور یہ شعر پڑھتے:

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ

فاغفر للانصار والمھاجرۃ

یعنی: اے اللہ زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اس مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا اور تین دروازے بنائے گئے۔ ایک آخر میں دروازہ بنایا گیا۔ دوسرا باب الرحمۃ اور تیسرا دروازہ تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے ستون کھجور کے تنے سے بنائے گئے اور چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی۔ عرض کیا گیا آپ اس کی چھت نہ ڈالیں گے؟ آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے خیمے کا سا کوئی خیمہ نہیں اور آپ نے مسجد کے متصل کچی اینٹوں سے حجرے تعمیر کروائے اور ان پر کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھت ڈلوائی۔ جب اس کام سے فارغ ہو گئے تو مسجد کے مشرقی حصہ کے متصل حضرت عائشہ کے لیے ایک حجرہ تعمیر کروایا اور یہی آج آپ کی آرام گاہ ہے۔ حضرت سودۃ زمعہ کے لیے دوسرا حجرہ بنوایا۔

انصار اور مہاجرین کے درمیان مؤاخات

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی بن مالک کے گھر میں انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی۔ یہ کل نوے آدمی تھے نصف انصار اور نصف مہاجر تھے۔ آپ نے ان کے درمیان ذوی الارحام کے علاوہ موت کے بعد ان کی وراثت کی بنیاد پر مواخات قائم فرمائی آخر جب غزوہ بدر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔

یعنی: اور قرابت دار اللہ کی کتاب میں بعض کے لیے زیادہ مستحق ہیں۔

تو مرنے کے بعد وراثت کا معاملہ صرف اقارب تک محدود ہو گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور اس دوسری مرتبہ حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا۔ پہلا قول قوی ہے۔ اگر آپ کسی مہاجر سے اپنی اخوت قائم فرماتے تو آپؐ کی اخوت کے سب سے بڑے مستحق وہ تھے جو آپ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہجرت میں آپ کے مصاحب غار میں آپؐ کے انیس تمام صحابہؓ سے افضل واکرام تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن یہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اسلام کی بنیاد اخوت پر ہے۔ یہاں عام اخوت مراد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے معاہدہ صلح کیا۔

اور ایک عہد نامہ لکھ لیا۔

یہود کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام سرعت سے حاضر ہوئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ عام یہود کفر پر جمے رہے۔

(قوم یہود) کے تین قبائل تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ تینوں نے آپؐ سے جنگ کی۔ آپ نے قینقاع پر احسان فرمایا۔ بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنو قریظہ قتل ہوئے۔ اور ان کی اولاد کو غلام بنا لیا گیا۔ بنو نضیر کے متعلق سورۂ حشر اور بنو قریظہ کے متعلق سورۂ احزاب نازل ہوئی۔

تحویل قبلہ اور مومنین کا امتحان

یہود، نصاریٰ اور مشرکین کی قیاس آرائیاں

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن چاہتے تھے کہ کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل جائے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قوم یہود کے قبلہ سے میرا رخ بدل دے۔

انہوں نے عرض کیا، اپنے رب سے دعا کیجیے اور درخواست پیش کیجیے، کیونکہ میں تو فقط بندہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے اور آس لگائے رکھتے کہ شاید حکم مل جائے آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، قد نریٰ تقلّب وجهك فی السّماء فلنولّینّك قبلةً ترضاها فولّ وجهك شطر المسجد الحرام۔

یعنی: ہم آپ کا رخ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں پس ہم یقیناً اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپؐ چاہتے ہیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے۔

یہ واقعہ مدینہ تشریف آوری کے سولہ ماہ بعد غزوہ بدر سے دو ماہ قبل پیش آیا۔ محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمیں ہاشم بن قاسم نے انہیں ابو معشر نے بتایا انہیں محمد بن کعب قرظی سے روایت ملی فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے کسی نبی سے قبلہ یا سنت کے معاملہ میں خلاف نہیں کیا۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کیے رکھا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

شرع لکم من الدّین ما وصّی بہٖ نوحا والّذی اوحینا الیك الآیہ۔

"بلا شبہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ ایک عظیم حکم اور مسلمانوں، مشرکین، یہود اور منافقین کا امتحان تھا، چنانچہ مسلمانوں نے کہا ہم ایمان لائے اور اطاعت کی اور کہا ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ سب ہمارے ہی رب کی طرف سے ہے۔ مشرکین نے کہا جس طرح ہمارے قبلہ کی طرف محمدؐ رجوع کر آئے ہو سکتا ہے کہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں، حالانکہ آپؐ نے محض حق کی بناء پر رجوع فرمایا تھا، اور قوم یہود کہنے لگی کہ انہوں نے اس سے قبل قبلۂ انبیاء کی مخالفت کی۔ اگر یہ نبی ہوتے تو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔ اور منافقین کہنے لگے ہم نہیں سمجھتے کہ محمدؐ کس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں! اگر پہلی صورت حق یہ تھی تو انھوں نے اسے ترک کر دیا۔ اور اگر دوسری صورت حق تھی تو پہلے باطل پر تھے۔

اس طرح جہلا کی جانب سے کئی باتیں کی جانے لگیں اور جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہوا یعنی وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ، یعنی اگرچہ یہ تحویل قبلہ بھاری ہے مگر ان پر بھاری نہیں جن میں اللہ نے ہدایت دی"

بلاشبہ اللہ کی جانب سے اپنے بندوں کا امتحان تھا تاکہ دیکھے کہ کون رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے! اور کون اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتا ہے۔

ایک اہم اور عظیم واقعہ

چونکہ کعبہ کی شان اور اس کا معاملہ ایک عظیم واقعہ ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے منسوخ کیا اور فرمایا کہ وہ اس سے بہتر یا اسی جیسا حکم نافذ کرے گا۔ اس کے بعد جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا، خدا کی طرف سے اسے زجر وتوبیخ کی جاتی۔ اس کے بعد یہود وانصاری کا اختلاف ذکر کر کے بتایا کہ یہ آپس میں کہا کرتے ہیں کہ تم کسی ڈھنگ پر نہیں ہو اور بندوں کو ان کی موافقت کرنے اور خواہشات کے اتباع سے منع فرمایا، اس کے بعد ان کا کفر وشرک بیان کیا اور ان کا قول بتایا کہ یہ کہتے ہیں خدا کا بیٹا ہے، حالانکہ وہ اس اتہام سے پاک اور بلند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مشرق مغرب اسی کا ہے اور بندے جدھر اپنا رخ کرتے ہیں وہ اس طرف موجود ہوتا ہے اور وہ بہت ہی عطا کرنے والا جاننے والا ہے۔ اسی لیے اس کی عظمت وسعت اور احاطہ کے

باعث بندے کا رخ جس طرف بھی ہوگا اللہ تعالیٰ کو رہا ہے گا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس کریگا۔ جو اُسکی تصدیق و اتباع نہیں کرتے۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تب تک راضی نہ ہونگے جب تک کہ وہ ان کی اطاعت نہ کریں۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ کے مقابلہ میں انکا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار اسکے بعد اہل کتاب پر کیے گئے انعامات اور خوف قیامت کا تذکرہ فرمایا اور خانہ کعبہ کے معمار حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ کیا اور ان کی مدح و تعریف فرمائی اور بتایا کہ ہم نے انھیں تمام لوگوں کا امام بنا دیا۔ اس کے بعد اپنے گھر بیت الحرام کا تذکرہ فرمایا اور حضرت خلیل علیہ السلام کو جس طرح تمام لوگوں کا امام بنایا تھا، اسی طرح بیت اللہ کو بھی ان سب کا امام (قبلہ و مرکز) قرار دیا۔ پھر بتایا کہ جو اس امام سے سرکشی کرے گا وہ تمام لوگوں سے زیادہ نادان اور بے مغز ہوگا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان کی اقتداء کریں اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان لائیں۔ پھر جن لوگوں نے حضرت ابراہیم اور ان کے اہل بیت کو یہودی یا نصرانی کہا، ان کے قول کو رد کیا۔ ان تمام مباحث کو تحویلِ قبلہ کا مقدمہ بنا کر ذکر کیا۔

ان تمام احتیاطوں کے باوجود تحویل قبلہ کا فیصلہ لوگوں کو سخت ناگوار گذرا، سوا ان لوگوں کے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ سیدھے راہ کی طرف ہدایت ہے چنانچہ انھیں قبلہ کی طرف ہدایت فرمائی اور یہی وہ قبلہ ہے جو ان کے قابل ہے اور امت محمدؐ اس کی اہل ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ قبلہ ہے اور وہ تمام امم سے متوسط اور افضل ہے۔

افضل قبلہ افضل اُمّت کے لیے

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے افضل قبلہ کو افضل امت کے لیے منتخب فرمایا جیسے ان کے لیے سب سے زیادہ افضل رسول اور سب سے زیادہ افضل کتاب منتخب فرمائی اور انھیں خیر القرون میں بھیجا اور سب سے افضل شریعت عطا فرمائی اور اسے اعلیٰ اخلاق دیا اور افضل مقام مرحمت فرمایا اور جنت میں اس کے لیے سب

سے اچھے گھر بنائے اور قیامت کے دن ان کے لیے سب سے اعلیٰ موقف بنایا جو ایک اونچے ٹیلے پر ہوگا باقی لوگ نیچے ہوں گے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہتی ہے اپنی رحمت سے مختص فرماتی ہے اور یہ اللہ کا کرم ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل والا ہے۔

جہاد کی فضیلت

مجاہد کے مراتب، شہید اور غازی

آں حضرتؐ کا معمول اور سنت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے عوض اس کے بنانے کو بشرطیکہ وہ خیر کی خواہش رکھتا ہو تیر کھینچنے والے اور چلانے والے سب کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ لہٰذا تیر اندازی کرو، سواری کرو اور سواری سے تمہارا تیر چلانا میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور آدمی..... کا لہو ولعب باطل ہے۔ سوا کمان کے ساتھ تیر چلانا یا اپنے گھوڑے کو جنگی کاموں کے لیے سدھانا اور اپنی بیوی سے چاؤ پیار کا برتاؤ کرنا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تیر اندازی سکھائی پھر وہ اسے بے پروائی کے باعث بھول گیا تو اس نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا۔ (مسند احمد)

اور اہل سنن و ابن ماجہ کی روایت ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا اس نے میری نافرمانی کی۔

امام احمد نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ ہر اچھی چیز کی جڑ یہی ہے اور تجھ پر جہاد کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے اور تجھ پر ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن لازم ہے۔ کیونکہ یہ آسمان پر تیری حیات ہوں گے اور زمین پر تیرے یار۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور اس نے جہاد نہ کیا یا جہاد کی تیاری نہ کی یا مجاہد کے اہل سے کوئی بھلائی نہ کی اسے قیامت سے قبل ضرور دکھ پہنچے گا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ درہم و دینار (خرچ کرنے) سے بخل کریں گے اور سود کا کاروبار کریں گے اور پوپاؤں کے پیچھے چل پڑیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر مصائب نازل کرے گا اور اس وقت تک وہ مصائب دور نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آئیں۔

ابن ماجہ نے حدیث نقل کی ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کے بدن پر جہاد کا ذرا بھی نشان نہ ہو (اس کے بدن پر نشان (نافرمانی) ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی، اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو، حضرت ابوایوب فرماتے ہیں ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب ترک جہاد ہے۔

نیز صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت زیر سایہ شمشیر ہے۔ نیز آپ سے مروی ہے فرمایا، کہ جو مال دینار اور اسیم و زر کے لیے جہاد کرے وہ اجر سے محروم ہے۔

آپ دن کے آغاز میں جہاد پسند فرماتے ہیں جس طرح سفر کے لیے ابتدائے دن کو موزوں سمجھتے تھے اور اگر ابتدائے دن میں جنگ شروع نہ کرتے تو غروب آفتاب، ہواؤں کے چلنے اور نزول نصرت خدا تک مؤخر فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

جو آدمی بھی فوت ہوا ور اللہ کے ہاں اس کا اچھا (مقام) ہو۔ تو وہ دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے سب کے عوض بھی دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا۔ سوائے شہید کے کہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اسے دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے دوبارہ قتل کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے اسے دس بار قتل کیا جائے۔

جب غزوہ بدر کے موقع پر حارثہ بنت نعمان کا لڑکا شہید ہو گیا تو وہ پوچھنے لگی میرا بچہ کہاں ہے؟

آپ نے فرمایا، کہ وہ فردوس اعلیٰ میں ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش پر معلق قندیلیں ہیں۔ وہ جنت

میں جہاں چاہتی ہیں بسر کرتی رہتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں کی طرف چلتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی طرف جھانکتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ کیا تمہیں مزید کسی چیز کی تمنا ہے؟ (شہداء) عرض کرتے ہیں ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں بسر کرتے ہیں۔ اب ہم کس بات کی تمنا کریں! اللہ تعالیٰ تین بار ان سے (دریافت فرماتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جواب دیے بغیر چھٹکارا نہ ہوگا۔ تو کہتے ہیں اے پروردگار۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری ارواح کو ہمارے اجسام میں لوٹا دے حتیٰ کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں۔ چنانچہ جب (اللہ) دیکھتا ہے۔ کہ انہیں حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے کئی انعامات ہیں یہ کہ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اس کی جگہ دکھا دی جاتی ہے۔ اسے ایمان کا لباس پہنایا جاتا ہے اور حور العین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے، اسے عذابِ قبر سے پناہ دی جاتی ہے اور وہ بڑے دن (قیامت) کی گھبراہٹ سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا و ما فیہا سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے اور حسین آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ستر اقارب کے لیے سفارش کر سکتا ہے (احمدؒ ترمذی)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے کیا فرمایا؟

انہوں نے عرض کیا ارشاد!

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے حجاب کے بغیر کلام نہیں فرمایا اور تیرے والد کے ساتھ کھلم کھلا گفتگو کی۔ فرمایا اے میرے بندے میرے حضور سب اپنی تمنائیں کر میں اسے پورا کر دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا، اے پروردگار مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیری راہ میں پھر سے لذتِ قتل حاصل کروں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ یہ تو طے ہے کہ دوبارہ (دنیا کی طرف) لوٹایا نہ جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار پھر ہمارے پیچھے پیغام پہنچا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

شہداء کا مرتبہ، درجہ اور حیثیت

ولا تحسبنّ الّذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربّھم یرزقون۔

یعنی ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں وہ اپنے پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں۔

اور سنن میں آیا ہے کہ شہید کی اپنے ستر گھر والوں کے بارے میں سفارش قبول ہوتی ہے۔ مسند میں مروی ہے کہ افضل شہداء وہ ہیں کہ جو لڑائی اگلی صف میں اس طرح جائیں کہ ادھر اُدھر توجہ نہ کریں، یہاں تک کہ قتل ہو جائیں۔ وہی جنت کے اعلیٰ مقامات کی طرف دوڑ رہے ہیں اور تیرا پروردگار ان کو دیکھ کر مسرت سے ہنستا ہے۔ اور جب دنیا میں تیرا رب کسی کی طرف دیکھ کر ہنس دے تو پھر کوئی حساب کتاب نہیں۔

اور شہداء کے کئی مراتب ہیں۔

(۱) ایک وہ آدمی جو مومن ہے، اس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ یہ وہ شہید ہے جس کی طرف لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گردن اٹھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی مائل بہ سقوط ہو گئی۔

(۲) دوسرا آدمی وہ مومن ہے جس نے دشمن کا مقابلہ کیا گویا اس کی جلد پر کانٹا چبھ رہا ہے۔ اسے تیر آن کر لگا اور وہ قتل ہو گیا یہ دوسرے درجہ میں ہے۔

(۳) وہ مومن جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ نیک عمل کیے اور برائی بھی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کی تصدیق کی، اور قتل ہو گیا تو یہ آدمی تیسرے درجے میں ہے۔

(۴) اور ایک آدمی جس نے اپنے رب پر بہت ہی زیادہ ظلم و زیادتی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا اللہ کی تصدیق کی، یہاں تک کہ قتل ہو گیا تو یہ چوتھے درجہ میں ہے۔

اور مسند و صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ مقتول تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ مومن جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے، دشمن کا مقابلہ کرے اور راہِ خدا میں شہید ہو جائے تو یہ ممتحن شہید ہے جو دار اللہ کے عرش کے نیچے اس کے خیمہ میں ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام صرف بہ اعتبار نبوت اس سے افضل ہے۔ دوسرا وہ مومن جس نے گناہ

کیا، برائیاں بھی کیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا، یہاں تک کہ دشمن سے مل کر اس سے جنگ کی اور قتل ہو گیا تو ایک ہی آواز نے اس کے گناہ اور برائیاں مٹا دیں اور تلوار نے اس کے گناہ ختم کر دیئے اور وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکے گا۔ کیونکہ اس کے آٹھ دروازے ہیں اور دوزخ کے سات۔ اور تیسرا وہ منافق جس نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا، دشمن کا مقابلہ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ آخر قتل ہو گیا۔ تو وہ آگ میں جائے گا (یہ جہاد) اس کے نفاق کو نہ مٹا سکے گا۔ نیز صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کافر اور اس کا قاتل دوزخ میں کبھی بھی جمع نہ ہوں گے۔

سب سے بڑا جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ نیز مروی ہے کہ آپ کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جہاد کرتا رہے گا۔ اور انہیں نیچا دکھانے اور مخالفت کرنے والا ضرر نہ دے سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے "۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے متعلق اپنے اصحابؓ سے فرار نہ ہونے کی بیعت لیا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ نے موت پر بھی بیعت لی ہے، جہاد پر بھی بیعت لی ہے۔ جس طرح اسلام پر (قائم رہنے کی) بیعت لی ہے اور فتح سے قبل ہجرت پر بیعت لی ہے، توحید پر، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لی ہے اور فقراء صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لی ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگیں گے اس کے بعد حال یہ تھا کہ کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ اسے پکڑنے کے لیے خود اترتا اور کسی سے نہ کہتا کہ ذرا اسے اٹھا دو۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد دشمن اور منازلِ سفر کے متعلق صحابہؓ سے بہ کثرت مشورہ فرماتے۔

آں حضرت اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے

مستدرک میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔ نیز آپ سفر میں پیچھے رہتے کمزور

کو ساتھ ملا کر چلاتے اور نہ چل سکنے والے کو ساتھ سوار کر لیتے اور چلنے میں آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ نرم روی سے کام لیتے اور جب آپؐ کسی غزدہ کا ارادہ فرماتے تو جنگی چال سے کام لیتے۔ مثلاً آپ نے جب غزدہ حنین کا ارادہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ نجد کا راستہ کون سا ہے اور اس کا پانی کیسا ہے اور وہاں کون کون دشمن ہے وغیرہ[1]؟

آپ فرمایا کرتے کہ لڑائی فراست کا نام ہے۔ نیز آپ جاسوسوں کو بھی ارسال فرماتے وہ دشمن کی خبریں لاتے اور اس کے عساکر کا پتہ چلاتے اور جب آپ دشمن کو دیکھ پاتے تو ٹھہر جاتے دعا کرتے اور اللہ سے مدد چاہتے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے اور اپنی آواز نرم رکھتے اور آپ لشکر مرتب کرتے۔ ہر سمت میں صفیں قائم کرتے اور سامنے کی جانب مبارزت فرماتے۔ آپ جنگ کے لیے مخصوص لباس پہنتے۔ بسا اوقات آپ نے دو زرہیں بھی زیب تن کیں۔ نیز آپ کے پرچم اور جھنڈے بھی ہوتے۔ جب آپ کسی قوم سے مقابلہ کرتے تو تین دن تک وہاں ٹھہرتے پھر واپس آتے۔ جب حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو انتظار فرماتے۔ اگر وہاں اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے۔ ورنہ حملہ کر دیتے۔ کبھی آپ دشمن پر رات کو حملہ کرتے اور کبھی دن کو اچانک حملہ کر دیتے اور آپ جمعرات کو صبح سویرے نکلنا پسند کرتے اور جب لشکر کسی جگہ اترتا تو آپؐ ایک دوسرے کو اس طرح ترتیب دیتے کہ اگر ان پر چادر ڈال دی جاتی تو سب کو کافی ہو جاتی۔ نیز آپؐ صفیں مرتب کرتے اور جنگ کے وقت اپنے ہاتھ سے انہیں ٹھیک فرماتے اور کہتے اے فلاں آگے بڑھو، اے فلاں پیچھے ہٹ جاؤ۔ آپ اس آدمی کو پسند فرماتے جو اپنی قوم کے جھنڈے تلے جنگ کرے اور جب دشمن سے ملاقات کرتے تو فرماتے:

اللھم منزل الکتاب ومجری السحاب وھازم الاحزام اھزمھم وانصرنا علیھم ــــ یعنی اے اللہ کتاب نازل کرنے والے اور بادل چلانے والے اور عساکر کو شکست دینے انہیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

---

[1] یعنی حنین کی بجائے نجد کی معلومات حاصل فرمائیں لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہم نجد جائیں گے کیونکہ یہ فلسفہ بیانی ہوتی اور ہر نبی معصوم ہوتا۔ (رئیس احمد جعفری)

نیز یہ دعا بھی کیا کرتے :

یعنی: اے اللہ تو ہی میرا بازو ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے اور تیری ہی مدد ہی سے میں جنگ کرتا ہوں ؛'

جب جنگ خوب تیز ہو جاتی اور لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور دشمن آپ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا تو فرمایا کرتے ۔

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں (یہ) جھوٹ نہیں ۔

میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں ۔

اور جب لڑائی خوب گرم ہو جاتی تو لوگ آپؐ کے پاس آن کر پناہ چاہتے آپ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ۔

جنگ کے موقع پر مسلمانوں کے خفیہ شعار

نیز لڑائی میں آپؐ صحابہؓ کا ایک نشان مقرر فرما دیتے ۔ جب وہ آپس میں ملیں (تاکہ دشمن دھوکہ دے کر شریک نہ ہو سکے) ایک بار ان کا شعار یہ تھا امت امت ایک بار یا منصور شعار مقرر کیا گیا ایک بار حم لا ینصرون شعار تھا آپ زرہ اور خود پہن لیتے اور اور تلوار کو قلادے میں رکھتے ۔ نیزے اور عربی کمان اٹھاتے ہوئے ۔ نیز آپ ڈھال سے بھی تحفظ فرماتے اور لڑائی میں آپ اکڑ کر چلنے کو پسند کرتے ۔ آپ نے منجنیق سے کام لیا اور اسے اہل طائف کے لیے استعمال کیا آپ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے ۔ لڑائی کے دوران میں آپؐ جسے بالغ سمجھتے اسے قتل کرتے اور جو بالغ نہ ہوتا اسے قتل کرنے سے عیار کرتے ۔ جب آپؐ کوئی فوج بھیجتے تو اسے اللہ سے ڈرنے کی وصیّت فرماتے اور فرماتے ! اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں سفر شروع کرو اور جو اللہ کا انکار کرے اس سے جنگ کرو اور مثلاً (ہاتھ پاؤں کاٹنا) نہ کرو اور نہ دھوکہ دو اور نہ بچے کو قتل کرو ۔ نیز آپ دشمن کے علاقہ کی طرف قرآن مجید لے کر سفر کرنے

کی ممانعت فرماتے اور آپ فوج کے امیر کو حکم دیتے کہ دشمن سے جنگ کرنے سے قبل اسے دعوت دو۔ یا اسلام اور ہجرت قبول کرے یا ہجرت کے بغیر محض اسلام قبول کرے (لیکن مؤخر صورت میں مسلمانوں کی طرح غنیمت کا حق دار نہ ہو گا اور یا پھر جزیہ ادا کرے۔ اگر یہ شرائط قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ اللہ سے مدد چاہو۔ اور جنگ کرو اور جب آپ دشمن پر ظفریاب ہوتے تو منادی کرنے کا حکم فرماتے اور تمام غنائم جمع کی جائیں اور چھنی ہوئی چیزیں مالکوں کو دی جائیں۔ پھر مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ (خمس) نکال لیتے اور باقی فوج پر تقسیم کر دیتے۔ سوار کو تین حصے مرحمت فرماتے۔ ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ فرماتے یہی مسلک آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور غنیمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ اسے صفی کہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہؓ صفی میں سے تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بنی زہیر بن قیس کی طرف جو مکتوب مبارک ارسال فرمایا اس میں ہے کہ اگر تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرو اور صفی ادا کرو، تو تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی امان ہے اور آپ کی ذوالفقار نام کی تلوار بھی صفی میں سے تھی اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر جو غزوہ سے غائب ہوتا تو اس کا آپ حصہ مقرر فرماتے جیسے آپ نے حضرت عثمانؓ کا بدر میں حصہ مقرر کیا۔ جب وہ غزوہ بدر میں آپ کی صاحبزادی کی تیمارداری کے باعث حاضر نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ عثمانؓ اللہ اور اس کے رسول کے کام میں گیا ہے۔ چنانچہ ان کا حصہ نکالا گیا۔

نیز صحابہؓ جنگ کے موقع پر خرید و فروخت کرتے تھے۔ آپ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے ایک آدمی نے عرض کیا کہ مجھے آج اس قدر نفع حاصل ہوا ہے کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کس قدر؟ اس نے عرض کیا میں خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ تین سو اوقیہ حاصل کر لیے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں زیادہ نفع کی بات بتاؤں؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کے بعد دو رکعتیں (نوافل) نیز (صحابہؓ) غزوات میں دو طریق پر خدمات مستعار لیتے تھے۔ ایک یہ کہ آدمی جہاد کے

لیے جائے اور اثنائے سفر میں خدمت کے لیے آدمی نوکر رکھ لے۔ دوسرے یہ کہ جو جہاد میں جا رہا ہے وہ دوسرے کا مال اجرت پر لے لے اسے جعائل کہا کرتے تھے۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غازی کے لیے اس کا اپنا اجر ہے اور جاعل کے لیے (جعل یعنی مال دینے کا) اجر اور غازی کے (دونوں) اجر ہیں۔

اور مالِ غنیمت میں دو طرح شرکت کیا کرتے تھے۔ ایک شرکت بدنی دوسرے یہ کہ ایک آدمی اپنا اونٹ یا گھوڑا دوسرے کو اس شرط پر دیتا ہے کہ اس پر چڑھ کر جہاد کرے اور جو مالِ غنیمت ملے اس کا نصف اسے ادا کرے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک تیر کے دو حصے کیے گئے۔ چنانچہ ایک کو تیر مل گیا اور دوسرے کو اس کا پھلا اور پر ملا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمارؓ اور سعدؓ نے بدر کے دن مشارکت کی۔ حضرت سعدؓ دو قیدی لے آئے اور عمارؓ خالی ہاتھ آئے۔ کبھی آپؐ سوار فوج اور کبھی فوج ارسال فرماتے۔ لیکن فتح ہو جانے کے بعد جو آتا اس کا حصہ مقرر نہ فرماتے۔

دشمن کا مال بھی ناجائز طور پر نہیں کھایا جا سکتا

غزوات میں آپ کے ہمراہ مسلمان شہد، انگور اور کھانا حاصل کرتے تو کھا لیتے اور اسے مغانم میں نہ لے جاتے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک لشکر نے کھانا نیز شہد مالِ غنیمت میں حاصل کیا۔ آپؐ نے اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول نہ فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مغفل کو خیبر کے دن چربی کا ایک مشکیزہ ملا۔ وہ کہنے لگے آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا۔ (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور مسکرا دیئے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت ابن ابی اوفیٰ سے دریافت کیا گیا۔ کیا آپؐ رسول اللہ صلی اللہ کے عہد میں از قبیل طعام اشیاء کا خمس دیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: فتح خیبر کے دن ہمیں کھانا ہاتھ لگا۔ جو بھی آتا حسبِ ضرورت لے کر چلا جاتا۔ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں اخروٹ کھا لیا کرتے اور تقسیم نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم اپنے سامان سفر کے پاس آتے اور اسے بھرا ہوا پاتے۔

دشمن کی لاش کا بھی حلیہ نہیں بگاڑا جا سکتا

آپؐ غزوات میں لوٹ مار کرنے اور مثلہ (ناک وغیرہ مقتول کی کاٹنا) کرنے سے منع فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بار لوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک مرتبہ لوٹ کے مال سے چند دیگچیاں چولھے پر رکھی گئیں۔ آپ نے انہیں الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ابو داؤد نے ایک انصاری کی روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ لوگوں کو سخت حاجت لاحق ہوئی اور بڑی مشقت اٹھانی پڑی پھر انہیں مالِ غنیمت ملا تو تقسیم کرنے کی بجائے اسے لوٹ لیا۔ (اس لوٹ کے مال سے) ہماری دیگچیاں ابل رہی تھیں کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان کے سہارے چلتے ہوئے تشریف لائے اور اسی سے دیگچیاں الٹ دیں۔ پھر فرمایا۔

لوٹ کا مال مردار سے حلال نہیں ہوتا اور مردار لوٹ سے حلال نہیں ہوتا۔

نیز آپ نے مالِ غنیمت کے جانور پر سواری کرنے کی ممانعت فرمائی کہ جب کمزور ہو جائے تو لوٹا دے اور اسی طرح مالِ غنیمت میں سے لباس نہیں پہنا کہ جب پرانا ہو جائے تو لوٹا دے (اس کی بھی ممانعت فرمائی) البتہ حالتِ جنگ میں اس سے استفادہ کرنے کی ممانعت نہیں کی۔

خیانت کسی حالت میں جائز نہیں

اور آپؐ غلول (خیانت کر کے مال چھپا لینا) کی سخت ترین مخالفت کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے یہ قیامت کے دن اس کے مرتکب پر عار ہو گی، آگ ہو گی اور رسوائی ہو گی۔ جب آپؐ کے غلام مدعم کو تیر لگا تو صحابہ کہنے لگے: اسے جنت مبارک ہو گی۔

آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے غزوہ خیبر کے دن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے جو چادر اس نے لے لی تھی وہ اس پر آگ کی صورت میں جلائی جا رہی ہے یہ سُن کر ایک آدمی ایک یا دو تسمے لے آیا، تو آپؐ نے فرمایا ایک یا دو تسمے آگ کے ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ غلول اور

اس کی شدت در برائی کا ذکر کیا اور فرمایا میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس طرح نہ ملوں کہ اس کی گردن پر بکری سوار ہو اور چیخ رہی ہو یا گھوڑا اس کی گردن پر سوار ہنہنا رہا ہو۔ اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے اور میں کہوں گا کہ تیرے لیے میرے بس میں کچھ نہیں۔ میں نے تمہیں (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کسی کی گردن پر خاموش (سونا چاندی) سوار ہو اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے میں کہوں گا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کوئی ایسا ہو کہ جس کی گردن پر گٹھری رکھی ہو، جس سے اس کا سانس بند ہو رہا ہو اور وہ کہے۔ اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا تیرے متعلق مجھے کچھ اختیار نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کے احکام) پہنچا دیے تھے۔ نیز سامان کے ایک پہریدار کے مرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ آگ میں ہے۔

چنانچہ (صحابہؓ) گئے اور اس کی تلاشی لی تو دیکھا کہ اس نے ایک عبا کی خیانت کی تھی۔

ایک غزوے میں صحابہؓ نے کہا کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ فلاں بھی شہید ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے دوزخ میں ایک چادر یا عبا کی وجہ سے دیکھا جو اس نے خیانت سے چھپالی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابنِ خطاب جاؤ اور جاکر لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں ایمان والوں کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔

خیبر کے دن ایک آدمی فوت ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنے ساتھی کا جنازہ (خود) ہی پڑھ لو۔ (مارے غم) کے لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے اللہ کی راہ (کے مال میں) کچھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سامان کی تلاشی لی تو یہودیوں کا ایک منکہ دستیاب ہوا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔

جب آپؐ کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو حضرت بلالؓ کو حکم فرماتے سب لوگ مالِ غنیمت لے کر حاضر ہو جاتے آپؐ اس کا خمس نکال لیتے اور (باقی) تقسیم فرما دیتے۔ ایک آدمی

تقسیم کرنے کے بعد بالوں کی ایک لگام لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے بلال کی ندا تین بار سنی؟ اس نے عرض کیا ہاں!

آپ نے فرمایا کہ پہلے لانے میں کیا رکاوٹ پیش آئی تھی؟ اس نے عذر کیا۔ آپ نے فرمایا تو اسے قیامت کے روز لائے گا۔ اب میں تجھ سے ہرگز قبول نہ کروں گا!

جنگ آج سے ۱۴ برس پہلے بھی ہوتی تھی آج بھی ہوتی ہے، دشمن کے سپاہی آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی لڑتے تھے، آج بھی لڑتے ہیں، آج سے ۱۴ سو برس پہلے کا زمانہ جہالت کا زمانہ تھا، بربریت سفاکی، دہشت اور جفاکاری کا زمانہ تھا آج کا زمانہ، انسانیت، تہذیب، شائستگی اور مدنیت کا زمانہ ہے، لیکن کیا آج کے زمانے میں بھی دشمن کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے، وہی رعایتیں کی جاتی ہیں۔ وہی سہولتیں عطا ہوتی ہیں جو آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے امی نے عطا فرمائی تھیں!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک عظیم الشان انقلاب سے دنیا کو روشناس کیا اور یہ ایسا انقلاب تھا، جو آج بھی بالکل تازہ اور نیا معلوم ہوتا ہے۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی یاد، اس کے اثرات و نتائج آج بھی بہت سے دماغوں میں تازہ ہوں گے۔ ان دونوں جنگوں میں فاتح نے مفتوح کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح اسے تڑپا تڑپا کر ہلاک کیا اور جس طرح مفتوحہ شہروں کو پامال کیا، اس کی مثال کیا پیغمبر صحرا کے عہد گرامی میں بھی ملتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی جنگ بھی ایک رحمت ہے، اگرچہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت کے باعث اس کا اعتراف نہ کریں!

(رئیس احمد جعفری)

جہاد اور اس کی فضیلت

جہاد کی قسمیں، مجاہد کے درجات، اللہ کی نعمت

احکام جہاد کے تدریجی مراحل جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور اپنے مومن بندوں کی نصرت و توانائی عداوت اور باہمی جنگ کے بعد ان کے قلوب میں محبت ڈال دی چنانچہ اللہ تعالیٰ کے انصار اور مومنین نے آپ کو ہر سیاہ و سفید (دشمنی) سے بچانے کی کوشش کی اور آپ کی خاطر ہر قسم کا جہاد کیا اور اپنے والدین، اولاد اور بیویوں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ اُن کے نزدیک اپنی زندگی سے کہیں زیادہ قابلِ محبت تھے) چنانچہ عرب اور یہود نے مل کر ان کا مقابلہ کیا جنگ اور عداوت پر اتر آئے۔ اور ہر جانب سے ان پر حملہ کر دیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ انھیں صبر اور معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ آخر ان کو بھی شوکت و قوت حاصل ہوئی اور ان کے بازوؤں میں بھی توانائی آگئی تو انھیں جہاد کی اجازت دی گئی لیکن یہ فرض تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر یعنی جن سے مقاتلہ کیا جاتا ہے، انھیں اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

آیۂ جہاد کے بارے میں انکار ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور یہ اذان مکہ میں داخل ہے۔ یہ نظریہ کئی دلائل سے غلط ہے، ایک تو یہ کہ اللہ نے مکہ میں قتال کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ مسلمانوں کو کوئی خاص شوکت حاصل تھی کہ جس کی بنا پر وہ مکہ میں قتال کر سکتے۔ دوسرے آیت کا

سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اذان ہجرت اور گھروں سے خارج کرنے کے بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ یعنی جنھیں اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا مگر وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور یہ مہاجرین کی جماعت تھی۔ تیسرے یہ کہ مستدرک حاکم میں حضرت اعمش رضؓ نے انھوں نے مسلم بطین سے انہوں نے حضرت سعید رضؓ بن جبیر سے انھوں نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے۔ تو ابوبکر رضؓ نے فرمایا، مشرکین نے اپنے نبی کو نکال دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون یہ یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا، یہ قتال کے متعلق پہلی آیت ہے۔

جہاد فرض قرار دیا گیا

اس کے بعد ان کے مقابلہ میں جو مقاتلہ کریں، جہاد کرنا فرض قرار دیا گیا، اور فرمایا، وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم، یعنی اللہ کے راستہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے برسرپیکار ہیں۔

اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف جہاد فرض ہوگیا، اب یہ یا تو فرض عین ہے جیسے دو اقوال میں سے ایک مروی ہے، یا مشہور قول کے مطابق فرض کفایہ ہے۔ بہرحال از روئے تحقیق جہاد کرنا فرض عین ہے، دل سے یا زبان سے یا ہاتھ سے، اس طرح ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ انواعِ جہاد میں سے کسی نہ کسی نوع کا جہاد کرے۔

رہا جہادِ نفس و جان کے ساتھ جہاد کرنا یہ فرض کفایہ ہے اور جہاد بالمال کے متعلق دو قول مروی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال کو ایک ہی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

اس آیت میں آگ سے نجات اور گناہوں کی بخشش اور دخولِ جنت کو اس (جہاد) سے مشروط کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يا ايها الذين امنوا هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم ٥ تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون في سبيل الله باموالكم وانفسكم ذالكم خير لكم ان كنتم تعلمون ٥ يغفر لكم ذنوبكم ويدخلكم جنات تجري من تحتها الانهار ومساكن طيبة في جنات عدن ط ذالك الفوز العظيم ٥

یعنی اے ایمان والو، کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے، تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور پاکیزہ مکانات عدن کے باغات میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

پھر جب کہ مدعیانِ محبت کی کثرت ہو گئی تو ان سے مطالبہ ہوا کہ دعوے کے ثبوت میں دلیل پیش کریں (اور وہ ثبوت یہ تھا)

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله یعنی کہہ دو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت رکھے گا۔"

اس پر تمام مخلوق پیچھے ہٹ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور آپ کی سنت طیبہ و اخلاق حسنہ میں (حب اللہ) محدود ہو گئی۔ اس طرح ان سے ایک واضح عدالت طلب کی گئی، اور فرمایا گیا کہ تزکیہ کے بغیر عدالت قبول نہیں کرتے (اور تزکیہ بھی ایسا کہ جس کے ساتھ) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت سے نہ ڈریں۔ اس مقام پر محبت کے کئی دعوے دار پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے پھر کہا گیا کہ محبت کرنے والوں کی جان اور مال ان کا اپنا نہیں۔ اس لیے جس پر عہد قائم ہوا وہ حوالے کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کا جان و مال خرید لیا کہ انھیں جنت ملے گی۔ اور ضروری ہے کہ یہ عہد جانبین کی طرف سے تسلیم کیا جائے اور جب تجار نے خریدی ہوئی چیز کی عظمت اور قیمت کا اندازہ کر لیا جس کے مبارک ہاتھوں پر

عہد ہو رہا ہے۔ اس کے جلال اور جس کتاب میں عہد ہو رہا تھا اس کتاب کا مرتبہ و مقام محسوس کر لیا، تو انھیں یقین ہو گیا کہ اس مبیعہ کی وہ شان و عظمت ہے جو کسی دوسرے مبیعہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انھیں معلوم ہو گیا کہ اگر اسے چند کھوٹے درہم (دنیا) کی خاطر بیچ دیا گیا۔ تو یہ سخت نقصان اور واضح بد دیانتی ہو گی چنانچہ انھوں نے بغیر کسی تیل و تال کے اپنی رضا مندی اور اختیار و ارادہ کے ساتھ مشتری کے ساتھ بیع کر لی۔ اب جب بیع مکمل ہو چکی اور مبیعہ (چیز) حوالے کر دی گئی، تو انھیں بتا دیا گیا کہ اب تمہارے مال اور تمہاری جان ہماری ملکیت بن چکی ہے۔ اور ہم انہیں تمہارے پاس جو کچھ تمہارا ہے بہتر اور تمہارے اموال کے ساتھ مزید اموال تمہیں دیں گے۔ اور یہ مت سمجھو کہ جو اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے وہ مر چکے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے انھیں رزق دیا جاتا ہے، اور ہم سے تمہارے مال اور تمہاری جانیں نہیں مانگتے کہ تم پر نفع چاہیں بلکہ اس لیے کہ چیز کی قبولیت کے بعد اس کے جود و سخا کا اثر ظاہر ہو۔ اور مزید عطا کرنا بڑی قیمت ہے۔ پھر ہم نے قیمت اور خریدی ہوئی چیز بھی تمہیں عطا کی۔

حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ

دیکھئے حضرت جابرؓ کے واقعہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک اونٹ خریدا پھر اس کی قیمت ادا کی اور زیادہ (قیمت) عطا فرمائی (مزید براں) اونٹ بھی واپس کر دیا۔ اور ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ان کے والد کے متعلق اللہ تعالےٰ کا فیاضانہ (سلوک) بتایا، اور خبر دی کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے والدؓ کو زندہ کیا اور ان سے گفتگو فرمائی۔

اور مزید براں اس عہد پر مدح و تعریف بھی فرمائی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "اگر میری امت پر سختی نہ د نظر آتی تو میں ہر لشکر کے پیچھے بیٹھتا اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر مجھے زندہ کیا جائے اور فرمایا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار کی طرح ہے جو اللہ کے احکام پر عامل و قائم ہو اور روزے اور نماز سے بالکل سست

نہ ہو۔ یہاں تک کہ مجاہد اللہ کے رستہ سے واپس آجائے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سے وفا کرے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے اجر اور مال غنیمت سمیت واپس کرے گا۔

نیز آپ نے فرمایا، اللہ کے راستہ میں جانا یا آنا لینا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ نیز اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ بھی میرے راستہ میں میری رضا کی خاطر نکلے گا۔ میں اسے ضمانت دوں گا کہ اسے جو اجر یا غنیمت ملے گی اس کے ساتھ واپس کردوں گا اگر میں نے اس کو لے لیا تو اسے بخش دوں گا اس پر رحم کردوں گا اور اسے جنت میں داخل کردوں گا۔

اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ غم واندوہ سے نجات دیتا ہے۔

نیز فرمایا، کہ جنت میں سو درجات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کے برابر فاصلہ ہے اس لیے جب اللہ سے درخواست کرو، تو فردوس کی درخواست کرو، کیونکہ یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی انہار شروع ہوتی ہیں۔

نیز فرمایا جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے دربان بلائیں گے جو ہر دروازے پر ہوں گے تو جو اہل نماز سے ہوگا اسے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اسے باب جہاد سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اسے باب الصدقہ میں سے بلایا جائے گا، اور جو اہل صیام (روزہ داروں) میں سے ہوگا اسے باب الریان سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ بلند

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جسے ہر دروازے سے بلایا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہوگے۔

جہاد کرنے والے کے درجات

سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں نفقہ بھیجے اور اپنے گھر میں ٹھہرا رہے اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم عطا کرے گا، اور جو اللہ کی راہ میں اپنی جان سے جہاد کرے اور نفقہ بھی اپنے پاس سے کرے تو اسے ایک درہم پر سات لاکھ درہم عطا ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ یعنی اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا عطا کرتا ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا جو اللہ کی راہ میں مجاہد کی مقروض کی ادائے قرض میں یا مکاتب (غلام) کی آزادی حاصل کرنے میں مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے (عرش) کے سایہ میں جگہ دے گا، جس دن اس کے (عرش) کے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا اور فرمایا جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اللہ نے انہیں آگ پر حرام کر دیا اور فرمایا کہ بخل اور ایمان ایک آدمی کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے، اور اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے چہرے پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ "ایک دل میں" کے الفاظ منقول ہیں۔ ایک جگہ "ایک آدمی کے پیٹ میں" مذکور ہے۔ ایک جگہ "ایک مسلمان کے نتھنوں میں تحریر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں دن کی ایک ساعت غبار آلود ہو گئے تو وہ آگ پر حرام ہیں۔ نیز ان سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے پیٹ میں اللہ کی راہ کی غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں کرتا اور اللہ کی راہ میں جس کے قدم غبار آلود ہوئے اللہ نے اس کے تمام جسم پر آگ حرام کر دی اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالےٰ نے اس سے تیز چلنے والے سوار کے ایک ہزار سال کے سفر کے برابر آگ دوری کر دی۔ اور جسے اللہ کی راہ میں ایک زخم پہنچا، اس پر شہداء کی مہر لگ گئی۔ قیامت کے دن اس کا نور ہوگا، جس کا رنگ زعفران کا سا اور جس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ تمام پہلے اور بعد میں آنے والے اسے پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ فلاں پر شہداء کی مہر ہے اور جو اللہ کی راہ میں اونٹنی کے

حصّہ پر جہاد کرے گا۔ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ نیز آپ نے فرمایا ایک دن رات (اللہ کی راہ) میں پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزے اور قیام سے بہتر ہے اور اگر اسی حالت میں فوت ہوگیا تو اس کا عمل جاری رہے گا۔ اور اس کا رزق برابر آتا رہے گا، اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

اور فرمایا، کہ کوئی آدمی بھی جب مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ سوا اس کے جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا ہی رہتا ہے، اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ دینا گھر میں ایک ہزار دن (کی عبادت) سے افضل ہے۔

امام احمدؒ نے آپؐ کی روایت نقل کی کہ جو مسلمانوں کے ساحل کا تین دن پہرہ دے اسے ایک سال کے (رباط) کا ثواب ہوگا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا اس سے افضل ہے کہ ایک ہزار رات کا قیام کرے اور اس کے (ہزار) ایام کا روزہ رکھا جائے۔ نیز آپؐ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام کر دی گئی۔ جو اللہ کے ڈر سے آنسو بہائے یا رو دے اور اس آنکھ پر آگ حرام کر دی گئی، جو اللہ کی راہ میں بیدار رہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا جسے جہاد میں ایک تیر کا حصّہ ملا، اسے جنت میں ایک درجہ حاصل ہوا۔ اور فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر چلایا وہ آزاد (آگ سے) ہے، اور جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوا، قیامت کے دن اس کے لیے ایک نور ہوگا، ترمذی کے نزدیک ایک درجہ سو سال کے برابر ہے، نسائی کے نزدیک پانچ صد سال (کے سفر) کا ایک درجہ ہوتا ہے۔

میدان جنگ کی باتیں

اسیرانِ جنگ، فدیہ، جنگی غلام، جاسوسی، مالِ غنیمت

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہوا یا از روئے صلح

جنگی قیدیوں میں سے بعض کو از راہ احسان آپ نے رہا کر دیا، بعض سے فدیہ لیا اور چھوڑ دیا۔ بعض پر چاکری عائد کر دی اور بعض کو قتل کیا۔ حسب تقاضائے مصلحت آپ نے یہ جملہ صورتیں اختیار فرمائی ہیں۔

بدر کے قیدیوں کو آپؐ نے فدیہ دے کر رہا کر دیا۔ اور فرمایا، اگر معطم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے سفارش کرتا تو میں انھیں ابھی چھوڑ دیتا۔

صلح حدیبیہ میں ستر مسلح آدمیوں نے حملہ کرنا چاہا انھیں پکڑ لیا گیا۔ آپؐ نے ان پر احسان فرمایا اور چھوڑ دیا۔ بن حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کیا گیا، تو آپؐ نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر آزاد کر دیا اور وہ اسلام لے آیا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت صدیقؓ نے فدیہ کر کے چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تاکہ (مسلمانوں) کو دشمن کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو جائے تو شاید اللہ تعالیٰ انھیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم میرا خیال وہ نہیں جو ابو بکرؓ کا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج ہم نے انھیں پکڑ لیا ہے تو ہمیں ان کی گردنیں مار دینی چاہئیں کیونکہ یہ لوگ کفر کے امام اور پیشوا ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو تسلیم فرمایا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح نہ دی۔ جب صبح ہوئی حضرت عمرؓ حاضر ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

ابوبکر دونوں رو رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ اور آپ کے ساتھی (ابوبکرؓ) کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آگیا، تو میں روؤں گا اور اگر رونا آیا تو آپ کے گریہ کے باعث تکلف سے روؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ گریہ فدیہ کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ما کان للنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض۔ یعنی کسی نبی کو جائز نہیں کہ اس کے قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح غالب آ جائے۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کی تشبیہہ ابراہیمؑ و نوحؑ سے

اس مسئلہ میں لوگوں کی دو رائیں ہیں:۔ ایک گروہ نے اس حدیث کے باعث حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دی۔ دوسرے گروہ نے حضرت ابوبکرؓ کے قول کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ حکم اسی طرح قائم رہا۔ کتاب نے اسے حلال کر دیا۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی۔ نیز صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکرؓ کو ابراہیم اور عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہہ دی اور عمرؓ کو حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام سے مشابہ بتایا اور ان قیدیوں کے اسلام لانے کے باعث خیر عظیم حاصل ہوا اور ان کے اصلوب سے مسلم اولاد ہونے اور فدیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوئی۔ باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ، تو وہ رحمت کے سبب تھا۔ جب آپؐ نے دنیا چاہنے والوں پر عذاب کا نزول ہوتے دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے دنیا کی خواہش کی ہی نہیں تھی (ان کا مطلب تو محض مسلمانوں کی خیر خواہی تھا[1])

انصارؓ نے اجازت چاہی کہ عم رسولؐ عباس سے فدیہ کی رقم نہ لی جائے۔

آپ نے فرمایا، ایک درہم بھی نہ چھوڑو[2]۔

---

[1] میں ایسی تمام روایات کو محلِ نظر سمجھتا ہوں، جن سے کسی دوسرے شخص کی رائے، آنحضرت کے مقابلہ میں صائب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یہ چیز شانِ محمدی کے بھی خلاف ہے، اور مرتبہ رسالت کے بھی۔

[2] اسلام کی مساوات کے سامنے عم رسولؐ اور ایک عام شخص میں کوئی فرق نہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

مسلمہ بن اکوع نے ایک لونڈی کی درخواست پر جو حضرت ابو بکرؓ نے کسی غزوہ میں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی۔ آپؐ نے عطا فرما دی۔ مسلمہ نے اسے مکہ بھیجا۔ اور کچھ مسلمانوں کو اس کے عوض میں رہا کر دایا۔ اور عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حرث کو قتل کر دیا گیا کیونکہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول سے سخت ترین عداوت رکھتے تھے[1]۔

امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ کچھ قیدی ایسے تھے جن کے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہ تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ کسی کام کو بھی فدیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

آپ کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ گرفتار ہونے سے قبل جو اسلام لے آتا وہ ہرگز غلام نہ بنایا جاتا[3] اور جس طرح اہل کتاب کے گرفتار شدگان غلام بنائے جاتے اس طرح عرب قیدیوں کو بھی غلام بنا لیا جاتا۔ حضرت عائشہ کے پاس باندی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اسے آزاد کر دو، کیونکہ یہ بنی اسماعیل سے ہے۔ اور جب آپؐ نے بنی مصطلق کے غلاموں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہؓ بنت حرث ثابت بن قیس بن شماس کی چاکری میں آگئیں جن سے انہوں نے مکاتبت کر لی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کی رقم ادا فرمائی اور نکاح فرما لیا۔ آپ کے نکاح کے بعد اس رشتہ کی وجہ سے بنی مصطلق کے ایک سو غلام آزاد کر دیئے گئے[4]۔ اور یہ خالص عرب تھیں۔

---

[1] صرف عداوت ہی نہیں رکھتے تھے، مفسدہ پرداز، فتنہ انگیز اور حد درجہ شریر بھی تھے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو معاف کر دیتے تھے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کی آپؐ کی نظر میں کس درجہ اہمیت اور وقعت تھی۔

[3] اس سے بڑی دلیل ان فقہا کے خلاف کوئی نہیں ہو سکتی، جو مسلمان کو غلام تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام غلامی کو ساقط کر دیتا ہے۔

[4] آنحضرت کے زمانہ میں کوئی جنگی قیدی غلام نہیں بنایا گیا سوا وقتی طور پر کسی مصلحت کے ماتحت اور پھر کوئی اڑے کہ پورے کے پورے آزاد کر دیئے گئے۔

ماں اور بچہ میں جدائی نہ کرائی جائے!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باندی ماں سے اس کے بچے کو علیحدہ کرنے کی ممانعت فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے۔

جو ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالے گا، قیامت کے روز اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا[1]۔ آپؐ کے پاس غلام آتے تو آپ مجموعی طور پر بخشتے تاکہ ان میں جدائی نہ پڑے۔

مسلمانوں کے خلاف جاسوسی

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے مشرکین میں سے ایک جاسوس کو قتل کیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حاطب کو قتل نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے جاسوسی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرما دیا تھا، "اب تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دی۔ اس سے امام شافعیؒ، احمدؒ اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کو قتل نہ کیا جائے[2]۔ اور امام مالکؒ اور اصحابِ احمد رحمہم اللہ قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی رائے زیادہ قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

مشرکین کے غلام مسلمان علاقہ میں آزاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ مشرکین کے غلام اگر مسلمانوں کے علاقہ میں آجاتے تو انھیں آزاد سمجھتے اور فرماتے، یہ اللہ عزوجل کے آزاد کردہ ہیں۔ نیز آپ کی سنتِ طیبہ یہ بھی تھی کہ کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا، اسی کے پاس رہنے دیتے۔ نیز زمانۂ کفر اور جنگ میں کافر مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی جانی و مالی نقصان پہنچا چکے ہوں (اسلام لانے کے بعد) ان پر جرمانہ عائد نہ کرتے[3]۔

---

[1] صلہ رحم کی اسلام نے زیادہ سے زیادہ تاکید کی ہے اور یہ چیز دشمنوں اور میدان جنگ کے حریفوں کیساتھ بھی ہے۔

[2] مجرم بہر حال مجرم ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام اس طرح کی کوئی تفریق پسند نہیں کرتا۔

[3] تبلیغ اسلام کا سب سے بڑا اور کامیاب ذریعہ یہی طرزِ عمل ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

حضرت صدیق رضؓ نے مرتدین کے گھروں سے مسلمانوں کی جان و مال کا خون بہادینا چاہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کا اجر اللہ پر ہے اور شہید کا خون بہا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے قول پر صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔

غنیمت کی زمین کے متعلق آنحضرتؐ کی سُنّتِ طیّبہ

آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے بنی قریظہ، بنی نضیر، اور خیبر کی زمینیں غانمین کے درمیان تقسیم فرمائیں۔ مدینہ منورہ کو قرآن مجید نے فتح کیا تھا کتاب اللہ ہی کے باعث وہ مسلمان ہو گئے تھے، اور اپنے دین پر سختی سے قائم رہے مگر مکہ بزور قوت فتح ہوا تھا، اس لیے تقسیم نہیں کیا گیا۔ علمائے کرام کے نزدیک اس کی حیثیت متعین کرنا بھی مشکل ہو گئی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ چونکہ دار المناسک (مناسکِ حج کی جگہ) ہے اور یہ مسلمانوں پر وقف ہے اور وہ تمام اس میں شریک ہیں اس لیے اس کی تقسیم محال ہے۔ اس وجہ سے بعض علمائے کرام اس کی فروخت یا اجارہ ممنوع بتاتے ہیں۔ اور بعضوں نے اس کی اچھی زمینوں کی فروخت کو جائز کہا ہے، اور اجارت (کرایہ پر دینا) کو ممنوع بتایا امام شافعیؒ نے چونکہ قوت سے (فتح مکہ) اور تقسیم نہ ہونے کو جمع نہیں کیا اس لیے انھوں نے فرمایا ہے کہ (مکہ) صلح سے مفتوح ہوا اس وجہ سے تقسیم نہ ہوا، اور فرمایا، کہ اگر مکہ قوت کے بل پر فتح ہوتا تو اس کی حیثیت غنیمت کی سی ہوتی۔ پھر اس کی تقسیم بھی واجب ہو جاتی، جیسے کہ حیوان اور منقولہ چیز کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ کی زمینوں کی بیع و اجارت میں کوئی ہرج نہیں اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مالکوں کی ملکیت ہے۔ ان کی وراثت چل سکتی ہے اور وہ ہبہ کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مالک کی طرف ملکیت منسوب کی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ بن خطاب نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان خریدا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، مکہ میں آپؐ کا کل کہاں قیام ہوگا؟ آپ نے فرمایا، کیا عقیل نے (مکہ) میں کوئی جگہ ہمارے لیے چھوڑی بھی ہے؟ اور عقیل ابو طالب کے وارث بنے تھے۔ اور جب اصل یہ ہے کہ زمین غنائم میں سے ہے اور غنائم کی تقسیم واجب ہے اور

مکہ کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ اس لیے مکانات اور زمین کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے اور تقسیم نہیں ہو سکتیں تو یہ چیز لازم نہیں کہ یہ "شہر صلح سے مفتوح ہوا" جو آدمی احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرے وہ دیکھ لے گا کہ تمام روایات جمہور کے قول کی حمایت کرتی ہیں کہ یہ شہر فتح ہوا" اس میں اختلاف ہو گیا کہ تقسیم کیوں نہیں ہوا؟ ایک جماعت کے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ شہر قربانی اور عبادت کی جگہ ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے وقف ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ تقسیم کر دے یا وقف رہنے دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا اور مکہ کو تقسیم نہیں کیا اس سے دونوں امور کا جواز نکلتا ہے ان کا کہنا ہے کہ زمین کو تقسیم کرنے سے یہ غنائم مامورہ میں شامل نہیں ہو جاتی، بلکہ غنائم کا اطلاق تو صرف چوپاؤں اور منقولہ جائداد پر ہی ہو سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے سوا کسی دوسری امت پر غنائم کو حلال قرار نہیں دیا، اور ان کے لیے دار الکفر مباح قرار دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (آیت)

آخر تک یعنی اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم آپنے آپ پر اللہ کے انعامات کو یاد کرو۔

پھر اس آیت کے آخر میں فرعون اور اس کی قوم اور ان کی زمینوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ، یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو ان زمینوں کا وارث بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین غنائم کے تحت شمار نہیں ہوتی۔ امام کو اختیار حاصل ہے کہ مصلحتِ وقت کے لحاظ سے جو چاہے کرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم بھی کیا اور ترک بھی کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم نہیں کیا بلکہ اسی طرح رہنے دیا اور اس پر دوامی خراج عائد کر دیا تاکہ امورِ جنگ میں اس سے مدد لی جا سکے۔

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہونے کے چند دلائل

ایک یہ کہ کسی سے یہ منقول نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اہل مکہ سے مصالحت کی، اور نہ اس علاقہ کے رہنے والوں

میں سے کسی ایک کے ساتھ صلح کا کوئی واقعہ منقول ہے بلکہ جب ابو سفیان حاضر ہو تو آپؐ نے اسے، جو اس کے گھر میں داخل ہو جائے، یا اپنا دروازہ بند کرے یا مسجد میں داخل ہو جائے یا ہتھیار ڈال دے امان دے دی۔ اگر یہ شہر محض صلح سے مفتوح ہوتا تو آپؐ یہ نہ فرماتے کہ جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے، یا دروازہ بند کر دے یا مسجد میں داخل ہو جائے تو اسے امان ہے۔ کیونکہ تو خود ہی عمومی امن کی ضمانت ہوتی ہے

دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں (فیل) کو مکہ سے روک دیا اور اپنے رسول اور ایمان والوں کو اس پر مسلط فرمایا۔ اور مجھے دن کی ایک گھڑی (مقاتلہ) کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ الفاظ صراحت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ مکہ قوت سے مفتوح ہوا۔ نیز صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن حضرت خالد بن ولیدؓ کو دائیں جانب اور حضرت زبیر کو بائیں جانب مقرر فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو میدانی علاقہ میں مقرر فرمایا اور حکم دیا، اے ابوہریرہؓ انصار کو بلاؤ (انصار) دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا، اے انصار کی جماعت! کیا تم قریشؐ کے آوارہ لوگوں کو دیکھ رہے ہو! انھوں نے عرض کیا، ہاں! آپؐ نے فرمایا، دیکھو، جب صبح تم ان سے مقابلہ کرو (ملو) تو انھیں پیس کر رکھ دو۔ اور آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا (بتایا) اور فرمایا کوہ صفا پر تمہارے ساتھ وعدہ (ملاقات) ہے۔ انصار حاضر ہوئے تو صفا پر چکر لگائے فرمایا کہ آج جو بھی انھیں دکھائی دے اسے سلا دو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے اور انصار حاضر ہوئے اور ابو سفیان حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

اے اللہ کے رسول قریش کے اشراف ہلاک کر دیئے گئے، آج کے بعد کوئی قریش نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے اور جو ہتھیار پھینک دے اسے امان ہے اور جو دروازہ بند کر دے اسے امان ہے۔

نیز حضرت ام ہانی نے ایک آدمی کو امان دی، حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جسے تو نے امان دی ہم نے اسے امان دے دی، نیز آپؐ نے مقیس بن صبابہ، ابن خطل وغیرہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اب اگر مکہ صلح سے فتح ہوتا تو آپؐ کسی اہل مکہ کے قتل کا حکم نہ دیتے۔ نیز سنن میں صحیح روایت ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا، لوگوں کو امن دے دو۔ سوائے دو عورتوں اور چار مردوں کے۔ ان کو اگر تم کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے بھی دیکھ لو تب بھی قتل کر دو[1]۔

مشرکین کے درمیان اقامت کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے درمیان کسی مسلمان کی رہائش کو ممنوع قرار دیا ہے، اگر وہ وہاں سے ہجرت کر سکتا ہے۔ اور فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو کہ مشرکین کے درمیان رہائش پذیر ہے۔

عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول، کیوں؟ فرمایا کیا تو انھیں دیکھ نہیں رہا یعنی ان کے دوزخی ہونے کو نیز فرمایا جو مشرک کے ساتھ آئے اور اس کے ہمراہ سکون حاصل کرے کہ وہ اس کا سا ہے۔ اور فرمایا جب تک توبہ منقطع نہیں ہوئی، اس وقت تک ہجرت منقطع نہ ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلتا اس وقت تک توبہ منقطع نہ ہوگی[2]۔

---

[1] یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں اسلام کے بدترین دشمن تھے، ساتھ ہی ساتھ حد درجہ مفسد بھی۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اسلام اپنے اصولوں میں غیر مفاہمت پسند ہے وہ کسی کے ساتھ صلح نہیں کر سکتا اور خاص طور پر مشرکین کے ساتھ تو اس کا برتاؤ اور زیادہ سخت ہے اس لیے کہ اسلام کی بنیاد و اساس توحید پر ہے یعنی خدائے واحد و یکتا کی ربوبیت پر۔ اب اگر کوئی جماعت اس میں رخنہ ڈالتی ہے، اس اصول کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے، اس بنیاد و اساس کو منہدم کرنے کے درپے ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قیمت پر صلح نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس صلح کے معنی ہیں اپنی بنیاد و اساس سے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اور فرمایا، عنقریب ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۔ اس لیے زمین پر سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت سے پیوستہ رہیں۔ اور زمین پر شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔ انہیں وہ پھینک دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ بندروں اور خنازیر کے ساتھ ان کا حشر کرے گا۔

(بقایا حاشیہ سابقہ صفحہ سے) دستبرداری کے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں مشرکین کا ذکر آیا ہے اسی غیر مفاہمانہ انداز میں۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مشرکین انسانی حقوق سے محروم ہیں، ایسا نہیں ہے، اسلام انھیں اسلامی حقوق سے محروم نہیں کرتا۔ عقیدے کے معاملہ میں ان پر جبر بھی نہیں کرتا، ان کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرتا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ فتح مکہ کے بعد مشرکین سے مسلمانوں کے وہ مکانات تک نہیں واپس لے گئے جن پر زبردستی اور دھاندلی سے انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن ان سے پینگ نہیں بڑھائے جا سکتے۔

(رئیس احمد جعفری)

امان، صلح، جزیہ، اہل کتاب، منافقین اور کفار کے قاصد

کفار کی آمد، ان کا قرآن مجید سننا پھر انہیں واپس اپنی با امن جگہوں میں پہنچانا

پاسِ عہد اور بیوفائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ سب سے چھوٹا بھی اس کے دفا کی کوشش میں رہتا ہے اور جو کسی مسلمان سے غداری کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا۔

نیز فرمایا: کوئی مومن کافر کے بدلے قتل نہ ہوگا[1]۔ اور نہ معاہد اپنے عہد کے دوران میں قتل کیا جا سکتا ہے[2]۔ جس نے نئی بات (بدعت) ایجاد کی۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو کفار کے تین گروہ بن گئے۔

(۱) ایک گروہ نے آپ سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ "نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ پر حملہ کریں گے اور آپ کے دشمن سے پیمانِ دوستی استوار کریں گے۔ وہ بدستور کافر رہ سکتے ہیں، ان کی جان بھی محفوظ ہے اور مال بھی۔

---

[1] بشرطیکہ وہ کافر ذمی یعنی مسلمانوں کی پناہ میں نہ ہو، ایسی صورت ہو تو کافر کے بدلے میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا۔

[2] معاہد سے مراد وہ غیر مسلم ہیں، جن سے وقتی یا مستقل طور پر صلح کا معاہدہ کر لیا گیا ہو۔ (رئیس احمد جعفری)

(۲) ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی اور مخالفت پر اتر آیا۔
(۳) اور ایک گروہ نے نہ جنگ کی نہ صلح کی، بلکہ آپ کے اور آپ کے اعدائے کے معاملات و نتائج کا انتظار کرنے لگے۔

ان جماعتوں میں سے بعض در پردہ آپ کا غلبہ چاہنے اور آپ سے تعاون کو پسند کرنے اور بعض آپ کے دشمنوں کے غلبہ استیلاد کے منتظر تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو ظاہری طور پر آپ کے ساتھ مل گئے اور در پردہ دشمنوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ تاکہ دونوں فریقوں کے بھلے رہ سکیں۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ آپ نے ان تمام جماعتوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا۔ جیسا پروردگار عالم نے آپ کو حکم دیا، چنانچہ آپ نے مدینہ کے یہود کے ساتھ صلح کر لی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ لکھا گیا۔ مدینہ کے آس پاس (یہودیوں) کے تین گروہ آباد تھے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔

بنو قینقاع کی طرف سے جنگ

غزوہ بدر کے بعد بنو قینقاع نے آپ سے جنگ کی بغض عناد اور فساد کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ ہجرت کے بیسویں ماہ شوال کے نصف کے قریب ہفتے کے دن اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے جانثاروں کا ایک گروہ ان کی طرف بڑھا یہ قبیلہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کا حلیف تھا۔ اور اہل مدینہ کے یہود میں سے سب سے زیادہ شجاع، مسلمانوں کا پرچم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا اور ابو لبابہ بن عبداللہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ ذی قعدہ کی پندرھویں رات تک سخت ترین محاصرہ کیا گیا۔ قوم یہود میں سے یہ پہلی قوم تھی جس نے (اہل اسلام کے خلاف) جنگ کی۔ مسلمانوں نے انہیں قلعوں میں گھیر لیا اور انتہائی شدت کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جان و مال، عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے ان کی گرفتاری کا حکم جاری فرمایا اور عبداللہ بن ابی نے سفارش کی اور از حد اصرار کیا۔ آپ نے اس کے کہنے پر انہیں معاف فرما دیا اور حکم دیا کہ یہ قوم مدینہ سے نکل جائے اور اس کے قریب قیام پذیر نہ ہو۔ چنانچہ یہ

شام کی طرف چلے گئے مگر بہت کم وہاں ٹھہر سکے اور اکثر ہلاک ہو گئے۔ یہ لوگ صنعت کار اور تجار تھے اور ان میں قریباً چھ سو جنگجو نوجوان بھی تھے۔

بنو نضیر کی عہد شکنی

ان کے بعد بنو نضیر نے بھی عہد شکنی کی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا۔ یہ عروہ کی روایت ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہؓ کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لائے اور کلابیوں کے خون بہا کے متعلق ان سے بات چیت فرمائی جنہیں عمرو بن امیہ ضمری نے قتل کیا تھا۔ یہ کہنے لگے: اے ابوالقاسم ہم ضرور تعاون کریں گے۔ آپ یہاں بیٹھیں تاکہ آپ کی حاجت پوری کر دیں۔ پھر یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں سازش کرنے لگے۔ اور شیطان نے انہیں بدبختی میں دھکیل دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے قتل کا مشورہ کیا۔ اور کہنے لگے کہ کون ہے جو پتھر لے کر آپ کے سر پر دے مارے!

سب سے بڑے شقی عمرو بن جحش نے جواب دیا میں تیار ہوں، اس پر سلام بن مشکم بول اٹھا۔ یہ مت کرو خدا کی قسم تمہارے اس ارادہ کی خدا انہیں خبر دے گا۔ نیز اس طرح ہمارے اور ان کے درمیان عہد کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے وحی آئی اور کفار کے ارادوں کی اطلاع دے دی گئی۔ آپ جلدی سے اٹھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ دیگر صحابہؓ بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: کہ آپ تشریف لے گئے اور ہمیں خبر نہ ہو سکی۔ آپؐ نے یہود کے ارادوں سے انہیں آگاہ کیا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرف پیغام بھیجا کہ مدینہ سے نکل جاؤ اور میرے قریب رہائش مت رکھو۔ اس کے بعد میں نے جس کو بھی یہاں پایا، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ چند دن تیاری کرتے ہوئے وہاں ٹھہرے۔

منافق کی کارستانیاں

عبداللہ بن ابی منافق نے یہود کو پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے مت نکلو۔ میرے پاس دو ہزار نوجوان ہے جو تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہو گا اور تمہاری خاطر مرنے کو تیار ہو گا۔ نیز بنو قریظہ

اور غطفان کے معاہدین بھی تمہاری مدد کریں گے۔ ان کے سردار حی بن اخطب نے موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے ملک سے نہیں جائیں گے۔ تم جو چاہو کر دو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور ان کی طرف چل پڑے۔ حضرت علی بن ابی طالب جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ جب یہاں پہنچے تو قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر اور پتھر مارنے لگے۔ بنو قریظہ ان سے الگ ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی اور غطفان کے معاہدین نے ان سے خیانت کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے شیطان سے تشبیہہ دی فرمایا:

مثلھم کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منك

یعنی ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا، کفر کر اور جب اس نے کفر کیا تو کہنے لگا: میں تجھ سے بیزار ہوں۔

یہ آیت سورہ حشر میں بنی نضیر کے حق میں اتری ہے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کر لیا، کھجور کے درخت کاٹ دیئے اور انہیں جلا دیا۔ اب انہوں نے پھر پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکل جاتے ہیں۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی اولاد کی جانیں لے کر جا سکتے ہو اور ہتھیاروں کے علاوہ دیگر سامان اس قدر لے جا سکتے ہو جو اونٹ اٹھا لے اور باقی مال و اسلحہ پر حضور نے قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول کے آغاز میں درپیش آیا۔

بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کے اسباب

بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے اور بدترین کفر کے مرتکب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں وہ سزائیں دی گئیں جو ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں ملیں۔ ان سے غزوے کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے لیے تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ آپؐ کی صلح تھی۔ چنانچہ حی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں تمہارے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش اور اُن کے عمائدین اور غطفان اور ان کے قائدین کا تعاون لے کر آیا ہوں۔ تم

اہل شوکت اور ہتھیاروں کے مالک ہو۔ اس لیے آؤ محمد کو ختم کر دیں اور اس سے چھٹکارا حاصل کریں۔ (نعوذ باللہ)

(بنو قریظہ) کے سردار نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ تو زمانہ کی ذلت لے کر آیا ہے۔ تو میرے پاس ایسا بادل لایا ہے جو پانی برسا چکا ہے اور اب اس میں صرف گرج اور چمک ہی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دیر تک اس پر مکر و فریب کے جال ڈالتا رہا، اسے امید دلاتا، مدد کے (سبز باغ) دکھاتا رہا۔ آخر کار اس شرط پر مان گیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہمارے قلعے میں داخل ہو جاؤ۔ اور جو ان کا حشر ہو گا وہی تمہارا بھی ہو گا اس نے ایسا ہی کیا چنانچہ ان دونوں نے عہد توڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علانیہ واہی تباہی بکنے لگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپ نے حالات معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ انہوں نے عہد توڑ دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا اے گروہ مسلمین خوش ہو جاؤ۔

اور جب مدینہ واپس تشریف لے آتے تو آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے (اس وقت) حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے۔ اس لیے صحابہ کو لے کر بنو قریظہ کی طرف تشریف لے جائیے، کیونکہ میں آپؐ کے آگے آگے چلوں گا اور ان کے قلعوں میں زلزلہ لے آؤں گا۔ نیز ان کے قلوب میں رعب ڈال دوں گا اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ چل پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی جماعت کے ہمراہ ان کے نشانات پر چل نکلے اور آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ تم آج بنو قریظہ کے علاقہ میں جا کر عصر کی نماز پڑھنا۔ چنانچہ اس تعمیل ارشاد کی خاطر صحابہؓ فوراً اٹھ کر چل پڑے۔ عصر کی نماز کا وقت راستہ میں آیا بعض کہنے لگے کہ آپ کے حکم کے مطابق بنو قریظہ میں نمازِ عصر ادا کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت دیر سے نمازِ عصر ادا کی۔ بعض نے کہا کہ آپؐ کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ آپؐ کا

مطلب تیزی سے جانے کا تھا۔ اس لیے انہوں نے راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ غرض دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی عتاب نہ کیا گیا۔

اسلام کا پرچم علیؓ کے ہاتھ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو جھنڈا دیا اور مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو حفاظت کے لیے چھوڑ گئے اور خود بنو قریظہ کے قلعوں پر جا اترے اور پچیس رات تک ان کا محاصرہ جاری رہا۔ جب محاصرے نے شدت اختیار کر لی تو (یہود) کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کے سامنے تین صورتیں پیش کیں یا تو اسلام قبول کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو جاؤ اور یا اپنی اولاد کو قتل کر دو اور تلواریں لے کر ان کے مقابلہ میں نکل چلو اور یا انہیں ختم کر کے رکھ دو یا خود ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ اور یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ پر ایک دم حملہ کر دو۔ اور یہ دفعتاً حملہ ہفتے کے دن کرو، کیونکہ اسی دن (صحابہؓ) ان کے مقاتلہ سے پر امن ہوں گے۔ انہوں نے ہر صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی طرف ابو لبابہ بن عبد المنذر کو بھیجنے کی درخواست کی کہ ہم اس سے مشورہ کریں گے۔ جب انہوں نے (ابو لبابہ) کو دیکھا تو اس کے سامنے رونے لگے اور کہنے لگے: اے ابو لبابہ محمدؐ کے تو ہمیں کیا مشورہ دیتا ہے؟

انہوں نے کہا ہاں! اور گردن کی طرف اشارہ کیا (جیسے کہ کہہ رہا ہو۔ (کہ تمہارے حق) میں ذبح کا حکم ہو گا۔ پھر فوراً محسوس ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔ چنانچہ وہ چل پڑے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر نہ ہوئے بلکہ مسجد نبوی میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور حلف دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: اسے اس وقت تک رہنے دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، اور رسول اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ اس کے بعد یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اترے۔ چنانچہ

اوس والے کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول بنی قینقاع کے معاملہ میں جو آپ نے کیا وہ تو آپ جانتے ہی ہیں اور وہ لوگ ہمارے بھائیوں خزرج کے حلیف ہیں اور یہ (بنو قریظہ) ہمارے غلام ہیں اس لیے ان پر احسان فرمایئے گا؛ آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ خود انہی کا ایک آدمی ان کے متعلق فیصلہ کر دے!

انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا۔ آپ نے فرمایا: یہ سعد بن معاذ فیصلہ کریں گے! کہنے لگے ہم راضی ہیں، آپ نے سعد بن معاذ سے کہلا بھیجا یہ مدینہ میں تھے اور زخمی ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ آ سکے تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کرایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔

اگر وہ ان سے کہنے لگا اے سعد! ہم پر احسان کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ان کے بارے میں حکم (فیصل کنندہ) قرار دیا ہے۔ اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، یہ خاموش رہے اور انہوں نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے کثرت سے دریافت کیا تو کہنے لگے اب سعد کے لیے وقت آ گیا ہے کہ اسے اللہ کے بارہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے (عار) نہ آئے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو بعض مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا، اپنے سردار کے لیے اُٹھو۔

جب صحابہ نے انہیں اتارا تو کہا اے سعد! اس قوم نے تیرے فیصلے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ انہوں نے پوچھا تو کیا فیصلہ ان پر نافذ بھی ہو گا! انہوں نے جواب دیا ہاں! وہ کہنے لگے اور مسلمانوں پر بھی! انہوں نے جواب دیا ہاں! پھر انہوں نے کہا اور ان پر جو یہاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و اعزاز کی وجہ سے آپ کی جانب اشارہ کیا آپ نے فرمایا ہاں! مجھ پر بھی۔

یہ کہنے لگے تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ (بنو قریظہ) کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کی اولاد کو غلام بنا لیا جائے اور مال کو تقسیم کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یقیناً ساتوں آسمانوں سے اوپر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس حکم کے نفاذ سے قبل کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ عمر بن سعد بھاگ گیا اور کہیں روپوش ہو گیا۔ عہد توڑ دینے کے باعث یہ اپنی قوم میں نہ رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا جو بالغ تھا اور جو نابالغ تھا اسے بچہ قرار دے کر (غلام بنا لیا گیا) چنانچہ مدینہ کے بازار میں ایک خندق کھودی گئی اور ان کی گردنیں پار کر (اس خندق میں ڈال دیا گیا اس وقت ان کی تعداد چھ صد سے لے کر سات سو تک تھی۔ اور ایک عورت کے سوا کوئی عورت قتل نہیں ہوئی۔ اسے بھی سعد بن صامت کے قتل کرنے کے باعث قصاص میں قتل کیا گیا۔ انہیں خندقوں کی طرف گروہ در گروہ لے جایا گیا۔

اور جب یحییٰ بن اخطب کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نگاہ پڑنے پر وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں نے آپ کی عداوت کے باعث اپنے آپ کو کبھی ملامت نہیں کیا لیکن اللہ جسے غالب کر دے وہی غالب ہوتا ہے۔ پھر کہنے لگا اے لوگو! کوئی حرج نہیں اللہ کی تقدیر بنی اسرائیل پر عائد کر دی گئی۔ پھر اسے قید کر دیا گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔

ثابتؓ بن قیس نے زبیر بن باطا اس کے اہل اور مال کی سفارش کی۔ آپ نے اس کو انہیں ہبہ کر دیا۔ ثابتؓ بن قیس نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری جان و مال و اہل مجھے ہبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ سب تیرے ہی ہیں وہ بدبخت بولا۔ اے ثابت بن قیس میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو مجھے دوستوں سے نہ ملا دے گا؟ چنانچہ اس کی گردن بھی مار دی گئی۔ اور اسے بھی اس کے یہودی دوستوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ یہ تمام کاروائی یہودِ مدینہ کے متعلق ہوئی آپ کو ہر بڑے غزوے کے بعد یہود سے جہاد کرنا پڑا۔ غزوہ بدر کے بعد بنو قینقاع سے غزوہ احد کے بعد بنو نضیر سے اور غزوۂ خندق کے بعد بنو قریظہ کے مقابلہ میں جہاد کرنا پڑا اور خیبر کے یہودیوں کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب تذکرہ کریں گے۔

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے مصالحت کی تو بعض قبائل نے صلح توڑ دی اور بعض نے عہد پورے کیے اور سب نے آپ سے جنگ کو پسند کیا۔ آخر آپ نے بنو قریظہ بنو نضیر اور بنو قینقاع کی طرح سب کو عہد شکن قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے اہلِ مکہ سے برتاؤ کیا پس اس طرح معاہدین کے ساتھ یہ طریق کار مسنون ہے اور ذمی لوگوں سے بھی ایسا ہی سلوک کرنا مناسب ہے جیسے اصحاب احمد و فقہائے کرام نے صراحت کی ہے اور اصحاب شافعی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے۔ عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے اور (جنہوں نے) عہد قائم رکھا اور اس سے راضی رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اور اصحاب شافعی نے ان میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ ذمی سے عہد پورا کرنا از حد موکد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لاتے تو اپنے اور یہود کے درمیان مصالحت اور عہد کو موقت نہیں کیا بلکہ جب تک وہ اس پر قائم رہے اور جنگ پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپ نے اس عہد کو مطلقاً پورا فرمایا اور یہ ان کا ذمی ہونے کا حق تھا اور اس وقت جزیے کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بلکہ یہ بعد میں فرض کیا گیا اور جب یہ حکم بھی نازل ہو گیا تو آپ نے جزیہ بھی عائد فرمایا اور سابقہ عہد میں ایک شق بڑھ گئی، لیکن عہد تبدیل نہ فرمایا۔ اب اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی پابندی کی جائے اور جب ان میں سے بعض نے عہد توڑ دیا اور دوسروں نے باقی رکھا اور مسلمانوں کو دونوں فریقوں کا واضح علم نہ ہو سکا تو پھر معاہدین اور مصالحت کرنے والوں کی عہد شکنی کی طرح ان سے برتاؤ کیا گیا۔

اور جب شام میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے مکانات اور اموال جلا دیئے اور جامع اعظم (سب سے بڑی مسجد) کو جلانے کا بھی انہوں نے ارادہ کر لیا بلکہ اس کا منارہ جلا دیا اور اگر حفاظت نہ کی جاتی۔ تو قریب تھا کہ ساری مسجد کو جلا دیتے اور نصاریٰ کو ان حرکات کا علم تھا۔ بلکہ وہ اس کام سے متفق اور خوش تھے تو فقہائے کرام سے حاکم شہر نے فتویٰ دریافت کیا تو انہوں نے اس کو ان کے اس فعل کی بنا پر عہد شکنی قرار دیا اور دوسرے چونکہ اس فعل شنیع پر خوش اور راضی تھے اس لیے انہیں (مجرم) قرار دیا اور اس

کی سزا قتل ہے اور قیدی کی طرح اس میں امام کو اختیار نہیں کیونکہ وہ تو بہر حال حد کے باعث قتل کیا جاتا ہے اور اسلام حدود ساقط نہیں کرتا اور جو آدمی حدود اللہ کے ایفاء کا وعدہ کر کے ذمی بن جائے اس کا قتل ساقط نہیں ہو سکتا۔ بخلاف حربی (جنگ کرنے والے) کے کہ وہ جب اسلام قبول کر لے گا تو اسلام اس کے جان و مال کی حفاظت کرے گا اور اسلام سے قبل جو اس نے افعال کیے ہیں ان پر اسے قتل نہ کیا جائیگا اس کا الگ حکم ہے اور عہد شکن ذمی کا الگ حکم ہے۔ نصوص و اصول امام احمد کا یہی مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی کئی مواقع پر اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

غیر مسلموں سے معاہدے اور مصالحت

نیز آپ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ جب آپؐ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا اسے بھی معاہدہ میں شریک کر لیتے اور دوسری قوم اگر آپ سے معاہدہ کرتی تو آپ اسے بھی اس عہد میں شریک کر کے معاہدہ قرار دے دیتے اور جو ان میں سے جنگ کرتا۔ پھر دوسری معاہد قوم کو محارب قرار دیتے۔ اس وجہ سے آپؐ نے اہل مکہ پر حملہ کیا۔ کیونکہ جب آپ نے (اہل مکہ) کے ساتھ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن دلائل اٹھے اور انہوں نے قریش سے معاہدہ کر لیا اور اس عہد میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا اور اس عہد میں وہ بھی داخل ہو گئے اس کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان میں سے کچھ آدمی قتل کر دیئے۔ قریش نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے ان کی مدد کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو عہد شکن قرار دے دیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات آئندہ انشاء اللہ بیان ہوں گی۔ اسی وجہ سے شیخ اسلام ابن تیمیہؒ نے بھی مشرقی نصریٰ سے جنگ کرنے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں (نصریٰ) کی مالی اور ہتھیاروں سے مدد کی۔ اگر وہ خود نہیں لڑے اور نہ وہ میدان میں آئے۔ لیکن پھر بھی وہ عہد شکن نہیں، جس طرح قریش نے بنو بکر وائل کو جنگ میں

مدد دے کر عہد شکنی کی اور جب ذمی لوگ باہر کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف مدد دیں تو کس طرح انہیں عہد شکن قرار نہ دیا جائے (یعنی وہ یقیناً اسلامی ریاست کے باغی ہیں) اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

دشمن کے قاصد خدمت نبوی میں

نیز آپ کی خدمت میں دشمنوں کی جانب سے قاصد حاضر ہوئے آپ انہیں نہ تکلیف دیتے اور نہ قتل کرتے۔ اور جب آپ کے پاس مسیلمہ کذاب کے دو قاصد عبد اللہ بن نواحہ اور ابن اثال حاضر ہوئے، تو آپ نے دریافت فرمایا:

تمہارا کیا عقیدہ ہے!

وہ کہنے لگے جیسا (مسیلمہ) نے کہا ہے ویسا ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ چنانچہ آپ کی سنّت طیبّہ جاری ہوگئی کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے۔

نیز آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ جب قاصد آپ کا دین قبول کر لیتا تو آپ اپنے پاس نہ روکتے اور نہ اپنی قوم کے پاس جانے سے منع کرتے، بلکہ اسے دوبارہ وہاں ہی لوٹا دیتے جیسا ابو رافع نے بتایا کہ قریش نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں اسلام کی محبت آگئی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں لوٹ کر ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کروں گا اور نہ چادر کو روکوں گا۔ ان کی طرف واپس جاؤ وہاں جاکر بھی تمہارے قلب میں وہی (ایمان) باقی رہا جواب ہے تو لوٹ آنا۔

امام ابوداود فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانہ میں واقع ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح حدیبیہ کر رکھی تھی، جس میں شرط یہ تھی کہ جو مکہ سے مدینہ آئے گا اسے لوٹانا ہوگا۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو چکا ہو۔ لیکن آج کل یہ صورت نہ ہوگی"۔ بلکہ یہ تو مشروط صورت میں تھا، جیسا ابو داؤدؒ نے فرمایا ہے اور جو قاصد ہیں ان کا حکم دوسرا ہے۔ آپ دیکھ ہی تو رہے ہیں کہ آپ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں سے کچھ بھی تعرض

نہیں فرمایا۔ حالانکہ انہوں نے آپؐ کے سامنے کہا: کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے"۔

نیز آپ کی سنّت طیبّہ یہ تھی کہ اگر آپ کے دشمن آپ کے کسی صحابیؓ سے معاہدہ صلح کر لیتے تو آپ اس معاہدہ کو (محدود حد تک) جاری رکھتے۔ جیسے کہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد نے (کفار) سے معاہدہ کر لیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے خلاف جنگ نہ کریں گے۔ تو آپؐ نے اسے جاری رہنے دیا۔ اور فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو اور ہم کافروں کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالےٰ سے مدد چاہتے ہیں۔

قریش نے آپؐ سے دس سال کے لیے معاہدہ (جنگ بندی) کر لیا اور یہ بھی شرط رکھ دی کہ جو بھی مسلمان ہو کر (مدینے) جائے اسے واپس کرنا ہو گا اور جو (مدینے سے مکہ) چلا آئے اُسے وہ واپس نہ کریں گے۔ مردوں اور عورتوں کے متعلق یہ الفاظ عام تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے متعلق یہ شق منسوخ فرما دی اور صرف مردوں کے حق میں رہنے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو حکم دیا کہ اگر ان کے پاس کوئی عورت آ جائے تو اس کا امتحان لو۔ اگر اسے مومنہ سمجھو تو اسے کفار کی طرف واپس نہ کرو۔

اور کفار کے نکاح حسب سابق برقرار رہیں گے، انہیں باطل نہ کیا جائے اور مہاجر مسلمان عورت کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہ ہو گا۔ اگرچہ (کسی معاہدے) میں یہ شرط بھی لگا دی جائے نیز مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز نہ ہو گا۔

خیبر کے یہود سے معاملہ

کافروں، منافقوں اور دوستوں سے آپ کا برتاؤ

اہل خیبر پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے بعد آپؐ نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ جلا وطن ہو جائیں گے۔ البتہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جتنا سامان لے جا سکتے ہوں لے جائیں باقی زر نقد اور سلاح جنگ آپ کی ملکیت ہوں گے۔

معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ کوئی چیز نہ چھپائیں نہ غائب کریں، اگر ایسا کیا تو پھر نہ وہ مسلمانوں کے ذمہ میں رہیں گے نہ معاہدۂ صلح قائم رہے گا، لیکن انہوں نے ایک مشک غائب کر دی جس میں حی بن اخطب کا مال تھا جسے وہ بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت اپنے ساتھ خیبر لے آیا تھا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا سعید سے فرمایا:

حی جو مشک بنو نضیر سے لایا تھا، اس کا کیا ہوا!

وہ کہنے لگا: وہ رات کو اخراجات اور جنگوں میں ختم ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا معاہدے کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اتنا زیادہ کیسے خرچ ہو گیا، حالانکہ حی بنو قریظہ کیساتھ ہی قتل ہو گیا تھا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبیر کے حوالے کیا تاکہ اسے محبوس رکھیں، انہوں نے اس پر سختی کی تو انہوں نے ایک خرابے کی نشان دہی کی۔ چنانچہ (صحابہؓ) وہاں گئے، تلاش کیا۔ تو انہیں مشک مل گئی، ان کی عہد شکنی کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی حقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کیا ان میں ایک حی بن اخطب کی لڑکی صفیہ کا شوہر تھا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا اور ان کے

اموال کو تقسیم کر دیئے اور خیبر سے انہیں نکالنے کا فیصلہ فرما لیا، اس موقع پر یہود نے کہا۔ آپ ہمیں یہیں رہنے دیجیے۔ ہم اس علاقہ سے خوب واقف ہیں، زمین کی کاشت کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو یہ ذمہ داری اٹھا سکتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاقہ اس شرط پر ان کے سپرد کر دیا کہ اس زمین میں جو پیداوار ہو گی اس کا نصف مسلمانوں کو اور نصف انہیں ملے گا اور جب تک آپ چاہیں گے، یہ لوگ یہاں آباد رہیں گے۔ بنو قریظہ کی طرح ان کا قتل عام نہ تھا۔ کیونکہ گو عہد شکنی میں سب شریک تھے، لیکن یہ لوگ ایسے نہ تھے جن کو مشک کا علم تھا جنہوں نے اسے پوشیدہ کر دیا تھا، اور جنہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر پتہ چل جائے تو معاہدہ فسخ کی رو سے وہی لوگ قتل کیے جائیں چنانچہ تمام اہل خیبر کو یہ سزا نہیں دی گئی۔ کیونکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ حی کی مشک کا علم سب کو نہ تھا اور یہ ایک خرابے میں تھی۔

یہ اس ذمی یا معاہد کی مثال ہے جو عہد شکنی کرے اور دوسرے افراد (عہد شکنی) پر مائل نہ ہوں۔ کیونکہ عہد شکنی کا حکم اس سے مختص سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد زمین کو نصف کاشت پر دینا مساقات و مزارعت کے جواز کی دلیل ہے اور اگر کھجور کا درخت ہو پھر بھی اس صورت پر کچھ اثر مرتب نہ ہو گا۔ نیز اس واقعہ سے یہ وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ مالک زمین کی جانب سے بیج دینا بھی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک حصہ پر مصالحت کی اور انہیں بیج نہیں دیا اور نہ (بعد میں) آپ نے انہیں کبھی بیج بھیجے۔ چنانچہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ (مزارعت) میں اگر یہ کہا جائے کہ (بیج) عامل کی طرف سے ہوں گے۔ تو یہ مالکِ زمین کی جانب سے ہونے کی بجائے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہی طریقہ اہل خیبر کے متعلق سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور صحیح مسلک یہ ہے کہ بیج عامل اور مالکِ زمین دونوں کی جانب سے ٹھیک ہے، کسی کو مختص قرار دینا ضروری نہیں اور جن لوگوں نے بیج مالک زمین کی جانب سے لازم قرار دیا، ان کے پاس مزارعت کو

مضاربت پر قیاس کرنے کے سوا کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مضاربت میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اصل زر مالک کی جانب سے ہوگا اور مضاربت کی جانب سے ہوگی۔ اس لیے مزارعت میں یہی صورت ہوگی، اس طرح مسافات میں بھی یہی صورت روا رکھی جائے گی کہ درخت ایک کی جانب سے ہوں گے اور محنت دوسرے کی جانب سے ہوگی۔ حالانکہ یہ قیاس حق میں ہونے کی بجائے خلاف زیادہ ہے، کیونکہ بیع مضاربت میں اصل زر مالک کے پاس لوٹ جاتا ہے اور منافع تقسیم ہوتا ہے اور اگر مضاربت میں یہ بھی یہی بات مشروط قرار دے دی جائے تو بیع فاسد ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے بیج کو اصل زر کے قائم مقام نہیں بنایا بلکہ اسے تمام سبزیوں کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ اس لیے مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنا غلط ہے۔

آخر کار جب آپ نے یہود کو خیبر میں قیام کی اجازت مرحمت فرما دی۔ آپ ہر سال ایک اندازہ کرنے والا وہاں بھیجتے جو پیداوار کا اندازہ کرتا اور معائنہ کے بعد مسلمانوں کا حصہ الگ کر دیتا، باقی پر تصرف میں وہ آزاد ہوتے، اور ایک ہی اندازہ کرنے والا کافی ہوتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھجور کے پھلوں کی طرح دوسرے پھلوں کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے

جب حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر کا مال لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہود نے انہیں ایذا دی اور مکان سے نیچے گرا دیا۔ اور مال لینے سے روکا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں شام کی طرف خارج کر دیا اور صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ پر خیبر کا علاقہ تقسیم کر دیا۔

عقدِ ذمہ اور جزیہ وصول کرنے کے متعلق آپ کی سُنّتِ طیّبہ

ہجرت کے آٹھویں سال

سورۃ براۃ نازل ہونے سے قبل تک آپ نے کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا، جب جزیہ کی آیات نازل ہوئیں تو آپ نے مجوسیوں، اہل کتاب اور نصاریٰ سے جزیہ وصول فرمایا؛ اور حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف ارسال فرمایا۔ انہوں نے ایسے یہودیوں پر جزیہ عائد کیا، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور انہیں اپنی حفاظت میں لینے کا معاہدہ کر لیا، البتہ خیبر کے یہود سے کچھ نہیں لیا۔ چنانچہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا کہ اہل خیبر کیلئے

یہ مخصوص حکم کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے ۔ باقی تمام اہل کتاب سے لیا جائے ، اصل میں یہ سیر و مغازی میں عدم فقاہت کی علامت ہے ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاتلہ فرمایا اور پھر ان سے اس طرح مصالحت کی کہ جب تک آپ چاہیں وہ یہاں آباد رہ سکتے ہیں اور ابھی جزیہ کا حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ نزول حکم جزیہ سے قبل ہی ان سے وقوف خیبر اور صلح کا معاہدہ طے پا چکا تھا ۔ چونکہ ان میں معاہدہ چلا آ رہا تھا اور یہ لوگ ایک مقررہ حصہ پر (خیبر) کی زمین پر کام کر رہے تھے اس لیے ان سے اس کے سوا اور کچھ مطالبہ نہ ہوا اور دوسرے اہل کتاب پر جزیہ ادا کیا گیا ۔ جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہ تھا ۔ جیسے نجران کے عیسائی ، یمن وغیرہ کے یہود اور جب حضرت عمر نے انہیں شام کی طرف ملک بدر کر دیا تو خیبر کی زمین کی (کاشت وغیرہ) کے متعلق سابق معاہدہ بھی بدل گیا اور یہود خیبر کی حیثیت بھی دوسرے اہل کتاب کی سی ہو گئی ۔

جب جزیہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے مجوسیوں ، یہودیوں اور عیسائیوں یعنی تین گروہوں سے جزیہ وصول کیا اور بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا ۔ اس لیے بعض کے خیال میں مذکورہ لوگوں کے علاوہ باقی کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا جا سکتا ۔ بعض کا خیال ہے کہ اہل کتاب اور دیگر کفار سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا اور عرب کے بت پرستوں کے سوا عجم کے بت پرستوں سے بھی (جزیہ) وصول کیا جا سکتا ہے ، پہلا قول امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا ہے اور دوسرا قول ابو حنیفہ کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے موید ہیں ۔ دوسرے قول کے حامی کہتے ہیں کہ آپ نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا ۔ کیونکہ یہ حکم نازل ہونے سے قبل عرب کے تمام بت پرست اسلام لا چکے تھے اور وہاں کوئی بھی بت نہ رہا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ نے تبوک میں عیسائیوں کے ساتھ جہاد کیا ۔ اگر سرزمین عرب میں مشرکین ہوتے تو اتنی دور جانے کے بجائے مشرکین عرب سے جہاد کرنا زیادہ اولیٰ تھا ، جو شخص تاریخ غزوات اسلام کا رمز آشنا ہے وہ بہ آسانی سمجھ لے گا کہ معاملہ یوں ہی تھا ۔ پس ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا گیا کہ جن سے (جزیہ) لینا تھا ، ان کا وجود ہی مفقود ہو چکا تھا ۔

البتہ آپ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ ان کے پاس کوئی (آسمانی) کتاب بھی ہے۔ یہ مرفوع روایت ہے، ایسی روایت صحیح نہیں کہی جاسکتی۔ نہ اس کی سند صحیح ہے، آتش پرستوں اور بت پرستوں میں کوئی فرق نہیں، بلکہ بت پرست آتش پرستوں کی نسبت قدرے بہتر ہیں وہ اس سلسلہ دین ابراہیم سے تمسک ظاہر کرتے تھے اور آتش پرست ابراہیم خلیل اللہ کے علانیہ دشمن تھے۔ جب ان سے جزیہ لیا گیا تو بت پرستوں سے جزیہ لینا زیادہ اولیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا صحیح مسلم میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، جب مشرکین میں سے کسی دشمن سے دوچار ہو تو اسے تین میں سے کسی کی دعوت دو۔ اگر وہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے تو اسے قبول کرلو اور جنگ نہ کرو پھر آپ نے (ان تینوں باتوں) کی وضاحت فرمائی کہ:۔

(۱) اسلام کی دعوت دو،

(۲) یا جزیہ (ادا کرنے کا حکم دو)

(۳) یا پھر جنگ کرو،

علاوہ ازیں حضرت مغیرہ نے کسریٰ کے عامل سے بھی فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ تم اللہ کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش سے فرمایا تھا کہ کیا تم عرب ایک کلمہ کا اقرار کرلو گے ؟ کہ جس کی وجہ سے عجم والے تمہیں جزیہ دیا کریں گے! وہ کہنے لگے وہ (کلمہ) کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ: یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب آپ تبوک سے واپس ہوئے تو اہل دومہ سے مقابلہ ہوا اور جزیہ پر ان سب سے مصالحت کرلی گئی۔ نیز اہل نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار پارچہ جات پر مصالحت فرمائی کہ نصف صفر میں اور باقی رجب میں مسلمانوں کو ادا کریں گے اور مسلمانوں

کو عاریۃً تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے تیس ہتھیار دیں گے، جن سے مسلمان جہاد کریں گے۔ اور مسلمان ان چیزوں کے ضامن بھی ہوں گے، یہاں تک کہ انہیں لوٹا دیں، نیز یہ کہ ان کی عبادت گاہیں نہیں گرائی جائیں گی نہ ان کے پادریوں کو باہر نکالا جائے گا، نہ انہیں دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ کوئی شرارت نہ کریں یا سود کھائیں۔ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرارت یا سود خوری سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اگر یہ عہد مشروط ہو، اور جب حضرت معاذ کو آپ نے یمن کی طرف بھیجا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے معافری لے لو (معافری) یمن کے کپڑوں کی ایک قسم ہے۔ یہ اس پر شاہد ہے کہ جزیہ کی جنس اور مقدار مقرر نہیں۔ کپڑے، سونا، زیورات ہر چیز جائز ہے اور مسلمانوں کی ضروریات کے مطابق اس کی مقدار میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور امارت و افلاس کا لحاظ بھی تفاوت ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عرب و عجم کے جزیہ میں تفریق نہیں فرمائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے نصاریٰ سے بھی جزیہ لیا۔ اور ہجر کے ان مجوسیوں سے بھی وصول فرمایا جو عرب تھے۔ کیونکہ عرب ایک ایسی قوم ہے کہ جس کے پاس (الٰہی) کتاب نہ تھی اور ہر گروہ اپنی پڑوسی قوموں کے دین پر چل رہا تھا۔ چنانچہ بحرین کے عرب مجوسی تھے کیونکہ ان کے پڑوس میں فارس کا علاقہ تھا اور شوخ بہرا اور بنو تغلب روم کے پڑوسی ہونے کے باعث عیسائی تھے اور یمن کے قبائل یہود یمن کی مجاورت کے باعث یہودی تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ کے احکام نافذ فرما دیے اور ان کے آباء و اجداد کا اعتبار نہیں کیا نہ اس بات کا خیال فرمایا کہ یہ لوگ دین اہل کتاب میں کب داخل ہوئے؟ آیا نسخ اور تبدیلی سے قبل داخل ہوئے یا بعد میں اور حضرت معاذ کا قول کہ ہر بالغ سے ایک دینار لینا'' اس بات کی دلیل ہے کہ بچے اور عورت سے جزیہ لیا جائے گا۔

کفار اور منافقین کے ساتھ آپ کی سنت بعثت وفات تک

ابتدا میں اللہ

تعالیٰ نے وحی فرمائی؛

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا؛ یہاں نبوت کا آغاز تھا۔ اس لیے دل دل میں پڑھنے کا حکم دیا، دوسروں کو تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا، پھر آیت نازل فرمائی؛

یا ایھا المدثر قم فانذر یعنی؛ اے کملی والے اٹھ اور ڈرا۔

شروع میں اقرأ پڑھ کر فرمان سے متنبہ کیا اور پھر یا ایھا المدثر کا حکم نازل کر کے فرمایا اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اس کے بعد اپنی قوم کو ڈراؤ۔ پھر ان کے چاروں طرف کے عربوں کو ڈراؤ، پھر عرب قاطبہ کو ڈراؤ، پھر تمام جہان والوں کو ڈراؤ۔ چنانچہ آپ بعثت کے بعد دس سے کچھ زیادہ برس بغیر جنگ یا جزیہ کے تبلیغ فرماتے رہے اور آپؐ کو خاموشی، صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ جو آپؐ سے لڑے اس سے آپؐ مقاتلہ کریں اور جو الگ ہو جائے اس سے رک جائیں، اس کے بعد مشرکین کے قتال کا حکم فرمایا تاآنکہ دین صرف اللہ ہی کا رہ جائے۔ اب جہاد کی اجازت کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۱) مصالحین و معاہدین۔

(۲) دوسرے اہل حرب۔

(۳) تیسرے اہلِ ذمہ۔

اس لیے آپ کا حکم ملا کہ مصالحین و معاہدین سے عہد پورا کیا جائے اور جو عہد توڑ دے اس سے مقاتلہ کیا جائے اور جب سورۃ براءت نازل ہوئی تو ان تینوں اقسام کے متعلق احکامات واضح کر دیئے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اہل کتاب میں سے دشمنوں کے ساتھ مقاتلہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں یا اسلام قبول کریں۔ کفار، منافقین کے خلاف مقاتلہ اور سختی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے کفار کے ساتھ تلوار اور نیزے سے مقاتلہ کیا اور منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان سے جہاد کیا اور کفار کے معاہدوں سے اعلانِ بیزاری کا حکم دیا اور معاہدین کو تین حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک قسم کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے عہد شکنی کی، اپنے وعدے پر قائم نہ رہے، ان سے آپؐ نے جنگ کی اور ان پر غالب آ کر رہے۔ معاہدین کی دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے عہد شکنی نہ کی۔ اور نہ ان کے معاہدے

وقتی تھے اور نہ انہوں نے عہد شکنی کی اور نہ آپ نے انکے خلاف جہاد کیا۔ انکے متعلق معاہدوں کی میعاد پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ تیسری قسم وہ بھی جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا اور نہ انہوں نے آپ سے جنگ کی۔ یا ان کے معاہدے مطلق تھے۔ آپ نے انہیں چار ماہ کی مہلت دی۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو آپ نے ان سے مقاتلہ کیا۔ منافقین کے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر اعمال کو قبول کرنے اور باطن کے حالات اللہ کے سپرد کرنیکا حکم دیا۔ اور اس بات کا حکم دیا کہ ان سے علم اور دلیل سے مجادلہ کیا جائے اور ان سے اعراض کرنے اور سختی کرنے کا حکم فرمایا اور اچھے انداز سے انہیں سمجھانے کا حکم دیا اور ان کا جنازہ پڑھنے اور انکی قبور پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر ان کیلئے بخشش طلب کرو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ کفار اور منافقین کے متعلق آپ کی سیرت طیبہ یہ تھی۔

صحابہ اور اپنی جماعت کے متعلق آپ کی سنّت طیّبہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ہمراہ رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ اس کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں معاف کرنے مختلف امور میں ان سے مشورہ لینے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور نافرمانوں سے علیحدہ ہونے کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں اور آپ کی اطاعت کریں، جیسے کہ آپ نے تین پیچھے رہنے والوں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ نیز حکم دیا کہ جو آپ سے برائی کرے اس کے احسان سے اور جہالت کے علم سے اور ظلم کا عفو سے اور قطع رحمی کا صلہ رحمی سے بدلہ دیں۔ نیز بتا دیا کہ اگر آپ نے یہ کام کیے تو آپ کے دشمن بھی گہرے دوست بن جائیں گے اور جناب ہیں سے دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور یہ تمام اخلاق حسنہ سورہ اعراف، مومنین اور حم السجدہ کی آیات جمع کر دیتے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں فرمایا:

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين و اما ينزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم۔

اس سورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے جہلاء کے شر سے بچنے کیلئے ان سے اعراض کرنے اور

شیطان کے شر سے بچنے کے لیے پناہ مانگنے پر حکم دیا اور اس آیت میں اخلاق حسنہ کی تمام باتیں جمع فرمادیں، اور سورہ مومنین میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

قل رب اما ترینی ما یوعدون رب فلا تجعلنی فی القوم الظالمین ۝ وانا علیٰ ان نریک ما نعدھم لقادرون ۝ ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ نحن اعلم بما یصفون ۝ وقل رب انی اعوذبک من ھمزات الشیاطین ۝ واعوذبک رب ان یحضرون۔

یعنی تو کہہ اے رب، کبھی تو دکھادے مجھ کو، جو ان کو وعدہ ملتا ہے، تو اے رب مجھ کو نہ کریو، ان گناہ گار لوگوں میں اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھادیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں، بری بات کے جواب میں وہ کہ جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں، اور کہہ اے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں۔"

اور سورہ حٰم السجدہ میں فرمایا:۔

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ۝ وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم ۝ واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم۔

یعنی اور برابر نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ اس سے بہتر، پھر جو دیکھے تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی، جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔ اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو سہارا رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بے شک ہے سنتا جانتا۔

اس طرح مذکورہ انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانوں، جنوں، مسلمانوں اور کافروں کے برتاؤ کے معاملہ میں سیرت طیبہ بیان ہوگئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا

بدر کا عظیم اور تاریخی معرکہ

اسلام کا پہلا لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لشکر ہجرت کے ساتویں ماہ رمضان کے مہینہ میں ارسال فرمایا جس کا پرچم حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے لیے تھا۔ یہ جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور ابو مرثد کناز بن حصین غنوی نے اٹھا رکھا تھا، آپ نے مہاجرین میں سے تیس صحابہ کو شام سے آنے والے قریش کے قافلہ کے مقابلہ میں ارسال فرمایا جس میں ابوجہل تین سو آدمیوں کے ہمراہ آ رہا تھا، چنانچہ یہ لوگ سمندر کے کنارے درختوں کی جانب سے پہنچے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن مجدی بن عمرو جہنی اس طرف اور اس طرف دونوں گروہوں کا حلیف تھا۔ اس نے کوشش کر کے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اور جنگ نہ ہوئی۔

وادیٔ رابغ میں مقابلہ پھر ہجرت کے آٹھویں ماہ شوال کے آخر میں عبیدہ بن حرث بن عبد المطلب کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر وادی رابغ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے لیے بھی سفید جھنڈا تیار کیا گیا۔ اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا، بلکہ ساٹھ کی تعداد میں صرف مہاجرین ہی تھے۔ اور ابو سفیان بن حرب نے جحفہ کے مقام سے دس میل دور وادی رابغ میں مقابلہ ہوا جس کے ہمراہ دو سو آدمی تھے۔ اس جنگ میں تیر اندازی ہوئی تلوار نہ چلی، نہ باقاعدہ جنگ ہوئی۔ اسے صرف مڈبھیڑ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وہاں موجود تھے۔ اللہ کے راستہ میں انہوں نے سب سے پہلے تیر مارا۔ پھر دونوں فریق واپس چلے گئے۔

وادئ نخلہ میں

پھر ہجرت کے سترھویں مہینے رجب میں آپ نے عبداللہ بن جحش اسدی کو وادئ نخلہ کی طرف بارہ آدمیوں کے ہمراہ ارسال فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ چنانچہ قریش کے ایک قافلے سے جنگ کے لیے یہ لوگ وادئ نخلہ میں پہنچ گئے۔ اس سریہ میں عبداللہ بن جحش کو امیرالمومنین کا نام دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک مکتوب لکھ کر دیا ہے اور فرمایا، دو دن سے پہلے اسے نہ کھولنا۔ اس کے بعد اسے کھول کر پڑھنا جب مکتوب مبارک کھولا تو اس میں تحریر تھا کہ جب تم میرے مکتوب کو پڑھنا تو چلتے جانا اور مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ٹھہرنا اور قریش کے قافلے پر گھات لگا کر بیٹھنا اور ان کے حالات سے اطلاع دینا، عبداللہ بن جحش نے کہا بسروچشم، پھر اپنے ساتھیوں کو مکتوب مبارک کے مضمون سے آگاہ کیا اور بتایا وہ انھیں مجبور نہیں کرتے، جو شہادت کا طلب گار ہو، وہ چل پڑے اور جو موت سے ڈرتا ہو، وہ لوٹ جائے، اور میں تو آگے قدم بڑھا رہا ہوں، چنانچہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راستہ میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کی سواری کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور عبداللہ بن جحش دور نکل گئے۔ آخر وادئ نخلہ میں اترے اور قریش کا قافلہ کشمش اور کھالیں اور تجارتی سامان لے کر گزرا۔ عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دونوں لڑکے عثمان اور نوفل بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان بھی اسی قافلے میں تھے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے یہ رجب یعنی ماہ احرام کا آخری حصہ ہے، اگر ہم نے مقاتلہ کیا تو شہر حرام کی توہین کی۔ اور اگر آج رات انھیں چھوڑ دیا تو یہ لوگ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ آخر مقابلے پر اتفاق رائے ہو گیا۔ کسی نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور وہ قتل ہو گیا۔ عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا اور نوفل بھاگ گیا۔ یہ لوگ قافلے کا سامان اور دو قیدی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور خمس نکال کر الگ کر لیا۔ اسلام میں یہ پہلا خمس اور پہلا قتل اور پہلے دونوں قیدی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے بیزاری کا اعلان کیا۔ قریش اس واقعہ سے بھڑک اٹھے انھیں موقع ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے محمد نے شہر حرام میں قتل

کو جائز قرار دیا۔ اور مسلمانوں پر بھی اس واقعہ کا سخت اثر ہوا، آخر تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں:

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل ○

یعنی تجھ سے شہر حرم کے متعلق اس میں قتال کرنے کے بارہ میں پوچھتے ہیں، کہہ دو اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام (کا انکار کرنا) اور (حرم) کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ وہ بات ہے جس کو تم نے منکر سمجھا، یہ اگرچہ برائی ہے لیکن تم نے اللہ کا کفر کیا۔ اس کی راہ سے اور اس کے گھر سے روکا اور اس کے اہل، مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا، نیز جس شرک پر تم قائم ہو، اور جو جو تمہاری جانب سے فتنے بپا کئے گئے، یہ ساری باتیں شہر حرام میں قتال سے بھی زیادہ بُری ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا، اور اپنے دوستوں کو بھی ارتکاب خطا سے بری قرار نہیں دیا، بلکہ بتایا کہ شہر حرام میں قتال کرنا بہر حال بڑا گناہ ہے لیکن جس پر مشرکین قائم ہیں وہ شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی بڑا اور عظیم گناہ ہے لہٰذا وہ مذمت اور سزا کے مستحق ہیں، اور اللہ کے دوستوں نے قتال میں رنا فرمانی سے نہیں بلکہ تاویل سے کام لیا تھا یہ ایسا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ انھیں توحید، اطاعت اور معیت رسولؐ میں ہجرت کے آثار اور قربانی کے باعث معاف فرما دے گا۔

واذا الحبيب اتى بذنب واحد   جاءت محاسنه بالف شفيع

اور جب دوست سے ایک گناہ سرزد ہو جاتا ہے، تو اس کے محاسن ہزار سفارشیں لے کر آ جاتے ہیں۔"

اس لیے انھیں ایسے مبغوض دشمن پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے جو برائی لے کر سامنے

آئے اور نیکی کی ایک سفارش نہ رکھتا ہو۔

اور اسی سال شعبان کے مہینہ میں تحویل قبلہ ہوا جس کا مفصل ذکر گزر چکا ہے۔

ابوسفیان کی سرکردگی میں قافلۂ قریش

اس سال جب رمضان کا مہینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ شام سے قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آرہا ہے۔ اسی قافلے کی تلاش میں نکلے جب یہ لوگ مکہ سے نکلے تو ان میں چالیس آدمی تھے۔ آپ نے حکم دیا تھا جس کے پاس سواری ہو وہ ساتھ چلے، لیکن یہ قافلہ پکڑا نہ جا سکا کیونکہ جلدی سے نکل گیا، اور آپ کے پاس تین سو اور دس سے کچھ زیادہ تعداد میں آدمی تھے، جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جو زبیر بن عوام کے تھے اور مقداد بن فرس کنوی کا ایک گھوڑا تھا اور ستر اونٹ تھے، ایک اونٹ پر دو یا تین آدمی سوار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علیؓ اور مرثد بن ابی مرثد غنوی ایک اونٹ پر حضرت زیدؓ ان کے لڑکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کنبثہؓ ایک اونٹ پر سوار تھے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک اونٹ پر سوار تھے۔

اس موقعہ پر آپ نے نماز کی امامت اور اہل بیت کی حفاظت کے لیے حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ مقرر کیا جب آپؐ ردما کے مقام پر پہنچے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر کو واپس کیا اور انہیں مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ مصعب بن عمیر کو جھنڈا مرحمت فرمایا۔ نیز علی بن ابی طالب کو ایک جھنڈا اور دوسرا ایک انصاریؓ سعد بن معاذ کو عطا کیا اور انہیں ایک اونٹنی پر قیس بن ابی صعصعۃ کے ہمراہ سوار کر دیا۔ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپؐ نے بسیس بن عمرو جہنی اور عدی بن رعیاد کو قافلے کی خبر لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ ادھر ابوسفیان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت پر مکہ کی طرف بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ پر حملہ سے اہل مکہ بچاؤ کے لیے پہنچ جائیں۔ جب اہل مکہ کو اطلاع ملی، تو وہ جلدی سے نکل پڑے اور ابولھب کے کوئی بڑا آدمی مکہ میں نہ ٹھہرا۔ کیونکہ اس پر کسی آدمی کا قرض تھا۔ نیز دیگر قبائل عرب کو بھی اطلاع کر دی گئی بنو عدی کے سوا قریش کا کوئی قبیلہ پیچھے نہ رہا۔ یہ لوگ قریش کے ہمراہ نہیں نکلے۔

انصار کی طرف آنحضرت کی نگاہ امید

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو مہاجرین سے اس معاملہ میں بات چیت کی تو انھوں نے بہتر جواب دیا۔ پھر دوبارہ بات چیت ہوئی پھر بھی انہوں نے اچھا جواب دیا۔ پھر تیسری مرتبہ بات چیت فرمائی۔ پھر بھی انہوں نے اچھا جواب دیا۔ اس پر انصار سمجھ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انصار کا عندیہ معلوم کرنا ہے ـــ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جلدی سے بڑھے اور عرض کیا:

انصار کا ایمان افروز اور رُوح پرور جواب

اے اللہ کے رسول، گویا آپ ہم سے مخاطب ہیں اور آپ کا مطلب بھی یہی لوگ تھے۔ کیونکہ انہوں نے بیعت کی تھی کہ وہ آپ کو اپنے ملک میں ہر دشمن سے بچائیں گے۔ اسلیئے جب آپ نے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انکی باطنی حالت سے آگاہی حاصل کرنا چاہی۔

پھر حضرت سعد نے عرض کیا کہ انصار پر جو حق ہے۔ شاید آپ کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں آپ کی مدد نہ کریں گے۔ میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور جواب دیتا ہوں جہاں آپؐ چاہیں نیزہ ماریں، جو رسی چاہیں کاٹ دیں اور جو آپؐ چاہیں جوڑ دیں۔ ہمارے اموال سے آپ جس قدر چاہیں لے لیں اور جو کچھ آپ چاہیں ہمیں دیں اور جس قدر آپ ہم سے مال لیں گے وہ ہمارے پاس چھوڑے ہوئے مال سے بہتر ہوگا اور جو چاہیں آپ ہمیں حکم فرمائیں۔ ہماری ہر حرکت آپ کے حکم کے تابع ہوگی۔ اللہ کی قسم اگر آپ غمدان کے تالاب تک جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ہمراہ ہونگے۔ اور خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں اس سمندر میں لے چلیں تو بھی ہم آپ کے ہمراہ اس میں غوطہ لگا دیں گے ـــ حضرت مقداد نے عرض کیا۔ ہم آپ کو قوم موسیٰ کی طرح جواب نہ دیں گے کہ اذهب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون،

یعنی تو اور تیرا پروردگار جائے اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں آپ کے آگے اور پیچھے ہر طرف سے جنگ کریں گے (یہ باتیں سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا اور صحابہ کی بھی باتیں سن کر آپ از حد خوش ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا، چلو اور خوش ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو

گروہوں میں سے کسی ایک کے متعلق وعدہ کیا ہے اور میں نے قوم کا میدان جنگ دیکھا ہے۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان ڈھلوان کی طرف چلا گیا اور ساحل سمندر کے قریب جا پہنچا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وہ بچ گیا ہے اور قافلہ محفوظ رہا ہے تو اس نے قریش کو لکھ بھیجا کہ لوٹ جاؤ کیونکہ تم اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ اب تمہیں سلامتی کی خبر مل گئی۔ یہ لوگ جحفہ کے مقام پر تھے چنانچہ انھوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا، لیکن ابوجہل کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے بلکہ بدر پر پہنچ کر وہاں ٹھہریں گے اور اپنے ہمراہ جو عرب ہیں انھیں بلائیں گے۔ اس کے بعد عرب ہم سے ڈریں گے۔ آخر وہ چل پڑے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے آخر کار شام کے قریب بدر کے چشموں کے قریب آن پہنچے۔

آپ نے فرمایا کہ منزل کہاں ہونی چاہیے؟ حضرت خباب بن منذر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، میں اس جگہ اور اس کے قلب سے واقف ہوں۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہم اس کے قلب میں چلے جائیں۔ وہاں میٹھا پانی کثرت سے ہے اور وہاں ہم اتر پڑیں گے اور کفار سے قبل اس پر قبضہ کر کے ان کو پانی سے محروم کر دیں گے۔ دوسری طرف مشرکین نے تیزی سے پانی کی طرف پیش قدمی کی۔ آپ نے سعدؓ، علیؓ اور زبیرؓ کو بدر کی طرف معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا، انہوں نے قریش کے دو غلام گرفتار کیے اور لے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔

چنانچہ صحابہؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے آدمی ہو؟ کہنے لگے۔ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں۔ صحابہ نے اسے ناپسند کیا اور تمنا کی، کہ کاش یہ ابوسفیان کے قافلے میں سے ہوتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ نے ان سے پوچھا مجھے بتاؤ قریش کہاں ہے؟

وہ کہنے لگے کہ اس ٹیلے کے پیچھے۔ آپ نے پوچھا کتنی تعداد میں ہیں؟ کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں آپ نے پوچھا کتنے (اونٹ) روزانہ ذبح کرتے ہیں۔ کہنے لگے کسی دن نو اور کسی دن دس اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریش نو صد سے ایک ہزار تک ہیں۔

اس شب کو اللہ تعالٰے نے بارش فرمادی، مشرکین کے لیے بارش مصیبت بن گئی اور انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور مسلمان چونکہ ریت کے ٹیلے پر تھے، انھیں پاک بنادیا۔ زمین کو ہموار اور ریت کو سخت بنادیا جس پر پاؤں جم سکتے تھے اور صحابہؓ کے قلوب کو ڈھارس دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پانی کی طرف بڑھے اور رات کے ایک حصہ میں اس پر اترے اور حوض بنا لیے۔

صنادید کفار کی قتل گاہ کی نشان دہی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ٹیلے پر خیمہ لگادیا گیا جہاں سے میدان جنگ خوب نظر آتا تھا اور پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے بتایا:

یہ فلاں کی قتل گاہ ہے، اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے انشاءاللہ۔

چنانچہ آپ کی بنائی ہوئی جگہوں سے ذرا بھی وہ ادھر ادھر نہ ہوا۔

جب قریش آگے بڑھے اور دونوں لشکر نظر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اے اللہ یہ قریش گھوڑوں اور غرور و نخوت تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کی تکذیب کرنے آئے ہیں۔

پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا شروع کر دی۔

اے اللہ جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے پورا کر۔ میں تیرے وعدہ اور عہد کو دہراتا ہوں۔

حضرت صدیق نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، خوش ہو جائیے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس کی قسم اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔

اور مسلمانوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی اور انتہائی خشوع و خضوع سے مدد چاہی پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لیے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں جلد ہی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف بھی وحی فرمائی کہ میں آپ کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد بھیج رہا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے راز و نیاز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے قریب نماز پڑھتے ہوئے گزار دی۔

ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی سترھویں تاریخ جمعہ کی رات کا یہ واقعہ ہے، جب صبح ہوئی تو قریش اپنے دوستوں کے ہمراہ سامنے آئے اور دونوں جماعتوں نے صف بندی کی۔ حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ نے دونوں جماعتوں میں مصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ واپس چلے جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ ابوجہل نے انکار کیا۔

آخر ابوجہل نے عمرو بن حضرمی کے بھائی کو عمرو کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اکسایا، وہ چلّایا ہائے عمرو..... قوم (قریش) کو جوش آگیا، اور لڑائی چھڑ گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفیں درست فرمائیں اس کے بعد آپؐ اور ابوبکرؓ خیمے کی جانب تشریف لے آئے اور انصار کی جماعت کے ہمراہ حضرت سعدؓ بن معاذ خیمے کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ اتنے میں عتبہ، اس کے بھائی شیبہ اور ولید بن عتبہ نکلے اور مقابلے کے لیے آواز دی۔ ان کے مقابلے کے لیے انصار میں سے تین صحابہؓ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور عفراء کے دونوں لڑکے معاذؓ اور عوفؓ سامنے آئے۔

قریش نے پوچھا تم کون ہو، کہنے لگے انصار ہیں۔ وہ کہنے لگے، تم شریف لوگ ہو لیکن ہم تو بنی عم کو مقابلے میں بلاتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علیؓ، عبیدہؓ بن حرث اور حمزہؓ میدان میں آگئے۔ حضرت علی نے اپنے مقابل ولید کو اور حضرت حمزہ نے اپنے مقابل عتبہ کو قتل کر دیا (ایک روایت میں شیبہ ان کا مقابل تھا) حضرت عبیدہ بن حرث زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ نے ان کے مقابل پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا لائے، ان کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی اسی حالت میں وہ وفات پا گئے۔

پھر مار دھاڑ شروع ہوئی اور جنگ کی چکی تیز ہو گئی۔ میدانِ کارزار گرم ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا و عجز میں اور اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ آپؐ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ حضرت صدیق نے اسے دوبارہ ڈال دیا اور عرض کیا آپکی

دعا ہم سن رہے ہیں۔ خدا یقیناً آپ سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار غنودگی آگئی۔ حالت حرب میں قوم کو بھی غنودگی سی آگئی۔ آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ اور فرمایا اے ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں۔ اللہ کی نصرت آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر کو نازل فرمادیا: اپنے رسول اور مومنوں کی مدد فرمائی اور مشرکین کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے پر انہیں قدرت دی، چنانچہ (صحابہؓ) نے ستّر کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔

جب (قریش) نکلے تھے تو انہیں اپنے اور بنی کنانہ کے درمیان دشمنی کا خیال ہوا، چنانچہ ابلیس سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں ان کے پاس آیا (سراقہ) بنی کنانہ کا ایک بڑا سردار تھا کہنے لگا، آج تم پر کوئی آدمی بھی غالب نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے ہمراہ رہوں گا تاکہ بنی کنانہ تمہیں کچھ بھی ایذا نہ دے سکیں وہ اس وعدہ پر نکل پڑے اور شیطان (بصورت سراقہ) انکے ہمراہ رہا اور جدا نہ ہوا۔ جب لڑائی شروع ہوگی اور اس اللہ کے دشمن (ابلیس) نے اللہ کا لشکر (فرشتے) دیکھا جو آسمان سے نازل ہوا تھا تو ایڑیوں کے بل وہاں سے فرار ہو گیا۔

(قریش) کہنے لگے اے سراقہ! کہاں چلے! کیا تم نے یہ نہ کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور مفارقت اختیار نہ کروں گا (ابلیس) نے جواب دیا، میں وہ (مخلوق) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ ابلیس نے جب یہ کہا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے تو صحیح کہا، لیکن جب یہ کہا "میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو جھوٹ بولا ایک قول کے مطابق اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بھی ان کے ہمراہ ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اور ظاہر معنی یہی معلوم ہوتا ہے —

جب دشمن قریب ہو گیا اور جماعت (صحابہؓ) کی طرف بڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور وعظ فرمایا، اور انہیں صبر واستقامت کی تلقین فرمائی کہ اس طرح فتح و نصرت ور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر ملے گا اور بتایا کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت واجب کر دی۔

چنانچہ عمیر بن حمام کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول وہ جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہوگی۔

آپ نے فرمایا، ہاں! انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بس! بس! (کافی ہے)
آپ نے فرمایا، بس بس تو نے کیوں کہا؟ عرض کیا، اے اللہ کے رسول (میرا مطلب غلط) نہ تھا بلکہ مجھے امید ہے کہ شاید میں اسی کے رہنے والوں میں سے ہو جاؤں۔
آپ نے فرمایا، ہاں بے شک تو ان کے رہنے والوں میں سے ہے۔ انہوں نے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر کہا، اگر میں ان کے کھانے تک زندہ رہا تو پھر یہ (دنیا کی) زندگی بہت طویل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے باقی کھجوریں پھینک دیں اور جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ پہلے شہید تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ ریزوں سے مٹھی بھری اور انھیں دشمن کے چہروں کی طرف پھینکا ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو، وہ اپنی آنکھوں سے مٹی نکالنے میں مصروف ہو گئے اور مسلمان انھیں قتل کرنے میں مصروف ہو گئے
نیز اس دن فرشتے کفار کو قتل کرنے میں مسلمانوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اس دن ایک مشرک کے پیچھے تیزی سے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے سامنے کوڑے کی آواز سنی اور ایک سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا، اے حیزدم آگے بڑھ، پھر دیکھا تو مشرک مرا پڑا تھا۔ غور سے جو دیکھا تو کوڑے کی ضرب سے اس کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور چہرے کا ایک حصہ پھٹ گیا تھا۔ یہ واقعہ سب کے سامنے لایا گیا تو ایک انصاری نے آگے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا، تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آتی تھی۔

ابوداؤد مازنیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کے پیچھے بڑھ رہا تھا تاکہ اس کا سر قلم کر دوں، اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے قبل ہی جدا ہو کر گر گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے سوا کسی دوسرے نے قتل کیا ہے۔

عباس بن عبدالمطلب کی گرفتاری

ایک انصاری عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کر کے لائے عباس نے کہا اللہ کی قسم

اس نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے تو ایک انتہائی خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا اور اب وہ نظر نہیں آتا۔ انصاری فرمانے لگے کہ اے اللہ کے رسول میں نے انھیں گرفتار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو اللہ تعالیٰ نے اچھے فرشتے کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے۔ بنی عبد المطلب سے تین آدمی عباس، نوفل اور عقیل گرفتار ہوئے

جب لڑائی ختم ہو گئی اور قریش شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون دیکھے گا کہ ابوجہل کا کیا بنا؟ حضرت ابن مسعود گئے اور گرا ہوا دیکھا۔ عفراء کے دونوں لڑکوں۔ (معوذؓ و معاذؓ) نے اسے مارا تھا۔ آخر مر گیا۔ (ابن مسعود) نے اس کی ڈاڑھی پکڑی اور پوچھا تو ابوجہل ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آج کس کی فتح ہوئی۔ انھوں نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول کو فتح حاصل ہوئی اور اے اللہ کے دشمن اللہ نے تجھے ذلیل کیا۔ وہ بولا اور کیا ایسے آدمی پر کہ جس کی قوم نے اسے قتل کیا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے قتل کر دیا اور (اس کا سر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا۔ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں'' آپ نے تین بار یہ کلام دہرایا۔ پھر فرمایا اللہ اکبر سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا دشمن کی جماعتوں کو شکست دی۔ پھر فرمایا، چلو مجھے دکھاؤ۔ میں نے آپ کو (اس کی لاش بے سر) دکھایا۔ آپ نے فرمایا، یہ اس امت کا فرعون ہے۔

اسی روز حضرت عکاشہؓ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خشک ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا، اس سے کام لو۔ جب حضرت عکاشہؓ نے اسے پکڑ کر ہلایا تو (یہ ٹہنی) ایک طویل انتہائی سفید تلوار بن گئی۔ یہ صحابی ہمیشہ اس سے جہاد کرتے رہے۔ آخر کار ابوبکرؓ کی خلافت میں فتنہ ارتداد کے موقع پر شہید ہو گئے۔

حضرت زبیر نے عبیدہ بن سعید بن عاص کو دیکھا، وہ ہتھیاروں میں غرق تھا اور اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت زبیر نے اپنا حربہ اس کی آنکھ میں گھونپ دیا اور وہ مر گیا۔ پھر انہوں نے اپنا پاؤں حربہ پر رکھا اور اسے کھینچا اسے کھینچتے ہوئے انھیں

کافی زور لگانا پڑا اور اس کی ایک طرف دہری ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حربہ طلب فرمایا، انھیں سے نے پیش کر دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو انھوں نے پھر اسے واپس لے لیا۔ پھر ابوبکرؓ نے ان سے مانگ لیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے لے لیا۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو پھر زبیرؓ نے واپس لے لیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے لے لیا۔ جب حضرت عثمانؓ کا انتقال ہوا تو یہ حربہ آل علیؓ کے پاس آ گیا، چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے لے لیا اور شہادت تک اُن کے پاس ہی رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے تیر مارا تو میری آنکھ پھوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگایا پھر مجھے کچھ بھی تکلیف نہ دی۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا، تم بدترین خاندان ہو۔ تم تھے جن کی طرف میں نبی بن کر مبعوث ہوا۔ اور تم نے میری تکذیب کی اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔ تم نے مجھے نکال دیا، اور دوسرے لوگوں نے مجھے جگہ دی۔

پھر آپ نے بدر کے کنوؤں میں سے ایک ویران کنویں کی طرف انھیں گھسیٹا اور اس میں انھیں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ کھڑے ہو کر نام لے لے کر فرمانے لگے۔

اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ۔ اے فلاں اے فلاں کیا تم نے پالیا، جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ البتہ میں نے حق پالیا، جو مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا۔

حضرت عمر نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ ایک مردہ قوم سے مخاطب ہیں! آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں جو ان سے کہہ رہا ہوں، وہ کلام تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے۔

آپ اس علاقے میں تین دن ٹھہرے رہے اور آپ جب بھی کسی قوم پر حملہ کرتے تو آپ وہاں تین دن ٹھہرا کرتے۔ اس کے بعد آپ فاتح اور اللہ کی مدد سے خوش و خرم

واپس تشریف لاتے۔ آپ کے ہمراہ قیدی اور مال غنیمت ہوتا۔
جب آپؐ صفراء پر پہنچے تو غنائم کو تقسیم فرمایا، اور نضر بن حرث بن کلاہ کی گردن ماردی۔
پھر آپؐ عرق الظبیہ اترے اور عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماردی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتح اور منصور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اب تو مدینہ اور اس کے اردگرد کا ہر دشمن آپ سے ڈرنے لگا۔ نیز مدینہ کے متعدد لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی بھی اس وقت ظاہری طور پر مسلمان ہوئے۔
غزوہ بدر میں تین سو دس سے کچھ زیادہ صحابہؓ شریک ہوئے۔ تراسی مہاجرین باسٹھ اوس قبیلہ کے۔ ایک سو ستر بنو خزرج کے تھے۔ اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔ اگرچہ یہ قبیلہ زیادہ قوی، اور صاحبِ شوکت تھا، اور لڑائی میں مستقل مزاج تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے گھر مدینہ سے باہر تھے اور جنگ کا بلاوا اچانک آگیا تھا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم شوال کے مہینہ میں غزوۂ بدر اور اس کے گرفتار شدگان سے فارغ ہوئے۔

غزوۂ سویق

دشمن اسلام یہودی سردار کعب بن اشرف کا قتل

غزوۂ سویق

جب مشرکین کا گروہ ذلیل، رسوا اور غمزدہ حالت میں واپس گیا تو ابو سفیان نے نذر مانی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کیے بغیر سر پر پانی نہ ڈالوں گا، چنانچہ دو سو سواروں کے ہمراہ نکلا اور مدینہ کے ایک جانب میدان میں آیا، وہاں ایک یہودی سلام بن مشکم کے پاس رات گزاری۔ اس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کھجور کے چند درخت کاٹ ڈالے۔ ایک انصاری اور ایک ان کے حلیف کو قتل کر دیا۔ پھر واپس بھاگ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی نذر مانی۔ اس کی تلاش میں تشریف لے گئے، اور قرقرۃ الکدر تک پہنچے، لیکن ابو سفیان بھاگ چکا تھا۔ زاد راہ کی کثرت کے باعث کفار نے کافی مقدار میں ستو پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے وہ ستو اٹھا لیے۔ اس طرح اس کا نام ہی غزوۂ سویق پڑ گیا۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے دو ماہ بعد پیش آیا۔

کعب بن اشرف کے واقعہ کی تفصیل

اب کعب بن اشرف کا واقعہ بیان ہوتا ہے، اس یہودی کی ماں بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف و اذیت کا موجب تھا۔ اپنے اشعار میں صحابہؓ کی ازواج سے تشبیب کیا کرتا تھا۔ جب غزوہ بدر ہوا تو یہ مکہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے خلاف اہل مکہ کو بھڑکانے لگا، پھر مدینہ لوٹ آیا اور ایسی ہی حرکتیں کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعب بن اشرف کا خاتمہ

کون کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔

محمد بن مسلمہ، عباد بن بشیر۔ ابو نائلہ جس کا نام سلکان بن سلامہ تھا، اور یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ حرث بن اوس اور ابوعبس بن جبر تیار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی کہ اسے گھات سے قتل کر دیں۔

یہ لوگ رات کو جب چاندنی کھلی ہوئی تھی گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع غرقد تک ساتھ تشریف لے جا کر انھیں رخصت کیا۔ جب وہاں پہنچے تو سلکان بن سلامہ کو اس کے پاس بھیجا وہ بظاہر رسول اللہ سے منحرف ہو کر، اور اس کے دم ساز بن کر پہنچے۔ اور آپ کے بارے میں شکایتی الفاظ کہے۔ نیز کہا کہ یہ اسلحہ رہن رکھ لو اور میرے رفقاء کے کھانے کا بندوبست کر دو، اس نے قبول کر لیا۔

سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے، انھیں ساتھ لے آئے۔ وہ اپنے قلعے سے باہر نکلا یہ فوراً اس پر پل پڑے اور تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ محمدؓ بن سلمہ نے اسے قتل کر دیا، زخمی ہو کر یہ دشمن خدا زور سے چیخا، جس سے ہر چہار طرف ایک دہشت سی پھیل گئی۔ ان لوگوں نے آگ جلائی اور روانہ ہو گیا۔ آخر یہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب کے آخری حصے میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ حرث بن اوس اپنے کسی ساتھی کی تلوار سے زخمی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک زخم پر لگا دیا، وہ فوراً ہی صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی عہد شکنی اور خدا اور رسولؐ سے جنگ آزمائی کے باعث ان کے قتل کی اجازت دے دی۔

غزوۂ احد

تاریخ اسلام کی اہم ترین اور فیصلہ کن جنگ

ابوسفیان کی اسلام دشمنی جب اللہ تعالیٰ نے اشراف قریش کو بدر کے موقع پر قتل کر دیا اور انھیں سابق مواقع کی نسبت بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تو ان کا رئیس ابوسفیان بن حرب تھا، یہی تھا جس نے انھیں بھیجا تھا، وہ غزوۂ سویق میں بھی یہ خود آیا تھا، اور خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکنے پر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکسایا کرتا تھا، آخر کار اس نے تین ہزار کی تعداد میں فوج مرتب کر لی جس میں قریش اس کے حلیف اور دیگر گروہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کو ساتھ لے آئے تاکہ عار کے خوف سے فرار نہ ہو سکیں، اس کے بعد یہ لشکر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ علینین کے مقام پر احد پہاڑ کے قریب اترا۔ یہ واقعہ ہجرتؐ کے تیسرے سال شوال کے مہینہ میں پیش آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آیا مقابلہ میں مدینہ سے باہر نکلیں یا مدینہ میں ٹھہریں؛ آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں اور یہیں قلعہ بند ہوں۔ اگر وہ شہر میں داخل ہو جائیں تو مسلمان ان سے گلیوں میں مقاتلہ کریں اور عورتیں چھتوں پر سے۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کی۔ کبار صحابہ کی ایک جماعت جو بدر میں شریک نہ ہو سکی تھی، انھوں نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا اور اس پر اصرار کیا۔ عبداللہ بن ابی نے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ آپ کی رائے بھی مدینہ کے متعلق تھی، اس لیے بعض صحابہؓ نے آپؐ کی تائید کی، بحث تمام ہونے کے بعد آپ اٹھ کر گھر میں تشریف

لے گئے اور سلاح جنگ زیب تن فرماکر باہر تشریف لائے۔

اب صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپ مدینہ میں ٹھہرنا پسند فرمائیں تو ایسا ہی کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کو مناسب نہیں کہ جب وہ لباس (جہاد) پہن لے تو پھر (ہتھیار) اتار دے جب تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہؓ کے ہمراہ باہر تشریف لائے۔ اور جو لوگ مدینہ میں رہ گئے ان کی امامت کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن باہر نکلے۔ جب آپ مدینہ اور احد کے درمیان پہنچے تو عبداللہ بن ابی (منافق) لشکر کا تیسرا حصہ لے کر الگ ہو گیا، اور کہنے لگا، تم میری مخالفت کرتے ہو اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبری جاری رکھی اور وادی کے ایک کنارے احد کے ایک حصہ میں اترے آپ نے احد کی طرف پشت کی اور بلا اجازت لوگوں کو جنگ شروع کرنے سے منع فرمایا۔

مسلمانوں کی صف بندی اور جنگی تیاری

جب ہفتے کے دن کی صبح آئی تو لڑائی کی تیاری کی، آپ کے ہمراہ سات سو آدمی تھے جن میں پچاس سوار تھے۔ آپ نے پچاس تیراندازوں پر عبداللہ بن جبیر کو امیر بنایا۔ انھیں اور ان کے رفقاء کو حکم دیا کہ مرکز سے چمٹے رہیں۔ اور اس سے ہرگز جدا نہ ہوں۔ اگرچہ پرندوں کو دیکھیں کہ وہ لشکر کو کھائے جارہے ہیں۔ جو لوگ فوج کے پیچھے کی جانب متعین تھے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ مشرکین کو تیروں سے روکے رکھیں تاکہ پیچھے کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ نہ ہو سکے۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے تھے۔ آپ نے مصعبؓ بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا۔ نیز آپ نے زبیرؓ بن عوام کو ایک جانب اور منذر بن عمرو کو دوسری جانب امیر بنایا۔ اسی روز ایسے نوجوان بھی حاضر ہوئے۔ آپ نے جنھیں کم عمر

خیال فرمایا اس لیے لوٹا دیا۔ عبداللہ بن عمر۔ اسامہ بن زید۔ اسید بن ظہیر۔ براء بن عازب
زید بن ارقم۔ زید بن ثابت۔ عرابہ بن اوس اور عمر بن حزام رضی اللہ عنہم انہی میں سے تھے
اور جنھیں قدرے توانا سمجھا انھیں اجازت دے دی۔ سمرۃ بن جندب۔ رافع بن خدیج
انھیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی عمریں پندرہ پندرہ سال کی تھیں۔ ایک قول یہ ہے
کہ جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اسے آپؐ نے اجازت دے دی، اور جس کی عمر اس سے
کم نکلی اسے واپس کر دیا اور اس روز مسلمانوں کا شعار امت امت تھا چنانچہ ابتدائے
دن میں مسلمانوں کو کفار پر فتح حاصل ہوئی اور کفار فرار ہو گئے، یہاں تک کہ اپنی عورتوں کے
پاس جا پہنچے۔ جب تیر اندازوں نے (کفار) کی شکست دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ دی جہاں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں متعین فرمایا تھا اور کہنے لگے (چلو) غنیمت! غنیمت
ان کے امیر نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد یاد دلایا لیکن انھوں نے نہ سنا اور
یہ سمجھے کہ مشرکین بھاگ چکے چنانچہ سرحد خالی چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔
مشرکین نے سواروں کو دیکھا کہ سرحد خالی ہے، وہ تیزی سے آگے بڑھے اور مسلمانوں
کا احاطہ کر لیا اس کے بعد صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے نوازا۔ صحابہ کے ہٹ جانے
کے باعث مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ اور آپ کا چہرہ انور زخمی کر
دیا، اور آپؐ کا ایک دندان مبارک شہید کر دیا اور آپ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ
آپ ابو عامر کے ساتھ ایک گڑھے میں گر گئے جو اس نے مسلمانوں کے لیے کھود رکھے
تھے۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپؐ کو
اپنے جسم کی اوٹ میں کر لیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر آپؐ کے سامنے شہید ہو گئے۔
آپ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دے دیا۔ آہنی خود کے دو حلقے آپ کے رخسار
میں چبھ گئے۔ ابو عبیدہؓ بن جراح نے انھیں نکالا۔ انہی زخموں کے باعث آپ کے دو دانت
شہید ہو گئے۔ ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے آپ کے رخسار سے بہتے
ہوئے خون کو چوس لیا۔
مشرکین نے خیال کیا کہ اب ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اللہ

تعالےٰ حائل نہیں۔ چنانچہ دس کے قریب مسلمان بیچ میں آگئے۔ آخر وہ شہید ہو گئے......
پھر حضرت طلحہ نے ان سے مقابلہ کیا اور مشرکوں کو آپ سے دور ہٹا دیا۔ حضرت ابو دجانہؓ
اپنی پشت کفار کی طرف کر کے آپؐ کے لیے ڈھال بن گئے۔ ان پر تیر برس رہے تھے اور
وہ وہاں سے ہلتے نہ تھے۔ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ میں چوٹ لگ گئی انھیں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اپنی جگہ پر لوٹا
دیا، اب وہ دونوں میں سے زیادہ صحت مند آنکھ بن گئی۔

جنگ کی گھما گھمی میں شیطان چیخا کہ محمد قتل ہو گیا۔ مسلمانوں پر سخت سراسیمگی طاری ہو گئی،
بڑی تعداد میں وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انس بن نضر ایک جماعت
کے پاس سے گزرے جو ہاتھ توڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا کس بات کا انتظار کر
رہے ہو؟

کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے۔

انہوں نے کہا تو پھر آپ کے بعد تم زندگی سے کیا لوگے، آؤ اٹھو جس پر آپ نے وفات
پائی تم بھی موت کو اس پر خوش آمدید کہو۔ اس کے بعد لوگوں کے سامنے آئے اور حضرت
سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے کہنے لگے۔ اے سعد میں احد سے درے ہی سے
جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے شہادت کے
بعد دیکھا گیا تو ان کے بدن پر زخم کے ستر نشانات تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے قریبًا بیس زخم کھائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف تشریف لائے تو سب سے پہلے کعب بن مالک
نے خود کے نیچے سے آپ کو پہچانا، اور زور سے آواز دی، اے مسلمانو، خوش ہو
جاؤ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ "خاموش رہو" مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے اور
جس شعب (گھاٹی) میں آپ اترے وہیں عام مسلمان بھی آگئے۔ وہاں ابوبکرؓ اور عمرؓ علیؓ
اور حرث بن صمہ انصاری وغیرہ بھی موجود تھے۔

ایک دشمن رسول ؐ کی درگت

جب پہاڑ کی طرف بڑھے تو رسول اللہ نے ابی بن خلف کو دیکھا۔ اس اللہ کے دشمن کو شک ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے قتل کر دیں گے۔ جب آپ اس کے قریب آئے تو حرث بن صمہ سے حربہ لیا اور اسے مارا۔ اس کی گردن میں زخم ہوا اور اللہ کا دشمن شکست کھا کر بھاگا۔ مشرکین نے اس سے کہا۔ خدا کی قسم تجھے کچھ نہیں ہوا۔

اس نے جواب دیا کہ جس قدر مجھے تکلیف ہے اگر ذی مجاز والوں کو اتنی تکلیف ہوتی تو تمام مر جاتے۔ (واقعہ یوں ہے کہ یہ مکہ میں گھوڑا چرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں اس پر سوار ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا، بلکہ انشاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ آپ نے جب اسے مارا تو اللہ کے دشمن کو وہی) بات یاد آگئی کہ میں اسے قتل کروں گا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس زخم سے ضرور مر جائے گا، چنانچہ وہ مکہ کی طرف واپس آتے ہوئے سرف کے مقام پر مر گیا۔

حضرت حنظلہ ؓ اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ بہ حالت جنابت میں تھے کیونکہ جب انھوں نے آواز سنی تو اس وقت اپنی بیوی سے مشغول تھے، اسی وقت اٹھے اور جہاد میں آکر شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ؓ کو خبر دی کہ انھیں فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ معلوم کرو کہ ان کا کیا معاملہ ہے؟ ان کی بیوی سے صحابہ ؓ نے دریافت کیا تو انہوں نے اصل واقعہ بتا دیا، چنانچہ فقہا نے اسے اس بات کی دلیل قرار دے دیا ہے کہ اگر حالتِ جنابت میں کوئی شہید ہو جائے تو فرشتوں کی اقتداء کے باعث اسے غسل دیا جائے۔

جب لڑائی تھمی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی، کیا تم میں محمد ہے؟ انہوں نے کچھ نہ جواب دیا۔ پھر کہنے لگا کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر ؓ) ہے؟ اس پر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کیا تم میں عمر ؓ بن خطاب ہے؟ پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا، چونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام انہی حضرات کے باعث طاقت ور ہے اس لیے انہی کے متعلق دریافت کیا پھر (ابوسفیان) کہنے لگا، ان سب کا تو کام تمام ہو گیا۔

ابوسفیان کے نعروں کا جواب

حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا، فرمایا، او دشمن خدا! جن کا تو نے ذکر کیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تجھے ایذا دینے کے لیے انھیں باقی رکھا ہے۔

اس کے بعد (ابوسفیان) چلایا اے ہبل اونچا رہ (اعل ہبل)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اس کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا گیا، کیا کہیں! آپ نے فرمایا۔ کہو اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے (اللہ اعلیٰ واجل) پھر وہ (ابوسفیان) کہنے لگا ہمارے پاس عزیٰ (ایک بت کا نام جس کو یاد کر کے وہ بزعم خویش عزت حاصل کرتے ہیں) ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں (لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم) آپ نے فرمایا کیا تم اس کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا گیا، ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا ہمارا آقا اللہ ہے اور تمہارا کوئی آقا (مولا) نہیں (اللہ مولانا ولا مولا لکم)

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا، بدر کے دن کا یہ بدلا ہے اور جنگ کے مقابلہ میں ہار جیت (ہوتی ہی رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا، نہیں یہ بات نہیں بلکہ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔

غزوہ احد میں بھی ملائکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیا، چنانچہ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے روایت کیا، فرمایا کہ میں نے احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ کے ہمراہ دو آدمی قتال میں شریک تھے جن پر ازحد سفید کپڑے تھے۔ اس سے پہلے اور بعد میں میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا اور صحیحین میں ابی حازمؓ سے مروی ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کے متعلق پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا، اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم کون دھو رہا تھا کون پانی بہا رہا تھا اور دعا کیا کی گئی۔

حضرت فاطمہؓ زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب پانی ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا خون زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا

اور زخم میں رکھا جس سے خون رک گیا۔

حضرت انسؓ نے کہا اے سعد جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں احد سے ورے ہی محسوس کر رہا ہوں، اس کے بعد وہ میدان میں چلے گئے اور جہاد شروع کیا۔ یہاں تک کر شہید ہو گئے۔ ان کی لاش پہچانی نہ جا سکی۔ ان کی ہمشیرہ نے انگلی کے پوروں سے پہچانا اور ان پر نیزے تلواروں اور تیروں کے اسی سے زیادہ نشان تھے۔

مشرکین ابتدائے دن میں ہی شکست کھا گئے۔ ابلیس چیخا، اے اللہ کے بندو، اللہ تمہیں رسوا کرے۔ شکست سے واپس آؤ اور جنگ کرو۔

حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد کو مشرکین کا آدمی سمجھ کر قتل کرنے لگے ہیں انھوں نے آواز دی، اللہ کے بندو، یہ میرے والد ہیں وہ ان کا کلام نہ سمجھے اور انھیں شہید کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا، اللہ تمہیں بخشے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیت دینا چاہی انھوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کی دیت مسلمانوں کو معاف کر دی اس واقعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہؓ کا مرتبہ اور بڑھ گیا۔

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز مجھے سعدؓ بن ربیع کی تلاش میں بھیجا، فرمایا کہ اگر تو انھیں دیکھے تو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ دریافت فرما رہے تھے کہ تمہارا کیا حال ہے!

راوی کہتے ہیں کہ میں مقتولوں میں پھرنے لگا۔ آخر میں سعدؓ کے پاس آیا ان کا دم لبوں پر تھا، نیزوں، تلواروں اور تیروں کے بدن پر ستر نشانات تھے۔

میں نے کہا اے سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور دریافت فرمایا ہے کہ تمہارا حال کیا ہے!

انھوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، ان سے عرض کرنا، اے اللہ کے رسول میں جنت کی خوشبو پا رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی اور تم میں ایک جھپکنے والی آنکھ بھی باقی

ہوئی تو یاد رکھو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر سنا نہ جائے گا۔ اس کے فوراً بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام فرماتے ہیں، میں نے احد سے قبل مبشر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا، کہنے لگے چند ہی روز میں تم ہمارے پاس آ رہے ہو۔
میں نے پوچھا اور تم کہاں ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم جنت میں ہیں۔ ہمارا جہاں دل چاہتا ہے سیر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ بدر کے غزوہ میں شہید نہ ہوئے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا اے ابو جابرؓ یہ گواہی ہے۔
اللہ کا دشمن ابی بن خلف لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر محمد بچ رہا تو میں نہ بچ سکوں گا کیونکہ اس نے مکہ میں حلف اٹھایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر دے گا۔ مصعب بن عمیر سامنے آئے اور مصعب شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ اور بغیہ کے درمیان گردن پر جگہ دیکھی۔ آپ نے اس جگہ حربہ مارا اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اس کے دوستوں نے اسے اٹھایا۔ اور بیل کی طرح خرخرا رہا تھا (اس کے ساتھی) کہنے لگے، یہ ذرا سا زخم ہے، پھر بھی تو اتنی بے صبری دکھا رہا ہے! اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آ گیا میں ان شاء اللہ اسے قتل کروں گا۔
چنانچہ رابغ میں جاکر مر گیا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رات کے ایک حصہ میں میں وادی رابغ میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک آگ نظر آئی۔ میں ادھر گیا، دیکھا تو ایک آدمی ایک زنجیر گھسیٹتا ہوا اس میں سے نکل رہا ہے اور پیاس پیاس چیخ رہا ہے اور ایک اور آدمی بھی نظر آیا جو کہہ رہا تھا کہ اسے پانی نہ پلانا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔

یوم احد ابتلاء اور امتحان کا دن تھا

زہریؒ۔ عاصم بن عمرؓ اور محمد بن یحییٰ بن حبانؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یوم احد ابتلاء و امتحان کا دن تھا۔
اللہ تعالیٰ نے اسی دن مومنین کو آزمایا اور منافقین کو عریاں کر دیا، جو محض زبان سے

اظہارِ اسلام کیا کرتے تھے، اور دل میں کفر چھپا رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں میں سے جسے چاہا شہادت کے اکرام سے نوازا۔ نیز احد کے دن قرآن کی سورہ آل عمران کی ساٹھ آیات نازل ہوئیں جن کی ابتدا اس آیات سے ہوتی ہے واذ غدوت من اھلک تبوی المؤمنین مقاعد للقتال۔ آخر تک۔

احد کا غزوہ کئی احکام وقواعدِ فقیہ پر مشتمل ہے

ایک یہ کہ جب جہاد کا آغاز ہو جائے اور اسلحہ پہن لیا جائے اور مقابلے کا عزم کر لیا جائے تو دشمن سے جنگ کیے بغیر واپس نہ ہونا چاہیے۔

(۲) دوسرے لشکر کے گران زمینوں سے گزرنا ہو کہ راہ میں پڑیں اگرچہ مالک راضی نہ ہو (بشرطیکہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو۔)

(۳) تیسرے جو بچے بالغ نہ ہوں اور جنگ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انھیں واپس کر دینا۔

(۴) نیز اگر امام کو زخم آ جائے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے پیچھے سب بیٹھ کر نماز پڑھیں جیسا اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور وفات تک آپ کی یہ سنت جاری رہی۔

(۵) نیز اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو قتل کر دے تو وہ اہل نار میں سے ہو گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے متعلق فرمایا جب کہ احد کے دن اسے سخت ترین ابتلا میں ڈالا گیا۔ جب اسے شدت سے تکلیف محسوس ہو تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اہلِ نار میں سے ہے۔

(۶) نیز شہید کے متعلق سنت یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور جو کپڑے پہنے ہو اس کے علاوہ دوسرے کپڑوں کا اسے کفن بھی نہ پہنایا جائے بلکہ انہی (کپڑوں) میں اس کے زخم اور خون کے ہمراہ اسے دفن کیا جائے۔ ہاں اگر اس کا لباس (دشمنوں) نے چھین لیا ہو تو دوسرا کفن دیا جا سکتا ہے۔

(۷) نیز اگر حالت جنابت میں شہادت ہو جائے تو غسل دیا جائے، جیسا ملائکہ نے حنظلہ رضی اللہ عنہ بن ابی عامر کو غسل دیا۔

۸۔ اور شہداء کے معاملہ میں مسنون یہ ہے کہ انھیں میدان جنگ میں ہی دفن کیا جائے اور دوسرے مقام پر منتقل نہ کیا جائے کیونکہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے اپنے مقتولوں کو مدینہ میں منتقل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کرنے والے نے منادی کی کہ انھیں میدان جنگ میں واپس لوٹا دیا جائے۔

۹۔ نیز ایک قبر میں دو یا تین شہداء کو بھی دفن کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں دو یا تین کو بھی دفن کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ دنیا میں ان کی آپس میں بہت محبت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں دونوں محبت کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔ پھر ایک طویل زمانے کے بعد ان کی قبر کھودی گئی تو عبداللہ بن عمرو بن حرام کا ہاتھ اسی طرح اپنے زخم پر تھا جیسے انھوں نے زندگی میں اس پر رکھا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو فوراً خون ابلنے لگا۔ اس پر ان کا ہاتھ پھر اسی جگہ لوٹا دیا گیا اور خون رک گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا؛ کہنے لگے انھیں ایک طرف کی چادر میں دفن کیا گیا تھا جو چہرے پر آس کی اور پاؤں پر حرمل کے پودے ڈال دیئے گئے۔ ہم نے چادر کو اس طرح دیکھا اور حرمل بھی ان کے پاؤں پر حسب سابق موجود تھی۔ اور ان کے (دفن) ہونے سے اب تک چھیالیس برس گزر چکے تھے۔

۱۰۔ نیز اگر مسلمان کسی اپنے آدمی کو غلطی سے قتل کر دیں تو امام پر بیت المال سے دیت دینا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کے والد کی دیت دینی چاہی گو حضرت حذیفہؓ نے دیت لینے سے احتراز کیا اور مسلمانوں کو معاف کر دیا۔

۱۱۔ موت کی تمنا جائز نہیں گو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے حصول شہادت کی تمنا جائز ہے۔

غزوہ احد میں حکم و غایات محمودہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ان پر روشنی ڈالی ہے، وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ الخ ان ساٹھ آیات میں قصہ بیان فرمایا اور انھیں معصیت تفرقہ واختلاف

کے انجام بد سے آگاہ کیا اور بتایا کہ جو گزند انھیں پہنچا وہ اسی وجہ سے تھا۔ پھر بتایا کہ تمہیں ان سے پھیر دیا، تاکہ تمہیں آزمائے اور اب تمہیں معاف بھی کر دیا ہے چونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور اختلاف و افتراق کا نتیجہ دیکھ لیا تھا اس لیے اب اسباب خذلان سے خوب واقف اور متنبہ ہو کر اس سے احتراز و اجتناب کرنے لگے۔

نیز یہ فائدہ ہوا کہ مومن صادق اور منافق کاذب میں امتیاز ہو گیا کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کی آواز بلند ہو گئی تو ظاہری طور پر اسلام میں ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو باطن میں (مسلمان) نہ تھے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بندوں پر ایک مصیبت اور محنت ڈال دے تاکہ مومن اور منافق میں فرق آجائے۔ چنانچہ اس غزوہ (احد) میں منافقین نے سر اٹھایا جو کچھ چھپا رہے تھے منہ پر لے آئے اور نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا اور لوگ علانیہ کافر مومن اور منافق تین گروہوں میں بٹ گئے اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے گھروں میں بھی ان کے دشمن موجود ہیں، جو ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان سے جدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان کے مقابلے کے لیے مستعد ہو گئے اور ان سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے لگے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت اولیاء اللہ کے اعلیٰ مراتب کی علامت ہے۔ شہداء اس کے خواص و مقربین میں شامل ہوتے ہیں۔ درجہ صدیقیت کے بعد شہادت کا ہی درجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے شہداء کا انتخاب فرمائے۔ جو اس کی محبت و رضا کی خاطر خون بہائیں اور اس کی محبت و رضا کو اپنی جان پر بھی فوقیت دیں۔ اور اس سعادت عظمیٰ کا حصول کا طریق صرف یہی ہے کہ انھیں دشمن کے تسلط میں دیا جائے تاکہ اسباب مقدرہ کے باعث وہ (درجہ شہادت) حاصل کریں۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا قصد فرمایا تو ان کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیئے جو ان کی ہلاکت و بربادی پر منتج ہوں۔ اور سب سے بڑا جرم یا سبب ان کا کفر و بغاوت و طغیان اور اللہ کے اولیاء کو از حد ایذا دینا اور ان سے مقاتلہ الیٰ ربہ ہے۔ ان کے گناہ و عیوب کے باعث اپنے اولیاء کو ان پر ظاہر

فرمادیا اور اس سے اللہ کے دشمنوں کے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوا۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے متعلق ذکر فرمایا:

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام نداولھا بین الناس ولیعلم اللہ الذین امنوا ویتخذ منکم شھداء واللہ لا یحب الظالمین ولیمحص اللہ الذین امنوا ویمحق الکافرین۔

یعنی کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو۔ اگر تم مومن ہو۔ تو تم سربلند ہو اگر تم کو تکلیف پہنچی تو اس طرح (دوسری) قوم کو بھی تکلیف پہنچی اور ہم لوگوں میں دنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جان لیں جو ایمان لائے اور لیں وہ تم میں سے گواہ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا"

اس آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی حوصلہ افزائی اور تقویت اور ان کے عزائم و معصم کو زندگی بخشنے کا کلام جمع فرمادیا۔ اور کفار کی زیادتیوں کے منطقی نتائج کی بنا پر پیدا شدہ حکمتوں کا تذکرہ کیا اور اچھے انداز سے تسلّی دی۔ اس کے بعد ان کے عزائم و ہمتوں پر توبیخ فرمائی کہ اس سے قبل اتم جہاد کی تمنا کرتے تھے اور جنگ میں جانا چاہتے تھے۔

فرمایا، ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رایتموہ وانتم
یعنی اور تم اس سے قبل موت کی تمنا کرتے تھے، کہ اس سے ملیں۔

صحابہ میں شہادت کی تمنا اور شوق

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بدر کے شہداء کے فضائل کی خبر دی، تو صحابہؓ کو شہادت کی خواہش ہوئی۔ ان کی تمنا یہ ہوئی تاکہ جنگ ہو تاکہ اس میں شہید ہو اپنے بھائیوں سے جا ملیں۔ احد کے روز اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنائیں انہیں دکھادیں، تو سوائے چند کے جنھیں اللہ نے چاہا تھا شکست کھا گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

نیز غزوہ احد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کی (اطلاع دہی) کے لیے مقدمہ تھا اس لیے انھیں متنبہ فرمایا اور فرار پر توبیخ کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل

ہو جائیں تو انھیں فرار نہیں ہونا چاہیے ۔ بلکہ ان پر واجب یہ ہے کہ اس کے دین اور توحید پر قائم رہیں اور اسی پر مریں ۔ ہر جان دار کو بہر حال موت آنی ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رہنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا ۔ نہ وہ (صحابہ رضؓ) اس کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ، بلکہ (ان کا مقصد) تو اسلام و توحید کی خاطر مرنا ہے کیونکہ موت تو بہر حال آ کر رہے گی ۔ چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا زندہ رہیں اس وجہ سے جو دین سے پھر گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی زجر نازل ہوئی ۔ جب شیطان چلایا کہ محمد قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ، وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین ۔

یعنی اور نہیں ہیں محمد مگر رسول تحقیق گذر چکے ان سے پہلے (کئی) رسول کیا پس اگر فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے ؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جائے تو وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا ۔ اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا ۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس چیز کی خبر دی جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ مدد چاہی ۔ اور وہ توبہ ، استغفار اور اپنے پروردگار سے دعا ہے تاکہ ان کے قدم مضبوط رہیں اور ان کے اعداء کے خلاف اللہ ان کی مدد کرے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

وما کان قولہم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین فاتاہم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ واللہ یحب المحسنین ۔

یعنی ، ان کا قول یہی تھا کہ انہوں نے کہا " اے ہمارے پروردگار ، ہمارے گناہ بخش دے اور امور میں ہماری زیادتی کو بخش دے ۔ اور ہمیں ثابت قدم کر دے اور کافروں کی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما ۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا اجر اور آخرت کا بہتر اجر عطا فرمایا اور اللہ احسان

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا

پھر انھیں یہ بھی بتایا کہ اللہ نے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ سچے وعدے والا ہے۔ اس لیے اگر تم لوگ اطاعت پر جمے رہے اور رسولوں کی اطاعت کو لازم کر لیا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر اطاعت کا جوا اتار دیا اور مرکز (وحی) سے ہٹ گئے تو اللہ کی مدد الگ ہو جائے گی۔ اور سزا و ابتلاء کی خاطر دشمنوں کا تسلط کر دیا جائے گا تاکہ معلوم ہو جائے معصیت اور اطاعت کے عواقب کیا ہوتے ہیں۔

نیز اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ یہ ساری لغزشیں خدا نے معاف فرما دیں۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس طرح اس واقعہ میں کئی حکمتیں اور مومنین پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ملتی ہیں۔

پھر اس میں تحذیر و تخویف، ارشاد و تنبیہ۔ اسباب خیر و شر کی وضاحت ان کا مال و انجام پھر اپنے نبی اور مومنین کی تسلی و تشفی، جو ان میں سے منقول ہوئے ان کے متعلق انتہائی لطف و کرم اور رضا الٰہی کی ضمانت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرما دی (غرض اسی طرح کے بے شمار انعامات ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

یعنی "اور ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے، انھیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں، انھیں رزق ملتا ہے، خوشی میں جو اللہ نے انھیں دیا ہے اپنے فضل سے اور ان کے بعد جو ان سے ابھی نہیں ملے انھیں خوشخبری دیتے ہیں کہ ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

اسلام کے دو جانباز

خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ کا بے دردانہ قتل

ہجرت کے تیسرے سال شوال کی ساتویں تاریخ ہفتے کے دن غزوہ احد واقع ہوا، جیسا مذکور ہو چکا ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس تشریف لے آئے اور شوال ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے وہیں ٹھہرے۔ جب محرم کا چاند طلوع ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ خویلد کے دونوں لڑکے اپنی قوم کے ہمراہ بنی اسد بن خزیمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ پر ابھار رہے ہیں۔ آپ نے ابو سلمہ کو بھیجا اور انھیں جھنڈا دیا اور آپ کے ہمراہ انصار او مہاجرین کے ڈیڑھ صد افراد بھیجے، انھیں ایک اونٹ اور بکری ملی۔ اور ابو سلمہؓ یہ تمام (مال غنیمت) لے کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

خالد بن سفیان ہذلی کا قتل۔ محرم کی پانچویں تاریخ آپ کو معلوم ہوا کہ خالد بن سفیان ہذلی نے ایک گروہ جمع کیا ہے۔ آپ نے عبداللہ بن انس کو اس کی طرف بھیجا، انھوں نے اسے قتل کیا اور اس کا سر لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے انھیں ایک عصا عنایت فرمایا یہ کہنے لگے کہ یہ میرے اور آپ کے درمیان قیامت کے دن علامت ہوگی۔ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے وصیت کی کہ اسے بھی ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ یہ اٹھارہ راتیں سفر میں رہے اور ہفتہ کے روز جب محرم میں سات دن باقی تھے واپس آئے۔ جب صفر آیا تو عضل اور قارہ سے ایک قوم خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے اسلام ظاہر کیا اور درخواست کی کہ ان کے ہمراہ ان صحابہؓ کو بھیجا جائے کہ جو دین کے عالم ہوں اور انھیں قرآن پڑھائیں۔ ابن اسحٰق کے قول

کے مطابق آپ نے چھ آدمی بھیجے ۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ دس آدمی تھے اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کو ان کا امیر بنایا ۔ ان میں خبیب بن عدی بھی تھے ۔ یہ ان کے ہمراہ چلے گئے ۔ جب یہ لوگ رجیع میں پہنچے ۔ یہ حجاز کے ایک طرف کا چشمہ ہے (کفار) نے یہاں دھوکہ دیا اور ان پر حملہ کر دیا اور احاطہ کر لیا اور قتل عام کر دیا ۔ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ گرفتار ہو گئے ۔ ان دونوں کو لے گئے اور انھیں مکہ میں بیچ دیا ۔ ان دونوں نے غزوہ بدر میں کفار کے سرداروں کو واصل جہنم کیا تھا ۔ حضرت خبیب رض تو ان کے ہاں قید ہو گئے اور سارے مل کر ان کو قتل کرنے کے لیے حرم سے نکال کر تنعیم میں لے آئے ۔ جب انھیں سولی پر چڑھانے لگے تو انھوں نے کہا مجھے دو رکعتیں پڑھ لینے دو ۔ انھوں نے چھوڑ دیا ۔ انھوں نے دو رکعتیں پڑھیں ۔ جب سلام پھیرا ۔ تو فرمایا ، اللہ کی قسم اگر تم یہ نہ کہو کہ یہ بزدل ہے تو میں زیادہ پڑھتا ۔ اس کے بعد (کفار) کے لیے بد دعا کی ، اے اللہ انھیں تباہ کر دے انھیں قتل کر دینا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ چھوڑنا ۔

ابو سفیان کہنے لگا ، کیا تم نہیں پسند کرتے کہ اس وقت تم اپنے بال بچوں میں زندہ ہوتے ۔ اور محمد ہمارے پاس آتے اور ہم ان کی گردن مارتے (نعوذ باللہ)

انھوں نے فرمایا ، اللہ کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ پر جہاں کہ وہ ہیں ایک کانٹا ہی چبھ جائے ۔

واقعۂ بیر معونہ

اسی یعنی ہجرت کے چوتھے سال صفر کے مہینے میں بیر معونہ کا واقعہ درپیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہو کہ ابو براء عامر بن مالک مدینے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی لیکن اُس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول اگر آپؐ اہل نجد کی طرف صحابہؓ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجیں تو مجھے امید ہے وہ قبول کرلیں گے آپ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے خطرہ ہے۔

ابو براء کہنے لگا کہ میں ساتھ ہوں۔ آپؐ نے اسی کے ہمراہ ابن اسحاق کے قول کے مطابق چالیس آدمی روانہ فرمائے۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ وہ ستر تھے اور منذر بن عمرو کو ان کا امیر بنایا۔ یہ (صحابہؓ) اہل اسلام میں سے بڑے بڑے مراتب والے بزرگ تھے اور قراء اور علماء پر مشتمل تھے۔ یہ چل پڑے اور بیر معونہ پر اترے۔

یہ علاقہ بنو عامر اور حرق بن سلیم کا تھا۔ انھوں نے ام سلیم کے بھائی حرام بن سلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ اس نے نظر بھی نہ ڈالی اور ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے نیزہ مار دیا، وہ بدن کے پار ہو گیا اور جب اپنا خون بہتے دیکھا تو فرمایا برب کعبہ میں تو کامیاب رہا۔

پھر اللہ کا یہ دشمن جلدی سے بنی عامر کی طرف گیا تاکہ باقی سے قتال کیا جائے لیکن انھوں نے ابو براء کی ہمراہی کے باعث ...... انکار کر دیا۔ پھر یہ بنو سلیم کی طرف گیا چنانچہ عصیہ رعل اور ذکوان تیار ہو گئے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور ان سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ کعب بن زید بن نجار کے سوا تمام کو شہید کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ مقتولوں میں پڑے رہے اور بعد میں زندہ رہے آخر غزوہ خندق میں شہید ہو گئے۔

عمرو بن منذر ضمری اور منذر بن عقبہ بن عامر نے دیکھا کہ جنگ کی جگہ پرندے اڑ رہے ہیں چنانچہ منذر بن محمد اترے اور مشرکین سے مقاتلہ کیا آخر یہ بھی شہید ہو گئے اور عمرو بن ضمری گرفتار ہو گئے۔ جب انھوں نے کہا کہ مضر قبیلہ میں سے ہوں، تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ اب عمرو بن امیہ واپس تشریف لائے۔ اور ایک نہر کے کنارے قرقرہ میں ٹھہرے اور ایک درخت کے سایہ کے نیچے اترے۔ اس کے بعد بنو کلاب کے دو آدمی بھی وہاں آگئے اور وہ بھی ان کے ساتھ وہیں اتر پڑے۔ جب وہ سو گئے تو عمرو رضؓ نے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، تم نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ میں ان کی دیت دوں گا۔

قنوت نازلہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی اور جن لوگوں نے مبلّغین اسلام کو بیر معونہ میں قتل کر دیا۔ ان کے خلاف بد دعا کی۔ آپؐ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ جب وہ لوگ تائب و مسلمان ہو کر حاضر ہوئے، تو آپ نے قنوت پڑھنا ترک کر دیا۔

غزوۂ ذات الرقاع

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع کے غزوہ میں خود حصہ لیا۔ یہ نجد کا غزوہ ہے۔ ہجرت کے چوتھے سال جمادی الاول کے مہینے میں آپ تشریف لے گئے۔ ایک قول کے مطابق محرم میں آپ محارب اور بنی ثعلبہ بن سعد بن غطفان کی طرف گئے۔ مدینہ پر حضرت ابوذر رضؓ غفاری کو عامل بنایا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عثمان بن عفان کو عامل بنایا۔ آپ چار سو صحابہ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ایک روایت سات سو کی ملتی ہے۔ آخر آپ غطفان کی فوج کے سامنے پہنچے۔ آمنے سامنے دونوں فوجیں کھڑی ہوگئیں لیکن قتال نہ ہوا۔ ہاں صرف یہ ہوا کہ آپ نے اس دن صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اس غزوے کے متعلق ابن اسحٰق اور اہل سیر و مغازی کا یہی قول ہے یہ مسئلہ بہت مشکل سا ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر مروی ہے کہ خندق کے غزوہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر پر سے روکا گیا۔ سنن، مسند احمد اور شافعی رحمہما اللہ میں ہے کہ انھوں نے نماز ظہر و عصر۔ مغرب اور عشاء سے روکے رکھا پھر آپ نے تمام نمازیں اکٹھی ادا کیں لیکن یہ صلوٰۃ خوف کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور خندق کا غزوہ ذات الرقاع کے بعد ۵ھ کا ہے اور ظاہری طور پر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں پہلی صلوٰۃ خوف ادا کی۔

بدر موعود یا بدر ثانیہ

یہ واقعہ تو گذر چکا ہے کہ ابو سفیان نے واپسی پر کہا تھا کہ اب ہمارا اور تمہارا وعدہ اگلے سال بدر پر ملاقات (جنگ) کا ہے۔ چنانچہ جب شعبان کا مہینہ آیا۔ ایک قول کے مطابق اگلے سال کا ذی قعدہ کا مہینہ آیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کے مطابق ایک ہزار پانچ سو کا لشکر لے کر نکلے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دیا گیا۔ اور مدینہ میں عبداللہؓ بن رواحہ کو عامل بنایا۔ آخر آپ بدر کے مقام پر پہنچے اور وہاں آٹھ دن تک اقامت پذیر رہے اور مشرکین کا انتظار کرتے رہے۔ ابو سفیان مکہ سے دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور ان کے پاس پچاس سوار تھے۔

جب یہ مرالظہران پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ ابو سفیان کہنے لگا، یہ خشک سالی کا سال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم واپس لوٹ جائیں۔

چنانچہ واپس چلے گئے اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔ اس لیے اسے غزوۂ بدر موعود، یا غزوہ بدر ثانی کا نام دیا جاتا ہے۔

غزوۂ مریسیع اور واقعہ افک

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر منافقوں کی تہمت اور اس کے اثرات

واقعات کی ضروری تفصیل شعبان ۵ھ میں یہ غزوہ ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حرث بن ابی ضرار جو بنو مصطلق کا سردار ہے، اپنی قوم اور دیگر عربوں کو لے کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو خبر لانے کا حکم دیا۔ یہ گئے اور حرث بن ابی ضرار سے ملے اور اس سے گفتگو کی۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہو کر تمام ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے نکلے آپؐ کے ہمراہ منافقین کا ایک گروہ بھی نکل آیا۔ جو اس سے قبل کسی غزوے میں شریک نہ ہوا تھا۔ زید بن حارثہ کو آپؐ نے مدینہ پر حاکم مقرر فرمایا۔ ایک قول ابوذر رضؓ کے متعلق بھی ہے ایک قول نمیلہ بن عبد اللہ لیثی کے متعلق ہے۔ آپؐ پیر کو نکلے حرث بن ضرار اور اس کے ساتھیوں کو آپؐ کی اور صحابہ رضؓ کی آمد کی اطلاع ملی تو خوف کے مارے عرب کے قبائل اس سے الگ ہو گئے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع پہنچے، یہ پانی کی جگہ تھی۔ یہاں آپؐ کا خیمہ گاڑا گیا۔ آپؐ کے ہمراہ عائشہ رضؓ اور ام سلمہ رضؓ تھیں چنانچہ قتال کی تیاری کی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ کی صف بندی کی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابو بکر رضؓ کے پاس اور انصار کا

جھنڈا حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس تھا۔ ایک ساعت تیراندازی ہوئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دفعتہً حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت اللہ کی مدد پہنچی، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار شکست کھا گئے۔ کچھ ان میں سے قتل ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا گیا۔ جانور اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگیں۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ عبدالمومن بن خلف نے سیرت میں یہی لکھا ہے حالانکہ یہ ان کا وہم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قتال نہیں ہوا بلکہ آپؐ نے اچانک حملہ کیا تھا، چنانچہ ان کی اولاد گرفتار ہوئی اور مال ہاتھ لگا۔

حضرت جویریہؓ آپؐ کے عقد میں

گرفتار شدگان میں حضرت جویریہ بنت حرث بھی آئیں۔ یہ حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ یہ ثابت بن قیس کے حصّے میں آئیں۔ انہوں نے ان سے کتابت کرلی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی کتابت کی رقم ادا فرمائی پھر ان سے نکاح کرلیا۔ اس پر مسلمانوں نے بنو مصطلق کے تقریباً سو غلام آزاد کیے جو مسلمان ہو چکے تھے اور کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ سے ہار گر گیا اور صحابہؓ اس کی تلاش کی وجہ سے رک گئے چنانچہ تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

یہ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت عائشہؓ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ آئیں۔ کیونکہ ان ہی کے نام قرعہ سفر میں جانے کا نکلا تھا۔ آپؐ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا۔ جب غزوہ سے واپس ہوئے۔ اور ایک جگہ ٹھہرے۔ حضرت عائشہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئیں اور جو ہار انہوں نے اپنی ہمشیرہ سے مستعار لیا تھا وہ کھو دیا۔ چنانچہ دوبارہ وہیں اس کی تلاش میں گئیں اتفاق سے اسی وقت جو لوگ ان کا ہودج اٹھا کر لے جاتے تھے، حاضر ہوئے انہوں نے سمجھا ام المومنین اس کے اندر ہیں۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے ہلکے پن کا احساس نہ کیا کیونکہ ان دنوں ام المومنین رضی اللہ عنہا چھوٹی عمر کی تھیں نیز اٹھانے والے زیادہ تھے، اس لیے بھی انہیں

احساس نہ ہوا - اور اگر ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو یہ معاملہ ان سے مخفی نہ رہتا۔
ہار کی تلاش کرنے کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور وہاں کوئی آدمی بھی نہیں رہا۔ چنانچہ وہیں بیٹھ گئیں اور یہ خیال کیا کہ جب وہ انہیں ہودج میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے واپس یہیں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ اپنے عرش پر سے جیسے چاہتا ہے امور کی تدبیر کرتا ہے پھر ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئیں اور صفوان بن معطل رجو قافلے کے پیچھے پیچھے آرہے تھے، کی آواز سے جاگیں - انہوں نے دیکھ کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
یہ صفوان قافلے سے پیچھے رہتے تھے کیونکہ یہ سوتے زیادہ تھے۔ جیسا کہ صحیح ابن حاتم میں مروی ہے اور سنن میں ہے کہ جب انہوں نے ام المومنین کو دیکھا تو پہچان لیا اور پردے کے حکم سے قبل انہوں نے انہیں دیکھا تھا - چنانچہ انہوں نے استرجاع کہا (انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا) اور اپنی اونٹنی کو بٹھا کر ان کے قریب کر دیا۔ وہ سوار ہوگئیں اور اس کے علاوہ کوئی بات نہ کی - ام المومنین رضؓ نے اس کے علاوہ ان سے اور کوئی کلام نہیں سنا - اس کے بعد وہ آگے آگے چل پڑے یہاں تک کہ قافلے سے آن ملے - جس جگہ لشکر دوپہر کے وقت اترا ہوا تھا۔

چہ میگوئیاں اور طرح طرح کی باتیں

جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ہر آدمی نے اس معاملہ پر گفتگو کی۔ عبداللہ بن ابی جیسے منافق نے بغض و نفاق کا مظاہرہ کیا - اور اس واقعہ کو رنگ دے کر خوب پھیلائے اور ہوا دینے لگا - صحابہؓ بھی اس کے قریب ہو جایا کرنے۔ جب مدینہ پہنچے تو پھر منافقین کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں - نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خاموش رہے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الگ ہونے کا مشورہ دیا اور صراحتاً نہیں بلکہ تلویحاً عرض کیا - آپؐ دوسری شادی کر لیں ۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور دوسرے کبار صحابہؓ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً بول اٹھے۔ اللہ پاک ہے ۔ یہ بہت بڑی تہمت ہے

کیونکہ انہیں یقین ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی حبیبہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اس سے بالاتر ہیں کہ اللہ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا کرے۔

آخر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمائی تو کہنے لگیں کہ میں خود آپؐ کی طرف نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد بیان کرتی ہوں۔ اسی نے میری برأت نازل فرمائی۔

نیز ایک ماہ تک وحی رک جانا بھی حکمت کے مطابق تھا کہ یہ معاملہ خوب پختہ ہو جائے، اور مسلمانوں کے قلوب اللہ کی وحی کی جانب مائل ہو کر اس کی عظمت میں ڈوب جائیں۔ اور وحی کی طرف شدت تمنا سے جھک پڑیں۔ آخر جس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے اہل بیتؓ و صحابہؓ وحی کے محتاج تھے۔ وہ اس طرح آئی کہ جیسے سخت پیاسی زمین پر بارش آتی ہے۔ چنانچہ وحی ایک مناسب اور بہتر موقع پر آئی اور اہل اسلام کو اس سے مکمل اور بدرجہ اتم نشاط و مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے اہل بیت کی کرامت و شرف ظاہر کی آپؐ کو اس مشکل سے نجات عطا فرمائی۔

منافق کو کوڑے کیوں نہیں لگائے گئے

جب ام المومنین کی برأت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تہمت لگانے والوں پر حد قذف لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں اسّی اسّی درّے مارے گئے، البتہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی گئی، حالانکہ وہ اس افترا بازی کا سرغنہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدود اس لیے ہوتی ہیں تاکہ گناہ گار کو ان سے پاک کیا جائے اور یہ بدبخت اس سعادت کا اہل نہ تھا اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آخرت میں سخت ترین عذاب کا وعدہ کر رکھا تھا، اس لیے اسے وہی (عذابِ آخرت) ہی کافی تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اقرار یا بیّنہ کے بعد حد جاری کی جاتی ہے لیکن اس بدبخت نے علانیہ طور پر اقرار نہیں کیا اور نہ بیّنہ قائم ہوا کیونکہ وہ یہ تمام باتیں اپنے

منافق ساتھیوں میں ہی کیا کرتا تھا اور وہ اس کے خلاف گواہی نہ دیتے۔ اور مومنین کے درمیان اس نے ایسی بات کا تذکرہ (خطرے کی وجہ سے) نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ کے طرزِ عمل کی توجیہہ

جب براءت نازل ہوئی تو حضرت صدیقہؓ کا طرزِ عمل بھی قابل غور ہے۔ جب ان کے والدین نے فرمایا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف جاؤ، تو کہنے لگیں، اللہ کی قسم میں ان کی طرف خود نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد کروں گی، اس سے ان کے علم و معرفت اور قوتِ ایمان کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت کو محض اللہ کے ساتھ مخصوص رکھا اور تجدید توحید کی۔ انہوں نے یہ جملہ صلح نہ کرنے کی وجہ سے نہیں کہا، بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ثقہ، محبت اور ایک حبیب کے سامنے ناز دکھانے کے لیے جیسے کرتا ہے، اسی طریق پر یہ کلام کیا اور یہ مقام بھی ناز کے تمام مقامات سے زیادہ ناز کا تھا۔

منافق کے قتل سے آپؐ کا انکار

اس غزوہ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے جو منافقین کا سردار تھا، کہا کہ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے ذلت والوں کو وہاں سے باہر نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ خبر پہنچادی۔ عبداللہ بن ابی عذر کرتا ہوا آیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاموش ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقین میں حضرت زیدؓ کی تصدیق نازل فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زیدؓ سے فرمایا۔ خوش ہو جا۔ اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ عباد بن بشیر کو حکم دیں کہ اس بدبخت کی گردن ماردیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں لوگ کہیں گے محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

غزوۂ خندق

دشمنِ اسلام یہودی سردار ابورافع کا قتل

دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ غزوہ ۵ھ کو شوال میں ہوا کیونکہ غزوہ احد بلا اختلاف ۳ھ میں ہوا۔ اور مشرکین نے آئندہ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ یہ ۴ھ میں ہوئی لیکن اس سال قحط کی وجہ سے انہوں نے عہد شکنی کی اور واپس لوٹ گئے۔ جب ۵ھ ہوئی تو جنگ کے لیے آگئے، اہلِ سیر و مغازی کا یہی قول ہے۔ اس کے برعکس موسیٰ بن عقبہ نے کہ یہ ۴ھ میں ہوا ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

یہود اور قریش کا اتحاد اسلام کے خلاف

غزوۂ خندق کا سبب یہ تھا کہ جب یہود نے احد کے دن مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی نصرت دیکھی اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ابوسفیان کا وعدہ معلوم ہوا کہ وہ اس سال نکلے اور آئندہ سال آنے کے لیے واپس چلے گئے تو (یہود کے) بڑے بڑے سردار سلام بن ابی حقیق سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ مکہ میں قریش کے پاس گئے۔ انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا۔ ان سے اظہار دوستی کیا اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ قریش نے قبول کر لیا۔ پھر یہ لوگ غطفان

کے پاس گئے۔ انہیں بھی اس کام کی دعوت دی وہ بھی مان گئے۔ اس کے بعد عرب کے دیگر قبائل کو اس پر آمادہ کر لیا۔

بالآخر قریش ابو سفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ مرالظہران میں بنو سلیم بھی ان سے مل گئے۔ نیز بنو اسد، فزارہ، اشجع اور بنو مرہ بھی آن ملے۔ غطفان اور ان کا سردار عیینہ بن حصن بھی آگیا۔ اس طرح غزوۂ خندق میں (کفار کی تعداد) دس ہزار ہو گئی جنہوں نے اس میں حصّہ لیا تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی آمد کا حال سنا تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو مدینہ اور دشمن کے درمیان حائل ہو جائے آپؐ نے خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ مسلمان تیزی سے اس کام میں مصروف ہو گئے آپؐ خود بھی اس کام میں عملاً شریک ہوئے۔ کفار بھی بڑی تیزی سے آئے۔ اس خندق کے واقعہ میں بھی آپؐ کی نبوت و رسالت کی علامات واضح تھیں جو کثرت و تواتر سے منقول ہیں۔

سلع کے سامنے خندق کھودی گئی۔ یہ پہاڑ تھا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا اور سامنے مسلمانوں اور کفار کے درمیان خندق حائل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تین ہزار صحابہؓ کو لے کر میدان میں تشریف لائے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپؐ سات سو صحابہؓ کو لے کر تشریف لائے، لیکن یہ غلط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیا، چنانچہ انہیں مدینہ کے قلعوں میں بٹھا دیا گیا اور ابن ام مکتومؓ کو ان کا پہریدار مقرر کیا گیا (ادھر) حیّ بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا۔ ان کے قلعے کے قریب پہنچا، لیکن کعب بنی اسد نے قلعہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس سے بات چیت کرتا رہا۔ آخر کار اس نے قلعہ کھول دیا۔ جب وہ اس کے پاس گیا تو کہنے لگا۔

میں تیرے پاس زمانے کی عزت لایا ہوں۔ قریش، غطفان اور بنو اسد کو مع ان کے سرداروں کے لایا ہوں (جو) محمدؐ سے جنگ کریں گے۔

کعب نے جواب دیا اللہ کی قسم تو میرے پاس زمانہ کی ذلت اور ایسا بادل لایا ہے

جو اپنا پانی بہا چکا ہے، وہ گرجتا اور چمکتا ہے (لیکن برستا نہیں) لیکن طویل مباحثہ کے بعد آخر کار یہ لوگ بھی عہد شکنی پر تیار ہو گئے اور مشرکین کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اس سے مشرکین بہت مسرور ہوئے۔ نیز کعب نے حیّ بن اخطب سے یہ شرط کی کہ اگر وہ محمدؐ کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں تو حیی بن اخطب بھی یہود کے ہمراہ ان کے قلعے میں داخل ہو جائے گا تاکہ جو سزا انہیں ملے اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے قبول کر لیا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ اور ان کی عہد شکنی کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے سعد بنؓ، خوات بن جبر اور عبد اللہ بنؓ ارواح کو صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے ارسال فرمایا۔ جب یہ قریب پہنچے تو انہیں بدترین حالت میں دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ یہود دشنام طرازی اور عداوت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں واپس چلے گئے اور آپ کو مطلع کیا کہ یہ لوگ غدر اور نقض عہد پر مائل ہیں، مسلمانوں کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، ابتلا وشدید تر صورت اختیار کر گیا۔ اور نفاق ظاہر ہو گیا۔ بنی حارثہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر خالی ہیں، حالانکہ وہ خالی نہیں تھے بلکہ فرار ہونا چاہتے تھے۔ یہ لوگ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر آپؐ نے دونوں گروہوں کو مضبوط کیا اور مشرکین نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ لیکن خندق کے حائل ہونے کے باعث مسلمانوں اور مشرکین میں قتال نہ ہو سکا۔ صرف قریش کے چند سوار خندق کی طرف بڑھے جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ جب یہ اس کے قریب آئے تو کہنے لگے یہ ایک مکر ہے۔ اور عرب لوگ اس سے واقف نہ تھے۔ پھر خندق میں ایک تنگ جگہ کا ارادہ کیا اور خندق اور پہاڑ کے درمیان انہوں نے کودنے کی کوشش کی۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے عمرو بن عبدود سے مقاتلہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کیا۔ یہ مشرکین کے بہادروں اور جنگجو لوگوں میں سے تھا، باقی مشرکین واپس بھاگ گئے اور مسلمانوں کا شعار "حم لا ینصرون" تھا۔ جب مسلمانوں پر یہ صورتِ حال طویل ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عیینہ بن حصن اور حرث بن عوف جو غطفان کے دونوں سردار تھے مدینہ کے پھلوں کے ثلث پر مصالحت کا ارادہ فرمایا۔ سعدین سے آپؐ نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے تو پھر بسرو چشم اور اگر آپ خود کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اور ہماری قوم مشرک تھی۔ بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ اس وقت یہ لوگ صرف مہمانی یا خرید کی صورت میں کھا سکتے تھے اب جب کہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی اور ہمیں ہدایت دی اور آپؐ کی سرپرستی سے ہمیں عزت عطا فرمائی ہے تو آج ہم انہیں مال دیں؟ اللہ کی قسم ہم انہیں لڑے بغیر ہرگز مال نہ دیں گے۔ آپؐ نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ محض خود کیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ عربوں نے ایک ہو کر تم پر حملہ کیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس کی حمد ہے اپنے پاس سے قضا بھیجی اور دشمن کو رسوا کیا ان کے لشکر کو شکست دی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ہوا چلائی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور تمام خیمے اڑ گئے۔ اور ان کا ٹھہرنا دشوار ہو گیا اور اللہ کے ملائکہ کا لشکر ان کو ہلانے لگا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حذیفہ بن یمان کو (کفار) کی خبر لینے کے لیے بھیجا انہوں نے دیکھا وہ کوچ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف واپس حاضر ہوئے اور آپؐ کو ان کے کوچ کرنے کی اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو دور کیا۔ انہیں کچھ بھی خبر حاصل نہ ہوئی اور جنگ میں بس خدا ہی مسلمانوں کی طرف سے کافی رہا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے لشکر کو عزت بخشی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا کفار کو شکست دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار اتار دیئے۔ اس کے بعد آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں غسل فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السّلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اٹھیے اور ان (بنو قریظہ) سے جنگ کرنے کے لیے نکلیے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے منادی کروا دی کہ جو سننے اور اطاعت کرنے والا ہے اسے چاہیئے کہ بنو قریظہ میں جا کر نمازِ عصر پڑھے۔ مسلمان بڑی تیزی سے نکلے۔ آپؐ اور بنو قریظہ میں جو واقعات ہوئے وہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کی جنگ میں دس مسلمان شہید ہوئے۔ ایک آدمی نے حی بن اخطب کو قتل کیا تھا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن ہدی نے یہودی سردار ابو رافع کو قتل کر دیا۔ یہ اوس و خزرج کی چشمک کا نتیجہ تھا۔

سریۂ نجد

ایک بدترین دشمنِ اسلام کس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوا؟

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے نجد کی طرف لشکر روانہ فرمایا، چنانچہ وہاں سے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنیفی کو گرفتار کرکے لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر آپؐ اس کے پاس سے گزرے اور فرمایا، اے ثمامہ تمہارا کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، اے محمدؐ اگر آپؐ مجھے قتل کریں تو ایک قاتل کو قتل کریں گے اور اگر معاف کریں تو ایک شکرگزار کو معاف کریں گے۔ اور اگر آپؐ مال چاہتے ہوں تو فرمایئے جتنا درکار ہو میں دوں گا۔

آپؐ (آگے بڑھ) گئے پھر دوبارہ پاس سے گزرے اور وہی سوال کیا۔ اس نے وہی جواب دیا۔ پھر تیسری بار گزرے تو فرمایا، ثمامہ کو چھوڑ دو (صحابہؓ نے انہیں چھوڑ دیا) یہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے پاس گئے۔ غسل کیا، پھر واپس آکر اسلام قبول کر لیا اور کہا:

اللہ کی قسم میرے نزدیک زمین پر آپؐ کے چہرے سے زیادہ کوئی مبغوض چہرہ نہ تھا لیکن اب یہ چہرہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ خدا کی قسم آپؐ کے دین سے زیادہ مجھے زمین پر کوئی دین مبغوض نہ تھا لیکن اب آپؐ کا دین تمام ادیان سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ اب میں عمرہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ قریش کے پاس آیا تو کہنے لگے۔

اے ثمامہؓ کیا تو اپنے پرانے دین سے پھر گیا؟

انہوں نے جواب دیا، نہیں اللہ کی قسم بلکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اور اللہ کی قسم یمامہ سے تمہیں گندم کا ایک دانہ بھی آپؐ کی اجازت کے بغیر نہ ملے گا۔

یمامہ مکہ کا پیداواری علاقہ تھا۔ چنانچہ یہ اپنے علاقے میں واپس چلے گئے اور مکہ کی طرف غلّہ بھیجنا بند کر دیا۔ قریش سخت تنگ آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرابت داری کا واسطہ دے کر سوال کیا کہ وہ ثمامہؓ کو لکھیں کہ غلہ ان کی طرف بھیجا جائے۔ آپؐ نے ازراہِ رحم گندم بھیجنے کی ہدایت فرما دی۔

صلح حدیبیہ

ظاہری شکست کے پردے میں حقیقی فتح و عظمت کا پہلو

مسلمانوں کے ایمان کا امتحان

نافع رح فرماتے ہیں کہ یہ ۶ھ ذی قعدہ میں ہوئی اور یہی درست بھی ہے۔ زہری رح، قتادہ رح، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رح نے بھی یہی فرمایا ہے اور صحیحین میں حضرت انس رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ یہ تمام عمرے ذی قعدہ میں کیے۔ ان میں سے ایک عمرہ حدیبیہ کا ذکر کیا۔ آپ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہ تھے۔ قتادہ رض فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب سے دریافت کیا جو لوگ بیعت رضوان میں شریک ہوئے انکی تعداد کیا تھی انہوں نے جواب دیا۔ پندرہ سو، میں نے کہا حضرت جابر رض سے دونوں قول صحت سے مروی ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال ستر اونٹ ذبح کیے اور ایک اونٹ سات کی جانب سے تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا، ہمارے پیدل اور سوار ملاکر چودہ سو تھی۔

مسلمانوں کی طرف سے عمرے کی تیاری

جب یہ لوگ ذی الحلیفہ میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو قلادے ڈال دیے اور شعار لگا دیئے اور عمرے کا احرام باندھ لیا اور بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو مخبر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میں نے کعب بن موسیٰ کو دیکھا کہ اس نے کافی فوج جمع کی ہے اور ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ اور وہ آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو کعبہ کی زیارت سے

روکنا چاہتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا فرمایا: کہ تمہارا کیا حال ہے!
کہ ہم ان کی اولاد کی طرف چلیں۔ جنہوں نے ان کی مدد کی ہے، انہیں قابو میں کرلیں۔ اگر وہ بیٹھ
رہے تو محزون و غمگین بیٹھیں گے اور نجات پا گئے تو ایسی گردنیں ہوں گی جنہیں اللہ نے قطع کیا
ہے یا تمہاری رائے ہے کہ بیت اللہ کا قصد کرلیں اور جو ہمیں اس کی (زیارت) سے روکے
اس سے ہم مقاتلہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا! اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، ہم عمرہ کے لیے آئے
ہیں اور قتال کے لیے نہیں آئے وہاں البتہ اگر کوئی ہمارے اور اللہ کے درمیان حائل ہو
تو ہم اس سے بے شک مقاتلہ کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر چلو! چنانچہ سب چل پڑے۔ جب یہ راستے میں
تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالدؓ بن ولید قریش کی ایک جماعت کے ساتھ
غمیم میں تھے۔ اس لیے دائیں کا خیال کرو مگر بخدا خالد کو ان کا پتہ تک نہ چلا۔ اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم روانہ ہو گئے۔ آخر آپ دیر سے راستہ میں پہنچے جہاں آپ کو اترنا تھا۔ آپ کی
اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا اترو! اترو! (اونٹنی) بیٹھی رہی۔ لوگ کہنے لگے قصواء (حضور کی
اونٹنی کا نام ہے) رک گئی قصواء رک گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء نہیں رکی۔ نہ یہ اس کا طریقہ ہے۔ بلکہ انہیں ہاتھیوں
کو روکنے والی ذات (خدا) نے روکا ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری
جان ہے۔ تم جو خطہ بھی مجھ سے طلب کرو جس میں اللہ کی حرکات کی تعظیم کی جائے میں تمہیں
وہ خطہ عطا کروں گا۔ پھر آپ نے زجر کی۔ وہ اٹھ گئی اور آپ اس پر درست ہو کر بیٹھ گئے
اس کے بعد آپ حدیبیہ کے آخر میں ایک ایسے تالاب پر اترے جس میں تھوڑا سا پانی
تھا۔ جسے لوگ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ ختم ہو گیا۔

آں حضرت کا معجزہ

پھر (صحابہؓ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی
شکایت کی۔ آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ
اسے اس میں ڈال دو۔ روای کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس میں اس قدر جوش آیا کہ تمام صحابہ سیراب

ہو گئے، پھر بھی پانی باقی بچ گیا۔

ادھر قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خطرہ محسوس ہوا۔ آپ نے ان کی طرف ایک صحابی کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا: چنانچہ عمر بن خطاب کو بھیجنے کے لیے بلایا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ بنی کعب میں سے مکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ اگر مجھے اذیت دی جائے تو اسے میری وجہ سے غصہ آئے، اس لیے عثمان بن عفان کو روانہ فرمایئے، کیونکہ ان کا خاندان وہیں ہے اور جو آپ چاہتے ہیں وہ پیغام بھی پہنچا دیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان کو بلایا، اور قریش کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ انہیں خبر دے دو کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم تو عمرہ کے لیے آئے ہیں اور انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ اور حکم دیا کہ جب مکہ کے مومن مرد اور مومن عورتیں آئیں، تو ان کے پاس جاؤ انہیں فتح کی خوشخبری دے دو اور انہیں خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو مکہ میں بھی غالب کرنے والا ہے، یہاں تک کہ یہاں وہ مخفی نہ رہے جو ایمان دار ہے۔

حضرت عثمان چل پڑے اور بلاح کے قریب قریش کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں اللہ اور اسلام کی دعوت دوں اور تمہیں خبر دے دوں کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے جو تم نے کہا ہے ہم نے سن لیا ہے اس لیے اپنی حاجت پوری کرو۔ ابان بن سعید بن عاص اٹھا اس نے انہیں مرحبا کہا اور اپنے گھوڑے پر کاٹھی ڈال کر حضرت عثمان کو گھوڑے پر ڈال لیا۔ آخر یہ لوگ مکہ پہنچ گئے۔ دوسری طرف حضرت عثمان کی واپسی سے قبل مسلمانوں کو خیال ہوا کہ عثمانؓ ہم سے پہلے ہی کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ عثمان نے طواف کیا ہو جبکہ ہم محصور ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! انہیں کس بات کی رکاوٹ ہے، جب کہ انہیں موقع مل چکا۔ آپؐ نے فرمایا: میرا اس کے متعلق یہی گمان ہے کہ وہ تب تک طواف نہیں کریں گے جب تک ہم ان کے ہمراہ نہ ہوں۔

عثمانؓ کی طرف سے آپؐ کی بیعت

نیز مسلمان اور مشرکین صلح کے معاملہ میں مختلط ہو گئے۔ چنانچہ فریقین میں سے ایک آدمی نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو تیر مارا۔ اب جنگ شروع ہو گئی، تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ دونوں جماعتوں نے آواز بلند کی اور ہر ایک فریق نے دوسرے فریق کے آدمیوں کو پکڑ لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بیعت کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ درخت کے نیچے تھے۔ تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ فرار نہ ہوں گے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی جانب سے بیعت ہے جب بیعت ختم ہو گئی اور حضرت عثمان بھی واپس آ گئے۔

مسلمان نے کہا: اے ابو عبداللہ بیت اللہ کے طواف سے (روح) کو تازہ کر لیا؟

انہوں نے جواب دیا جو تم نے میرے متعلق ظن کیا بہت غلط تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں ایک سال بھی وہاں رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم ہوتے تو میں آپ کے طواف کرنے سے پہلے ہرگز طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھے طواف کرنے کی دعوت بھی دی میں نے انکار کر دیا۔

مسلمانوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتے اور ہم سے زیادہ حسن ظن رکھتے ہیں۔

مسلمان ابھی مصروف تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی بنو خزاعہ کی جماعت میں سے حاضر ہوئے یہ مخبر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عامر بن لوئی اور کعب بن لوئی کو حدیبیہ کے چشموں کے قریب اترے دیکھا ہے۔ ان کے ہمراہ بہت بڑا لشکر ہے اور آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قریش کو لڑائیوں نے مغلوب کر رکھا ہے اور نقصان دیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں انہیں مدت دونگا اور وہ میرے لوگوں کے درمیان حائل نہ رہیں اور اگر چاہیں تو اس میں داخل ہو جائیں جس

میں لوگ داخل ہوئے اور اگر وہ جنگ ہی پر اصرار کریں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں ان سے جنگ کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ فرمادے۔

بدیل کا تاثر اشرافِ قریش پر

بدیل نے عرض کیا جو آپ فرماتے ہیں وہ بات میں انہیں پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ چل پڑا اور قریش سے آکر کہا کہ میں اس آدمی (رسول اللہ) کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے انہیں ایک بات فرماتے سنا، اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے رکھ دوں۔ بعض پست فطرت لوگ کہنے لگے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تو ان کی بات ہمارے سامنے بیان کرے۔ لیکن بعض اہل خرد کہنے لگے، بتاؤ کیا سنا ہے!

انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کو ایسے ایسے فرماتے سنا ہے۔ عروۃ بن مسعود ثقفی کہنے لگا کہ یہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے، اسے قبول کر لو اور میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپؐ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بدیل والی بات فرمائی، اس پر عروہ کہنے لگا: اے محمدؐ! کاش تو اپنی قوم سے تعلق قائم رکھتا۔ کیا تو نے سنا کہ عربوں میں سے کسی نے تجھ سے قبل اپنے اقارب سے اعراض کر لیا ہو؟ اللہ کی قسم کہ میں ایسے چہرے اور ایسے چھوٹے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جو بھاگ جائیں گے اور تجھے چھوڑ جائیں گے۔

ابو بکرؓ نے فرمایا کیا آپ کو چھوڑ کر یہ بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا ابو بکرؓ۔

کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر مجھ پر تیرا وہ احسان نہ ہوتا کہ جس کا بدلہ میں نے نہیں اتارا تو تجھے جواب دیتا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا باتیں کرتے کرتے اس نے آپ کی ریش مبارک پکڑ لی (اس زمانہ میں عربوں کی یہ عادت تھی) حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار سونتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ ہٹا۔ عروہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا

رہا وہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ الگ رکھ،

عروہ نے ہاتھ اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا مغیرہ رضؓ بن شعبہ۔

اس نے کہا: یعنی غدر کرنے والا۔ واقعہ یوں تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت مغیرہؓ نے ایک قوم کی مصاحبت کی پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لوٹ لیا۔ اس کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول ہے اور مال میں تیرا کچھ حق نہیں۔

عروہ کے تاثرات آں حضرتؐ اور صحابہ کے بارے میں

اس کے بعد عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھنے لگا۔ بخدا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تو بھی وہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا، وہ اسے اپنے بدن اور چہرے پر مل لیتا اور جب حکم دیتے تو فوراً اطاعت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو وضو کا پانی لینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور جب آپؐ کلام فرماتے تو صحابہ کی آواز گنگ ہو جاتی اور عظمت و وقار کے باعث آپ کی طرف نظر بھی نہ اٹھا سکتے۔

اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہنے لگا اے قوم! اللہ کی قسم میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، لیکن بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اس قدر عزت و احترام کرتے ہوں جس قدر محمدؐ کے صحابہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا اگر وہ بلغم تھوکیں تو بھی کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑتا ہے وہ اسے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ انہیں حکم دیتے ہیں تو فوراً اطاعت کرتے ہیں، جب آپ وضو کرتے ہیں تو اس کا پانی پینے کے لیے آپس میں جھگڑتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو صحابہؓ کی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور شدتِ تعظیم کے باعث وہ اُن کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ انہوں نے ہمارے سامنے ایک بہتر چیز پیش کی ہے اسے قبول کر لو۔

بنی کنانہ کا ایک اور آدمی اٹھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ جب آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں ہے اور یہ اس قوم میں سے ہے، جو قربانی کے جانوروں کا احترام کرتی ہے، اسے بلالو، اسے بلایا گیا تو قوم نے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ وہ کہنے لگا سبحان اللہ ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے بالکل نہ روکنا چاہیے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے جانوروں کو قلادہ پڑے ہوئے دیکھا اور انہیں شعار لگادیا گیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ کی زیارت سے روکا جائے۔

اس کے بعد مکرز بن حفص اٹھا، کہنے لگا میں جاتا ہوں۔ جب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برا آدمی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔

سہیل بن عمرو سے صلح کے شرائط

اتنے میں سہیل بن عمرو آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب کام آسان ہوگیا۔ آپ نے فرمایا، آؤ ہم آپس میں عہد نامہ لکھ لیں۔ کاتب کو بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔

سہیل کہنے لگا رحمن کو ہم نہیں جانتے لکھو باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) جیسے آپ لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے جواب دیا اللہ کی قسم ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا جیسا یہ کہتا ہے۔ وہی لکھو: باسمک اللھم پھر فرمایا لکھو، یہ ہے وہ تحریر جس میں محمد اللہ کے رسول نے فیصلہ فرمایا:۔

سہیل بولا اللہ کی قسم اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے مقاتلہ کرتے، بلکہ لکھو محمد بن عبداللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم نے میری تکذیب کی ہے لیکن میں واقعۃً اللہ کا رسول ہوں (اچھا) اس طرح لکھو، محمد بن عبداللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان سے ہٹ

جاؤ گے تاکہ ہم اس کا طواف کریں۔

سہیل کہنے لگا: ہمارا کوئی آدمی آپ کے ہاں نہیں آئے گا چاہے وہ آپ کے دین پر آیا اور اگر آگیا تو اسے واپس کرنا ہوگا۔

مسلمان کہنے لگے سبحان اللہ جو آدمی مسلمان ہو کر آجائے اسے مشرکین میں کیسے بھیجا جائے گا؛ ابھی انہی باتوں میں تھے کہ ابوجندل بن سہیل ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے آگئے اور مسلمانوں کے سامنے پہنچ گئے۔ سہیل کہنے لگا: اے محمد! یہ پہلا آدمی ہے جسے فیصلے کے مطابق آپ لوٹائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تک تو عہد نامہ تیار بھی نہیں ہوا وہ کہنے لگا پھر اللہ کی قسم کسی بات کا فیصلہ نہ کروں گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا میرے لیے رہنے دے وہ بولا میں آپ کے لیے بھی نہیں رہنے دوں گا۔

ابوجندل نے (جب یہ سنا) تو فریاد کی، اے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا مجھے مشرکین کے حوالے کیا جائے گا! کیا تم نہیں دیکھتے کہ مجھے کیا کیا دکھ پہنچا ہے!

کفار نے انہیں سخت ترین ایذائیں دی تھیں۔

مسلمانوں پر مایوسی کی کیفیت

جب عہد نامے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور نحر (قربانی) کرو، پھر حلق کرو، لیکن مسلمانوں میں سے ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ نے تین بار فرمایا۔ جب کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو آپ ام سلمۃؓ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کی حالت بیان فرمائی۔ ام سلمۃؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے۔ کسی سے کوئی بات نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ آپ خود قربانی کر لیں اور پھر حجام کو بلائیے اور خود حلق کروا لیجیے۔ چنانچہ آپ اٹھے کسی سے کلام نہ فرمایا: اور نحر کیا پھر حجام کو بلا کر حلق کروایا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی نحر کیا اور ایک دوسرے کا حلق کیا اور غم کی شدت کے باعث ایک دوسرے کو زخمی

کر دیا۔ اس کے بعد عورتیں مسلمان ہو کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یاایھا الذین امنوا اذا جاءکم المومنات مھاجرین سے لے کر عصم الکوافر آیات نازل فرمائیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے، راستے میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں:۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا ○ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما ○ وینصرک نصرا عزیزا ○

یعنی ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ پر اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔

حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح (مکہ) کی بشارت ہے آپ نے فرمایا، ہاں!

صحابہ رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد پیش کی اور عرض کیا: پھر ہمارے لیے کیا ہے!۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین الخ

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو قریش کا ایک آدمی ابو بصیر مسلمان ہو کر حاضر ہوا انہوں نے ان کی تلاش میں دو آدمی واپس لانے کے لیے بھیجے۔ آپ نے انہیں دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا وہ انہیں لے کر نکلے۔ آخر ذوالحلیفہ پہنچ گئے، یہاں اتر کر کھجوریں کھانے لگے۔

ابو بصیر رض نے ایک سے کہا۔ اللہ کی قسم تیری تلوار میں دیکھتا ہوں کہ خوب سفید اور عمدہ ہے اس نے سونت لی اور کہا! اللہ کی قسم یہ بہت بہترین ہے۔ اسے میں کئی بار آزما چکا ہوں۔

مظلوم مسلمانوں نے خود اپنی نجات کی صورت نکال لی

ابو بصیرؓ نے فرمایا۔ ذرا مجھے دکھاؤ۔ میں بھی دیکھوں۔
اس نے ان کے ہاتھ میں تھما دی، انہوں نے اسے قتل کر دیا، دوسرا بھاگ گیا، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو وہ گھبرایا ہوا تھا وہ آپ کے قریب پہنچا تو کہنے لگا واللہ میرا ساتھی قتل ہو گیا ہے اور میں بھی قتل ہونے لگا تھا مگر بھاگ آیا، اتنے میں ابوبصیر بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے مجھے ان سے نجات دلا دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرابی ہو اس کی ماں کو جنگباز ہے۔ کاش اس کا دوسرا ساتھی ہوتا۔ جب (ابونصیرؓ) نے یہ کلام سنا تو یقین کر لیا کہ انہیں پھر لوٹا دیا جائے گا (ابوبصیرؓ) مدینہ سے نکل آئے اور ساحل سمندر پر آکر رہائش پذیر ہو گئے۔ ابو جندل بن سہیل بھی وہاں سے بھاگے اور ابوبصیرؓ سے جا ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لاتا وہ ابوبصیرؓ سے جا ملتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اللہ کی قسم وہ قریش کا جو قافلہ بھی دیکھ پاتے، اس پر ٹوٹ پڑتے، انہیں قتل کرتے اور ان کے اموال لوٹ لیتے۔ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ انہیں اپنے پاس بلا لیں اور جو بھی (مدینہ) آئے گا وہ مامون ہے (یعنی ہم واپسی کا مطالبہ نہ کریں گے۔

(اس موقع پر بعض عجیب واقعات پیش آئے) صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک لوٹا تھا جس سے آپ وضو فرماتے۔ جب لوگ ادھر آئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ہمارے پاس نہ پینے کیلئے پانی ہے اور نہ وضو کرنے کے لیے۔ صرف آپؐ کے سامنے (ایک لوٹا) ہے آپؐ نے لوٹے میں ہاتھ رکھا اور انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی بہنے لگا، تمام صحابہؓ نے پانی

پیا، وضو بھی کیا۔ ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔ یہ واقعہ کنوئیں کے واقعہ سے جدا ہے۔

اسی شب کو بارش ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو فرمایا۔ جانتے ہو تمہارے رب نے آج شب کو کیا فرمایا!

انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

(آپؐ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میرے بعض بندوں نے اس طرح صبح کی کہ وہ میرے مومن ہیں اور بعض کافر ہیں، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی وہ مومن ہے اور کواکب کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر ایسے ایسے ستارے کے باعث بارش ہوئی وہ میرا کافر ہے اور کواکب پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلمان عورت کی حرمت نے معاہدہ کی ایک شق منسوخ کر دی

مسلمانوں اور اہل مکہ میں دس سال کے لیے مصالحت ہو گئی اور عوام ایک دوسرے کی ایذا دہی سے مامون ہو گئے۔

اگلے برس آپؐ مکہ میں تشریف لائے اور تین دن وہاں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لیا جائے اور اسے بھی میان میں رکھا جائے نیز یہ بھی طے پایا تھا کہ ہم آپ کے ساتھیوں میں سے آنے والے کو واپس نہ کریں گے اور ہمارے جانے والے ساتھیوں کو لوٹانا ہو گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم انہیں یہ (سہولتیں) دیں! آپ نے فرمایا جو ہم میں سے ان کی طرف چلا گیا اسے اللہ نے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا اور جو ہمارے پاس آیا اور پھر ہم نے اسے لوٹایا تو اللہ تعالےٰ اس کے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔

صلح حدیبیہ میں ہی اللہ تعالےٰ نے سر منڈانے کا فدیہ روزہ یا صدقہ یا قربانی قرار دیا یہ حکم کعب بن عجرہ کے معاملہ میں نازل ہوا۔

اس صلح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرانے والوں کے لیے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت فرمائی۔

اس میں ایک آدمی کی جانب سے ایک اونٹ نحر فرمایا اور سات آدمیوں کی جانب

سے ایک گائے ذبح کی۔

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے اونٹوں میں ایک اونٹ کی ناک میں جو کبھی ابوجہل کی ملکیت رہ چکا تھا۔ چاندی کی ایک نکیل ڈال دی تاکہ مشرکین جل اٹھیں۔

اور اسی موقع پر سورہ فتح نازل فرمائی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنوخزاعہ نے معاہدہ کر لیا اور بنوبکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا۔ کیونکہ (صلح حدیبیہ) میں یہ بھی ایک شرط تھی کہ (قبائل عرب میں سے) جس کا جی جس کے ساتھ چاہے معاہدہ میں شریک ہو جائے۔

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ ان میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی تھیں۔ ان کے وارث آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کے مطابق انہیں واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انہیں واپس نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں یہ شق منسوخ ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ سنت کو محدود کر دیا گیا، لیکن (صحیح) قول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں صرف مردوں کے متعلق یہ شرط طے ہوتی تھی اب مشرکین نے چاہا کہ اس کا دونوں صنفوں (مرد عورت) پر اطلاق کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار فرمایا۔

واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں فوائد فقہیہ

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہر حج میں عمرہ فرمایا، کیونکہ آپ ذی قعدہ کو نکلے۔

دوسرے میقات سے عمرے کا احرام باندھنا زیادہ افضل ہے۔ جیسے حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لیے ذی الحلیفہ سے احرام باندھا۔ اس جگہ اور مدینہ میں ایک میل کے قریب فاصلہ ہے۔

تیسرے عمرہ مفرد میں ہدی چلانا مسنون ہے جیسا حج قرآن میں طریقہ ہے۔

چوتھے ہدی کا اشعار کرنا سنت ہے نہ کہ اسے مثلہ کیا جائے کیونکہ یہ ممنوع ہے۔

پانچویں اللہ کے دشمنوں کو غضب ناک کرنا اور جلانا مستحب ہے ۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے سابق ملکیت اونٹ کو چاندی کی نکیل پہنائی تاکہ مشرکین خوب جلیں ۔
اور اللہ تعالیٰ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی وصف میں فرمایا: ان کی مثال دی ۔
ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار۔ یعنی ،اور مثال ان کی انجیل میں، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہو گیا ۔یعنی نالی خوش لگتی ہے کھیتی والوں کو ۔تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا ۔
نیز فرمایا: ذالک بانھم یصیبھم ظما ولا نصب ولا مخمصہ فی سبیل اللہ ولا یطؤن موطئا یغیظ الکفار ۔ ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم بہ عمل صالح ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۔
چھٹا یہ کہ امیر کو چاہیئے کہ دشمن کی طرف مخبر ارسال کرے ۔
ساتویں ملابس اور سواریوں کا نام رکھنا بھی مسنون ہے ۔
آٹھویں دین کی خبر پر حلف اٹھانا جائز بلکہ مستحب ہے ،جس سے اس کی تاکید ہو ۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سے زیادہ بار حلف اٹھانا ثابت ہے اور تین مقامات پر تو اللہ نے تصدیق کے لیے حلف اٹھانے کا حکم دیا ۔ سورہ یونس ،سورہ سبا اور تغابن میں منقول ہے ۔
نویں ،مشرکین ،اہل بدعت ،فسق وفجور میں مبتلا لوگ بھی اگر اللہ کی محرمات کی عظمت واحترام کا مطالبہ کریں تو اس سلسلہ میں ان سے تعاون کرنا چاہیے اور دوسروں کو ان سے روکنا چاہیے اور حرمات اللہ کی تعظیم میں تو ان کی مدد کی جائے گی البتہ ان کے ذاتی فسق و فجور میں بالکل تعاون نہ کرنا ہو گا
دسویں، یہ کہ جو مکہ کے قریب نازل ہو اسے چاہیے کہ حل میں اترے اور حرم میں نماز ادا کرے ۔حضرت ابن عمرؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے ۔
گیارھویں ،سریا سینہ جہاں سے مواد بہے اسے پاک کرنا ۔

بارھویں، مستعمل پانی کا پاک ہوگا۔

تیرھویں، تفاول کا استحباب۔ یاد رکھیے یہ طیرہ یعنی فال لینے کی قسم کی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی آمد پر فرمایا، اب کام سہل ہوگیا۔

چودھویں، حلق کروانا قصر سے افضل ہے۔ عمرہ میں بھی حج کی طرح قربانی ہوگی۔ عمرہ محصور میں دوسرے عمرے کی طرح قربانی ہوگی۔

پندرھویں، یہ کہ محصر اس جگہ قربانی کر دے جہاں کہ اسے روکا گیا، چاہے حل ہو یا حرم ہو اور یہ واجب نہیں کہ قربانی کو اگر حرم میں نہ پہنچا سکے تب بھی حرم میں پہنچائے۔

صلح حدیبیہ میں بعض حکمتوں کا بیان

اس میں جو حکمتیں ہیں ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ جس نے اسباب بنائے۔ چنانچہ اس کے تقاضائے حکمت کے مطابق واقعات (ظہور) پذیر ہوئے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا، جس سے اللہ نے اپنے رسول اور لشکر کو عزت بخشی اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوئے۔ گویا یہ واقعہ اس مبارک امر کا دروازہ اور چابی تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ عادت جمیلہ ہے کہ جو بھی عظیم اور بڑا کام کرنا ہے تو اس کے لیے پہلے مقدمات اور تمہید میں قائم فرماتا ہے جو اس کا سبب بنتی اور اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

نیز یہ معاہدہ سب سے بڑی فتح تھی۔ کیونکہ لوگوں نے ایک دوسرے کو امان دے دیا اور مسلمان اور کفار آپس میں ملنے لگے۔ انہیں اسلام اور قرآن کی دعوت دینے لگے اور اسلام کے متعلق علانیہ مناظرے شروع ہو گئے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہوگیا اور اس مدت میں جس نے چاہا وہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین کا نام دیا۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان واذعان میں اسے زیادتی کا سبب قرار دیا۔ اللہ کی قضا و قدر کی رضا، اس کے وعدوں کی تصدیق، اس کے مواعیہ کا انتظار پھر سکینہ کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ جس کے ذریعہ قلوب کو اطمینان

نصیب ہوا اور انہیں قوت حاصل ہوئی (ان سب سے ایمان میں زیادتی ہوئی۔

دیگر سبحانہ و تعالیٰ نے یہ حکم ہوا اپنے رسول اور مومنین کو دیا اسے اپنے رسول کے تمام سابق آئندہ ذنوب کی بخشش کا سبب اور ان پر اپنی نعمت کے تمام اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اور غالب نصرت کا سبب قرار دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بیعت کا ذکر فرمایا اور اسے اس طرح مؤکد کیا کہ یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک (ان کے ہاتھوں پر تھا) تو گویا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے۔ کیونکہ وہ اسی ذات کا نبی اور رسول ہی تو ہے تو یوں سمجھو کہ اس کے نبی ورسول سے بیعت خود اسی سے عقد و بیعت ہے۔ پس جس نے (رسول) کی بیعت کی گویا اس نے اللہ کی بیعت کی اور (رسول اللہ) کے ہاتھ کے اوپر کا ہاتھ ہے۔ پھر خبر دی کہ اس عہد کو توڑنے والے کی اسی حرکت کا زوال خود اس پر آکر رہے گا اور ایفائے عہد کرنے والے کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس طرح ہر وہ مومن ہو اسلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اللہ کی بیعت کرتا ہے یا تو وہ عہد کو پورا کرے گا یا عہد شکنی کرے گا (یعنی دو ہی صورتیں ہوں گی)۔

پھر ان اعراب کا ذکر فرمایا جنہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ساتھ بدظنی کا ثبوت دیا۔ (اور ان کے ان خیالات کو) کہ رسول اس کے ساتھیوں اور لشکر کو (نعوذ باللہ) رسوا کیا، کہ دشمن ان پر فتح حاصل کرے تاکہ وہ واپس گھروں میں قطعاً نہ جائیں۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی وجہ سے مومنوں سے راضی ہوا اور اس وقت ان کے قلوب جس صدق و وفا سے پُر تھے خدا ہی خوب جانتا ہے۔ جس قدر وہ کمالِ اطاعت و وفا، اللہ ورسول کی خاطر ایثار کا جذبہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر سکینہ، اطمینان اور رضا نازل فرمائی اور اپنے حکم سے ان کی رضا، صبر پر فتح قریب کا مژدہ سنایا، نیز یہ بتایا کہ انہیں بہت سے مغانم ہاتھ لگیں گے۔

مزید براں یہ بھی فرمایا کہ یہ غنائم انہیں جلدی دے دیئے جائیں گے اور ان مغانم کے علاوہ دوسرے فتوحاتِ کثیرہ کا بھی وعدہ فرمایا کہ اس وقت وہ ان پر قادر نہ تھے۔

ایک قول فتح مکہ کے متعلق ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ فتح خیبر کے بعد آفاقِ عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کفار اللہ کے اولیاء سے جنگ کریں گے تو انہیں نصرت نہ ملے گی اور پیٹھ پھیر کر فرار ہو جائیں گے اور اس کے بندوں میں یہ اللہ کی سنتِ قدیمہ چلی آئی ہے اور سنت اللہ میں تغیر نہیں آیا کرتا۔

پھر خبر دی کہ اس کے رسولؐ نے مسجد (حرام) میں امن سے داخلہ کا خواب صحیح دیکھا۔ اور وہ عنقریب رونما ہوگا۔ اور لازماً ہوگا۔ لیکن اس سال اس کا وقت نہیں آیا۔ تم اگرچہ جلدی کرنا چاہتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس کی تاخیر میں کیا کیا مصالح و حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے تمہید و بنیاد کے لیے فتح قریب عطا فرمائی۔

پھر فرمایا کہ (اللہ) وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس جب دین اسلام کے اتمام اور اتمام ادیان پر غلبہ عطا کرنے کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہوگیا تو اس میں مسلمانوں کے قلوب کو قوت و فرحت حاصل ہوئی اور اس عہد پر انہیں ایقان حاصل ہوا کہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ حدیبیہ کے روز جو اغماض واقع ہوا وہ دشمن کی مدد اور اپنے رسول و دین سے اعراض کا سبب تھا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے! جبکہ اللہ نے اپنے رسول کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وعدہ کیا کہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غلبہ عطا کر دے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اس کے صحابہؓ کی مدح فرمائی اور تورات و انجیل میں ان کی صفاتِ منقولہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس طرح یہ تورات وانجیل اور قرآن کے ارسال فرمانے والے کی حقانیت کا ثبوت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو مذکورہ

الہامی کتابوں اور ان صفاتِ مشہورہ سے متصف ہیں اور وہ بات نہیں کہ جس کا تذکرہ کفار کرتے ہیں اور الزام دھرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ طالبِ دنیا، اور حکومت کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام کے نصرٰی نے (صحابہؓ) کو دیکھا، ان کا طریقہ زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ ان کے عدل وعلم وعمل اور دنیا سے پرہیز آخرت کی طرف رغبت کا حال دیکھا تو کہنے لگا۔

یہ لوگ ان سے افضل ہیں، جنہوں نے مسیح علیہ السلام کی حمایت کا شرف حاصل کیا

یہ نصارٰی کی رائے ہے، جو صحابہؓ کے مقامِ وفضیلت سے آگاہ تھے۔ بخلاف روافض کے کہ یہ صحابہؓ کے متعلق ایسی باتیں بناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں روا نہیں رکھیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی کارساز اور رہنما نہیں۔

فتح خیبر

یہود کی ہمیشہ کے لیے سرکوبی، خیبر کے یہودیوں سے معاہدہ

سنہ ۷ھ کا ایک اہم واقعہ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے اور قریباً بیس دن ٹھہرے۔ اس کے بعد آپ خیبر کی طرف نکلے اور اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں اس کا وعدہ کر دیا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خیبر سنہ ۶ھ میں فتح ہوا اور جمہور کا خیال ہے کہ ۷ھ میں فتح ہوا۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ سے انہیں عروہؒ سے انہیں مروانؒ بن حکم اور مسورؒ بن مخرمہ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال تشریف لے گئے۔ ابھی مکہ و مدینہ کے درمیان تھے کہ سورۃ فتح نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر عطا فرمایا اور مغانم کثیرہ وعدہ فرمایا۔ اس طرح یہ خیبر (کی فتح و غنائم) جلد عطا کر دی گئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجۃ کے مہینے میں مدینہ واپس تشریف لائے اور تھوڑی مدت ہی ٹھہر کر محرم کے مہینے میں خیبر تشریف لے گئے۔

آپ خیبر و غطفان کے درمیان وادی رجیع میں اترے۔ خطرہ ہوا کہ غطفان حملہ نہ کریں چنانچہ یہیں رات گزاری اور صبح کے وقت ان کی طرف گئے۔ مدینہ پر سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر کیا۔ اسی وقت ابو ہریرہؓ پہنچ گئے اور صبح کی نماز میں سباع بن عرفطہ سے پہلی رکعت میں کہٰیعص اور دوسری میں ویل للمطففین سُنی۔

سلمہؓ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف گئے

اورہم نے رات کو سفر کیا۔ قوم کے ایک آدمی نے عامر بن اکوع سے کہا کیا تم ہمیں اپنے اشعار نہ سناؤ گے!

عامر ایک شاعر آدمی تھے۔ چنانچہ حاضرین کو ان اشعار سے گرمانے لگے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا

ولا تصدقنا ولا صلینا

یعنی اے اللہ اگر تو نہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔

اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

فاغفر فدی لک ما اقتفینا

وثبت الاقدام ان لاقینا

ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں۔

اور اگر تو جنگ پر ثابت قدم رکھتا۔

وانزلنا سکینۃ علینا

وانا اذا صیح بنا اقینا

اور ہم پر سکینہ نازل فرما

اور جب ہمیں بلایا جائے گا، ہم حاضر ہوں گے۔

وبالصیاح عولوا بنا

وان ارادوا فتنۃ أبینا

اور جنگوں میں ہم پر اعتماد کیا گیا

اور اگر ہمیں بعض گمراہ کرنا چاہیں گے ہم انکار کردیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا سائق کون ہے!

عرض کیا گیا عامرؓ!

آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس پر رحمت کرے۔ ایک آدمی کہنے لگا واجب ہو گئی، واجب ہوگئی عامر کو اے اللہ کے رسول!

راوی کہتے ہیں کہ ہم خیبر آئے اور ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا لیکن شدید تکلیف و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر باب کامرانی کھول دیا جب شام ہوئی تو انہوں نے کثرت سے آگ جلائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آگ کیسی ہے؟ کیا پکار رہے ہو؟ عرض کیا گیا گوشت (پکا رہے ہیں)، آپ نے دریافت فرمایا: کیسا گوشت؟ عرض کیا گورخر کا گوشت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سالن کو انڈیل دو، یہ ہانڈیاں توڑ دو۔

جب صف آراستہ ہوئی تو مرحب تلوار ہلاتا اور یہ شعر پڑھتا نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب۔

شاک السلاح بطل مجرب - اذا الحروب اقبلت تلتہب

یعنی: خیبر کو معلوم ہو چکا کہ میں مرحب ہوں۔

ہتھیاروں سے سجا ہوا۔ تجربہ شدہ بہادر ہوں۔ جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جاتا ہوں۔

اس کے مقابلے میں عامرؓ یہ شعر پڑھتے مقابلے میں آئے۔

قد علمت خیبر انی عامر

شاک السلاح بطل مغامر

یعنی: خیبر کو معلوم ہو چکا کہ میں عامر ہوں۔

ہتھیار سجانے والا، بہادر (اور) نڈر جنگجو ہوں۔

چنانچہ آپس میں جھڑپ ہوئی اور عامرؓ کی ڈھال پر مرحب کی تلوار پڑی اور عامرؓ اسے نیچے سے جانے لگے۔ عامر کی تلوار میں کچھ نقص تھا، تلوار کی دھار ان پر پڑی اور عامرؓ کی آنکھ پر لگی اس سے ان کی شہادت بھی ہو گئی۔

حضرت سلمۃ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عامرؓ کا عمل برباد ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا: جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا اس کے لیے دو اجر

ہیں اور آپ نے دو انگلیوں کو جوڑ کر بتایا، وہ یقیناً جاہد و مجاہد ہے۔ بہت کم عربی ایسے ہیں جنہوں نے اس کی طرح جہاد کیا ہو۔

اہل خیبر کی بے خبری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے۔ وہاں صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہوئے تو اہلِ خیبر اپنے کھیتوں اور کام کاج کی جگہوں کی طرف نکلے اور انہیں مسلمانوں کی آمد کا علم بھی نہ تھا بلکہ وہ اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تھے، جب انہوں نے لشکر (اسلام) کو دیکھا تو کہنے لگے۔

محمد اللہ کی قسم محمدؐ اور خمس! (یعنی مالِ غنیمت کا حصہ)

چنانچہ اپنے شہر کی طرف بھاگتے ہوئے واپس ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر خیبر برباد ہو جائے، اللہ اکبر خیبر برباد ہوگیا۔ جب ہم ایک قوم کے علاقہ میں اترے تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بری ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے اور شہر پر نظر پڑی تو فرمایا: ٹھہر جاؤ، لشکر (اسلام) ٹھہر گیا۔ آپ نے یہ دعا پڑھی:

اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن۔ فانا نسئلك خیر ھذہ القریۃ وخیر ما فیھا ونعوذ بك من شر ھذہ القریۃ وشرھا فیھا۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔

حضرت علی کا شرف

جب داخلہ کی شب آئی تو آپ نے فرمایا کہ صبح اس آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ لوگوں نے ان باتوں میں ہی رات گزار دی کہ دیکھیے صبح کس کو جھنڈا ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسی کو جھنڈا عطا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: علیؓ بن ابی طالب کہاں ہے!

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اسے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔
آپ نے انہیں بلا بھیجا وہ حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی وہ تندرست ہو گئے گویا انہیں کچھ تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔
انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا میں ان سے تب تک مقابلہ کروں جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ بن جائیں؟
آپ نے فرمایا ان کے علاقہ میں اترنے تک اپنے قاصدوں تک رہنے دو پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں اللہ کے حقوق کی خبر دو۔ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ پر ایک آدمی کو ہدایت دے دے۔ تو تیرے لیے سُرخ ہونٹوں سے بہتر ہے۔

مرحب اور حضرت علی کا مقابلہ،

پھر مرحب یہ (رجز) پڑھتے ہوئے نکلا:۔

انا الذی سمتنی امی مرحب
شاک السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلتھب

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے اس کا نام مرحب رکھا۔
ہتھیار پوش بہادر تجربہ شدہ۔
جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جاتا۔
دوسری جانب حضرت علی یہ پڑھتے ہوئے میدانِ مقابلہ میں آئے۔

انا الذی سمتنی امی حیدر
کلیث غابات کریہ المنظر
اوفیھم بالصاع کیل السندر

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے حیدر نام رکھا۔
جنگلوں کے شیروں کی طرح خوفناک ہوں۔

اس کے بعد علیؓ نے مرحب پر تلوار کا وار کیا، جس سے اس کی گردن دور جا پڑی اور مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔

جب حضرت علیؓ قلعے کے قریب ہوئے تو قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے سر نکالا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں علی بن ابی طالب ہوں! وہ یہودی بولا تم غالب آگئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمدؓ بن مسلمۃ نے اسے قتل کیا۔

حضرت جابر اپنی روایت میں فرماتے ہیں کہ خیبر کے قلعے سے مرحب یہودی نکلا اس نے خوب ہتھیار لگا رکھے تھے اور وہ رجز پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرے مقابلے میں کون آئیگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون اس کا مقابلہ کرے گا؟ محمد بن مسلمۃ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا! اللہ کی قسم میں بدلہ لوں گا، اس نے کل ہی میرے بھائی محمود بن مسلمہ کو شہید کیا ہے وہ خیبر میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اُٹھ اس کی جانب! اے اللہ! محمدؓ بن مسلمہ کی اس کے مقابلہ میں مدد کرنا۔ جب دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو دونوں کے درمیان ایک درخت حائل ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک اس درخت کی آڑ لینے لگا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کرنا چاہا تو ہر ایک نے سامنے کا حصّہ کاٹ دیا اور ایک دوسرے کے سامنے کھل کر آگئے اور اس درخت کا تنا دونوں کے درمیان ایک آدمی کی طرح آڑ بن گیا جس پر کوئی شاخ نہ تھی۔ پھر (مرحب) نے محمدؓ پر حملہ کیا انہوں نے چمڑے کی ڈھال سے وار بچایا۔ اس کی تلوار اس میں چلی گئی۔ اس کے بعد محمدؓ بن مسلمہ نے اس پر وار کیا اور اسے قتل کیا۔

یاسر اور حضرت زبیرؓ کا مقابلہ

مرحب کے مرنے کے بعد یاسر (یہودی) نکلا اس کے مقابلے میں حضرت زبیر نکلے، ان کی والدہ حضرت صفیہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرا لڑکا قتل ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا بیٹا انشاءاللہ یہودی کو قتل کرے گا۔

چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر قوم یہود اپنے

قموص نام کے قلعے میں داخل ہوگئی تاکہ ردکاٹ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً بیس دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ یہ زمین خراب اور سخت گرم تھی۔ مسلمانوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے گدھے ذبح کیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے سے منع فرما دیا۔ اہل خیبر کا ایک سیاہ فام غلام آیا جو اپنے آقا کی بکریاں چرا رہا تھا جب اس نے اہلِ خیبر کو دیکھا کہ انہوں نے ہتھیار لگا رکھے ہیں ان سے پوچھا کیا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا ہم اس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس کے دل میں لگ گیا۔ وہ بکریوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا! میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے۔

غلام بولا اگر میں گواہی دے دوں اور اللہ عزوجل پر ایمان لے آؤں تو میرے لیے کیا اجر ہے؟

آپ نے فرمایا تیرے لیے جنت ہے اگر تو اسی (ایمان) پر مرے۔

چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اپنے پاس سے ہنکا دے اور انہیں پتھر مار کر بھگا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تیری جانب سے تیری امانت ادا کر دے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا، بکریاں مالک کے پاس پہنچ گئیں یہودی کو یقین ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا۔

شہداء کی صف میں ایک نومسلم غلام

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے، انہیں خطاب فرمایا: اور جہاد کی ترغیب دی۔ جب مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ ہوئی تو وہ

سیاہ غلام شہداء میں پڑا تھا۔ مسلمان اُسے اٹھا کر اپنے لشکر میں لے آئے اور اسے خیمے میں داخل کر دیا۔ یوں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں دیکھا۔ پھر صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالےٰ نے اس غلام کو عزت بخشی اور نیکی کی طرف چلایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے پاس دو خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہیں۔ حالانکہ اس نے اللہ کو ایک بھی سجدہ نہ کیا (یعنی نماز نہ پڑھ سکا کیونکہ اسلام لاتے ہی جہاد ہوا اور اس میں وہ شہید ہو گیا)۔

ایک اور پروانۂ شمع اسلام

حمادؓ بن سلمہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں سیاہ رنگ بدبودار آدمی ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔ اگر میں مقاتلہ کروں، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں تو کیا مجھے جنت میں داخلہ مل جائے گا!

آپ نے فرمایا: ہاں!

پھر وہ بڑھا جنگ کی طرف، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اسے اسی حالت میں اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یقیناً اللہ نے تیرا چہرہ حسین کر دیا۔ تیری بو کو خوشبو میں (بدل) دیا۔ اور تیرے مال کو زیادہ کر دیا۔ پھر فرمایا میں نے اس کی دو خوبصورت آنکھوں والی بیویوں کو دیکھا کہ وہ اس سے اس کا پرانا لباس اتار رہی ہیں۔ اور نئے لباس اور جبہ میں داخل کر رہی ہیں۔

ایک من چلا اعرابی

مشداد بن ہاد فرماتے ہیں۔ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لایا اور اتباع کی۔ پھر کہنے لگا، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے کسی صحابی کو اس کے متعلق وصیت فرمائی۔ جب غزوہ خیبر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ آپ نے اسے تقسیم فرمایا اور اعرابی کا حصہ بھی نکالا اور اس کا حصہ صحابہؓ کو دے (محفوظ رکھنے کے لیے دیا۔ اس وقت وہ پشت پر پہرہ دے رہا تھا جب وہ حاضر ہوا تو صحابہؓ نے اس کا حصہ

دیا، وہ کہنے لگا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ حصّہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے الگ فرمایا۔ اس نے لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تیرا حصہ الگ کیا ہے۔ وہ کہنے لگا، میں نے اس لالچ سے آپ کا اتباع نہیں کیا۔ بلکہ میں نے تو اس لیے اتباع کیا ہے کہ مجھے یہاں اس جگہ تیر لگے، پھر اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور کہا اور بس میں مر جاؤں۔ پھر مجھے جنّت میں داخلہ مل جائے

آپ نے فرمایا اگر تو نے سچ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ تیری تصدیق (کا صلہ) دے گا۔ پھر دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقتولین میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ وہی ہے؟ (صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جی ہاں!

آپ نے فرمایا: اس نے اللہ کی تصدیق کی۔ اللہ نے اپنا (وعدہ) سچ کر دکھایا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبّہ مبارک کا اسے کفن دیا، پھر اسے لے گئے اور اس کے حق میں دعا فرمائی اور آپ اس کے لیے یہ دعا کر رہے تھے "اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے، تیرے راستہ میں مہاجر نکلا اور شہادت کے خون میں قتل ہوا اور میں اس پر گواہ ہوں۔

واقدی فرماتے ہیں کہ یہود اپنے قلعے کی طرف واپس جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین دن ٹھہرے آخر ایک یہودی آیا۔ جسے عزال کہتے تھے۔ اس نے کہا اے ابوالقاسم اگر آپؐ ایک ماہ بھی ٹھہرے رہیں تو بھی انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں۔ رات کو نکلتے ہیں۔ اس سے پی لیتے ہیں اور پھر دوبارہ قلعے میں لوٹ جاتے ہیں اور آپؐ سے بچاؤ کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی کاٹ دیں تو سامنے آئیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے چشموں کی جانب تشریف لے گئے انہیں کاٹ دیا جب پانی بند ہو گیا تو اب نکلے۔ اور سخت ترین جنگ ہوئی، کچھ مسلمان شہید ہوئے اور دس یہودی مارے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اسے فتح کرنے کے بعد آپ اہلِ کتیبہ وطیع اور سلالم

کی طرف گئے جو ابن ابی حقیق کے قلعے تھے۔ انہوں نے سخت ترین قلعہ بندی کر لی۔
اور نطاۃ اور شق سے بھاگ کر یہ لوگ یہیں پناہ گزین ہو گئے، کیونکہ خیبر کے دو حصّے تھے
شق اور نطاۃ پہلے تھے جو فتح ہو چکے تھے اور کتیبہ، وطیح اور سلالم بعد میں آئے تھے۔
وہ اپنے قلعوں سے باہر نہ آتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ
منجنیق گاڑ کر ان پر پتھر برسائے جائیں، آخر انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ چودہ روز سے
وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاصرہ میں تھے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست
کی اور ابن ابی حقیق کو آپ کے پاس بھیجا تاکہ جنگ کے باعث ان کی جانوں کا نقصان
نہ ہو اور ان کی اولاد انہیں بخشی جائے اور وہ خیبر سے چلے جائیں گے اور جو کچھ ان کے پاس
مال و دولت، زمین، سونا چاندی ہے سب پیش کر دیں گے۔ سوائے اس لباس
کے جو بدن پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے تحریر لکھ دو اور تم سے اللہ اور اس کے
رسول کا ذمہ ختم ہو چکا۔ انہوں نے اس پر مصالحت کر لی۔ حماد بن مسلمۃ کہتے ہیں کہ ہمیں
عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: انہیں نافعؒ سے انہیں ابن عمرؓ سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے مقاتلہ فرمایا: آخر وہ اپنے قلعے کی طرف پسپا ہو کر محصور
ہو گئے۔ کھیتی کھجور اور زمین کے عوض انہوں نے صلح کر لی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے اور
ان کے سواری کے جانور جس قدر بوجھ اٹھا سکیں بس وہ لے لیں گے اور سونا اور چاندی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ آپ نے شرط لگائی کہ وہ چھپائیں گے نہیں اور نہ کوئی
چیز آپؐ سے اوجھل کریں گے اگر انہوں نے ایسی حرکت کی تو پھر نہ ذمہ ہے اور نہ
عہد (امن)

(لیکن) انہوں نے ایک مشک جس میں مال اور حی بن اخطب کے زیورات تھے۔
چھپا لیا وہ اسے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت خیبر کی طرف اٹھا لایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا کو فرمایا۔ حی جو مشک بنو نضیر سے اٹھا کر لایا۔ وہ
کہاں ہے۔

وہ کہنے لگا: اخراجات اور جنگوں نے اسے ختم کر دیا۔

آپ نے فرمایا وہ عہد تو قریب کے زمانے کا ہے اور مال اس سے زیادہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت زبیرؓ کے حوالے کیا۔ انہوں نے کچھ سختی کی۔ اس سے قبل وہ ایک ویرانے میں گیا تھا۔ کہنے لگا، میں نے دیکھا کہ وہ ویرانے میں پھر رہا تھا۔ ویرانے کی طرف گئے اور وہاں تلاش کیا تو مشک مل گئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ابی حقیق اور اس کی ایک زوجہ صفیہ بنت حی بن اخطب کو قتل کر دیا اور اس کی عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا اور مال کو تقسیم فرمایا۔ یہ برتاؤ ان کی مسلسل عہد شکنی کے باعث ہوا۔

اہلِ خیبر سے معاہدہ

نیز آپ کا ارادہ ہوا کہ انہیں وہاں سے ملک بدر کر دیں لیکن وہ کہنے لگے اے محمدؐ ہمیں اسی زمین میں رہنے دیجیے ہم اس کی اصلاح کریں گے۔ اور اس کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی نسبت یہاں سے زیادہ واقف ہیں۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو اس کا انتظام سنبھال سکتے۔ اور وہ خود اس کی حفاظت کے لیے فراغت نہ رکھتے تھے اس لیے آپ نے انہیں خیبر کا علاقہ اس شرط پر دے دیا کہ جو پیداوار یا پھل ہو اس کا نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا ہوگا۔ چنانچہ آپ عبداللہ بن رواحہ کو اندازہ کرنے ارسال فرمایا کرتے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

خیبر کی پیداوار کی تقسیم

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار چھتیس سہم میں تقسیم فرما دی۔ ہر سہم کی ایک سو سہم کا تھا۔ گویا کہ کل چھتیس سو سہم بن گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے اٹھارہ سو سہم ہونے اور باقی نصف یعنی اٹھارہ سو سہم اس کے محافظین اور وہاں پر اہلِ اسلام کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ خیبر کا ایک حصّہ حملے سے اور ایک حصّہ صلح سے مفتوح ہوا۔ چنانچہ جو حصّہ لڑائی سے مفتوح ہوا اسے اہلِ خمس اور غانمین میں تقسیم کر دیا گیا اور جو حصّہ صلح سے مفتوح ہوا اسے وہاں کے منتظمین اور مسلمانوں کے امور اور مصالح عامہ کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

امام شافعی کے انکار کی اساس و بنیاد

میں کہتا ہوں کہ یہی امام شافعی کے خیال کی اصل و بناد ہے کہ تمام غنائم کی طرح قوت سے مفتوحہ زمین کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خیبر کی زمین تقسیم نہیں ہوئی تو فرمایا یہ مصالحت سے مفتوح ہوا لیکن جو سیر و مغازی کا گہرا مطالعہ کرے گا۔ اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ خیبر قوت سے فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزور قوت اس علاقہ پر قابض ہوئے۔ اگر محض مصالحت سے فتح ہوا ہوتا تو آپ جلا وطن نہ کرتے۔

خیبر اٹھارہ ہزار سہموں پر تقسیم ہوا، کیونکہ یہ اہل حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ تھا جو اس میں شریک تھے اور ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ نیز ان کے ہمراہ دوسو سوار بھی تھے۔ ہر گھوڑے کے دو حصے ہوتے۔ چنانچہ جملہ تعداد اٹھارہ سو سہم بن گئی اور جابر بن عبداللہ کے سوا اہلِ حدیبیہ میں سے کوئی بھی غزوہ خیبر کے موقع پر غیر حاضر نہ تھا۔ ان کا آپ نے دوسرے شریک جہاد صحابہؓ کی طرح سہم (حصہ) نکالا۔ سوار کے تین سہم نکالے اور پیدل کا ایک! یہ کل چودہ ہوئے، دو سوار تھے۔ یہی روایت صحیح ہے جس میں کوئی تردد نہیں۔

نیز ابو معلویہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہیں عبداللہ بن عمرؓ سے انہیں نافعؓ سے انہیں حضرت ابن عمر سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لیے تین سہم ایک سہم اس کا اور دو گھوڑے کے لگائے اور یہ صحیحین میں مروی ہے۔ امام ثوری اور ابو اسامہ نے بھی عبداللہ سے اس طرح روایت کیا ہے امام شافعیؒ بتاتے ہیں کہ مجمعؓ بن حارثہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں اٹھارہ سو سہم مقرر فرمائے۔ فوج کی تعداد پندرہ سو تھی۔ جن میں تین سو سوار تھے۔ آپ نے سوار کو دو سہم اور پیدل کو ایک سہم عطا فرمایا۔ شافعیؒ نے فرمایا کہ مجمع بن یعقوب یعنی اس حدیث کا راوی اپنے والد سے وہ اپنے چچا عبداللہ بن یزید سے وہ اپنے چچا مجمع بن حارثہ سے روایت کرتا ہے۔ جو غیر معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عبداللہ کی روایت قبول کرلی ہے۔

چونکہ اس کی معارض خبر کوئی نہیں اور ایک خبر کو صرف اس پایہ کی خبر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے رد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے ابن عم جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی بھی آ گئے۔ ان کے ہمراہ عبداللہ بن قیس ابو موسیٰ اور ان کے رفقاء اشعری قبیلے کے لوگ تھے۔ نیز اسماء بنت عمیس بھی آئیں۔

ابو موسیٰ بتاتے ہیں کہ ہم یمن میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی ہم ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ میں تھا اور میرے ساتھ میرے دو بھائی تھے۔ میں ان دونوں سے چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو رہم اور دوسرا ابو بردۃ۔ ہماری قوم کے پچاس سے زیادہ افراد آ گئے۔ چنانچہ ہم ایک کشتی پر سوار ہو گئے یہ کشتی ہمیں حبشہ میں نجاشی کی طرف لے گئی۔ ہم وہاں جعفرؓ بن ابی طالب اور اس کے ساتھیوں سے جا ملے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور ہمیں یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اس لیے ہمارے ساتھ ہی ٹھہرو ہم انہی کے ساتھ ٹھہر گئے۔ آخر کار ہم سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فتح خیبر کے موقع پر ہمیں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ہمارے لیے سہم نکالا۔ اور ہمارے علاوہ اور کسی غیر حاضر شخص کا حصہ اس میں سے نہیں نکالا۔ سوا ان صحابہ کے جو آپ کے ہمراہ تھے۔ یا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے یا ہمارا اور ہمارے شرکائے سفینہ کا۔

حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت عمر میں سخت کلامی

لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تم پر ہجرت میں سبقت حاصل ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس حضرت حفصہؓ کے پاس آئیں اور حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ جواب دیا کہ اسماءؓ ہیں۔

حضرت عمر نے کہا، ہم نے تم پر ہجرت میں سبقت کی۔ اس لیے تم سے زیادہ ہم رسول اللہ کے حقدار ہیں۔ (حضرت اسماء) کو غصہ آیا وہ کہنے لگیں۔ اے عمرؓ ہرگز نہیں۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، جو تم میں بھوکا ہوتا اسے وہ کھلاتے، جو تم میں جاہل ہوتا وہ مالِ غنیمت پاتا۔ مگر ہم ایک دور دراز علاقے میں کٹھنائیاں برداشت کر رہے تھے اور یہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم نہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک جو تم نے کہا ہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض نہ کر لوں۔ ہمیں دکھ دیا جاتا ایذا دی جاتی اور ہم یہ سب خدا اور رسول کے لیے سہتے۔ میں یہ تمام ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کروں گی اور خدا کی قسم ذرا بھی نہ جھوٹ بولوں گی، نہ نمک مرچ لگا کر کہوں گی اور نہ مبالغہ کروں گی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسماءؓ نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول عمرؓ اس طرح کہہ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں کیا جواب دیا؟

انہوں نے عرض کیا، میں نے جواب میں یہ کہا۔

آپ نے فرمایا عمر اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور اے اہلِ سفینہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ ابو موسیٰ اور اہلِ سفینہ حضرت اسماءؓ کے پاس گروہ در گروہ آیا کرتے اور اس حدیث کے متعلق پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات فرحت بخش اور پایہ مسرت نہ تھی۔ جتنی وہ بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمائی تھی۔

○ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے آپؐ کا والہانہ تعلق خاطر

جب حضرت جعفرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو فتح خیبر سے زیادہ خوشی ہوئی۔ یا حضرت جعفرؓ کی آمد سے۔ اور واقدیؒ فرماتے ہیں کہ ابو شیم مزنی نے بتایا جو اسلام لا چکے تھے اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ طور پر اس دین کو قبول کیا تھا کہ جب ہم عیینہ بن حصن کے ہمراہ واپس آئے اور عیینہ بھی واپس آیا۔ جب ہم خیبر کے قریب تھے تو رات

کو ہم اتر ے اور ہمیں گھبراہٹ لاحق ہوئی۔

علیہ نے کہا خوش ہو جاؤ، میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ مجھے خیبر کا ایک پہاڑ ذوالرقیبہ دیا گیا۔ جب ہم خیبر واپس ہوئے، علیہ آیا اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ اس نے عرض کیا، اے محمدؐ! آپ نے میرے حلیفوں سے جو غنیمت لی ہے تو اس میں سے مجھے بھی عنایت کیجیے، کیونکہ میں آپ کو گزند پہنچانے سے ہٹ گیا حالانکہ ہم آپ کو پہچان چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو شور سن کر اپنے گھر کی طرف بھاگا۔

اس نے کہا: اے محمدؐ مجھے انعام دیجیے۔

آپ نے فرمایا تیرے لیے ذوالرقیبہ ہے۔

اس نے پوچھا ذوالرقیبہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ پہاڑ جو تو نے خواب میں دیکھا کہ تو لے گا۔

چنانچہ علیہ واپس ہوا، جب واپس پہنچا تو حرث بن عوف اس کے پاس آیا اور کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تجھ سے اور ہی معاملہ ہو گا۔ اللہ کی قسم محمدؐ مشرق و مغرب کی ہر (قوم) پر غالب آکر رہے گا۔ یہود ہمیں اس بات کی خبر دیا کرتے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابو رافع سلام بن ابی حقیق کو کہتے سنا کہ ہم محبت پر نبوت کے متعلق حسد کرتے ہیں کہ بنی ہارون سے نکل گئی حالانکہ آپ واقعی نبی مرسل ہیں۔ حرث کہتے ہیں میں نے سلام سے پوچھا کہ کیا وہ تمام زمین کے بادشاہ بنیں گے۔ اس نے کہا ہاں! اور کوئی یہودی نہیں چاہتا کہ میرے اس قول سے کوئی بھی واقف ہو جائے۔

آنحضرت کو زہر دینے کی کوشش

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حرث یہودن نے آپ کو ایک بھنی ہوئی بکری بھیجی، جس میں زہر ملا دیا، وہ آئی اور پوچھنے لگی۔ کونسا گوشت آپ کو زیادہ پسند ہے؟ بتایا گیا کلائی کا۔

چنانچہ اس نے کلائی میں زہر زیادہ ڈال دیا۔ جب اس پارچہ سے آپ نے کاٹا تو کلائی نے بتایا کہ مجھے مسموم کیا گیا ہے۔ آپ نے فوراً نوالہ پھینک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا یہود کو جمع کرو، جب سب جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا! میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں، کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے؟ وہ کہنے لگے، ہمارا باپ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا؛ تم نے جھوٹ کہا، تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ وہ بولے آپ نے سچ کہا۔ آپ نے فرمایا اگر میں کچھ پوچھوں تو سچ بولو گے: کہنے لگے ہاں! اے ابوالقاسم اگرچہ ہم نے آپ کی تکذیب کی لیکن آپ نے ہمارے باپ کے متعلق ہمارا کذب معلوم کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اہلِ نار کون ہے؟ وہ بولے ہم اس میں تھوڑی ہی مدت تک رہیں گے۔ پھر تم لوگ اس میں ہمارے بعد ہو گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم ہم وہاں کبھی بھی نہ جائیں گے۔

پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو سچ بولو گے؟ کہنے لگے ہاں!

آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملا دیا ہے؟ کہنے لگے ہاں!

آپ نے فرمایا؛ کس بات نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا؟ بولے ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہیں تو آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ عورت بھی لائی گئی اس نے اقرار کیا کہ میں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے کبھی بھی مجھ پر مسلّط نہ کرتا۔ ابو سلمۃ بتاتے ہیں کہ بشر بن براء بن معرور (اس بکری کے کھانے سے) وفات پا گئے۔ آپ نے یہود سے کہلا بھیجا کہ تجھے کس بات نے اس کام پر آمادہ کر دیا۔ حضرت جابرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ قتل کر دی گئی۔

اور اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا یا نہیں؟ زیادہ تر روایات کھانے کی تائید میں ہیں۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپؐ زندہ رہے۔ یہاں تک کہ مرض وفات کی تکلیف میں بھی آپ نے فرمایا کہ میں اس نوالے کا اثر محسوس کرتا رہا ہوں جو خیبر کے دن (اس مسموم) بکری سے کھایا تھا۔

زہریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت تھی۔

غزوہ خیبر کے سلسلہ میں احکام فقیہہ

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اشہر حرم میں کفار سے مقاتلہ وجنگ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ میں حدیبیہ سے واپس آئے تو یہاں ٹھہرے۔ پھر آپ محرم میں خیبر کی طرف تشریف لے گئے۔ زہریؒ نے عروۃ سے، انہوں نے مروان اور مسعد بن مخرمہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ نیز واقدی نے یہی کہا کہ آپ ۷ھ کی ابتداء میں نکلے لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ کیونکہ اواخر محرم میں آپ نکلے ابتداء میں نہیں اور صفر میں فتح حاصل ہوئی اس سے زیادہ قوی دلیل بیعت رضوان ہے جو صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے کی کہ وہ جنگ کریں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ یہ واقعہ ذی قعدہ میں پیش آیا تھا۔ لیکن اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے بیعت تب لی جب آپ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت اور قریش سے ارادہ جنگ کی اطلاع ملی۔ ورنہ اشہر حرم میں قتال کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔

کیا اشہر حرم میں قتال کا آغاز جائز ہے

اختلاف تو اس میں ہے کہ کیا ان مہینوں میں قتال کا از خود آغاز کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جمہور نے اسے جائز کیا ہے اور کہا ہے کہ تحریم قتال منسوخ ہو چکی ہے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت عطاء وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں حضرت عطاءؒ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے کہ اشہر حرم میں قتال حلال نہیں اور اس کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی۔

ان دونوں سے زیادہ قوی استدلال طائف کا محاصرہ ہے کیونکہ آپ شوال کے

آخر میں اس طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ محاصرے کا کچھ وقت ذی قعدہ میں آتا ہے۔ کیونکہ رمضان میں دس دن باقی تھے کہ فتح مکہ ہوا اور فتح مکہ کے بعد آپ انیس دن وہیں مقیم رہے اور نمازوں میں قصر کرتے رہے۔ اس کے بعد ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ جب شوال میں بیس دن باقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو ہوازن پر بھی آپ کو فتح عطا فرمائی۔ یہاں کے غنائم تقسیم کرنے کے بعد آپ طائف کی طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک وہاں محاصرہ کیے رکھا۔ اس کے باجود اس واقعہ سے دلیل نہیں ملتی۔ کیونکہ غزوہ طائف دراصل بنو ہوازن کی جنگ کا تتمہ تھا اور انہوں نے پہلے سے ہی رسول اللہ علیہ وسلم سے قتال شروع کر رکھا تھا۔ جب انہیں شکست ہوئی تو وہ اپنے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس طرح محاصرہ طائف نے دراصل پہلے سے شروع شدہ جنگ کا تتمہ تھا۔

انہی احکام میں ایک تقسیم غنائم کا مسئلہ ہے کہ سوار کے لیے تین سہم اور پیدل کے لیے ایک سہم، جس کے متعلق مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ ایک فوجی کو یہ جائز ہے کہ اسے کھانا ملے تو کھالے اور اس کا خمس ادا نہ کرے۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن مغفل کو چربی کی ایک بوریا ملی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اسے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔

نیز جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد کچھ لوگ میدان میں آئیں تو انہیں حصہ نہیں ملے گا۔ جب تک تمام لشکر اجازت نہ دے دے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اہل سفینہ کے متعلق اس وقت مشورہ فرمایا تھا جب جعفرؓ اور ان کے رفقاء خیبر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آیا انہیں حصہ دیا جائے؟ مشورے کے بعد انہیں حصہ دیا گیا۔

پالتو گدھوں کے گوشت کا مسئلہ

ان احکامات میں سے ایک پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت ہے۔ خیبر کے دن اس کی تحریم صحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تعلیل یوں ہے کہ یہ رجس ہے۔ یہ قول

ان صحابہ کے قول پر مقدم سمجھا جائے گا، جنہوں نے یہ علت بتائی ہے کہ یہ سواری اور بار برداری کا جانور ہے اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ اس کا خمس نہیں نکالا گیا تھا اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ یہ جانور بستی کے آس پاس کی گندگی کھاتا ہے۔ یہ تمام اقوال اگرچہ صحیح ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان زیادہ قابلِ ترجیح ہے کہ یہ رجس (ناپاک) ہے، سب پر مقدم ہو گا۔

متعہ کب حرام ہوا؟

متعہ فتح خیبر کے دن حرام نہیں کیا گیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسے حرام کیا گیا اور یہی درست تر رائے ہے۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ آپ نے اسے فتح خیبر کے دن حرام بنایا اور انہوں نے صحیحین کی اس روایت سے دلیل لی ہے جو علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو عورتوں کے متعہ کے مسئلہ میں نرمی کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عباسؓ ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور جب لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے سال اسے مباح بنایا پھر حرام کیا تو کہنے لگے حرام ہوا، پھر مباح ہوا، پھر حرام ہوا۔

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ متعہ کے سوا کوئی بات حرام کی گئی ہو۔ پھر مباح کی گئی ہو پھر دوبارہ حرام کی گئی ہو، مروی ہے کہ دوبارہ یہ حکم منسوخ ہوا اور بعد والوں نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف فتح کے سال حرام ہوا اس سے قبل مباح تھا۔

متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس کا فتویٰ

اور خیبر کے واقعہ میں صحابہ کرام رضوان علیہم یہودی عورتوں سے متعہ نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور اس غزوہ میں کسی نے اس قسم کی بات نقل کی اور نہ اس واقعہ میں فعلاً وقولاً اس

کا ذکر ہوا۔ بخلاف فتح مکہ کے کہ اس میں فعلاً قولاً متعہ کا معاملہ سامنے آیا۔ یہ طریقہ دونوں سے زیادہ صحیح تر ہے۔

نیز تیسرا طریقہ بھی مروی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مطلقاً حرام نہیں بتایا بلکہ ضرورت کے وقت جائز اور بلا ضرورت اسے حرام قرار دیا۔ امر وی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ یہ مردار، خون اور سؤر کے گوشت کی طرح ہے کہ ضرورت اور شدت حاجت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اسے نہ سمجھ سکے اور سمجھا کہ انہوں نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ دیکھا تو رجوع کر لیا اور اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا۔

مسافات اور مزارعت کے جواز کا پہلو

نیز اس میں مسافات اور مزارعت کا جواز نکلتا ہے کہ زمین کی پیداوار پھل اور کھیتی کے ایک مقرر حصے پر معاملہ طے کیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا جو آپ کی وفات تک غیر منسوخ رہا اور بعد میں خلفائے راشدین کا بھی اس پر عمل رہا۔

اسی قبیل میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دشمنوں کو زمین دی تاکہ اجرت پر کام کریں۔ زمین کو فروخت نہیں کیا اور نہ مدینہ سے بیج بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی سنتِ طیبہ یہ ہے کہ زمین کا مالک بیج دینے پر مجبور نہیں۔ البتہ یہ عامل کی جانب سے جائز ہے آپ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا۔

تقسیم الگ چیز ہے بیع جدا

کھجوروں کے پھلوں کا اندازہ کر کے سودا کرنا اور اسے تقسیم کرنا بھی داس غزوہ سے جائز معلوم ہوتا ہے انیز یہ کہ تقسیم بیع نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اندازہ کرنے والا اور تقسیم کنندہ ایک ہی کافی ہے۔

نیز عقد صلح دامان کو مشروط کرنا بھی جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط لگا دی کہ یہودی کچھ غائب نہ کریں گے اور نہ کچھ چھپائیں گے۔

نیز متہم لوگوں کو سزا دینا، یہ حکم شرعی عدالت ہے نہ کہ ظالمانہ سیاست !۔

نیز اگر اہلِ ذمہ اپنے آپ پر عائد شدہ شرائط میں سے کسی کی مخالفت کر دیں تو ان کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کا جان و مال حلال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا اور شرط لگا دی کہ وہ کچھ غائب نہ کریں گے اور نہ ہی کچھ چھپائیں گے اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی جان و مال کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اہلِ ذمہ کی شرائط کے متعلق سنت پر عمل کیا۔ اور (اہلِ ذمہ) پر شرط عائد کر دی کہ اگر انہوں نے کسی دفعہ کی مخالفت کی تو بدبختوں اور دشمنوں پر جو کچھ (وارد ہوگا ان پر بھی کچھ نہ ہوگا۔

نیز یہ کہ جس نے تقسیم سے قبل غنائم میں سے کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ چیز اس کے حق سے بھی کم ہو۔ بلکہ وہ تقسیم کے بعد ہی مالک ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے صاحب شملہ کے بارے میں جب اس نے غلو کیا تو فرمایا کہ یہ آگ بن کر اس پر جل رہی ہے اور تسمے والے کو فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔

نیز امام کو اختیار ہے کہ قوت کے بل پر فتح کیے ہوئے علاقے کو تقسیم کر دے یا اس کی تقسیم ترک کر دے یا بعض کو تقسیم کر دے اور بعض کو چھوڑ دے۔

نیز اہل ذمہ کو دارالاسلام سے خارج کرنا جائز ہے۔ جب مناسب ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں ٹھہرائے گا ہم بھی ٹھہرائے رکھیں گے۔ اور یہود کے سردار سے آپ نے فرمایا۔ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا۔ جب دن بدن تمہاری سواریاں شام کی طرف کوچ کریں گی اور حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہیں شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ محمد بن جریر طبری کا یہی مذہب ہے۔

باندی کے ساتھ نکاح میں گواہوں کی ضرورت نہیں

نیز اپنی لونڈی کو آزاد کرنا پھر آزاد کرنے

کے بعد اس سے نکاح کرنا اور آزادی کو حق مہر مقرر کرنا جائز ہے اور لونڈی کے اذن اور گواہوں اور ولی کے بغیر اسے زوجہ بنالینا جائز ہے اور نہ فقط نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں کی ضرورت ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے معاملہ میں کہا اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ طریقہ صرف میرے لیے مخصوص ہے۔ اور باوجود اس بات کے کہ آپ کو معلوم تھا کہ امت آپ کی سنن کا اتباع کرتی ہے۔ آپ نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی صحابیؓ نے کہ یہ طریقہ آپ کے سوا دوسروں کو جائز نہیں بلکہ انہوں نے اس واقعہ کو امت کی طرف نقل کیا اور انہیں منع نہیں کیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی اقتداء سے منع فرمایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ موہوبہ نکاح کے تعلق کو آپؐ نے خطاب کر کے فرمایا۔ خالصة لك من دون المؤمنين یعنی "خاص کرنے کے لیے دوسرے مومنین کے سوا"

اس لیے اگر امت سے علاوہ یہ بھی آپ سے مخصوص ہوتا تو اس کی تخصیص کا تذکرہ زیادہ اولیٰ ہے۔

نیز مرد کو اپنی بیوی کے ہمراہ خیمہ لگا کر رہنا اور سواری پر لشکر کے درمیان ایک ہی ہودج میں سوار ہونا بھی جائز ہے۔

نیز جو آدمی دوسرے کو زہر دے کر قتل کر دے، اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ جیسے حضرت بشرؓ بن براء کو شہید کرنے کے عوض یہودیہ عورت کو قتل کیا گیا۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

نیز کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاید یہودی عورت کو عہد شکنی کے باعث قتل کیا گیا کہ اس نے زہر کھلایا نہ کہ قصاص کے باعث۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر عہد شکنی کے باعث اسے قتل کیا جائے تو اقرار کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا اور کھانے والے کی وفات تک اس کا قتل مؤخر کر دیا جاتا۔ اور اگر کہا جائے کہ اسے عہد شکنی کے باعث قتل نہیں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات حجت ہے جو اس کے قائل ہیں کہ امام کو اسیر کی طرح عہد شکن کے متعلق اختیار ہے اگر کہا جائے کہ تم تو امام

احمد کی طرح وجوبِ قتل کے قائل ہو۔ اور قاضی ابو یعلی اور ان کے اتباع کا خیال یہ ہے کہ امام کو اس میں اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر صلح سے قبل (زہریلی بکری) کا واقعہ درپیش آیا تو پھر یہ حجت نہیں ہو سکتا اور اگر صلح کے بعد ہوا تو مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں عہد شکنی کے متعلق اختلاف ہے جو اسے عہد شکنی نہیں سمجھتے تو ظاہر ہے اور جو اسے عہد شکنی تصور کرتے ہیں ان میں بعض اس کے وجوبِ قتل کے قائل ہیں۔ بعض اختیارِ قتل کے بعد بعض اسبابِ عہد شکنی کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

فتح خیبر کے سلسلہ میں اختلاف آراء

اور فتح خیبر کے قوت سے مفتوح ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ قوت سے مفتوح ہوا۔ بعض مصالحت سے فتح کے قائل ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد نے حضرت انس رضؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا غزوہ کیا تو خیبر جنگ کے بعد قوت سے فتح ہوا اور قتال کے بعد بعض کو ملک بدر کر دیا گیا۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ارض خیبر کے متعلق یہ صحیح تر روایت ہے کہ یہ تمام زمین قوت سے مفتوح ہوئی۔ بخلاف فدک کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمام زمین غانمین پر تقسیم فرما دی۔ جنہوں نے گھوڑوں اور سواروں پر بیٹھ کر ہلّہ بولا تھا اور یہ اہل حدیبیہ ہی تھے اور علمائے کرام کا اس میں اختلاف نہیں کہ ارضِ خیبر تقسیم کردہ ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب ملک غنیمت میں ہاتھ آ جائے تو اسے تقسیم کیا جائے یا وقف کیا جائے! اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ امام کو اس کی تقسیم اور موقف دونوں کا اختیار ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے متعلق کیا اور حضرت عمر رضؓ نے عراق کے متعلق کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام زمین تقسیم کر دی جائے گی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم فرما دی، کیونکہ زمین بھی کفار کے دیگر اموال کی طرح غنائم میں شامل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضؓ کی اتباع کے باعث وقف کے قائل ہیں کیونکہ زمین غنائم میں مخصوص حیثیت رکھتی ہے جس طرح حضرت عمر رضؓ نے صحابہ کی جماعت ہوتے ہوئے بھی ان مسلمانوں کے لیے

وقف کر دیا جو بعد کے زمانے میں آنے والے ہیں۔

وادی قریٰ میں آپ کی تشریف آوری

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے چل کر وادی قریٰ تشریف لے گئے، وہاں یہود کی ایک جماعت تھی اور عرب (مشرکین) کا ایک گروہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو ہوگیا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو یہود نے تیر مارنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام مدعم قتل ہوگیا۔ لوگوں نے کہا اسے جنت مبارک ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر کے روز تقسیم سے قبل لی تھی اس پر آگ بن کر شعلہ زن ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یا دو تسمے لایا۔ آپ نے فرمایا، آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی، ان کی صف بندی فرمائی اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو جھنڈا اعطا فرمایا۔ اور ایک جھنڈا جناب بن منذر کو ایک سہل بن حنیف کو اور ایک جھنڈا عبادۃ بن بشر کو عطا کیا۔ اس کے بعد یہود کو اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ تم اسلام لے آؤ تو تمہارے مال محفوظ ہوں گے، تمہاری جانوں کو امان ہوگا اور حساب اللہ پر ہوگا۔

حضرت زبیر اور حضرت علی کی بہادری

اس کے بعد ایک آدمی نکلا اس کے مقابلے میں حضرت زبیرؓ بن عوام نکلے۔ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر اور نکلا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا پھر اور نکلا۔ اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ بن ابی طالب نکلے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا اس طرح کفار کے گیارہ آدمی قتل ہو گئے۔ جونہی ایک قتل ہو جاتا، دوسرے کو دعوت اسلام دی جاتی۔ جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ صحابہ کے ہمراہ نماز ادا فرماتے۔ پھر واپس آکر انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دیتے اس کے بعد مقاتلہ فرماتے۔ آخر شام ہوگئی اور جب صبح ہوئی اور ابھی سورج ایک نیزہ بھی اونچا نہ ہوا تھا کہ آپ نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور قوت کے ذریعہ سے آپ کو یہ فتح حاصل

ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان کا مال غنیمت عطا کیا اور سامان و اموال کی ایک کثیر تعداد ہاتھ آئی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں چار دن تک مقیم رہے اور جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اسے صحابہؓ پر تقسیم کر دیا اور زمین اور کھجور کے درختوں کو یہود کے پاس ہی رہنے دیا اور انہی کو کارندہ مقرر فرما دیا۔ جب یہودِ تیماء کو خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، فدک اور وادی قریٰ کے یہود کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ مال پر صلح کر لی۔

حضرت عمر اور یہودیانِ خیبر و فدک

اس کے بعد جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے خیبر اور فدک کے یہود کو ملک بدر کر دیا۔ تیماء اور وادی قریٰ کے یہود کو رہنے دیا، کیونکہ یہ دونوں علاقے ارض شام کی حدود میں شامل ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نچلا علاقہ مدینے تک حجاز میں داخل ہے اور اس سے پرے کا علاقہ شام میں داخل ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر ایک شب ایک جگہ اترے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا:

رات کو پہرہ دیتے رہنا۔

چنانچہ حضرت بلالؓ کی آنکھوں میں نیند غالب آگئی۔ کیونکہ وہ اپنی سواری سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ اور تمام صحابہؓ میں سے کوئی بیدار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دھوپ نکل آئی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ گھبرا گئے۔ فرمایا: اے بلال یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ جس ذات نے آپ کو سلا دیا اس نے مجھے بھی (سُلا) دیا۔ چنانچہ سواریوں کو وہاں سے ہنکایا۔ یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ جب پار چلے گئے۔ آپ نے انہیں اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فجر

کی سنتیں ادا کیں اور حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ آخر نماز کی اقامت ہوئی۔ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر فارغ ہو کر فرمایا:۔

قضا نماز موقع ملتے ہی فوراً پڑھنی چاہیے

اے لوگو! اللہ نے ہماری ارواح قبض فرمائیں۔ اگر چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت انہیں لوٹاتا۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے، اسے چاہیے کہ اس طرح پڑھے جیسے وقت پر پڑھنا تھا۔ پھر آپؐ نے حضرت ابوبکر کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے انہیں سلانے کی کوشش کی اور انہیں تھپکنے لگا جیسے بچے کو تھپکایا جاتا ہے یہاں تک کہ سو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور انہیں بھی بتایا، جس طرح حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا۔

اس واقعہ کے فقہی احکام

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو اس کا وقت اس کے لیے نماز کا وقت اس گھڑی میں ہوگا۔ جب وہ بیدار ہو یا اسے یاد آجائے۔

نیز یہ کہ سنن راتبہ کی فرائض کی طرح قضا ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے ساتھ ساتھ فجر کی سنن بھی قضا کیں اور ظہر کی سنن تنہا قضا فرمائیں اور آپ کی سنت طاہرہ یہ تھی کہ فرائض کے ساتھ ساتھ سنن راتبہ بھی قضا کرتے تھے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضا کی حالت میں اذان اور اقامت ہوگی، کیونکہ حالت سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ (ابو داؤدؒ)

نیز اس واقعہ سے قضا نماز کو جماعت سے ادا کرنے اور (بیدار ہونے) کے فوراً بعد قضا کرنے کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ کا قول "اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسے ادا کرے"۔ اور مقام نزول سے ہٹ کر آپ نے نماز پڑھی اور تاخیر کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شیطان کی جگہ تھی۔ آپ اس سے بہتر جگہ پر تشریف لے گئے۔ اس

وجہ سے قضائے نماز میں جلدی تاخیر میں شمار ہوگی۔ کیونکہ آپ بحالت سفر امیں بھی نماز ہی کے کام میں مشغول تھے۔

نیز اس سے شیطانی جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے جیسے حمام یا باغ کیونکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان کثرت سے جاتا اور سکونت پذیر ہوتا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی میں نماز کی عجلت کو مؤخر کر دیا تو ان جگہوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ کہ جو شیاطین کا کھلم کھلا مسکن ہیں!

مہاجرین کی بُلند حوصلگی

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آئے، مہاجرین کو خیبر کے مال سے حصہ ملا تو مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے جو انہوں نے صحابہؓ کو دے رکھے تھے۔

سریۂ ابوبکر صدیق رضؓ

خیبر سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوال تک مدینہ میں رہے اور اس زمانہ میں آپ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے۔ ان میں سے ایک دستہ بنی فزارہ کے علاقہ نجد کی طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارسال فرمایا۔ ان کے ہمراہ سلمہ بن اکوع بھی تھے۔ ان کے حصہ میں ایک خوبصورت لونڈی آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لی، اور اس کے عوض ان مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا گیا، جو مکہ میں تھے۔

نیز تیس سواروں کا ایک دستہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی زیر نگرانی ہوازن کی جانب بھیجا۔ جب انھیں اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو کوئی بھی وہاں نہ تھا چنانچہ واپس مدینہ چلے گئے۔ رہنما نے پوچھا کہ کیا آپؐ بنو خشعم کے گروہ سے مقابلہ کریں گے؟ جو چلے آرہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم نہیں دیا (اس لیے) انھوں نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز ایک تیس سواروں کا دستہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی سرگردگی میں بھیجا گیا۔ ان میں عبداللہ بن انیس تھے۔ انھیں بشیر بن دارام یہودی کی طرف بھیجا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ غطفان نے آپ سے جنگ کرنے کے لیے گروہ بندی کی ہے۔ اسے وہ خیبر کے علاقہ میں لے آئے ہیں۔ اس طرح کہ انھوں نے یہ کہہ کر شروع کیا ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ تجھے خیبر پر عامل مقرر کردیں۔ اس طرح یقین دلا کر تیس آدمیوں سمیت لے آئے۔ اس کا ایک ایک آدمی ایک ایک

مسلمان کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گیا۔ جب یہ لوگ خیبر سے چھ میل دور رہ گئے تو بشیر یہودی گھبرایا اور حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ وہ سمجھ گئے۔ انھوں نے فوراً اپنے اونٹ کو جھڑکا اور اونٹ سے الگ ہو کر قوم کے آگے آگے چلنے لگے۔ پھر جب بشیر پر قابو پالیا تو اس کی ٹانگ کاٹ دی۔ بشیر بھی الگ ہوا، اس کے ہاتھ میں شوحط کی لکڑی تھی اس نے اسے حضرت عبداللہ بن انیس کی آنکھ پر حملہ کیا جس سے زخم ہو گیا (لیکن آنکھ محفوظ رہی) اس پر ہر مسلمان نے ہر ساتھی یہودی سوار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ سوا ایک آدمی کے (کہ وہ بچ کر بھاگ گیا) اس حادثہ میں کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔

یہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عبداللہ بن انیس رضؓ کے زخمِ چشم پر لعابِ مبارک لگادیا، جس سے نہ پیپ پڑی اور نہ وفات تک پھر کوئی تکلیف ہوئی۔

اس طرح فدک میں بنو سرہ کی طرف حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ کی زیر سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا گیا، جس میں تیس آدمی تھے۔ جب یہ نکلے تو چرواہوں سے ملے جو بکریاں اور چوپائے ہانک کر مدینہ واپس ہو گئے۔ انھوں نے ان کا پیچھا کیا اور رات کو ان تک پہنچ کر تیر برسانے لگے۔ آخر کار بشیرؓ اور ان کے اصحاب کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ پھر بشیرؓ نے ان سے سخت قتال کیا اور ان کی بکریاں اور چوپائے لے کر واپس ہوئے۔ بشیرؓ کو چوٹ آگئی اور وہ یہود کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ صحت ہو گئی اور واپس مدینہ پہنچے۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے خلاف ایک لشکر بھیجا جس میں اسامہ بن زیدؓ بھی تھے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو امیر لشکر نے مخبر بھیجے وہ خبر لائے تو آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک شب کو ان کے قریب جا پہنچے۔ پھر یہ کھڑے ہو گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا، میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے جس کا کوئی شریک نہیں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ تم میری اطاعت کرو۔ اور میری نافرمانی نہ کرو۔ اور میرے حکم کے خلاف نہ کرو۔ کیونکہ جس کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس کی رائے کچھ (وزن) نہیں رکھتی۔ پھر انھیں ترتیب

دے کر کہا اے فلاں تو اور فلاں اور اے فلاں تو اور فلاں تم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا اور ایسی بات قطعاً نہ ہو کہ میں کہوں کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے تو وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔ اور جب میں تکبیر کہوں تم بھی تکبیر کہو اور تلوار کھول لو۔ پھر انھوں نے تکبیریں کہیں اور متحد ہو کر حملہ کر دیا اور دشمن کو گھیر لیا (کفار) کو اللہ کی تلواروں نے پکڑ لیا۔ جہاں مسلمان چاہتے مارتے اور اسی دن ان کا شعار امت امت تھا۔

حضرت اسامہ کی اجتہادی غلطی اور آں حضرت کی اس سے بیزاری

حضرت اسامہؓ ایک آدمی کے پیچھے نکلے جس کا نام نہیک بن مرداس تھا۔ جب اس کے قریب آئے اور تلوار سے اس پر حملہ کیا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا۔

انھوں نے پھر بھی اسے قتل کر دیا۔ پھر انھوں نے بکریوں چوپایوں وغیرہ کو ہنکایا۔ ہر آدمی کے حصہ میں دس بکریاں یا اس کے برابر چوپائے آئے۔

جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کو حضرت اسامہؓ کے فعل کی خبر کر دی گئی۔

آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور فرمایا کہ کیا تو نے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا! انھوں نے جواب دیا اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا، کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا! پھر فرمایا کہ:

قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ کے مقابلہ میں کون تیرا (مددگار) ہوگا! آپ یہی بات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اسامہؓ نے دل میں کہا۔ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ پھر کہا اے اللہ کے رسول، میں اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اس آدمی کو قتل نہ کروں گا جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد!

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا، آپ کے بعد!

سریہ غالب بن عبداللہ کلبی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ کلبی کو کدید میں بنی ملوح کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان سے جنگ کرو ، ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے یعقوب بن عتبہ نے انھیں مسلم بن عبداللہ جہنی سے انھیں جندب بن مکیث جہنی سے روایت ملی کہ میں اس سریہ میں شریک تھا ۔ ہم چلے جب ہم قدید پہنچے تو حرث بن مالک بن برضا لیثی سے ملے ہم نے اسے گرفتار کرلیا ۔ وہ کہنے لگا ، میں تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں ۔

غالبؓ بن عبداللہ نے فرمایا ۔ اگر تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے تو ایک دن رات کی گرفتاری تیرے لیے کچھ مضر نہیں ۔ اور اگر تو دوسری بات کے لیے آیا ہے تو بھی ہمیں وثوق ہو جائے گا چنانچہ انھوں نے اسے باندھ دیا اور ایک چھوٹے سے سیاہ فام آدمی کو اس پر مقرر کر دیا اور فرمایا اس کے پاس ٹھہرے رہو ۔ ہم تمہارے پاس سے گزریں گے اگر یہ تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تو اس کا سر اڑا دینا پھر ہم چلے اور وادی کدید میں پہنچے ۔ ہم وہاں عصر کے بعد شام کے قریب اترے ۔ میرے ساتھیوں نے مجھے ایک ٹیلے کی طرف بھیجا جس سے کہ وہ بستی نظر آتی تھی میں اس پر چڑھ گیا اور یہ غروبِ آفتاب سے قبل کا واقعہ ہے (اس بستی والوں) میں سے ایک آدمی نکلا ۔ اس نے غور کیا اور مجھے ٹیلے پر لیٹے دیکھا ، اپنی بیوی سے کہنے لگا ، میں اس ٹیلے پر کچھ سیاہی سی دیکھ رہا ہوں جو میں نے ابتدائے دن میں نہ دیکھی تھی ۔ ذرا دیکھنا کوئی کتا برتنوں پر سے نہ گزرا ہو ۔ اس نے دیکھا اور کہنے لگی اللہ کی قسم میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی جو کھوئی گئی ہو ، کہنے لگا ، ذرا مجھے کمان اور تھیلے سے دو تیر دینا ، اس نے اسے تیر دیئے اور اس کے بعد اس نے تیر مارا جو میرے پہلو میں لگا ۔ میں نے اسے نکال دیا اور حرکت تک نہ کی ۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا جو میرے کندھے میں لگا ۔ میں نے اسے بھی نکال دیا اور حرکت بالکل نہ کی ۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا ، بخدا میرے تیر بے کار گئے ، اگر کوئی (جاندار) ہوتا تو ضرور حرکت کرتا ۔ صبح کو میرے تیر تلاش کرنا اور دونوں کو لے آنا کہیں انھیں کلاب نہ چبا جائیں ۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر ہم ٹھہرے رہے، حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ انھوں نے دودھ دوہا، اور خاموشی چھا گئی اور شب کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر ہم نے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور بعضوں کو قتل کیا اور چوپائے ہنکائے اور واپس چل پڑے۔ ان کی چیخ پکار قوم تک پہنچی اور ہم تیزی کے ساتھ نکل آئے۔ آخر ہم حرث بن مالک اور اس کے ساتھی کے پاس سے گزرے۔ انھیں بھی ساتھ لیا اور لوگوں کی آوازیں ہم تک پہنچنے لگیں۔ اور وہ ہم تک پہنچ ہی رہے تھے اور ان کے درمیان صرف وادی کا میدان ہی رہ گیا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں سے چاہا پانی کا سیلاب بھیج دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وادی میں اس سے قبل بارش ہوتی دیکھی ہی نہ تھی۔ اور اب اس قدر سیلاب آیا کہ لوگ اسے عبور نہ کر سکے۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ ہماری جانب دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی آگے بڑھ نہ سکتا تھا۔ اور ہم ڈھلوان پر اتر رہے تھے۔ چنانچہ ہم تیزی سے چلے اور جو کچھ ہمارے قبضہ میں تھا انھیں اس کے حاصل کرنے سے عاجز کر دیا۔

کہتے ہیں کہ یہی وہ سریہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

بشیر بن سعدؓ کی مہم

اس کے بعد حسیل بن نویرہ حاضر ہوئے۔ یہ خیبر کے علاقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کیا خبر ہے؟

انھوں نے کہا کہ یمن، غطفان اور حیان میں میں نے دیکھا کہ ایک لشکر جمع ہے۔

آپ نے ان کی طرف عیینہ کو بھیجا تھا کہ یا تو تم چلے آؤ، یا ہم تمہاری طرف آئینگے انھوں نے جواب بھیجا کہ تم ہماری طرف چلے آؤ اور وہ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے مشورہ فرمایا۔ انھوںؓ نے عرض کیا کہ بشیرؓ بن سعد کو ارسال فرمایئے آپ نے انھیں تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ رات کو چلو اور دن کو چھپ جاؤ۔ حسیل بھی ان کے ہمراہ رہنمائی کے لیے نکلے۔ یہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ یہاں تک کہ خیبر کے زیریں علاقہ میں پہنچ گئے

اور دشمن کے قریب ہو گئے اور ان کے چوپاؤں پر حملہ بول دیا۔ جب انھیں خبر ہوئی تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بشیر اپنے اصحاب سمیت بستی میں گئے اور دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ چوپائے لے کر واپس آ گئے۔ بعد میں عینیہ نے ان کا ایک مخبر قتل کر دیا، اور دو آدمی گرفتار کر کے مدینہ لے آئے جو مسلمان ہو گئے۔

سریۂ ابی حدرد اسلمی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حدرد اسلمی کو ایک سریہ میں بھیجا۔ اس کا واقعہ ابن اسحٰق نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ جثیم بن معاویہ کا ایک آدمی جس کا نام قیس بن رفاعہ یا رفاعہ بن قیس تھا، ایک بھاری جمعیت لے کر آیا اور میدان میں اترا تاکہ قبیلہ قیس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کے لیے جمع کرے۔ یہ آدمی جشم میں نامور اور معروف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور دو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس آدمی کی طرف جاؤ اور اس کی خبر لاؤ۔ آپ نے ہمیں ایک نحیف بڑی عمر کی اونٹنی عطا کی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو خدا کی قسم وہ ضعف کے باعث کھڑی نہ ہو سکی یہاں تک کہ لوگوں نے ہاتھوں کے ساتھ پیچھے سے اسے سہارا دیا تب وہ چلی۔

آپ نے فرمایا کہ تم اس سواری پر پہنچ جاؤ گے۔ ہم نکلے، ہمارے ساتھ ہمارے تیر اور تلواریں بھی تھیں۔ غروب آفتاب کے وقت ہم بستی کے قریب پہنچے۔ میں ایک سمت میں چھپ گیا اور ساتھی سے چھپنے کو کہا۔ وہ بھی بستی کے دوسری جانب چھپ گیا۔ میں نے کہا کہ جب تم میری تکبیر سنو۔ تو تم بھی تکبیر کہو۔ خدا کی قسم ہم اس حالت میں تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ ذرا صبح ہو جائے یا کچھ نظر آنے لگے۔ رات کا کافی حصہ گذر چکا تھا۔ شہر والوں کے کسی چرواہے نے شب کو آنے میں دیر کر دی تھی۔ یہاں تک کہ انھیں خطرہ لاحق ہوا۔ اس پر ان کا سردار رفاعہ بن قیس کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار لے کر گلے میں لٹکائی اور کہنے لگا بخدا میں اس چرواہے کے نشانات پہ جاؤنگا۔ خدا کی قسم اسے ضرور گزند پہنچا ہے۔ اس کے چند ساتھی کہنے لگے خدا کے لیے ہمارے بغیر مت جاؤ۔ وہ کہنے لگا، نہیں صرف میں ہی جاؤں گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم بھی تیرے ساتھ

چلیں گے۔ اس نے کہا، بخدا تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہ آئے۔

پھر وہ نکلا، یہاں تک میرے پاس سے گزرا۔ جب میری زد میں آیا تو میں نے اسے تیر مارا وہ اس کے دل پر لگا، واللہ اس نے بات تک نہ کی۔ میں اچھلا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ پھر میں نے تکبیر کہی، میرے دو ساتھیوں نے بھی خوب زور سے نعرۂ تکبیر لگایا۔ دشمن اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اپنی عورتوں، بچوں اور ہلکے پھلکے سامان کو لے کر فرار ہو گیا اور ہم نے اونٹوں اور بکریوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ہنکایا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور اس کا سر بھی میں اپنے ہمراہ اٹھا کر لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان میں سے تیرہ اونٹ مرحمت فرمائے جس سے میں نے اپنے خاندان کو بسایا (اس سے قبل) میں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی اور دو سو درہم اس کا حق مہر رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا میرے پاس (اس وقت کچھ نہیں کہ تیری مدد کر سکوں" میں چند دن ٹھہرا رہا، اس کے بعد اس سریہ کا واقعہ پیش آیا، اور میں مالا مال ہو گیا۔

سریہ ابوقتادہ و محلم بن جثامہ

نیز آپ نے اضم کی طرف ایک سریہ بھیجا۔ اس میں مسلمانوں کے گروہ میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور محلم بن جثامہ بھی شامل تھے اور عامر بن اضبط دودھ کا ایک مشکیزہ لے کر اونٹنی پر سوار اس کے پاس سے گزرا اور انہیں اسلام کے طریق پر سلام کہا، انھوں نے جواب دیا۔ محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، کیونکہ ان دونوں میں پہلے سے کچھ عداوت سی تھی۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی جس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

يا ايها الذين آمنوا اذا ضربتم في سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مومنا تبتغون عرض الحياة الدنيا فعند الله مغانم كثيرة كذلك كنتم من قبل فمن الله عليكم فتبينوا ان الله كان بما تعملون خبيرا۔

یعنی "اے ایمان والو، جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر وا ور مت کہو جو شخص تمہاری طرف سلام علیک کرے ، کہ تو مسلمان نہیں ، چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں ۔ تم ایسے ہی تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرو ، اللہ تمہارے کام سے واقف ہے ۔"

واپسی پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تو نے آمنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہنے کے بعد اسے قتل کر دیا !

خیبر کے سال عیینہ بن بدر حاضر ہوا اور عامر بن اضبط اشجعی کا دم طلب کیا ۔ یہ قیس کا سردار تھا ۔ اقرع بن حابس محلم کی جانب سے تحفظ کر رہا تھا اور یہ خندف کا سردار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کے لوگوں کو فرمایا کیا تم اب ہم سے پچاس اونٹ لے لو گے اور جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو پچاس پھر دے دیں گے !

عیینہ بن بدر نے جواب دیا ، اللہ کی قسم میں اسے ہرگز اس دن تک نہ چھوڑوں گا جب تک اس کی عورتوں کو بھی وہی تکلیف نہ پہنچادوں جو اس نے میری عورتوں کو پہنچائی ہے ۔ اس طرح کافی بحث مباحثہ کے بعد یہ لوگ دیت پر رضا مند ہو گئے ۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا سریہ

صحیحین میں حضرت سعیدؓ بن جبیر سے انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ، فرمایا کہ یہ آیت یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ، حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کے حق میں نازل ہوئی ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک سریہ میں بھیجا نیز صحیحین میں اعمش کی حدیث سے بھی ثابت ہے ۔ انھوں نے سعید بن عبیدہ سے انھوں نے ابو عبدالرحمن سلمی سے ، انھوں نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ میں ایک انصاری آدمی کو امیر بنایا اور حکم دیا کہ اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو ۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے امیر کو کسی بات میں ناراض کر دیا ، امیر نے کہا ، لکڑیاں جمع کرو ۔ انھوں نے لکڑیاں جمع کر دیں ۔ پھر کہنے لگا ، آگ جلاؤ ، انھوں نے آگ جلائی ، پھر کہنے لگا :

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا کہ میرا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

انھوں نے جواب دیا، ہاں کہا تھا۔

اس پر وہ بولا، اس آگ میں کود پڑو۔

راوی کہتے ہیں، پھر انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے کہ ہم آگ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے۔ اتنے میں امیر کا غضب بھی تھم گیا اور آگ بھی بجھ گئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو اس کا تذکرہ ہوا۔

آپ نے فرمایا، اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اطاعت امیر صرف معروف میں ہے۔

امیر کی اطاعت کے حدود و شرائط

یہ امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ اپنے خیال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے داخل ہوتے گویا از روئے تاویل وہ مخطی سمجھے جاتے اس لیے جہنم میں وہ دائمی طور پر کیسے رہ سکتے!

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آگ میں اپنے آپکو ڈالنا معصیت ہے۔ اس لیے خود کشی کرنے کی پاداش میں وہ ہمیشہ اس میں رہتے۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں اور اطاعت امیر سے آگ میں داخل ہونا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہوگی۔ اس طرح یہ اطاعت ہی سزا کا مستوجب ہو جاتی۔ کیونکہ یہ حرکت خود ہی معصیت کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر داخل ہو جاتے تو گویا اللہ اور اُسکے رسول کے نافرمان ہوتے۔ اس آدمی کے متعلق جو خودکشی کرے ایسا حکم ہے تو جو آدمی دوسرے آدمی کو امیر یا بادشاہ کے حکم سے ناجائز ایذا دے اس کے رغبت یا عذاب کی کیا حالت ہوگی! (اور آگ میں کودنا اگر اسطرح ناجائز ہے) تو ایسے بازی گروں کے بارے میں کیا کہا جائیگا۔ جو آگ میں کود جاتے ہیں اور جہلا سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی میراث ہے اور سمجھتے ہیں کہ جسطرح ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی، اسیطرح ان پر بھی بردًا و سلامًا بن جائیگی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حال رحمانی میں آگ کے اندر کودے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ حال شیطانی میں داخل ہوئے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بازی گر ایک خاص قسم کا لباس استعمال کرتے ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اولیاء الرحمٰن میں سے ہیں، حالانکہ وہ اولیاء شیطان میں سے ہیں۔

عمرۂ قضا

نافع فرماتے ہیں کہ ۷ھ ذی قعدہ کے مہینے میں یہ عمرہ کیا گیا، سلیمان تیمی فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آئے۔ انھوں نے سرایا بھیجے، اور مدینہ میں ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ ذی قعدہ کا چاند نکل آیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر حدیبیہ سے اگلے سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے، یہی وہ مہینہ ہے۔ جس میں مشرکین نے آپ کو مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا۔ پھر آپ نے تمام جنگی ہتھیار، تیر، نیزے وغیرہ اتار دیئے اور صرف تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا، اپنے کندھوں کو کھول دو اور طواف میں سعی کرو۔ تاکہ مشرکین قوت وسطوت کا مظاہرہ دیکھ لیں اور آپ حسب امکان ان کے سامنے مظاہرہ قوت کرتے رہے۔ چنانچہ مکہ کے مرد عورتیں اور بچے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھنے لگے۔ یہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار سونتے رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ
کفار کی اولاد کو ان کی راہ سے ہٹا دو	رحمٰن نے اسے قرآن میں نازل فرمایا ہے
فی صحف تتلیٰ عن رسولہ	یا رب انی مومن بقیلہ
ان صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جاتے ہیں	اے پروردگار میں اس کے فرمان پر ایمان لایا
ضربا یزیل الھام عن قیلہ	ویذھل الخلیل عن خلیلہ
ایسی ضرب جو گردن کو جدا کر دے	اور دوست کو دوست سے الگ کر دے

اور مشرکین کے بعض لوگ آپ کو سخت غصے اور غیظ کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

حضرت میمونہ سے آپؐ کا نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک مکہ میں قیام فرمایا، چوتھے روز صبح کو آپ کے پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آئے۔ آپ انصار کی مجلس میں حضرت سعدؓ بن عبادہ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ حویطب چلایا اور کہنے لگا ہم اللہ اور عہد کا واسطہ دیتے ہیں کیا تم ہماری سرزمین سے نہیں رخصت ہو گے؟ حالانکہ تین دن گذر چکے ہیں۔

سعدؓ بن عبادہ نے کہا، بدبخت تو نے جھوٹ بولا۔ زمین نہ تیری ہے اور نہ تیرے آباد اجداد کی ہے۔ اللہ کی قسم ہم نہیں نکلیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویطب یا سہیل کو خطاب کر کے فرمایا، میں نے ایک خاتون سے شادی کی ہے کیا ولیمہ تک نہ ٹھہر جاؤں؟ ہم بھی کھائیں گے اور تم بھی کھاؤ، اس میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں۔

انھوں نے جواب دیا کہ ہم تجھے اللہ اور وعدہ کا واسطہ دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا تو ہمارے یہاں سے نہ جائے گا؟ چونکہ معاہدہ حدیبیہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ مسلمان اگلے سال آئیں گے اور تین روز رہ کر چلے جائیں گے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافعؓ کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ بھی سوار ہو گئے یہاں تک کہ آپ مقام سرف پر اترے اور وہاں ٹھہرے اور ابورافعؓ حضرت میمونہؓ کو لانے کیلئے پیچھے رہ گئے آپ وہاں اقامت پذیر ہوئے تا آنکہ حضرت میمونہؓ اور ان کے ساتھ کے لوگ بھی آ گئے۔ ان جہلا مشرکین اور ان کے بچوں سے انھیں از حد اذیتیں پہنچیں پھر آپ نے سرف میں خیمہ لگوایا۔ آپ نے ملاقات کی۔ اس کے بعد کوچ کیا اور مدینہ پہنچ گئے اور اللہ کی تقدیر دیکھیے کہ حضرت میمونہؓ کی قبر بھی اسی جگہ بنی جہاں کہ سرف کے مقام پر آپ نے خیمہ لگوایا تھا۔

کیا حالت احرام میں نکاح ہو سکتا ہے؟

اور حضرت عباسؓ کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا اور خیمہ لگوایا تو آپ غیر محرم تھے۔ یہ ثابت نہیں ہے اور اسے وہم سمجھا گیا ہے۔

یزید بن اصم حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، جب ہم دونوں سرف میں غیر محرم تھے (مسلم)

اور حضرت ابورافع نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونیکی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا اور مکان یا خیمہ بنوایا تو بھی آپ حلال تھے، اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔ یہ ان سے صحیح روایت میں مروی ہے۔

سعیدؒ بن مسیب فرماتے ہیں کہ عبداللہؓ بن عباس جو سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو حل اور نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے، جس وجہ سے انھیں تو شبہ ہو گیا کہ آپ نے احرام سے قبل نکاح کیا۔ یہ بات محل ہے۔ سوا اس کے انھیں احرام سے قبل اس کا وکیل بتایا گیا ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ شافعیؒ نے بھی اس کے متعلق ایک قول ذکر کیا ہے۔ اب اقوال تین ہیں۔

ایک یہ کہ آپ نے عمرہ سے حلت کے بعد نکاح فرمایا۔ یہ خود حضرت میمونہؓ اور ان دونوں کے درمیان قاصد حضرت ابورافعؓ کا قول ہے۔ نیز حضرت سعید بن مسیب اور جمہور محدثین کا یہی قول ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔ ابن عباسؓ اہل کوفہ اور ایک گروہ کا یہی خیال ہے۔

تیسرا یہ کہ آپ نے ان سے احرام سے قبل نکاح فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بن عفان سے منقول ہے انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ محرم نہ نکاح کرے۔ نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے اب اگر قول اور فعل کو متعارض تسلیم کر لیا جائے تو قول کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ فعل تو برائت اصلیہ کے مطابق ہوتا ہے اور قول اس کا ناقل ہوتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کی بچّی کی تولیت پر جھگڑا

تمام قریبی عزیزوں اور رشتے داروں پر خالہ کو ترجیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنت عم۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حمزہ کی بچی ان کے پیچھے چل پڑی اور آوازیں دینے لگی، چچا! چچا۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے گود میں اٹھالیا اور حضرت فاطمہؓ سے کہا تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

انھوں نے اسے اٹھالیا۔ اس پر حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے نزاع کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اسے اٹھایا تھا اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے مزید برآں اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور فرمایا خالہ ماں کی قائم مقام ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا۔

تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تو شکل اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولا ہے۔

اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ والدین کے بعد حضانت کے زمانہ میں خالہ تمام اقارب پر فوقیت رکھتی ہے اور اگر عورت بچے کے قریبی سے نکاح

کرے تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوتی۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لیے استدلال ہے۔ جنھوں نے چچی پر خالہ پر اور باپ کا قرابت پر ماں کی قرابت کو مقدم سمجھا ہے کیونکہ آپ نے بھی بچی کی خالہ کے حق میں یہی فیصلہ دیا۔ حالانکہ اس وقت اس کی چچی حضرت صفیہ وہاں موجود تھیں۔ امام شافعیؒ۔ مالک۔ ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد سے دوسری روایت بھی منقول ہے جس میں انھوں نے چچی کو خالہ پر مقدم بتایا ہے اور ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس سرہ کا یہی مسلک ہے۔ اس طرح باپ کی جانب سے عورتیں ماں کی جانب کی عورتوں پر مقدم ہوں گی، کیونکہ اصل میں بچے کی ولایت باپ کے لیے ہے اور ماں کو مصلحت طفل اور تربیت و شفقت کی خاطر ترجیح دی گئی اور اس معاملہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں لیکن جب معاملہ محض عورتوں یا محض مردوں پر پڑے تو اس وقت باپ کی قرابت ماں کی نسبت مرجوع ہوگی، جیسے ہر مرد سے باپ اول ہوتا ہے۔ اور یہی قوی قول ہے اور حضرت زیدؓ کا یہ فرمانا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ان کا مطلب اس اخوت سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت حمزہؓ کے درمیان قائم کیا تھا۔ جب آپ نے اخوت قائم فرمائی۔

صحابہ کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارہ

آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان دو بار مواخات قائم کی۔ ایک بار ہجرت سے قبل صرف مہاجرین میں حق و مواسات پر مواخات قائم کی۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر اور عمرؓ کے درمیان۔ حضرت حمزہؓ اور زید بن حارثہ کے درمیان۔ حضرت عثمان اور عبد الرحمٰن بن عوف کے درمیان۔ حضرت زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث اور بلالؓ کے درمیان۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ کے درمیان۔ حضرت سعیدؓ بن زید اور طلحہؓ بن عبید اللہ کے درمیان۔ اور دوسری بار مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت انس بن مالک کے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔

ایک فقہی بحث

اس عمرہ کو عمرہ قضاء کہنے میں اختلاف ہے۔ کیا یہ اس عمرہ کی قضاء تھی جس سے آپ کو روکا گیا تھا، یا یہ عمرہ مقاضاہ تھا؟

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہؓ بن نافع سے انھیں اپنے والد محترم سے انھیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت پہنچی کہ یہ عمرہ قضاء نہ تھا، بلکہ یہ مسلمانوں پر شرط میں آیا تھا کہ وہ اس مہینے میں جس میں مشرکین نے انھیں روکا ہے۔ عمرہ کریں گے اور تین روز قیام کریں گے اس لیے اس کے متعلق فقہاء کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ جسے عمرہ سے روک دیا جائے۔ اس پر ہدی اور قضائے عمرہ لازم ہے۔ امام احمدؒ سے مروی دو روایات میں سے ایک یہ ہے، بلکہ زیادہ اشہر روایت یہی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہدی واجب ہے اور قضاء واجب نہیں۔ یہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے اور امام احمدؒ سے ابوطالب کی ایک روایت کے مطابق ان کا بھی یہی مذہب ہے

تیسرا قضائے عمرہ لازم ہے لیکن ہدی لازم نہیں، یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

چوتھا، نہ اس پر قضائے عمرہ ہے اور نہ ہدی لازم ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ایک قول یہ بھی ہے۔

محصر کی قربانی

ایک اہم تحقیقی مسئلہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تو حالت حصر میں آپ کا نحر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محصر کو حصر کے وقت قربانی کرنا چاہیے۔ اگر عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اس صورت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اگر مفرد یا قارن ہو تو اس میں دو قول ملتے ہیں ایک یہ مسئلہ حسب مذکورہ ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ دو قربانیوں میں سے ایک ہے۔ جب اس سے حل جائز ہوا تو عمرہ کی طرح وقت حصر قربانی بھی جائز ہے کیونکہ عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ اور آئندہ تمام زمانہ اس کے لیے وقت ہے۔ پھر جب اس سے حل جائز ہوا اور اس کے فوت کے خطرہ کے بغیر قربانی کرلی تو حج جس کے فوت کا خطرہ بھی ہے، اس میں قربانی بطور اولیٰ جائز ہے۔

امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا ہے، کہ اسے چاہیے کہ یوم النحر تک نہ حلال ہو اور نہ ہی نحر کرے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ ہدی کے لیے ایک مخصوص زمانہ اور مکان ہے۔ مگر جب وہ مخصوص مکان میں ادا کرنے سے عاجز آگیا، تو اس سے مخصوص زمانہ کا محل ساقط نہ ہوگا جب کہ وہ مخصوص وقت اور زمانہ میں اسے ادا کرسکتا ہے۔

اس قول کی بنا پر اسے یوم النحر سے قبل حلال ہونا جائز نہیں، کیونکہ فرمان یہ ہے:

لا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ یعنی "اور حجامت نہ کرو، سر کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر"

عمرہ میں محصر حلال ہوسکتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نحر اور حل اس بات کی دلیل ہے کہ عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عمرہ کرنے والے کو حلال نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے فوت ہونے کا کچھ خطرہ نہیں۔

امام مالک سے اس قول کی صحت نسبت بعید سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ عمرے کا احرام باندھے تھے۔ پھر سب نے احرام اتار دیا۔ اور اس باب میں اہل علم کے اندر کسی کو شک نہیں۔

محصر کہاں نحر (قربانی) کر سکتا ہے؟

حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبیحہ کے بارے میں سمجھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق حلال ہونے کے بعد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محصر حل یا حرم میں جہاں بھی اسے حصر واقع ہو نحر کر سکتا ہے۔ جمہور علمائے کرام۔ احمدؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ محصر کو صرف حرم کے اندر قربانی کرنے کی اجازت ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ ہدی کو حرم میں بھیجے اور ایک آدمی کو حلال ہونیکے وقت حرم میں جاکر نحر کرنے پر مقرر کرے۔ ابن مسعودؓ۔ تابعین کی ایک جماعت اور ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے یہ قول اگر ان سے صحیح ہے تو اسے مخصوص حصر پر قیاس کیا جائیگا۔ وہ یہ کہ کوئی ظالم کسی جماعت یا فرد کو روک دے۔ رہا حصرِ عام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کے خلاف پائی جاتی ہے۔ مقام حدیبیہ تمام لوگوں کے اتفاق رائے سے حل میں شامل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جگہ کچھ حل میں اور کچھ حرم میں شامل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے اطراف حرم میں ہیں ورنہ یہ جگہ باتفاق حل میں ہے اور اصحاب احمد کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حرم کے کسی حصّہ میں جا سکنے کی قوت رکھتا ہو تو کیا اسے وہیں جاکر نحر لازم ہوگا؟ یا نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ لازم نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف حرم پر قدرت رکھتے ہوئے بھی حل میں نحر کیا۔

غزوۂ موتہ، شہادت کا شوق فراواں

خدا کے راستے میں جان دینے والوں کی جرأت اور بے خوفی

یہ علاقہ ارض شام میں بلقاء کے قریب واقع ہے یہ غزوہ ۸ھ جمادی الاول میں ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولہب کے ایک آدمی حوث بن حمیر ازدی کے ہاتھ شام کی طرف شاہ روم یا حاکم بصریٰ کی طرف ایک نامہ مبارک روانہ فرمایا۔ شرجیل بن عمرو غسانی نے قاصد کو گرفتار کر لیا اور اسے باندھ دیا۔ پھر آگے بڑھ کر اس کی گردن ماردی۔ اس قاصد کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے فوج کا ایک دستہ روانہ فرمایا اور زیدؓ بن حارثہ کو امیر مقرر فرمادیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب کو امیر بنالینا۔ اگر جعفرؓ شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو امیر بنالینا۔ چنانچہ لوگ تیار ہوئے ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب کوچ کا وقت آیا تو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیروں کو الوداع کہا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں؟ کہنے لگے۔ اللہ کی قسم مجھے نہ دنیا کی محبت ہے اور نہ تم سے لگاؤ۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سُنا جس میں نار کا ذکر آتا ہے کہ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا - یعنی اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر۔ ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر۔ اس لیے مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہم داخل ہونے کے بعد کیسے نکلیں گے؟ مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت

رکھے اور تم سے (آگ) دور کرے اور تمہیں ہماری طرح صالح حالت میں لوٹائے۔
عبداللہ بن رواحہ نے جواب میں چند اشعار پڑھے جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ سے بخشش کا طالب ہوں۔ پھر یہ لشکر چل پڑا۔ آخر معان میں اترے تو پتہ چلا کہ ہرقل بلقاء میں ایک لاکھ رومی فوج لے کر ڈیرے ڈالے ہے اور لخم، جذام، بلقین۔ بہرا اور بلی کے تمام لوگوں کو اس نے ساتھ ملا لیا تھا۔
جب مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تو یہ معان میں دو راتیں پڑے رہے اور اس معاملہ پر غور کرتے رہے اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی تعداد کی اطلاع دیتے ہیں۔ تاکہ یہ یا تو مزید فوج ارسال فرمائیں یا کوئی حکم دیں اور ہم اس پر عمل کریں۔

یا فتح یا شہادت

اتنے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت دلائی اور کہا اے لوگو! اللہ کی قسم جس بات سے تم گریزاں ہو اسی کے لیے نکلے ہو، تم شہادت کے طالب بن کر آئے ہو اور ہم تعداد اور کثرت کے بھروسہ پر جنگ نہیں کرتے بلکہ اس دین کی خاطر برسرپیکار ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرف بخشا، اس لیے دو نیکیوں میں سے ایک ضرور حاصل ہوگی، یا فتح یا شہادت۔
چنانچہ لوگ چل پڑے اور جب بلقاء میں پہنچے تو ایک بستی جس کا نام مشارف تھا وہاں انھیں ایک جتھہ ملا۔ اب دشمن بھی قریب تھا۔ مسلمان موتہ کی طرف بڑھے۔ وہیں (دشمن) سے ملاقات ہوئی اور جنگ برپا ہوئی۔

حضرت زید بن حارثہ کی شہادت

(اس جنگ) میں حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ دشمنوں کے نیزوں کی زد میں آ گئے اور شہید ہو گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب کی بے نظیر بہادری

پھر حضرت جعفر نے جھنڈا اٹھالیا اور جنگ کی، جب گھمسان کا رن پڑا تو گھوڑے سے اتر آئے وہ زخمی ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پاپیادہ مقاتلہ کیا آخر وہ بھی شہید ہو گئے اسلام میں حضرت جعفرؓ پہلے آدمی ہیں جن کا گھوڑا جنگ

کے موقع پر زخمی ہوا ان کا دایاں بازو کٹ گیا تو انھوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا اٹھا لیا پھر بایاں بھی کٹ گیا تو انہوں نے سینہ سے لگا لیا یہاں تک کہ شہادت پا گئے۔ ان کے بدن پر تینتیس نشانات تھے۔

اب حضرت عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے یہ گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے سے اترتے وقت کچھ تردّد کرنے لگے، آخر اتر آئے۔ ان کا چچا زاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا لے آیا۔ اور کہنے لگا اسے کھا کر ذرا کمر کو مضبوط کر لو، کیونکہ ان دنوں آپ کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے اسے ہاتھ میں لے لیا اور ایک ٹکڑا دانتوں سے کاٹا، پھر ایک طرف لوگوں کا شور و غل سُنا۔ اور کہا تو دنیا میں مصروف ہے، یہ کہہ کر اسے پھینک دیا، تلوار اٹھائی اور آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے

امارت خالد بن ولید کے ہاتھ میں

ان کے بعد حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا جو بنی عجلان کے بھائی تھے اور کہنے لگے اے مسلمانو! ایک آدمی پر اتفاق کر لو، انہوں نے کہا کہ تم ہی (امیر بن جاؤ) انہوں نے کہا میں امیر نہیں بنوں گا۔ لوگوں نے خالد بن ولید پر اتفاق کر لیا۔ جب خالد نے جھنڈا لیا تو انہوں نے قوم کو پیچھے ہٹا لیا اور لوگوں کو لے کر میدان سے ایک طرف ہو گئے۔

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی شکست ہو گئی اور صحیح بخاری میں ہے کہ اہلِ روم کو شکست ہوئی اور صحیح وہ ہے جو ابنِ اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہر فریق دوسرے سے علیٰحدہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی تمام واقعات کی خبر کر دی۔

موسیٰ رحمہ اللہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ بن سنبہ اہل موتہ کی خبر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو مجھے اطلاع دے اور اگر چاہے تو میں خود بتا دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ بتا دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام واقعات بتا دیے اور

تمام حالات کی خبر دے دی۔

اور کہنے لگے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی، جس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ اور واقعات اس طرح ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے زمین پیش کر دی گئی، یہاں تک کہ میں نے ان کا معرکہ ہوتے دیکھا اور اس دن جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ، عبداللہؓ بن رواحہ، مسعودؓ بن اوس، وہبؓ بن سعد بن ابی سرح، عباد بن قیس، حارثہؓ بن نعمان، سراقہ بن عمرو بن عطیہ عمرو بن زید کے دونوں بیٹوں ابو کلیبؓ جابرؓ اور سعد بن حرث کے دونوں بیٹوں عامرؓ اور عمرو وغیرہ نے شہادت پائی۔

عبداللہ بن رواحہؓ کے ابیات

ترمذیؒ وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ آپ کے سامنے ابیات پڑھ رہے تھے۔ خلوا بنی الکفار عن سبیلہ۔

لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ابن رواحہؓ تو اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے اور یہ غزوہ فتح مکہ سے چار ماہ قبل پیش آیا تھا۔

غزوۂ ذات السلاسل

یہ وادی قریٰ کے آگے ہے "سین" مضموم اور مفتوح دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت کا فاصلہ ہے یہ غزدہ جمادی اُخرہ ۸ھ میں ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قضاعۃ کی ایک جماعت اکٹھی ہو کر اطراف مدینہ کی طرف بڑھنا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو بلایا اور انہیں ایک سفید جھنڈا دیا، ایک اور جھنڈا ساتھ کر دیا اور انہیں مہاجرین وانصار کے تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا ان کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے اور حکم دیا کہ بلی عذرہ اور بلقین کے جو لوگ بھی گذریں ان کا تعاون بھی حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے رافع بن مکیث جہنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزید کمک کے لیے درخواست بھیجی۔ آپ نے ابوعبیدہؓ بن جراح کو دو سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا اور انہیں بھی ایک جھنڈا عنایت کیا اور بڑے بڑے مہاجرین وانصار روانہ کیے، جن میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے اور انہیں حکم دیا کہ عمروؓ سے جا ملیں اور اتحاد قائم رکھیں، اختلاف نہ کریں۔

بے نفسی اور بے لوثی

جب یہ دستہ پہنچا تو ابوعبیدہؓ بن جراح نے امامت کرنا چاہی عمروؓ نے کہا کہ آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ امیر تو میں ہوں۔

ابوعبیدہؓ نے اس کی اطاعت کر لی۔ چنانچہ عمروؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور برابر بڑھتے رہے، یہاں تک کہ قضاعہ کے علاقے کو روندتے ہوئے آخری حصہ میں پہنچ

گئے۔ یہاں ایک اور لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی، مسلمانوں نے اس پر بھی حملہ کر دیا۔ دشمن شہروں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور منتشر ہو گیا۔

پھر عوف بن مالک اشجعی کو صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نامہ بر بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے آپ کو خبر دی کہ مسلمان فتح و ظفر کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں اور جنگ کے تمام حالات عرض کیے، ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ جذام کے علاقہ میں چشموں پر اترنے کے باعث جسے سلسال کہا جاتا ہے اس غزوے کو ذات السلاسل کا نام دیا گیا۔

عمرو بن عاص کا اجتہاد

اس غزوے میں امیر لشکر حضرت عمرو بن عاص کو بدخوابی ہوئی۔ یہ سخت جاڑے کی رات تھی پانی سے انہیں جان کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے انہوں نے تیمّم کر لیا اور اپنے اصحاب کو نماز پڑھا دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اے عمرو رضؓ تو نے اپنے اصحاب کو حالت جنابت میں ہی نماز پڑھا دی! انہوں نے غسل کی رکاوٹ کا تذکرہ کیا اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما یعنی: اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔

اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جن کا قول یہ ہے کہ تیمّم رافع حدیث نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تیمّم کے بعد بھی جنب کا ہی نام دیا اور جنہوں نے ان سے نزاع کیا ہے انہوں نے تین جواب دیے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جب صحابہؓ نے شکایت کی تو عرض کیا کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھا دی جبکہ یہ جنبی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا اور فرمایا: کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، حالانکہ تم جنبی تھے! آپ نے یہ سوالیہ طور پر کلام فرمایا، جب انہوں نے عذر پیش کیا اور بتایا کہ میں نے اس ضرورت کے باعث تیمم کر لیا تھا تو آپ نے اسے قبول کر لیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ روایت میں اختلاف ہے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے غسل کیا اور

نماز کے لیے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھائی اور یہ روایت تیمم کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ عبدالحق نے بتایا ہے کہ یہ (وضو کی) روایت پہلی سے زیادہ متصل ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ کے ترک غسل میں فقاہت معلوم کرنے کی غرض سے دریافت فرمایا اور جب انہوں نے جواب دیا کہ میں نے فلاں ضرورت کے باعث تیمّم کیا تھا تو آپ نے انکار نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمروؓ نے سردی سے ہلاکت کے باعث تیمّم کرنے اور تیمّم سے نماز پڑھانے کا جو فعل کیا وہ جائز تھا۔ لہٰذا اس کے عامل پر اعتراض نہ کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ آپؐ نے ان کی فقاہت اور علم کی خاطر استفسار فرمایا تھا۔

سریۂ خبط

اس سریہ کے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ یہ ۸ھ رجب میں پیش آیا۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ ہمارے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ ہم قریش کے ایک قافلے کا پیچھا کر رہے تھے کہ ہمیں سخت بھوک لگی۔ ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کئے۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے منع کر دیا۔ اس کے بعد سمندر نے ہماری طرف ایک جاندار پھینکا۔ جسے عنبر کہتے ہیں۔ ہم نے نصف ماہ تک اس کا گوشت کھایا اور اس کا تیل استعمال کیا۔ حتیٰ کہ ہمارے بدن اس سے مضبوط اور قوی ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی پکڑ لی۔ اور لشکر کے سب سے طویل آدمی اور طویل اونٹ کو دیکھا اور اس پر لاد دی اور اس کے نیچے سے گزرے۔ ہم نے اس کے گوشت کا ایک حصہ زادِ سفر کے لئے بھی لے لیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔

آپؐ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق کی صورت پیدا کی۔ کیا تم تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے جو تم ہمیں بھی کھلا دو؟ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا، آپؐ نے اُسے تناول فرمایا۔

اس واقعہ سے متعلق احکاماتِ فقہ اس سے شہر حرام میں جواز قتال کا پتہ چلتا ہے اگر اس کی تاریخ محفوظ طور پر رجب میں ہوا اور ظاہر طور پر یہ وہم ہے۔ ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ نہیں ہے کہ یہ غزوہ شہر حرام میں ہوا ہو اور نہ آپ نے اِس ماہ میں اچانک حملہ کیا اور اس میں کوئی سریہ بھیجا البتہ مشرکین نے علاء بن

حضرمی کے واقعہ کے متعلق اوائل رجب میں قتال پر مسلمانوں کو عار دلائی اور کہا کہ محمدؐ نے شہر حرام کو حلال کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

یسألونك عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر — (الآیۃ) اور یہ حکم کسی نص سے منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہی امت کا اس کے نسخ پر اجماع ہے اور شہر حرام میں حرمت قتال پر اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے ۔

فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم یعنی؛ پس جب گزر جائیں حرمت کے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ یہاں اشہر حرم دراصل اشہر سفر ہیں، جن میں مشرکین مامون ہو کر زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور ان کی ابتداء دسویں ذی الحجہ سے اور انتہاء دسویں ربیع الثانی پر ہوتی ہے ۔

نیز اس غزوہ سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ تکلیف کے وقت درخت کے پتے کھانے جائز ہیں، نیز زمین کی جڑی بوٹیوں کا معاملہ بھی اس طرح ہے ۔

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اور امیر لشکر کو اجازت ہے کہ سواریوں کے جانور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی ۔ اگرچہ کھانے کی ضرورت ہو۔ اس خطرہ کے پیش نظر کہ دشمن کے مقابلہ پر ان کی ضرورت ہوگی اور اس پر ممانعت میں امیر کی اطاعت لشکر پر واجب ہے ۔

نیز اس میں سمندر کے مردار کے کھانے کا جواز بھی نکلتا ہے اور یہ مردار حرمت علیکم المیتة والدم کی آیت کے تحت نہیں آتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے ۔ احل لکم صید البحر وطعامه متاعاً لکم یعنی؛ حلال کیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے نفع کے لیے ۔

اور صحیح روایت میں حضرت ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن عباس اور صحابہ کی ایک جماعت رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ صید البحر سے مراد جو اس سے شکار کیا جائے اور طعامه سے مراد جو جانور اس میں مر جائے ۔

اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع اور موقوف روایت ہے کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال ہیں۔ مردوں میں مچھلی اور مکڑی اور خون میں جگر اور تلی شامل ہیں ۔

(حدیث حسن)

اجتہاد حیات نبوی میں

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی اجتہاد کو نہ صرف جائز رکھا گیا بلکہ اس پر عمل درآمد ہوا لیکن یہ معاملہ اس وقت ہوگا، جب نص موجود نہ ہو اور حقیقتاً اجتہاد کی ضرورت درپیش ہو اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کسی مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور آپ نے اُسے تسلیم کر لیا۔ لیکن یہ معاملہ جزوی احکام میں تھا۔ کلی اور عام امور میں ایسا طریقہ نہ تھا۔ کیونکہ موثر صورت میں اجتہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بھی صحابی کی جانب سے سرزد نہیں ہوا۔



فتح مکہ، تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ

رحمت عالمؐ کی شفقت و رحمت مجرموں اور خطاکاروں پر

ابوسفیان کا جھکا ہوا سر

جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، لشکر اور حرم امین کو عزت بخشی اور جس کے ذریعہ اپنا شہر اور اپنا گھر کفار و مشرکین سے آزاد کرایا۔ جسے عالمین کے لیے ہدایت بنایا گیا تھا۔

یہی وہ فتح اعظم تھی جس سے آسمان والے خوش ہوئے اور برج جوزا، پر خیمے گاڑ دیے، اور لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ اس سے رخِ زمین چمکا اور روشن ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے لشکر اور رحمٰن کی جماعتیں لے کر دس رمضان ۸ھ کو مدینہ سے نکلے اور ابورہم کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ابن سعد فرماتے ہیں عبداللہ بن ام کلثوم کو عامل فرمایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح حدیبیہ ہوئی تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ (قبائل عرب) میں سے جس کا جی چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش سے معاہدے کر لیا اور بنو خزاعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو گئے۔ (بنو بکر اور بنو خزاعہ کی قدیم زمانے سے آپس میں عداوت چلی آ رہی تھی) اس لیے بنو بکر نے بنو خزاعہ سے انتقام لینے کا موقع دیکھا اور ارادہ کیا کہ بنو خزاعہ سے قدیم عداوت کا بدلہ لیا جائے۔

قریش کی شرارت

چنانچہ نوفل بن معاویہ دیلی بنو بکر کی ایک جماعت لے کر نکلا اور بنو خزاعہ کے قریب رات کو ٹھہرا وہ مطمئن تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کر کے ان کے چند

آدمی مار دیے۔ پھر ان کی آپس میں لڑائی ہوئی اور قتل و غارت برپا ہوا اور قریش نے ہتھیاروں کے ساتھ بنو بکر کی مدد کی اور قریش میں سے بعض لوگوں نے چھپ کر رات کو ان سے مل کر مقابلہ بھی کیا۔ چنانچہ بنو خزاعہ کا ایک آدمی عمرو بن عاص خزاعی نکل کر مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ صحابہؓ کے ہمراہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے، جن میں بنو بکر کے حملے اور غارت گری کا قصہ بیان کیا۔ بنو خزاعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدے کا ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور امداد کی درخواست کی۔

رسول اللہ کا پاس عہد

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو بن سالم تمہیں مدد دی جائے گی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بادل کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ بادل بنی کعب کی مدد کے لیے آئے گا پھر بدیل بن ورقاء بنو خزاعہ کی ایک جماعت لے کر آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ قریش نے بھی بنو بکر کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

بیٹی نے باپ کو بستر رسول اللہ پر نہیں بیٹھنے دیا

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا ابوسفیان تمہارے پاس آیا ہے تاکہ دوبارہ عہد کیا جا سکے اور مدتِ معاہدہ میں اضافہ ہو جائے۔ جب بدیل بن ورقاء اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ رہا تھا تو انہیں عسفان بن ابوسفیان ملا، جسے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تجدید معاہدہ کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر میں ٹھہرا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان کہنے لگا: اے بیٹی کیا تو نے اس بستر کے باعث میری طرف سے اعراض کر لیا؟ یا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے کے باعث میری طرف سے منہ پھیر لیا؟

ام حبیبہؓ نے جواب دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔

وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میرے بعد تجھے خرابی ہو گئی۔

ابوسفیان کی التجا پر آپؐ کی خاموشی

پھر نکلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور آپؐ سے گفتگو کی، لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابوبکرؓ

کے پاس گیا، انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرو۔ وہ کہنے لگا، میں یہ کرنے والا نہیں ہوں۔

پھر حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا۔ ان سے بھی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمہاری سفارش نہیں کر سکتا ہوں اور اگر میں ایک قعدہ بھی پاتا تو اس کے لیے کوشش کرتا۔

حضرت علیؓ کا جواب ابوسفیان کو

پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس آیا ان کے پاس فاطمہؓ بھی تھیں اور حسنؓ ابھی چھوٹے تھے۔ جو ان کے پاس پیٹ کے بل چل رہے تھے۔ وہ کہنے لگا اے علیؓ کل تم ہمارے عزیز قریب تھے میں ایک ضرورت کے باعث آیا ہوں مجھے نامراد واپس نہ کرو۔ محمدؐ سے میری سفارش کر دو۔

انہوں نے جواب دیا اے سفیان تیرا برا ہو، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کا عزم فرمالیا ہے کہ جس سے متعلق ہم ان سے کلام نہیں کر سکتے۔

حضرت فاطمہؓ کا جواب ابوسفیان کو

پھر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا تو اپنے اس بیٹے (حسن) کو حکم دے گی کہ یہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دے؟ یہ آخر زمانہ تک عرب کا سردار رہے گا۔ انہوں نے جواب دیا میرا بیٹا ابھی اس عمر تک نہیں پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ابوسفیان کہنے لگا: اے ابوالحسنؓ میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ سخت تر ہو چکا ہے مجھے نصیحت کرو۔

انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا کہ جو تجھے فائدہ دے سکے۔ البتہ تو ہی کنانہ کا سردار ہے اس لیے اٹھ کر لوگوں میں خود (اعلانِ تجدید عہد) کر دے اور اپنے شہر میں واپس چلا جا۔

اس نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے لئے فائدہ ہو گا؟

انہوں نے کہا نہیں، اللہ کی قسم لیکن مجھے اس کے سوا کچھ چارہ کار نظر نہیں آتا۔

ابوسفیان اُٹھ کر مسجد میں آیا اور کہنے لگا: اے لوگو! میں نے تجدید معاہدہ صلح کر لی اور پھر اونٹ پر سوار ہو کر چلا گیا۔

جب قریش کے پاس پہنچا تو کہنے لگے کیا خبر لائے ہو؟

اس نے کہا میں محمدؐ کے پاس گیا، ان سے گفتگو کی۔ اللہ کی قسم انہوں نے جواب نہ دیا پھر میں ابن

ابی محافہ کے پاس گیا، وہاں بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر میں عمرؓ بن خطاب کے پاس گیا میں نے اسے سخت ترین دشمن محسوس کیا، پھر میں علیؓ کے پاس گیا میں نے انہیں قوم میں سب سے زیادہ نرم دیکھا۔ انہوں نے مجھے ایک بات کا مشورہ دیا وہ کر گزرا۔ اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے سکے گا یا نہیں

قریش نے پوچھا کیا محمدؐ نے بھی توثیق کی؟

وہ بولا نہیں!

کہنے لگے تیری خرابی ہو، اللہ کی قسم تیرے ساتھ تو صرف مذاق ہی ہوا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے یہی محسوس کیا ہے۔

فتح مکہ کی تیاری

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت ابوبکر اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر درست کر رہی تھیں۔

انہوں نے پوچھا، اے بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا ہاں!

انہوں نے پوچھا تمہارے خیال میں آپؐ کا کس طرف ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ آپؐ مکہ کی طرف جا رہے ہیں اس لیے انہیں تیزی سے تیاری کرنے کا حکم دیا اور دعا کی۔

اے اللہ قریش سے تب تک خبروں اور مخبروں کو روکے رکھنا جب تک کہ ہم اُن کے علاقے میں نہ پہنچ جائیں۔

ایک مسلمان کی مخبری مسلمانوں کے خلاف

لوگوں نے تیاری کی تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک مکتوب لکھا، جس میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دے دی اور ایک عورت کو خط دے دیا اور اسے قریش تک پہنچانے کا کچھ معاوضہ بھی مقرر کر لیا۔ اس عورت نے یہ خط اپنے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپا لیا اور چل پڑی۔

اس پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے حاطبؓ کے اس فعل کی خبر دے دی گئی۔ آپؐ

نے علیؓ، زبیرؓ یا علیؓ اور مقدادؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تم لوگ خاخ کے باغ تک پہنچو تو وہاں ایک عورت ملے گی جس کے پاس قریش کی طرف لکھا خط ہوگا۔

چنانچہ یہ دونوں صحابیؓ گھوڑے دوڑاتے چل پڑے اور اسی جگہ عورت کو پایا۔ انہوں نے اسے اترنے کا حکم دیا اور کہا کہ تیرے پاس خط ہے وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے علاوہ سامان کی تلاشی لی اس میں کچھ بھی نہ تھا۔

قول رسول، حضرت علی کا اعتماد

حضرت علیؓ نے کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط کہا نہ میں نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم یا تو تجھے خط نکالنا ہوگا اور یا پھر ہم تیرا جھاڑا لے کر رہیں گے۔ جب عورت نے یہ شدت دیکھی تو کہنے لگی تم دوسری طرف منہ کر لو۔ انہوں نے چہرہ گھما لیا۔ اس نے سر کی بینڈیاں کھولیں خط نکالا اور انہیں دے دیا۔

یہ خط لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے قریش کے نام تھا۔ اس میں قریش کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی۔

نبی صلی اللہ نے حاطب کو بلایا اور فرمایا۔

اے حاطب یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ مجھ پر جلدی نہ کیجئے۔ خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں، نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ میں نے دین بدلہ ہے۔ بلکہ میں قریش میں رہ رہا تھا۔ مگر میں خود ان میں سے نہیں ہوں ان کے ہاں میرے بال بچے ہیں۔ قبیلہ اور رشتہ کا ہے اور قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ ان کی حفاظت کریں اور جو صحابہؓ آپؐ کے ساتھ ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں۔ جس سے وہ ان کی اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان پر احسان کر دوں تاکہ میرے اقارب کی حفاظت کریں۔

حضرت عمر اور ابو سفیان

حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے۔ میں اس کی گردن مار دوں۔ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے

خیانت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے بدر میں حصہ لیا تھا اور اے عمر تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا، اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

اس پر حضرت عمر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ آپؐ روزے سے تھے اور لوگ بھی روزے سے تھے جب یہ لوگ کدید پہنچے، اس شہر کو آج کل لوگ قدید کہتے ہیں تو آپؐ کے ساتھ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ پھر سفر شروع ہوا۔ آخرکار مرالظہران پہنچے۔ یہ وادی مرکا درمیانی حصہ ہے۔

دس ہزار کا لشکر مکہ کی طرف آپؐ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو اہلِ اسلام کی آمد سے بے خبر رکھا۔ اس لیے وہ دہشت زدہ انتظار (خوف) میں مبتلا تھے۔ ابوسفیان تجسس کے لیے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور تاء بن ہدیل بھی تھا۔ یہ لوگ خبریں حاصل کرنے کے لیے نکلے تھے۔

حضرت عباسؓ ان سے قبل ہی اپنے اہل و عیال لے کر اسلام قبول کر کے ہجرت کی غرض سے نکل چکے تھے۔ چنانچہ یہ مقام جحفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ راستہ میں ان کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حرث اور عبداللہ بن ابی امیہ ابراء کے مقام پر ملے۔ یہ دونوں ان کے چچا اور پھوپھی زاد بھائی تھے آپؐ نے ان دونوں سے ہجو اور ایذا دہی کے باعث اعراض فرمالیا۔

حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سامنے سے حاضر ہو، اور وہی کلمات عرض کر جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے عرض کئے تھے۔ بولے قسم اللہ۔ البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے۔ قالوا تاللہ لقد اثرک علینا وان کنا لخاطئین۔ کیونکہ آپؐ احسن قول کے سوا راضی نہ ہوں گے۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین یعنی کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔

ابوسفیانؓ کی ندامت کہا جاتا ہے۔ کہ ابوسفیانؓ نے اسلام لانے کے بعد حیاء کے باعث کبھی

بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا خیال کرتے تھے۔ اور اُس کے جنتی ہونے کی بھی گواہی دی۔ اور فرمایا: مجھے امید ہے، کہ یہ حمزہؓ کے خلف ہونگے۔ اور جب ابوسفیانؓ کی وفات قریب ہوئی۔ تو انہوں نے کہا: مجھ پر مت روؤ۔ اللہ کی قسم اسلام لانے کے بعد میں نے ایک بھی گناہ نہیں کیا۔

اصل واقعہ یعنی فتح مکہ، کی طرف عود

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں اُترے۔ تو عشاءؔ کا وقت تھا۔ آپؐ نے لشکر میں آگ جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دس ہزار جگہ آگ روشن ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے پر حضرت عمرؓ بن خطاب کا پہرہ تھا۔ حضرت عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہوئے اور کسی کی تلاش میں نکلے تاکہ قریش کو اطلاع دی جائے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول مکہ سے قبل ہی امان کی درخواست پیش کریں۔

راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں جارہا تھا، کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنی ابوسفیان کہہ رہا تھا: میں نے آج کی رات سے زیادہ کبھی بھی نہ آگ دیکھی اور نہ لشکر۔

بدیل نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم یہ بنو خزاعہ کا لشکر ہے۔ جو جنگ کے ارادہ (سے آئے ہیں)

ابوسفیان بول اُٹھا: بنو خزاعہ تو بہت ہی کم تعداد میں ہیں اس قدر آگ اور لشکر ان کا نہیں ہو سکتا)

راوی کہتے ہیں: کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ اور کہا: اے ابو حنظلہ! اُس نے میری آواز بھی پہچان لی اور جواب میں پوچھا، کیا تو ابوالفضل ہے؟

میں نے کہا ہاں! اُس نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ کیا معاملہ ہے؟

میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ ہیں اور قریش کی بربادی آگئی۔

ابوسفیان پناہ اور اماں کا طالب

اُس نے پوچھا، اب کیا ہونا چاہیئے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان میں نے کہا: اگر تجھے انہوں نے پکڑ لیا تو یقیناً تیری گردن مار دیں گے۔ اس لئے تو میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں۔ اور امان دلا دیتا ہوں۔ وہ میرے پیچھے سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے جب ہم مسلمانوں کی آگ کے پاس سے گذرتے تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپؐ کی خچر پر سوار ہیں۔ یہانتک کہ ہم عمرؓ بن خطاب کی

آگ کے پاس سے گذرے۔ انہوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اور میری طرف بڑھے۔ جب ابو سفیان کو خچر پر پیچھے بیٹھے دیکھا۔ تو کہا، ابو سفیان! اللہ کا دشمن اللہ کی ہزاروں تعریفیں کہ جس نے کسی عہد اور وعدہ کے بغیر تجھ پر قابو دیا، پھر تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خچر تیز ہو کر ان سے آگے بڑھ گیا۔ عباس خچر سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ بعد میں عمرؓ بھی آ گئے۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ابو سفیان ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

(حضرت عباسؓ) فرماتے ہیں کہ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ میں نے اسے پناہ دی ہے۔

عباسؓ کی سفارش آنحضرت کا ارشاد

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباسؓ اسے لے جاؤ، صبح کو پیش کرنا۔

میں اسے لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

اے ابو سفیان ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تجھے یقین ہو گئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس نے جواب دیا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپ کس قدر حلیم۔ کریم اور وصل کرنے والے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا۔ تو ضرور مجھے کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا۔

رسالت مآب نے دوبارہ یہی فرمایا: اس نے یہی جواب دیا اور کہا: یہ بات یعنی (لا الہ الا اللہ) اب تک میرے دل میں نہیں اتری۔

قبول اسلام کی دعوت

حضرت عباسؓ نے فرمایا، تیرا ناس ہو اسلام لے اور قبل اس کے کہ تیری گردن اڑے کلمہ پڑھ لے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور شہادت دے دی

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود کارساز نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ابو سفیانؓ فخر کو پسند کرتا۔ اس لیے کوئی اعزاز عطا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے امان ہے۔ اور جو خود اپنے دروازے بند کرے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابو سفیانؓ کو روک لو۔ اور پہاڑ پر لے جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ کا لشکر گذرے

اور یہ اسے دیکھ رہا ہو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ مختلف قبائل جھنڈے لے کر گزرے اور حضرت عباسؓ اسے بتاتے رہے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے لشکر میں گزرے یہ لشکر لوہے میں ڈوبا تھا۔ اور آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

لشکرِ اسلام سے ابوسفیان کی مرعوبیت

ابوسفیانؓ نے کہا سبحان اللہ اے عباس یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مہاجرین و انصار آپؐ کے ہمراہ ہیں۔

اس نے جواب دیا۔ ایسے لوگ اس سے قبل نہ تھے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں سے مقابلہ کی قوت کوئی رکھتا ہے۔

اس کے بعد ابوسفیانؓ واپس گیا، جب قریش کے پاس پہنچا۔ تو زور سے آواز دی۔ اے قریش کے گروہ یہ محمدؐ ایسا بڑا لشکر لے کر آگئے کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اس لئے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

ان کی بیوی ہندہ بن عتبہ اٹھی اس نے ان کی مونچھ پکڑ لی۔ اور کہنے لگی اس تیز چربی والے بھونڈی پنڈلیوں والے کو قتل کر دو۔

انہوں نے جواب دیا۔ تمہارا ناس ہو۔ تمہیں دھوکہ نہ ہو۔ یہ تم ہی سے ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اس قدر (لشکر) لے کر آئے ہیں۔ کہ تم سے ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد (حرام) میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔

قریش کہنے لگے، اللہ تجھے ہلاک کرے تیرا گھر ہمارے لئے کیسے کفایت کرے گا؟

انہوں نے جواب دیا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہوا اسے امان ہے۔

چنانچہ لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔

اگر کوئی مقابلہ کرے تو ڈٹ کر لڑو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے وہاں آپؐ کا خیمہ لگا دیا گیا اور آپؐ نے خالدؓ بن ولید کو زیریں حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ دائیں جانب تھے ان میں اسلم۔ سلیم۔ غفار۔ مدینہ

جہلینہ اور دوسرے عرب قبائل تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ پیدل والوں کے ساتھ تھے ان کے پاس ہتھیار نہ تھے آپؐ نے حضرت خالدؓ اور ان کے اصحاب سے فرمایا کہ اگر قریش میں سے کوئی مقابلے پر آئے۔ تو اسے پیس کر رکھ دو۔ یہاں تک کہ صفا کے مقام پر مجھ سے آن ملو۔ چنانچہ جو بھی ان کے مقابلے پر آیا۔ انہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قریش کے سفہا کی جنگی تیاریاں

پھر قریش کے چند سفہا جمع ہوئے۔ جو عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ خندمہ میں آئے۔ تاکہ مسلمانوں سے جنگ کریں حماس بن قیس جو بنو بکر میں سے تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دخولِ مکہ سے قبل ہتھیار تیز کرنے لگا۔ اس کی بیوی نے پوچھا یہ ہتھیار کس لیے تیار کر رہے ؟

وہ بولا محمدؐ اور اس کے اصحاب کے لیے۔

اس نے جواب دیا۔ محمدؐ اور اس کے اصحاب کے مقابلہ پر کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔

وہ کہنے لگا، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تیرے لیے ان میں سے بعض غادم لے آؤں گا پھر اس نے بہادری جتانے کے لیے چند شعر پڑھے۔

اس کے بعد صفوان۔ عکرمہ اور سہیل بن عمرو کے پاس خندمہ چلا گیا۔ جب مسلمانوں سے سامنا ہوا۔ معمولی سا قتال ہوا، تو کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ شہید ہو گئے۔ یہ دونوں خالدؓ بن ولید کے دستہ کے ساتھ تھے۔ لیکن ان سے الگ ہو کر دوسرے راستے چل پڑے تھے، اس لیے دونوں شہید ہوئے اور مشرکین کے بارہ آدمی داخل جہنم ہوئے۔ اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے ان میں حماس ہتھیار۔ تیز کرنے والا بھی تھا۔

جب وہ بھاگ کر گھر میں داخل ہوا، تو بیوی سے کہنے لگا۔ مجھ پر دروازہ بند کر دو۔ وہ کہنے لگی۔ وہ شیخیاں کہاں گئیں ؟ تو اس نے میدانِ جنگ کی دہشت کا نقشہ بناتے ہوئے چند اشعار پڑھے اور خاموش ہو گیا۔ آخر کار

مسجد کے قریب حجون کے مقام پر رسول اللہ علیہ وسلّم کا جھنڈا گاڑ دیا گیا۔
اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اٹھے مہاجرین اور انصار آپؐ کے آگے پیچھے دائیں بائیں تھے۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے حجر اسود کی طرف تشریف لائے اور استلام کیا (بوسہ دیا) پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ بیت اللہ کے گرد پھرے اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے آپؐ انہیں کمان سے مارتے اور یہ آیت پڑھتے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا - یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے اور بت چہروں کے بل گرتے جاتے آپؐ نے سواری پر چڑھ کر طواف کیا اور طواف پر ہی اقتصاد فرمایا۔

کلید بردار کعبہ کی طلبی

طواف ختم کرنے کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور اس سے کعبہ کی کنجی لے لی اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ دروازہ کھولا گیا اور آپؐ کعبہ کے اندر داخل ہوئے آپؐ نے وہاں تصویریں دیکھیں، ایک جگہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں۔ کہ ازلام سے تقسیم کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! اللہ انہیں (مشرکین کو) ہلاک کرے۔ انہوں (ابراہیمؑ اسماعیلؑ) نے کبھی بھی یہ کام نہیں کیا۔
کعبہ میں آپؐ نے لکڑی کا کبوتر دیکھا۔ آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا، اور تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے اپنے اور اسامہؓ اور بلالؓ کے لیے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ اور دروازے کے بالمقابل دیوار کی طرف آپؐ نے رُخ کر لیا، یہاں تک کہ آپؐ کے اور دیوار کے درمیان میں تین ذراع کا فاصلہ رہ گیا۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر وہاں نماز پڑھی پھر بیت اللہ کا چکر لگایا۔ اور اس کی اطراف میں تکبیر کہی اور اللہ کی توحید بیان کی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

خطاکار اور مجرم فاتح کے سامنے

اتنے میں قریش سے مسجد بھر گئی اور وہ قطاروں میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ کہ اب آپؐ کیا سلوک کرتے ہیں؟ آپؐ نے دروازے کے دونوں اطراف کو پکڑ لیا۔ قریش نیچے تھے۔

آپؐ نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس نے وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی گروہوں کو شکست دی یاد رکھو۔ مال یا خون میرے ان دونوں قدموں کے نیچے نہیں۔ سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کی شقابیت کے (پانی پلانا) یاد رکھو قتل خطا میں وبت مغلظہ ہوئی جو سو اونٹ ہوں گے جن میں سے چالیس حاملہ ہوں گے اے قریش کی جماعت بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر بڑائی ہٹا دی۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور مٹی سے بنے تھے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ہم نے تمہیں نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کیا۔ اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ پہچانے جا سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔

اے قریش کی جماعت تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا۔ آپؐ شریف بھائی۔ شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ (ہمیں آپؐ سے) اچھی توقعات ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کہ میں تم سے اسی طرح کہتا ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لاتثریب علیکم الیوم، آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔

پھر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ آپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول دربانی اور سقایہ ہم میں جمع کر دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا، عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ اسے بلایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اے عثمان یہ لو اپنی کنجی آج نیکی اور وفا

کا دن ہے طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ سے مروی ہے - انہوں نے بتایا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں پیر اور جمعرات کو کعبہ مشرفہ کو کھولتے تھے - ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے - آپؐ لوگوں کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے - مگر میں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اور سختی سے پیش آیا -

لیکن آپؐ نے حلم اختیار کیے رکھا پھر فرمایا!

اے عثمان شاید تو دیکھے گا ، کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی - اور جسے میں چاہوں گا دوں گا -

میں نے کہا! تو اس دن قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے ؟

آپؐ نے فرمایا! نہیں بلکہ اس دن یہ عزت مند اور آباد ہوں گے -

پھر آپؐ کعبہ میں داخل ہو گئے اور میرے قلب میں ان کی یہ بات اٹک کر رہ گئی - اور میں اسی وقت سمجھ گیا کہ یہ کام اسی طرح ہو گا جیسے آپؐ نے فرمایا ہے ، جب فتح کا دن آیا ، تو آپ نے فرمایا - اے عثمان کنجی لاؤ - میں لے کر حاضر ہوا - آپؐ نے اسے میرے ہاتھ سے لے لیا - اور پھر واپس کر دی اور فرمایا ، اِسے لے لو ہمیشہ کے لیے نسلاً بعد نسلاً ظالم کے سوا کوئی تم سے نہ چھینے گا ، اے عثمان اللہ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے - اس لیے اس گھر سے جو آئے نیکی کے ساتھ کھاؤ - راوی کہتے ہیں کہ جب میں لوٹا - تو آپؐ نے مجھے آواز دی - میں واپس آپؐ کی طرف گیا - آپؐ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا ؟ (عثمان بن طلحہ) کہتے ہیں ، کہ پھر مجھے مکہ میں ہجرت سے قبل آپ کا قول یاد آ گیا - کہ وہ شاید تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور جسے میں چاہوں گا دوں گا ؟ میں نے عرض کیا ہاں ! میں گواہی دیتا ہوں - کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں -

آں حضرتؐ اُم ہانی کے گھر میں

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت ام ہانی رضؓ کے گھر میں داخل ہو گئے - آپؐ نے وہاں

غسل فرمایا۔ اور انہی کے گھر میں آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے بعض لوگوں نے اسے صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ نماز فتح تھی اور امراسلام کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ جب کوئی شہر یا قلعہ فتح کرتے، تو فتح کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتداء کرتے ہوئے آٹھ رکعات نماز فتح پڑھا کرتے۔

وہ لوگ جنہیں اماں نہیں ملی

جب مکہ فتح ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے نو آدمیوں کے سوا تمام لوگوں کو امان دے دی ان نو کے متعلق آپ نے فرمایا! یہ اگر کعبہ کے پردوں کے نیچے ملیں تو بھی انہیں قتل کردو۔

ان کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔

عکرمہ بن ابی جہل۔

عبدالعزیٰ بن خطل۔

حارث بن نفیل بن وہب۔

مقیس بن صبابہ

ہبار بن اسود۔

ابن خطل کی دو لونڈیاں جو گاگا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجو کیا کرتی تھیں۔

اور سارہ جو بنو عبدالمطلب کی ایک لونڈی تھی۔

چنانچہ ابن ابی سرح سلام لے آیا اور حضرت عثمان رضؓ بن عفان اسے لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے لئے امان دے دی، آپ نے اسے روک رکھا تاکہ کہیں کوئی صحابی اسے قتل نہ کر دے۔ اس آدمی نے اس سے قبل بھی مسلمان ہو کر ہجرت کی تھی، اس کے بعد پھر مرتد ہوا اور مکہ واپس لوٹ آیا۔ عکرمہ بن ابی جہل بھاگ گیا لیکن اس کی بیوی نے اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کر لی چنانچہ یہ حال نہ ہوا اور مسلمان ہو گیا اور ابن خطل حارث مقیس اور ایک لونڈی یہ سب قتل ہو گئے۔ مقیس اس سے قبل اسلام لا کر مرتد ہو چکا تھا۔ اس نے قتل بھی کیا تھا

اور مشرکین سے مل گیا تھا۔ ہبار بن اسود نے بھی اسلام قبول کر لیا اور ایک لونڈی نے اور سارہ کے لئے اس نے امان حاصل کر لی۔ آپ نے ان دونوں کو امان دے دی۔ چنانچہ یہ دونوں مسلمان ہو گئیں۔

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور خوب طرح تمجید بیان کی پھر فرمایا۔

" اے لوگو! جس دن سے زمین و آسمان پیدا ہوئے (اسی دن سے) اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا اس لئے قیامت کے دن تک اللہ کی حرمت کے باعث یہ شہر قابل احترام ہے، کسی مومن کو جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا کوئی درخت کاٹ دے اس لئے اگر کوئی تیرے قتال کے باعث اس کی رخصت دے تو کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کا اذن دیا تھا اور تمہیں اذن نہیں دیا اور میرے لئے دن کی ایک ساعت میں (یہ کام) جائز کیا اور کل کی طرح آج اس کی حرمت لوٹ آئی پس موجودہ کو چاہیئے کہ وہ غائب کو پہنچا دے۔

انصار مدینہ کی تشویش

جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وطن اور جائے پیدائش تھا، اس لئے انصار آپس میں باتیں کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے علاقے اور اپنے شہر پر فتح عطا کرے گا تو وہ اسی شہر میں رہائش پذیر ہو جائیں۔

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے، جب آپؐ دعا سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا، تم نے کیا کہا!

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول کچھ نہیں،

آپؐ کے اصرار پر انہوں نے بتا دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، میری زندگی اور موت اب تمہارے ساتھ ہی ہے۔

قاتلانہ حملہ کی تیّاری

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر بن ملاح نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، جب آپ کے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا فضالہ ہے؟ اس نے کہا، ہاں اے اللہ کے رسُول۔

آپؐ نے فرمایا: تو اپنے دل میں کیا سوچ رہا تھا؟

اس نے کہا کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ہنس پڑے، پھر آپؐ نے فرمایا، اللہ سے بخشش چاہو۔ پھر آپؐ نے اس کے سینہ پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا۔ اس کے دل کو سکون ہو گیا۔

فضالہ کہتے ہیں خدا کی قسم آپؐ نے ہاتھ اٹھایا بھی نہ تھا کہ میرا سینہ ایسے ہو گیا) کہ اللہ کی تمام مخلوق میں سے آپؐ مجھے سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔

اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتوں کو توڑنے کے لئے سرایا بھیجے جو کعبہ کے ارد گرد تھے۔ چنانچہ تمام بت توڑ دیئے گئے جن میں لات اور عزّیٰ بھی تھے اور منات ثالث بھی انہیں میں شامل تھا۔

منادی کرنے والے نے منادی کر دی۔ کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر میں کوئی صنم (بت) نہ رہنے دے بلکہ اسے توڑ دے۔ نیز آپؐ نے خالد بنؓ ولید کو عزّیٰ کی طرف بھیجا ابھی رمضان میں پانچ دن باقی تھے۔ تاکہ اسے توڑ کر ختم کر دیا جائے (خالدؓ بن ولید) تیس سواروں کے ہمراہ نکلے۔ اور وہاں پہنچ کر اسے توڑ دیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تم نے کوئی چیز دیکھی ہے؟

انہوں نے جواب دیا نہیں۔

آپؐ نے فرمایا۔ تم نے اسے ابھی تک تباہ نہیں کیا، اس لئے لوٹ کر جاؤ اور تباہ کر دو۔

حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور سخت غیظ میں تھے، انہوں نے تلوار میان سے

نِکال رکھی تھی۔ اچانک ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھیرے سامنے آئی، جس کے بال کھلے تھے اور دربان اس کے ساتھ چیخنے لگا۔ حضرت خالدؓ نے اس پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس واپس ہو گئے، اور اطلاع کی۔

آپؐ نے فرمایا: ہاں یہ عزیٰ تھی اور یہ مایوس ہو گئی کہ تمہارے شہر میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

اور ایک کھجور کے درخت کے پاس بت تھا۔ یہ قریش اور تمام بنی کنانہ کا بت تھا اور ان کے نزدیک سب سے بڑا بت یہی تھا، بنی شیبان اس کے دربان تھے

بُت شکنی

پھر آپؐ نے عمروؓ بن عاص کو سواع کی طرف بھیجا۔ یہ ہذیل کا بت تھا تاکہ اسے توڑ دیا جائے۔ عمروؓ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو اس کا دربان وہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کیا ارادہ ہے۔

میں نے کہا، مجھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے کہ اسے توڑ دوں۔

وہ کہنے لگا؟ تم اس کی قدرت نہیں رکھتے۔ میں نے کہا کیوں؟

کہنے لگا! وہ اپنا بچاؤ کرے گا۔ میں نے کہا اب تک؟ تو غلط ہے تیرا ناس ہو، کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ (عمروؓ) فرماتے ہیں کہ میں قریب ہوا اور اسے توڑ دیا اور میں نے اپنے اصحاب کو حکم دیا اِسے گرا دو، انہوں نے گرا دیا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ میں نے پھر بدار کو کہا، کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا) میں اللہ پر ایمان لے آیا:۔

پھر آپؐ نے سعدؓ بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف بھیجا۔ یہ اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا اور قدید کے قریب تھا، حضرت سعدؓ اس طرف گئے۔ ان کی طرف بھی ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھیرے نکلی اور اپنا سینہ پیٹ

رہی تھی اور واویلا مچا رہی تھی، پہریدار نے اسے خطاب کر کے کہا:۔

اسے مناۃ اپنے نافرمانوں سے مقابلہ کرو، حضرت سعد نے اسے قتل کر دیا اور بت کی طرف بڑھے اور اسے توڑ دیا اور اس کے خزانہ میں کچھ نہ ملا:۔

بنو جذیمہ کی طرف خالد بن ولید کا سریہ

جب حضرت خالدؓ بن ولید عزی کو لوٹ کر واپس ہوئے تو صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامتِ مکہ کے دوران میں خالدؓ بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا مگر جنگ کے لیے نہیں

خالد تین سو پچاس مہاجرین وانصار کے ہمراہ نکلے ۔ بنی سلیم بھی ان کے ہمراہ تھے وہاں پہنچے تو پوچھا تم کون ہو؟

انہوں نے کہا ، ہم مسلمان ہیں ۔ ہم نے نماز پڑھی ۔ محمدؐ کی تصدیق کی اور اپنے علاقے میں مساجد بنائیں اور ان میں اذانیں دیں ۔

انہوں نے پوچھا تمہارے بدن پر ہتھیار کیسے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ہمارے اور عرب قوم کے درمیان عداوت ہے ، ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں وہی (ہمارے دشمن) نہ ہوں ۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے گھبراہٹ میں کہا ہم صابی ہوگئے ہم صابی ہوگئے اور اچھے انداز سے یوں نہ کہا کہ ہم مسلمان ہوگئے ۔

اس گفتگو کے بعد انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے ۔

پھر خالدؓ نے حکم دیا انہیں گرفتار کر لو ۔ وہ گرفتار کر لیے گئے ۔ اور بعض کو باندھ دیا اور انہیں اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا ۔ جب سحر ہوئی تو خالد بن ولید نے آواز دی کہ جس کے ساتھ کوئی قیدی ہو اسے قتل کر دو ۔ بنو سلیم نے اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا ۔ اور مہاجرین وانصار نے قیدیوں کو چھوڑ دیا ۔

خالدؓ کے فعل سے آپؐ کی برأت

بنی صلی اللہ علیہ وسلّم کو خالدؓ بن ولید کے اس فعل کی خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا۔

"اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں"

پھر حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ ان کے مقتولوں کا خونبہا ادا کیا جائے۔

حضرت خالدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف میں تلخ کلامی

حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی بنی صلی اللہ علیہ وسلّم کو خبر ہوئی تو فرمایا اے خالد ٹھہرو۔ میرے صحابہؓ کو اپنی ایذا سے (محفوظ) رکھو اللہ کی قسم اگر احد کا پہاڑ سونا بن جائے اور تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو بھی میرے ایک صحابی کے صبح یا شام کو (اللہ کی راہ میں نکلنے کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت حسانؓ کی شعر خوانی

پھر حضرت حسان بن ثابت نے عمرہ حدیبیہ کے متعلق اشعار پڑھے اور ان میں کفار کی ہجو کا بھرپور جواب دیا اور انہیں مسلمانوں کے لشکر کے عزائم اور قوتِ حرب سے آگاہ کیا اور کفار کو سخت ترین طعن اور ملامت کی۔

فتح مکّہ اور دوسرے غزوات سے

اہم فقہی مسائل کا استنباط

صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا مقدمہ اور تمہید تھی۔ اس عہد نامہ سے لوگوں کو امان مل گئی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ کا موقع ہاتھ آیا۔ اور مکہ میں جو مسلمان اظہار اسلام سے ڈرتے تھے اور اس کے متعلق دعوت دینے اور مباحثہ کرنے سے خوف محسوس کرتے تھے۔ وہ دور ہوگیا۔ اس وجہ سے ایک کثیر تعداد اسلام میں داخل ہوگئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا﴾ اور یہ سورہ حدیبیہ کی صلح کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں!

اہل حرب سے عہد

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اہل عہد اگر جنگ کریں جو قوم کے امام المسلمین کے ساتھ عہد کرکے ذمی بن چکے اور امام کی پناہ میں آچکے ہیں تو اس حرکت کے باعث وہ محارب کہلائیں گے اور ان کے درمیان اور اس امام کے درمیان معاہدہ ختم ہو جائے گا اس لیے امام کو جائز ہوگا کہ ان کے علاقے میں رات گذار لے اور انہیں اس کی اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہیں۔

ہاں جب ان سے خیانت کا خطرہ ہو تو پھر اطلاع دے دینی ضروری ہو گی - اور جب خیانت پائی جائے تو انہیں عہد شکن سمجھا جائے گا۔

نقض عہد کی سزا

نیز اس سے ناقض عہد کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس پر رضامندی ظاہر کریں اور اقرار کریں اور انکار نہ کریں، تو تمام افراد کو عہد شکن سمجھا جائے گا کیونکہ قریش میں سے بعض لوگوں نے بنو بکر کی حمایت کی تھی اور قریش کے تمام افراد نے ان کے ہمراہ مقابلہ نہیں کیا - لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے سب کے ساتھ جنگ کی - یہ اس لیے تھا جیسے تمام قریش عہد کرتے وقت عہد میں تبعاً شریک ہو گئے - اور جب انہوں نے صلح پر رضا و اقرار کیا تو کوئی فرد بھی الگ نہ رہا- اس طرح عہد شکنی کے موقعہ پر ہوا - یہی نبی اقدس صلی اللہ وسلّم کی سنت طیبہ ہے -

معاہدہ صلح و جنگ میں پوری قوم شریک ہوئی

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمام بنو قریظہ سے جنگ کی، اور کسی آدمی سے دریافت نہیں فرمایا کہ کیا اُس نے عہد شکنی کی تھی یا نہیں ؟ اسی طریقہ پر بنو نضیر کا اخراج بھی عمل میں آیا اور یہی صائب رائے ہے اور یہی احمد رحمۃ اللہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے -

اہل حرب کے ساتھ مدت معاہدہ

اسی سے اہل حرب کے ساتھ دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ کر لینے کا جواز نکلتا ہے - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس سے زیادہ مدت کے لیے جائز ہے یا نہیں ؟

صحیح یہ ہے کہ مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر جائز ہے - مثلاً مسلمانوں میں کمزوری ہو اور دشمن ان سے زیادہ طاقت ور ہو - اس صورت میں دس برس سے مدت کی زیادتی مصلحت اسلام کی صواب دید پر ہو گی -

امام کی خاموشی رضامندی نہیں ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سے ناجائز یا غیر واجب بات کے لیے پوچھا جائے

اور وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی رضامندی نہیں بن سکتی۔ جیسے ابو سفیان نے صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید عہد کی درخواست کی۔ آپؐ خاموش رہے، تو آپؐ کی خاموشی سے تجدید عہد کا فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

کفار کے قاصد قتل نہیں کیے جا سکتے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے قاصدوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ابو سفیان پر عہد شکنی کے باعث حد ثابت ہو چکی تھی، لیکن چونکہ وہ اپنی قوم کی جانب سے قاصد بن کر آیا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل نہیں کیا۔

محارب کفار پر اچانک حملہ جائز ہے

نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ملک میں شب گزارنا اور ان پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے جب کہ انہیں دعوت اسلام پہنچ چکی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا کفار کے علاقہ میں رات گذارتے اور جب انہیں دعوت پہنچ جاتی تو ان پر غارت گری بھی کرتے۔

جاسوس کے قتل کا جواز

نیز اس میں جاسوس کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے اگرچہ مسلمان ہو کیونکہ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاطب بن ابی بلتعہ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ جب انہوں نے اہل مکہ کو خبر بھیجی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ مسلمان ہے اس کا قتل جائز نہیں، بلکہ فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالےٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا، تو فرمایا، اب تم جو چاہو کرو، یعنی جواب دیا کہ ان کے قتل میں ایک رکاوٹ ہے اور وہ بدر میں حاضری ہے۔ اس جواب سے جاسوس کے قتل کے جواز کا ثبوت ملتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے اس قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق احمدؒ کا بھی مذہب ہے۔ شافعیؒ اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے۔ اور احمدؒ کا ظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں فریق حاطبؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا قتل امام کی رائے پر منحصر ہوگا۔ اگر امام اس کے قتل میں مسلمانوں کی مصلحت سمجھے

تو اسے قتل کر دے اور اگر اس کا زندہ رکھنا فائدہ بخش ہو تو قتل نہ کرے، واللہ اعلم۔

عورت کی تلاشی لی جا سکتی ہے

اس میں عورت کو ضرورت اور مصلحت عامہ کی خاطر برہنہ کرنے کی اجازت بھی ہے۔ (لیکن یہ کام صرف متشرع سپاہی ہی کر سکتے ہیں) کیونکہ علیؓ اور مقدادؓ نے اس عورت سے کہا تھا کہ یا تو مکتوب نکال دے ورنہ ہم ضرور تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔

جذبہ دینی کے باعث کفر کا الزام گناہ نہیں

اس میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول اور دین کی خاطر غصّے میں صحیح تاویل سے کافر کہہ دے اور اس میں ذاتی ہوٰی اور حظ نفسانی شامل نہ ہو اس پر قائل کی تکفیر نہ ہو گی۔ بلکہ وہ گناہ گار بھی نہ ہو گا، بلکہ یوں کہیے کہ نیت و قصدِ صحیح پر اسے ثواب بھی ملے گا، لیکن اہل ہوٰی اور اہل بدعت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو سکتا۔

حسنات سے سیّات مٹ جاتے ہیں

اس میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم کبائر گناہ گاہے گاہے کبائر حسنات سے مٹ جاتے ہیں جیسے حاطب کے شہود بدر نے ان کی جاسوسی کا گناہ مٹا دیا کیونکہ یہ عظیم نیکی جس میں اللہ کی رضا و محبت اور ملائکہ کے سامنے فخر و مباہات الٰہی بات ہے کہ اس کے فاعل کی شان اس قدر بلند ہوتی ہے کہ اس کا جاسوسی کا گناہ (اسے کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا) تو گویا قوی نیکی ضعیف گناہ پر غالب آگئی اور طبعی تقاضا کے مطابق اسے زائل اور باطل کر کے رکھ دیا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں برائیاں نیکیوں سے محو ہوتی ہیں۔ اس کا اصول بیان ہوتا ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات، یعنی بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور اللہ کا فرمان ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیأتکم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "برائی کے بعد نیکی کرو۔ وہ برائی کو مٹا دے گی۔

اب حضرت حاطب رضؓ کی قوتِ ایمانی کا اندازہ کیجیئے جس کے باعث وہ بدر میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ اپنی جان پیش کردی۔ نیز اپنی قوم اور قبیلہ اور قرابت داروں کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول پر جان قربان کرنے کو تیار ہوگئے اور حالت یہ تھی کہ یہ دشمنوں کے نرغے میں اور ان کے علاقہ میں تھے اس کے باوجود انہوں نے اپنے اہل اور قبیلہ کے مقابلہ سے اعراض نہ کیا اور نہ ان کے پائے ثبات میں تزلزل ہوا اور نہ ایمان و یقین میں نرمی آئی۔ پھر جب جاسوسی کی توتو بر قوتِ (شہود بدر) مقابلے میں آئی چونکہ بحران صالح تھا اس لیے مرض دفع ہو گیا اور مریض اس طرح ہو گیا جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

خوارج کی مثال

اور اس کے برعکس ذوالخواصرہ تمیمی اور اس جیسے خوارج کہ نماز روزہ اور قرأۃ میں جن کی مشقتیں اور محن یہاں تک جا پہنچی ہیں کہ صحابہ بھی ان کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو حقیر جاننے لگے۔ آپؐ نے ان کے متعلق کیسے حکم فرمایا کہ اگر میں نے انہیں پالیا، تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا اور فرمایا، انہیں قتل کرو، کیونکہ ان کے قتل کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا اور فرمایا، آسمان کی چھت کے نیچے سب سے بدترین مقتول یہ خوارج ہیں چنانچہ انہیں فاسد عقائد کی وجہ سے ان کے مشقت آمیز اعمال نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا اور خود ہی نجس بن گئے۔

نیز ابلیس کی حالت پر غور کرو، چونکہ مہلک مادہ (کفر) اس کے قلب میں چھپا ہوا تھا اس لیے اِسے کی سابقہ طاعات نے کچھ فائدہ نہ دیا اور وہ اپنی (بدترین) حالت پر لوٹ آیا۔ اس لیے تمام اعمال کا دارو مدار سرائر، مقاصد اور ارادہ و نیت پر موقوف ہے۔ یہی چیز اعمال کو یا سونا بنادیتی ہے یا ناپاک اور نجس کر دیتی ہے اور توفیق خدا کے ہاتھ ہے جسے کچھ بھی عقل و خرد ہو وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو خوب سمجھ سکتا ہے۔

معاہدین سے جنگ

اس قصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر معاہدین نے عہد شکنی کریں تو ان پر دفعۃً حملہ کرنا اور انہیں آنے کی اطلاع

دیئے بغیر ان پر غارت گری کرنا جائز ہے اور جب تک وہ عہد کے پابند رہیں تب تک یہ بات جائز نہیں یہاں تک کہ دونوں فریق مساوی طور پر معاہدے کو توڑ دیں۔

دشمن کے مقابلہ میں شان و شوکت کا اظہار

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام کی کثرت اور شان و شوکت اور قوت کا اظہار نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ دشمن کے قاصد آئے ہوں جیسے اسلام کے بادشاہوں کا طریقہ ہے اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ میں داخلہ کی شب آگ جلانے کا حکم دیا اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو روک لو اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جاکر عساکر اسلام اور توجیہ کے لشکروں کا معائنہ کرادو اور ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے مسلمان جانثاروں کا گروہ دکھادو۔

احرام کے بغیر قتال مباح

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں احرام کے بغیر قتال مباح جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمان داخل ہوئے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے داخل ہوا سے احرام باندھنا ضروری ہے ان کے علاوہ صورتوں میں اختلاف ہے جب کہ کسی کو بار بار داخلہ کی ضرورت ہو جیسے لکڑ ہارا یا گھاس بیچنے والا۔

ان کے متعلق تین اقوال ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ انہیں احرام کے بغیر داخلِ حرم ہونا ناجائز ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول کے مطابق یہی مذہب ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ چونکہ یہ لکڑ ہارا اور گھاس والا ہے۔ احرام کے بغیر حرم میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے اور ایک روایت امام احمدؒ کی بھی مؤید ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر وہ مواقیت کے اندر رہتا ہو تو احرام کے بغیر داخل ہو سکتا

ہے اور اگر مواقیت سے باہر رہائش پذیر ہو تو احرام کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

مکہ بزور قوت فتح ہوا، صلح سے نہیں

نیز اس میں صاف وضاحت ہے کہ مکہ قوت سے فتح ہوا۔ یہی جمہور اہل علم کی رائے ہے اور شافعیؒ کے سوا اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔ ایک قول کے مطابق احمدؒ بن حنبل کا بھی اختلاف ہے۔

صلح سے فتح ہونے کے قائل کہتے ہیں کہ اگر قوت سے فتح ہونا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے غانمین میں تقسیم فرما دیتے جیسے آپؐ نے خیبر اور تمام دوسری جائدادوں کو تقسیم فرمایا، آپؐ خمس نکالتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے۔ نیز یہ کہ جب ابو سفیان نے اسلام لانے کے بعد اہل مکہ کے لیے امان طلب کی تو آپؐ نے انہیں امان دے دی، یہ گویا عقد صلح ہی تھا اور اگر قوت سے فتح ہوتا تو غانمین اس کی زمینوں اور مکانات کے مالک بن جاتے اور وہ اہلِ مکہ سے زیادہ مستحق بھی تھے۔ نیز اہلِ مکہ کا اخراج بھی جائز ہوتا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا، بلکہ مہاجرین کے وہ مکانات بھی واپس نہیں کیے جن سے انہیں نکالا گیا تھا اور انہیں نکالنے والوں کے ہی قبضہ میں رہنے دیا گیا۔ اور ان مکانات کی بیع و شراء اجارہ اور سکونت کو جائز قرار دیا۔ یہ معاملہ قوت سے فتح کرنے کے احکامات سے منافی ہے۔

قوت سے فتح کے قائلین نے کہا ہے کہ اگر آپؐ نے مصالحت سے فتح کیا ہوتا تو ہر آدمی کو اپنے گھر میں داخل ہونے، دروازہ بند کرنے اور ہتھیار ڈالنے سے امان کو مشروط کرنے کا کچھ فائدہ نہ تھا اور نہ خالد بن ولید ان سے مقاتلہ کرتے حتیٰ کہ انہوں نے چند آدمی قتل بھی کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز اگر مکہ محض صلح سے فتح ہوتا تو آپؐ یوں نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ

کے لیے دن کی ایک ساعت (مقاتلہ) حلال کر دیا، کیونکہ اگر مصالحت سے مفتوح ہوتا تو اس کی حرمت قائم رہتی کیونکہ مصالحت سے ایک جگہ حرمت سے خارج نہیں ہوا کرتی۔ حالانکہ آپؐ نے بتایا کہ اس گھڑی میں یہ (مقاتلہ) حرام نہ تھا۔ اور جنگ کی ساعت ختم ہونے کے بعد اس کی پہلی حرمت پھر لوٹ آئی۔

نیز اگر یہ محض مصالحت سے فتح ہوتا تو آپؐ اپنے سوار اور پیادہ لشکر دائیں بائیں ہتھیار بند حالت میں نہ رکھتے۔

(مزید برآں) آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا، انصار کو میرے پاس بلاؤ۔ انہوں نے آواز دی وہ حاضر ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا، تم قریش کے آوارہ لوگوں اور ان کے اتباع کو دیکھ رہے ہو؟ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا، انہیں مکمل طور پر پیس کے رکھ دو۔ یہاں تک کہ تم مجھے صفا پر ملو، اس پر ابو سفیان کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ قریش کو مباح کر دیا گیا۔ آج کے بعد قریش نہ ہوں گے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو اپنا دروازہ بند کر دے اسے امان ہے، مصالحت کے ساتھ ساتھ اس قسم کی باتیں محال ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ مکہ قوت سے فتح ہوتا تو یہ غانمین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ تو تب ہوتا کہ زمین غنائم میں شامل ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی خمس نکالنے کے بعد غانمین میں تقسیم فرما دے، حالانکہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد ائمہؒ اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ زمین ان غنائم میں شامل نہیں جن کی تقسیم واجب ہو۔ خلفائے راشدین کی سیرت بھی یہی تھی کیونکہ حضرت بلالؓ اور ان کے اصحابؓ نے جب نئی مفتوحہ زمین کی تقسیم کا مطالبہ کیا جو شام اور اس کے ارد گرد واقع ہے اور کہا کہ اس کا خمس لے لیا جائے، اور باقی کو (لشکر) پر تقسیم کر دیا جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ غیر مال ہے، ہاں میں اسے بطوفی کے روک رکھوں گا، تاکہ تمہیں

اور عام مسلمانوں کو فائدہ دے سکے۔ حضرت بلال رضؓ اور ان کے اصحاب رضؓ نے پھر تقسیم کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے دعا کی۔ اے اللہ بلال رضؓ اور ان کے اصحاب رضؓ کو کفائت عطا کر۔ چنانچہ سال بھی نہ گزرا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضرت عمر رضؓ سے اتفاق کر لیا۔

اسی طرح جب مصر، عراق فارس کا علاقہ اور تمام دیگر ممالک قوت سے فتح ہوئے ان میں سے خلفائے راشدین نے ایک گاؤں بھی تقسیم نہ فرمایا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ انھوں نے خوشی سے قبول کر لیا اور ان کی رضا سے انہیں وقف قرار دیا کیونکہ صحابہ رضؓ نے ان سے اس سلسلہ میں نزاع کیا اور حضرت عمر رضؓ مسلسل انکار کرتے رہے اور یہ محض توفیق الٰہی سے ہوا، کیونکہ اگر زمین تقسیم ہو جاتی تو وراثت چل پڑتی اور چلتے چلتے۔ بستی اور شہر ایک عورت یا ایک چھوٹے بچے کے قبضہ میں رہ جاتا اور جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہ ہوتی۔ اس میں سخت ترین فساد اور ضرور ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی خطرہ تھا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کی تقسیم نہ کرنے کے سبب سے اور اسے وقف قرار دینے سے اہل اسلام کو اس بات کی توفیق بخشی کہ آخری مسلمان بھی جنگ کرنے پر اتر آئے اور اسلام اور اہل اسلام سے تعاون کرنے اور اس کے جھنڈے کی برکت ظاہر ہوئی۔ چنانچہ جمہور ائمہ رحؒ نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

فتح مکّہ کی شرعی وفقہی نوعیت وحیثیت

رہا مکہ تو اسے تقسیم کر دینے کے سلسلے میں ایک اور مانع نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس صورت میں دوسرے علاقوں کی تقسیم واجب ہوتی تو بھی یہ تقسیم نہ ہوتا، کیونکہ یہ مملوکہ نہیں ہے یہ دار النسک (قربانیوں کا گھر) ہے اور مخلوق کی عبادت گاہ اور پروردگار کریم کا حرم ہے جسے اس نے یہاں کے باشندوں اور باہر والوں کے لیے حرم قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ اللہ کی جانب سے دینے والوں پر وقف ہے۔ اس میں ہر شخص برابر کا حصّہ دار ہے اور منیٰ وقوف ہے جو بھی سبقت کر کے پہنچ جائے۔ اس طرح حرم، اس کے مشاعر مثلاً صفا۔ مروہ، منیٰ۔ عرفہ اور مزدلفہ کسی ایک آدمی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام لوگوں میں مشترک نہیں کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادات کی جگہیں ہیں۔ اور اللہ کی جانب سے جائے عبادت اور وقف ہیں۔ اس نے اسے مخلوق کے لیے بنایا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے منیٰ میں گرمی سے بچنے کے لیے خیمہ لگانے سے منع فرمایا اور فرمایا۔

منیٰ پر اس آدمی کی جائے وقوف ہے جو سبقت کرے اس لیے سلف وخلف کے جمہور ائمہ رحمہ نے یہی فرمایا ہے کہ مکہ کی اراضی کی خرید وفروخت اور وہاں کے مکانات کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ اہل مکہ میں حضرت مجاہدؒ اور عطاءؒ کا یہی مذہب ہے۔

اہل مدینہ میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اور اہل عراق میں سے امام ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰقؒ بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علقمہ رضؓ بن نضلہ سے روایت کیا بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ابو بکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں مکہ کی زمینوں کو سوائب کیا جاتا تھا۔ جو چاہتا ٹھہر جاتا اور جو مستغنی ہو جاتا وہ دوسرے کو ٹھہرا دیتا (کرایہ کے بغیر) نیز انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے مکہ کے مکانات کا کرایہ کھایا وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (دار قطنی مرفوع)

نیز اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اس لیے اس کی زمینوں کو بیچنا اور اس کی قیمت کھانا حرام ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن یوسف نے بتایا۔ انہیں عبدالملک نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اہل مکہ کے امیر کو خط لکھا جس میں انہوں نے مکہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

ایک دوسری دلیل بیع و اجارہ کو جائز سمجھنے والے دلیل دیتے ہیں کہ کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ اور آپؐ کے اصحابؓ اور خلفائے راشدین کا عمل جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم — یعنی "فقراء مہاجرین کے لیے کہ جن کو کہ نکالا گیا ان کے گھروں اور اموال سے"

نیز فرمایا والذين هاجروا واخرجوا من ديارهم "یعنی اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالا گیا انہیں ان کے گھروں سے" یعنی ان میں مکانات کی اضافت اہل مکان کی طرف کی گئی۔

یہ اضافتِ تملیک ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے جب عرض کیا گیا کہ کل آپؐ کہاں اتریں گے؟ مکہ میں اپنے گھر کے اندر؟

آپؐ نے فرمایا "کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ رہنے دی ہے؟"

آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا یہاں کوئی گھر نہیں بلکہ اضافت کے ساتھ اقرار کر لیا

اور بتایا عقیل اس کے مالک بن چکے ہیں ۔ اور آپؐ نے ان سے اُسے چھینا نہیں ۔ اور احادیث میں مکانات کی اضافت کئی مقامات پر آتی ہے ، جیسے کہ ام ہانی کا گھر ۔ حضرت خدیجہ رض کا گھر ، ابو احمد بن جحش کا گھر وغیرہ ۔ اور پھر یہ وارث بھی بنتے تھے ، جیسے منقولہ جائداد کے وارث ہوتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر رہنے دیا ؟ اور عقیل اپنے والد ابو طالب کے مکانات کے وارث بنے ۔ لیکن علی وارث نہ ہوئے کیونکہ وہ مکان شرع تھا ۔ اور حضرت علی مسلمان تھے ۔ یہ اختلافِ دین کے باعث وارث نہ بن سکے ۔ نیز صفوان بن امیہ نے حضرت عمر رض بن خطاب کے ہاتھ ایک مکان چار ہزار درہم میں بیچا اور اس کے اسے قید خانہ بنا لیا ۔ پھر جب بیع اور میراث جائز ہے تو کرایہ پر اٹھانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا ۔ لیکن ابو حنیفہ رح کا مذہب یہ ہے کہ بیع اور نقلِ ملک جو رباع میں ہے وہ دراصل مکانات پر ہو سکتی ہے اور نکہ کی زمین پر نہیں ہو سکتی ۔ اب اگر کہا جائے کہ کرایہ کو منع کیا اور بیع کو ناجائز قرار دیا ۔ کیا شریعت اور معہود شریف میں اس کی کوئی مثال ہے ؟ کیا کہ اجارہ بیع سے وسیع تر ہے لیکن کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بیع ممنوع ہو اور اجارہ جائز ہو جیسے وقف اور حرارت ۔

اس کا جواب یہ ہوگا ، بیع اور اجارہ ہر ایک مستقل عقد ہے جو دوسرے کے جواز ممانعت کو مستلزم نہیں بن سکتا ۔ ان کے مواقع احکام بھی مختلف ہیں ۔ بیع جائز ہے اس لیے کہ بائع نے ایک فعل کے ساتھ اسے یعنی مکان بنا کر مخصوص کر دیا ہے اور اجارہ منفعت میں شمار ہوگا اور یہ مشترک چیز ہے ۔ اور جو بھی سبقت کر کے آجائے اسے معاوضہ دیئے بغیر وقوف کا حق پہنچتا ہے ۔ اسی وجہ سے ہم نے بیع کو جائز کیا اور اجارہ (کرایہ) کو ناجائز قرار دیا ۔ اور اگر تم مثال کے بغیر اس کا انکار کرو تو اِس کی مثال مکاتب میں ملتی ہے کہ اس کے آقا کو اس مکاتب غلام کی بیع جائز ہے اور اب یہ نئے خریدار کے پاس مکاتب غلام ہوگا ۔ اور اسے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوتا کیونکہ اس میں اس کے منافع باطل ہوتے ہیں ۔ اور عقدِ کتابت کتابت کے بعد اس کی ملکیت

کسب پر منحصر پڑتی ہے۔

مزارعین مکہ پر خراج

اور جب مکہ قوت کے بل پر مفتوح ہوا تو کیا اس کے مزارعین پر خراج عائد کرنا جائز ہو گا جیسے کہ تمام دیگر اراضی عنوہ (قوت سے مفتوحہ) کا معاملہ ہے؟

اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ منصوص بات کے بغیر کوئی قول جائز نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مزارع پر خراج نہ ہو گا۔ اگرچہ اسے قوت سے فتح کیا گیا۔ کیونکہ یہ زمین اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس پر خراج عاید کیا جائے۔ خراج دراصل زمین کا جزیہ ہوتا ہے اور یہ زمین پر عاید کیا جاتا ہے جیسے صاحب استطاعت اصحاب پر جزیہ عاید کیا جاتا ہے اور پروردگار کا حرم

اس بات سے بلند و برتر ہے، کہ اس پر جزیہ عائد کیا جائے اور فتح ہونے کے بعد مکہ کی زمین لوٹ کر دوبارہ امن والی حرم بن چکی ہے، جس میں تمام اہلِ اسلام مشترک طور پر حصہ دار ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادات کی جگہ ہے اور اہل زمین کا قبلہ ہے۔

دوسرا قول اصحاب احمدؒ کا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مزارع پر خراج عاید ہو گا جیسے دیگر علاقوں کے مزارعین پر عاید ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمدؒ کی نص کے خلاف اور غلط ہے۔ نیز یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے یہ آخری قول ناقابل التفات ہے۔

فتح کے دوسرے روز کے خطبہ میں علمی جواہر پارے

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ حرم ہے اور اسے لوگوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے۔ اس لیے اس کی تحریم شرعی قدیمی ہے۔ اس عالم کی پیدائش سے قبل ہی اس کی حرمت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کا اظہار ہوا جیسے صحیح روایت

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے، فرمایا:

اے اللہ تیرے خلیل ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم کہا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں"

یہ روایت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کی حرمت کا اظہار ہوا جو کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل ہی مقدر ہو چکی تھی - اس لیے اہل اسلام میں سے کسی نے بھی اس کی حرمت کا انکار نہیں کیا - اگرچہ مدینہ کی حرمت میں قدرے نزاع کیا ہے، اور صائب رائے میں اس کی تحریم بھی ثابت ہے - کیونکہ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیس سے زیادہ احادیث مروی ہیں جن میں کسی طرح کا طعن نہیں -

حرم میں کوئی خون مباح نہیں

نیز آپؐ نے فرمایا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس تحریم کے باعث ایسا خون بہائے جو دوسری جگہ مباح ہو سکتا ہے یہاں اس مقام کی حرمت کے باعث احرام ہو گا جیسے یہاں پر درخت کاٹنا -

گری پڑی چیز بھی نہ اٹھاؤ

لقطہ (گری چیز) کو اٹھانا حرام ہے اور یہ یہیں مخصوص ہے اور دوسری جگہ مباح ہے - اس کی کئی انواع ہیں - ایک وہ جو ابو شریح عدوی نے بتایا ہے - اس وجہ سے وہ گروہ جو امام کی بیعت سے انکار کرتا ہے - اس سے جنگ نہ کی جائے گی - خصوصاً اس حالت میں جب اس کے پاس کوئی تاویل بھی جیسے اہل مکہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کرلی - چنانچہ ان سے جنگ کرنا اور نصا و اجماع سے اللہ کے حرم کو حلال کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ ایک خبیث فاسق عمرو بن سعد اور اس کے گروہ نے اپنی رائے اور خواہشِ نفس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نص کی مخالفت کی اور کہنے لگا۔

حرم نافرمان کو نہیں بچاتا، چنانچہ اسے جواب دیا جاتا کہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچاتا، اور اگر لوگوں کو خون بہانے سے بھی نہ بچائے تو حرم ہی نہ رہے گا اور اگر یہ پرندوں اور چوپاؤں کے لیے بھی حرم ہے تو آدمیوں کے لیے بدرجہ اولیٰ حرم ہی نہ رہے گا اور واقعہ یہ ہے کہ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر عصاۃ کو بچا رہا ہے۔

اور اسلام نے بھی اسی کو قائم رکھا۔ باغی تقیس بن حبابہ اور ابن خطل اور ان کے ہمراہیوں کو نہیں بچایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس ساعت میں یہ حرم نہ تھا۔ بل حل بن چکا تھا جب ساعتِ حرب ختم ہو گئی تو وہی حرمت لوٹ آئی جو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تھی اور عرب بھی زمانہ جاہلیت میں اگر اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو حرم میں دیکھتے تو کچھ نہ کہتے اور یہ چیز ان میں مخصوص طور پر پائی جاتی تھی جس سے یہ حرم ہو گیا۔ اس کے بعد جب اسلام آیا۔ اس نے اس کی تاکید کی اور اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ امام احمد نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں (اپنے والد) خطابؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں حرم میں (اپنے والد) خطاب کے قاتل کو دیکھ لوں تو اسے بالکل نہ چھیڑوں یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

اگر میں یہاں عمرؓ کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی اس سے تعرض نہ کروں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر میں حرم میں اپنے والد کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی یہاں سے نکل جانے تک سے کچھ نہ کہوں۔

جمہور تابعین اور ان کے بعد کے علمائے کرام کا یہی قول ہے بلکہ کسی تابعیؒ یا صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ ابو حنیفہؒ اور اہل عراق امام احمد اور دیگر اہلِ حدیث کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعی کے اقوال

اور امام مالکؒ اور شافعی کا قول یہ ہے اس کی حرم میں بھی ویسے ہی گرفت کی جائے گی جیسے حل میں ہوتی ہے۔ ابن منذرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ رہا یہ قول کہ حرم نافرمان کو نہیں بچاتا۔ یہ عمرو بن سعد فاسق اور کلام جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر پیش کرتا تھا اور یہ کہنا کہ حرم اسے نہیں بچاتا جو حرم کے اندر فساد کر کے حرم کی ہتک کرتا ہے کیونکہ وہ ایسی حرکت کا مرتکب ہوا۔ جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہو گئی ایسے حرم کی طرف پناہ لینے والا خواب دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے

رسول ؐ اور صحابہؓ نے ان دونوں صورتوں میں کیا فرق کیا ہے؟ امام احمدؒ نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہیں ابن طاؤس سے انہیں اپنے والد سے انہیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت پہنچی۔ فرمایا کہ جس نے حل میں چوری کی یا قتل کیا۔ پھر وہ حرم میں داخل ہوگیا تو نہ اس کے پاس بیٹھو اور نہ بات چیت کرو، حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل جائے۔ نکل جانے کے بعد اسے پکڑ کر اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر اس نے حرم کے اندر چوری کی یا قتل کیا تو اس پر حرم ہی میں حد قائم کی جائے گی۔

اثرمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جو حرم کے اندر کوئی جرم کرے اسے حرم ہی میں جرم کی سزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو حرم میں قتل کرے اسے (حرم میں) ہی قتل کر دیا جائے۔ فرمایا: وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ۔

حرم میں پناہ لینے کا مسئلہ

اب پناہ لینے اور (حرم) میں ہتک کرنے والے میں فرق کئی وجوہ سے ہے، ایک یہ ہے کہ حرم میں جرم کرنے والا، اس کے اندر جرم کر کے حرم کی حرمت توڑنے کا مجرم ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جو حرم سے باہر جرم کرے اور پھر حرم میں پناہ لے لے کیونکہ وہ حرم کی عزت کرنے والا اور یہاں پناہ لے کر اس کا احترام کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا باطل ہے۔

دوسرے یہ کہ مجرم کی حیثیت ایسی ہے کہ اس نے بادشاہ کے گھر میں اس کے حرم میں اور اس کے دستر خوان (کرم) پر جرم کیا ہے اور جو باہر جرم کر کے یہاں آکر پناہ چاہے اس کا معاملہ اس طرح ہے جیسے کہ ایک آدمی نے بادشاہ کی بساط و حرم سے جرم کیا اس کے بعد پناہ لینے کے لیے حرم میں داخل ہوگیا۔

تیسرے جرم میں جرم کرنے والا ایسا ہے جس نے اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کے حرم اور بیت اللہ کی توہین کی، گویا وہ دوسرا جرم ہے۔ بخلاف دوسرے کے (کہ اس کا معاملہ ایسا نہیں ہے)

چوتھے یہ کہ اگر جرائم پیشہ لوگوں پر حرم میں سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حرم میں فساد ہو جائے گا اور ایک عظیم شر پیدا ہو جائے گا، کیونکہ دوسروں کی طرح اہل حرم بھی اپنی جان و مال اور عزت کو بچانا چاہتے ہیں اور اب اگر جرائم کے مرتکب پر حرم کے اندر ہی سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حدود معطل ہو کر رہ جائیں گے اور حرم اور اہلِ حرم کو ضررِ عمومی پہنچے گا۔

حرم کے درخت نہ کاٹے جائیں

نیز آپؐ نے فرمایا کہ یہاں درخت نہ کاٹا جائے گا دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کانٹا بھی نہ توڑا جائے۔ اس میں اختلاف نہیں کہ خشکی کا وہ درخت جس کو آدمی خود کاشت نہ کرے یہاں وہ مراد ہے۔ البتہ جسے آدمی خود حرم میں کاشت کرے اس میں اختلاف ہے اور اس صورت میں تین اقوال ملتے ہیں۔

ایک تو احمدؒ کے مذہب میں یہ ہے کہ انسان کو اکھیڑنے کی اجازت ہے اور اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ابن عقیل اور ابی خطاب وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول اسے اکھیڑنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسا کیا تو ہر حالت میں اس پر ضمان ہوگا۔ یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ابن بنائر نے خصال ثالث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے جو حل میں اگایا جائے اور پھر حرم میں بو دیا جائے ان میں فرق ہے یا جو ابتداء ہی میں حرم کے اندر بو دیا جائے۔ چنانچہ پہلی صورت میں ضمان نہ ہوگا اور دوسری صورت میں اسے اکھاڑنے کی اجازت نہیں اور اس پر قطعاً ضمان لازم آئے گا۔ یہ قاضی کا قول ہے۔

ایک چوتھا قول بھی ہے۔ وہ یہ کہ بعض پودے آدمی اپنے مطلب کے اگاتا ہے اور کھجور وغیرہ اور بعض ایسے ہی جو اس جنس کے نہیں ہوتے اور آدمی اسے کاشت نہیں کرتے۔ پہلی صورت میں ان کا اکھاڑنا جائز ہے اور اس میں ضمان نہیں۔ دوسری صورت اکھاڑنا جائز نہیں اور اس میں ضمان ادا کرنا ہوگا۔

نیز حدیث نے سبز اور خشک میں فرق نہیں کیا لیکن (علمائے کرام) نے خشک کے کاٹنے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ (خشک پودے) مردے کے قائم مقام ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

خود بخود درخت گر جائے تو استفاع جائز ہے

نیز حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جب درخت خود بخود اکھڑ جائے یا اس کی ایک شاخ ٹوٹ جائے اس سے استفادہ جائز ہے کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا کہ جس نے اسے شکار سے تشبیہ دی ہے، وہ اس کی لکڑی سے انتفاع نہیں کرتا اور فرمایا، میں نے نہیں سنا کہ کٹ جانے کے بعد اس نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ غیر قاطع کو اس سے انتفاع جائز ہے کیونکہ یہ اس کے فعل کے بغیر کٹ گیا۔ اس لیے اسے انتفاع کا حق حاصل ہے، جیسے کہ آندھی سے اکھڑ جائے۔ پتے کاٹنے کی صحت کے بارے میں بھی صراحت موجود ہے۔ امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسے پتے لینے کا حق ہے۔ عطاءؒ سے بھی یہی مروی ہے لیکن ظاہر نص اور قیاس کے اعتبار سے پہلی صورت زیادہ صحیح ہے کیونکہ درخت کے پتوں کی حیثیت درخت کے لیے ایسی ہی ہے جیسے پرندے کے لیے پر ہوتے ہیں۔ نیز پتے کاٹنا شاخوں کے خشک ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہیں۔ اور ان کے تحفظ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

حرم کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے

آپؐ کا یہ فرمان کہ حرم کی گھاس وغیرہ بھی نہ کاٹی جائے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے مراد وہ ہی پودے ہیں جو خودرو ہوں۔ وہ مراد نہیں ہیں جنہیں لوگ کاشت کریں۔ اور خشک بھی حدیث میں داخل نہ ہوں گے بلکہ یہ حکم مخصوص طور پر سبز پودوں کے متعلق ہے، اور مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ (خشک) گھاس چن لیتے تھے، اور اذخر، نص سے مستثنیٰ ہے اور اس کا استثناء ہی اس بات کی دلیل ہے

کہ یہ حکم (اذخر) علاوہ باقی کے سب پر حاوی ہے۔

اگر کہا جائے کہ چرانے پر بھی عاید ہوگا یا نہیں ؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ صحابی عاید نہ ہوگا۔ اس صورت میں چرانا جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دوسرا یہ کہ معنوی طور سے اس پر بھی عاید ہوگا۔ اگرچہ بظاہر الفاظ اس پر حاوی نہیں۔ لہٰذا چرانا ناجائز ہوگا۔ یہ امام احمدؒ کا مذہب ہے اور اصحاب احمدؒ کے دو قول ملتے ہیں۔ حرام قرار دینے والے کہتے ہیں کہ چوپائے کے سامنے پیش کرتے، اختلاء اور چوپائے کو اس پر چھوڑتے ہیں کہ اسے وہ چرے کیا فرق ہے ؟ اور جائز بتانے والے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہدایا (قربانی کے جانور) کا طریق کار یہ بھی رہا ہے کہ وہ حرم میں داخل ہوتے اور کثرت کے ساتھ آیا کرتے۔ اور یہ بھی کسی سے منقول نہیں کہ ان کے منہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ اس سے چرانے کا جواز نکلتا ہے۔ حرم بتانے والے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چرنے کے لیے جانور کو خود بھیجنے اور آئے ہوئے جانور کے خود بخود چرتے میں فرق ہے۔ بغیر اس بات کے کہ جانور کو اس پر مسلط کر دیا جائے اور اس پر یہ واجب نہیں کہ اس کا منہ باندھ دے، جیسے احرام کی حالت میں خوشبو کو سونگھنے سے بچنے کے لیے ناک کو بند کرنا واجب نہیں، اگرچہ قصداً خوشبو سونگھنا قطعاً جائز ۔

حرم کے شکاری جانور نہ ستائے جائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمانا کہ حرم کے شکار کو پریشان نہ کرنا چاہیئے یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قتل شکار اور اس کی گرفتاری کا کسی طریقہ سے بھی سبب بننا حرام ہے، حتیٰ کہ اسے اپنی جگہ سے بھگانا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اس جگہ وہ ایک محترم حیوان ہے، اور وہ سبقت کر کے ایک جگہ حاصل کر چکا ہے اس لیے وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حرم کا جانور اگر کسی جگہ سبقت کر کے پہنچ جائے تو اسے وہاں سے پریشان کر کے (بھگایا) نہ جائے

حرم کے اندر گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ حرم میں گری ہوئی چیز کو جاننے والے کے سوا کوئی نہ اٹھائے اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں کہ اس کے لقطہ کو اٹھانا تعارف کرانے والے کے سوا جائز نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حرم کا لقطہ (گری پڑی چیز) کسی حال میں کسی کا مملوکہ نہیں اور اسے صرف اس کے مالک کو یا جاننے والے کو ہی اٹھانا چاہیئے نہ کہ مالک بننے کے لیے، ورنہ (حرم) سے تخصیص کا کچھ بھی فائدہ نہ رہے گا۔

البتہ اس میں اختلاف بھی ہے، امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حل اور حرم کے لقطہ کا ایک ہی حکم ہے۔ احمدؒ اور شافعیؒ کے دو اقوال و روایات میں سے ایک روایت اور قول یہی ہے اور ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور عائشہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دوسری روایت میں امام احمدؒ نے اور دوسرے قول میں امام شافعیؒ نے فرمایا۔ مالک بننے کے لیے لقطہ اٹھانا جائز نہیں، البتہ اس کی حفاظت کے لیے جائز ہے اور اگر اٹھالے تو دائمی طور پر مشہور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابو عبیدہؓ کا یہی قول ہے اور حدیث بھی اس سلسلہ میں واضح ہے۔

قصاص یا دیت کا اختیار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان، کہ جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اس کے لیے دو باتیں ہیں۔ یا تو (قاتل) کو قتل کر دیا جائے، یا دیت لے لے۔

اس حدیث سے اس بات کی دلیل نکلتی ہے کہ یہ صورت قتل عمد میں ہوگی اور قصاص ضروری طور پر متعین نہ ہوگا، بلکہ اسے دونوں میں سے ایک کا اختیار حاصل ہے۔ چاہے قصاص لے لے اور چاہے تو دیت لے لے۔

اگر کہا جائے کہ قاتل کے مر جانے کی صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ

ساقط ہو جائے گی۔ ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک قصاص واجب عین ہے اور اب اللہ کے فضل کے باعث قصاص لینے کا محل ہی ساقط ہو گیا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک مجرم غلام مر جائے تو جرم کی سزا غلام کے آقا کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ترکہ سے دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ (اس کے مرنے کی صورت) میں صرف قصاص لینا محال ہو گیا، لیکن دیت ساقط نہ ہوگی۔ یہ واجب رہے گی۔

اذخر گھاس مستثنیٰ ہے خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اذخر کو مستثنیٰ کرنا، جب کہ حضرت عباسؓ نے سوال کیا "سوائے اذخر کے":

اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں، ایک یہ کہ اذخر (ایک قسم کی گھاس) کاٹنا مباح ہے۔ دوسرے یہ کہ استثناء میں یہ لازم نہیں کہ کلام کی ابتداء میں ہی اس کی نیت کرلی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ کلام ختم کرکے چپ ہونے سے قبل (اس کا بھی تلفظ کر دیا جائے) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اگر کلام سے قبل اذخر کے استثناء کی نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرنے سے قبل نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرنے سے قبل نیت کرلیتے تو حضرت عباسؓ کے سوال پر ان کے بتا دینے تک خاموش نہ رہتے کہ اذخر ان کے گھروں اور غلاموں کے لیے ضروری ہے۔

کتابت حدیث کی اجازت اس واقعہ میں ایک صحابی ابو شاہ کا قصہ بھی ہے ابو شاہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا خطبہ مبارک لکھ دو آپؐ نے فرمایا کہ ابو شاہ کو لکھ دو۔ آپؐ کی مراد اپنے خطبے سے تھی۔ یہ فرمان علم، کے لکھنے اور حدیث کی کتابت کی نہی منسوخ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ (ابتداء میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا۔ جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو، وہ اسے مٹا دے۔

اسلام کی ابتداء میں یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا تاکہ وحی متلو کا وحی غیر متلو سے اختلاط نہ ہو جائے۔

اس کے بعد پھر آپؐ نے حدیث کی کتابت کی اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ وہ حدیث لکھا کرتے تھے۔ اور ان کی تحریروں کے مجموعہ کا نام "صادقہ" تھا۔ حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اس مجموعہ احادیث کو روایت کیا۔ اور یہ مرویات تمام ذخیرہ احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔ بعض ائمہ حدیثؒ اس مجموعہ کو اس درجہ میں تسلیم کرتے (جس درجہ میں وہ روایات تسلیم کی جاتی ہیں جو) ایوبؒ نے نافعؒ سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیں۔ نیز ائمہ اربعہ وغیرہ ہم نے بھی ان سے استدلال کیا ہے۔

تصاویر کے سامنے نماز نہ پڑھنی چاہیئے

اس میں یہ واقعہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بیت اللہ میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی اور جب تک تصاویر کو مٹا نہ دیا گیا تب تک داخل نہ ہوئے۔ اس سنت کی رو سے ایسے مکان میں نماز کے مکروہ ہونے کا ثبوت ہے جس میں تصاویر ہوں اور حمام میں نماز ادا کرنے سے (تصاویر) والے مکان میں نماز ادا کرنا زیادہ مکروہ ہے کیونکہ حمام میں نماز پڑھنے کی کراہت نجاست کے خیال سے یا اس وجہ سے ہے کہ حمام شیطان کا گھر ہوتا ہے اور وہ صحیح ہے۔ رہا تصاویر کا مکرہ تو اس میں شرک کا گمان ہوتا ہے اور زیادہ تر اقوام میں تصاویر اور قبروں کے واسطہ سے شرک آیا ہے۔

آپؐ نے سیاہ عمامہ بھی باندھا

اس واقعہ میں یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا اس سے گاہے گاہے سیاہ عمامہ باندھ لینے کا جواز بھی نکلتا ہے اسی وجہ سے خلفائے بنو عباس نے سیاہ پوشی کو اپنا اور اپنے گورنروں قاضیوں اور خطباء کا سرکاری شعار قرار دیا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلسل اس قسم کا لباس زیب تن نہیں فرمایا اور نہ عیدین۔ جمعہ اور عام اجتماعات کے موقع پر

آپؐ کا یہ شعار تھا بلکہ فتح مکہ کے روز صحابہؓ کے سوا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اتفاقی طور پر سیاہ عمامہ باندھ لیا اس روز آپؐ کا تمام لباس سیاہ نہ تھا بلکہ آپؐ کا جھنڈا بھی سفید تھا۔

متعہ کے بارے میں فیصلہ

نیز اس غزوہ میں عورتوں سے متعہ کرنا بھی مباح تھا لیکن اس کے بعد مکہ سے نکلنے سے پیشتر ہی حرام کر دیا گیا۔ متعہ کے حرام ہونے کے وقت میں البتہ اختلاف ہے۔ اور اس کے متعلق چار اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ خیبر کے دن حرام ہوا۔ یہ قول بھی علمائے کرام کے ایک گروہ کا ہے جس میں شافعیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے سال حرام ہوا۔ یہ ابن عیینہؒ اور علمائے کرام کی ایک جماعت کا خیال ہے۔

۳۔ تیسرا قول حنین کے سال کے متعلق ہے۔ درحقیقت یہ قول ثانی ہی ہے کیونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد غزوہ حنین واقع ہوا۔

۴۔ چوتھا قول حج کے الوداع کے سال سے متعلق ہے۔ اور یہ قول بعض رواۃ کا وہم ہے۔

ان میں صحیح قول یہ ہے کہ متعہ فتح کے سال حرام کیا گیا۔

صحیح مسلمؒ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ فتح مکہ کے سال آپؐ کی اجازت سے متعہ کیا۔ اگر یہ کام خیبر کے دن میں حرام کر دیا گیا ہوتا تو دو مرتبہ اس کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں اس کی مثال قطعاً نہیں ملتی۔

نیز خیبر کے دن فوج کے ساتھ مسلمان عورتیں نہ تھیں، بلکہ یہودی عورتیں موجود تھیں اور اس زمانہ میں ابھی تک اہل کتاب عورتوں کی اباحت کا حکم

نازل نہ ہوا تھا بلکہ یہ اس واقعہ کے بعد سورہ مائدہ میں مباح قرار دی گئیں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات، والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔

اہل کتاب کی عورتیں کب حلال ہوئیں

اسی طرح اس خیبر کے روز اہل کتاب کی عورتیں حلال ہی نہ تھیں اور نہ فتح سے قبل سے مسلمانوں کو دشمنوں کی عورتوں سے کچھ دلچسپی اور رغبت تھی۔ البتہ فتح کے بعد ان میں سے بعض گرفتار ہوگئیں اور مسلمانوں کی لونڈیاں قرار دے دی گئیں۔ اور یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غیر معروف تھا۔ اس وقت اس کی شہرت ہوئی تو نزاع واقع ہوگیا۔ (اور نزاع ہوتے نیز اس مسئلہ کے متعلق تمام روایات سامنے آجانے کی وجہ سے) اس کی حرمت (حرام ہونا) ظاہر ہوگئی۔

مسلمان عورت کافر کو امان دے سکتی ہے

فتح کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمہ عورت کو بھی ایک یا دو مردوں کو امان دے دینا جائز ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ام ہانیؓ کے امان دینے پر ان کے امان کی توثیق فرمادی۔

نیز اس سے مرتد کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے جس کا ارتداد توبہ نہ کرکے شدید صورت اختیار کرگیا ہو۔ کیونکہ عبداللہ بن سعید بن ابی سرح نے اسلام قبول کرکے ہجرت بھی کی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وحی بھی لکھا کرتا تھا پھر مرتد ہوگیا اور مکہ میں کفار سے جا ملا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو حضرت عثمانؓ بن عفان اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لے آئے تاکہ بیعت کرادیں۔ آپؐ

نے دیر تک ہاتھ روکے رکھا۔ پھر بیعت لی اور فرمایا:

میں نے اس لیے ہاتھ روک رکھا تھا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن مار دے۔

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے میری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟

آپؐ نے فرمایا کہ نبی کو مناسب نہیں کہ اس کی آنکھیں خیانت کرنے والی ہوں۔

غزوۂ حنین

مسلمانوں کی شکست اور فتح کا راز

آں حضرتؐ کی استقامت یہ مکہ اور طائف کے درمیان دو جگہیں ہیں۔ اس جگہ کے نام پر اس غزوہ کا نام پڑ گیا۔ اس کا غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ (بنو ہوازن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جب ہوازن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فتح مکہ کی خبر سنی تو وہ مالک بن عوف نصری سے جا ملے۔ اور ہوازن کے علاوہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ نیز مضر، جشم کے تمام افراد اور سعد بن بکر بھی ان سے مل گئے اور مالک بن عوف نصری کو لوگوں کے مشورہ سے حکم بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تو مردوں کے ساتھ ساتھ اپنے اموال، عورتوں اور بچوں کو بھی لے آئے۔ جب اوطاس میں اترے تو لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں درید بن صمہ بھی تھا۔ اترنے کے بعد پوچھا کہ تم کس وادی میں ہو؟ جواب ملا اوطاس میں! کہنے لگا۔

میں اونٹوں کی بلبلاہٹ۔ گدھوں کی آواز۔ بچوں کی چیخ پکار اور بکریوں کی منمناہٹ (ہر چیز) سن رہا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مالک بن عوف

لوگوں کو ان کی عورتوں۔ اموال اور بچّوں کے ہمراہ لایا۔ اس نے پوچھا مالک کہاں ہے ؟

جواب ملا، یہ ہے مالک! اور اسے بلا لیا گیا۔

اس نے کہا مالک آج تو اپنی قوم کا سردار بن چکا ہے۔ کیا بات ہے کہ اونٹوں کی بلبلاہٹ گدھوں کی آواز۔ بچّوں کی چیخ پکار اور بکریوں کی منمناہٹ سن رہا ہوں؟

اس نے کہا میں نے ان کے ساتھ ان کی عورتوں بچوں اور اموال کو لے کر آیا ہوں۔

اس نے پوچھا، کیوں ؟

اس نے کہا میں نے چاہا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل وعیال اور مال کو بٹھادوں تاکہ اس کی حفاظت کے خیال سے (خوب جوش) سے لڑے۔

اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم تو بھیڑوں کا چرواہا ہی نکلا۔ کیا شکست کھانے والے کو کوئی چیز روک سکتی ہے ؟ (یاد رکھ) تجھے صرف تلوار اور نیزے سے مسلّح سپاہی ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ اور اگر تجھے شکست ہو گئی۔ تو تو اپنے اہل وعیال اور مال کی جانب سے بھی رسوا ہو گا۔

درید بن صمہ کی جنگی ہدایتیں

اس کے بعد درید بن صمہ نے اُسے جنگی نصیحتیں کیں اور اہل وعیال کو واپس کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن مالک نے اس کے تمام مشورے رد کر دیئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ جب تم انہیں (مسلمانوں کو) دیکھو تو تلواروں کی نیامیں توڑ دو اور فردِ واحد کی طرح پورے اتحاد سے سخت ترین حملہ کرو۔

نیز اس نے اپنے چند مخبر بھیجے وہ واپس آئے تو اس حال میں کہ ان کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔

اس نے پوچھا تمہارا ناس ہو تمہاری کیا حالت ہے ؟

وہ کہنے لگے کہ ہم نے سفید لباس میں ملبوس آدمیوں کو گھوڑوں پر دیکھا ہے اللہ کی قسم ہم ٹھیر نہ سکے حتیٰ کہ جو تو دیکھ رہا ہے۔ ہماری یہ حالت ہو گئی۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپؐ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بھیجا اور انہیں لوگوں میں داخل ہو جانے کا حکم دیا، وہ ان میں داخل ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے متعلق جو کچھ انہوں نے تیاری کر رکھی تھی۔ تمام احوال سنے اور مالک سے بھی (تمام باتیں) سنیں اور ہوازن کے ارادے معلوم کر کے واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات کی خبر دی۔

اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کی طرف سفر کیا تو آپؐ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہیں اور ہتھیار ہیں۔ آپؐ نے اس کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ اس زمانہ میں مشرک تھا۔

مشرک سے مدد لی جا سکتی ہے

آپؐ نے فرمایا اے ابو امیہ ہمیں اپنے ہتھیار مستعار دو۔ کل ہم ان سے اپنے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

صفوان بولا، اے محمد، غصب کرنا چاہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں مستعار لے رہا ہوں۔ اور واپس دینے کی ضمانت لیتا ہوں۔

وہ کہنے لگا۔ اچھا پھر کوئی ہرج نہیں۔ اس نے آپؐ کی خدمت میں ایک سو زرہیں پیش کیں اور ساتھ ہی بقدر کفایت ہتھیار بھی مہیا کیے۔ نیز خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سواریوں کے متعلق بھی فرمایا۔ اس کی تعمیل بھی کی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ آپؐ کے ہمراہ اہل مکہ کے دو ہزار اور مدینہ سے آنے والے دس ہزار مسلمان تھے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا۔ مسلمانوں کی کل تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ آپؐ نے عتاب بن اسوید کو مکہ پر سردار بنا دیا۔ پھر ہوازن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ سے انہیں عبدالرحمٰن بن جابر سے انہیں اپنے والد جابر بن عبداللہ سے روایت ملی کہ فرمایا کہ جب ہم وادی حنین میں آئے تو ہم حطوط

کے درمیان ایک وادی میں اُترے ۔ اور ہم اُتر رہے تھے کہ (دشمن) کی قوم نے وادی پر ہم سے پہلے قبضہ کر لیا تھا ۔ چنانچہ وہ لوگ غاروں ۔ اطراف اور تنگ مقامات پر چھپ گئے اور حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد ہو گئے ۔ اللہ کی قسم ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ ہم چار طرف سے فوج میں گھر گئے ہیں ۔ انھوں نے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا ۔ اور ہم لوگ واپس بھاگ کھڑے ہوئے کوئی ایک دوسرے کی طرف نہ جاتا ۔

بھاگنے والوں کو رسولؐ کا بلاوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب ہٹ گئے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا ، اے لوگو! کہاں جا رہے ہو ؟ میری طرف آؤ ۔ میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں ۔

اور حالت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین اور اہل بیت میں سے چند آدمی باقی رہ گئے تھے ۔ مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ جو رہ گیا ۔ ان میں سے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے ۔ اور اہل بیت میں سے حضرت علیؓ ۔ عباسؓ ۔ ابوسفیانؓ بن حرث ۔ ان کا بیٹا فضل بن عباس ربیعہؓ بن حرث ۔ اسامہؓ بن زید اور ایمن بن ام ایمنؓ تھے ۔ یہ موخر الذکر اسی دن شہید ہو گئے تھے ۔ راوی نے بتایا کہ ہوازن میں سے اس روز ایک آدمی جو بنو ہوازن کے آگے آگے ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا اور ایک لمبا نیزہ اس کے سر سے (اوپر نکل) رہا تھا اور ہوازن اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے ۔ جب اسے نیزہ لگا اور لوگوں نے اسے نہ پایا ، تو اس کے پیچھے والے نے نیزہ اٹھا لیا ۔ وہ اس کے پیچھے لگ گئے ۔ اسی حالت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ایک انصاریؓ نے اس پر حملہ کر دیا اور کام تمام کر دیا ۔

ایک دشمن رسولؐ کی کہانی اور بتایا ، اللہ کی قسم ان کی شکست کے بعد لوگوں کی ابھی واپسی بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے گرفتار شدگان موجود تھے ۔ ابن سعد نے شیبہ

بن عثمان حجبی سے نقل کیا کہ فتح کے سال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو میں بھی قریش کے ہمراہ حنین میں بنو ہوازن کے مقابلہ میں گیا اس خیال سے کہ شاید مجھے کوئی موقع مل جائے اور میں محمدؐ سے کچھ بدلہ لے سکوں، بلکہ تمام قریش کی جانب سے میں ہی بدلہ لے لوں۔ اور میں کہہ رہا تھا کہ (نعوذ باللہ) اگر تمام عرب اور عجم نے بھی محمدؐ کی بیعت کر لی تو بھی میں اس کا اتباع نہ کروں گا۔

اور جب میں نکلا تو میرا یہ ارادہ پختہ تر ہی ہو رہا تھا چنانچہ جب (میدان حرب) میں لوگوں کا اختلاط ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اُتر آئے۔ میں نے تلوار سونتی اور آپؐ کے قریب ہو گیا۔ اور میں نے جو ارادہ کرنا تھا کر لیا۔ میں نے تلوار اٹھا بھی لی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ اب یہ خاص انہیں پر جا رہی ہے کہ اچانک آگ کا ایک شعلہ میرے سامنے بلند ہوا جیسے بجلی ہو اور وہ مجھے بھسم کر کے رکھ دینا چاہتا ہو۔ میں نے ڈر کر اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ آپؐ نے مجھے آواز دی اے شیب! میرے نزدیک ہو۔ میں آپؐ کے قریب ہو گیا۔ آپؐ نے میرے سینہ پر (ہاتھ) پھیرا اور دعا فرمائی، اے اللہ اسے شیطان سے بچا (شیب) کہتا ہے کہ اس وقت آپؐ مجھے اپنے کان بصارت اور جان سے زیادہ محبوب بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے (برا خیال) دور کر دیا۔

جان کے دشمن سے آپؐ کا خطاب

پھر آپؐ نے فرمایا، قریب ہو جا اور جہاد کر۔ پھر میں آپؐ سے آگے آگے بڑھا اور تلوار مارنے لگا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میں آپؐ کو اپنی ہر چیز کے عوض میں بچا کر رکھوں۔ اور اس وقت اگر میں اپنے باپ کو مقابلے پر دیکھتا اگر وہ زندہ ہوتا تو اس پر بھی تلوار چلا دیتا۔ چنانچہ میں آپؐ کے ہمراہ رہنے والوں کے ساتھ ہی رہا۔ یہاں تک کہ مسلمان واپس ہوئے اور لوٹ کر دوبارہ فردِ واحد جیسے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خچر پیش کیا گیا۔ آخر کار آپؐ اپنے خاص لشکر میں تشریف لائے اور اپنے خیمے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی آپؐ کے بعد داخل ہو گیا اور میرے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ میں آپؐ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے اور شدت فرحت کے باعث اندر گیا۔

آپؐ نے فرمایا، اے شیب اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اس سے بہتر ارادہ فرمایا، جو تو نے اپنے لئے ارادہ کیا، پھر آپؐ نے مجھے میرے تمام مضمر ارادے بتا دیئے۔

میں نے عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا، میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔

ابن اسحق فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ نے بتایا انھیں کثیر بن عباس سے انھیں اپنے والد عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ملی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اور آپؐ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا، اور میں ایک موٹا جسم اور بلند آواز والا آدمی تھا۔

(حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب آپؐ نے لوگوں کو (بھاگتے) دیکھا، اے لوگو، کہاں جاتے ہو؟

(حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز کی طرف دھیان نہیں دے رہے۔

آپؐ نے فرمایا: اے عباس زور سے آواز دو، اے انصار کی جماعت ، اے اصحاب سمرہ چنانچہ اس پر سب نے لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) کی صورت میں جواب دیا۔ جب ایک سو آدمی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کی طرف منہ کیا اور قتال کیا، چنانچہ پہلی آواز یہ تھی، اے انصار پھر فرمایا اے خزرج۔ اور یہ لوگ لڑائی کے موقع پر ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اب میدان کارزار گرم ہو گیا۔
اور فرمایا :

انا النبی لا کذب　　انا ابن عبد المطلب
میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں　　میں عبد المطلب کی اولاد میں سے ہوں

آں حضرتؐ کا ایک معجزہ

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں، انھیں کفار کے چہروں پر مارا اور فرمایا محمد کے پروردگار کی قسم (کفار) شکست کھا گئے۔

آپؐ نے یہ کنکر مارے ہی تھے کہ میں ان کی طرف دور تک دیکھ رہا تھا کہ (کفار) شکست کھا کر واپس بھاگنے لگے۔ روایت کا ایک لفظ یہ بھی ہے کہ آپ خچر سے اُتر آئے اور زمین پر سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔ پھر (کفار) کے چہروں پر دے ماری چنانچہ ان میں سے اللہ نے کوئی انسان بھی ایسا پیدا نہ کیا تھا کہ جس کی آنکھوں میں اس مٹھی کی مٹی نہ پڑ گئی ہو۔ چنانچہ وہ پیٹھ پھیر کر واپس بھاگ اُٹھے اور مالک بن عوف بھاگ کر بنو ثقیف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ تمام چیزیں جمع کی گئیں اور جعرانہ کے مقام پر رکھ دی گئیں۔ اس دن چھ ہزار پارچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

نو مسلموں کے ساتھ خاص رعایت اور سلوک

پھر آپؐ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کرنا شروع فرمایا اور عام مسلمانوں سے قبل مولفۃ القلوب کو عطا فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے ابو سفیانؓ کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ مرحمت فرمائے۔

(ابو سفیان) کہنے لگے، میرا بیٹا یزید ہے، آپؐ نے فرمایا اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دیئے۔

پھر کہنے لگا، میرا بیٹا معاویہؓ ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی

اور ایک سو اونٹ دو۔

نیز آپؐ نے حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ عطا فرمایا۔ انھوں نے دوبارہ درخواست کی۔ آپؐ نے ایک سو اور عطا فرمایا۔

نیز آپؐ نے نضر بن حرث بن کلدہ کو ایک سو اونٹ عطا کیے۔

نیز علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اونٹ عطا فرمائے۔

اسی طرح راوی نے سو اور پچاس والے اصحاب کا ذکر کیا ہے اور (بتایا) ہے کہ آپؐ نے عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ مرحمت کیے۔ انھوں نے اس کے متعلق ایک (تعریفی) شعر عرض کر دیا۔ آپؐ نے سو پورے کر دیئے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ غنائم اور لوگوں کو سامنے لایا جائے۔ اس کے بعد تمام لوگوں پر وہ مال تقسیم ہوا، تو چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں ہر آدمی کے حصّہ میں آئیں اور جو سوار تھے انہیں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا انہیں محمود بن لبید نے انہیں حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ملی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بڑے بڑے عطایا قریش میں اور قبائل عرب میں تقسیم فرمائے۔ اور انصارؓ کو ان میں سے کچھ بھی نہ ملا تو انصار کے ایک قبیلہ کے دل میں کچھ خیال سا گذرا، حتیٰ کہ کثرت سے باتیں ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایک آدمی نے یہ بھی کہہ دیا کہ:

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کا خیال کرتے ہیں۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، انصار کا یہ قبیلہ آپؐ کے متعلق اپنے دل میں کچھ (غلط) باتیں رکھتا ہے، جب کہ آپؐ نے اس غنیمت کا بڑا حصّہ اپنی ہی قوم میں تقسیم کیا اور آپؐ نے قبائل عرب کو بڑے بڑے عطایا مرحمت فرمائے ہیں۔ لیکن انصار

کے اس قبیلہ کو کچھ نہیں ملا۔

آپؐ نے فرمایا، اے سعدؓ تم اس بات کے ہوتے ہوئے کہاں ہو؟ انھوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسولؐ میں اپنی قوم ہی میں ہوں۔

آپؐ نے فرمایا، اپنی قوم کو یہاں بلا کر لاؤ۔

فرمایا کہ مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے۔ آپؐ نے انہیں چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے آئے، انہیں لوٹا دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے۔ سعدؓ آئے اور عرض کیا (اے رسول اللہ) انصار کا یہ قبیلہ آپؐ کے حکم پر جمع ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا:

جماعت انصار سے رسول اللہؐ کا خطاب

اے انصار کی جماعت، مجھے تمہاری ایک بات پہنچی ہے کہ تمہارے قلوب میں وہ چیز کھٹکتی ہے، کیا تم گمراہ نہ تھے، پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور کیا تم مفلس نہ تھے مگر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں غنا عطا کیا؟ کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے۔ پھر اللہ نے (میری وجہ سے) تمہارے دلوں میں محبت بھر دی؟

انھوں نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے

پھر فرمایا، اے انصار کی جماعت تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا ہی احسان اور فضل ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تم سچ کہو گے اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے پاس آیا۔ جب (قریش نے) تیری تکذیب کی تھی۔ اور ہم نے تیری تصدیق کی تو کمزور تھا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تجھے وطن سے نکال دیا گیا۔ ہم نے تجھے پناہ دی تو مفلس آیا تھا ہم نے

تیری مواسات کی۔

کیا تمہارے دلوں میں دنیا کی محبّت ہے؟ میں نے اس (مالِ غنیمت) سے ایک قوم کا دل رکھا ہے تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائے اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔

اے انصار کی جماعت کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اُونٹ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسولؐ کو لے جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ تم لے کر جا رہے ہو، وہ اس سے بہتر ہے کہ جسے وہ لے کر جا رہے ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں ایک آدمی ہوتا۔ اور اگر لوگ ایک علاقہ اور وادی میں چلیں اور انصار دوسرے علاقے اور وادی میں چلیں تو میں انصار کے علاقے اور ان کی وادی میں چلوں گا۔ انصار شعار (اصل) ہیں اور لوگ دثار (بڑی چادر) ہیں، اے اللہ انصارؓ پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصارؓ کے پوتوں پر رحم فرما۔

راوی بتاتے ہیں کہ انصار رو پڑے۔ حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہوئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور لوگ بھی منتشر ہو گئے۔

رضاعی بہن سے آپؐ کا حسن سلوک

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ہمشیرہ شیماء بنت حرث بن عبدالعزیٰ حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں۔

آپؐ نے فرمایا اس کا ثبوت؟

انھوں نے عرض کیا، میں آپؐ کو اٹھائے ہوئی تھی کہ آپؐ نے میری پیٹھ میں کاٹا تھا یہ ہے وہ نشان۔

راوی کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامت سے پہچان لیا اور ان کے لیے

اپنی چادر بچھا دی اس پر بٹھایا اور آپؐ نے ان پر احسان فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم
میرے پاس رہنا چاہو تو اکرام و احترام سے رہو گی۔ اور اگر اپنی قوم کی طرف جانا چاہو
تو بھی میں عطا کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا آپؐ انعام دیجئے اور مجھے اپنی قوم کی طرف
لوٹا دیجئے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔

دشمن کے تمام جنگی قیدیوں کو آپؐ نے رہا کر دیا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو ہوازن کا ایک وفد آیا۔
یہ چودہ آدمی تھے۔ اور زہیر بن صرد ان کا سردار تھا۔ نیز ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے رضاعی چچا ابو برقان تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں اور
اموال کی درخواست کی (نیز انہوں نے اپنے گرفتار شدگان کی واپسی کی درخواست
کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی اور تمام قیدی واپس کر دیئے۔

غزوۂ حنین سے متعلق

مسائل فقہیہ اور نکتہ ہائے حکمت

اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ وعدہ کیا۔ اور وہ سچے وعدے والا ہے کہ جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو آپؐ کے دین میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہو گئے۔ اور تمام عرب نے آپؐ کی اطاعت کر لی۔ جب یہ فتح مبین مکمل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بنو ہوازن اور ان کے اتباع کے دل اسلام لانے سے رُک گئے اور انھوں نے قوم کو جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے تاکہ اللہ کا امر ظاہر ہو جائے اور اس کے رسول اور اس کے دین کی عزت و حرمت ظاہر ہو جائے تاکہ ان کے غنائم اہل فتح کے لئے شکرانہ کے طور پر بن جائیں۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسولؐ اور اپنے بندوں کو غالب کر دے۔ اور اس عظیم شوکت کے باعث کہ اس سے قبل اہل اسلام کو کبھی بھی ایسی عظمت حاصل نہ ہوئی (کفار پر) غالب کر دے تاکہ اس کے بعد کوئی عرب ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ بھی کئی حکمتیں تھیں جو غور کرنے والوں کے سامنے آسکتی ہیں۔ اور فکر کرنے والوں کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت، بالغہ کا تقاضا یہ ہوا

کہ دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور عظمت شان و شوکت کے باوجود انہیں شکست اور ہزیمت کا مزہ چکھائے تاکہ فتح کے باعث جو سر اٹھے وہ جھک جائے اور اللہ کے شہر اور حرم میں اس طرح داخل نہ ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فاتحانہ طور پر لیکن پھر) اپنے کو نیچے رکھے۔ گھوڑے پر اس قدر جھکے تھے کہ آپؐ کی ٹھوڑی پروردگار کے سامنے عجز اور اس کی عظمت کے سامنے انکساری اور اس کی عزت کے سامنے خضوع کرتے ہوئے کاٹھی سے لگ رہی تھی۔

اور اللہ نے اپنا شہر اور حرم اپنے نبی کے لئے حلال کیا۔ آپؐ کے بعد اور آپؐ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

نیز اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے عساکر کو مکہ کے غنائم سے منع کر دیا انہوں نے یہاں کسی قسم کا کوئی سونا چاندی۔ مال و متاع۔ قیدی اور زمین وغیرہ حاصل نہ کی۔ جیسے ابو داؤد نے وہب بن مبنہ سے روایت فرمایا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے دریافت کیا۔ کیا فتح مکہ کے دن آپؐ لوگوں کو کچھ مالِ غنیمت ملا۔ وہ کہنے لگے، نہیں، بلکہ (صحابہؓ) نے اس شہر کو گھوڑوں اور سواروں سے فتح کیا تھا اور ان کی تعداد دس ہزار تھی اور انہیں ان ضروریات کی حاجت بھی تھی جو اسباب قوت کی طرح ایک لشکر کو درپیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں کو جنگ کی تحریک دی۔ اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنے اموال، چوپائے بکریاں اور ساتھ ہی عورتوں کو بھی لے کر آئیں تاکہ اللہ کے لشکر کی ضیافت اور کرامت ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقدیر پوری ہو کر رہے کہ اس نے انہیں فتح عطا کی اور نصرت کے مبادی ظاہر فرما دیئے تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے۔ جو ہونے والا تھا۔

عنایات رسولؐ کا نتیجہ، قبول اسلام

اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے اولیاء کے لئے مدد نازل فرمائی اور غنائم بھی آگئے اور ان میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ جاری ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا

کہ ہمیں تمہاری جانوں تمہاری عورتوں اور بچوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین (بنو ہوازن) کے قلوب میں توبہ اور انابت ڈال دی۔ اور وہ مسلمان بن کر حاضر ہوئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حسنِ اسلام کی تحسین کے طور پر ہم تمہاری عورتوں بچوں اور قیدیوں (غلاموں) کو واپس کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے تمہارے قلوب بہتر دیکھے تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم نے لیا تھا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نیز اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی دلجوئی فرمائی اور انہیں فرحت عطا فرمائی کیونکہ نصرت اور غنائم ملیں اور یہ معاملہ دوا بن گیا جب کہ (اس سے قبل) دل ٹوٹ چکے تھے۔ نیز یہ ٹھیک ٹھیک اہل مکہ کی دلجوئی اور ان پر اتمام نعمت تھا کہ بنو ہوازن کے شر سے انھیں بچا لیا کیونکہ تنہا قریش میں ان کے مقابلے کی ہمّت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے ذریعہ ان کی نصرت فرمائی اور وہ تنہا ہوئے تو ان کا دشمن ان کا صفایا کر دیتا۔

نیز اس کے علاوہ کئی حکمتیں ہیں کہ جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بغیر کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ نیز اس میں بعض مسائل فقہ بھی حل ہو جاتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ امام کو چاہیئے کہ مخبر (جاسوس) بھیجے جو کہ دشمن کی فوج میں داخل ہو کر ان کی خبریں مہیّا کریں اور جب امام کو دشمن کے حملے کا ارادہ معلوم ہو اور اس کے لشکر کی جمعیت اور قوت کا پتہ چلے۔ تو وہ انتظار میں نہ بیٹھا رہے بلکہ خود چل کر مقابلہ کرے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہوازن کی طرف خود تشریف لے گئے یہاں تک کہ حنین کے مقام پر مقابلہ ہوا۔

مشرکین سے مدد لینے کا جواز

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مشرکین سے ہتھیار اور دشمن سے لڑنے کے لئے جنگی سامان حاصل کرے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے زرہیں حاصل کیں، حالانکہ وہ اس دن مشرک تھا۔

مادی اسباب کا استعمال منافی توکل نہیں

نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام مادی اسباب جو اللہ تعالیٰ نے نتائج کے لئے تیار رکھے ہیں انھیں استعمال میں لانا یہ طریقہ توکل کا نتیجہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب توکل کے لحاظ کامل تھے۔ لیکن پھر بھی وہ جب دشمن کے مقابلہ میں آئے تو کئی انواع کے ہتھیاروں سے اپنا تحفظ کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر خود تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرما دی تھی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاس یعنی اور اللہ تعالیٰ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

ابوالقاسم نے ابن عساکر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی عورت کے واقعہ کے بعد جب اس نے ایک زہر آمیز بکری پیش کی تھی (اس کے بعد) آپؐ کو کوئی آدمی کھانا پیش کرتا تو آپؐ اسے تب تک نہ کھاتے جب تک کہ پیش کرنے والا اس میں سے خود (کچھ نہ کچھ) کھا نہ لیتا۔ علمائے کرام بتاتے ہیں کہ اس میں بادشاہوں کے لئے اسوہ ہے۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتا دیا کہ وہ اپنا دین تمام ادیان پر غالب کر دے گا۔ اور اسے بلندی اور رخصت عطا کرے گا۔ یہ وعدہ اللہ کے امیر قتال اور قوتِ عسکری اور گھوڑے تیار کرنے کے حکم کے خلاف نہیں اور اس بات کے منافی بھی نہیں کہ جو اس نے دشمن سے بچاؤ اور تحفظ اور ہر قسم کی جنگ اور توریہ سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو زندگی کی ضمانت دی یہاں تک کہ آپؐ پیغام رسالت پہنچا دیں اور اپنے دین کو غالب کر دے۔ چنانچہ آپ خورد و نوش، لباس اور جائے سکونت کے لحاظ سے تمام اسباب زندگی حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض نے دعا کرنا بھی ترک کر دی۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں، کیونکہ اگر مطلوب ان کے

مقدر میں لکھا ہے تو پھر ضرور مل کر رہے گا۔ اور اگر مقدر میں نہیں ہے تو بالکل نہ ملے گا۔ اس لئے دعا میں مصروف رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟

ایسے خبط الحواس آدمی کی مثال اس طرح ہے کہ وہ یوں کہے اگر اللہ تعالیٰ نے شکم سیر ہونا میرے مقدر میں لکھا ہے تو شکم سیر ہو کر رہوں گا۔ چاہے میں کھاؤں یا نہ کھاؤں اور اگر شکم سیر ہونا میرے مقدر میں نہیں ہے تو چاہے کھاؤں یا نہ کھاؤں ہرگز شکم سیر نہ ہوں گا۔ اس لئے کھانے کا فائدہ ہی کیا ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور شریعت انتظامیہ) کے منافی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے۔

مستعار اسلحہ لیتے وقت شرط ضمان

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے اسلحہ مستعار لیتے وقت ضمان کی شرط لگا دی، بلکہ ضمانت پر اسلحہ مستعار لئے کیا شریعت میں مستعار لینے کے متعلق یہ ایک باقاعدہ مسئلہ کی بنیاد تھی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی آپ نے وضاحت فرمائی ؟ کہ اس کا حکم ضمان کا ہے جیسے غصب شدہ کی ضمان پڑتی ہے یا بعینہ اس اسلحہ کی واپسی کی ضمانت تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ میں انہیں واپس کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور یہ ضائع نہ ہوں گے بلکہ میں اسی حالت میں انھیں واپس کروں گا۔

فقہاء کا اختلاف اور اقوال متعددہ

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ پہلے قول پر ہیں کہ ضائع ہونے پر ضمان لازم ہوگا اور ابو حنیفہؒ اور مالکؒ دوسرے قول پر ہیں یعنی واپس کرنے کی ضمانت ہوگی۔ البتہ مالکؒ کے مذہب میں اس کی مزید وضاحت ہے وہ یہ کہ اگر وہ چیز ایسی ہے جو غائب نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ حیوان اور زمین ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم نہ ہوگی، جب تک کہ اس کا کذب واضح نہ ہو جائے۔ اور اگر غائب ہونے والی اشیاء میں سے ہے جیسے کہ زیورات وغیرہ تو ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم ہوگی جب تک کہ شہادت پیش نہ کر دے جو اس کے تلف ہونے کی گواہی دے۔ اس

مسلک کا راز یہ ہے کہ مستعار چیز ایک قسم کی غیر مضمون امانت ہے جیسا کہ ابو حنیفہؒ نے کہا ہے لیکن (امام مذکورؒ) ظاہر نص کے خلاف قبول نہیں کرتے۔ اس وجہ سے انھوں نے غائب ہو سکتے اور غائب نہ ہو سکنے کا فرق کیا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ اس قصہ میں ذکر ہے کہ بعض زرہیں جو گم ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضامن بننے کی پیشکش کی تو انھوں نے عرض کیا۔ آج میں اسلام کو پسند کر چکا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ کیا آپؐ نے اس کے سامنے ایک امر واجب کی (ادائیگی کا) معاملہ پیش فرمایا، یا یہ فقط استحباب کا معاملہ تھا جو کہ ایک مستحسن فعل تھا اور جسے اخلاق حسنہ اور محاسنِ شریعت کا حصّہ کہا جا سکتا ہے؟

بعض لوگ دوسری بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک آپؐ نے ضمان کی پیش کش فرمائی اور اگر ضمان واجب نہ ہوتی تو آپؐ اس طرح پیشکش نہ فرماتے بلکہ آپؐ اسے ویسے ہی ادا فرماتے اور فرماتے کہ یہ تیرا حق ہے۔ جیسے گم ہونے والی بعینہ موجود ہو۔ یعنی کہ آپ اسے واپس کرنے کی پیشکش نہ کرتے اس پر غور کیجئے۔

میدان جنگ میں دشمن کی سواری زخمی کی جا سکتی ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے گھوڑے اور سواری کو زخمی کرنا جائز ہے جب کہ اس سے اس کے قتل پر مدد مل سکتی ہو۔ جیسے حضرت علیؓ نے کفار کے علی بردار کا اونٹ زخمی کر دیا اور حیوان کو اس قسم کی ایذا دہی ممنوع نہیں۔

قتل کا ارادہ کرنے والے کو معافی

نیز اس میں سے یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو معاف فرما دیا جس نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، بلکہ اس کو دعا بھی دی اور اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، پھر وہ سچا مسلمان بن گیا

معجزات نبوی اور علامات رسالت

نیز اس غزوہ میں معجزات نبوت اور علاماتِ رسالت بھی کثرت سے ظاہر ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کا پتہ چلا جب کہ لوگ واپس ہونے لگے تو آپ فرما رہے تھے

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں، جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں

جب کہ مشرکین کے دستوں نے آپؐ کا مقابلہ کیا۔

اسی قبیل سے وہ معجزہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پھینکی ہوئی ایک مٹھی مٹی کو دور ہونے کے باوجود کفار کی آنکھوں میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ دشمن کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے علاوہ ملائکہ کا اتر کر قتال میں شریک ہونا بھی ایک معجزہ تھا اور کفار اور مسلمانوں نے بھی کھل کر انہیں دیکھا۔

امام کے اختیارات خاصہ

نیز ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ کفار کے اسلام لانے کا انتظار کر کے غنائم تقسیم کرے اور اگر وہ لوگ اسلام اور اللہ کی اطاعت کو قبول کر لیں تو ان کے غنائم اور گرفتار شدگان کو واپس کر دے۔ اسی دلیل سے (یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد غنیمت کی (انفرادی) ملکیت ہو سکتی ہے محض قابض ہونے سے (کوئی مالک نہیں بن سکتا) اور اگر مسلمان محض غلبہ اور استیلاء سے مالک ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نرمی سے واپس کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تقسیم سے قبل کوئی مسلمان (غانم) فوت ہو جائے تو اس کا حصہ وارثوں کی بجائے باقی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر استیلاء سے قبل کوئی فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر تقسیم کے بعد فوت ہو تو اس کے وارثوں کا حصہ ہوگا۔

عطائے رسول کی حیثیت اور نوعیت

اور یہ عطاء عمومی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر فرمائی اور اس کے ذریعے ان کی تالیف قلوب فرمائی، کیا یہ غنیمت میں سے تھی یا خمس سے خمس میں سے؟

امام شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ خمس کے خمس میں سے تھا اور یہ خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حصہ تھا جسے آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ

عام حال غنائم کے علاوہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عطایا دیتے وقت کسی سے اذان حاصل نہیں کیا۔ اور اگر یہ عطایا مالِ غنیمت میں سے ہوتے تو آپؐ اس کی اجازت لیتے کیونکہ عام مسلمان استیلاء اور قبضہ کے بعد اس مال کے مالک ہو چکے تھے۔

انفال اللہ اور رسول کے لئے ہیں

نیز یہ بھی معلوم ہے تمام انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ رسولؐ انہیں وہاں تقسیم کرتا ہے جہاں اس نے حکم دیا۔ وہ کسی بات میں تعدی نہیں کرتا۔ اگر آپؐ تمام غنائم کو بھی اسلام کی مصلحتِ عمومی کی خاطر (تالیفِ قلوب وغیرہ) میں صرف فرما دیتے تو بھی یہ فعل حکمت، مصلحت اور عدل سے خالی نہ ہوتا اور حبِ ذی الخویصرہ تمیمی کی آنکھوں سے یہ مصلحت و حکمت اوجھل ہو گئی تو اعتراض کرنے والے نے کہہ دیا، عدل کرو۔ کیونکہ تم نے عدل نہیں کیا۔

اور (ان کے مقابلہ) میں اس قولِ (انصار) پر اپنی مکمل نعمت نازل فرمائی اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے وطن میں واپس ہو گئے اور آپؐ ان کی قیادت فرما رہے تھے اور جو لوگ اس نعمۃ کبریٰ کی قدر نہیں پہچانتے تھے۔ وہ بکریوں اور اونٹوں پر راضی ہو گئے جیسے طفل نادان کہ اسے جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی عقل اور سمجھ کے مطابق دیا جاتا ہے اور عقل مند اور صاحبِ خرد کو اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے دباؤ میں نہیں ہے کہ وہ اپنی فہم کے مطابق اس پر جبر کر سکیں اور اسے نیز اس کے رسول کو نفاذِ امر سے محروم رکھیں

ایک فقہی مسئلہ

نیز یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا ہوازن کے غلام آزاد) کرنے کا جی نہ چاہے (اگر وہ بھی آزاد کر دے) تو اسے ہر ایک فریضہ کے بدلے چھ حصص اس فئی سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا۔ اس سے یہ بھی جواز نکلتا ہے کہ غلام بلکہ چوپائے کے بعض کو بعض کے ساتھ ادھار یا متفاضل فروخت کیا جا سکتا ہے۔

سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ کم ہوگئے۔ آپؐ نے خلائص (اونٹوں) پر زائد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک کے بدلے دو دو اونٹ لیتے رہے اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ایک حیوان کے عوض نسیئۃً بیع کو منع فرمایا ہے، ترمذیؒ نے حضرت حسن سے انھوں نے سمرہؓ سے روایت کیا ہے اور صحیح بتایا ہے۔

نیز ترمذیؒ نے حجاج بن ارطاۃ کی حدیث حضرت ابوالزبیر سے انھوں نے حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کے بدلے دو حیوان ہوتے ہوں تو نسیئاً درست نہیں اور نقد میں کوئی حرج نہیں۔ ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

ان احادیث کی بنا پر لوگوں میں اختلاف رونما ہوا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چار اقوال منقول ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ متفاضل، مساوی، نسیئۃً (ادھار) اور نقد ہر طرح جائز ہے یہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا مذہب ہے۔

۲۔ اور دوسرے نسیئۃً (ادھار) اور متفاضل صورت میں جائز نہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عورتوں اور تفاضل کے جمع ہونے کی صورت میں حرام ہے۔ اور صرف ایک صورت واقع ہونے پر جائز ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اگر جنس ایک ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اور نسیئۃً حرام ہے۔ اور اگر جنس میں اختلاف ہو تو تفاضل اور نسیہ دونوں جائز ہیں۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ یہ معاملہ جہاد اور مسلمانوں کی سخت ضرورت کے مواقع پر پیش آیا، جب کہ لشکر تیاری کر رہا تھا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ لشکر کی تیاری حیوان کے حیوان کو ادھار بیچنے کے شر سے بڑا شر تھا اور امور شریعت راجح امور کی وجہ سے معطل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال جنگ کے موقع پر ریشمی لباس

پہننے اور فخریہ اکڑ کر چلنے میں ملتی ہے کیونکہ اس وقت یہ مصلحت مرجوح ہے۔

متعاقدین غیر معین مدت کے لیے معاہدہ کر سکتے ہیں

اس واقعہ سے اس بات کی دلیل بھی ملتی ہے۔ کہ جب متعاقدین (عقد کرنے والے دونوں فریق) کے درمیان غیر محدود مدت موثر کی جائے تو بھی جائز ہے اگر وہ دونوں راضی اور متفق ہوں۔

امام احمدؒ نے آپ کی روایت سے اس کے جواز پر نص فرمائی ہے کہ غیر محدود مدّت مقرر کرنا جائز ہے۔ جب تک کہ وہ دونوں اسے ختم نہ کر دیں۔ اور یہی راجح ہے کیونکہ یہاں اس کے مقابلہ میں کوئی محذور یا عذر نہیں اور عذر کے طور پر دونوں نے رضا و بصیرت سے اسے تسلیم کیا ہے، اس لیئے علم میں دونوں برابر ہیں، اور کسی کو دوسرے پر تفوّق حاصل نہیں اس لیے یہ ظلم نہ ہوگا۔

جنگ میں مقتول کافر کا مال مسلمان قاتل کی ملکیت ہے

نیز اس غزوہ میں آپؐ نے فرمایا:۔ جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو تو اس کا لُٹا ہوا سامان (سلب) اس کا ہوگا بشرطیکہ اس کا کوئی گواہ بھی ہو۔ اور دوسرے غزوہ میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ" اس سے قبل اس پر فقہا کا اس باب میں اختلاف ہو گیا کہ یہ شرعًا سلب کا مستحق ہے یا شرط کے بعد مستحق ہوگا؟ اس کے متعلق وہ قول ہیں جو احمدؒ سے دو روایات میں ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ وہ سلب کا مستحق شرعًا ہے چاہے امام اس کے لیے شرط لگائے یا نہ لگائے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ اور دوسرا یہ ہے کہ امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں، یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قتال کے بعد امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی نص کر دے تو جائز نہیں۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حنین کے دن کے سوا کوئی روایت نہیں پہنچی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی ختم ہونے کے بعد صدقات فرمائے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حیثیتیں، منصب رسالت

اس نزع کا اصل ماخذ یہ اصول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں، حاکم اور مفتی بھی، اور رسول بھی ہیں، کبھی تو آپؐ منصب رسالت سے حکم فرماتے ہیں۔ یہ حصّہ قیامت تک شریعت عام بن جاتا ہے جیسے کہ آپؐ کا فرمان۔

"جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

رسولؐ مفتی کی حیثیت سے

اور کبھی آپؐ مفتی کی حیثیت سے علم فرماتے ہیں، جیسے آپؐ نے ابوسفیانؓ کی بیوی ہند بنت عقبہ کو، جب اس نے اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کی تو بقدر کفایت خرچ نہ دینے پر فرمایا۔

معروف طریقے پر اس قدر لے جتنا تجھے اور تیرے لڑکے کے کفایت کر سکے یہ فتویٰ ہے حکم نہیں، کیونکہ آپؐ نے ابوسفیانؓ کو بلا کر ان سے جوابِ دعویٰ نہیں سُنا۔ نہ ہند سے شہادت طلب فرمائی۔

رسولؐ امام کی حیثیت سے

اور کبھی آپؐ منصبِ امامت کی رو سے حکم فرماتے۔ اور یہ حکم اس وقت اور اس جگہ اور اس حالت میں امت کے لئے ایک مصلحت بن جاتا۔ اس لئے آپؐ کے بعد ائمہ مسلمین کو چاہیئے کہ وہ بھی وقت جگہ اور حالات کے اعتبار سے مصالح عمومی کا خیال رکھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ ہے۔

ائمہ کا اختلاف فکر و نظر

یہ مقام ایسا ہے کہ جہاں ائمہ کرام بیشتر مقامات پر اختلاف کر جاتے ہیں۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے کوئی (کافر) قتل کیا تو مقتول کا سلب (قاتل) کو ملے گا" سوال یہ ہے کہ کیا آپؐ نے یہ کلام منصب امامت سے فرمایا تاکہ یہ حکم ائمہ سے متعلق ہو جائے۔ یا منصب رسالت و نبوّت سے فرمایا تاکہ شریعتِ عام بن جائے۔ اس طرح آپؐ کا فرمان،

کہ جس نے بنجر زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہے، تو کیا یہ آدمی کے لئے عام قانون شریعت ہے، چاہے امام اجازت دے یا نہ دے، یا یہ قانون ائمہ مسلمین کی اجازت سے مشروط ہوگا؟ اور امام کی اجازت کے بغیر اس زمین کو آباد کرنے کی اجازت نہ ہوگی؟

اس میں دو قول ہیں،

۱۔ پہلا امام شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے جو ان کے ظاہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اور دوسرا ابو حنیفہؒ کا ہے اور امالکؒ نے بڑے بڑے صحراؤں اور ایسی جگہوں میں فرق کیا ہے جہاں لوگ محنت نہیں کرتے اور جہاں مخصوص طور پر محنت کرنا پڑتی ہے دوسری صورت میں امام کے اذن کا اعتبار ہوگا اور پہلی ہی اجازت کی ضرورت نہیں۔

گواہ اور بینہ کا مسئلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (کہ قاتل کے پاس) کوئی گواہ (بینہ) بھی ہو، اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں؛

۱۔ ایک یہ کہ اس نے کافر کو قتل کیا ہے، اور صرف اسی بات کو استحقاق سلب کے لیے قبول نہیں کیا جاتا۔

۲۔ دوسرے اس دعوئ میں یمین کے بغیر ایک ہی شاہد کافی ہے؟

صحیح روایت میں حضرت ابن قتادہؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہم حنین کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ جب ہم دشمن سے ملے تو مسلمان ہٹ ہٹ کر حملے کرتے تھے۔ میں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک مسلمان کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ میں پھر کر اس کی طرف پیچھے کی جانب سے آیا اور میں نے اس کے کاندھے کے جوڑ پر (تلوار) ماری، وہ میری طرف پلٹا اور بری طرح چمٹ گیا، یہاں تک کہ مجھے موت آتی محسوس ہوئی، پھر وہ مرگیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے بعد میں حضرت عمر بن خطاب سے جا ملا۔ انھوں نے کہا لوگوں کو کیا ہوا ہے؟

میں نے کہا، اللہ کا امر ہے۔

پھر لوگ واپس چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا، جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس کوئی بینہ ہو، تو اس کے سلب کا وہ مستحق ہوگا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور کہا، میری گواہی کون دے گا؟ آپؐ نے تین بار یہ فرمایا اور میں اٹھتا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو قتادہؓ کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے سچ کہا اور اس مقتول کا سلب میرے پاس ہے۔ اس لئے اسے اس کا حق دے دیجئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے لڑتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا سلب ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا، اسے دے دو۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے (اس کا سلب عطا فرمایا۔ میں نے زرہ بیچ دی اور میں نے بنو سلمہ سے ایک زنبیل خرید لی۔ یہ پہلا مال تھا جو مجھے اسلام میں حاصل ہوا۔

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں، جن میں سے ایک ہے، اور یہ مذہب احمدؒ کے مطابق ہے۔ دوسرا یہ کہ شاہد اور یمین دونوں ضروری ہیں، جیسے احمدؒ کی روایات میں سے ایک روایت منقول ہے۔

تیسرا امام احمدؒ کا منصوص ہے کہ دو گواہ ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ قتل کا دعویٰ ہے جو دو گواہوں کے بغیر قبول نہیں ہو سکتا۔

اس واقعہ میں ایک اور مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، وہ یہ کہ شہادت میں یہ لفظ کہ "میں گواہی دیتا ہوں" کا استعمال ضروری نہیں اور امام احمدؒ سے یہ صحیح ترین روایت ہے اگرچہ ان کے اصحابؒ کے خیال میں جو (ان مذکورہ الفاظ) کا زبان سے ادا کرنا لازمی ہے اور یہی (موخر کلام) امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے لفظ شہادت کی شرط معروف نہیں۔

سلب کا خمس نکالنا ضروری نہیں

اور آپؐ کا فرمان کہ مقتول کا سلب قاتل کا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سلب کا خمس نکالے بغیر مالک تھا اور سلمہ بن اکوع کے معاملہ میں آپؐ نے صراحت بھی فرمادی، کہ جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا تو تمام سلب (قاتل) کی ملکیت ہے۔

اس مسئلہ میں بھی تین مذاہب ہیں، ایک کا ذکر ہوچکا۔

دوسرا یہ ہے کہ غنیمت کی طرح اس کا خمس لیا جائے گا۔ یہ امام اوزاعیؒ اور اہل شام کا قول ہے، اور آیت غنیمۃ میں داخل ہونے کے سبب سے ابن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ اگر امام کثرتِ مال دیکھے تو خمس لے لے اور اگر کم سمجھے تو خمس نہ لے۔ یہ اسحٰق کا قول ہے۔

حضرت عمرؓ کا ذاتی اجتہاد واجب العمل نہیں

اور عمرؓ بن خطاب کے فعل سے ثابت ہے۔ سعید نے اپنی سنن میں ابن سیرینؒ سے نقل کیا کہ حضرت براءؓ بن مالک نے بحرین میں مرزبان کا مقابلہ کیا اور اسے نیزہ مارا اور اس کی پیٹھ توڑ دی۔ پھر اس کے کنگن اور اس کا سلب لے لیا جب حضرت عمرؓ نے ظہر کی نماز ادا کی تو حضرت براءؓ کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ہم سلب کا خمس نہیں لیا کرتے تھے، لیکن براءؓ نے سلب حاصل کیا، جس کی مالیت بہت زیادہ ہے اور میں اس کا خمس لوں گا، اس طرح اسلام میں یہ پہلا خمس تھا جو حضرت براءؓ کے سلب سے لیا گیا اور یہ تیس ہزار تک پہنچ گیا لیکن پہلی صورت زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کا خمس نہیں لیا اور فرمایا کہ یہ تمام کا تمام اسی کا ہے اور اسی پر آپؐ اور آپؐ کے بعد حضرت صدیقؓ کاربند رہے۔ اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا یہ ان کا ذاتی اجتہاد اور رائے تھی۔

خمس غنیمت میں سے ہے

اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس غنیمت میں سے ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قاتل کو ادا فرمایا، اور اس کی قیمت اور قدر کی طرف توجہ نہ کی نیز خمس سے خمس نکالنے کا اعتبار نہیں کیا، مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ تو خمس کا خمس تھا۔

قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے اگرچہ یہ مال بہت زیادہ مقدار میں ہو۔ اور ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے کہ ابو طلحہؓ نے حنین کے دن بیس آدمیوں کو قتل کیا، چنانچہ ان تمام کے سلب انھوں نے لیے۔

غزوۂ طائف

اہل طائف کے لئے ہدایت اور قبولِ اسلام کی دعا

طائف کا محاصرہ یہ غزوہ شوال ۸ھ میں ہوا، ابن سعد کہتے ہیں کہ رواۃ کا بیان ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو طفیل بن عمرو کو ذی الکفین کی طرف بھیجا۔ عمرو بن حنمہ دوسی کا بت تھا۔ تاکہ اسے توڑ دے اور آپ نے اسے طائف میں ملنے اور اپنی قوم سے مدد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے نکلا اور ذالکفین کو توڑ کر تہس نہس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کے چار سو افراد چل پڑے، چنانچہ طائف میں تشریف آوری کے چار دن بعد یہ لوگ بھی حاضر ہو گئے اور دبابہ اور منجنیق ساتھ لے آئے۔

ادھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے طائف جانے کا ارادہ فرمایا تو خالد بن ولید سامنے آئے اور بنو ثقیف نے اپنے قلعے کا ارادہ کر لیا اور اس میں اس قدر ضروریاتِ زندگی جمع کر لئے جو انہیں ایک سال تک کے لئے کافی تھے جب یہ لوگ اوطاس سے شکست کھا کر بھاگے تو اپنے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے اور دروازے بند کر دیئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

اہل طائف کی طرف سے شدید مزاحمت اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے۔ چنانچہ آپ ﷺ

طائف کے قریب اُترے اور وہاں آپ کا لشکر بھی تھا۔ چنانچہ (اہل طائف) نے بڑی شدت کے ساتھ تیر برسائے جیسے ٹکڑی آرہی ہو۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کو زخم آئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اس جگہ آگئے جہاں آجکل طائف کی مسجد ہے۔ آپؐ کے ہمراہ آپؐ کی ازواجِ مطہرات حضرت ام سلمہؓ اور زینب بھی تھیں، ان کے لئے دو خیمے لگا دیئے گئے اور طائف کے محاصرے کے دوران آپؐ ان دو خیموں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔ آپ نے اٹھارہ روز محاصرہ جاری رکھا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں بیس سے زیادہ دن محاصرہ جاری رہا اور آپؐ نے منجنیق گاڑ دی۔ اور یہ اسلام میں پہلا ہتھیار تھا۔ جس کے ذریعے (قلعہ توڑنے کے لئے پتھر) برسائے گئے، ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں جس دن دیوار کے پاس ایک سوراخ سا ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ دبابہ کے نیچے چلے گئے۔ اور اس کے ذریعہ دیوار طائف میں داخل ہوئے تاکہ اسے جلا دیں۔ بنو ثقیف نے ان پر تیر برسائے، جس کی وجہ سے بعض صحابہؓ شہید ہو گئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے اعناب کاٹ دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ لوگ اسی میں مصروف ہو گئے۔

رسول اللہؐ کی طرف سے منادی

ابن سعدؒ بتاتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ انہیں اللہ اور قرابت سے بلائیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں انہیں اللہ اور رحم (قرابت سے بلاتا ہوں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کہ جو آدمی قلعے سے اُتر کر ہماری طرف آجائے گا، وہ آزاد ہے اس پر دس اور کچھ آدمی حاضر ہوئے۔ جن میں ابو بکرہؓ بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور ہر آدمی سے اہل اسلام کے ایک ایک فرد کو دیا تاکہ ہر ایک دوسرے کی کفالت کرے۔ اس بات سے اہلِ طائف کو سخت صدمہ ہوا لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو فتح طائف کی اجازت نہ ملی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ ویلی سے مشورہ کیا اور دریافت فرمایا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے عرض کیا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی اور اگر چھوڑ دی گئی تو بھی نقصان نہیں دے سکتی۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ بن خطاب کو حکم دیا کہ لوگوں کو کوچ کرنے کی اجازت سُنا دی جائے۔ اس سے لوگوں کو کوفت ہوئی، کہنے لگے، طائف فتح تو ہوا نہیں اور ہم واپس چلے جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا، کل جنگ کرو۔ صبح ہوئی تو مسلمان گھائل ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کل انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ اس سے لوگ خوش ہوئے، اور انہیں یقین ہو گیا، چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔

اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے

جب سفر کا آغاز ہوا تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو۔ آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون؛ لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے۔

عرض کیا گیا؛ اے اللہ کے رسول ثقیف پہ بددعا فرمائیے، آپ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں (مطیع کر کے) حاضر کر

محاصرہ طائف میں ایک جماعت شہید ہو گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جعرانہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس مقام سے عمرے کا احرام باندھ کر (مکّہ) میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا، اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے آئے

رسول اللہ کی مدینہ منورہ واپسی

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تبوک کے بعد مدینہ منورّہ تشریف لائے اور اسی ماہ ثقیف کا وفد بھی حاضر ہوا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم جب واپس ہوئے تو آپ کے پیچھے عروۃؓ بن مسعود حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچنے سے قبل آپؐ سے آملے اور اسلام قبول کر لیا اور حالتِ اسلام میں اپنی قوم کی طرف جانے کی اجازت چاہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ تمہاری قوم سے اندیشہ ہے کہ وہ تم سے جنگ کرے گی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں نخوت اور غرور ہے جس کی وجہ سے وہ قبول اسلام سے رک رہے ہیں۔

عروہؓ بن مسعودؓ کی قبول اسلام کے بعد شہادت

عروہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول:۔

میں ان کے نزدیک ان کی کنواریوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں، اور واقعی وہ ان میں ایسے ہی محبوب اور مطاع تھے، چنانچہ اپنی قوم کو اس اُمید پر اسلام کی دعوت دینے کے لئے چلے کہ وہ ان کے مرتبہ کے باعث مخالفت نہ کرے گی۔

لیکن اس قدر و منزلت کے باوجود جب انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور اظہارِ اسلام کیا تو ہر جانب سے تیر برسنے لگے۔ چنانچہ ایک تیر ایسا لگا کہ شہید ہو گئے، نزع کے وقت پوچھا گیا کہ اپنے خون کے متعلق کیا خیال ہے؟

کہنے لگے:۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اعزاز و اکرام بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت سے نوازا ہے اس لئے مجھ میں اور ان شہدا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہوئے۔ کچھ فرق نہیں اس لئے مجھے ان کے ساتھ ہی دفن کرنا۔

رسول اللہؐ نے ان کے متعلق فرمایا، ان کی مثال اپنی قوم میں اس طرح ہے کہ جیسے صاحب یٰس کی قوم میں تھی۔ عروہؓ کی شہادت کے کئی ماہ بعد تک ثقیف رکے رہے۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور سمجھ لیا کہ ہر چہار طرف سے عربوں سے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں (کیونکہ) انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ اور اسلام قبول کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس بات پر اجتماع کر لیا کہ عروہ کی طرح

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی آدمی بھیجیں۔ انہوں نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر سے بات کی۔ یہ عروہ بن مسعودؓ کا ہم عمر تھا۔ اس نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خطرہ محسوس کیا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی عروہ کی طرح معاملہ نہ ہو، یہ کہنے لگا جب تک تم میرے مزید آدمی نہ بھیجو تب تک میں یہ کام نہیں کروں گا، اس پر انہوں نے احلاف کے دو آدمی اور بنی مالک کے تین آدمی کر دیئے۔ یہ چھ آدمی تھے جنہیں بھیجا گیا، چنانچہ انہوں نے حکم بن عمر بن دہب اور شرجیل بن غیان کو اور بنی مالک میں عثمان بن ابی العاص اوس بن عوف اور نمیر بن خرشتہ کو بھیجا۔ یہ لن کے ہمراہ نکلے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے، ایک نہر کے قریب اترے یہاں مغیرہ بن شعبہ ملے (حضرت مغیرہؓ انہیں دیکھ کر) تیزی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے تاکہ آپ ثقیف کے حاضر ہونے کی اطلاع کریں۔

انہیں (راستے میں) ابوبکرؓ ملے، انہوں نے فرمایا:- میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھ سے پہلے نہ جانا کہ میں آپؐ کو یہ خوشخبری سناؤں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آخر ابوبکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور (ثقیف کے وفد) کی آمد کی اطلاع دی، جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ تو ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک طرف خیمہ لگا دیا گیا اور خالد بن سعد بن عاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ثقیف کے وفد کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھیجا کھانا وہ اس وقت تک نہ کھاتے جب تک خالد اس میں سے نہ کھا لیتے۔

بنو ثقیف کا قبول اسلام

آخر کار وہ مسلمان ہو گئے اور عہد نامہ کے وقت انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ ان کا بت طاغیہ جسے لات کہتے ہیں۔ تین سال تک کے لئے رہنے دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ پھر ایک ایک سال تک گھٹتے رہے یہاں

تک کہ ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن آپ نے قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی سے انکار کر دیا، طاغیہ (لات) کو چھوڑ دینے کے علاوہ وہ نماز کی معافی بھی چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے بت نہ توڑنے پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رہا بتوں کا تمہارے ہاتھوں سے توڑنا اس سے ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ لیکن نماز تو جس دین میں نماز نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی نہیں۔

جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مکتوب لکھ دیا اور حضرت عثمانؓ بن ابی عاص کو ان پر امیر مقرر فرما دیا، یہ نوعمر تھے، اسی وجہ سے انہیں امیر بنایا گیا۔ کہ اسلام اور قرآن سیکھنے میں سب سے زیادہ خواہش مند تھے، جب یہ اس کام سے فارغ ہوئے اور انہوں نے اپنے علاقے کی طرف واپسی کا ارادہ کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ابو سفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو طاغیہ (لات) کے توڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں قوم کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ طائف پہنچ گئے۔ (یہاں پہنچ کر) جب ابو سفیانؓ اور مغیرہؓ نے لات پر کلہاڑا برسانا شروع کیا تو ثقیف کی عورتیں روتی چلاتی نکلیں اور تو تباہ ہو تو تباہ ہو کہہ رہی تھیں۔

جب مغیرہ نے اسے گرا دیا اور اس کا تمام مال اور زیورات لے لئے تو یہ تمام سونا چاندی اور ہار وغیرہ ابو سفیان کی طرف بھیج دیا۔

غزوہ طائف سے متعلق

چند اہم ترین اور معرکہ آرار فقہی مسائل

اس واقعہ میں فقہی مسائل یہ ہیں کہ اشہر حرم میں قتال جائز ہے اور اس کی تحریم منسوخ ہو چکی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان کے اٹھارہ دن گزرنے کے بعد آخری حصہ میں تشریف لے گئے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے کہ ہمیں اسماعیل نے بتایا انہیں خالد حذاء سے انہیں ابو قلابہ سے انہیں ابو اشعث سے انہیں شداد بن اوس سے روایت پہنچی کہ فتح کے موقع پر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی کے پاس سے گذرے جو بقیع میں سنگیاں لگوا رہا تھا۔ اور یہ رمضان کی اٹھارہویں شب تھی اور آپ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:۔

سنگیاں لگانے اور لگوانے والے ہر دو کا افطار ہو گیا۔

نیز اس سے اس بات کا جواز بھی نکلتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ہمراہ جنگ میں جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ ہمراہ تھیں۔

لڑائی میں کفار پر پتھر برسائے جا سکتے ہیں

نیز کفار کے مقابلہ میں ان پر پتھر برسانے کے لئے منجنیق لگانے

کا جواز بھی ثابت ہے اور عورتوں بچوّں کو قتل نہ کرنا جو جنگ میں شریک نہ ہوں۔
نیز اس میں کفّار کے درختوں کے کاٹنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے، جب یہ یقین ہو جائے کہ اس سے انہیں ضعف پہنچے گا اور انہیں غصّہ آئے اور اس سے انہیں خوب ضرر پہنچے گا۔

مشرک کا بھاگا ہوا غلام آزاد

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مشرکین کے قبضہ سے غلام بھاگ کر مسلمانوں سے آملے تو وہ آزاد ہو گا۔ سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون سے انہیں حجاج سے انہیں ابن عباس سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غلام آزاد کر دیتے تھے جو (اپنے کافر) آقاؤں کے پاس سے بھاگ آتے تھے

امام حسبِ مصلحت محاصرہ اٹھا سکتا ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام جب کسی قلعے کا محاصرہ کرے اور وہ فتح نہ ہو اور وہاں سے کوچ کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت معتبر ہو تو وہیں پڑا رہنا ضروری نہیں۔ محاصرہ اٹھا لینا جائز ہے۔ ہاں اگر مصلحتً اہلِ اسلام محاصرے میں ہو تو محاصرہ جاری رکھنا واجب ہے۔

عمرہ کے لئے جعرانہ سے احرام باندھنا

اس میں اس کا تذکرہ بھی آگیا کہ آپ نے عمرہ کے لئے جعرانہ کے مقام سے احرام باندھا۔ اس وقت آپ مکہ کی طرف تشریف لا رہے تھے اور طائف کی جانب سے جو آدمی مکہ میں داخل ہونا چاہے اس کے لئے یہی سنّت ہے وہ طریقہ جو اکثر جہلاء کرتے ہیں کہ مکہ سے جعرانہ کی طرف جاتے ہیں تاکہ وہاں جا کر عمرے کا احرام باندھیں پھر وہاں سے مکہ کی طرف واپس آئیں۔ یہ کام نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابیؓ نے کیا اور نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا بلکہ اسے عوام ہی کرتے ہیں اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء خیال کرتے ہیں حالانکہ انہیں غلط فہمی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے مکہ تشریف

لاتے وقت احرام باندھا تھا نہ کہ یوں ہو کہ آپ مکّہ سے جعرانہ احرام باندھنے کے لئے گئے ہوں۔ آج کا طریق اور ہے اور آپ کی سنّت کا معاملہ اور ہے اور اللہ ہی کی جانب سے توفیق ہوتی ہے۔

بد اعمالوں کے لئے دعائے خیر کی جا سکتی ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے ثقیف کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی کہ (اے اللہ) انہیں ہدایت دے اور (انہیں مطیع) بنا کر میرے پاس لا، حالانکہ انہوں نے آپؐ سے جنگ و قتال کیا تھا، اور آپؐ کے صحابہؓ کی ایک جماعت کو شہید کر دیا تھا اور آپؐ کے ایک قاصد کو (عروہ) بھی شہید کر دیا تھا جو انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ ان تمام (بداعمالیوں) کے باوجود آپؐ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور بددعا نہ کی۔ یہ چیز آپ کی کمالِ رحمت، شفقت اور رحمت کا ثبوت ہے، آپ پر اللہ کی (لاکھوں) رحمتیں اور سلام ہوں۔

اپنی نیکی دوسرے کو دی جا سکتی ہے:۔ اور اسی سے حضرت صدیقؓ کی کمال محبت اور آپ کے تقرب اور مہر امکانی الفت کی خواہش کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضرت مغیرہ سے اصرار کیا کہ انہیں کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد طائف کی آمد کی خوشخبری سنائیں تاکہ وہی آپؐ کی فرحت و سرور کا سبب بنیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی اپنے دوسرے بھائی سے درخواست کرے کہ وہ اسے ایک نیکی کما کر تقرب حاصل کر دینے کا موقع دے، کیونکہ ہر آدمی کے لئے یہ چیز جائز ہے، کہ وہ اپنے آپ پر اپنے بھائی کو ترجیح دے اور بعض فقہا کا یہ قول فصیح نہیں کہ "نیکیوں میں ایثار کرنا جائز نہیں"؛ حالانکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنے گھر کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ رحمت میں دفن ہونے کے معاملہ میں اپنے آپ پر ترجیح دے دی، اور حضرت عمرؓ

نے اس کی درخواست کی تو انہیں ناگوار نہ گذری اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان خصالِ حسنہ سے متصف انسان کی نیکیاں اس مخصوص نیکی سے بڑھ جاتی ہیں۔ جس کے متعلق وہ دوسرے بھائی کو ترجیح دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ ایک نیکی خرچ کرتا ہے اور کئی نیکیاں حاصل کر لیتا ہے (آپ دیکھئے تو) کہ جب ایک جماعت صحابہؓ کو پیاس محسوس ہوئی اور موت قریب ہوگئی۔ کسی ایک صحابیؓ کے پاس پانی تھا، اس نے دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دی اور خود موت کے منہ میں چلا گیا۔ یہ جائز کام تھا اور کسی نے یوں نہیں کہا کہ اس نے خودکشی کی یا اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا۔ بلکہ یہ فعل تو جود و سخا کی انتہا ہے: جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔

اور فتوحِ شام کے موقع پر بھی صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا تھا اور اسے ان کے خصائل و مناقب میں شمار کیا گیا۔

مساکن شرک وطاغوت ڈھا دیئے جائیں

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و طاغوت کی جگہوں کو ایک دن بھی باقی رکھنا جائز نہیں بشرطیکہ انہیں مٹانے اور ختم کرنے کی استطاعت ہو، کیونکہ یہ جگہیں شرک و کفر کی علامات ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس لئے استطاعت ہوتے ہوئے انہیں قائم رہنے دینا ناجائز ہے۔

قبروں کے گنبد اور قبّے بتکدے ہیں

اسی طرح قبروں پہ گنبد اور قبّے کا بھی حکم ہے کہ جنہیں بت بنا لیا گیا ہے۔ اور اللہ کے علاوہ ان کی پوجا کی جاتی ہے ایسے پتھر جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ نام کی نذر مانی جاتی ہے اسے بوسہ دیتے ہیں، انہیں مٹانے کی قوت ہوتے ہوئے زمین میں ان پہ ایک برائی بھی باقی رکھنا ناجائز ہے، اور ان (مزارات) میں سے بیشتر کی حالت لات، عزیٰ اور منات کے برابر ہے بلکہ یہاں تو اس سے بھی زیادہ شرک کی حرکات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اور ان مشرکوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ بت پیدا کرتے، روزی دیتے مارتے اور زندہ کرتے ہیں بلکہ مشرکین بھی وہی کرتوت کرتے جو کہ آجکل ان کے مشرک بھائی اپنے ہاں صنم کدوں (مزارات) میں کرتے ہیں اس طرح آج (کے مشرکین) بھی اپنے سے پہلے کے (مشرکین) کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور ایک ایک مرحلہ پر انہیں کی اتباع کر رہے ہیں۔ جہالت کے غلبہ اور علم کے خفا کے باعث اکثر لوگوں پر شرک قبضہ کر چکا ہے ان کے نزدیک نیکی بدی بن چکی ہے اور بدی نیکی دکھائی دیتی ہے۔ سنّت کو بدعت کو سنّت سمجھنے لگے ہیں، یہ بات ہر چھوٹے بڑے میں پیدا ہو چکی ہے، شعائر اسلام غائب ہو چکے۔ غربتِ اسلام نے شدت اختیار کر لی، علما کم ہو گئے۔ سفہا کا غلبہ ہو گیا اور معاملہ بگڑ چکا۔ تکلیف بڑھ گئی۔ خشکی و تری میں لوگوں کی کرتوتوں کے باعث فساد پیدا ہو گیا لیکن جماعت محمدیہ میں سے ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی اور اہل شرک و بدعت کا مقابلہ کرتی رہے گی، تا آنکہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین اور اہلِ زمین کا وارث بن جائے گا (قیامت قائم ہو جائے گی) اور وہی بہتر وارث ہے

مزارات اور صنم کدوں کی تخریب کے بعد ان کا مال ضبط کیا جا سکتا ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان مزارات اور صنم کدوں کو مٹانے کے بعد ان کا سرمایہ جہاد اور اہل اسلام کے مصالح میں خرچ کرے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان صنم کدوں کا تمام مال قبضہ میں کرے اور اسے فوج اور جہاد اور اہل اسلام کے مصالح پر خرچ کرے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لات کو توڑ کر تمام مال پر قبضہ کر لیا اور ابو سفیان کو دے کر اس کی تالیف قلب فرمائی اور اسی کے ذریعہ عروہؓ اور اسودؓ کا قرض ادا فرمایا:۔

قبروں کے گنبد اور قبے توڑ دیئے جائیں

اسی طرح امام پر واجب ہے کہ قبروں پر بنائے ہوئے گنبدوں اور قبوں کو مٹا دے جنہیں بت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور اسے اس کی بھی اجازت ہے کہ یہ

مال جنگ میں استعمال کرے یا فروخت کر کے مصالح اہل اسلام پر خرچ کرے۔
یہی حال ان کے وقف کا ہے کہ (ان مزارات) کا وقف باطل ہے اور ان کا مال برباد ہے، اسے اہل اسلام کے مقاصد پر خرچ کیا جائے گا۔ وقف تو صرف نیکی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہوتا ہے، اس لئے مزار پر پختہ قبر (جو بدی کی علامت ہے) کا وقف جائز نہیں کہ اس پر قبہ بنایا جائے اور اس کے متعلق تعظیم اور نذر وغیرہ کے رسوم ادا کئے جائیں اور ان کا حج کیا جائے اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کی جائے، لوگوں نے انہیں صنم بنا رکھا ہے اور آئمہ سلام اور ان کے اتباع میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

وادی مرج اس میں ایک وادی مرج کا ذکر ہوا ہے۔ یہ طائف میں ایک وادی ہے اور حرم ہے اس میں درخت کاٹنا اور شکار کھیلنا حرام ہے۔

اس میں فقہا اور جمہور کا اختلاف ہے، ان کا فرمان ہے کہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ کہیں بھی حرم نہیں۔ البتہ ابو حنیفہؒ نے مدینہ کے حرم ہونے میں اختلاف کیا ہے۔

اور امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وادی مرج حرم ہے اس میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام ہے۔

وصولی صدقات کا انتظام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں سے داخل ہوئے، آپ ۹ھ کو داخل ہوئے تو آپ نے اعراب سے صدقات وصول کرنے کے لئے بعض مصدق (صدقہ وصول کرنے والے) بھیجے، ابن سعد کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدقین بھیجے، کہتے ہیں۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کو محرم کا چاند دیکھا تو آپ نے عربوں سے صدقات لینے کے لئے مصدقین بھیجے۔ چنانچہ آپ نے عیینہ بن حصن کو بنو تمیم کی طرف یزیدؓ بن حصین کو اسلم اور غفار کے قبائل کی طرف، عبادؓ بنی بشیر اشہلی کو سلیم اور مزینہ کی طرف رافع بن مکیث

کو جہینہ کی طرف، عمرو بن العاص کو بن فزارہ کی طرف ضحاکؓ بن سفیان کو بن کلاب کی طرف، بشیر بن سفیان کو بنی کعب کی طرف اور ابن لقیبہؓ ازدی کو بنی ذیبان کی طرف بھیجا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محصلین (صدقہ وصول کرنے والوں کو حکم دیا کہ معمولی مال ان سے لیں اور اچھا مال لینے سے پرہیز کریں۔

۹ھ کے سرایا اور بعثات

عنیبہ بن حصن فزاری کا سریہ جو بنی تمیم کے خلاف تھا، وہ ذکر ہو چکا ہے۔ یہ محرم میں ہوا، اس سال آپ نے پچاس سواروں کا ایک سریہ ان کی طرف بھیجا جس میں مہاجرین اور انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے، آخر صحرا میں انہوں نے دشمن پر اچانک حملہ کیا اور ان کے مویشی آ گئے، جب کثیر تعداد میں دشمن مقابلہ میں آیا۔ تو آکر ان میں سے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لائے اور انہیں لے کر مدینہ پہنچے اور انہیں رملۃ بنت حرث کے گھر میں اُتارا گیا۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے سردار عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، اقرع بن حابس، قیس بن حرث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہتم اور رباح بن حرث حاضر ہوئے جب انہوں نے اپنے ہی قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار دیکھا تو بہت روئے اور جلدی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوئے اور آواز دی اے محمدؐ باہر آئیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔

حضرت بلالؓ نے نماز کی اقامت کہہ دی، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا چپک گئے اور باتیں کرتے رہے، آپ ان کے پاس ٹھہرے رہے، پھر تشریف لا کر ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے، عطارد بن حاجب آگے بڑھا، اس نے گفتگو شروع کی اور نثر میں خطاب کیا۔

آپ نے ثابت بن قیس بن شماسی کو جواب دینے کا حکم دیا۔ انھوں نے خوب جواب دیا، انہیں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم؛

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گرفتار شدگان اور غلام واپس کر دے۔

پھر بنی تمیم کا شاعر زبرقان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کے مفاخر میں ایک نظم پڑھی، اس کے جواب میں شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت کھڑے ہوئے اور اس کی نظم کا فی البدیہہ جواب دیا اور حق ادا کر دیا۔

جب حضرت حسانؓ فارغ ہوئے تو اقرع بن حابس کہنے لگا: بے شک آدمی جس کے پاس ہم حاضر ہوئے ہیں) اس کا خطیبؓ ہم سے زیادہ (فصیح) خطیب ہے اور اس کا شاعرؓ ہم سے زیادہ اچھا شاعر ہے اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے بلند ہیں پھر یہ لوگ اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعام عطا فرمایا اور انعامات میں خوب خوب عطیات مرحمت فرمائے۔

وفد بنو تمیم اور شاعر رسولؐ

ابن اسحاقؒ بتاتے ہیں، جب بنو تمیم کا وفد آیا اور مسجد میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی، کہ اے محمد ہماری طرف آؤ،

تو ان کی واویلا کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپؐ ان کی طرف نکلے، یہ لوگ کہنے لگے۔

ہم آپ کے پاس شاعر اور خطیب کے ذریعہ مفاخرت کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہیں، آپ نے ان کا مقابلے کا چیلنج قبول کر لیا، چنانچہ عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اس نے نثر میں خطاب کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس بن شماسی کو اس کے جواب دینے کا حکم دیا، وہ کھڑے ہوئے اور جواب دیا اور جواب دینے کا حق ادا کر دیا۔ پھر جانبین کے شعراء کا مقابلہ ہوا۔ آخر کار اقرع بن حابس نے اپنی شکست کا اقرار کیا اور وہ لوگ مسلمان ہوئے اور انعامات حاصل کئے۔

قطبہ بن عامر بن حدید کا خشعم کی طرف سریہ

یہ ۹ھ میں صفر میں وقوع پذیر ہوا۔ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطبہ بن عامر کو بیس آدمیوں کو خشعم کو تبالہ کی جانب ایک قبیلے کی طرف بھیجا اور اغارت کا حکم دیا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر سوار ہو کر گئے۔ انھوں نے ایک آدمی کو پکڑا اور اس سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی، وہ خاموش ہو گیا، پھر وہ چیخنے لگا، اور بستی والوں کو آگاہ کرنے لگا، انھوں نے اس کی گردن کاٹ دی، پھر وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ بستی والے سو گئے۔ پھر انھوں نے بستی پر غارت گری کی، اور سخت ترین جنگ ہوئی، یہاں تک کہ دونوں جانب کافی لوگ زخمی ہوئے اور قطبہ بن عامر دوسروں کے ساتھ قتل ہوا۔

مسلمان۔ چوپائے، عورتیں اور بکریاں لے کر مدینہ واپس لائے۔ اس قصہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ دشمن جمع ہو گئے، اور ان کے پیچھے بھاگے مگر اللہ تعالےٰ نے ان کے مقابلے میں سیلاب بھیجا اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سیلاب حائل ہو گیا۔ چنانچہ مسلمان بکری۔ چوپائے اور گرفتار شدگان کو لے کر جا رہے تھے اور وہ (سیلاب کے باعث) کھڑے بے بس دیکھ رہے تھے اور اسے عبور کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ مسلمان نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

بنو کلاب کے خلاف ضحاکؓ بن سفیان کا سریہ

ضحاک بن سفیان کلابی کا سریہ جو کہ بنو کلاب کے خلاف ۹ھ ربیع الاوّل میں واقع ہوا، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو کلاب کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ضحاک بن سفیان بن عوف طائیؓ اور اصید بن سلمہ ان کے ہمراہ تھے اصید کا والد پہلے اسلام لے آیا لیکن پھر اسلام کو گالی دی، مختصر سے مقابلے کے بعد اصید نے اسے قتل کر دیا، اس کے بیٹے کو قتل نہ کیا۔

حبشہ کی طرف علقمہ بن محرز مدلجی کا سریہ

یہ ۹ھ کے ربیع الآخر میں واقع ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ اہلِ جدہ بعض اہل حبشہ کی طرف امید سے دیکھ رہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت علقمہؓ بن محرز کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔ یہ ایک جزیرہ میں پہنچے۔ چنانچہ وہ لوگ واپس بھاگ گئے۔ واپسی پر بعض لوگوں نے جلدی سے اپنے گھر واپس آنا چاہا۔ انھوں نے ان کو اجازت دے دی۔

عبداللہؓ بن حذافہ سہمی نے بھی جلدی سے آنا چاہا۔ انہیں بھی اجازت دے دی ان کا آپس میں مزاج بھی چل رہا تھا، چنانچہ جب یہ کسی جگہ اترے اور انھوں نے آگ جلائی جیسے سینکنے لگے تو انھوں نے کہا:

میں نے ارادہ کیا ہے کہ کیا تم آگ میں کود پڑو؟

چنانچہ کچھ لوگ اٹھے اور تیار ہو گئے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہو گیا واقعی یہ کود جائیں گے۔

اس پر علقمہؓ کہنے لگے، میں تو تم لوگوں سے مذاق کر رہا تھا۔

واپسی پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا جو گناہ کا حکم دے اس کی اطاعت مت کرو۔

بنی طے کے بتوں کو توڑنے کے لئے

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں ایک سریہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو انصار کے ہمراہ ایک سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر بھیجا، ان کے پاس ایک سفید اور ایک سیاہ جھنڈا تھا۔ یہ لوگ قلیس تک گئے جو طے قبیلہ کا بت تھا۔ تاکہ اسے گرادیں، چنانچہ انہوں نے فجر کے وقت حاتم کے محلہ پر چھاپا مارا اور اسے مٹا دیا اور چوپائے بکریاں اور قیدی جو ان کے ہاتھ لگے، نیز عدی بن حاتم کی بہن بھی گرفتار کر لی گئی۔ خود عدی شام کی طرف بھاگ گیا۔ ان کے گھر سے تین تلواریں، تین زرہیں ملیں، ابوقتادہؓ کو قیدیوں کا محافظ مقرر کر دیا گیا۔ اور چوپاؤں اور غلاموں پر عبداللہ بن عتیک کو نگہبان بنا دیا گیا۔ راستہ میں ہی غنائم تقسیم کر دیئے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ (صفی) الگ کر لیا گیا۔ اور آل حاتم پر جب تک کہ وہ مدینہ حاضر نہیں ہوئے، کچھ تقسیم نہ کیا گیا۔

عدی بن حاتم کی رسول اللہ ﷺ سے نفرت

ابن اسحٰقؒ بتاتے ہیں کہ عدی بن حاتم نے کہا۔ عربوں میں اس قدر کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر نہ تھا، جونہی میں نے آپؐ کے متعلق سُنا میں ایک شریف نصرانی آدمی تھا اور اپنی قوم میں مرباع میں رہا کرتا تھا۔ اپنے خیال کے مطابق میں ایک صحیح دین پر تھا اور اپنی قوم کا سردار بھی تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے متعلق سُنا تو مجھے متنفر ہو گیا، اور میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا جو میرے اونٹوں کا چرواہا تھا کہ تیرا باپ نہ ہو، میرے اونٹوں کو موٹا تازہ بنادے اور انہیں میرے قریب ہی رکھ جب تو سنے کہ محمد کے عساکر طے کے علاقہ کو روند رہے ہیں تو مجھے اطلاع دینا۔

اس نے ایسا ہی کیا، ایک صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا اسے عدی جب محمد کے عساکر گھیر لیں گے۔ تو پھر تم کیا کرو گے؟ اب موقع ہے کچھ کر لو، کیونکہ میں نے جھنڈے دیکھے ہیں میں نے ان کے متعلق پوچھا تو جواب ملا کہ یہ محمد کا لشکر ہے۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا۔ میرے اونٹ جلدی لاؤ۔ وہ اونٹوں کو لے آیا۔ میں نے اپنے اہل و عیال کو ان پر سوار کیا اور کہا:

میں شام میں اپنے نصرانی بھائیوں کے پاس جا رہا ہوں۔

حاتم کی ایک لڑکی کو میں شہر میں ہی چھوڑ گیا۔

جب میں شام آیا اور یہاں اقامت پذیر ہو گیا تو میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عساکر آئے اور حاتم کی لڑکی کو دیگر گرفتار شدگان کے ساتھ لے گئے اور طے کے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق شام کی طرف فرار ہونے کی خبر مل چکی تھی۔

حاتم کی لڑکی پر آپؐ کا رحم و کرم

آپؐ (حاتم کی لڑکی) کے پاس سے گذرے، اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، قاصد (سہارا) گم ہو گیا۔ والد مر گیا اور میں ایک بڑھیا عورت ہوں کوئی خادم نہیں، اس لئے اللہ کے فضل سے مجھ پر احسان فرمایئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، تیرا سرپرست کون ہے؟

کہنے لگی، عدی بن حاتم

آپؐ نے فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہو گیا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ مجھ پر احسان کیجئے، جب آپؐ واپس ہوئے، اس وقت آپؐ

کے ہمراہ حضرت علیؓ تھے، انھوں نے مشورہ دیا، آپؐ سے سواری مانگی، کہتی ہے کہ میں نے (سواری) کی درخواست کی، آپؐ نے سواری عطا فرمادی اور (عدی) کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

(عدی) کہتے ہیں کہ آخر میری بہن میرے پاس آئی اور کہنے لگی تو نے وہ کام کیا ہے جو تیرے باپ نے نہ کیا تھا (آپؐ) کے پاس رغبت سے یا ڈر سے حاضر ہو کیونکہ آپؐ کے پاس فلاں حاضر ہوا۔ تو اسے انعام ملا۔ فلاں حاضر ہوا۔ اسے بھی انعام ملا۔

عدی بن حاتم خدمت نبوی میں

عدی بتاتے ہیں کہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔

لوگ کہتے ہیں یہ عدی بن حاتم ہے۔ اور میں بغیر کسی امان اور تحریر کے حاضر ہو گیا تھا۔

جب اس نے مجھے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے قبل میں یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا، آخر آپ اپنے گھر میں تشریف لائے، ایک بچّی نے (سادہ وگدا) بچھایا آپؐ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپؐ نے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا، تجھے کس چیز نے بھگایا؟ کیا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کیا تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اللہ (معبود مانتا ہے)؟

میں نے کہا: نہیں! پھر آپؐ نے کچھ دیر باتیں کیں، پھر فرمایا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے کہ "اللہ اکبر" (اللہ سب بڑا ہے) کیا تیرے نزدیک اللہ سے کوئی بڑا ہے؟

میں نے جواب دیا نہیں!

پھر آپؐ نے فرمایا، یہود پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہو چکے ہیں

میں نے کہا میں حنیف مسلم ہوں۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ فرحت سے کھل گیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا۔ تو میں ایک انصاریؓ کے پاس ٹھہرا اور دن میں دو بار حاضر ہوتا رہا۔ اس اثنا

میں آپؐ کے پاس ایک جماعت حاضر ہوئی، جس نے روئی کے کپڑے پہن رکھے تھے (افلاسی کے سبب سے) (عدی) کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کھڑے ہوئے اور ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، پھر فرمایا۔

اے لوگو! اپنی دولت میں سے کچھ خرچ کرو۔ اگرچہ ایک صاع ہو، نصف صاع ہو، ایک مٹھی ہو یا مٹھی کا کچھ حصّہ ہو جس کے ذریعے تم جہنم کی گرمی یا آگ سے اپنے چہرے کو بچاؤ گے۔

اگرچہ ایک کھجور ہو یا کھجور کا ایک ٹکڑا ہو۔ اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھے بول ہی سے سہی، جب تم میں سے کوئی اللہ سے ملے اور ملنے والا یوں کہے،

کیا میں نے تجھے مال اور اولاد نہ دی تھی؟

وہ کہے گا، ہاں!

وہ پوچھے گا اپنے لئے تو نے کیا آگے بھیجا۔

تو وہ اپنے سامنے پیچھے، دائیں بائیں دیکھے گا اور جہنم کی گرمی سے اپنے چہرے کو بچانے کے لئے کچھ نہ پائے گا۔

اس لئے تمہیں چاہیئے کہ اپنے چہرے کو دوزخ کی حرارت سے بچاؤ، اگرچہ کھجور کے ٹکڑے سے ہی ہو سکے، اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھے بول سے کیونکہ مجھے تم پر افلاس اور فاقہ کے باعث سے کچھ خطرہ نہیں، اللہ تعالیٰ دور کرنے والا ہے اور عطا کرنے والا ہے یہاں تک کہ یثرب اور حیرۃ کے درمیان ایک عورت گذرے گی اور اسے کہیں بھی چوروں کا خوف محسوس نہ ہو گا۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اُس وقت طے قبیلہ کے چور کہاں جائیں گے۔؟

واقعہ کعب بن زہیرؓ

ایک دشمن اور باغی سے رسول اللہؐ کا عفو و درگزر

یہ واقعہ طائف سے واپسی اور غزوہ تبوک کے درمیان ہوا۔ ابن اسحٰقؒ بتاتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی سعد کو خط لکھا اور اطلاع دی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہؐ میں ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جو کہ آپؐ کی ہجو کرتے اور ایذا دیتے تھے اور شعرائے قریش میں سے جو باقی ہیں۔ یعنی ابن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب وہ اس طرح فرار ہوئے کہ ان کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ اس لئے اگر تیرے دل میں کچھ لگاؤ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ کیونکہ جو بھی آپؐ کے پاس تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر ہوتا ہے۔ آپ اُسے قتل نہیں کرتے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اپنا انتظام کر لے۔

اس نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور جواب میں چند اشعار لکھ بھیجے۔ پھر بجیرؓ نے کعب کو خط لکھا اور اشعار میں اسے اسلام کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ اگر اسلام قبول نہ کیا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ تم نجات نہ پا سکو گے۔

کعب کو جب یہ خط ملا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور اسے اپنے متعلق خطرہ ہوا اور کہنے لگا مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اپنے خوف وہراس، اپنے دشمن کی طرف سے چغلی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد وہ مدینے حاضر ہوا اور جہینہ کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا، جس سے پہلے ہی سے مراسم تھے صبح کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ صبح ادا کی تو اس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ رسول اللہ ہیں، اٹھ اور ان سے امان کی درخواست کر۔

مجھے بتایا گیا، کہ وہ اٹھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔ اور اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ پر رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچانتے نہ تھے اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر آپؐ سے امان کی درخواست کرنے حاضر ہونا چاہتا ہے جو تائب اور مسلمان ہو کر حاضر ہے اور عرض کیا، اگر میں اسے آپؐ کی خدمت میں لے آؤں تو آپؐ اس کی درخواست قبول فرمالیں گے۔

دشمن کو معاف کر دینے کا وعدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصمؒ بن عمر بن قتادہ نے بتایا کہ انصار میں سے ایک صحابی اچھل کر اُٹھے اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجئے۔ میں اللہ کے اس دشمن کی گردن ماردوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسے رہنے دے، وہ تائب ہو کر حاضر ہوا ہے۔

راوی کہتے ہیں اس پر انصار کے اس قبیلہ پر کعب کو غصہ آیا۔ اس وجہ سے کہ مہاجرین نے بھلائی کے سوا کچھ بات نہ کی۔ اس نے اس موقعہ پر قصیدہ لامیہ پڑھا۔ جس میں اس نے ابتدا میں اپنی محبوبہ اور اس کی اونٹنی کی تعریف کی اور پھر دربارِ رسولؐ میں حاضر ہونے کے متعلق پرزور اشعار کہے۔

کتابت: منور حسین محلہ کشمیر نگر حافظ آباد